إن من الشعر لحكمة وإن من البيان لسحرا

ہزار ہزار شکر اس ناظم کون ومکاں کا کہ زبان اردو کے شعرائے
ماضی وحال کا یہ مکمل تذکرہ موسوم بہ

تذکرہ ہزار داستان

[illegible] اسلامیہ المعروف بہ

۲۵ ھ ۱۳

خمخانۂ جاوید

جلد سوم

لالہ سری رام ایم۔ اے منصف دہلوی خلف الصدق عالیجناب آنریبل رائے بہادر
مدن گوپال صاحب بیرسٹر [illegible] دہلی و لاہور کی لگاتار محنت تلاش اور کوشش کا نتیجہ ہے

سنہ ۱۹۱۷ء

لالہ ٹھاکر داس صاحب اینڈ سنز کے اہتمام سے
دلی پرنٹنگ ورکس دہلی میں چھپا

تذکرہ ہزار داستان

المعروف بہ

۲۵ سے ۱۳

خمخانۂ جاوید

جلد سوم

مؤلفہ

جناب لالہ سری رام صاحب ایم اے سابق منصف دہلی خلف الصدق

عالیجناب آنریبل رائے بہادر لالہ مدن گوپال صاحب [illegible]

مطبوعہ دلی پرنٹنگ ورکس ۱۹۱۷ء

[illegible] دہلی

فہرست اسمائے شعرائے مندرجہ خمخانۂ جاوید جلد سوم

صفحہ	تخلص	نام
۱۹۹	دلسوز	خیراتی خان
"	دلشاد	عبدالرحمٰن ۔ ۱۵۰
۱۹۴-۵	دلگیر	منشی چھنولال لکھنوی
۱۹۵-۱۰۰	"	شاہ نظام الدین اکبرآبادی
۲۰۰	"	سید اظہر حسین مارہروی
۲۰۰-۱	"	منشی عبدالوہاب
۲۰۱	دلیر	نواب علی محمد خان لکھنوی
"	"	نواب دلیر جنگ مدراسی
۲۰۱-۵	"	نواب امراؤ بہادر باندا
۲۰۵-۹	"	سید امیر حسن مارہروی
۲۰۹	"	میرزا تصدق حسین
"	"	منشی علی شیر
۲۱۰	دماغ	منشی گنگا لال
"	"	مرزا سجاد علی لکھنوی
۲۱۰-۲	دوپیازہ	ملا عبدالمومن دہلوی
۲۱۲	دوست	الشیخ غلام محمد
۲۱۲-۳	"	سید خواجہ
۲۱۳	"	منشی دوست محمد خان
۲۱۳-۴	دولہا	نواب محمد حسن علیخان دہلوی
۲۱۴-۶	"	نظیر الدولہ جہانگیر محمد خان

صفحہ	تخلص	نام
۲۱۶-۷	دولہا	میرزا علی تقی لکھنوی
۲۱۷-۸	دیوانہ	رسلئے سرب سنگھ دہلوی
۲۱۸	"	میرزا محمد علی جان
۲۱۹	"	میر طالب علی بنارسی
"	"	منشی ہنس گوپال ۔
۲۲۰	"	قسیم الدین احمد
"	"	سید باقر علی
۲۲۰-۱	"	سید محمد فاروق ۔ ۱۷۶
۲۲۲	ڈاکٹر	لالہ بھولا ناتھ ۔ ۱۷۷

ردیف حرف ذال

صفحہ	تخلص	نام
۲۲۳-۴	ذاخر	سید فرزند حسین لکھنوی
۲۲۴-۷	ذاکر	نامعلوم الاسم
۲۲۷-۸	"	مولوی ذاکر علی بنارسی
۲۲۸	"	منشی میر جان لکھنوی ۔
۲۲۸-۹	"	میرزا ذاکر الدین گورگانی
۲۲۹-۳۲		مولوی ذاکر علی غازیپوری
۲۳۲-۳	"	شیخ برکت اللہ دہلوی
۲۳۴	"	عنایت خان
"	ذائق	منشی عبدالعزیز لکھنوی
"	"	سید لطف اللہ کانپوری

صفحہ	تخلص	نام
۲۳۵	ذبیح	میرزا امان علی
″	″	نواب اسمٰعیل خان بریلوی
۲۳۵-۹	″	مولوی سید محمد اسمٰعیل
۲۳۹-۴۰	″	منشی باقر حسین
۲۴۱	″	منشی محمد اسمٰعیل
۲۴۱-۲	″	حکیم اسمٰعیل خان دہلوی
″	″	سید عبدالحی
″	″	خواجہ محمد اسمٰعیل
۲۴۳-۴	″	مولوی اسمٰعیل خان بھوپالی
۲۴۴	ذخیر	منشی قربان علی
″	ذرہ	مرزا راجہ رام ناتھ دہلوی
۲۴۴-۵	″	میر ولایت علی۔
۲۴۵	″	منشی ہرپرشاد ۲۰۰-
۲۴۶	″	منشی الواری لال
″	ذکار	اولاد محمد خان
۲۴۶-۵۱	″	منشی خوب چند دہلوی
۲۵۱-۲	″	پنڈت سری کشن۔
۲۵۲-۳	″	منشی بخشش محمد
۲۵۳	ذکائی	ہاشم علی
۲۵۴	ذکی	نواب جعفر علیخان

صفحہ	تخلص	نام
۲۵۳-۴	ذکی	نواب اسدالدولہ فیل جنگ
۲۵۴-۶۵	″	ملک الشعراء مہدی علیخان
۲۶۵-۶	″	حکیم عبدالاحد
۲۶۶	″	منشی محمد کریم
۲۶۶-۷	″	مرزا کبیر الدین گورگانی
۲۶۷	″	اشفاق حسین
″	ذلیق	مولوی محمد نصر اللہ خان
۲۶۷	ذوق	الف خان
۲۶۹-۸۹	″	ملک الشعراء خاقانی ہند شیخ محمد ابراہیم
۲۸۹	ذوقا	ذوقا شاہ
۲۸۹-۹۰	ذوقی	شاہ ذوقی
۲۹۰	″	سید عبدالواحد
۲۹۱	ذہین	حافظ محمد اسمٰعیل خان
۲۹۲	″	حکیم نور الحسن
۲۹۲-۴	″	نواب کاظم علیخان لکھنوی
۲۹۴	″	سید واجد علی۔
۲۹۴-۷	″	غلام مصطفیٰ

ردیف رائے مہملہ

صفحہ	تخلص	نام
۲۹۸	راجہ	راجہ راج کرشن
″	″	راجہ راجہ بہادر

نام	تخلص	صفحہ	نام	تخلص	صفحہ

صفحہ	تخلص	نام	صفحہ	تخلص	نام

[illegible]

تذکرہ ہزار داستان

معروف بہ

خمخانۂ جاوید

جلد سوم

غلام | خادم شیخ غلام علی خان مرحوم [illegible] اور رؤسا قصبہ کیتھل من مضافات سرہند [illegible] تحصیل علم کرتے [illegible] انکے چچا آقا علی خان بسبب ملازمت عماد الملک غازی الدین خان مرحوم آیا [illegible] سے ہوئے اور یہ بھی انکے ساتھ وہیں جا رہے۔ نواب احمد خان مخاطب بہ ناصر جنگ [illegible] مظفر جنگ کا اتالیق مقرر فرمایا تھا آپ غلام محمد آزاد کے شاگرد تھے اور [illegible] میں مشہور الشعراء [illegible] رہے تھے یہ کلام کا انتخاب ہے ۔

[illegible]	آتا ہوں پھر پھر کے میں قبلہ نما کی طرح
[illegible]	بھاتی ہے جبکہ [illegible] خوش نما کی طرح
[illegible]	[illegible] کی طرح

عاشق ہوا ہوں اک بتِ بالا بلند پر
صد آفریں ہے میری بھی عالی پسند پر

مجکو کہتے ہو کہ چل باہر ہو
آپکے کہنے سے کب باہر قدم

ہے کہیں دیر بھی رہ و رسم وفاداری کی
دل مرا چھین کے یوں راہ بتلائی تو نے

پاس سے میرے جو وہ غنچہ دہن اٹھ جائے
طاقت و صبر و قرار و عقل و دین اٹھ جائے

تیرے قامت کا اگر شور نہ ہو کیا شک ہے
سارے عالم سے قیامت کا یقین اٹھ جاوے

کفِ افسوس ہی پھر بیٹھے ملیں گے تا حشر
ہائے گر یار دمِ باز پسیں اٹھ جائے

اُس سے در پردہ کچھ اظہار محبت کا کروں
یہ بغل کا مرے دشمن جو کہیں اٹھ جائے

ہم نشیں پاؤں کو ہاتھ اُسکے لگاتا ہے تو
ہے غضب اُس [illegible] اگر ہاتھ کہیں اٹھ جائے

خادم - جناب عتیق الرحمٰن خان صاحب تلمیذ جناب قدرت رامپوری - باوجود تلاش انکے حالات بہم نہ پہنچ سکے یہ اشعار انکے ہیں ؞

کعبہ سے دیر کی لی راہ مسلماں ہوکر
بُت کا بندہ میں ہوا صاحب ایماں ہوکر

یہ شرارت ہے نئی جان جلانیکے لئے
دل طلب ہم سے کرو غیر کے مہماں ہوکر

خاص - محمد حیدر خاں خاص پسر الٰہی بخش خاں منشی پلٹن شاہی شاگرد شاہزادہ جمعیت شاہ ماہر - اکبر شاہ ثانی کے عہد میں دہلی میں موجود تھے تذکرہ نویسوں نے یہ اشعار انکے لکھے ہیں -

سالہا تھی جدائی گرچہ پہلو میں مرے وہ یار تھا
ناز تھا - آزردگی تھی - رنج تھا انکار تھا

کاوشیں حیلیں [illegible] کیا یادِ مژگاں میں مری
تھا نشتر تھا جگو میں گاہ دل میں خار تھا

دیکھ لے نقشہ اگر اُس عالمِ تصویر کا
تو تو کیا زاہد دل آئے اُس پہ تیرے پیر کا

مار کر مجکو ہوا تو قتلِ عالم پہ دلیر
حلق تھا میرا فساں قاتل تری شمشیر کا

کیوں تقاضائے خلش ہر دم نفس کے ساتھ ہے
دل میں شاید رہ گیا ہے کوئی پیکان تیر کا

خاطر - منشی سید محمد صالح صاحب لکھنوی شاگرد جناب ناظر لکھنوی - زمانۂ حال کے شعرا میں سے ہیں - ان کا کلام لکھنو کے گلدستوں میں نظر سے گذرا اور یہ چند شعر درج تذکرہ کئے گئے ؞

[illegible] کی کیا [illegible] تمام
صدا [illegible] کر [illegible] کا دامان [illegible]

[illegible] جہاں [illegible]
جا کے دیکھا تو دِیار کا دامان [illegible]

[illegible] کا مزہ دل کو ملے اے صیاد
کو رگ جاں ہیں مری تو ترے نشتر اپنا

[illegible] اس [illegible] سے کے ذبح ہوا
جز یاس نہیں نخلِ تمنا میں ثمر اور

[illegible] کہ تجھے شاد کرینگے
کس دل سے یہ سمجھتے تھے کہ بیداد کرینگے

خاطر جناب رملے سورج نرائن صاحب تلمیذ حضرت ظہیر دہلوی۔ اِنکے اُستاد سے اِن کی غزلیں ملی تھیں اُن میں سے چند شعر درج ہوئے حالات اور کلام بارہا طلب کئے۔ مگر دستیاب نہیں ہوئے۔ خا

تصویر نظر کی ہے وہ آئیں جو نظر میں
آنکھوں میں سمائے ہیں وہ بیٹھے ہیں جگر میں

مرغوب ہے اس وجہ سے آئینے اپنی نمایش
آئینے لگا رکھے ہیں دیوار میں در میں

پڑتے ہیں زباں پر مری چھالے دمِ گفتار
کیا قہر کی گرمی ہے مرے سوزِ جگر میں

دل چھین لیا دیکھتے ہی دیکھتے اُس نے
کیا سحر ہے اُس شوخ کی دزدیدہ نظر میں

خاطر منشی سید ظفر حسن صاحب لکھنوی تلمیذ حضرت جلیل۔ روزگار کی وجہ سے بمبئی میں رہتے ہیں اِنکی اکثر غزلیں نظر سے گذریں۔ باوجود کوشش حالات معلوم نہ ہوئے۔ کچھ اشعار منتخب ہوکر منضبط تحریر میں آئے۔ اگرچہ مدتِ مشق کچھ زیادہ نہیں ہے مگر موزونی طبع کے ساتھ شوق اور خوش مذاقی اِنکے کلام سے آشکار ہے مضمون کی طرف بھی خیال کی پرواز ہے۔ خا

چل بسے ہوش دمِ [illegible] دیں ہاتھ ملکر رہگیا
اک چھلاوہ میرے دل میں مجھکو چھلکر رہگیا

ہائے [illegible] جوشِ شباب اُف رے مستانہ روش
جب قدم رکھا کسی کا دِل کچل کر رہگیا

جب اُٹھانے کے لیئے میرے چلا دربانِ یار
میں بشکلِ نقشِ پا در پر مچل کر رہ گیا

طور کی جلوہ نمائی مرحبا اے برقِ طور
ہوگیا بے ہوش کوئی کوئی جل کر رہگیا

[illegible] گیسو سے اگر رات کو اُلجھن میں رہا
دِن کو بیتاب خیالِ رُخِ روشن میں رہا

نہ مٹا خونِ شہیدانِ ستم کا دھبہ
حشر تک بن کے شفق چرخ کے دامن پہ رہا

وقتِ آخر بھی نہ دیدار کی حسرت نکلی
کب وہ آئے ہیں کہ جب دم نہ مرے تن میں رہا

گر یہی دل کی تڑپ ہے تو پسِ مردن بھی
دفن یاروں نے کیا مجکو میں مدفن میں رہا؟

اپنے صیاد کے احسان بھلادوں کیونکر
میں قفس میں بھی رہا یوں کہ نشیمن میں رہا

کبتک رہیگا بادۂ اُلفت سے سرگراں
رشدا بتو ہوش میں آ کچھ سنبھل کے چل

فقیرِ عشق ہیں پر واسطے ملک و مال نہیں
ہمارے پاس وہ شے ہے جسے زوال نہیں

تری نگاہ کا ہر بار اُٹھ کے جھک جانا
یہ کیا ہے مجھ سے مرے دلکا گر سوال نہیں

کسیکی فتنہ خرامی سے حشر برپا ہے
وہ بدنصیب ہے اب بھی جو پائمال نہیں

ہو مجھ سے وصل کا وعدہ عدو سے ایفا ہو
تمھیں کہو کہ یہ فقرہ نہیں یہ چال نہیں؟

یہ کچھ شوقِ شہادت ہے کہ ہم سر بیچکر اپنا
برائے نذر قاتل آج خنجر مول لیتے ہیں

یہاں کے واسطے کیا کیا تزک کیا کیا تکلف ہے
وہاں کیواسطے بھی کچھ تو نگر مول لیتے ہیں

خریداری دلوں کی اور نیچی نیچی نظروں سے
پرکھتے کس طرح ہیں اور کیونکر مول لیتے ہیں

وہ ہونگے اور بکجاتے ہیں جو تقدیر کے ہاتھوں
کوئی بیچے تو ہم اے دل مقدر مول لیتے ہیں

جذبِ اُلفت پردہ دار روئے زیبا کیوں نہو
میرے دِل کے آئینہ میں تیرا نقشہ کیوں نہو

بیحجابی روکشِ چشمِ تمنا کیوں نہو
جسکو آنکھیں دے خدا محوِ تجلی کیوں نہو

کیا حیا ہے نیچی نظروں کے تصدق جائیے
تم نہ آنکھ اپنی اُٹھانا کوئی مرتا کیوں نہ ہو

بات جب بننے بھی دے برگشتگی تقدیر کی
میں بجا بھی کچھ کہوں اُسنے تو بیجا کیوں نہ ہو

آنسو ٹپک پڑے جو مری التجا کے ساتھ
کچھ رحم کھاکے ہوئے وہ مسکرا کے ساتھ

جویائے معرفت ہو تو باطن پہ کر نظر
کبتک چلے گا شیخ یہ تقوی ریا کے ساتھ

قاتل نہ توڑ آس ہماری دمِ اخیر
تیرِ نگاہ بھی کوئی تیغِ ادا کے ساتھ

تقدیر کی ہے بات جو اب بھی نہ ہو قبول
آمین کہہ رہے ہیں وہ میری دعا کے ساتھ

[illegible] حسرت کے حوالے رہ گئے
قبر میں ساتھ امیروں کے دوشالے رہ گئے

[illegible] جہاں کے سب جھالی پر
صدمے فرقت کے پس مرگ بھی ٹالے نہ گئے

[illegible] ہمراہ لفظ سر کے پرواز
شیخ جی پیچے جب بہکے تو سنبھالے نہ گئے

تشنہ کام و تشنہ لب کو آب جو دکھاتا ہے
دل کو تیری آرزو اور مجھکو تو درکار ہے

ہم نقاب میں ملے گر ہو حقیقت پر نظر
جستجو میں اسکی اپنی جستجو درکار ہے

[illegible] تیرے نقش پا کی منہ پہ مل لیتے ہیں وہ
کوچہ الفت میں جنکو آبرو درکار ہے

تیری وحدت کثرت عالم پہ ہے چھائی ہوئی
ایک ہے لیکن زمانے بھر کو تو درکار ہے

خاطر ۔ مرزا عظیم سلطان خاطر خلف اکبر مرزا محمود شاہ خاکر گورگانی دفتر ٹریفک سپرنٹنڈنٹ سا ایس پی آر دہلی میں کلرک ہیں اور چالیس سال کے قریب عمر ہے۔ تلمذ اپنے والد بزرگوار سے رکھتے ہیں۔ انداز کلام مندرجہ ذیل اشعار سے نمایاں ہے۔

دیکھنا کچھ ہے ٹھکانا ہیبت جلاد کا
خنجر فولاد سے باہر ہے دم فولاد کا

جستجو میں عمر کھوئی تب ملا اتنا سراغ
خود فراموشی بھی اک کلمہ ہے تیری یاد کا

تجھکو دعویٰ ہے خدائی کا تو آ بسم اللہ
میرا دل تیرے لیے عرش معلیٰ ہوگا

مٹ نجائے تربت عاشق [illegible] کہیں
دیکھکر رکھئے قدم آگے مری جان دیکھکر

[illegible] کا دل مٹنے کے ہی خوبان عالم کا ہجوم
کیا گری پڑتی ہے دنیا جنس ارزاں دیکھکر

ابھی کچھ تھے ابھی کچھ ہیں۔ ابھی بدلے ابھی بگڑے
عدو کے سامنے وہ میری حالت بنکے آتے ہیں

عجب انداز ہیں محفل میں انکے آنے جانے کے
شرارت بن کے جاتے ہیں قیامت بنکے آتے ہیں

سمجھ لو تم ہمارے ضعف کے آثار جتنے ہیں
حسینوں میں سب انداز نزاکت بن کے آتے ہیں

[illegible] انکو گھروں سے جو ہو گئیں
آباد حسرتیں دل خانہ خراب میں

[illegible] بھر جو تمکو دیکھ کے اٹھتے ہیں ولولے
ارمان وہ ہیں جنکو جگاتے ہیں خواب میں

[illegible] کب ملے مرے دریا سے پوچھئے
کسکی بندھی ہوئی یہ ہوا ہے حباب میں

خاک میر طالب حسین ابن سید میر عظیم علی ساکن قصبۂ چلکانہ ضلع سہارنپور۔ اثنا عشری مذہب نیک، بہ تقاضائے تعلیم وضع اور قطع کے پابندِ مذہب بزرگ تھے۔ چالیس سال تک ریاستِ سرمور ناہن میں معقول عہدوں پر مثل وکالتِ شملہ لاہور اور آخر میں مشیرِ ریاست بھی رہے اور اپنے آقا کو اپنی عمدہ خدمات سے رضامند رکھا۔ سنہ ۱۳۱۳ھ میں سفرِ حجاز اختیار کیا مگر قسطنطنیہ میں جہاز زیادہ عرصہ ٹھہر کے رہنے کے باعث سعادتِ حج سے محروم رہے۔ شعر گوئی کے دلدادہ تھے مگر غزل کم کہتے تھے۔ زیادہ تر طبیعت کا میلان اخلاقی اور نعتیہ مضامین کی جانب تھا۔ ایک طولانی مثنوی گلِ باغِ ارم تیس چالیس جزو کی حسنِ آداب و اخلاق میں جو مستورات کے درس کے لائق ہے تصنیف کر کے سنہ ۱۳۱۰ھ میں شائع کی تھی۔ قصائد اور متفرق کلام بھی بہت سا یادگار رہا۔ آخر سنہ ۱۳۱۹ھ میں ۶۶ سال کی عمر پا کر ریاستِ ناہن میں انتقال کیا اور وہیں سپردِ خاک کئے گئے۔ کچھ کلام اُن کا بہ انتخاب پیشکش ہے ؂

از قصائد

نہیں مطلع مہِ نو مدحتِ ابروئے احمد کا ۔۔۔ بجا ہے تر بسم اللہ اونچا ہو کے مسند کا

بیانِ خوبیِ تصویر بھی وصفِ مصوّر ہے ۔۔۔ جو ہے وصفِ محمد وصف ہے ربِّ محمد کا

گنہگاروں کا حصہ ہے ترے دریائے رحمت میں ۔۔۔ یہیں تو بڑھ گیا ہے حوصلہ کچھ نیک سے بد کا

خدا کا گھر ہے مولد والدِ شبیر و شبّر کا ۔۔۔ جو پیدا ہو خدا کے گھر میں وہ مختار ہے گھر کا

علی کے ہاتھ پر کی جس نے بیعت خلد میں پہنچا ۔۔۔ خدا کا ہاتھ پکڑا اُس نے اور بازو پیمبر کا

از غزلیات

پھول کی طرح رہوں بو کی طرح سے جاؤں ۔۔۔ بار ہو وے نہ کسی پر مرا مرنا جینا

شعلۂ عشقِ بتاں دل میں چھپا کر رکھا ۔۔۔ جس نے اِس آگ کو چھاتی سے لگا کر رکھا

سوزِ فرقت سے کبھی آہ نہ آئی لب تک ۔۔۔ آگ کے ساتھ دھوئیں کو بھی دبا کر رکھا

دیکھ آئینے میں ابرو کو ہے مائل قاتل ۔۔۔ آپ تلوار سے اپنی ہوا بسمل قاتل

سر جو کاٹا ہے تو دم بھر بھی تڑپ لینے دے ۔۔۔ نالہ کر سکتا ہے کیا جب نہ ہو سائل قاتل

کہیں کمر میں بل آ نہ جائے یہ بوجھ صبح کہاں اُٹھائے ۔۔۔ کہ سر پہ زلفوں کا بار بھی ہے گلے میں [illegible]

[illegible] معاصر [illegible] خاکسار معروف بہ یک گو شاہ جہاں آبادی [illegible] صاحب
[illegible] سودا و میر حسن سے پیشتر تھا اور میر تقی کے اشعار کو تو ام [illegible]
[illegible] صاحب اس امر کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ جب میر
[illegible] شعر میں ملاتا تھا تو وہ اُس کے سے جان چُراتا تھا۔ مصحفی انھیں جانِ جاناں مظہر کا شا
[illegible] بہرحال ایک خوش گو اور عاشق مزاج شاعر تھے۔ قدیم تذکروں میں یہ بھی نظر سے
گذرا کہ ان کا لقب "خلد الشعرا" تھا۔ آپ قدم شریف دہلی کے خادموں میں تھے۔ قلندرانہ
وضع رکھتے تھے سودا اور میر کے عہد شباب میں کہنہ مشق گنے جاتے تھے۔ زبانِ ریختہ کے
جید مخلق تھے۔ صاحبِ دیوان اور شاعر خوش بیان تھے۔ علی ابراہیم علی خان مرحوم تحریر
فرماتے ہیں کہ اشعار اس عزیز کے میر سے ہاتھ نہیں لگے اور یہی باعث ہے کہ تذکروں میں آپ کے
اشعاروں کی کمی ہے۔ نمونۂ کلام یہ ہے ٭

تھا زلیخا کو جو یاں مہِ کنعان عزیز — ہے مجھے بھی تجھ سے تو بے مہر کی جان عزیز
کیوں نہ یوسفِ رو جان سے مجھے ہووے زیادہ — کس مسلمان کو نہیں دین اور ایمان عزیز
خاکسار عرش سے بھی دیکھا پرے تیرا مزاج — آپ میں آ ذرا اپنے تئیں پہچان عزیز
ز تغافل رہے محروم بے تقصیر ہم — روز محشر کو اٹھیں گے اِس لیے دلگیر ہم
کیا ہے حاصل تجھے ناصح مرے سمجھانے سے — آ دو جوں شمع ہے راحت مجھے جل جانے سے

ترے باغباں کا یہ دیکھا سلیقہ — کہ نرگس کو بویا نہ بوئیں یہ آنکھیں
دل شیفتہ کرکے کیا لیا تو — اے خانہ خراب کیا کیا تو
ز تری زلف سیہ سے اے پیارے — مجھ کو اک سر ہزار سودا ہے
[illegible] سے خاکسار کے ستا نہیں کوئی — اِس خانماں خراب کو جچپا خدا کرے
کہتا ہے اِس خاکسار کی تقصیر — یہ مگر تم کو پیار کرتا ہے
قیامت بھی ہوگی تو میری بلا سے — مجھے داد خواہی کی طاقت کہاں ہے

[illegible]ار محمد [illegible] خاکسار تخلص ساکن مراد آباد سپاہی وضع عاشق مزاج - وارستہ رنگ [illegible]ص تھے اور قدرت اللہ شوق کے دلی دوست انہیں کے فیض صحبت سے گاہ گاہ ریختہ بھی کہتے تھے - شاہ عالم ثانی کا زمانہ پایا تھا عالم جوانی میں فوت ہوئے یہ چند شعر تذکرہ شوق سے درج ہوئے ؎

مرے دیدۂ تر بہا کر چلے
دو آبے میں یہ گھر ڈوبا کر چلے

کیا تیغِ ابرو سے مجھ کو شہید
یہ کیا خوب جوہر دکھا کر چلے

دکھا ساقِ سیمیں تو اب شمع کو
رلا کر - گلا کر - جلا کر چلے

خاموش - حضرت میاں عبداللہ شاہ بنّوری چشتی صابری - یہ بزرگ نہایت عالی خاندان اور صاحبِ سجادہ حیدرآباد دکن میں تھے - عارفِ باکمال و سالکِ حال و قال مشہور تھے تنہائی پسند - اکثر حجاب رہتے تھے خاص اوقات کے سوا کسی کو آنے کی اجازت ہوتی تھی اور شبانہ روز خاموش رہا کرتے - کبھی اشد ضرورت ہوتی تو کسی سے بات کر لیتے گویا اسم بامسمّٰی خاموش تھے - باوجود ان مشاغلِ صوفیانہ و مجاہدانہ کے فن سخن سے طبیعت مانوس تھی - آپ کا کلام بھی عارفانہ اور بالکل تصوف کے رنگ میں ڈوبا ہوا اور سیدھا سادا ہے ایک بہت مختصر دیوان قریبًا پندرہ سال ہوئے چھپا تھا اُس سے کچھ اشعار انتخاب کر کے درج کیے جاتے ہیں - سال وفات معلوم نہ ہوا ؎

بھلا ہوا سو ہوا - یا بُرا ہوا سو ہوا
طرف سے یار کی جو کچھ ہوا ہوا سو ہوا

قریب مجھ سے ہی پھر کیوں نظر سے غائب ہے
جمال اپنا تو مجھ کو دکھا ہوا سو ہوا

ایک مدت حرم و دیر میں ڈھونڈا تا حق
سیمبر بر میں چھپا تھا مجھے معلوم نہ تھا

بظاہر ملاقات ہوتی ہے مشکل
مگر خواب میں تو ملا کیجیے گا

ہم عشق کے بندے ہیں سنو شیخ و برہمن
کیا تم سے کہیں کفر ہے اسلام ہمارا

پھولے نہیں باغ میں ہم کا ہیکو جائیں
گلشن میں نہ ہو جبکہ وہ گلفام ہمارا

شام کثرت ہے نمایاں زلفِ روئے یار پر
صبح وحدت کے ہیں جلوے یار کے رخسار پر

ہم چلے تہمت خانے کو خدا حافظ
زاہدو! اپنا تو خدا حافظ

ستم کو ترے کب ستم جانتا ہوں
عنایات و لطف و کرم جانتا ہوں

دو عالم کی ہستی ہے موہوم ساری
جسے دیکھتا ہوں عدم جانتا ہوں

نہ مہر و وفا نے جفا چاہتا ہوں
بہر حال تیری رضا چاہتا ہوں

پروانے کیسے جلتے ہیں محفل میں آ کے دیکھ
پوشیدہ عاشقوں سے تو اے شمع رو نہ ہو

دیکھ صورت کو تری ہوش نہیں رہتا ہے
اپنا احوال بھلا کیا میں سناؤں تجھ کو

خاموش دیکھ ارض و سما میں ہے کس کا نور
سورج ہیں کون ماہ درخشاں ہیں کون ہے

شمع پروانے کو جلاتی ہے
شمع کا دل جلا دیا کس نے

روشن ہوئی جب شمع تو پروانے سے بولی
اب تیرے پر و بال جلانے کے دن آئے

تجھے جب کہ ڈھونڈا نظر آپ آیا
عیاں ہوں میں تجھ میں نہاں مجھ میں تو ہے

کرے قتل گر ہم کو انکار ہے کب
وہ تلوار کس کی یہ کس کا گلو ہے۔

خان۔ اشرف خان نام تھا۔ دہلوی الاصل تھے۔ پھر لکھنؤ چلے گئے۔ جب دہلی میں رہتے تھے تو انجمن مشاعرہ ترتیب دیتے تھے غلام ہمدانی مصحفی سے فن شعر میں مستفیض ہوئے۔ ھ

رہی کچھ تھوڑی سی وحشت کی ہوا میر کے بعد
پہلے میں وحشی ہوا قیس ہوا میرے بعد

تو ابھی سے تو نہ اس بت کی طرفداری کر
مجھ سے ہو جائیو اے دل تو جدا میرے بعد

اس برائی کے سزاوار ہمیں ہیں پیارے
گالیاں کس کو سناؤ گے بھلا میرے بعد

اے خان غم فراق میں تم زہر کھا مرو
اس کے سوا نہیں کوئی تدبیر دوسری

خان۔ محمد خان نام سعادت یار خان رنگین سے تلمذ تھا۔ نیک طینت خوش اخلاق شخص تھے۔ اوائل اٹھارہ صدی میں دہلی میں موجود تھے۔ یہ دو شعر لکھے ملے۔

یاد جس وقت تری آتی ہے
مجھ کو ہچکی وہیں لگ جاتی ہے

دنیا میں ہم جو آئے تو کیا کام کر چلے — ناحق ہم اپنے نام کو بدنام کر چلے

خاور - میرزا محمد اکبر خان خاور مرحوم ابن مرزا محمد مہدی سیستانی شاگرد میر وزیر صبا جہاں صاحب والئے پٹیالہ کی سرکار سے سو روپیہ کا مشاہرہ مقرر تھا۔ ۱۲۹۵ھ میں پینتالیس سال کا سن تھا۔ لاہور میں عربی اخبار موسومہ "نفع العظیم" کے اڈیٹر تھے بڑے جید فاضل اور اکثر فنون سے ماہر تھے۔ فارسی اشعار نہایت عمدہ کہتے تھے۔ سیاحی کا بہت شوق تھا اکثر اطراف ہندوستان کی سیر کی تھی۔ فارسی شعر اکثر کہتے تھے چنانچہ کوہ نور وغیرہ لاہور کے پرانے اخباروں میں بسا اوقات ان کا کلام شائع ہوتا رہا اپنے زمانے کے اکثر مشاہیر سے روشناس تھے۔ ۷۰ برس سے زیادہ عمر پائی۔ آپ کا دل و دماغ علمی معلومات کا ذخیرہ تھا اور انھیں اپنے عہد کی زندہ تاریخ سمجھنا چاہیئے۔ مدتوں دہلی لاہور لکھنؤ میں رہے۔ کثیر الاحباب اور بڑے زندہ دل بزرگ تھے۔ انتخاب کلام حسب ذیل ہے:

معمور ہے داغوں سے سراپا مرے دلکا — مثل شجر طور ہے نقشہ مرے دل کا
دیوانگی نے بادشہ وقت بنایا — چلتا ہے پریزادوں میں سکہ مرے دل کا
مر مر کے بسر کرتا ہوں میں زیست کو اپنی — رہ رہ کے ٹپکتا ہے پھپولا مرے دل کا
جیتا ہوں نہ مرتا ہوں عجب کشمکش میں پڑا ہوں — کیا پوچھتا ہے حال ہے کیسا مرے دل کا
ساقی نے دیا جام مئے ناب نہ خاور — پانی کی طرح بہ گیا شیشہ مرے دل کا

جنوں رنگ لائے کچھ ایسا ہمارا — پریزاد دیکھیں تماشا ہمارا
نہ دیکھا ہو جسنے کبھی رقص بسمل — وہ آج آکے دیکھے تماشا ہمارا
بگولا بنی پھرتی ہے خاک اپنی — موئے پر بھی وہ ہی ہے سودا ہمارا
بھری ہے ہوا شاہد خوبان کی دیکھ — ہما بن کے پھرتا ہے سایا ہمارا
لہو پی کے چھوڑیگی وہ زلف مشکیں — گھٹا یہ سکھائے گی دریا ہمارا
نچھوڑینگے ہم کوئے دلبر کو واعظ — یہ جنت ہماری یہ طوبا ہمارا

رہے گے ہم اُس بے مروت کے خاور ۔ نہ ہے وہ کسی کا نہ ہوگا ہمارا ؛

خاور ۔ میرزا نواب بہادر خاور باشندہ خیرآباد ملازم سرکار معتمد نواب بہرام الدولہ بہادر خویش نواب سر سالار جنگ بہادر مرحوم وزیر حیدرآباد دکن ۔ زیادہ حال معلوم نہیں یہ انکا کلام ہے ؛

کس نے جھانکا ہے آج محل سے ۔ صبر جاتا رہا مرے دل سے

جا کے اب در پہ اُسکے بیٹھ رہیں ۔ یہی ٹھہرا ہے مشورہ دل سے

پوچھتے ! کیا ہے ماجرا وہاں کا ۔ کوئی پھرتا جو کوئے قاتل سے

سیکڑوں روز قتل ہوتے ہیں ۔ شوق ہے انکو رقص بسمل سے

خاور ۔ میرزا احمد سلطان خاور گورگانی ابن میرزا مظفر بخت خلف میرزا شاہرخ بہادر فرزند دوم حضرت بہادر شاہ ثانی ۔ عمر اب پچاس سال سے متجاوز ہے ۔ یہ خود مرزا فیروز شاہ خلف مرزا سلیم کے داماد ہیں ۔ اور ۱۸۸۶ء سے ضلع بھونگر ریاست حیدرآباد دکن میں عیفہ دار انعام ہیں تصانیف سے ایک رسالہ موسوم بہ " خورشید خاور نظر سے گذرا ۔ اُس میں سے چند اشعار انتخاب ہو کر درج تذکرہ کیے جاتے ہیں کلام میں کوئی بات بجز سادگی قابل ذکر نہیں معلوم ہوتی ؛

خالق ہے وہی غمزہ و انداز و ادا کا ۔ جسنے کہ بتایا کہ یہیں ڈھنگ آہ و بکا کا

ضرورت دشت پیمائی کی اب جاتی رہی خاور ۔ کہ گھر میں ہی مزا آنے لگا ہمکو بیاباں کا

ہوئی ہے نعش غم دل اور جگر پر مرتسم ایسی ۔ کہ سینے کے قفس میں بند و طاؤس ہیں گویا

بڑھتا ہے شوق طاعت اصنام اور بھی ۔ لطف ثواب سُنتے ہیں جب پارسا سے ہم

اشعار از قصیدہ در مدح اعلیحضرت نظام خلد آشیان

ازل ہی میں ہوں جسکو عطا اوصاف سلطانی ۔ وہ ہرگز کر نہیں سکتا جہانداری جہانبانی

روش وہ سیدھی سادی ہی ہمارے قدر قدرت کی ۔ سمجھ سکتی ہی جس سے خلق حضرت کی خدادانی

دروغ و مکر دونوں دشمنوں کو زہر لگتے ہیں | تکلف اور بناوٹ کے ہیں سب بے صد دشمن جانی
بڑھی مشقِ سخاوت رفتہ رفتہ ایسی حضرت کی | کہ کم عمری میں لا میں مشہورِ عالم حاتمِ ثانی
انھیں کے عہد دولت مہد میں ہم جیسے شاعر میں | کہ خستہ خاطروں کی دل سے فرماتے ہیں مہمانی

خبر ۔ سید محمد مہدی بلگرامی ولد سید محمد عسکری یہ بزرگ سید فرزند احمد صفیر بلگرامی کے پھوپھا اور استاد تھے فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں فکر سخن کیا کرتے تھے ۔ بمقام بھاگل پور ۱۲۷۷ھ ہجری میں انتقال کیا۔ اُن کے اشعار ہیں ۔

ہنسنے رہنے کا بھلا کب سر و ساماں باندھا | تم نے ہی دیدہ و دانستہ یہ طوفاں باندھا
سدِّ وصال رنجشِ دلدار ہو گئی | اتنا بڑھا غبار کہ دیوار ہو گئی

خبر ۔ میر نادر حسین صاحب شاگرد مشتاق لکھنوی ۔ آپ دورِ موجودہ کے شاعر ہیں حالات باوجود تلاش بہم نہ پہنچے ۔ کلام حاضر ہے ؁

اِک نہ اِک دن جان دیدو نگا میں تیرے ہجر میں | گر یونہیں اے بے وفا تو مجھ سے بیگانہ رہا
جستجو قیس کی منظور تھی ورنہ کیا تھا | دشت میں پھرتی تھی کیوں صاحبِ محمل بن کر
ممنون ہُوا دردِ جگر کا میں شبِ وصل | سینے پہ رکھا ہاتھ ترس کھا کے کسی نے
دیکھا نہ گیا اِس سے مرے سینے کی جانب | خورشید کو اندھا کیا داغِ جگری نے

خبیر ۔ مولوی غلام محمد خان خٹک خبیر فرخ آبادی ۔ حضرت رشک کے تلامذہ سے ہیں انکے بزرگ رؤسا بنگش کی سرکار میں ملازم تھے اور غلام قادر خان انکے والد مہاراجہ سیندھیا کی فوج میں رسالدار تھے ۔ یہ خود ایک عرصہ تک نواب کلب علیخاں والی رامپور کے مصاحب رہے ۔ صاحبِ دیوان و مثنوی "دریائے عشق"، "سخن فیض" ہیں ؁

تشنۂ آبِ اجل جان کے مجکو شاید | آبِ شمشیر پلانے مرا قاتل آیا
ہے ماہ پر آگے ترے مہتاب کا عالم | خورشید میں نقشہ ہے چراغِ سحری کا
کہتے ہیں تقتلِ عشاق میں آکر سفاک | آئیں تو روبرو وہ کون ہیں مرنیوالے

خرد ۔ نواب فخرالدین خان خسرو دہلوی۔ خلف نواب شرف الدین محمد خان۔ قلعۂ دہلی میں بہادرشاہ کے زمانے میں بخشی گری کے منصب پر ممتاز تھے۔ نواب مصطفیٰ خان شیفتہ کے گہرے دوست تھے۔ انکے کلام کی بھی انھوں نے ہی تدوین کی تھی۔ یہ اُنکے اشعار ہیں۔

ہماری ان کی محبت آہ ابر و برق کی سی ہے	ہم اُنکو دیکھکر روتے ہیں اور وہ ہم پہ ہنستے ہیں
لبوں پہ جان ہے جلدی پہونچ کہیں ظالم	یہ آرزو ہے کہ دم تیرے رُوبرُو نکلے

خرد ۔ حکیم مرزا محمد علی حسین خان خسرو عرف حکیم انور آغا لکھنوی مقیم حیدرآباد دکن پنشن خوار سرکار تھے ایران بھی گئے تھے۔ انگریزی میں بھی معقول دستگاہ تھی ۱۲۳۸ھ سال پیدائش تھا۔ دکن میں عرصۂ دراز تک رہے اور مشاعروں کے انعقاد سے شعر و سخن کا چرچا جاری رکھا غزلوں کے علاوہ قصیدہ گوئی میں بھی ملکہ تھا۔ دس یا بارہ برس ہوئے حیدرآباد میں انتقال کیا۔ دکن کی علمی صحبتوں میں اکثر شریک رہتے تھے استعداد علمی بہت اچھی اور پایہ کی تھی اور ہزارہا اشعار اساتذہ کے نوک زبان تھے لکھنؤ کے اُساتذہ کی صحبت پائی تھی ؂

قیس لیلیٰ کے سبب عشق میں کامل نکلا	لوگ مجنوں جسے سمجھے تھے وہ عاقل نکلا
سخت جانوں پہ نہ آساں ہوئی مشکل دم نزع	دم بھی مشکل میں جو نکلا تو بمشکل نکلا
خرد اُس طفل نے دل لے لیا ناداں بنکر	ناسمجھ جسکو سمجھتے تھے وہ عاقل نکلا
خوش سلیقہ دلبرانِ وقت ہیں مطلب کے دوست	یہ عدوئے جان ہیں دشمن سبکے اور ہم سب کے دوست
کچھ تو سمجھا ہوں جو خود جان کے کھویا ہے دل	مجھ میں وہ بات ہے جس بات کا جویا ہے دل
شعر بے عشق کبھی لایق تاثیر نہیں	ساز ہے سوز نہیں۔ شمع ہے تنویر نہیں
جب سے تو جلوہ نما اے بتِ بے پیر نہیں	بزم میں شمع نہیں۔ شمع میں تنویر نہیں
دستِ قدرت نے بنایا ہے مرقع تیرا	جو کہ مانی سے کھنچے وہ تری تصویر نہیں
مثل غالب ہوں خسرو قائلِ قولِ ناسخ	آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ میر نہیں
میں کیا ہوں کون ہوں نہوا عمر بھر یہ علم	خود اپنی معرفت سے رہا اشتباہ میں

سب کچھ ہے ایک تیرے کرم کی نگاہیں	حور و قصور جنت و عفو و ثواب واجر
غماز اب کئی مرے رازِ نہاں کے ہیں	کیونکر چھپے گا نالہ و افغاں ہیں دردِ دل
اِک مرغِ جان ہے سات قفس آسماں کے ہیں	مرکر بھی قیدِ غم سے نہ آزاد ہونگے ہم
یہ سب تعلقات خستہ اِس جہاں کے ہیں	افکارِ دنیوی سے ہیں راہِ عدم پرے
ٹپک رہی ہو شراب خُم سے شراب غم سے ٹپک رہی ہے	نگاہِ زنداں ہو رخنہ افگن ہے رخنہ افگن نگاہِ زنداں
مہک ہی ہے لحد ہماری لحد ہماری مہک رہی ہے	پس فنا بھی ہو یادِ گیسو ہے یادِ گیسو پسِ فنا بھی
رہے مزار میں یوں جیسے اپنے گھر میں رہے	پسند گوشہ نشینی جو ہمکو زیست میں تھی
کہ دم بھی جسم سے نکلے تو مال و زر میں رہے	بخیل ایسے گرفتارِ حرصِ دنیا ہیں
سمجھے اپنا نہیں اپنوں میں بھی اتنا کوئی	غیر ہیں سب نہیں اپنوں میں بھی اپنا کوئی
ہائے کیا تُو نے یہ احوال بنا رکھا ہے	اب وہ نوبت ہے کہ دشمن بھی مجھے کہتے ہیں
ملک الموت کو دیوانہ بنا رکھا ہے	اُس پری نے دمِ نزع آکے مری بالیں پر

خرد۔ صاحبزادۂ مرتضیٰ خان خرد رامپوری پہلے آغا غنی سے مشورہ کرتے تھے پھر حضرت جلال سے اصلاح لینے لگے۔ صاحبزادہ محمد علی حسن خاں کے بیٹے ہیں ۱۲۶۶ھ سالِ پیدایش ہے۔ انکا کلام بہت اچھا ہوتا ہے طبیعت میں جدت شوخی مضمون آفرینی سب کچھ ہو اب سُنا ہے کہ بسمل تخلص کرلیا ہے۔ بعض بعض شعر بے مثل کہہ جاتے ہیں۔

تمھیں ڈھونڈا ہے گھر گھر ہمنے کیا کیا	کلیسا کیا حرم کیا بتکدہ کیا ؟
شبِ فرقت پھر آنکھوں سے بہا کیا	نہیں گر خون پہلو میں ہوا دل
کاش اس دل کی جگہ سینہ میں پیکاں ہوتا	خلشیں ہوتیں مگر کوئی نہ ارماں ہوتا
جلوۂ حسن چراغِ تہِ داماں ہوتا	منہ کو آنچل سے چھپاتے جو تم آکر شبِ وصل
سچ ہے کسی کے دلکی کسیکو خبر نہیں	اپنا یہ حال۔ انکی توجہ ادھر نہیں
یہ بُت وہ ہیں کہ جنکو خدا کا بھی ڈر نہیں	ایماں کی خیر حضرتِ زاہد منائیے

[illegible] سے روز ایک نیا دل مانگو
آئے دن آپ جو تازہ ستم ایجاد کریں

[illegible] یہ بھی یا رب ہے یہاں روز افزوں
ظلم پر ظلم وہ بیداد پہ بیداد کریں

فرقت میں سوا اسکے تمنا مجھے کیا ہو؟
وہ درد اٹھے دل میں کہ جسکی نہ دوا ہو

خلش کی لذتیں تا قاتل مگر دل سے کوئی پوچھے
مرا دل توڑ کر نادل ترا جبدم نکلتا ہے

دل و دین کی خرد ہو خیر وہ آتا ہے بن ٹھن کر
کہ جسکی سادگی میں حسن کا عالم نکلتا ہے

کچھ زیادہ تپش دل ہو یہاں بھی ہر شب
روز افزوں جو یونہی حسن خداداد رہے

بیدار ہوں یا خواب کا عالم ہے الٰہی
حیرت ہے شب وصال کہ وہ میرے گھر آئے

جب میں کہتا ہوں حشر آنے دو!
کہتے ہیں وہاں بھی گر خدا نہ سنے

خرد۔ خواجہ محمد شفیع الدین انصاری خرد تلمیذ آزاد سہارنپوری دکن میں سکونت ہے اور ڈاکخانہ میں ملازم ہیں۔ داغ صاحب کے ہاں اکثر نشست رہتی تھی ایک مختصر دیوان بھی چھپا ہے۔

اس طرح ہوتے نہ ہم خوار و ذلیل و رسوا
تیرا سودا نہ اگر زلف پریشان ہوتا

رام اس بت کے ہوئے سینکڑوں مشتاق جمال
کھینچکر قشقہ جو وہ شوخ جبین پر نکلا

حسرت و یاس و الم کا ہے جو بالین پہ ہجوم
آج پرسا ترے بیمار قضا لیتے ہیں

انتظار شب ہجراں کا کہوں کیا عالم
آنکھ دروازے سے ہر وقت لگی رہتی ہے

خرد منشی ہردیال پرشاد سررشتہ دار محکمہ سکرٹریٹ دربار گوالیار دور موجودہ کے کہنے والے ہیں۔ باوجود بار بار دریافت کوئی حالات بہم نہ پہنچے رسالۂ ارمغان شاہجہانپور میں عرصہ تک انکی غزلیں شائع ہوتی رہیں اُس میں سے کچھ اشعار منتخب ہوکر درج تذکرہ کئے گئے۔

آنچل سے چھپاتے ہو عبث روئے منور
اس ابر میں یہ چاند نہاں ہو نہیں سکتا

کبتک ترے سودائے محبت کو چھپاؤں
وہ جوش ہے دل میں کہ بیاں ہو نہیں سکتا

ہم تو نگاہ لطف کے امیدوار تھے
آنکھیں پھرائیں یار نے یہ کیا ستم کیا

اتنا کوئی کہدے اُن سے جاکر
بیمار کو دیکھ لو تم آکر

گریباں چاک دامن پارہ پارہ
بڑی مشکل ہے کس کس میں رفو ہو

مدتوں ہمنے ترے در پہ جبیں سائی کی
یوں مٹایا خطِ تقدیر کا لکھا کس نے

رات دن آنکھوں میں تصویر پھرا کرتی ہے
تم کو ہمنے نہیں دیکھا ہے تو دیکھا کس نے

وائے قسمت نہ دمِ نزع بھی صورت دیکھی
اُسنے منہ پھیر لیا غیر جو حالت دیکھی

عشقِ گیسو میں بلا کے غم رہے
اپنے جینے سے بھی برہم ہم رہے

دل پر نگاہ ڈالکے اُسنے لگا دی آگ
شعلہ چراغِ طور کا برقِ نظر میں ہے

دن رات خرم کوچۂ جاناں کی کرو سیر
مطلب تمہیں کیا حور سے کیا باغِ ارم سے

جب سے ہوائے عشقِ مہ رو لگ گئی ہمیں
مرجھا گئے ہیں پھول سے رخسار اور بھی

خرم۔ پنڈت گلاب رائے مجو تخلص بہ خرم دہلی وطن تھا۔ آپکے صاحبزادے پنڈت کنہیا لال شگفتہ عرف مجو مبارک تخلص ڈپٹی کلکٹر تھے اب پنشن پاتے ہیں اور پوتے انکے پنڈت سورج نراین منصف ہیں

دل جلا کیا کوئی آتا ہے یہاں
خرم آتی ہے مجھے بوئے کباب

غبارِ خط نہیں خرم ہے گرد اس روئے تاباں کے
مدور ہے بنی کیا خوب میری آہ کی صورت

یاد آتی ہے مجھے خرم جو وہ زلفِ سیاہ
سانپ پھرتا ہے مری چھاتی پہ لہراتے ہوئے

خرم۔ منشی ستیش پرشاد خرم حیدرآبادی۔ شاید منصبدار ہیں ظریف اور خوش طبع آدمی ہیں ۶۰۔ ۷۰ برس کے درمیان عمر ہے۔ حیدرآباد کے اکثر مشاعروں میں شریک ہوتے رہتے ہیں ؎

ملیں گے خاک میں ہم خاکسار ہیں اے چرخ
کریگا کیا بھلا دشمن ہمارا تو ہو کر

ہوئی ہے جیسے کہ کن سے نمود ہستی کی
فنا بھی ہوگی یونہیں ایک روز ہو ہو کر

خدا کو روز قیامت میں منہ دکھانا ہے
رواں جہاں سے ہو خرم تو سرخرو ہو کر

خستہ۔ قطب بخش نام۔ سید محمد کرمانی کی اولاد اور حضرت نظام الدین اولیاء کے مجاور تھے خوش خلق و مہذب نیک اور باوضع بزرگ تھے۔ کبھی کبھی شعرگوئی کی طرف بھی توجہ کرتے تھے اور اس فن میں بھورے خان آشفتہ سے مشورہ کرتے تھے۔ یہ آنکے اشعار ہیں ۱۸۴۸ء سے پہلے انتقال کیا ؎

[illegible]	روز خورشید درخشاں کا وہیں شام کیا
بسکہ [illegible] کوئی مرے پاس جیے	دل ملا ہائے میں اُس شوخ کو کیا کام کیا
عہد خامت کرو دل کو نہ آزار دو	چاہ کے پیاسوں کو تنگ شربت دیدار دو
ہائے رے ناصحی خلوت دلبر کے بیچ	سب کو بلاؤ صنم اِک ہمیں دھتکار دو

خستہ عبداللہ خاں عرف میاں جیون۔ اصل وطن کشمیر تھا مگر یہ خود دہلی میں پیدا ہوئے اُنکے والد نواب مجد الدولہ عبداللہ خان بہرام جنگ کے رفقا میں سے تھے جو شاہ عالم ثانی کے وزیر تھے اور اپنے والد کے بعد یہ بھی اُس منصب پر ممتاز رہے متواضع اور خوش مزاج شخص تھے۔ فن سخن میں حکیم ثناءاللہ خاں فراق کے شاگرد تھے۔ یہ اُن کے اشعار ہیں ؁

جو کوئی لاوے پیام اُس کے آج آنے کا	میاں میں صدقے ہوں اُسکے زباں ہلانے کا
دستِ قاتل پہ مرے خوں کی جو تھی رنگینی	ایسی رنگت کا کبھی رنگ حنا نے نہ دیا
سایہ ساں پہنچے تو تھے پاؤں تلک گر پڑ کر	اُسنے دامن کو بھی پر ہاتھ لگانے نہ دیا
جب خاکِ غریباں پہ تم اس حال سے آؤ	انصاف کرو کیونکہ نہ برباد ہو کوئی
یہانتک تو ہوئے محو تمہارے کہ جہاں میں	لو ہم سے قسم ہمکو اگر یاد ہو کوئی

خستہ حکیم محمد سلیم خاں مرحوم خلفِ حکیم محمد عظیم خاں دہلوی از خاندان حکیم محمد شریف خاںؒ (حکیم محمود خانصاحب) منصب دار ریاست جیپور۔ ان کا وطن اصلی دہلی تھا۔ مگر بعد غدر جیپور میں مستقلاً سکونت اختیار کر لی تھی مہاراجہ رام سنگھ والی جیپور کے دربار میں ذی رسوخ اور صاحب اثر تھے آخر عمر میں کونسل مالیہ کے سر رشتہ دار بھی ہو گئے تھے۔ علم طب میں ایسا دخل تھا کہ دُور دُور جواب نہ رکھتے تھے انکے مطب اور حذاقت کی آجتک شہرت چلی آتی ہے علاوہ ازیں شاعری میں بھی دستگاہ معقول تھی پندرہ برس ہوئے ۵۰ سال کی عمر میں انتقال فرمایا بڑے خلیق زندہ دل وسیع مشرب بزرگ تھے۔ شعر بہت خوب کہتے تھے۔ گو مشق کم تھی۔ مذاق سخن صاف شستہ اور رنگ میں پختگی پائی جاتی ہے طبیعت معانی خیز پائی تھی۔ علم طب میں ایک

طویل کتاب اپنے آقائے نامدار کی فرمایش سے لکھی تھی جو چھپ بھی گئی ہے حضرت ظہیر انور نواب رونق تسلیم وغیرہ کے جلسوں میں شریک رہتے تھے۔ بہزار دقت وتلاش یہ چند اشعار ملے۔

محشر میں دیکھئے لب معجز نما کے کام
مٹتا ہے بات بات پہ دفتر گناہ کا

بے جرم ہوں پہ قتل مرا پر ضرور تھا
کیا کم ہے یہ قصور کہ میں بیقصور تھا

واں تھی حیا سے مانع گفتار خامشی
سمجھے سب اہل بزم کہ اُسکو غرور تھا

غیر سے اُلفت نہیں ضد ہی سہی
تمکو وعدے بھی نہیں ہیں یاد کیا

یہ ناامیدیٔ مطلب کہ یاس مرنے سے
یہ بےکسی کہ دم مرگ انتظار رہا

وفا نہیں تو نہیں مورد جفا ہی سہی
ہزار شکر کہ میں داخل شمار رہا

خستہ۔ جناب حیدر علیخان صاحب بہادر فضل اسسٹنٹ کمشنر ملک برہما۔ حالات باوجود تلاش دستیاب نہو سکے صرف ایک غزل ہاتھ آئی اُسکے چند شعر درج ذیل ہیں۔

تجھکو غیروں سے جو اُلفت ہوگئی
لے ہمیں بھی تجھ سے نفرت ہوگئی

چین سے گذری شب وصل صنم
صبح ہوتے ہی قیامت ہوگئی

گھر سے نکلا ہے بت محشر خرام
شہر میں برپا قیامت ہوگئی

زلف سلجھانا بھی اُن کو بار ہے
اس قدر نازک طبیعت ہوگئی

کیا سبب ہے اے بت ظالم تجھے
نام سے خستہ کے نفرت ہوگئی

خستہ۔ جناب منشی معشوق اللہ خاں صاحب تلمیذ حضرت داغ۔ باوجود کوشش حالات دستیاب نہوئے۔ چند رسالوں سے کلام منتخب ہوکر نقل ہُوا۔

دل لیا نازو ادا نے تیغ نے جان وجگر
خون جو کچھ تھا بدن میں اُسکو پیکاں لیچلا

ہے کدھر جذب محبت کیا ہوا تیرا اثر
دیکھ پہلو سے مرے دل کو وہ پیکاں لیچلا

ساقی نگاہ لطف ہو پھر میگسار پر
لینا خبر کہ نشہ مے ہے اُتار پر

خستہ۔ حکیم غلام حضرت خاں صاحب رامپوری شاگرد امیر مینائی۔ آجکل کے

[illegible] ہیں کلکتہ میں عرصہ تک طلب کرکے لب [illegible] اپنے وطن چلے آئے ہیں اور شیرازی [illegible] سے [illegible] بہت خلیق اور مہذب شخص ہیں چند غزلیں نظر سے گذریں اُنکا انتخاب درج ذیل ہے۔

اُنکے انکار سے کیا کام تھا تجھکو خستہ
اپنا مطلب کسی پہلو سے نکالا ہوتا

جنازہ اُٹھنے دو عاشق کا پھر سنور لینا
ابھی تو رات ہے پچھلے پہر سنور لینا

وفورِ ضعف سے بیمارِ غم کو مشکل ہے
جگر سے ہاتھ اُٹھا کر جگر پہ دھر لینا

دل آپ گرفتار ہو گیسوئے دوتا میں
کمبخت مجھے کیوں لیے جاتا ہے بلا میں

جو مر گیا اُلفت میں ہوا نام اُسیکا
اُبھرا وہی جو ڈوب گیا بحرِ فنا میں

آرزو میری کوئی کیا نخلِ ماتم کی تھی شاخ
جو کلی کمبخت ہم آئی وہ مرجھائی ہوئی

حسرتیں جو دلمیں بیکس رہ گئیں بوقتِ ذبح
منہ چھپائے حشر میں پھرتی ہیں شرمائی ہوئی

کس بلاکش کی ہے آئے خستہ یہ رحلت کی گھڑی
شامِ غم پھرتی ہے گھر گھر آج گھبرائی ہوئی

خستہ ۔ منشی جیالال خستہ دہلوی۔ دفتر میونسپل کمیٹی میں ملازم ہیں ۴۰ برس سے زیادہ عمر ہے شعر گوئی کا شوق اور یہ کلام کا نمونہ ہے۔ مذاق ستھرا اور پاکیزہ ہے۔

جوشِ مستی سے جھکی جاتی ہیں آنکھیں اُن کی
خود اُنھیں محو کئے دیتا ہے جوبن اُن کا

دل کوئی مانگا ہوا ہے عاشقِ ناشاد کا
آپ کیوں باقی رکھیں ارماں کوئی بیداد کا

نہ وہاں تجھسے پری پیکر نہیں حوروں کا شیدائی
نہ جنت میرے قابل ہے نہ میں جنت کے قابل ہوں

الٰہی کس طرح گذرے گی مجھسے ہیچکارے کی
نہ ماہر ہوں کسی فن میں نہ عالم ہوں نہ فاضل ہوں

جلنے پائے کوئی ہشیار نہ میخانہ سے
ہو گیا عہد صراحی کا یہ پیمانے سے

خسرو ۔ خسروِ اقلیمِ معانی بادشاہِ جہانِ شیریں زبانی خواجہ ابوالحسنؒ عرف امیر خسرو۔ کون ہے جو اس خسروِ معانی سے آگاہ نہیں۔ کیا علمائے کرام کیا صوفیانِ عظام کیا خاص و عوام کس کو حضرت امیر خسروؒ سے واقفیت نہیں۔ اگرچہ عام طور سے شعرائے فارس کے اعلیٰ طبقہ میں انکا شمار ہوتا ہے مگر اردو زبان کے تاریخ دان جانتے ہیں کہ حضرت امیر خسرو کو خدا نے وہ

قوت ایجاد عطا کی تھی کہ تمام اصناف نظم و نثر میں صدہا مضامین تازہ کے گل کھلا گئے نظم فارسی میں اس درجہ کمال تھا کہ شیریں کلامی اور قبولیت عام کیوجہ سے آپ کا لقب طوطی ہند مشہور ہے۔ فن موسیقی میں مہارت تام رکھتے تھے اسی طرح جب ہندی کی طرف التفات کی راگ کو پھیر اسینکڑوں راہیں انہیں نکال لے گئے خدا کی قدرت پر نظر کرنے والے کہاں ہیں دیکھیں! وہ لڑکا جو اردوئے شاہی کی بدولت ہندوستان کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا اور اس بھیڑ بھاڑ سلطنتوں کے بناؤ بگاڑ میں ادھر اُدھر مارا مارا پھرتا تھا۔ خدا کے سہارے سے قوت پکڑ کر ایسا ہوا کہ امیر خسرو کو مل گیا اور انھوں نے اپنی پیرانہ سالی کا سہارا سمجھکر اپنی گود میں لیا اور گویا چھاتی سے لگا کر رکھا۔ ہندی اور عرب و عجم و ترک کے میل جول سے جو زبان اردوئے شاہی میں پیدا ہوگئی تھی اسوقت سب لوگ اپنے اپنے کام اس سے لیتے تھے مگر کوئی پہچانتا نہ تھا۔ امیر خسرو نے اسکو روشناس کرنے کا ذمہ لیا اور یہی پہلے شخص ہیں جو اسکو زبان جان کر کام میں لائے۔ اور فارسی۔ ہندی بھاشا وغیرہ کے ساتھ اس نئی زبان کو پیوند کیا۔ خالق باری اور اسکے سوا سینکڑوں پہلیاں۔ کہہ مکرنیاں۔ دوسخنے۔ غزلیں غرض کہ بہت کچھ اس رنگ میں کہا جو آجتک لوگوں کی زبانوں پر ہے۔ اسکو یہاں بالتفصیل بیان کرنا ضرور نہیں یہ مختصر عبارت اسلئے لکھدی گئی کہ اجنبی واقف ہوجائیں یعنی اس اردو زبان میں جس شخص کو سب سے پہلے کسی مستقل تصنیف اور فکر کا موقع ملا اور شہرت بھی حاصل ہوئی وہ حضرت امیر خسرو ہیں +

امیر خسرو کی ولادت تیرہویں صدی عیسوی کے درمیان مومن آباد ضلع ایٹہ میں ہوئی ان کے اسلاف چنگیز خاں کے وقت میں ماوراء النہر سے ہندوستان میں آکر رہے انکے والد سیف شمسی ایک بڑے جری دلدار سپاہی تھے امیر خسرو کی سات برس کی عمر ہوئی تھی کہ وہ کسی معرکے میں کام آئے۔ عماد الملک ان کے نانا نے جو شاہی مشیر تھے انکی پرورش اور تربیت کی +

حضرت نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے برگزیدہ مرید و خلیفہ تھے بلکہ مشہور تو یہ ہے کہ
ان کی مریدی ہی سے ان کے پیر کی شہرت اسقدر پھیلی۔ ان کو اپنے پیر و مرشد کے ساتھ جتنی
محبت و خلوص تھا اُسکے متعدد واقعات مشہور ہیں گویا فنا فی الشیخ تھے۔ حضرت نظام الدین اولیاؒ
کے انتقال کا ان کو سخت صدمہ ہوا اور اس رنج و غم کی حالت میں ۷۲۵ھ مطابق ۱۳۲۵ء کو
انتقال فرمایا۔ اور اپنے پیر و مرشد کی قبر کے قریب دفن ہوئے۔

یاوری بخت سے سلطان نظام الدین اولیاؒ کا قیام انکے نانا کے مکان پر تھا۔ اس طرح بچپن
میں شرف ملازمت و استفادہ حاصل کیا۔ انہوں نے ہدایت کی تھی کہ "بطرز صفا ہانیاں بگو" خود فارسی
کتب پڑھائیں۔ اس فیضان سے کلام خسرو میں سوز و گداز کی شان پیدا کردی اور اس کا اثر یہ ہے کہ
چھ سو صدیاں گذر جانے پر بھی کلام زندہ اور اب تک دلوں میں اپنا اثر جمائے ہوئے ہے۔ خود اپنے
دیوان تحفۃ الاصغر کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ ۱۲ برس کی عمر میں شعر و رباعی کہنا شروع کیا۔
علما اور عمائد مجھے دیکھکر استعجاب کرتے تھے۔ میں رات دن مطالعہ اور فکر شعر میں غرق رہتا تھا۔
انوری و سنائی اور خاقانی کے کلام سے مجھے بہت دلچسپی رہی اور ہر اُستاد کے رنگ میں کہنے کی
مشق کرتا رہا۔ اسی لئے میرے مجموعہ میں تمام اساتذہ کی تقلید اور پیروی کے نمونے جابجا موجود
ہیں۔ خواجہ عزیز الدین گلاتی جو عالم متبحر اور بڑے پایہ کے سخنور تھے اُن ایام میں دہلی میں نظر بند
تھے کسب کمال کا ذوق اُنکی خدمت میں لے گیا انہوں نے کلام سنکر کلمات تحسین و آفرین سے
دل بڑھایا اور اکثر نکات و اشارات سخنوری دل نشین کیئے اور مشکل اشعار کو جنکے مطالب کی
باریکی کو ذہن نہ پہنچتا تھا حل کر کے بتایا۔ فطری مناسبت۔ کثرت مطالعہ۔ ولولۂ شوق شفقت
بزرگان نے رفتہ رفتہ درجۂ کمال کو پہنچادیا۔ خوش قسمتی سے شاہزادہ محمد سلطان ولیعہد سلطان
غیاث الدین بلبن جیسا مربی مل گیا اور اس وسیلہ سے دربار شاہی میں بار حاصل ہوا۔

اُنکے نانا کی سرکار میں دو سو ترکی اور دو سو ہندی غلاموں کے علاوہ دس ہزار سوار ملازم تھے
یادگار عمر پائی امیر خسروؒ کی بہنؔ برس کی عمر تھی کہ اُنہوں نے ۱۱۳ برس کی سن میں انتقال کیا۔

کامل ستر برس عہدہ عرض بیگی سلطنت پر مامور رہے۔ اُنکی وفات کے بعد خان اعظم قتلوخاں کی سرکار میں جو سلطان بلبن کا بھتیجا تھا ملازمت اختیار کی کئی قصیدے اُسکی مدح میں موجود ہیں خود فرماتے ہیں کہ کچھ عرصہ بعد سامانہ جاکر شاہزادہ بغرا خان صوبہ سامانہ پسر سلطان بلبن کا مصاحب ہوا اور وہ مجھ پر از حد مہربان ہو گیا۔ شبانہ روز اپنے ہمراہ رکھتا تھا۔ ۶۷۸ میں طغرل بیگ صوبہ بنگالہ نے بغاوت کی اور سلطان بلبن خود اُسکے زیر کرنے کو شاہزادہ بغرا خاں کو ساتھ لیکر روانہ ہوا۔ اور انجام کار وہاں کی حکومت بغرا خاں کو دیکر دہلی واپس آگیا اُسوقت سلطان کی عمر ۷۵ برس کی تھی۔ میں کامل ایک سال کے سفر اور اعزا کی مفارقت سے بہت دل شکستہ خاطر ہو گیا تھا۔ ملازمت ترک کر کے شاہی لشکر کے ساتھ دہلی واپس آگیا۔ واپسی پر سلطان محمد ولیعہد نے جو میری سخنوری کی شہرت سُنکر کچھ مشتاق ہو گیا تھا۔ مجھے ملتان طلب کر لیا۔ مگر چند ہی ماہ میں مغلوں سے مقابلہ میں سلطان محمد مارا گیا۔ اور سلطان شہید کے نام سے ملقب ہوا۔ میں بھی بدشواری قید سے رہائی پاکر دہلی آیا اور مومن پور عرف پٹیالے میں گنگا کنارے چند ماہ والدہ کی خدمت میں حاضر رہا۔ اس عرصہ میں ۶۸۵ میں سلطان غیاث الدین بلبن نے انتقال کیا اور بغرا خاں کا لڑکا کیقباد تخت سلطنت پر بیٹھا کیونکہ بغرا خاں نے بنگال سے معاودت منظور نہ کی۔ دربار میں ملک نظام الدین کا دور دورہ تھا۔ میری بھی طلبی ہوئی۔ مگر میں نے حاتم خاں کی ملازمت ترک کرنی مناسب نہ سمجھی۔

حاتم خاں کے ہاں چند ہی دن گذرے تھے کہ ملک نظام الدین نے قضا کی اور میں دربار شاہی میں بادشاہ کی مصاحبت کے جلیل القدر عہدے پر فائز ہوا۔ کیقباد کی اقبالمندی کا پیمانہ جلد ہی لبریز ہو گیا اور مفلوج ہو کر مر گیا۔ شائستہ خاں جو اُسکے لڑکے شمس الدین کا وزیر تھا بالآخر خود مستقل بادشاہ ہو گیا اور فیروز شاہ کے لقب سے ۶۸۸ میں تخت نشین ہوا۔ یہ بادشاہ بڑا ذی علم اور امیر خسروؒ کا بڑا قدردان تھا بڑی بات یہ تھی کہ شاعرانہ باریکیوں اور نزاکتوں کو خود بھی خوب سمجھتا تھا۔ اسکے زمانہ میں امیر خسروؒ مالا مال ہو گئے۔ اُنکے بے تکلف دوستوں میں چار

لکھی ہیں - برادر حقیقی تاج الدین زاہد - برادر علاؤالدین علیشاہ - مولانا شہاب الدین قاضی تاج الدین یہ قبول کم مصنفین کو نصیب ہوا ہے کہ انکی تصانیف خواص و عوام میں مقبول ہوں - مگر یہ وصف حضرت امیر خسرو کا حصہ ہے اگر انکی بعض تصانیف معتقد علما کی حرز جان ہیں تو بعض ایسی بھی ہیں جو بچہ بچہ کی ورد زبان ہیں - اسکی نظیر تحفۃ العراقین اور خالق باری - جو تبحر اور جامعیت خدا نے آپ کو عطا کئے تھے وہ ہر ایک کا نصیب نہیں ہوا کرتے - خمخانہ جاوید میں حضرت امیر خسرو کا ذکر کرتے ہوئے ہمیں کسی معافی نامہ یا تمہیدی مقدمہ کی ضرورت نہیں - پہلا دیوان اردو یا ریختہ میں چاہے کسی کا ترتیب دیا گیا ہو لیکن اسمیں کسیکو شک نہیں ہو سکتا کہ پہلا شعر اردو کا پہلی تصنیف اردو کی امیر خسرو کی عالی دماغی کا مولود ہے - اُنہوں نے آیندہ اردو کے عنصر انتخاب کیئے - مسالہ جمع کیا - ارکان مہیا کیے اور ایک ڈھانچا بنا کے دکھا دیا - غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اکثر پہیلیوں اور بیتوں (دوہوں) کی زبان ایسی صاف اردو ہے کہ متقدمین ریختہ کی زبان سے صاف ملتی ہے - المختصر امیر خسرو اگرچہ سب سے اول صاحب دیوان اردو کے نہیں مگر اول اردو شعر کے موزوں کرنے والے ہیں - اور اردو شعر کے موجد ہونے کی حیثیت سے ہم انھیں خمخانۂ جاوید کا پیر مغاں تسلیم کرتے ہیں -

کوئی شخص تحقیق اور صحت سے اُن کی تصانیف کی فہرست یا تعداد نہیں بتا سکتا - مشہور ہے کہ شاہانِ مغلیہ کے کتب خانہ میں ایک لاکھ اشعار سے زائد اُنکے موجود تھے مگر اُسپر بھی گاہ گاہ نیا کلام شائقین تلاش کرکے لے آتے تھے - حضرت کا قول تھا کہ ہندوستانی اسقدر طباع ہیں کہ معمولی کوشش سے ہر ملک کی زبان - محاورہ اور نظم و نثر کہنے میں استعداد کامل پیدا کر سکتے ہیں اور برخلاف اسکے ایران عرب توران کے ہزارہا آدمی ہندوستان آئے کسیکو ہندوستانی زبان بولنی یا لکھنی نصیب نہ ہوئی -

امیر خسرو کو باوجود انتہائے کمال اور کثرت مشق اپنے کلام کو جمع اور مرتب کرنے کا بالکل خیال نہ تھا چنانچہ دیوان عالم صغرسنی یعنے ۱۹ سال کی عمر تک کا کلام جسکا نام تحفۃ الصغر ہے اُن کے بھائی تاج الدین نے مرتب کیا اور بڑے اصرار سے اُسپر دیباچہ لکھوا کر مکمل کیا - اسی طرح علاؤالدین علیشاہ

[illegible] کے بیاضرا سے دو ہفتہ کی محنت میں وسط الحیوٰۃ اور غرۃ الکمال دیوان دوم وسوم مدون ہوئے الا دیباچوں سے آراستہ کئے گئے۔ اس بیان میں امیر خسرؒو فرماتے ہیں کہ مثنوی قران السعدین بھی شامل کردی گئی تھی۔ گویا مثنوی مذکورہ ۳۰ برس کی عمر میں امیر خسرؒو نے تالیف فرمائی تھی معنے کی تصنیف میں جو جو ایجادیں اور اختراعیں کی ہیں اُن کا بھی بالتفصیل ذکر دیباچہ میں کردیا خود فخریہ لکھتے ہیں کہ میرے زمانہ سے پیشتر فارسی میں تین دیوان کسی نے ہندوستان میں نہیں لکھے کچھ عربی اشعار بھی اُس میں شامل کئے ہیں۔

امیر خسرؒو صاحب تصانیف کثیر تھے وہ سب فارسی زبان میں ہیں اور مستند سمجھی جاتی ہیں مثل خمسہ امیر خسرؒو بجواب خمسہ نظامی و قران السعدین۔ ہاں اردو ہندی سے متعلق جو اشعار انکے مشہور ہیں اور جا بجا دیکھے گئے وہ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ زبان کے ابتدائی زمانہ میں الفاظ کی کمی کے سبب ادائے مطلب میں جو دقت واقع ہوتی ہے اسکو سب جانتے ہیں۔ مجبوراً دوسری زبانوں کے الفاظ بکثرت لانے پڑتے ہیں۔ چنانچہ یہی کیفیت حضرت امیر خسرؒو کے اُس کلام میں موجود ہے جو اُردو کہا جاتا ہے۔ ایک غزل ہے جو زیادہ مشہور ہے اُسمیں تو یہ التزام کیا ہے کہ ایک مصرع فارسی زبان میں ہے اور دُوسرا اُردو میں۔ اس صنعت کو غالباً اہل فارس صنعت ملمع کہتے ہیں۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

زحالِ مسکیں مکن تغافل دُرائے نیناں بنائے بتیاں	کہ تابِ ہجراں ندارم اے جاں نہ لیہو کاہے لگائے چھتیاں
شبانِ ہجراں دراز چوں زلف و روزِ وصلت چو عمر کوتاہ	سکھی پیا کو جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں
یکایک از دل دو چشم جادو بصد فریبم ببرد تسکین	کسے پڑی ہے جو جا سناوے پیارے پی کو ہماری بتیاں
چو شمع سوزاں چو ذرہ حیراں ز مہر آں مہ بگشتم آخر	نہ نیند نیناں نہ انگ چیناں نہ آپ آویں نہ بھیجیں پتیاں
بحقِ روزِ وصالِ دلبر کہ داد مارا فریب خسرو	سپیت من کے ورائے رکھوں جو جائے پاؤں پیا کی کھتیاں

لال کی پہیلی

اندھا گونگا بہرا بولے گونگا آپ کہائے	دیکھ سفیدی ہوت انگارا گونگے سے بھڑ جائے
بانس کا مندر واہ کا باشا ۔ باشے کا وہ کھاجا	سنگ ملے تو سر پر رکھیں واہ کو راؤ راجا

بن بی کے نام بتایا تامیں بیٹھا ایک
اُلٹا سیدھا ہر پھر دیکھو وہی ایک کا ایک

بھید پہیلی میں کہی تو سن لے میرے لال
عربی ہندی فارسی تینوں کرو خیال

ناخن کی پہیلی

بیسیوں کا سر کاٹ لیا
نہ مارا نہ خون کیا

خضر

خضر صاحب عالم مرزا خضر سلطان خضر فرزند ارجمند حضرت بہادر شاہ بادشاہ دہلی کا تخلص ہے فن شعر میں نواب اسد اللہ خان غالب المعروف بہ میرزا نوشہ کے شاگرد تھے۔ اِنکا کلام آشوب غدر میں تلف ہو گیا۔ غدر میں اُنکی عمر چھبیس سال کی تھی لفٹننٹ ہاڈسن نے جو انہیں مقبرۂ ہمایوں سے شہر لا رہا تھا رستہ میں انکا رتھ ٹھیرا کر متصل موجودہ جیلخانے کے بضرب گولی انکا کام تمام کردیا۔ مرزا ابوبکر انکے بھتیجے اور مرزا مغل بھائی نے بھی موت میں انکا ساتھ دیا۔ مرزا خضر سلطان صاحب اولاد تھے لڑکا مرزا عثمان اختر کئی برس ہوئے انتقال کر گیا۔ لڑکی میرزا مجاہد الدین شاہی خلف مرزا مغل سے منسوب تھیں۔ شعر اچھا کہتے تھے اور تلاش مضامین و الفاظ بھی بُری نہیں تھی نشست الفاظ بھی درست ہے البتہ کہیں کہیں پُرانی زبان برت جاتے ہیں

مانا کہ ستم تم نہیں کرتے ہو کسی پر
غیروں پہ کرم ہو یہ ستم بھی نہیں تھوڑا

لہو میں میرے رنگیں ہوں اگر دیکھوں تو کیا دیکھوں
اُنہوں کے ہاتھ پر رنگ حنا دیکھا تو کیا دیکھا

دکھ سکتے ہیں کچھ اپنی نہ سن سکتے ہیں کچھ میری
ہمیں اس وقت میں اے بیوفا دیکھا تو کیا دیکھا

جام جمشید کو آئینہ سکندر کو ملا
حضر ہیں وہ ہوں کہ حصہ میں مرے دل آیا

چھٹوں کس طرح پھندے سے بتوں کے
مجھے کچھ بن نہیں آتی خدایا

کہتے ہو کہ اک روز تجھے قتل کرینگے
پر یہ بھی تو اے شوخ ستمگر نہیں ہوتا

کہتے ہو وہ بھی ہوس پیشہ ہے جیسا تو ہے
مجھ سے اک چھیڑ ہوئی شکوہ عدو کا تھا

گالی سے کون خوش ہو مگر حُسن اتفاق
جو تیری خو تھی وہی میرا مدعا ہوا

تری خاک کف پا سے نہ بدلوں
کوئی دے گر مجھے اکسیر آکر

میکشوں کے مزار پر رکھنا	ہُوں جو بھیگے ہوئے شراب کے پھول
ظلم ہم پر ذرا سمجھ کے کرو	اے بتو بندۂ خدا ہیں ہم

خضر - شیخ محمد یوسف شاگرد جان صاحب نواب کلب حسین خاں نادر کے تذکرہ سے کلام
اغلب کہ یہ خضر اور انکے بعد جن کا ذکر ہے ایک ہی صاحب ہوں -

وعدۂ وصل کے دن ہجر میں ٹھیرالے بہت	ایسے کلے تو حضور آپنے فرمائے بہت
بورے جھنجھلا کے یہں پاؤں پہ گرا جب انکے	ایسے تو کاسئہ سر ٹھوکر میں ٹھکرائے بہت
شہر سے موسم گل میں جو میں وحشی نکلا	ساتھ کوسوں مرے یاران وطن آئے بہت
فاتحہ پڑھتے مری قبر پہ غیروں سے کہا	یاد آئیگا یہ جاں بازہمیں ہائے بہت

خضر - بابو شیخ محمد یوسف مرحوم خلف شیخ کریم بخش مولوی - مقیم سہارنپور کے شاگرد
میں اچھی استعداد رکھتے تھے اور کسی قدر انگریزی کی بھی مہارت تھی - سہارنپور میں ایک
کارخانہ گنے پیلنے کا تھا اُس میں عرصۂ دراز تک کلرک رہے - مرنج مرنجان - شریفا
پایا تھا - پہلے یوسف تخلص کرتے تھے آخر میں خضر اختیار کیا سنہ ۱۹۰۱ء میں کتب دینیہ کے
مطالعہ اور مناظرہ کے بعد آبائی مذہب سنت جماعت کو ترک کر کے شیعہ ہوگئے اور آخر عمر
اعلان کرتے رہے سنہ ۱۹۰۸ء میں بعمر ۴۳ سال انتقال کیا - کچھ اشعار سہارنپور سے آ
فرمائے بھیجے وہ درج کیے جاتے ہیں +

جو مکر و فن فلک سے ہُوا تھا فروگذاشت	وہ زاہدوں کے گنبد دستار سے ک
جوانی میں جو رہبر تھے ہمارے ولولے ہر دم	وہ پیری میں ہیں اب دور سے رستہ
غلاف کعبہ پکڑے خضر کوئی رات کہتا تھا	دُہائی ہے خدا وندا یہ بت ناحق ستا
کس طرح خوئے وفا تجھسے ستمگر چھوٹے	غیر ممکن ہے کہ تلوار سے جوہر چھ
جب تلک دم ہے مرے دم میں یہ ممکن ہی نہیں	شیشہ پہلو سے مرے ہاتھ سے ساغ

خطا دہلوی - اِن کا حال صرف اتنا معلوم ہے کہ سنہ ۱۸۶۰ء کے قریب جب یہ غزل مرزا قربان

سالک نے دہلی کے مشاعرہ میں پڑھی تو انھوں نے اسپر مصرعے لگائے تھے جو بہت چست
اور انکی خوش مذاقی کا کامل ثبوت ہیں۔

یا وہ کوغیر ہیں اپنا تو یہ دستور نہیں
پر ابھی مرگ کا خواہاں دلِ رنجور نہیں

جان دینے میں ہمیں عذر کچھ لے حور نہیں
ترکِ کیفیتِ دنیا ہمیں منظور نہیں

ورنہ اک دم میں پہنچتے ہیں عدم دور نہیں

خط لکھا تھا پئے تسکین دلِ خانہ خراب
اب دکھاتا ہے نہ پھٹتا ہی نہ آنکھوں میں ہی خواب

اور بھی کر دیا کمبخت کو میں نے بیتاب
کیا کہوں حالتِ بیتابی اُمیدِ جواب

کوئے جاناں میں چلا جاؤں یہ مقدور نہیں

خطا — جناب شفقت حسین صاحب ۱۸۹۹ء میں چھاؤنی سیپری میں موجود تھے زیادہ حال معلوم نہ ہو سکا

وصل میں بھی نہیں ہوتے ہیں مزی یہ حاصل
ایسا پتھر کا جگر لاؤں کہاں سے یارب

لذتیں دردِ جدائی کی جو پاتا ہوں میں
عیش میں شاد نہ ہو درد میں ناشاد نہ ہو

کسی کافر لوا کا جب سے اسنے تبر کھایا ہی
میں تم کو مفت دیڈالوں جو آمادہ ہوئے لینے پر

دلِ بسمل نے پہلو میں مرے محشر اُٹھایا ہی
یہاں تک اس دلِ آفت طلب نے اب ستایا ہی

خطیر — مولوی سید امراؤ علی ولد میر امیر علی فرخ آبادی ۱۳۰۲ء میں ۲۵ برس کی عمر تھی اوائلِ سنِ تمیز سے شعر کہتے ہیں طب میں بھی دخل ہی فنِ شعر میں امداد حسین خاں صفیر سے فیض پایا ہی۔ یہ انکا کلام ہے۔

لحد کو غیر کہئے یار میں کب دیکھ سکتے ہیں
تلاشِ کوچۂ دلبر میں پائے شوق تھکتے ہیں
یہ ظاہر موم ہیں پوچھو نہ اِن کی سختیٔ باطن
کھچ غصہ میں وہ زنداں کی طرف آتا ہے
اپنے دامن سے مرے مُنہ کو چھپا لے قاتل
میرے اخلاط میں ہی زلفِ سیہ کا سودا

مری تربت کے پتھر اُنکی آنکھوں میں کھٹکتے ہیں
پتہ ملتا نہیں دیر و حرم میں ہم بھٹکتے ہیں
یہ آہن دل ہیں جنکے رنگ کُندن سے دمکتے ہیں
بیڑیاں پاؤں میں بولیں تو قیامت ہوگی
دیکھ کر دیدۂ مجروح کو حسرت ہوگی
جب پریزاد نظر آئیں گے وحشت ہوگی

دور موقوف نہ ہوگا ستم ایجادوں کا	حشر تک روز ملنے میں قیامت ہوگی
یار اُٹھ جائے گا پہلو سے جو گھبر کے خلیر	حشر میرے لیے صبح شب فرقت ہوگی

خلش۔ منشی جگیشر پرشاد خلف منشی کاشی ناتھ متوطن سیرامپور ندرہ ضلع گیا آپ کو مولنا عبدالرؤف عشرت لکھنوی سے تلمذ ہے۔ بابو ٹھاکر پرشاد وکیل کے ہاں بالفعل محرر ہیں کچھ کلام بھیجا تھا اُس میں سے یہ چند شعر منتخب ہوئے۔ ابتدائی شوق ہے۔

کاٹ لے سرِ خلش کا ای قاتل	آج ہوجائے فیصلہ دل کا
شب وصل دلبر خفا ہوگیا	الٰہی یہ کیا ماجرا ہوگیا

ہائے اسیر بھی تجھے رحم نہ آیا افسوس	مل گئے خاک میں ہم نقش کف پا ہوکر
رقص بسمل کی تڑپ انکو خلش دکھلاؤ	آج بیٹھے ہیں وہ مشتاق تماشا ہوکر
آہ میں ہو اثر تو پھر کیا ہے	آئیں وہ میرے گھر تو پھر کیا ہے

خلش۔ مولنا خواجہ سید کرامت علی صاحب خلش۔ آپ سید خواجہ نظام الدین علی صاحب گورنمنٹ پلیڈر کے حقیقی بھتیجے اور اولاد حضرت خواجہ اجمیر سے ہیں تیرہ برس کی عمر سے شوق شاعری ہوا۔ ابتدا میں حضرت ابوالحسن صاحب ساکت رامپوری سے غزل میں مشورہ کیا کرتے تھے دو سال بعد صلاح لینی ترک کردی۔ پھر چند غزلیں نواب عبداللہ خاں مطلب کی تحریک سے نواب فصیح الملک مرزا داغ کو دکھائیں کثرتی بدن تھا اور ورزش کا بھی شوق تھا۔ اکثر کہا کرتے تھے کہ میں حکیم مومن خاں مومن دہلوی کا مقلد ہوں اور اُنہیں کو اپنا اُستاد مانتا ہوں۔ نواب محمد ابراہیم علی خاں صاحب بہادر والئ ٹونک نے آپکے ذہن رسا کی تعریف سنکر آپ کو زمرۂ اہل سخن میں داخل کرلیا ٹونک اور اجمیر میں زیادہ تر قیام رہتا تھا۔ معاملہ بندی۔ روزمرہ۔ شستگی و نشست الفاظ آپ کا حصہ تھا۔ شوخ مزاجی طبیعت میں خلقی تھی۔ الغرض مشق سخن قابل تعریف تھی ۴۰۔ ۴۲ سال کی عمر میں ۱۹۰۴ء میں انتقال کیا۔ بیس پچیس شاگرد بھی تھے دیوان تیار تھا مگر شائع نہیں ہوا کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

جسکو کسی نے بھیجے تھے کل یاسمن کے پھول
تلووں سے اس نے مل دیئے مارے جلن کے پھول

پھولوں میں آ گئے ہیں مرے پیرہن کے پھول
مرجھائے بھی نہیں ہیں ابھی تو کفن کے پھول

دل میں کھٹک رہی ہو خلش دوستوں کی یاد
کانٹے بنے ہوئے ہیں سفر میں وطن کے پھول

کیا گھٹاؤں سے دھواں دھار ہیں ساون بھادوں
روزِ روشن میں شبِ تار ہیں ساون بھادوں

قتل کرتے مجھے بے یار ہیں ساون بھادوں
کوئی چلتی ہوئی تلوار ہیں ساون بھادوں

مینہ برستا ہے ترستے ہیں وہ گھر جانے کو
ابتو کچھ میرے طرفدار ہیں ساون بھادوں

ابر دوڑا ہوا جاتا ہے سوئے میخانہ
کھل گیا صاف کہ میخوار ہیں ساون بھادوں

ابر نیساں ہے خلش دستِ گہر بار خلیل
بخشش و فیض میں سرکار ہیں ساون بھادوں

ہم بزم میں صرف انکی نظر دیکھ رہے ہیں
کچھ اس سے نہیں بحث کدھر دیکھ رہے ہیں

اب بزم میں انکو بھی نہیں دیکھتا کوئی
آپس میں سب اِک اک کی نظر دیکھ رہے ہیں

بیٹھے ہیں مرے پاس مگر دل میں خلش ہے
گھبرائے ہوئے جانبِ در دیکھ رہے ہیں

قصور اس میں تمہارا کچھ نہیں ہے بے خطا تم ہو
نہ یوں محوِ وفا میں ہوں نہ سرگرمِ جفا تم ہو

مجھے اب کچھ نہیں معلوم میں کیا اور کیا تم ہو
تمہارا مدعا میں ہوں کہ میرا مدعا تم ہو

برا ہوتا ہے ہر اک بات کا حد سے گذر جانا
نہ اتنا باوفا میں ہوں نہ اتنے بے وفا تم ہو

گھر سے تھے میکدے میں منہ چھپائے حضرتِ زاہد
بڑی مشکل سے پہچانا تمھیں مردِ خدا تم ہو

وہ رشکِ غیر پر بولے طبیعت اپنی اپنی ہے
کسی پر مبتلا ہم ہیں کسی پر مبتلا تم ہو

برابر کی محبت میں یہی تو حال ہوتا ہے
کبھی تم سے خفا ہم ہیں کبھی ہم سے خفا تم ہو

شبِ وعدہ بڑھی بات پھر آخر کشاکش میں
ہم اپنی وضع کے پابند پابندِ حیا تم ہو

تعلق اٹھ گیا جس روز سے دونوں مکرتے ہیں
نہ تم سے بیزا ہم ہیں نہ ہم سے بیزا تم ہو

وعدہ کر جا مرے دل کے بہلنے کے لیئے
سیکڑوں حیلے ہیں پھر وقت پہ ٹلنے کے لیئے

تعلق ہی نہیں باقی تو پھر میری شکایت کیوں
تمہیں مطلب نہیں مجھ سے تو پھر میرا گلہ کیوں ہے

وہ میرے قتل پر تیار خوش کرنیکو دشمن کے
لگے یہ غم کہ اُنکے ہاتھ سے اسکی قضا کیوں ہے

خلش سید فردوس علی خلش عزیز و شاگرد عبدالحکیم بسمل مندرجہ ذیل اشعار ایام نابالغی کہے ہیں الہام غدر میں لندن ہے

اُس ستمگر سے دلا دیکھ تو کیا کیا نہ ہوا
ہم کو کیا تیرے ہی کچھ حق میں یہ اچھا نہ ہوا

کچھ اثر تھا نہ آہ سے مقصود
یہ بھی اک طبع آزمائی تھی
ضعف سے لب پہ تھم گئے نالے
ورنہ آفت فلک پہ آئی تھی
کیا مزے سے خلش گذرتی تھی
جبکہ اُس بت سے آشنائی تھی

خلش منشی نصیرالدین کاتب خلش باشندہ میرٹھ۔ شاگرد منشی احمد حسن شوکت چند شعر انکی طبعزاد درج کیے جاتے ہیں

نصیحت کا اثر واعظ تری مجھ رند پر کیا ہو
جو دخت رز پہ مرتا ہو وہ کیا حوروں پہ شیدا ہو
لب زخم جگر بوسہ اگر لیں تیغ بُرّاں کا
ہمارے خوں بہانے کا اُنہیں خاصا بہانا ہو
گلوئے تشنہ کامان شہادت کام آجائے
اگر خون تمنا کا لب خنجر کو چسکا ہو

خلش منشی محمد حسام الدین سب انسپکٹر پولیس حسن گنج واناؤ ارمغان ۹۸ سے یہ کلام منتخب ہوا۔ احسان شاہجہاں پوری کے تلامذہ میں ہیں۔

جسنے دیکھا گر پڑا مثل کلیم
جلوۂ رُخ اُن کا برق طور تھا
منہ کی کھائی حشر کے دن شیخ نے
زہد و طاعت پر بہت مغرور تھا
دل وہ اچھا جس میں تیرا غم رہے
دم وہ اچھا جس کا تو ہمدم رہے
وصل کی شب میں حیا آنے نپائے
شوخ چشمی کا وہی عالم رہے
ای خلش دل میں کھٹکنے کے لئے
یاد مژگاں بن کے خار غم رہے

خلق میر حسن علی خلق خلف الرشید میر حسن صاحب بدر منیر مقیم فیض آباد لکھنو اپنے والد مرحوم کے شاگرد صاحب دیوان تھے۔ ترتیب تذکرۂ شوق کے زمانے میں وجیہ و خوبرو جوان تھے خاندانی رسم کے بموجب مرثیہ کہتے تھے۔ میر خلیق انکے حقیقی بھائی تھے سنہ ۱۸۰۳ء کے بعد سو برس کی عمر میں وفات پائی ؛

عجب عالم میں بے ہوشی کے وہ مجھکو نظر آیا
کہ اتنا بھی نہ آیا ہوش جو پوچھوں کدھر آیا

بیقراری میں کٹی رات تو یاں سے اپنے تئیں
چین سے زلف میں دل کیونکر رہا ہووےگا

دل چھلانے تو لگایا پہ نہ تھا کچھ معلوم
جی پہ کیا گذریگی اور جان پہ کیا ہووےگا

خلق **خلق** منشی محمد مستجاب خان نام اصل وطن الکا قاسم گنج ضلع فرخ آباد ہے عرصہ سے بصیغۂ ملازمت سرکار نظام حیدر آباد دکن باقاعدہ فوج میں ملازم ہیں پہلے اضلاع دکن میں متعین تھے اب چند سال سے خاص بلدے میں مامور ہیں قریب ۴۵ سال کے عمر ہے خلیق اور نیک آدمی ہیں۔ فن سخن میں حضرت داغ دہلوی مرحوم کے شاگرد ہیں اکثر اپنے استاد مرحوم کی خدمت میں حاضر رہے شعر خاصا کہتے ہیں۔ اپنے استاد کے رنگ کی اچھی طرح تقلید کرتے ہیں مشاقی اعلیٰ درجے کی ہے زبان کی صفائی سلاست اور ستھراپن انکے کلام میں پایا جاتا ہے یہ انکے کلام کا انتخاب ہے۔

اسکی نظروں سے وہ بچنا بلبل ناشاد کا
آڑ میں سے تاکنا چھپ چھپ کے وہ صیاد کا

صبر بھی اور صبر مجھسے عاشق ناشاد کا
ظلم بھی اور ظلم پھر تجھسے ستم ایجاد کا

عیش زیبا ہے تمہیں غم زیب دیتا ہے مجھے
وہ تمہارا ہے تو یہ حصہ دل ناشاد کا

عاشقی کا لطف جب ہے دل بھی ہوں عاشق کے دو
ایک طالب وصل کا ہو ایک ہو بیداد کا

لو رہا وہ امتحاں میں سخت جاں ثابت قدم
لو وہ آخر ہو گیا دم خنجر فولاد کا

خلق کا اب پاؤں قابو میں نہ دل کہنے میں ہے
ہاتھ لینا میرے مولا وقت ہے امداد کا

کاکل میں ہے گیسو میں ہے مٹھی میں تری ہے
دنیا میں مرے دل کا ٹھکانا ہی نہیں اور

مژگاں تری سفاک نگاہیں تری خونریز
پھر اسپہ نمک پاش یہ حسن نمکیں اور

اقرار میں اک گھات تو انکار میں اک بات
دیتی ہے مزا آپ کی ہاں اور نہیں اور

جاتے ہیں مسافر جو شب و روز عدم کو
بستی کوئی بستی تو نہ ہو زیر زمیں اور

خزاں رہی تو تڑپتے رہے بیقرار سے ہم
بہار آئی تو شوریدہ ہیں بہار سے ہم

وہ دل گیا وہ اڑے ہوش وہ گئے اوسان
سنبھالنا کہ چلے اپنے اختیار سے ہم

یہ چشمِ مست کی اُلفت نے کر دیا بیخود کہ خود بخود نظر آتے ہیں بادہ خوار سے ہم
عاشق کی زندگی ہے سہارے کی زندگی اُمید چاہیئے دلِ اُمیدوار میں
کیا بات ہے تری نگہ ناز واہ واہ عاشق کا کام کر ہی دیا ایک وار میں

ڈھونڈھے کوئی بے مثل اگر حسنِ بشر میں وہ کھبتے ہیں آنکھوں میں وہ چبھتے ہیں نظر میں
اُس مہرِ منور کی قیامت ہے تجلی بجلی کی طرح کوندتی پھرتی ہے نظر میں
تمہیں پروا کسی کی کیا کہ تم ایسے ہو خوش قسمت وہی ملتا ہے جو مانگو وہی ہوتا ہے جو چاہو

بے خبر ہے حُسن کے انداز سے آنکھ ہے اُس کی نشیلی ناز سے

قیامت ہے ترے کوچہ میں تیری دلربائی سے بپا ہے شورِ محشر کٹنے والوں کی دہائی سے
رُخ روشن ہے آئینہ قدِ موزوں ہے بالا زمانہ محوِ حیرت ہے کسی کی خود نمائی سے

سُرخ ڈوروں میں نگاہِ یار ہے خون میں لتھڑی ہوئی تلوار ہے
اور کس کا میرے دل پر وار ہے آپ ہیں یا آپ کی تلوار ہے
نگہ ناز ہے تلوار ادا قاتل ہے اب بھی مشکل نہ ہوا آساں تو بڑی مشکل ہے

خلیق - مرزا ظہور علی ولد مرزا ہوشدار جو مشہور مرثیہ خوان اور ماہرِ فنِ موسیقی تھے اردو شعر بھی کہتے تھے محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں حسب طلب نواب نوازش محمد خان شہاب جنگ مرشد آباد کو گئے تھے اور وہ زمانہ اُنکے آغاز جوانی کا تھا۔ سنہ ۱۱۹۹ ہجری میں صوبہ بنگال میں کسی عہدہ پر مامور تھے مرثیہ اچھا کہتے تھے فیلن صاحب نے اُنکا پورا ایک مرثیہ اپنے تذکرے میں درج کیا ہے اور اصنافِ سخن میں سے کچھ نہیں لکھا۔ لہٰذا اُس مرثیہ کے چند بندوں پر اکتفا کیا جاتا ہے -

ہوا صغرا پہ جب ظاہر کہ بابا کا سفر ٹھہرا مجھی کو چھوڑنا گھر میں اُنھیں مدِ نظر ٹھہرا
یہ سب ہے درمیاں اب کوچ کنبے کا سحر ٹھہرا دم اُس بیمار کا غم سے لبوں پر آنکر ٹھہرا

لگیں کہنے الٰہی آج میرا دم نکل جائے
جو بابا کے جدا ہونیکا دل سے غم نکلجاوے

[illegible] بابا جان کی یکیں نہ تھیں گی
[illegible] کی صورت بگڑی جگہ آئیگی

مری جانِ حزیں ہرگز دیہ صدمہ اٹھائیگی
اکیلی گھر میں بیٹھ کیا پڑی آنسو بہائیگی

تیقن ہو نہ صورت اچھی ہونے کی کوئی ہوگی
نہ بابا گھر میں آوینگے نہ میری زندگی ہوگی۔

یہ خط کس کا ہو آج آیا مطالعہ جسکو فرماکے
پھوپی زینب کہ چپکے سے کہی کیا بات بلواکے

ہوئی تشویش اور آنسو بہے چہرے پہ بابا کے
گئیں حجرے میں کیوں باباکے اماجان گھبراکے

یہ ہر کیا مشورہ ہوتا بتادے ہوش جاتے ہیں
سکینہ گود میں بیٹھی ہے اور مجھ سے چھپاتے ہیں

خلیق خلیق۔ شاعر شیریں زبان میر مستحسن خلیق دہلوی خلفِ ارشد میر غلام حسن حسن مرحوم برادر خورد میر احسن خلق لکھنؤ اور فیض آباد میں تعلیم و تربیت پائی۔ سولہ برس کی عمر سے مشق سخن کا شوق دامنگیر ہوا حسن خلق کی رعایت سے خلیق تخلص اختیار کیا اور مصحفی کے شاگرد ہوئے۔ انھیں ایام میں میرزا تقی ہوس نے چاہا کہ فیض آباد میں شعر و سخن کا چرچا ہو۔ مشاعرہ قائم ہوا اور خواجہ حیدر علی آتش کو لکھنؤ سے بلوایا پہلے ہی جلسہ میں جو میر خلیق نے غزل پڑھی اس کا مطلع یہ تھا۔

مثل آئینہ ہی اس رشک قمر کا پہلو
صاف ادھر سے نظر آتا ہی ادھر کا پہلو

آتش نے اپنی غزل پھاڑ ڈالی اور کہا کہ جب ایسا شخص یہاں موجود ہی تو میری کیا ضرورت ہی چند روز کے بعد میر حسن انکے والد نے قضا کی۔ عیال کا بوجھ انکے سر آپڑا اور شعر شاعری کے خیالات پست ہو گئے بڑے پُر گو تھے۔ غزلیں بیچا کرتے تھے اس پر بھی دیوان مکمل کر لیا تھا مگر اسے رواج نہیں دیا۔ تمام عمر مرثیہ گوئی میں بسر کی میر ضمیر اور میرزا فصیح مرثیہ گو انکے ہمعصر تھے میر خلیق کے ادائے کلام اور پڑھنے کی خوبی دیکھنے اور سننے کے قابل تھی۔ خوبی محاورہ اور لطف زبان جو انکے مرثیوں میں پایا جاتا ہے وہ انکے ہمعصروں کے کلام میں مفقود ہے لکھنؤ میں انکی اور انکے تمام گھرانے کی زبان محاورے کے لحاظ سے مستند سمجھی جاتی تھی

ہر چند چاہا کہ کلام دستیاب ہو مگر انکے عزیزوں کی لاپرواہی سے مجبور ہو کر پہلے تذکروں سے کچھ اشعار انتخاب کر کے درج کیئے گئے ؎

غفلت میں غرق اپنی تجھ بن کبھو نہ آیا
ہم آپ میں نہ آئے جب تک کہ تو نہ آیا

اشک جو چشمِ خوں فشاں سے گرا
تھا ستارہ کہ آسماں سے گرا

مجرائی طبع کند ہے لطفِ بیاں گیا
دنداں گئے کہ جوہرِ تیغ زباں گیا

گذری بہار ہم خلیق اب کہیں گے سب
باغِ جہاں سے بلبلِ ہندوستاں گیا

کہا میں نے جو اے گُل کچھ وفا کر
تو وہیں ہنس پڑا وہ کھِل کھِلا کر

ہے حسن ترا مہرِ درخشاں کے برابر
دنداں در و لب لعلِ درخشاں کے برابر

کیا چاہیئے عاشق کے تجھے قتل کو خنجر
ابرو ہیں ترے خنجرِ براں کے برابر

جس گھڑی تم کو نہیں پاتے ہیں ہم
جی ہی جی میں اپنے گھبراتے ہیں ہم

کِسکے خرامِ ناز کا پامال ہوں خلیق
لگتی ہے چوٹ دلکو مرے ہر قدم کیساتھ

مُرغانِ قفس کرتے ہیں سب نغمہ سرائی
کیا فصلِ بہاری کی چمن سے خبر آئی

گلشن میں یہ کس شخص کا ہے ڈھیر کہ بلبل
منقار میں لیجا کے کئی پھول دھر آئی

مدت سے بہم رہتے تھے جس گھر میں ہم اور یار
اب دیکھ کے وہ خالی مکاں آنکھ بھر آئی

کیا پوچھتے ہو حالِ اسیرانِ قفس کا
گلشن سے جو بیخود ہو نسیمِ سحر آئی

ایسا تو جہاں میں کوئی ہوویگا نہ رُسوا
آفت جو خلیق جگر افگار پہ آئی

دل میں تھا کہتے ہی اُسکے جائیں لگ آغوش سے
جب وہ آیا سامنے تب رہ گئے خاموش سے

خلیق - جناب منشی ارشاد حسین صاحب خلف حاجی محمد امداد حسین صاحب صغیر مرحوم رئیس فرخ آباد ۱۲۸۵ھ کے قریب زندہ و سلامت موجود تھے بعد کا حال معلوم نہیں یہ کلام کا نمونہ ہے ق

سمجھے تھے جسکو دوست وہ دشمن نظر میں ہے
امیدِ خیر کیا ہو کہ شر ہر بشر میں ہے

تاثیر جس کا نام ہے وہ اے شبِ فراق
آہِ سحر میں ہے نہ دعائے سحر میں ہے

[illegible] کو کیا چشم ہیں / نرگس کا پھول تو نظر باغ میں ہے
انصاف کر کہ ہم کسے چاہیں ترے سوا / تو ہی بتا کہ ناز پری کس بشر میں ہے

خلیق - جناب محمد نصر اللہ خاں صاحب باشندہ حسن پور تلمیذ جناب امیر لکھنوی ان کا کچھ حال باوجود تلاش میسر نہ ہوا لہٰذا اندراج کلام پر اکتفا کیا گیا +

[illegible] کسی کی جو ترچھی نظر مجھے / دل کی خبر رہی نہ جگر کی خبر مجھے
ممکن نہیں کہ چھوڑ دے درد جگر مجھے / رہنے دے اب خدا پہ ہی اے چارہ گر مجھے
اے رہ روان راہ عدم پھر بھی آئیو / کچھ پوچھنی ہے تم سے عدم کی خبر مجھے
نہ ہوتے ہم جو رسوائے زمانہ / یہ شہرت آپ کی ہوتی کہاں سے

خلیق - عالیجناب راجہ دیپ داس صاحب سوم تعلقدار پائیگاہ حیدرآباد کے امرائے عظام میں سے ہیں منشی خنجر سے تلمذ ہے۔ دو شعر نتائج افکار سے درج کیے جاتے ہیں +

یوں تو اک روز تجھے آنا ہی ہے اے موت ضرور / گر شب ہجر میں آجاتی تو احسان ہوتا
بڑھ گئی مرہم کافور سے سوزش دونی / کاش زخموں پہ مرے وہ نمک افشاں ہوتا

خلیق - جناب منشی محمد خلیق صاحب ساکن بٹاوہ ضلع خاندیس۔ آجکل کے شاعروں میں ان کا شمار ہے رسالوں میں غزلیں شائع کراتے رہتے ہیں اُن میں سے چند شعر انتخاب ہوئے۔ کوئی خاص بات قابلِ ذکر ان کے کلام میں نہیں ہے +

آج کوئی آنے والا ہے ضرور / یہ پتا بے تابیٔ دل سے ملا
قاصد نے اسکی نوک پلک کا کیا جو ذکر / نشتر سا ہائے میرے جگر میں چبھو گیا
لایا نہ کچھ جواب ہمارے سوال کا / قاصد ہمارا جا کے اُدھر ہی کا ہو گیا
اے بیکسی بہائے ہیں کس نے یہ چار اشک / آکر مرے مزار پہ یہ کون رو گیا
رسوا ہوا ذلیل ہوا تیرے عشق میں / جو کچھ مرے نصیب میں ہونا تھا ہو گیا
کہے گا کون مسیحا تجھے زمانے میں / مریضِ عشق کا جب کچھ تجھے خیال نہیں

جو مرضیوں کا ذرا بھی تمہیں خیال نہیں
ہمیں بھی چاہیئے اب حسرتِ وصال نہیں
اگلی میں ماہ رخوں کی بچاؤ حضرتِ دل
بتائے دیتے ہیں ابھی یہ دیکھ بھال نہیں

خلیق منشی عبد الخالق دہلوی کسی پنجابی سوداگر کی دوکان پر ملازم ہیں۔ استعداد علمی بہت معمولی ہے مگر شاعری کا شوق حدِ اعتدال سے متجاوز ہے۔ جو کچھ آمدنی ہوتی ہے اس کا کثیر حصہ اس فن کے شوق کی نذر کر دیتے ہیں۔ سائل صاحب اور منشی چندبھان کیفی انکے استاد ہیں اور شعرا سے بھی استفادہ کرتے ہیں۔ قابلِ قدر رسالوں میں کئی نظمیں انکے نام سے شائع ہو چکی ہیں۔ اِن نظموں میں تاریخی مضامین ایسی جامعیت اور قابلیت سے سلسلہ وار لکھے گئے ہیں، جن سے اِنکے مصنف کی علمی استعداد، اور واقفیت عامہ کے متعلق اچھی رائے قائم کی جاسکتی ہے اور مشقِ سخن بھی پختگی اور سنجیدگی کا پہلو لیئے ہوئے ہے۔ واقعات کا تسلسل بہت خوبی سے دکھایا ہے اور روانی قابلِ تعریف ہے ✤

ڈر تو یہ ہے جو بدل لے وہ ستمگر آنکھیں
اُلٹی چھریاں کہیں ہو جائیں نہ پھر کر آنکھیں
یہ تماشا ہے نیا صُلح بھی ہے جنگ بھی ہے
دل ملے پر بھی لڑا کرتی ہیں اکثر آنکھیں

کہتے ہیں مجھپہ مرتی ہے دنیا تو کیا عجب
ایسا کوئی جہاں میں طرحدار بھی تو ہو

کہتا ہے مجھ سے داورِ محشر کے رُوبرو
دل سے نکال دعویٔ باطل کی آرزو

ریاکاری میں ساری عمر کردی رائگاں اپنی
جہاں میں جنسے جنت کی تمنا میں جہالت کی
ایں جسکو دیکھا دل ہو گیا اُس کا بس آزاہد
نکر تعریف میرے سامنے حورانِ جنت کی
اے قیس تجکو دشت نوردی سے کیا حصول
لیلیٰ کے دل میں شکل نکال اپنی راہ کی
پامال یوں نہ کیجیئے وقتِ خرامِ ناز
فریاد کچھ تو سُنئے دلِ دادخواہ کی
اُمید و یاس میں دل کا عجب دستور رہتا ہے
کبھی مسرور رہتا ہے کہیں رنجور رہتا ہے
ریاکاری خدا کے گھر میں بھی ای حضرتِ زاہد
زباں پر نامِ حق دل میں خیالِ حور رہتا ہے

نوحۂ وفات نظام

[illegible] نہ تھیں کہیں ذی جاہ
[illegible] میں جو تجھ سے آگے کے
[illegible] نامداروں کو کیا تو نے تباہ
[illegible] کے گھر میں تک باقی نہ رکھے نام کو
[illegible] وہاں جو ان سب پہ پھری تیغ جفا
تا [illegible] دستہ میں ای بادِ فنا چوٹی کا پھول
[illegible] تھے قصیدے شاعرانِ ذی شعور
[illegible] آنکھوں میں رکھیں آہ وہ ہر دل عزیز
[illegible] نہ جسکے بجتے اُسکی یہ نوبت ہے آج
[illegible]ین کے نغموں کے بدلے بین کا ہی شور و غل
جلتے تھے روز و شب جو اُسکے پاپوشوں کی گرد
فرشِ دیبا کی بھی جسکو سلوٹیں تھیں ناگوار
ہاتھ جو بہرِ سلام اُٹھتے تھے جس کے رو برو
چھا گئی ہے کیا غم و اندوہ کی دل پہ گھٹا
قیصری دربار میں جو شوق سے آنے کو تھا
حشر تک ماتم رہے گا اِس غمِ جانکاہ کا

تیرے دستِ ظلم سے غنچہ نہ بچنے پائے ہائے
وہ گل و دستہ اُسکو ہی نذر کیا جائے ہائے
کیسے کیسے گھر بنے تو نے اُجاڑے ہائے ہائے
صفحۂ ہستی سے وہ نام و نشاں مٹوائے ہائے
یہ ستم یہ ظلم تیرا کس سے دیکھا جائے ہائے
کیا غضب ہے کیا ستم ہے وہ ہی گل مرجھائے ہائے
اُن سے نوحے مرثیے اب کے تو لکھوائے ہائے
کارواں سے مثلِ یوسف یوں بچھڑ کر جائے ہائے
پیچھے میت آگے ماتم اُسکا ہوتا جائے ہائے
دھوم سے اُس کا جنازہ یوں اجل اُٹھوائے ہائے
اُسکی میت پر اُنھیں سے مٹی اب ڈلوائے ہائے
اُس تنِ نازک کو تو یوں خاک میں ملوائے ہائے
آج اُسی کی فاتحہ کو ہاتھ وہ اُٹھوائے ہائے
ہے سیہ پوش اُسکے ماتم میں یہ کعبہ ہائے ہائے
ای اجل اُسکو ہی تو ملکِ عدم پہنچائے ہائے
شاہ آصف جاہ جیسا شخص یوں مر جائے ہائے

سرگذشتِ دہلی

اُجڑا ہوا نہیں ہے ہرگز دیارِ دہلی
پوچھے ہمارے دل سے کوئی بہارِ دہلی

[illegible] زندہ یادگاریں نقش و نگارِ دہلی
کچھ نام کر گیا ہے ہر تاجدارِ دہلی

[illegible] دفن اس میں ہندوستان کی ہے
یونان و مصر و فارس ملتے جہاں کی ہے

بھارت میں جبکہ ڈنکا پانڈوں کا بج رہا تھا
وہ بھیم وہ یدھشٹر وہ کرشن سج رہا تھا

کوروں کے دل میں جا کر ارجن گرج رہا تھا	بالکو لکا بانکپن بھی جن سے نسو کھ رہا تھا
اُنکے محل بنے کیا کیا جمنا ترے کنارے	اندر پرست دلی کہتے تھے تجھکو سارے
بھیشم کے دَور دورے کوروں کی حکمرانی پھر جنمے جے نے اپنی کی تیس مار خانی	ایسے ہوئے پریپت کلجگ نے ہار مانی اب نام المکاسن تو کھنڈرات کی زبانی
حسرت سے کہہ رہے ہیں دالان ٹوٹے پھوٹے	ہم پر بھی نقش کاری ہر سے تھے بیل بوٹے
تجھکو پرانے قلعے آباد رکھنے والا تعمیر میں نرالی ایجاد رکھنے والا	دنیا کے حادثوں سے آزاد رکھنے والا وہ کون نامور تھا بنیاد رکھنے والا
کیا تجھ میں خوبیاں تھیں کیا شاندار یاں تھیں	کس شاہِ ذی حشم کی جہانداریاں تھیں
دہلی میں راجپوتی لہرا رہا نشاں تھا کروٹ جو ایک بدلی غوری کا آستاں تھا	اقبال اوج پر تھا ہمدرد آسمان تھا ڈھنتا تھا سر پتھورا مندر سرا یہاں تھا
چونسٹھ تھے اس میں کھنبے کیا خوب زینتیں تھیں	ان مورتوں میں کیا کیا عالم کی صورتیں تھیں
مینار قطب صاحب کب سے کھڑا ہوا ہے کیوں سر بلندیوں سے اتنا بڑا ہوا ہے	کچھ بول چال منہ سے کیا تو اڑا ہوا ہے تیری بنا میں کس کا پتھر گڑا ہوا ہے
التمش کی مسجد تو ہی نشاں بتا دے	کرتی تھی حکمرانی رضیہ کہاں چلا دے
چتوڑ کی لڑائی دولت پہ جان دینا خلجی کا شوخ چنچل صورت پہ جان دینا	وہ قوم کی حمیت عزت پہ جان دینا جانباز پدمنی کا عصمت پہ جان دینا
ہیں زندہ داستانیں ہستی رہیگی جب تک	جمنا کنارے دہلی بستی رہیگی جب تک
تغلق نے تخت چھینا قلعہ نیا بنایا سنگین لاٹ گاڑی سکھ سے رہی رعایا	فیروز شہ نے اپنا پھر کوٹلہ بسایا یک لخت قہر کیسا نازل ہوا خدایا
تاتاریوں کو لیکر تیمور لنگ آئے	دلی کے رہنے والے جانوں سے تنگ آئے
لاکھوں کے خوں بہانے کی گوشمار کیسی	تیغ دو دم ہوئی تھی سینے کے پار کیسی

[illegible] بے اختیار کیسی
بچوں کے واسطے تھی دل بیقراری کیسی
[illegible] کبھی الٰہی!
دہلی کو مدتوں تک جیسی رہی تباہی

[illegible]ستان میں بابر کا چڑھ کے آنا
میدانِ پانی پت میں توپوں کا منہ دہانا
[illegible] کیا [illegible] یوں پہ [illegible] رانا
آتا ہے یاد مجھکو اُس وقت کا زمانا

تھی باپ کی محبت بیٹے پہ جان دیدی
مفتوحہ سلطنت کی اُسکو عنان دیدی
کی ہر طرح ہمایوں نے سلطنت ادھوری
زوروں پہ چڑھ رہا تھا جب شیر شاہ سوری

گردش میں تھا نصیبا ہندوستاں سے دوری
ایرانیوں نے کردی آخر مراد پوری
بیرم کی جاں نثاری اب تک زبان زد ہے
وہ نیک نام زندہ دنیا میں تا ابد ہے

کیا تربت ہمایوں پہ مقبرہ بنا ہے
صفدر کا مدرسہ ہے درگاہ اولیا ہے
طوطیِ ہند نامی خسرو یہیں ہوا ہے
تیرا جہان آرا سبزہ ہرا بھرا ہے

غالب کی ہے یہیں پر اُجڑی ہوئی نشانی
اُردو لحد کے اوپر کرتی ہے نوحہ خوانی
درگاہِ قطب صاحب سنگِ مزار دیکھے
سہروں میں پھول دیکھے پھولوں میں خار دیکھے

شاہوں کے جشن کیا کیا پروردگار دیکھے
آخر کو زیرِ تربت سب تاجدار دیکھے
کس نیند سو رہے ہیں قبروں میں شاہزادے
بادِ سحر جگا دے بادِ سحر جگا دے

انسان کو جان پیاری جاں کو بدن پیارا
بلبل کو گل مبارک گل کو چمن پیارا
عاشق کو کوئے جاناں شیروں کو بن پیارا
شاہِ جہاں کو دہلی ہمکو وطن پیارا

رکھیں گے یاد اسکو جیتے رہینگے جب تک
جامِ شرابِ عشرت پیتے رہینگے جب تک
دہلی کے لال قلعہ فردوس کے نمونے
اقبال دوڑتا تھا قدموں کو تیرے چھونے

دربار شاہجہانی دیکھا ہے خوب تو نے
پائی تھی کامیابی کس کس کی آرزو نے
کس تخت پر مرصع طاؤس جلوہ گر تھے
فرمانروائے دولت بیٹھے ہوئے کدھر تھے

دیوانِ خاص تیرا دیوانِ عام تیرا
آئین کے موافق ہر انتظام تیرا

شوکت کنیز تیری، رتبہ غلام تیرا
مشہور ہو رہا تھا دنیا میں نام تیرا

انصاف پروری سے دِلّی پری ہوئی تھی
اِس شہر میں اقامت دولت بھری ہوئی تھی

ہاں تجھکو جامع مسجد رضواں پہ برتری ہے
عالم فریب منظر انداز دلبری ہے
جب تک ہے حوض جاری ہے نام میں تری ہے
نیکی کی جڑ ہری ہے نیکی کی جڑ ہری ہے

جنت میں کیوں نمازی جائیں نماز پڑھنے
دِلّی میں جب فرشتے آئیں نماز پڑھنے

حامیٔ دینِ احمد اورنگ زیب نامی
ارکانِ سلطنت کی لیتا رہا سلامی
لیکن رہا ہے کس کا جاہ و حشم دوامی
مغلوں کے دبدبہ میں آنے لگی تھی خامی

ایسے سحر سے بیٹھے جلسوں میں شام کر دی
اِن عیش جیوڑوں نے ترکی تمام کر دی

ایسے ہوئے محمد شاہِ زمان رنگیلے
نقال بھانڈ کتھک مجرا کریں سجیلے
دربار میں طوائف آتے تھے بے وسیلے
شیشہ کی یہ صدا تھی جامِ شراب پی لے

رندوں کا لال قلعہ میخانہ بن رہا تھا
خود بادشاہِ دہلی مستانہ بن رہا تھا

نادر کی فوج آئی نشہ حرام کرنے
پابند عیش جاتے کیوں روک تھام کرنے
مسجد میں آکے بیٹھا جب قتل عام کرنے
پہنچا وزیر اعظم جھک کر سلام کرنے

نادر ہوا روانہ پھینکے اُٹھا کے لاشے
مستِ شراب عشرت کرنے لگے تماشے

چوپٹ تھے شاہ عالم اندھیر چھا رہا تھا
ظالم غلام قادر آنکھیں دکھا رہا تھا
ہر شخص اپنا اپنا نقشہ جما رہا تھا
کھلکر اُچھل اُچھل کر فتنے اُٹھا رہا تھا

دہلی نے ہائے کیا کیا آشوبِ دہر جھیلے
آئے کبھی مرہٹے چھائے کبھی رہیلے

ساعت سعید آئی پھر وقت نیک آیا
دِلّی کو فتح کرنے انگریز ایک آیا
سب نے نجات پائی جب لارڈ لیک آیا
بارے ہوا اُجالا دن کھانے میں کیک آیا

سکہ چلایا اپنا اب ایسٹ انڈیا نے
ہر سُو تھے شور و غل تھے بجتے تھے شادیانے

بس ایک لاکھ پنشن پاتا تھا شاہِ دہلی
پر نام تھا ابھی تک عالم پناہِ دہلی

پھر غضب آیا بگڑی سپاہ دہلی
ہندوں کی سلطنت کا نام و نشان نہ کھا
تھے سب اسیر شاہی دربار میں چھپو رہے
مارے گئے ہزاروں دمبا زمغت خو رے
کھاوِ سخن کے اکثر مضمون قید کر کے
شہزادیوں پہ ٹوٹا کیسا غضب خدا نے
تھے خاک کے بچھونے ڈیرے نہ شامیانے
پھولوں میں تُل رہی تھیں نازوں میں پل رہی تھیں
ملکہ ہوئی یہاں کی وکٹوریہ پیاری
بازار میں لنڈن کی نکلی بڑی سواری
ہندوستاں کے راجا خیل و خدم سے آئے
پھر ایڈورڈ ہفتم نے کی صلح پسندی
خوش انتظامیوں کے صدقے تھی عقلمندی
پیلِ دماں پہ نکلے کرزن سوار ہو کر
اب آپ جارج پنجم دربار کر رہے ہیں
امن و اماں کا سب سے اقرار کر رہے ہیں
یہ جشن ہو مبارک یہ جشن ہو مبارک
چہرہ ہی نور افشاں کیا شانِ قیصری ہے
قبضہ میں بحر و بر میں مشہور سروری ہے
زیر و زبر میں یکساں ایسی ہے حکمرانی
ریلوں کی ہے ترقی جاری ہے ڈاکخانہ

پھر خاک میں ملایا کالوں نے جاہِ دہلی
بابر کا نام لیوا باقی یہاں نہ رکھا
گھاتے رہے ماریں سنتے رہے کوڑے
شتر اونکو رہے تھے ہتیار بند گورے
بھیجا ظفر کو آخر رنگون قید کر کے
پھرتی تھیں تھکے چھپتی جنگل میں بے ٹھکانے
تکیے کے بدلے پتھر رکھنے لگیں سرہانے
وہ بے نقاب ہو کر گھر سے نکل رہی تھیں
فرمان کر دیا تھا امن و امان کا جاری
دربارِ قیصری کی بڑھکر تھی شانداری
اقبال و جاہ و حشمت جسکے قدم سے آئے
رشیا سے رشتہ جوڑا جرمن سے بھائی بندی
دہلی کا کار روشن شاہانہ سربلندی
چلنے لگی سواری بادِ بہار ہو کر ؛
فیضِ قدم سے بن کو گلزار کر رہے ہیں
تعریف روزمرہ اخبار کر رہے ہیں
ہندوستان، دہلی، انگلینڈ کو مبارک
اقبال و دبدبہ سے عالم کو تھرتھری ہے
نوشیرواں سے بڑھکر انصاف گستری ہے
پیتے ہیں شیر بکری اب ایک گھاٹ پانی
زوروں پہ ہے تجارت صنعت کا ہے زمانہ

نہروں سے آبپاشی کھیتوں پہ آبیانہ
فوج پولس معین بھرپور ہے خزانہ

سکھوں کا ڈھنگ دیکھا مغلوں کا طور دیکھا
ایسا نہ عہد دیکھا ایسا نہ طور دیکھا

اقبال کی رہیگی دولت شفیق جب تک
ہے عدل کی جو ان میں رحمت رفیق جب تک

آزادیوں کا حامی لبرل فریق جب تک
ہم بھی دعائیں دینگے ہر دم خلیق جب تک

ملکہ و جارج پنجم انصاف و عدل پیشہ
زندہ رہیں ہمیشہ زندہ رہیں ہمیشہ

دہلی کی شان گو گئی ہو جائیگی یقین ہے
اجڑا ہوا نہیں ہے اجڑا ہوا نہیں ہے

خلدِ بریں سے بہتر اس شہر کی زمیں ہے
ہر نقش دلفزا ہے ہر بات دلنشیں ہے

لندن بنا ہوا ہے ہندوستاں میں دہلی
ہے انتخاب بیشک سارے جہاں میں دہلی

بنسی کی صدا

سکھی میں مست ہوں بنسی کی دھن سے
کہوں گی جو مجھے کہنا ہے ان سے

تجھے میں کیا بتاؤں ری جی کہاں ہے
تو ہی مجھکو بتا دے پی کہاں ہے ؟

برہ کی آگ سے میں جل رہی ہوں
تڑپتی ہوں کلیجہ مل رہی ہوں

نگاہِ ناز سے بسمل ہوئی ہوں
فقط بسمل نہیں بے دل ہوئی ہوں

میرے چت چور کو کوئی بلا دے
سنا دے، پھر کوئی بنسی سنا دے

مری آنکھوں میں وہ نرگس ادا ہے
مرے کانوں میں بنسی کی صدا ہے

کسی کا مدھ بھری گوری میں دم ہے
مرا اس بانس کی پوری میں دم ہے

اسی غماز نے مارا ہے مجھ کو
اسی آواز نے مارا ہے مجھ کو

مرونگی جان دونگی سر دھنونگی
سنونگی پھر وہی بنسی سنونگی

وہی بنسی رسیلی ہے سریلی
وہی بنسی رنگیلی ہے چھبیلی

وہی بنسی بھرا ہے سوز جس میں
نئی آواز ہے ہر روز جس میں

وہی بنسی جو بے جاں بولتی ہے
مگر رازِ حقیقت کھولتی ہے

وہی جنبی مجھے دُکھ دے رہی ہے
وہی مبنی کی جو بانس ہو کر
اسی منبی میں جادو بھر رہا ہے

لب جاناں کے بوسے لے رہی ہے
کھٹکتی ہے جگر میں پھانس ہو کر
اسی مبنی سے میرا من ہرا ہے

مرونگی جان دونگی سر دھونگی
سنونگی پھر وہی مبنی سنونگی

خلیہ

خلیل شرف الدولہ منتظم الملک نواب محمد ابراہیم خان بہادر مستقیم جنگ خلف خواجہ عبدالحکیم لکھنوی از اہل خطہ آپ محمد علی شاہ بادشاہ کے وزیر اور موزونی طبع کے اقتضا سے نواب علی تقی علی خان کے شاگرد تھے۔ غدر میں رہے سہے بڑے متمول اور والا منزلت امیر تھے۔ لکھنو میں اُنکے نام کی کوٹھی ابتک مشہور ہے گاہ گاہ شعر کہتے تھے ملاحظہ ہوں ؂

حُسن کے حال شب فرقت ہے
نزع میں دیکھ کے فرماتے ہیں
وصل میں کہتے ہیں بھولے بنکر
ایسے وعدے بھی وفا ہوتے ہیں

کہئے کچھ اور بھی فرمائیے گا
ہم جلائیں گے جو مر جائیے گا
کس طرح ہجر میں مر جائیے گا
ہاں بجا سچ ہے ضرور آئیے گا

مثل سرو عشق میں اُس رشک قمر کے
دیوانہ تیرا بادیہ پیما ہوا اگر ؂
دیکھی قریب چشم جو گیسوئے مشکبار
ہاتھوں پہ سر جو معرکہ امتحاں میں تھا
درگاہ میں خدا کی دعا ہے یہی خلیل

اُٹھتی ہے سدا مجھ سے وفا کوش پہ انگشت
دوڑیگا گلے ملنے کو خود قیس بن کے پاؤں
تشبیہ دی کہ ہیں یہ غزال ختن کے پاؤں
پیچھے ہٹے نہ ایک قدم کو ہکن کے پاؤں
ہوں روز حشر سر پہ مرے پنجتن کے پاؤں

خلیہ

خلیل سخنور خوش فکر میر دوست علی خلیل مرحوم خلف سید جمال علی باشندۂ قصبۂ بڈولی اودہ خواجہ حیدر علی آتش لکھنوی کے شاگردوں میں نامور تھے اِنکی خوش کلامی کا بڑا شہرہ تھا۔ نواب نادر میرزا نیشاپوری کی مصاحبت میں بسر اوقات کرتے رہے ۱۲۷۹ھ میں کلکتے بھی گئے تھے اِنکا اُردو دیوان مطبع نامی لکھنو میں چھپا تھا۔ مگر معتبروں سے سُنا کہ اچھا کلام بیشتر ضائع ہو گیا اُردو دیوان

مطبوعہ میں شامل نہ ہو سکا اخلاق اور معرفت کا رنگ بھی کہیں کہیں اپنی جھلک دکھا جاتا ہے خلیل کے کلام میں اجنبی اور غیر مانوس الفاظ کی بھرمار زیادہ ہے اور تشبیہ و استعارہ کا شوق حد اعتدال سے متجاوز ہے۔ وہ اعادۃ النظیر اور صنعت تجنیس کے دلدادہ معلوم ہوتے ہیں بعض اشعار بالکل فحش کا رنگ لیے ہوئے ہیں۔ زلف۔ کنگھی۔ مانگ۔ چوٹی۔ خط و خال کے مضامین کثرت سے نظم کیے ہیں۔ صاف عاشقانہ شعر غزلوں میں کم نکلتے ہیں۔ نازکخیالی اور شگفتگی مضامین کی طرف توجہ کم معلوم ہوتی ہے اسی لئے کلام میں دلکشی (جیسی کہ ایسے سخنور کے ہاں اُمید کیجا سکتی ہے) نہیں ہے عموماً جو ایک مصرعہ میں زور ہوتا ہے وہ دوسرے میں قائم نہیں رہتا۔ ہمنے اپنی پسند کے مُطابق عاشقانہ اور اخلاقی مضامین کے اشعار کا انتخاب کیا ہے مگر دیوان میں ایسے اشعار کی تعداد بہت کم ہے سلطان عالم واجد علی شاہ کے عہد میں نظامت اور چکلہ داری کے عہدہ پر ممتاز رہے تاحیات کمال عیش و عشرت سے بسر کرتے رہے۔ دیوانِ مطبوعہ کا خلاصہ درج ذیل ہے

ناقصوں پر نظرِ مہر نہ رکھتا جو فلک
لعل پتھر کو نہ پھر سیپ کو گوہر ملتا

جب عرضِ حال کرتا ہوں کہتا ہے وہ صنم
کچھ اور کہیئے یہ تو ہے قصہ سُنا ہوا

دل ہی میں نہیں کچھ ترا جلوہ تو ہر اک کو
شمع حرم و دیر و کلیسا نظر آیا

وہ رنگ ہے تیرا کہ ترے رنگ کے آگے
جس رنگ کو دیکھا ہے وہ پھیکا نظر آیا

آدمی وہ ہے کہ جو حضرت آدم کی طرح
شیرِ مادر کا بھی شرمندہ احساں نہوا

چُپ کس لیئے رہتے ہو خلیلِ جگر افگار
بتلاؤ تو کیا حال ہے اسے یا تمھارا

کبھی دیکھا جو اُبلتے ہوئے مے کو خم سے
جوش اپنی بھی جوانی کا ہمیں یاد آیا

اَہلِ دنیا ہیں تمام اپنی غرض کے بندے
پڑ گئی جب کوئی مشکل تو خدا یاد آیا

کیا بہار ہیں جسنے بت پایا جو لٹکا
گیا نہ زلف کا سودا ہزار سر ٹپکا

شبِ فراق میں بیتاب ہوں نے گیند کیطرح
فلک پہ مجھکو اُٹھایا زمیں پہ دے ٹپکا

کٹتی نہیں ہیں مجرمِ اُلفت کی بیڑیاں
جو مر گیا وہ قید سے آزاد ہو گیا

یار نے آ کے دمِ نزع کہا
کیا ارادہ ہے کہ مر جائیے گا

جو بنا رہتا نہیں کسی کا
یہ دھوپ میں سایہ ہے پری کا

ہاتھ پورا نہ پڑا زخم لگائے اوچھے
قتل کرنا بھی نہ تجھکو مرے جلاد آیا

جس نے پوچھا یہی جواب ملا
آدمی باوفا نہیں ملتا

طالب مقصود گر ہے اپنی ہستی کو مٹا
ہوگیا جس وقت خود گم مدعا مل جائیگا

عاشق ہوں بتو تم مجھے جو چاہو سزا دو
اللہ کا بندہ ہوں گنہ گار تمھارا

قاتل نے بعد قتل مری مسکرا دیا
کیا خوب خوں بہا کے مجھے خوں بہا دیا

کھنچتے ہو دور ہم سے ہمارا قصور ہے
کیوں چاند کہہ کے تمکو فلک پر چڑھا دیا

شب غم میں دل پر قلق جب ہوا
خیال اُس کا آ کر خبر لے گیا

بزم سے یار نے یہ کہہ کے نکالا مجھکو
اُٹھیئے، گھر جائیے، دم لیجئے، ستایا بہت

حرص نعمت کی بہت کرتی ہے انساں کو خراب
پھوٹ جائے بدن کھیر جو کھا جائے بہت

اے پری ہیں ترے دیوانے کے مرنے سے خراب
ہتکڑی، طوق، رسن، خانہ زندان زنجیر

جبیں پہ غصے سے پڑ گئی چین پھر الٰہی کھچی بھوئیں چڑھا کر
دہن کا بوسہ جو اُس سے مانگا بگڑ گئے صاف منہ بنا کر

نکر تصور بتوں کا دل میں تو یہ ہے کہ کچھ حیا کر
خلیل کعبہ میں بت پرستی خدا خدا کر خدا خدا کر

بلا ہے سایہ بھی ان بتوں کا خدا بچائے ہر اک بشر کو
پری کو دیوانہ چٹکیوں میں بناتے ہیں یہ الٰہی اُڑا کر

ہوئی ہے مدت میں وصل کی شب حشر تک ہو سحر نمایاں
کروں میں آمیں جھکا کے سر کو خدا سے تو اے صنم دعا کر

بتوں کو بھی بد نہ کہیو واعظ خدا کو گر ایک جانتا ہے
نکال حرفِ دوئی نہ منہ سے خدا خدا کر خدا خدا کر

حسینوں میں حسن ضو قمر میں گلوں میں بو سنگ میں ہے آتش
کیا ہے عالم کو تو نے حیراں ہر اک میں جلوہ دکھا دکھا کر

بتانِ ہندوستاں میں تو نے بہت سی کی سیر بت پرستی
خلیل کعبے میں چل کے یہاں سے کہاں کجی کی خدا خدا کر

کوئی بلبل نہ کسی پھول کا شیدا ہو خلیل
گل کے پردے میں رہے وہ نہ اگر بو ہو کر

رونے پہ باندھے جو مری چشم تر کمر
کیسی زمیں فلک پہ ہو پانی کمر کمر

سوز و گداز عشق سے ہو جائیے گھلنا
اپنا مآل کار ہے مثلِ مآلِ شمع

حشر برپا ہو کہیں لوگ قیامت آئی
ربع مسکوں میں ہو ہلچل جو چلو چار قدم

جانِ جاں عاشقوں میں نام جدائی کا نہ لو
موت کا ذکر نہیں کرتے ہیں بیماروں میں

دِل سے ہم شیدائے چشمِ یار ہیں
نرگسِ بیمار کے بیمار ہیں

چھیڑتے ہیں عاشقانِ زار کو
خوب رو کتنے غریب آزار ہیں

کیا اسکی جستجو نے چھڑوا دیئے ہیں مسکن
پروانے ہیں چمن میں بلبل ہیں انجمن میں

مری قدر کیا ہو جہان میں کہیں مجھسا کوئی بشر نہیں
وہ دوا ہوں جس میں شفا نہیں وہ دعا ہوں جس میں اثر نہیں

مرے دلکو جسکا خیال ہے شب و روز شوقِ وصال ہے
وہ کہاں ہے، کون ہے؟ کیا ہے شئے ابھی تک کچھ اسکی خبر نہیں

نہیں دم زدن کی یہ ہی جگہ جو خیال بھی ہو عروج کا
تو صدا یہ آتی ہے کان میں کہ بس آحباب بھر نہیں

مرے اسکے ہیں جو معاملے وہی اسکو خوب ہے جانتا
یہ مقامِ راز و نیاز ہے دل و جاں کو اسکی خبر نہیں

کرے دید اسکی مجال کیا وہ جمال دشمنِ ہوش ہے
جھلک اسکی جسکو نظر پڑی اسے پھر کسی کی خبر نہیں

وہ جو کرتے ہیں مرا امتحاں پڑیں بیچ و آنہ درمیان
اگر آگ میں بھی وہ پھینکدے تو خلیل کچھ مجھے ڈر نہیں

اللہ رے حسنِ عارضِ رنگین کے عکس سے
یاقوت بن گیا ہے گہر گوشِ یار میں

ہونہ غصہ آگئے ہیں لختِ دل نالوں کے ساتھ
باغباں گلبرگ منقارِ عنادِل میں نہیں

سر ترے زانو پہ ہو دم نکلے جب آ مہ لقا
اور کچھ حسرت ترے بیمار کے دل میں نہیں

زندگانی کا سبب عاشق کی ہجر یار ہے
زیست پروانہ کی وصلِ شمع محفل میں نہیں

ہمتِ مردانہ ہے میری مجھے مشکل کشا
غیر سے خواہانِ مدد کا وقتِ مشکل میں نہیں

عمر غفلت میں بسر ہوتی ہے اپنی روز و شب
کچھ نہیں معلوم ہم سوتے ہیں یا بیدار ہیں

کسکو یاں تاب رقم واں کسکو پڑھنے کا دماغ
ورنہ قاصد شرحِ شوق وصل کے طومار ہیں

دِل ہی دل میں گفتگو رہتی ہے باہم روز و شب
میرے اسکے درمیاں تقریر کی حاجت نہیں

وصف روئے نگار کرتا ہوں
لکھتا ہوں شرح داستانِ چمن

مسلمان جانتے ہیں شمع قندیل حرم تجھکو
چراغ دیر ہے تو سلے صنم چشم برہمن میں

خالی ہیں ہنوز شیشۂ عمر میں بھی لبریز شراب سے جام نہیں
جوم گئے انکو زیر زمیں کچھ راحت و رنج سے کلام نہیں
ہوں بندۂ عشق حسن بتاں کچھ دیر و حرم سے کام نہیں
بلبل ہیں غنچے گھنے ہنستے ہیں گل ہی باغ میں دھوم بہار آئی
شاعر ہوں خلیل تخلص ہے کعبہ تک ہند سے جاتے ہیں

جاتے ہیں یہاں سے بادہ کشو اس بزم میں ہونا کام نہیں
شادی بیاض صبح نہیں اندوہ سواد شام نہیں
مذہب ہی جدا ہے محبت کا یاں کفر نہیں اسلام نہیں
دے موت خدا تجھکو شبنم یہ رونے کا ہنگام نہیں
کیوں ننگ ہے تجھکو ملنے میں اے بت میں بھی گمنام نہیں

خدا کو بھول گئے لوگ فکر روزی میں
ترک دنیا خوب ہے حرص ہوا اچھی نہیں
عشاق کو محفل سے اٹھاؤ نہ حسینو!
تم سیر کو جاتے ہو دھڑکتا ہے میرا دل
ناز سے منہ کو جو زلفوں میں چھپا لیتے ہو
تم سنو یا نہ سنو نالے کیئے جاؤں گا
اجل ہے گھات میں دم توڑتا ہوں تم مسیحا ہو
جس سنگ پہ چاہو جبہہ سا ہو
کیونکر نہ کہوں تمہیں مسیحا ٭
اچھے نہیں ہیں جوشش وحشت کے رنگ ڈھنگ
دم سے طلسم آدم خاکی کا ہے خلیل

خیال رزق ہے رزاق کا خیال نہیں
ہر کس و ناکس کے آگے التجا اچھی نہیں
آئے ہیں ہوا کھانے کو بیمار چمن میں
بلبل کہیں مر جائیں نہ دو چار چمن میں
جی سے بھایا ہے یہ انداز تمہارا مجھکو
درد دل کہنے سے مطلب ہے اثر ہو کہ نہو
اکیلا چھوڑ کر جاؤ نہ بیمار محبت کو
پر شرط یہ ہے کہ بے ریا ہو
درد دل زار کی دوا ہو ٭
تیور کچھ ابکے سال برے ہیں بہار کے
پھرتی ہیں تتلیاں یہ سہارے سے تار کے

پاؤں پر خم رہی جبین نیاز
طالب وصل ہوں نہ چھیڑ مجھے

زندگی یوں بسر ہوئی میری
دل لگی کیا غریب سائل سے

نہو جو داغ جگر تو غلط ہے دعوی عشق
کیونکر ڈروں نہ انکے خط مشک فام سے

بغیر مہر سند معتبر نہیں ہوتی
پہنچے ہیں سیدوں کو بہت رنج شام سے

چمن چمن یہ نسیمِ سحر پکار آئی
خزاں نے کوچ کیا بلبلو بہار آئی

جلوۂ یار نہ تھا دارو ئے بیہوشی تھی
دیر تک ایک نظر دیکھ کے بیہوش رہے

داغ دیجاتی ہی برسات میں بے یار گھٹا
ابرِ تر آگ کلیجہ کو لگا جاتا ہے

دھوم سنتے رہے آج آتی ہی کل آتی ہی
قامتِ یار کے آگے نہ قیامت آئی

جمال حور کا مٹی کی مورتوں کو دیا
کمالِ صنعتِ پروردگار دیکھ چکے

محبت مرض ہے محبت دوا ہے
محبت اجل ہے محبت شفا ہے

شرافت ہی حُسنِ عمل سے خلیل
جبیں پر کہاں شیخ و سید لکھا ہے

ہوتی ہی شکست اِسکو جو مجھ رند سے اکثر
جب دیکھیے توبہ درِ قاضی پہ کھڑی ہے

فرقت کی نہیں شب یہ شب آفات یہی ہی
رو تا تھا جسے روز میں وہ رات یہی ہی

لاکھ نازک ہو رشتۂ اُلفت
ٹوٹتا ہے یہ تار مشکل سے

عشق اپنا اثر آخر کو یہ دکھلاتا ہے
پہلے غم کھاتے تھے ہم اب ہمیں غم کھاتا ہے

نظارۂ معشوق سے سیری نہیں ہوتی
ہو وصل بھی تو وصل کی حسرت نہیں جاتی

لاکھ پردوں میں ہوں پھر چھپتے نہیں
چتونیں چاہت کی تیور پیار کے

دِل پہ بے یار کچھ عجب گذری
کیا کہوں کس طرح سے شب گذری

یہ بھی معلوم وصل میں نہ ہُوا
کب ہوئی صبح رات کب گذری

خلیل

خلیل - جناب حافظ خلیل حسن صاحب مانکپوری خلف حافظ عبدالکریم سنہ ۱۲۷۶ھ سالِ ولادت ہے - حافظ جلیل حسن صاحب جلیلؔ کے جواب حیدر آباد دکن میں ہیں بڑے بھائی ہیں حضرت امیر مینائی کے یہ بھی شاگرد ہیں اور مدت تک ریاستِ رامپور میں انکی خدمت میں رہے ہیں پھر کئی برس گوالیار رہے - اب پندرہ سولہ برس سے ریاستِ بلرامپور میں ملازم ہیں مہاراجہ صاحب بہادر آپ کی بڑی قدر کرتے ہیں - اِنکی تصنیف سے علاوہ دیوان کے تین چار عاشقانہ مثنویاں بھی ہیں قصائد کا ایک بہت بڑا ذخیرہ آپ کے پاس ہے - تاریخ گوئی میں آپ کو کمال حاصل ہے

[illegible] ہے بہ التزام ترتیب تمکو جو کلام [illegible] جن کا تذکرہ کیا گیا کلام میں
[illegible] کے علاوہ، معاملہ بندی، شوخی، اور بندش کی خوبی سب باتیں موجود ہیں خلیل

[illegible] کیوں لب پہ سے خلیل
بیٹھے بٹھائے تم کو یہ آزار کب ہوا

[illegible] نظروں نے دہشت نے مجھکو
تم ہو میں ہوں گلا ہی، خنجر ہے،
آپ بھلا اعتبار ہو کس کا
اور اب انتظار ہے کس کا

پڑی تھی تم پہ نظر دل کو کیوں کچل ڈالا
قصور آنکھ کا تھا دل گنہگار نہ تھا
[illegible] جاتا ہے دل جب جبھی پہلو میں نہیں
چاندنی چھٹکی تو کیا، ٹھنڈی ہوا آئی تو کیا

مدتوں یاد وہ شب روز کی باہم صحبت
یاد تمھیں راہ میں بھی دیکھکے کترا جانا
[illegible] مدت تو تم دل میں مرے رہتے ہو
اور کچھ حال نہ تمنے مرے دل کا جانا

تم تو منہ موڑ وہ ہر اک بات پہ ہو جاتے ہو
ہمکو بھاتا نہیں یہ بھول سا مرجھا جانا

سکئے ایسے ہی ہاں نظر کا تیر
دیکھنا اب نہ تم خطا کرنا
ہائے دل کا علاج کون کرے
وہ نہیں جانتے دوا کرنا
دوگے کب تک تمہیں پہ جان خلیل
چاہیئے اب خدا خدا کرنا

[illegible] عشق میں کرتے ہیں وہ نازک مزاجوں کی
اِدھر انکو مناتے ہیں اُدھر دلکو سنبھالے ہیں

ہم کریں بھی مرے دل پہ نہ رہے کافر
کھا چکا اب تو تری زلف کے جھٹکے لاکھوں
پھانسی بنتے ہیں، کبھی جال کبھی، دام کبھی
گیسوؤں کو بھی ترے یاد ہیں ٹکے لاکھوں

ہائے کیا شوخی ہے، کیا انداز ہے، کیا حسن ہے،
جس طرف گذرے، وہ بسمل کر گئے دو چار کو
گال منہ کے، اور گلہائے چمن، اے عندلیب
صدقے ان پھولوں پہ کر ڈالوں تمہے گلزار کو
سخت جاں ایسا ہوں قاتل سے گلا کٹتا نہیں
دیکھتی ہے تیغ مجھکو، اور میں تلوار کو
دل نہ وابستہ ہو کیوں زلفِ گرہ گیر کے ساتھ
انس ہو جاتا ہے، دیوانے کو، زنجیر کے ساتھ

ضبط سے کام ہمیشہ ترے بسمل میں گے
جان دیدینگے ترا نام نہ قاتل لیں گے

ہائے ملتے نہیں کہتے ہیں کہ جلدی کیا ہے	عید آئیگی تو ہم ہنستے گلے مل لیں گے
اُنکے اِس بن کے وراس ضد کے میں صدقے قربان	صبح سے آج وہ مچلے ہیں کہ ہم دل لیں گے
فراقِ جاناں میں ہے یہ حالت کہ سبکو مجھ سے ہے اک عداوت	ذرا جو آنکھ لگ گئی ہے تو دل اُچھلکر جگا رہا ہے
نہ آپ آنکھیں ہمیں دکھائیں نہ ہمکو محفل سے اب اُٹھائیں	ہمیں تو خود درد ہی جگر کا اب انجمن سے اُٹھا رہا ہے
آرزو تھی تری دل میں اُتر آتی تصویر	ہم اُسے سر کو جھکائے ہوئے دیکھا کرتے
یہی کرتے مری جاں دل پہ جو قابو ہوتا	سامنے ہمکو بٹھا کر تمھیں دیکھا کرتے
عشوہ نہ کرینگے، کہ وہ غمزہ نہ کرینگے	آئیں گے جوانی پہ تو کیا کیا نہ کرینگے
رہی محفل تری یونہی بھری غیروں سے آئے دن	جگہ ہمکو بھی ملجائے پسِ دیوار تھوڑی سی
خوشبو جو پسینہ کو ترے دی ہے خدا نے	یہ بات کسی پھول کی خوشبو میں نہیں ہے
نظر اِس طرف اُنکی کیا ہو گئی	مرے دردِ دل کی دوا ہو گئی
صبا کی ذرا شوخیاں دیکھنا	کہ بو اس کی لا کر ہوا ہو گئی
دِل آج بہت دیر سے پہلو میں نہیں ہے	اُلجھا تو تمہارے کہیں گیسو میں نہیں ہے
سمجھتا ہوں اُنہیں تیری نشانی	لگاؤں کیوں نہ داغوں کو جگر سے
نہ لالے میں وہ رنگت ہے، نہ پھولوں میں وہ شوخی ہے	بجھا دی شعلۂ عارض سے کِسنے آگ گلشن کی
مِرا سینہ بنا ہے غیرتِ گلزار داغوں سے	ہم اپنے گھر میں بیٹھے کر رہے ہیں سیر گلشن کی
بہت روئے ہیں آیا ہے نظر جب پھول لالے کا	اِسی صورت اِسی رنگت کا اک دل ہم بھی رکھتے تھے
سخت جانی مری گردن نہیں کٹنے دیتی	تیغ جلّاد کی بیکار ہوئی جاتی ہے
کوئے جاناں کو سمجھتا نہیں کم کعبہ سے	پاؤں سے میں نہ چلوں گا کبھی سر کے ہوتے
نہ جلاؤ، نہ جلاؤ، میری تربت پہ چراغ	حاجتِ شمع نہیں داغِ جگر کے ہوتے
نامہ بر ہوش میں آ مجھ سے یہ کیا کہتا ہے!	خط سیاہی سے لکھوں خونِ جگر کے ہوتے

خلیل ۔ عالیجناب معلی القاب امین الدولہ وزیر الممالک نواب حافظ محمد ابراہیم علیخان صاحب بہادر

خلیل

[بسمل] ہز ہائی نس نواب سر محمد سعادت علی خان بہادر — جی سی آئی ای، فرمانروائے ٹونک۔ نواب محمد علی خان سابق نواب ٹونک کے خلف اکبر ہیں ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۸۵۶ء سال پیدائش ہے ۱۸۶۷ء میں بعد معزولی اپنے والد کے مسند نشین ہوئے۔ ایام نابالغی میں ریاست کا انتظام صاحبزادہ عبید اللہ خان فیروز جنگ کی تفویض رہا یکم جنوری ۱۸۷۰ء کو کامل اختیارات حکمرانی عطا ہوئے۔ نواب صاحب خود تجربہ کار زمانہ دیدہ باخبر ہیں ریاست کی سلامی جو انکے مسند نشین ہونے کے وقت گیارہ توپ کی تھی اب پھر سترہ توپ کی ہو گئی ہے۔ بائیس تیئیس برس صاحبزادہ عبید اللہ خان وزیر مدار المہام ریاست رہے انکی وفات کے بعد انتظام ریاست میں کچھ خلل واقع ہوا، اور کونسل ہو گئی اب پھر دوبارہ اختیارات ریاست مل گئے ہیں۔ نواب صاحب کے گیارہ فرزند ہیں شعر و شاعری کا بھی شوق ہے پہلے جناب بسمل خیرآبادی برادر کلاں جناب مضطر سے مشورہ سخن کیا کرتے تھے انکی وفات کے بعد جناب مضطر استاد بنائے گئے اور انکی استادی کے زمانے مین نواب صاحب کی غزلیں بعض گلدستوں کے ذریعے ملک میں پھیلیں۔ اپنے دوسرے استاد جناب مضطر کو انھوں نے "اعتبار الملک" "افتخار الشعراء" "اقتدار جنگ" اور "خان بہادر" کے خطاب سے معزز فرمایا۔ علاوہ جناب مضطر کے آسد، ظہیر، کوثر، طلش، وغیرہ اکثر شعراء ان کے دامن دولت سے وابستہ رہے اور بعض اب بھی ہیں۔ کلام بہت پاکیزہ اور صاف ہے شوخی کے بجائے متانت اور سلاست موقعہ بموقعہ مناسب مقدار میں پائی جاتی ہے۔ اشعار میں رنگینی بھی ہے۔

مذہبِ الفت کا حبیب اثر جانوں۔
روٹھوں میں اور مجھے منائیں آپ

قدم دستِ نازنیں سے جو چھو لو چمن کے پھول
شاخِ جفا نے پائے ہیں مہر و وفا کے پھل
تجھ پہ فدا ہزار کلی ہر کلی کا رنگ
کوئی ہے زہد پہ نازاں کوئی عبادت پر
دل ایک چھوٹی سی شے ہے یہ تعجب کا محل ہے

کلیاں تمام باغ کی رہ جائیں بن کے پھول
نخلِ وفا میں آئے ہیں رنج و محن کے پھول
تجھ پہ نثار لاکھ چمن ہر چمن کے پھول
یہاں تو اے میرے آمرزگار کچھ بھی نہیں
خیالاتِ جہان کس طرح سے اس میں سما گئے ہیں

زمانہ جانتا ہے ناز بردارِ جفا ہم ہیں
خدائی دیکھتی ہے دشمنِ رسمِ وفا تم ہو

مروت میں، وفا میں، نازبرداری میں، چاہت میں
ذرا ہم بھی تو سنیں کس بات میں مجھ سے سوا تم ہو

جو دل اپنا ہم نے دل لگا خلیل سے تو وہ بولے
کہ اچھا بے وفا اب کون نکلا ہم ہیں یا تم ہو

وفا کر یا نہ کر تو جان مجھ کو کیا تری مرضی
تجھی کو سب کہیں گے بے مروت دیکھنے والے

ستایا لیجیے دل ظالم نے کی یہ دل لگی اچھی
اسی کا نام اُلفت ہے تو اِس سے دشمنی اچھی

نہ پوچھو حالِ شبِ جدائی جو دلکو رنج و محن ہوا ہے
تمہاری سر کی قسم ہے صاحب کہ صبح کرنا کٹھن ہوا ہے

جو قصۂ زلف چھڑ گیا ہے تو پہروں طولِ سخن رہا ہے
سکوت سب نے کیا ہے او بت جو تیرا وصفِ دہن ہوا ہے

جو روئے گلگوں کا دھیان آیا تو دل نے لطفِ چمن دکھایا
خیال آنکھوں کا جبکہ باندھا تو صیدِ مضمونِ ہرن ہوا ہے

بڑھا ہے جب سے عشقِ گیسو نہ دل پہ قابو رہا نہ سر مو
ہمارے قبضے میں ای پریرو سوادِ ملکِ ختن ہوا ہے

یہاں تو دورکا تڑکا ہے یاد روئے روشن میں
وہ کوئی اور ہونگے شامِ فرقت دیکھنے والے

خمار حکیم برجموہن لال صاحب خمار بریلوی شاگرد حضرت ہوش۔ صرف اتنا معلوم ہوا کہ ۱۸۹۲ء میں زندہ و سلامت موجود تھے اور اُس زمانے کے مشاعروں میں شریک رہتے تھے کلام سے پایا جاتا ہے کہ چند غزلیں حضرت اسیر لکھنوی کو بھی دکھائی تھیں۔

تاسف کیا کریں ہم سر کے جانیکا بھلا قاتل
چلو اچھا ہوا گردن سے اپنا بارِ سر کا

یوں لکھا احوال اپنے دیدۂ بیدار کا
پھول اِک خط میں بنایا نرگسِ بیمار کا

اے شیخ جاکے بزم میں اُس مے پرست کی
دیکھوں گا میں کہ کس طرح ہشیار آئیگا

جب دیا کاندھا جنازے کو مرے اُس مہر نے
بن گیا پھولوں کی چادر کا ہر اک گل آفتاب

قابلِ تشبیہ اُس دم ہو کہ جب پیدا کرے
یہ دہن یہ چشم یہ ابرو یہ کاکل آفتاب

وہ پھر آ کیا کہ پھری ساری خدائی ہم سے
دوست بھی ہمکو ستانے لگے دشمن ہوکر

لکھنؤ کیوں نہ بریلی کو کہیں ان روزوں
اب تو سرسبز یہاں باغِ سخن دیکھتے ہیں

آبِ کوثر کی ہمیں چاہ نہ ہو بعد فنا
آبِ خنجر سے گلا اسلیئے تر کرتے ہیں

قطعہ

ہوا تصور جو بیہوشی کی جس پہ ... اتنا
کیوں نہ پھوڑا سکی زمین شعر ...

کہا میں ان سے کہ اک بوسہ ہم اگر لیلیں
تو کیجیے آپکا نقصان اِس میں کیا ہوجا

بگڑ کے کہنے لگے وہ کہ منھ کو نوچ
تمہارے واسطے بہشتو کیا بنا ہوجائے

کبھی خمار نہ محتاج جام صہبا ہو
جو چشمِ مست کا بوسہ کوئی عطا ہوجا

اسی کو کہتے ہیں پان جو بیقرار رہے
اسی کا نام ہے دل جس میں اضطرار رہے

خطا رقیب کریں دیں سزا ہمی کو آپ
کسی کا جرم ہو کوئی قصوروار رہے

جھکائیں سر کو حسین آ کے سامنے علم کے
بہ مزار اگر نقشِ پا پریار رہے

اٹھے جبتک نہ دھواں اس نے داغ ہو کیا اثر
کہیں پانی بھی برستا ہی گھٹا سے پہلے

وہ بیکس ہوں سو بار آ کر قضا
سرہانے مرے نوحہ گر ہو گئی

خمیر - اِنکا نام اور حال باوجود تلاش معلوم نہ ہوا - ایک پُرانی بیاض میں کچھ اشعار نظر پڑے اُس میں سے یہ چند شعر منتخب ہوئے - غالباً نواح اودھ کے باشندے تھے اور مذاقیہ شعر کہنے میں معقول دسترس تھی +

نہ چھیں اتنا ملے گردشِ آسماں
کہ ہر استخواں کار وا ہو گیا

رخِ پُر ملاحت کا بوسہ ملا
نمک خوار میں آپکا ہو گیا

جو غم شب کے فاصلے میں سیج کا ہا
وہی صبح کا ناشتہ ہو گیا

لبِ شیریں کی یاد میں لے خمیر
جو چھلکے تلے گلگلا ہو گیا

فقرے تمہارے چھڑکے ہوئے نون مرچ کے
کیا چٹ پٹے بڑے ہیں وہی کے مسالہ دار

خمیر اشعار سے میرے نکیوں بھوکوں کی سیری ہو
کہ مجھ کو فیض پہنچا ہے یہ نعمت خوانِ عالی سے

قطعہ

روکھی سوکھی بھی آبرو سے ملے
یہ بھی اِس وقت میں غنیمت ہے

جب کہا ان سے ایک بوسہ دو
یہ جو رخسار ہیں گلابی سے

چھنکے بولے کہ جان جائے گی
ہاتھ اٹھاؤ اب اس رکابی سے

خنجر۔ شیخ محمد عبداللہ خان ولد پیر بخش فاروقی ساکن اجمیر۔ سرسہ ضلع حصار میں کئی برس تک ریل کے محکمہ میں ٹھیکہ داری کرتے رہے آوائل مشق میں بطور خود کہتے رہے جب کچھ نیک و بد کی تمیز ہوئی تو سید زماں خان صاحب دہلوی کے شاگرد ہو گئے۔ کچھ کلام غلام عبدالقادر خان آلفی ناگپوری کو بھی دکھایا تھا اپنا دیوان موسوم بہ "چمنستانِ گفتار" عرصہ ہوا چھپوا کر شائع کر چکے ہیں۔ کلام معمولی درجے کا ہے کوئی خاص بات قابلِ ذکر انکے کلام میں نہیں ہے لکھنؤ کی طرز کے مقلد ہیں اور اُسی رنگ میں کہتے ہیں۔ سرسری نظر میں کچھ اشعار منتخب ہو کر درج تذکرہ کئے گئے

نہ شاکی ظلم کا ہوں میں نہ خواہاں ہوں عنایت کا
کیا ہے میں نے جامہ زیب تن صبر و قناعت کا

کیا ہے اُن سے تُو نے آج کیا دیدار کا وعدہ
ترے سودائیوں میں شور کیسا ہے قیامت کا

جب تلک نہ سہے رنج و غم و زحمت و تکلیف
کچھ مرحلہ عشق میں حاصل نہیں ہوتا

نیند آتی ہے تصورِ ابرو میں کیا مجھے
چلتا گلے پہ ہے مرے خنجر تمام رات

ہجر ساقی میں خونِ دل اپنا
پیتے ہیں ہم شراب کی مانند

کس طرح یار تجھ کو پائیں ہم
رہبر اپنا کسے بنائیں ہم

واعظ و شیخ بکے جائیں تو ہوتا کیا ہے
رند کب پند و نصیحت کو سنا کرتے ہیں

رُولایا خوں جہاں کو تیری چشمِ ارغوانی نے
کھلایا زہر لاکھوں کو تری پوشاک دھانی نے

بہائے خون کے دریا تری تلوار نے قاتل
بجھائی پیاس لاکھوں کی ترے خنجر کے پانی نے

لکھا تقدیر کا ارے ناداں
کہیں مٹتا بھی ہے مٹانے سے

جھکا جاتا ہے دل اُس بت کی جانب
وہ قبلہ ہے تو دل قبلہ نما ہے

خنجر۔ نواب محمد حسین خان باشندۂ فرخ آباد۔ دَورِ موجودہ کے شاعر اور غالباً مولانا طاہر فرخ آبادی کے تلامذہ میں ہیں۔ رسالۂ نیرنگ سے کلام منتخب ہوا

نکلنا حسرتوں کا اپنے دل سے کچھ نہیں آساں
اگر نکلی کوئی حسرت بڑی مشکل سے نکلے گی

بوقتِ نزع گر بالیں پہ میری تم نہ آؤ گے
تو یہ جانِ حزیں نکلے گی پر مشکل سے نکلے گی

خنجر منشی محمد عبدالغفور خان گھڑی ساز میرٹھ شاگرد مولانا شوکت شعر خاصہ کہہ لیتے ہیں صدہا طبع شاعرانہ ہے چند شعر کلام بہم رسیدہ میں سے انتخاب ہو کر درج تذکرہ کئے گئے +

جان و دل صبر و تحمل لیلئے آکے ارمیں
بار بار آئے تو کیا چھوڑ دو گے جینا ایا

صدمہ رنج و تعب ارمان و حسرت ساتھ ہوں
ساتھ دل کے دفن یہ گنج شہیداں کیوں نہ ہو

نہ شاخ گل پہ تو بیٹھ اتنا پھول کر بلبل
خزاں بھی گل کے لئے او گل خزاں کیلئے

فرشتے بولے لحد میں جو داغ دل دیکھا
اسی کی روشنی کافی تھی دو چراغ کیلئے

خنجر - خنجر تخلص منشی محمد سعید ولد سید عبدالمجید سادات حسینی سے ہیں - قدیم وطن دہلی تھا مگر ایام غدر میں دہلی چھوڑ کر قصبہ "نونی" میں جو دہلی سے پانچ چھ میل کے فاصلے پر ہے سکونت اختیار کرنی پڑی لیکن جب تعلیم و تربیت کے قابل ہوئے تو آپکے والد ماجد نے "نونی" میں مدرسہ نہونے کی وجہ سے سکندر آباد میں جہاں آپ کی ننہال ہے سکونت منتقل کر لی - یہاں آپنے پہلے عربی فارسی میں تعلیم پائی پھر سرکاری مدرسہ میں داخل ہوئے اور مڈل تک پاس کیا - اسی دوران میں فن طب بھی تحصیل کرتے رہے - انگریزی کا مطالعہ بھی اسی وجہ سے چھوڑ دیا طب میں تکمیل حاصل کرکے اب سکندر آباد میں مطب کرتے ہیں اپنے ماموں حضرت قاضی غیاث الدین صاحب خورشید سے مشورہ کرتے ہیں - نثر کا شوق بھی نظم کے ساتھ رہا، چند ناول بھی لکھے جو جہاں نما، اور دیگر اخبارات میں ہفتہ وار شائع ہوا کئے - رسالہ "ید بیضا" کے کئی سال تک اڈیٹر رہے -

نظم میں غلو رکاکت اور تعقید سے کلام کو بچاتے ہیں - متروکات کا بھی زیادہ خیال ہے یہی وجہ ہے کہ قاضی صاحب کے رنگ سے آپ کا رنگ جداگانہ ہے - کچھ شاگرد بھی کرلئے ہیں جن میں قمر سکندر آبادی وحشمت، شاہجہاں پوری صاحب دیوان ہیں - کلام کا انتخاب ملاحظہ ہو -

نظر کئے ہر اک ذرہ میں جلوہ شان وحدت کا
جو آنکھیں کھول کر دیکھے تماشہ تیری قدرت کا

دل چھپایا ہے تونے مٹھی میں
ہاتھ لا اے نگار کیا کہنا!

وصل کے ذکر پر تجاہل سے
اُنکا وہ بار بار کیا، کہنا

دیکھ کر اشتیاق بسمل کا
عرش پر ہے دماغ قاتل کا
غیر نکلا نہ تیری محفل سے
کیا یہ ارمان تھا مرے دل کا

کچھ بھی واماندگی میں قیس کے کام آگئی
تھک گیا مجنوں تو پہنچی آہ محمل کی طرف

بہاریں جسکی قسمت میں تھیں لوٹیں اُسنے اے خنجر
مرا شیون مری فریاد بھی پہنچی نہ گلشن تک
خدا شاہد ہے یکتا ہوں تمہارے جاں نثاروں میں
نہ مجھسا پاؤگے عاشق جو ڈھونڈھوگے ہزاروں میں

یہ مانا مجمع اغیار میں بولا نہیں جاتا
مگر کچھ تو کہو آنکھوں میں ہونٹوں میں اشاروں میں

سحر آتے ہیں، شام آتے ہیں وہ آتے ہیں اب آئیے
دلِ بیتاب کو اب تک رکھا ہے ان بہانوں میں
آؤ، ملجاؤ گلے، رُخ سے اُلٹ دو پردہ
کہیں خلوت میں بھی عاشق سے حیا کرتے ہیں
ذرا چھیڑا جنوں نے کشمکش ہونے لگی باہم
خدا جانے کہاں کی لاگ ہے دستِ گریباں میں
مزے کیا کیا گناہوں میں گنہگار انکو آتے ہیں
تری رحمت نے وہ پیدا کیئے ہیں لطف عصیاں میں
چارہ گر، درد کی کیا خوب دوا کرتے ہیں
اُس کے پیکاں کو مرے دل سے جُدا کرتے ہیں
میرے ہوتے ہوئے کیوں غیر پہ ہو مشق ستم
شرم آتی ہے مجھے آپ یہ کیا کرتے ہیں
آج کیا ڈر ہے کرو شوق سے عشاق پہ ظلم
دیکھنا تم کہ یہ کل حشر میں کیا کرتے ہیں

تم ماتمِ رقیب میں یوں نوحہ گر نہ ہو
دیکھو کسی غریب کا ٹکڑے جگر نہ ہو
میں خوگرِ وفا ہوں مزا ہے فراق میں
گو اُس صنم کا وصل مجھے عمر بھر نہ ہو
شوخی نے پائی نشو و نما تیری آنکھ میں
تو وہ ہے جسکی لاکھ میں نیچی نظر نہ ہو
دریائے عشق میں دُرِ مقصود کب وہ پائے
جس کو یہ ہو خیال کہ اپنا ضرر نہ ہو
حسرت دید میں مر جائیں نہ عشاق کہیں
جلد اے کاش نقاب رُخِ زیبا اُلٹے
جان و دل لے لیئے خنجر یہ کرم ہے اُنکا
میرے احسان تو کیا اُنکے ہیں احساں اُلٹے
ساقیا ٹال نہ پیاسا مجھے میخانے سے
میرے حصے کی چھلک جائیگی پیمانے سے
دل ملا شیشے سے آنکھیں لڑیں پیمانے سے
ہم کہاں جاتے ہیں ساقی ترے میخانے سے

تھا تنگ ظرف جو باہر ہوا پیمانے سے
شیخ نکلا ہے بہکتا ہوا میخانے سے

محتسب میرا یہ پیمان ہے پیمانے سے
توبہ توڑوں گا میں خشتِ خم میخانے سے

پیری میں جوانی کا مذکور ہی کب کرنا
اک خواب ہی بھولا سا اک بات ہے مدت کی

جلادوں عرش کو تاب و تواں مجھ میں یہاں تک ہے
تمہارا یہ تغافل بس مرے ضبطِ فغاں تک ہے

ٹپکتا جاتا ہوں ہمدم سوزِ فرقت سے کہوں کیونکر
لگی اک آگ سی گویا مرے دل سے زباں تک ہے

کسی کی تشنہ کامی کا تقاضا ہے یہ قاتل سے
مجھے بھی دیکھنا ہے تیغ میں پانی کہاں تک ہے

خنجر۔ ابوالبیان محمد سید عالم خنجر مودودی مارہروی۔ دورِ موجودہ کے شعرا میں سے ہیں اور فنِ سخن میں حضرت احسن مارہروی سے اصلاح لیتے ہیں۔ مولانا نذیر احمد کی مفصل سوانح عمری مرتب کی ہے اور بھی چند کتب انکی تصنیف سے ہیں۔ ۴۰ سال کے قریب عمر ہے۔

آپ کو انشا پردازی میں اچھا ملکہ حاصل ہے۔ ور فکر معاش سے بھی بدرجہ اوسط آسودہ ہیں۔ یہ کلام کا انتخاب ہے۔

گل اپنے رنگ روپ پہ پھولا ہوا ہے کیا
دو دن کی ہے بہار ہمیشہ دھرا ہے کیا

ناراض کیوں ہوئے جو کہا تم کو بے مثال
تعریف حسن کی ہے کوئی بد دعا ہے کیا

ہم ٹھان کر گئے تھے کہ سب کچھ کہینگے حال
پوچھا نہ اُسنے یہ بھی ترا مدعا ہے کیا

کہتے ہیں جسکو ڈھونڈتے ہو وہ تو دلمیں ہے
خنجر تمہاری عقل پہ پردہ پڑا ہے کیا

کیا عجب عقدۂ دشوار جو آساں ہوگا
درد جب حد سے گذر جائیگا درماں ہوگا

غیر سے ربط تجھے مجھ سے تقاضا کو نفرت
کون حالِ دلِ بیمار کا پرساں ہوگا

وعدۂ وصل سے کیا خوش ہو کہ کھٹکا یہ بھی
حسرتیں نکلیں جو دل سے تو یہ ویراں ہوگا

وہ بھی دن ہوگا خدایا کہ بر آئے گی اُمید
وہ بھی دن ہوگا کہ کوئی مرا مہماں ہوگا

کہنا جو اُنسے تھا وہ میرے دلمیں رہگیا
اصلی خیال شکوۂ باطل میں رہ گیا

دل نظروں نظروں ہی میں اُڑا لینگے وہ صاف
میں دیکھتا کا دیکھتا محفل میں رہ گیا

جس کو دیکھا اسی پہ لوٹ گیا
دل سا بھی کوئی من چلا نہ ہوا
یار ہا ہیں پہ جب تک آنہ لیا
تن سے دم، دم سے تن جدا نہ ہوا
فصلِ گل آئی گو ہزاروں بار
نخلِ دل ہی مرا ہرا نہ ہوا
کہتا ہے ہر گھڑی دلِ زحمت طلب یہی
کچھ چاشنیٔ دردِ محبت ضرور ہو
اللہ رے اثر تری برقِ نگاہ کا
جل جائے اک نظر میں اگر کوہ طور ہو

ہوتی ہے عیاں لاکھ حجابوں میں تجلی
پردے میں نہاں وہ رخِ روشن نہیں رہتا

مہوش نے ہی طعنہ یہ دیا آج سرِ بزم
عاشق کی زباں پر کبھی شیون نہیں رہتا

جب اُسکی شوخیاں بچپن میں دلکو چھینے لیتی ہیں
تو پھر کیا کچھ نہ ڈھائیگا ستم وہ نوجواں ہو کر

خوفِ عدو وہاں تھا یہاں خوفِ حشر ہے
دنیا میں چین تھا نہ ہمیں ہے مزار میں
اپنے گناہ پر جو ہوا مجھکو انفعال
رحمت نے اُسکی لے لیا مجھکو کنار میں
خونِ شہید ناز کے دھبے جو پڑ گئے
نقش و نگار بن گئے شمشیرِ یار میں
حاسد کا گر گزر نہیں جنت میں الحذر
دشمن کا کیوں قیام ہے پھر کوئے یار میں

ہمارے جذبۂ دل میں اگر تاثیر ہو جائے
سنبھل جائے مقدر کار گر تدبیر ہو جائے
دعا میں اسقدر یارب مری تاثیر ہو جائے
کہ اُس سے جو کہے یہ عاشقِ دلگیر ہو جائے
نشانِ قبر تک ظالم نے اِس ڈر سے مٹایا ہے
مبادا گردِ عاشق اُٹھکے دامن گیر ہو جائے
کھنچے نقشہ بھلا کس طرح اُسکے روئے تاباں کا
مصوّر دیکھکر جب صورتِ تصویر ہو جائے
پریشاں کیوں نہ ہو قاتل ہماری سخت جانی سے
گلے پر پھیرتے ہی کُند جب شمشیر ہو جائے
وہ نازنیں شبِ وصل اسطرح حجاب میں ہے
زباں پہ قفلِ خموشی ہے مُنہ نقاب میں ہے
مٹائی محفلِ ہستی جگایا فتنۂ حشر
اثر بلا کا تری چشمِ نیمخواب میں ہے
وفورِ طیش سے رخسار اور سُرخ ہوئے
دو چند حسنِ رُخِ دلربا عتاب میں ہے
ادھر خیالِ جُدائی ادھر خیالِ سحر
وصال میں بھی مری جان اک عذاب میں ہے

خنجر منشی مرزا فدا علی لکھنوی شاگرد سیف شاہجہانپوری۔ آپکے والد مرحوم کا نام منشی آغا حسن تھا۔ کٹرہ سرائے میوا میں آپکا مکان ہے استعداد علمی بقدر ضرورت ہے، ۱۸۹۰ء میں پیدا ہوئے۔ اِس حساب سے اب چوبیس برس کا سن ہے سولہ برس کی عمر سے شعرگوئی کا مذاق شروع ہوا، پہلے چند غزلیں خواجہ عشرت لکھنوی کو دکھائیں اب جناب سیف شاہجہانپوری سے تلمذ اختیار کیا ہے، چھ سات ناول بھی لکھ چکے ہیں۔ اب حال ہی حضرت واجد علی شاہ کی تالیف پریخانہ کا ترجمہ کر کے شائع کیا ہے۔ مثنوی انجامِ عشق زیر طبع ہے۔ کلام اور حالات جو انھوں نے بہنگام تحریر تذکرہ ارسال کیے اُنکا خلاصہ حاضر ہے

تھا جس سے دِل کو چین وہ کاشانہ چھٹ گیا
اب جی کے کیا کریں درِ جانانہ چھٹ گیا

وہ وحشتناک سناٹا وہ ہیبت شب ہجراں
وہ گھبرا کے در و دیوار پر میری نظر جانا

ہماری سرد آہوں سے وہ بجھنا شمع محفل کا
اندھیرے میں وہ گھبرا کر کسی کمسن کا ڈر جانا

بُرائی دخترِ رز کی نہ ہوتی پھر سرِ منبر
اگر زاہد کبھی اک گھونٹ بھی تو نے پیا ہوتا

ظلم سے کوئی فائدہ نہوا - مر گیا میں ترا بھلا نہوا
مجکو یہ کہکے یاد کرتے ہیں - ہائے وہ درد آشنا نہوا

غش میں جو ہیں مریضِ غم ہوش میں آئے یا نہ آئے
گیسوئے مشکبوئے یار تیری بلا کو کیا غرض

بدلی رہی جو یوں ہی کچھ روز آسماں پہ
پیرِ مغاں کے بر میں ہوگی قبائے واعظ

ہوگی سحر کو گرمیِ بازارِ حسن سرد
شب بھر دکھائے شعلۂ رخ کی بہار شمع

قلبِ لیلیٰ میں ہوا قیس کی آہوں کا خیال
آئی جب بادِ صبا پردۂ محمل کی طرف

اِک عمر پیا ہجر میں خونِ جگر و دِل
ہے یہ بھی تجھے ناداں ہوسِ جام ابھی تک

راہ میں کعبہ پڑا تھا کر لیا جھک کر سلام
سامنے آتے ہوئے اس بت کے شرماتے ہیں ہم

بیکسی میں اپنی دِل رو دیا جو فرطِ ضعف سے
درد نے اُٹھکر کہا کروٹ بدلواتے ہیں ہم

اُٹھے تھے بے آبرو ہو کر جہاں سے رات کو
اضطرابِ دل سے پھر اُس بزم میں جاتے ہیں ہم

جفاؤں سے کلیجہ پک گیا ہے بس خدا اب تو
تری فریاد لیکر او بتِ مغرور جاتا ہوں

لپٹ جائے غبارِ عاشقِ ناشاد دامن سے	کہ وہ گورِ شہیدِ ناز سے بچ کر نکلتے ہیں
افسوس دل میں رہ گئی سب دل کی آرزو	پوری ہوئی نہ ایک بھی بسمل کی آرزو
ممکن نہ تھی جو لیلی پردہ نشیں کی دید	مجنوں کو تھی نظارۂ محمل کی آرزو
دل نے جس جلوہ کو پہلو میں نہاں دیکھا ہے	تم نے موسیٰ وہ سرِ طور کہاں دیکھا ہے
توبہ پہ گری بجلی اور گھر کے گھٹا چھائی	اب پیرِ مغاں بوتل کونے میں دھری کیوں ہے
یہ خشکی لب کیا ہے یہ زردی رخ کیسی	گر درد نہیں دل میں آنکھوں میں تری کیوں ہے
کس غیرتِ گلشن کا سودا ہے تجھے اے گل	اس فصلِ بہاری میں یہ جامہ دری کیوں ہے
عشق سے کب غرض تھی وصلِ بتاں	جان اپنی ہمیں گنوانی تھی
ناامیدی نہ مٹا داغِ تمنا دل سے	اس گلستاں میں یہ اک پھول کھلا رہنے دے
کبھی تو ہے آرزوئے کعبہ ہوس کبھی کوچۂ بتاں کی	بتاؤں کیا حال اپنے دل کا لگی ہے ظالم کو لو کہاں کی
صبا یہ پیغام میرا کہنا جو کوچۂ یار میں گذرنا	کہ جاں بلب ہے مریضِ فرقت خبر بھی ہے کچھ تمہیں وہاں کی
ادھر ہی صیاد ادھر ہی گلچیں چمک رہی ہے فلک پہ بجلی	خدا ہے کچھ باغباں بھی ہم سے الٰہی اب خیر آشیاں کی

[illegible]

[illegible]

خنداں

خنداں میرزا امجد علی رامپوری۔ دورِ موجودہ کے شاعر ہیں۔ رسالۂ نیرنگ رامپور سے کلام نقل ہوا۔

ہوا معلوم کہ بس ہو گیا سب خوں پانی	جائے خوں جبکہ مری چشم سے آنسو نکلا
ہم تو سمجھے تھے جبھی قافلۂ صبر لٹا	چشمِ خونبار سے جس روز کہ آنسو نکلا
بزم میں آپکی کب چین کسی نے پایا	پیٹتا سر، کوئی سینہ، کوئی زانو نکلا

خندہ

خندہ۔ میر شجاعت علی صاحب خندہ بریلوی ظرافیہ کلام کہنے کا شوق تھا۔ طبیعت میں ظرافت بیحد تھی ۱۲۷۵ھ کے قریب بریلی میں زندہ و سلامت موجود تھے۔ دس بارہ غزلیں سنگاہِ تذکرہ ہاتھ آئیں اُن کا انتخاب درج ذیل کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو +

ایک سے ایک شبِ ہجر میں بڑھ کر آیا	کبھی پسّو، کبھی کھٹمل، کبھی مچھر آیا

پہنچوں سے یار کو جا کر نہیں تپایا شب وصل — کام آخر مرا ٹوٹا ہوا چھپر آیا
یہی گستاخی کو منہ اکر دو حرکت سے ای شیخ — ہنہناتا ہوا خندہ کا وہ چھپر آیا

ہمدل کھائی دس سیر چاول اور من بھر شیر ہو — ڈالدو کھاری نمک تو خوب میٹھی کھیر ہو
سے بہ ستو شیخ صاحب کی یہ اب توقیر ہو — پاؤں میں گھنگرو بندھیں و ناک میں اک تیر ہو
کیا کوئی چھیڑے انہیں اور کیا لگائے کوئی چھیڑ — ناک کے پھٹنے سے جنکی پھوٹتی نکسیر ہو
ب سوہن کا مکے بوسہ مرے سودا کا علاج — جس طرح اے خندہ تلی کی دوا انجیر ہو

مرا رقیب الٰہی ذلیل و خوار رہے — گلے میں ٹوٹی ہوئی جوتیوں کا ہار رہے
لحاف اوڑھ کے چھپر پہ مائیوں بیٹھے — کہ جب نکاح کے دن آنکے تین چار رہے
لگا کے آگ بجھانے کو جاؤں دیکھوں اسے — مرے محلہ میں آکر اگر وہ یار رہے

ہضم ہوتے نہیں اب پانچ روپے رشوت کے — لوگ کھاتے تھے پچاسے کے پچاسے پہلے
سینہ پھاڑ کے ہاتھوں کو وہ سر کوٹتے ہیں — ڈھول پیچھے سے بجا کرتے ہیں تاشے پہلے

جو شعر غیر کو اپنا بنا کے پڑھتا ہے — چھپے ہزار وہ لیکن مری نگاہ میں ہے

خواجہ نواب فیاض الرحمن احمد المعروف بہ پیارے صاحب خواجہ مقیم کلکتہ خاندان شاہی میسور سے ہیں شعر گوئی کا بھی شوق ہے۔ مولوی سید حیدر طباطبائی سے اصلاح لیا کرتے تھے۔ یہ ان کا کلام ہے۔

آئینہ لیکے کیجئے انصاف — کیوں نہ عاشق ہوں ایسی صورت پر
رحم بلبل پہ چاہیئے صیاد — چادرِ گل ہو اُس کی تربت پر

اے صبا مجنوں سے کہدے چھوڑدے وحشت کو — وحشتِ دل لے چلی مجھکو بیاباں کی طرف
بے دیئے جاں عشق میں ملتا نہیں عاشق کو چین — جائے پروانہ نہ کیوں شمع شبستاں کیطرف
دیکھ لو جذبِ دلِ مجنوں کی تاثیر اے بتو! — محملِ لیلیٰ رواں ہے خود بیاباں کی طرف

خواہاں۔ مولوی سید قاسم علی نقوی خلف سید ولایت علی سید بریلوی سنہ ۱۲۶۲ھ سال ولادت

م

ہے بزرگ انکے امروہہ کے رہنے والے تھے اپنے بزرگوں کی تقلید سے شعر گوئی کا اوائل عمر میں شوق ہوا۔ راجہ کا یچرن صاحب رئیس بریلی کی اُستادی کا شرف آپ کو حاصل ہو اور بریلی ہائی سکول میں فارسی کے مدرس ہیں۔ اکثر شاعری کا مشغلہ رہتا ہے کم وبیش چالیس سال سے آپ شعر کہتے ہیں اور بریلی کے اکثر نومشق شاعر آپ سے اِس فن میں مستفید ہوتے ہیں بندش مضمون کی طرف جسقدر توجہ ہے اُسی قدر شستگی زبان کی جانب سے بے پرواہی معلوم ہوتی ہے ہنگام ترتیب تذکرہ میں پچیس غزلیں نظر سے گذریں جن کا انتخاب ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔

وہ مہر وش اگر سرِ بازار آویگا	خود ماہِ مصر بن کے خریدار آئیگا
ہوگا جو شوقِ آمدِ جاناں میں اضطراب	تسکین دینے وصل کا اقرار آئیگا
روئینگے پھوٹ پھوٹ کے پاؤں کے آبلے	مدت کے بعد ملنے جو ہر خار آئیگا
ایسا ہوں بدنصیب کہ بن جائیگا وہ دھوپ	سر پر مرے جو سایۂ دیوار آئیگا
دیدارِ چشمِ ساقی میکش کریگا مست	جو میکدے میں جائیگا سرشار آئیگا
عیشِ وصلِ یار سے فرقت کا غم کم ہوگیا	عید کا چاند اِن دنوں ماہِ محرم ہوگیا
آیا خیال ہمسری زلفِ یار کا	بگڑا دماغ نافۂ مشکِ تتار کا
فرقتِ ساقی میں بگڑی بن کے میخانے کی بات	کون پوچھے خم، صراحی، جام، پیمانے کی بات
یار زینت دوست کو ہے شوقِ آرائش کمال	ذکرِ آئینہ ہے دن بھر رات بھر شانے کی بات
قید خانے میں مجھے فصلِ بہار آئی ہے	کھول اے دستِ جنوں پاؤں کی زنجیر کے پیچ
خطِ نسخ پھیرا کتابی رخوں پر	ترے مصحفِ رخ نے قرآن ہوکر
جانبِ کعبہ جو گذرے بتِ پُرفن ہوکر	بتکدہ شیخِ حرم آئے برہمن ہوکر
پژمردہ فکرِ صبحِ شبِ وصل سے ہے دل	پہلے بجھے پڑے ہیں چراغِ سحر سے ہم
فرطِ عصیاں نے کیا ہے مجھے محروم نجات	رحمتِ حق جو کرے پاس تو کچھ دور نہیں
عشقِ ابرو میں ہرے زخمِ جگر کرتے ہیں	آب شمشیر سے اِس کھیت کو تر کرتے ہیں

جسیمانِ جان کے لئے ترک ترے تیروں کو
خاطریں دل سے مرے زخمِ جگر کرتے ہیں

محضرِ ظلم و جفا جو کے سند ہونے کو
مُہر پر مُہر مرے زخمِ جگر کرتے ہیں

ہے یہ سوزِ دلِ محزوں کہ ہر اک قطرۂ آب
آبلہ بنتا ہے ہونٹوں کو جو تر کرتے ہیں

شہدا اٹھتے ہیں اللہ اللہ کے قدم قبروں سے
وہ اگر گنجِ شہیداں میں گذر کرتے ہیں

آجکل زور پہ ہے گردشِ قسمت اپنی
عیب ہو جاتا ہے خواہاں جو ہنر کرتے ہیں

قتل ہو جاؤں تو نیند آئے مجھے آرام سے
صبح کا جھوکا ہو سلئے دامنِ شمشیر ہو

جان پڑ جائے مرقعہ میں اگر آجائیں آپ
مائل پرواز ابھی ہر طائرِ تصویر ہو

کریں وہ غیر کی خاطر ہمارے جیتے جی
نہ کیسے لطفِ حیات اپنا بدمزا ہو جائے

چھٹے گا عشق بتوں کا کبھی نہ خواہاں سے
ہزار متقی بن جائے پارسا ہو جائے

اے ادب آ کے ذرا دیکھ مقامِ تسلیم
راہِ معشوق میں سر رکھتے ہیں پاسے پہلے

پڑی جس طرف کارگر ہو گئی
قیامت وہ تیغِ نظر ہو گئی

خواہش حافظ مولا بخش صاحب خواہش شاہجہانپوری شاگرد حافظ نثار احمد صاحب ثابت۔
یہ دو شعر انکے ملے ؛

دلِ دوپارہ کو گر عشق کا بخار رہے
تو مرکے صورتِ سیماب بیقرار رہے

ڈاک بجلی سے خبر کس واسطے جاتی ہے جلد
کیا نمونہ تار برقی ہے نظر کے تار کا

خواہش منشی امیر حسن نام خلف اکبر مولوی حکیم سیّد امداد علی کاہش جونپوری حنفی مذہب قادری مشرب اور فنِ شعر میں اپنے والد کے شاگرد تھے۔ موضع بڑاگاؤں ضلع جونپور میں شادی ہو جانے کے باعث قیام اختیار کر لیا تھا۔ کچھ عرصہ مہاراجہ بنارس مرحوم کی سرکار میں ملازم بھی رہے تھے بعارضۂ سل حضرت کاہش کے انتقال کے تین چار سال بعد رحلت کی ؛

جمع زلفوں کے جو اجزائے پریشاں کرتے
بیتِ ابرو کو ترے مطلعِ دیوان کرتے

کھول کر زلف کو رخ پر ترے لٹکا دیتے
ہم اسی پیچ سے ہندو کو مسلماں کرتے

حائل کیا ہم نفسِ سرد کا تجھ سے کہتے
گرم کیا تجھکو ہم اے نالۂ سوزان کرتے
عید کے روز مرے گھر جو وہ آتا خواہش
دل تو پہلے ہی دیا جان بھی قربان کرتے

خواہش میر امداد و متوطن الہ آباد قاضی محمد خلیل کی بیاض سے ایک شعر نقل کیا جاتا ہے۔

ہر قدم پر ہیں آفتیں برپا
چال ہے یا کوئی قیامت ہے

خوب ڈاکٹر خوبداد خان صاحب ہیڈ اسسٹنٹ محکمہ کمسریٹ انکے والد مدح جان ریاست رامپور کے باشندے تھے انہوں نے سنہ ۱۸۹۶ء میں اپنا دیوان بھی چھپوا دیا ہے شعر خاصہ کہہ لیتے ہیں مضمون بھی نکل آتا ہے اور خیال بھی صاف ہوتا ہے۔ سرسری نگاہ میں جو شعر اچھے معلوم ہوئے انتخاب کرکے یہاں لکھے جاتے ہیں۔

مظہر ہے دل تجلّیٔ حق کے ظہور کا
ہر دم مشاہدہ ہے یہاں اسکے نور کا
سینہ ہمارا وادیٔ سینا سے کم نہیں
عالم ہمارے قلب پہ ہے کوہِ طور کا
کیوں ہے شیدا بتانِ کمسن کا
ناز کب تک تم اٹھائے گا ان کا
گھائل جگر و دل ہوئے صرف ایک نظر سے
ہے وصف نگہ میں تری کیا تیغ دو دم کا
ہے کس غضب کی الٰہی بہار گلچیں پر
کہ ہوتے ہیں گل و غنچے نثار گلچیں پر
آیا گلزار سے اے شوخ جو کل تو ہو کر
رنگ ایک ایک گلِ تر کا اڑا بو ہو کر
کوئی مسجد کو چلا اور کوئی تبخانے کو
میں چلا جھومتا ساقی ترے میخانے کو
ہو سکتا ہے تو بحر کرم ہم سے کب جدا
ہوتا نہیں الگ کبھی دریا حباب سے
کی یہ کل ترکیب اُن کی ضد گھٹانے کے لیے
زلف کے شانے نے بوسے ہنسے شانے کیلئے

خوب۔ خوب چند نام عرف پاپا لال تئیس برس کی عمر ہے۔ شیخ محمد صاحب ہزبر سے تلمذ ہے ابھی مشق سخن کی ابتدا ہے۔ حیدرآباد دکن وطن ہے۔ کلام مرسلہ میں سے یہ چند شعر منتخب ہو کر درج کئے گئے۔ خوب

زمین ہے سرخ مانند شفق خون شہید اس سے
نہ کیوں ترکِ فلک کو رشک آئے کوئے قاتل پر

ترسیں یوں وہ تڑپ کر اس ادا سے جان دیتا ہی محبت ہے ترے تیرِ نظر سے	قضا بھی لٹ جاتی ہی تمہارے رقصِ بسمل پر نکالوں کس طرح اسکو جگر سے

خورشید - سید محمد خورشید علی بلگرامی ۱۹ شعبان ۱۱۵۹ ہجری میں بمقام بلگرام پیدا ہوئے ذوق علم جبلی تھا سید محمد خلف علامہ عبد الجلیل بلگرامی کی خدمت میں تحصیل علم کیا آخر شعر کا شوق دامن گیر ہوا فارسی کہنے لگے پہلے شیخ صالح بلگرامی بعدہ شیخ محمد صدیق سخنور سے اصلاح لی اُسکے بعد حضرت آزاد بلگرامی کو بذریعہ خط وکتابت حیدرآباد دکن اپنا کلام اصلاح کے لیے بھیجا - اُس وقت تک فصاحت تخلص کرتے تھے حضرت آزاد نے خورشید تخلص بدل دیا اُس کے بعد شیخ علی حزیں علیہ الرحمۃ سے فیض پایا -

آغاز شباب میں بمقام کوڑا جہان آباد سرکار شاہ عالم بادشاہ میں سرفراز اور الف خان رسالہ دار کے ہمراہ ہوئے - ملازمت ترک کرکے پھر نواب سید نور الحسن خان بلگرامی کے پاس چلے آئے انکے قرابت قریبہ میں تھے وہ ضلع شاہ آباد میں صاحبان انگریز کی طرف سے متعہد تھے تمام صاحب نے اپنا کاروبار انکے سپرد کیا آخر سرکار انگلشیہ میں بلیا کی تحصیل انکے سپرد ہوئی آخر مرض لقوہ میں مبتلا ہوئے اور ۱۲ صفر سنہ ۱۲۰۱ ہجری کو انتقال کیا - طرز زمانہ کے موافق کبھی کبھی اُردو میں فکرِ سخن کرتے تھے یہ چند اشعار انکے لکھے جاتے ہیں - سید فرزند احمد صفیر بلگرامی انکے پڑپوتے تھے -

مرا دل ہے مائل اب اُس تند خو کا
جو پیاسا ہے ہر آن میرے لہو کا

لگا تیرِ اُلفت یہ دل میں کسو کا
کہ جاری ہے آنکھوں سے دریا لہو کا

اسقدر بیتابیاں ہیں اس دلِ بیتاب کو
بیقراری جس طرح آتش پہ ہو سیماب کو

صبا کہیو پیام اتنا مرا اُس یار جانی کو
کوئی کھوتا ہی تیرے ہجر میں اپنی جوانی کو

بیمارِ عشق کے ترے جینے پہ حرف ہے
پانی کہاں ہوا کے بھی پینے پہ حرف ہے

وہ آئے چڑھ کے گھر سے لڑائی کیواسطے
یاں پاؤں پڑتے ہم ہیں صفائی کیواسطے

یارب جُدا ہو وے کسی سے کسی کا دوست
کرتا دُعا ہوں ساری خدائی کیواسطے

خورشید- میر سیّد علی مرحوم خلفِ سیّد مظفر علی قوم سیّد مذہب شیعہ- آپ قصبہ چلکانہ ضلع سہارنپور کے باشندے اور اچھے خاصے تعلیم یافتہ، خوش باش، خوش گذران زمیندار تھے۔ مزاج میں تہذیب، متانت اور تواضع کا سلیقہ قابلِ تعریف تھا- باہر کے باکمال جو سہارنپور آتے اِنکی کششِ اخلاق سے اکثر انکے مہمان ہوتے تھے- فن سخن میں خورشید او[illegible] تھا، دو تخلص کرتے تھے، مذاقِ سخن کی تحریک سے خود بھی دہلی اور لکھنؤ گئے اور وہاں کافی عرصہ تک باکمالوں کی صحبت سے فیضیاب ہُوئے- آخر عمر میں زیادہ تر نعت کہنے کا شغل رہتا تھا- دیوان غزلیات سُنا ہے کہ مُرتب تھا مگر اولاد کی غفلت سے اُسکی اشاعت کی نوبت نہ آئی کربلا و نجف کی زیارت سے بھی بہرہ اندوز ہوئے تھے آخر ۸۰ برس کی عمر پاکر اپنے وطن ہی میں سنہ ۱۸۸۸ء میں وفات پائی- دونوں طرح کے کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو-

گلچیں نے کوئی تازہ جفا کی چمن میں کیا
جھونکے اُداس آج جو بادِ صبا کے ہیں
مارا ہے گر جِلا بھی تو لے غیرت مسیح
ہم کب سے منتظر تیری قُم کی صدا کے ہیں

برق کو غیرت یہ دلواتی رہی
ابر کو ہر لحظہ شرماتی رہی
مثلِ دریا جوش میں آتی رہی
چشم تر یہ اشک برساتی رہی
آبرو برسات کی جاتی رہی

دِل سے دنیا کی ہوس جاتی رہی
گو وہ باغ سبز دکھلاتی رہی
عقل دور اندیش سمجھاتی رہی
حُر کو فوجِ شام بہکاتی رہی
حبِّ حیدر راہ بتلاتی رہی

خورشید- پنڈت سورج پرشاد خورشید وکیل فرخ آباد خلف پنڈت آسا رام- اردو فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے دیوان مطبوعہ نظر سے گذرا اُس کا انتخاب درج ذیل ہے کلام میں کوئی خاص بات قابلِ ذکر نہیں ہے سنہ ۱۲۹۵ھ تک حیات تھے +

ہیں نیاں شہ کو مبارک ہو گدا کو کمبل
میں تو دیتا ہوں حاتم مجھے دشنام ہی دو
اقبال خداداد کی ہے اور ہی صورت
کھلتی ہی نہیں دل کی کلی باغ جہاں میں
آج مختار ہیں جو ظلم وہ چاہیں کریں
ید بیضا کو ہتیلی کا پھپولا سمجھیں

جامہ مخمل ہے جنوں نے مجھے عریانی کا
کچھ تو ملجائے صلہ مجکو ثنا خوانی کا
آئینہ بنانے سے سکندر نہیں ہوتا
مٹھی میں جو غنچہ کی طرح زر نہیں ہوتا
حشر کو ہوگا مرے ہاتھ میں دامن انکا
دیکھیں جو حضرت موسیٰ رخ روشن انکا

خواب راحت ہو کہاں نادان چرخ میں
گردش ایام سے پھرتا نہیں اپنا نصیب
کون سا مضموں نہیں تیری نگاہِ ناز میں
مٹی کے جوش جوانی میں خبر انجام کی
نہیں جاتی اصالت آدمی کی صحبت بد سے
عشق کرتی کو بھی ہو بے سر و ساماں کرتا
نہ ذبح کر مجھے ظالم کہ صید لاغر ہوں
دہانِ زخم سے چوسا زبان خنجر کو
غبار ہو کے پڑے دیدۂ رقیب میں ہم
ارباب صفا زنگ کدورت سے بری ہیں

گردشِ ایام سے آرام سے دل یہ گہوارہ نہیں
اخترِ قسمت مرا ثابت ہو سیارہ نہیں
کان ہے جادو لی چشم شعبدہ پرداز میں
عشق بازی کھیل اک سمجھے تھے ہم آغاز میں
بنو آہن رہے جو پاس آہن کے طلا برسوں
بید مجنوں میں گل و برگ و ثمر کچھ بھی نہیں
عبث لہو میں نہ بھر ہاتھ مشت پر کے لیئے
مزے وصال کے کیا کیا نہ ہمنے مر کے لیئے
لیئے عدو سے جو بدلے تو ہمنے مر کے لیئے
خورشید کے چشمے میں تو کائی نہیں ہوتی

ملکِ عدم کو اب کوئی پیاسا نجائیگا
پھٹ جائیگا کلیجہ غم دنیا بہت نہ کھا
پھولو نہ بلبلو چمن بے ثبات پر

قاتل نے آب تیغ کی رکھی سبیل ہے
اے بوالہوس غذا یہ نہایت ثقیل ہے
غنچوں کی جو چٹک ہے وہ کوس رحیل ہے

خورشید - خورشید احمد خورشید از اولاد حضرت شیخ احمد صاحب سرہندی اوائل میں شاہ رؤف احمد سے بیعت کی بعد میں شاہ سعد اللہ حیدر آبادی سے فیض یاب ہوئے اطراف ہندوستان

اور خراسان۔ فرغانہ۔ سمرقند۔ فارس۔ بخارا۔ بلخ۔ ممالک دور دراز میں مدت سفر کیا اور ہر صاحب کمال سے فیض حاصل کیا۔ فنِ شعر میں پہلے شاہ رؤف احمد صاحب رافت اپنے پیر سے اور آخر میں مومن خان اور نواب اسداللہ خان سے مستفید ہوئے دہلی میں ولادت ہوئی تھی۔ فارسی اُردو دونوں زبانوں میں شعر خوب کہتے تھے۔ یہ آپکے کلام کا انتخاب ہے ؂

کہاں پہلو میں دل خورشید جسکو ہم تسلی دیں ۔۔۔ جو کچھ تھا آنسوں کے ساتھ خوں ہو کر نکل آیا

دیکھا نہیں آنکھوں سے تصور کبھی خورشید ۔۔۔ موجود ہے ہر وقت وہ گویا مرے آگے

نوید وصل یہ مانا کہ جھوٹ ہے خورشید ۔۔۔ کسی طرح کوئی تسکین اضطراب تو دے

بتوں کے عشق سے باز آتے ہی نہیں خورشید ۔۔۔ رلاتا ہے تمکو محبت میں کیا مزہ دیکھے

خورشید۔ سید محمد مصطفیٰ خورشید عرف مولوی لڈن نبیرہ مولنا سید دلدار علی صاحب مجتہد العصر رشید

اوائل عمر سے شعر گوئی کا شوق رہا عربی فارسی اور فنونِ شاعری مثل عروض و قافیہ سے اچھی طرح واقف ماہر تھے فن سخن میں پہلے اپنے ماموں سید محمد جعفر امید اور پھر آغا حجو لکھنوی سے مشورۂ سخن کرتے تھے علاوہ غزل کے مرثیہ و نوحہ و سلام بھی کہتے تھے۔ اکثر ایام محرم میں مثل اور مرثیہ خوانوں کے یہ بھی باہر جایا کرتے تھے دو مرتبہ کربلائے معلی کی زیارت بھی کی۔ نواب مہدی علی خان ماہر داماد نواب تاج محل صاحبہ کی لڑکی ان سے منسوب تھیں۔ انکے خاندان میں اکثر بزرگ صاحبِ علم و فضل گذرے ہیں۔ کئی سال تک ایک ماہوار رسالۂ شعر و سخن "انتخاب" نامی اپنے اہتمام سے نکالتے رہے ۵۴ برس کی عمر میں ۱۹۱۸ء کو انتقال کیا۔ ایک دیوان اُردو ایک رسالہ موسوم بہ "افادات" اِن سے یادگار ہے۔ افادات، میں اپنا حال اور عروض و قافیہ اور اپنے متروکات وغیرہ تحریر کیے ہیں۔ یہ مختصر رسالہ نہایت قابلیت سے لکھا ہے شاعری اور عروض میں مشاق شاعر تھے اور مذاقِ سخن بھی اچھا تھا اکثر اربابِ فن اِنکے شاگرد ہیں۔ اِنکے کلام کا انتخاب درج ذیل کیا جاتا ہے ؂

موسیٰ کی طرح طالبِ دیدار کون ہو ۔۔۔ اِس دِل میں کیا نہیں جو سرِ کوہِ طور تھا

ہیں جتنا گناہ کیئے گو کرسے کریم
رحمت کو بھولتے تو ہمارا قصور تھا

نہ مانے کہتا ہو وہ بت سامنے آکر
اب دیکھ تو گر شانِ خدا کو نہیں دیکھا

منافقا جمع کیوں کرتے بناتے کس لیئے
ہم نہ سمجھے تھے کہ برباد آشیاں ہوجائیگا

مرغوں کی تم بنیں کرو برابر شوق سے
یہ بھی اپنی بے نشانی کا نشاں ہوجائیگا

مانا نظر پڑی تھی دل آیا پھر اسپہ کیوں
آنکھوں کی کیا خطا سب اسی کا قصور تھا

عشقِ جاناں میں ہوئی باعثِ رونق ہر شئے
درد بھی دل میں رہا زینتِ پہلو ہوکر

ستم کیئے تو کئے اب تو صاف ہو مجھسے
جو کچھ ہوا وہ ہوا یہ کہو خفا تو نہیں

طلب پہ بوسہ کی کیوں اسقدر بگڑتے ہو
زبان ہی سے کہا تھا چلو لیا تو نہیں

خفقان ہجر میں اشتیاق بہت ہو ای دوست
بچلو کہدے لئے دیدوں میں امانت تیری

یہ منہ کو پھیر کے کیسے اشارے ہیں دمِ ذبح
حلال کرتا ہے ظالم کسے دکھا کے مجھے

عاشق ہی کا یہ دل ہو کہ ساکت ہے میرجان
پتھر بھی جو ٹوٹیں گے تو فریاد کریں گے

بتوں کے قبضۂ قدرت کو کوئی کیا جانے
یہی ہیں وہ کہ جو برسوں خدا کے گھر میں رہے

ہم ایسے زار بھی کہیں دیکھے ہیں ای حباب
تن کے عوض ہوا ہی ہوا پیرہن میں ہے

دل سے اٹھے نہ دھواں عشق میں جلتا تو بہی
یوں تو اک شمع بھی ہے بزم میں جلنے کے لیئے

دم ہے تیرا جہاں میں شبِ فرقت باقی
نہ رہیگی کوئی دنیا کی مصیبت باقی

ہر آن بانئ ستم و جور ہو گئے
تم تو جوان ہوتے ہی کچھ اور ہو گئے

خورشید ۔ حاجی میرزا خورشید احمد خاں خورشید۔ خلف شاہ انوا الحق ساکن گوپامئو نواب عظیم جاہ۔ جی۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ شاہزادہ ارکاٹ کے داماد ہیں اور مدراس میں رہایش ہے زیادہ حال معلوم نہ ہوسکا۔

خالی ہی ہاتھ جائیں گے آئے تھے جیسے ہم
لایا نہ ہو جو کچھ بھی تو پھر لیکے جائے کیا ؟

اب وہ تیرِ مژہ چلاتے ہیں
دل کو تو وہ مرے بناتے ہیں

رُخ کے بوسے جو لیتی ہے کاکُل	ہم یہاں پیچ و تاب کھاتے ہیں

خورشید منشی خوش وقت علی خان خلف منشی داؤد خان تھانہ دار اکبر آباد کے رہنے والے اور میرزا فخر الدولہ برق کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ نواب کلب حسین خان نادر کے دوستوں میں تھے۔ نہایت خوش فکر اور طباع سخن سنج تھے، آٹھ نو شعر سے زیادہ کی غزل نہیں کہتے تھے مگر غزل مرصع ہوتی تھی اور اہل مشاعرہ پھڑک جاتے تھے۔ منیر شکوہ آبادی کے ہمعصر اور نواب فرخ آباد کے ہاں ۱۸۵۸ء میں ملازم تھے۔ طاہر اکبر آبادی نے اپنے بچپن میں انھیں دیکھا تھا۔

بولے دہانِ تنگ سے تم جی پھڑک گیا	یہ کس طرف گلاب کا غنچہ چٹک گیا
ایذا اُٹھا چکا ہوں محبت کے درد کی	کھینچی کسی نے آہ میرا دل دھڑک گیا
گردن میں ہے کمندِ محبت پڑی ہوئی	جتنے کھنچے حضور میں آگے سرک گیا
خورشید مرحبا یہ محبت کا جوش ہے	آئی بہار ہاتھ میں ساغر چھلک گیا
جدائی کے صدموں کو ٹالے ہوئے ہیں	چلے جاؤ ہم دل سنبھالے ہوئے ہیں
عجب مست اللہ والے ہوئے ہیں	چُنے موتیوں کے نوالے ہوئے ہیں
لحد تنگ کس بل نکل جائیں گے	مرینگے تو سانچے میں ڈھل جائینگے
جبتک ہے روح جسم میں چلتے ہیں ہاتھ پاؤں	دولھا کے دم کے ساتھ یہ ساری برات ہے
پیری میں وولولے وہ کہاں ہیں شباب کے	اِک دُھوپ تھی کہ ساتھ گئی آفتاب کے

خورشید میرزا عباس عرف میرزا خورشید مدرسِ فارسی مدرسۂ کراچی۔ چندے حیدرآباد سندھ میں بھی ملازمت کی تھی ۱۸۷۶ء میں زندہ تھے۔ شعر اچھا کہتے تھے اور کہیں بھی صاف ستھری برتتے تھے۔ طبیعت کا میلان زیادہ تر مضمون کی طرف ہے۔ یہ انکا کلام ہے۔

جگہ دی جب سے دل میں ہمنے عشقِ شوخِ پُرفن کو	بنایا دوست کو دشمن بنایا دوست دشمن کو
مجھے زنجیر پا کیوں مانع صحرا نوردی ہو	گلا دیتی ہے میری گرمیِ رفتار آہن کو
فلک کی فتنہ پردازی سے شاید جانبری ہووے	اگر تحت الثریٰ یا لامکان ملجاؤ مسکن کو

بجوا ہر باد تیری راہ میں مشتِ غبار اپنا	جھٹکنا پر نچوڑا تو نے ظالم اپنے دامن کو
چمن میں آنکھ کھولی تھی کہ صیاد آ گیا سر پر	رہی حسرت یہ بلبل کو نہ دیکھا میں نے گلشن کو
رقیب رو سیہ پر بھی کبھی تیغ آزمائی ہو	ہمارا کیا ہے ہم تو جھکا دیتے ہیں گردن کو
کریں پھر محفل کثرت میں کیوں ہنگامہ آرائی	ملے گر مجلس وحدت میں جا شیخ و برہمن کو
کہا خورشید عاشق اُن پہ جو اچھا سمجھتا ہے	سمجھنا دوست کو دشمن سمجھنا دوست دشمن کو

خورشید ۔ مہر سپہر فصاحت و سخندانی نیر اوجِ بلاغت و زباندانی قاضی غیاث الدین احمد صاحب خورشید ابن قاضی حسام الدین احمد مرحوم بزرگوں کا وطن شاہجہان آباد دہلی ہے مگر اب عرصہ سے قصبہ سکندر آباد ضلع بلند شہر میں سکونت ہے وہاں کا عہدۂ قضا روز آبادی سے انکے خاندان میں چلا آتا ہے۔ جناب خورشید بہ سلسلۂ ملازمت چند سال ریاستِ گوالیار میں رہے اب عرصہ سے خانہ نشین ہیں دہلی مقام پیدایش ہے اور وہیں انہوں نے اپنی ننہال خاندانِ شیخ عبد الحق محدث دہلوی میں تعلیم و تربیت پائی مولنا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے برادر زادہ مولانا محمد حسن تائب مرحوم تلمیذ فخر الشعرا میر نظام الدین ممنون سے فن شعر کی تحصیل کی اور مولنا مرحوم نے نہایت دلسوزی اور محنت سے رموز سخنوری و نکات شاعری کو ان کے دلنشین کیا۔ سن شریف اب ۱۹۱۴ء میں ۵۸ برس کا ہے صاحب دیوان ریختہ ہیں۔ اکثر غزلیں حضرت داغ دہلوی اور دیگر مشاہیر زمانۂ حال کی زمینوں میں کہی ہیں اور حق یہ ہے کہ اپنی خداداد ذہانت اور مشاقی فن کا سکہ بٹھا دیا ہے۔ راقم تذکرہ کے ملاقاتی ہیں۔ دہلی میں دو مرتبہ خاص مجھ سے ملاقات کے لیے تشریف لائے کلام بھی منتخب کرکے بھیجا قاضی نجم الدین برق شاگرد رشید حضرت مومن انکے حقیقی چچا تھے۔ سخن طرازی میں اعلی درجے کی قابلیت حاصل ہے پڑھتے بھی اچھا ہیں ترکیب بیان نہایت دلچسپ ہے اور متانت سے خالی نہیں انکے کلام میں اکثر اشعار ناخن بدل پائے جاتے ہیں۔ بلاغت اور فصاحت دونوں اپنے اپنے محل پر انکے کلام میں اپنا اپنا جلوہ دکھاتی ہیں۔ مضمون آفرینی کا بھی خاصہ ملکہ ہے۔ بڑے

...ن اور منکسر المزاج شخص ہیں فکر سخن سے کسی وقت خالی نہیں رہتے۔ دیوان اگرچہ ...ں مگر مرتب موجود ہے ٭

...ایانِ حمدِ حق جو نہ مضموں رقم ہوا — اِس جرم میں قلم کا سدا سر قلم ہوا
...پھوٹا یہ رنج و غم سے اُنہیں یہ الم ہوا — مَیں خوش ہوا اُنہیں مرے مرنیکا غم ہوا
...طاعت نہ کام آئی تہ بندوں کی بندگی — آخر شریکِ حال اُسیکا کرم ہوا
...دونوں گھروں میں ایک تجلی کا ہے ظہور — جلوہ وہی ہے دیر ہوا یا حرم ہوا
...کس با وفا کو یاد کیا گالیوں سے آج — کِس کے کھُلے نصیب یہ کس پر کرم ہوا
...کچھ فخر جامِ جم کو نہیں اُنکے دور میں — جو جام اُنکے مُنہ سے لگا جامِ جم ہوا
...مجکو تو دوستوں سے بھی ملنے کا ننگ تھا — دشمن سے تم ملے یہ ستم پر ستم ہوا

...ں ہونے کے لئے خاک میں ملنے کے لئے — روز اس دل میں نئے ہوتے ہیں ارمان پیدا
...تے ہو ستم مہر و محبت کے عوض میں — یہ جرم تو تعذیر کے قابل نہیں ہوتا
...ہ یا شوق میں پہلے تو یہ رونا اب ہے — ہائے قاصد کی زباں اور فسانہ دل کا
...تہ رفتہ ترے بیمار نے صحت پائی — ضعف سے درد گھٹا موت سے آزار گھٹا
...ہے کب نکلے ہیں ہم گوہرِ مضموں خورشید — آہ جس وقت میں نرخ دُرِ شہوار گھٹا

صحرا چمن کیا مرے پائے فگار نے — گلگوں ہر ایک خار بیاباں کا ہو چکا
اک ناتواں کا خون اُڑاتے سنان و تیر — دِل سے مقابلہ صفِ مژگاں کا ہو چکا
دلمیں، جگر میں، سینہ میں، پہلو میں جا بجا — قبضہ کہاں کہاں ترے پیکاں کا ہو چکا
اُس بُت نے ایک کو نہ رکھا اپنے دین پر — مذہب خراب گبر و مسلماں کا ہو چکا
تھاموں دل و جگر کو میں کیا ایک ہاتھ سے — اک ہاتھ مدتوں سے گریباں کا ہو چکا
ہو گا خرام ناز سے کیا اہلِ حشر پر — محشر تو ایک جنبشِ داماں کا ہو چکا

میسّر تک نہیں خارِ وطن بارِ وطن کسکا — پڑا ہے دشتِ غربت میں یہ لاشہ بے کفن کسکا

[illegible] پہ کیا کیا فلک ہو اُس مہرِ نو کے   یہ تم بیٹھے ہو ایسا سوگ لیکر جان من کسکا
[illegible] کا اس کلا پڑی کا فر نظر جس پر   ڈھکا رکھتی ہے پردہ انکی چشمِ سحر فن کسکا
[illegible] غضب جن سے زباں بند ہوتی ہے   کُھلے شکوں پہ اُسکے رہبرو جا کر دہن کسکا
[illegible] وقت غم سے کیا غرض سکو   وہ محوِ عیش و عشرت ہیں نہیں رنج و محن کسکا

پڑے ذرا تو کلیجے کی آگ پر پانی   جگر کے داغ پہ چھوتے جو پھائے دل کا
دل تڑپتا ہے مزے لیلیکے اس نخجر کا   لو قدر انداز کیا کہنا ہے تیرے تیر کا

درازی میں کوئی اُسکے برابر ہو نہیں سکتا   شبِ غم کے مقابل روزِ محشر ہو نہیں سکتا

پابندِ حیا رہنا یا ترکِ حیا کرنا   اوّل شبِ وصلت ہے آخر تمہیں کیا کرنا

طبیعت اِس قدر بگڑی کہ اندازِ سخن بگڑا   کوئی مضموں جو تیرے وصل کا اچھا بن بگڑا
یہ قد بوٹا سا، لبِ گلبرگِ تر، عارضِ گُلِ رنگین   چمن کا رنگ تیرے سامنے رشکِ چمن بگڑا

کس جا نہ جلوہ گر تری وحدت کا نور تھا   جلوہ ترا تھا عام نظر کا قصور تھا
کیا اُسکو ہو خبر کسی خاطرِ شکستہ کی   وہ مستِ ناز اپنی جوانی میں چور تھا

واہ کس شوق سے تھم تھم کے چھری پھیری ہے   میری گردن پہ ہوئے آپکے احسان بہت
شرارت چشم پر صدقے، فدا شوخی ہے چتون پر   ادائے دلفریبی آپ عنش ہے اُن کے جوبن پر
خوشی مدِ غیر کی کرتے ہیں میرے رنج دینے کو   مرے صدقے میں گویا یہ کرم ہوتے ہیں دشمن پر
غنیمت ہے جو امر کر تو لطفِ زندگی حاصل   وہ ظالم فاتحہ پڑھنے کو آیا میرے مدفن پر
نکالا قتل کا میرے نیا انداز قاتل نے   رکھی ایک تیغ بر گردن، رکھی اک تیغ گردن پر
بمروح دل پہلو میں ہے زخمی جگر سینہ میں ہے   یہ بھی کوئی دستور ہے گھائل ہے گھائل کے پاس
خورشیدِ راہِ عشق میں اس گرم رفتاری کیساتھ   کیوں سرد ہو جاتے ہو تم آتے ہو جب منزل کے پاس
جوشِ وحشت میں بہم ربط ہوا ہے ایسا   ہاتھ ہوتا نہیں دم بھر کو گریبان سے الگ
پھری خاک ہے ظالم تو جھٹکتا کیوں ہے؟   اب نہ ہوگی یہ ترے گوشۂ داماں سے الگ

کانوں میں بیوفا نہ پہن یاسمن کے پھول
شہہ بس نے ایک دن نہ بنایا گلے کا ہار
یارب دلوں کی خیر وہ کہتا ہے دلفریب
خورشید کس غضب کی کہانی کہی کہ آج

ہیں آج تیرے کشتۂ رنج و محن کے پھول
تیشہ سے روز جھڑتے رہے کوہکن کے پھول
دیکھیں تو کوئی دیکھے ہمیں اور نہ آئے دل
اپنی طرح ہمیں بھی کیا مبتلائے دل

مایوس ہو گئے ہیں قبولِ دعا سے ہم
رہتے ہیں سکوشوق کہ نکلا جدھر سے تو
ہاں سچ تو ہے جو تم سے ستمگر کو دیا
کام آئیگی مصیبتِ ہجراں میں ایکدن
قامت میں قیامت کے برابر تو نہیں تم
پھرتے ہو خفا مجھسے بھر الٹی ہے شکایت

ملتا تو مانگتے نہ نعمتیں کو خدا سے ہم
آنکھیں ملا کیے ترے ہر نقشِ پا سے ہم
ایسے ہی دق ہوئے تھے دل مبتلا سے ہم
پیدا کرینگے رسمِ محبت قضا سے ہم
فتنہ ہو مگر فتنۂ محشر تو نہیں تم
پھر جاؤ تو کچھ میرا مقدر تو نہیں تم

کہنے کو کہدیں یونہی ابھی دل کا راز ہم
سجدہ خدا کو کرتے ہیں دل میں بتوں کی یاد

دیکھیں بھی دردِ دل کا کوئی چارہ ساز ہم
نادم ہیں خود کہ پڑھتے ہیں کیسی نماز ہم

جب ظلم کریں آپ تو کیونکر نہ کہیں ہم
تم کو تو نہ توفیق ہوئی پرسشِ غم کی
آتے ہی ترے بزم میں اک پڑ گئی ہل چل
شوخی ہی طبیعت میں فصاحت ہے زبان میں

کیا خوب ستمگر کو ستمگر نہ کہیں ہم
پھر آپ بھی حالِ دلِ مضطر نہ کہیں ہم
اسپر بھی تجھے فتنۂ محشر نہ کہیں ہم
خورشید کو کس طرح سخنور نہ کہیں ہم

آبلے پاؤں کے برسوں سے لیے پھرتے ہیں ہم
دستِ وحشت کو مرے اب تو ملے گی فرصت
گھر آیا ہے ابرِ باراں میکدہ پر جوشِ رحمت ہے
کہیں کس منہ سے ہجرِ یار میں مونس نہیں کوئی
عیش کے یار تو اغیار بھی بن جاتے ہیں

اپنے قسمت کے تو کانٹے بھی بیاباں میں نہیں
اے جنوں اب تو کوئی تار گریباں میں نہیں
رہیگی حرمتِ توبہ کہاں تک بادہ خواروں میں
ابھی اک بیکسی باقی ہے اپنے غمگساروں میں
دوست وہ ہیں جو برے وقت میں کام آتے ہیں

[illegible] ہجر کی شب میں ہو سحر تک کیا حال
غش پہ غش مجھکو ابھی سے سرِ شام آتے ہیں

ایک مہلک گلا پڑتا ہے مشتاقِ جمال
شور برپا ہے کہ اب وہ لبِ بام آتے ہیں

کچھ عجب لطف اُٹھاتی ہے طبیعت خورشید
جب کبھی سننے میں اشعارِ نظام آتے ہیں

دونوں ہیں درد عشق کے بیمار کیا کروں
دلکی دوا کروں کہ میں اپنی دوا کروں

جی چاہتا ہے عشقِ گزشتہ کا ماجرا
بیٹھا کوئی سنا کرے اور میں کہا کروں

کہتے ہیں لوگ مر کے یہ چھوٹے گا رنج سے
مجھکو یہی ہے غم کہ غمِ جاوداں نہیں

حالی ہو تری تیغ کا اور اپنا گلا ہو
چھوٹے گا نہیں ہاتھ سے گر آبِ بقا ہو

ہنگامۂ محشر تری چالوں سے بپا ہو
ٹھکرا کے کہے تو میرے مرنے سے بُرا ہو

مرنے کے بعد تم ہی تو آؤ گے قبر پر
تم ہی تو فاتحہ بھی پڑھو گے اُٹھا کے ہاتھ

لگی ایک گھر کی آگ سو گھر اسلیئے چپ ہوں
پھکینگا اک جہاں دل سے جو آہِ آتشیں نکلی

کروں اصرار کیونکر وصل کے وعدہ پہ ڈرتا ہوں
ہوگی عمر بھر بھریاں اگر منہ سے نہیں نکلی

شب عدو امید و یاس کے جھگڑے رہے کیا کیا
کبھی ٹھہرا دلِ مضطر کبھی جانِ حزیں نکلی

یا تو ہمارے دل کو الٰہی قرار دے
ورنہ تو اِن بتوں پہ ہمیں اختیار دے

جدھر اُس کی کافر نظر ہو گئی
خدا کی خدائی اُدھر ہو گئی

وہ اپنی طبیعت سے مجبور ہیں
جدھر ہو گئی بس اُدھر ہو گئی

جگر ہو کہ دل ہو وہ تیغ نظر
جہاں پڑ گئی کارگر ہو گئی

جواب داد خواہاں داورِ محشر کو کیا دو گے
بتوا اِک روز تم کو بھی خدا کو منہ دکھانا ہے

جسقدر تم کو تغافل ہو محبت ہو ہمیں
بیوفائی میں تمھاری یہ کمال اچھا ہے

قوت نہ آہ کی ہے نہ طاقت فغاں کی ہے
حالت بہت خراب دلِ ناتواں کی ہے

قاصد کے اب پیام زبانی پہ ہے یہ رشک
کیوں اِس زباں پہ بات بھی اُنکی زباں کی ہے

آنکھوں کو لطف دید کا کانوں کو بات کا
قسمت جو دیکھیئے تو ترے پاسباں کی ہے

بدظن ہوں رازداں سے نگہباں سے مشتبہ
آفت میں جان اپنے دلِ بدگماں کی ہے

ای بختِ خفتہ ایسی بھی غفلت کی نیند کیا
آخر کچھ انتہا بھی تو خوابِ گراں کی ہے

کیا پوچھتے ہو دل پہ جو گذری فراق میں
تم سُن بھی لو یہ تاب ہمیں کب بیاں کی ہے

ہو غم مرا تیرے ہاتھ مدد اے گدازِ عشق
کچھ جسم میں نمود ابھی استخواں کی ہے

تا مشتِ استخواں کو نہ میرے ملے جگہ
حجت ہو اُن کو یہ کہ زمیں آسماں کی ہے

قبضہ بتوں کا گھر میں خدا کے بھی ہوگیا
بندی نماز کی ہے منادی اذاں کی ہے

خورشید شاعری میں فصاحت کا ہے مزہ
سچ پوچھیے تو شعر میں لذت زباں کی ہے

جور و بیداد کو دیکھوں کہ میں اسکو دیکھوں
وہ کسی وقت مرے حال سے غافل نرہے

کشمکشِ دل ہو مددگار تو کیا عیسیٰ کا گھر
تو تو جنت میں بھی ای حور شمائل نرہے

میں تو دیکھوں نہ کبھی بھول کے اُسکو خورشید
کیا کروں جب مرے کہنے میں مرا دل نرہے

تم تو تم ناز عدو کے بھی اُٹھائے ہونگے
ایک دن یہ بھی محبت میں ہوا رکھا ہے

تصور میں ہمارے کاش یہ تاثیر ہوجاتی
کہ نیند آنکھوں میں آکر یار کی تصویر ہوجاتی

نہ اُٹھتا حشر کے دن بھی مرا سر اس ندامت سے
مرے خوں سے جو آلودہ تری شمشیر ہوجاتی

شرر افشاں جو مجنوں آہ تیرے دل سے نکلیگی
بُجھاتی آگ لیلیٰ پردۂ محمل سے نکلیگی

ذرا مجھپر ترحم سخت جانی آج برسوں میں
گلے ملنے کی حسرت خنجرِ قاتل سے نکلیگی

آنکھیں وہ فتنہ گر میری آنکھوں میں ڈالکے
سینے سے لے گیا ہے ابھی دل نکال کے

حسن اور عشق کے جھگڑوں میں مزا جب آئے
حیلہ گر تم سا ہوا ور نہ آئے طبیعت میری

اہلِ ایماں کا خدائی میں ٹھکانا نہ رہا
دعوی کرتا ہے وہ کافر کہ ہے جنت میری

سوزشِ دل کے ہوئے اور یہ درماں اُلٹے
لب پہ آآکے پھرے نالۂ سوزاں اُلٹے

جو سنتے ہو تو سننا غمزدوں کا دردِ دل پیچھے
ذرا ہاتھوں سے اپنے انتقام لینا تم جگر پہلے

نہیں کچھ بازیِ طفلاں لگانا دل کہیں خورشید
وہ کھیلے کھیل اُلفت کا جو کھیلے جان پر پہلے

[illegible] محفل میں ترے گھر جائیں گے
پر سوچتے ہیں دل میں کہ کیونکر جائیں گے

[illegible] محروم قسمت ہوں نہ جانا آجتک میں نے
امید وصل کیا ہے حسرت دیدار کیسی ہے

[illegible] تجھ سے محفل شب کو قمر ہو کے رہے
رخ سے سر کے جو دوپٹہ تو سحر ہو کے رہے

جس کو دیکھا نگہ ناز سے مارا اسکو
دیکھ لینا تری آنکھوں کو نظر ہو کے رہے

میں تو تیرے سبب ہوں مصیبت میں مبتلا
تو میرے ساتھ اے شب ہجراں بلا میں ہے

قسمت کا اپنی پیچ کھلا ہے نہ کھل سکے
وہ اور ہے جو آپ کی زلف دوتا میں ہے

خورشید ایسی چوٹ لگی ہے کہ کیا کہوں
ہر وقت اک کھٹک سی دل مبتلا میں ہے

دیکھئے غم میں ترے جان رہے یا نہ رہے
ہے کوئی دن کی یہ مہمان رہے یا نہ رہے

تو سلامت رہے آباد رہے تجھ سے دنیا
ہمسے ناشاد مری جان رہے یا نہ رہے

فائدہ حجت ناحق سے بس اتنا کہدو
تم کہیں رات کو مہمان رہے یا نہ رہے

یار ہے شیشہ و ساغر ہے، کروں کیوں تاخیر
پھر خدا جانے یہ سامان رہے یا نہ رہے

سانس کے ساتھ نکلتے ہیں شرارے منہ سے
سوزش دل نے کلیجے کو جلا رکھا ہے

دلربا گھات میں پھرتے ہیں کوئی چھین نہ لے
دل کو ابتک تو میری جان بچا رکھا ہے

آفت جان تو حسینوں کی ادا ہوتی ہے
ورنہ دیکھو تو نرے حسن میں کیا رکھا ہے

خورشید۔ منشی شیخ محمد سعید خورشید۔ موضع شفیع ضلع منٹگمری پنجاب میں مقیم اور حضرت جلال لکھنوی کے شاگرد تھے۔ شعرگوئی کا خاصہ مادہ ہے۔ یہ انکا کلام ہے ؎

ٹھوکریں کھاؤ سر طور تمہیں لے موسیٰ
جلوہ گر دل ہی میں ہمنے رخ جاناں دیکھا

اسکو جلنا تھا تو شمع سر محفل ہوتا
رونق بزم بتاں کاش میرا دل ہوتا

کسی کے قتل کو اس کی بلا نکلتی ہے
کہ جسکے کوچے سے بسمل قضا نکلتی ہے

خورشید۔ پنڈت بلدیو کشن صاحب متخلص بہ خورشید۔ آپکے والد بزرگوار ریاست جموں وکشمیر میں بعہدہ سپرنٹنڈنٹی پولیس ممتاز تھے۔ آپ خود لاہور میں انسپکٹر تحصیل

چونگی ہیں اور ٹمپرنس ایسوسی ایشن لاہور و کشمیری پنڈت نیشنل ایسوسی ایشن کے سکرٹری ہیں۔ اوائل سے فن شاعری کا شوق ہے اور اٹھارہ اُنیس برس سے طبیعت ادھر مائل ہے۔ عشقیہ غزلیں کہنے سے اجتناب ہے۔ زیادہ تر ٹمپرنس سوسائٹی کے متعلق مضامین پر طبع آزمائی کرتے ہیں۔ اور اکثر ٹمپرنس سوسائٹی کے سالانہ جلسوں اور رمنہ والوں کے اجلاسوں میں داد سخن دیا کرتے ہیں۔ آپ اپنا دیوان مرتب کر رہے ہیں جسے عنقریب چھپوانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ زمانۂ حال کے شعرا میں انکا شمار ہے۔ کلام میں سادگی ہے زبان شستہ ہے اور نفس مضامین اخلاقی ہوتا ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

نہ وہ اوصاف ہیں ہم میں نہ وہ اُلفت رہی باہم
ہماری غفلتوں سے دیکھئے سارا وطن بگڑا

ذرا دیکھو تو بگڑی کسقدر حالت ہماری ہے
روش بگڑی، چلن بگڑا، ہمارا پیرہن بگڑا

اگر دل میں خیالات من و مائی نہ لاؤ تم
تو اِس اُجڑے چمن کو آج ہی رونق پہ پاؤ تم

میں کیا منہ سے کہوں میں کون ہوں دنیا میں کیا میں ہوں
بشر کی ہستی ناپاک کا اک آئینہ ہوں میں

میری ہستی بنائی خاک کے ذروں نے مل مل کر
اسی باعث سے تو اک خاک کا پُتلا بنا ہوں میں

خدا کی جب نظر میں کُل بشر دنیا کے یکساں ہیں
تو دل میں کیوں خلش رکھتے ہو ہندو مسلماں ہیں

نہیں بگڑا ہے اب بھی کچھ اگر تھوڑا سنبھل جاؤ
کدورت چھوڑ دو اور جانب اصلاح تم آؤ

طبیعت میں مری کچھ ان دنوں ایسی صفائی ہے
ضیائے آئینہ منہ دیکھنے کو دل میں آئی ہے

فروغ ماہ تاباں جذبۂ دل نے مرے لوٹا
یہاں سرخی ہوئی پیدا وہاں زردی سی چھائی ہے

کہاں لکھا ہے مذہب میں کرو تم بیر آپس میں
غضب ہے گر زمانے میں جدا بھائی سے بھائی ہے

انتخاب از قصیدہ تہنیت تاجپوشی

خیاباں کھل گئے فصل چمن میں اب بہار آئی
شمیم اٹکھیلیاں کرتی نوید جانفزا لائی

یہ دہلی ہے کہ جنت آگئی ہے باغ دنیا میں
کہ حوریں بھی فلک پر آج ہیں دیکھو تماشائی

یہ ہیں وہ کون جنکے عہد میں یوں ہمنوائی ہے
کہ پیتے شیر اور بکری بھی ہیں اک گھاٹ پر پانی

تو اٹھی ہے اب جارج پنجم شاہ انگلستان
پہنک آئے اورنگ شہی پر تاج سلطانی
جہاں اقبال ہے نیکو سیر نیکو طبیعت ہے
تو اے قیصر جہاں میں منبع بحر سخاوت ہے
رعایا ہند کی تیار ہے اب جاں نثاری پر
کہ اس میں اک زمانے سے وفاداری کی عادت ہے
دعائے خیر ہے تجھ پر سدا فضل الٰہی ہو
ہما بن کر ترے سر پر یہ چتر تاج شاہی ہو

آج دہلی بنی ہے رشک چمن
آج دہلی بنی نئی دلہن
لاڈلی ہے شہان ذی حشم کی
یہ دلاری ہے جارج پنجم کی
آج شہ کی سواری آتی ہے
یہ بھی پھولوں نہیں سماتی ہے
پیش کرتا ہوں طشت کاغذ پر
ہوں جو منظور یہ مرے گوہر
کیوں نہ خورشید بھی ضیا پائے
بزم شعر میں نام پا جائے

خورشید ۔ صاحب عالم مرزا خورشید عالم گورگانی خلف الرشید مرزا فخرو ولیعہد بہادر شاہ ثانی ۔ اِن کا نام تاریخی ہے سنہ ۱۲۶۱ ہجری میں پیدا ہوئے ۔ غدر کے وقت اِنکی عمر ۱۲ سال کی تھی ۔ جوانی میں نہایت خوبرو زیبا منظر جوان تھے ۔ ورزش جسمانی کا ہمیشہ شوق رہا ۔ فن سپہ گری سے خوب واقف ہیں ۔ لکڑی اور بانک دونوں خوب جانتے ہیں ۔ بنوٹ سے بھی کسی قدر واقف ہیں غلیل لاجواب لگاتے ہیں شعر بھی بہت اچھا کہتے ہیں ۔ زبان ٹکسالی اور اُسی چاردیواری کے اندر کی ہے جس کا نام کبھی قلعہ معلیٰ تھا ۔ اصلاح دینے کا ملکہ اچھا ہے اور زبان کی صحت کے متعلق آپ کی معلومات وسیع اور قابل داد ہیں ۔ نہایت با مذاق ہنس مکھ یا باش شہزادے ہیں ۔ بڑے خوش گلو اور موسیقی کے فن سے ماہر ہیں ۔ تباہی قلعہ کے بعد ۲۵ سال رامپور اور دہلی رہے ۔ نواب یوسف علیخان صاحب نے سو روپیہ ماہوار مقرر کر دیا تھا ۔ جو اب تک ملتا ہے ۔ بلکہ اب نواب صاحب حال نے کچھ اُس پر اضافہ کر دیا ہے سنہ ۱۲۹۹ء میں اپنے علاتی بھائی حضرت داغ دہلوی مرحوم کے پاس حیدرآباد دکن رہے وہاں سے بھی دو سو روپیہ ماہوار وظیفہ پاتے ہیں سنہ ۱۹۱۱ء کے جشن جوبلی میں جو چند شاہزادوں کی جدید پنشنیں مقرر ہوئی تھیں اُنمیں

شامل تھے۔ چنانچہ پچاس روپیہ ماہوار سرکار برطانیہ سے مقرر رہے۔ حضرت داغ کی وفات کے بعد گاہے وکن گاہے دہلی رہے اب تین برس سے رامپور میں مقیم ہیں۔ اگرچہ فطرۃً بہت موزوں پائی ہے مگر شعر گوئی کی طرف زیادہ توجہ نہیں ہے۔ نواب حامد علیخان صاحب لئے رامپور انکی بہت قدر و منزلت کرتے ہیں۔ مرزا خورشید عالم کے صرف ایک لڑکی ہے اسے کو انھوں نے اب متبنی کرلیا ہے اور وکن کی پنشن اُسکے نام منتقل کرادی ہے اقم تذکرہ سے مخلصانہ تعلقات ہیں بڑے خوش مزاج خوش تقریر ہیں۔ کلام کے لیے سنگام طرثانی بار بار تقاضا کیا مگر فطری تساہل نے اقرار کی تکمیل کی نوبت نہ آنے دی اشعار ملاحظہ ہوں

گھر سے نکلے ہیں وہ اس ٹھاٹ سے تنکر باہر	ہاتھ میں تیغ علم میان سے خنجر باہر
غش جو آیا مجھے محفل میں تو ظالم نے کہا	تجکو منظور ہے مرنا تو کہیں مر باہر
جب سے برباد ہوئے کوئی ٹھکانا نہ ملا	ٹھوکریں کھاتی پڑیں پھرتے ہیں در در باہر
جو میری طرف سے تمہیں بھڑکاتے ہیں دشمن	ایک ایک مرے دل میں ہے ایک ایک نظر میں
ڈھونڈتے ڈھونڈتے ہم جبکو یہاں تک پہنچے	ساری دنیا ہے وہی حشر کے میداں میں نہیں
رازِ سربستہ یہ پیدائشِ عالم سے کھلا	لطف ظاہر میں جو ہے وہ کبھی پنہاں میں نہیں
وہ کہتے ہیں ہمارا چاہنے والا بھی ایسا ہو	زمانے سے انوکھا ہو تو دنیا سے نرالا ہو
وہ دل لیکر کسی کا پھیر دیں یہ ہو نہیں سکتا	پرایا مال وہ اپنا سمجھتے ہیں کسیکا ہو
شب وصل اسنے شرما کر یہ شوخی سے کہا آخر	ہمیں چھیڑے تو غارت ہو ہمیں دیکھے تو اندھا ہو
ستم سہنے کا ساری عمر کے یہ پھل ملا ہمکو	وہ اب سب سے یہ کہتے ہیں جو عاشق ہو تو ایسا ہو
نہ میں سچا نہ تم سچے تو آخر کون سچا ہے	خدا کے سامنے یہ پیش ہو جھگڑا تو اچھا ہو
ہوا حاصل یہ ہمکو دوستوں کی بیوفائی سے	کہ ہم نے عمر بھر کو توبہ کر لی آشنائی سے
ملے بھی بات بھی کر لی ڈھٹائی سے رکھائی سے	بنے پھر جان کر انجان میری آشنائی سے
نہ میں سچا نہ تم سچے نہ میں جھوٹا نہ تم جھوٹے	چلو قصہ ہوا سطے فائدہ کیا اب لڑائی سے

ہمیں ان سے غرض ہے انکا تم اچھا برا دیکھو
ہمیں کیا کام غیروں کی بھلائی سے برائی سے

دل لیا ہے تم نے جس انداز سے
کوئی لے سکتا بھی ہے اس ناز سے

ہر روز یہ پرسش ہے کہ تم کیوں دھر آئے
امید پر آتے ہیں جو امید بر آئے

جاتے تھے کہیں اور ادھر بھول کر آئے
کیا دیدہ و دانستہ وہ خود دیر گھر آئے

فرقت کی دعاؤں میں ابھی اثر آئے
آئے نہ ستمگر تو کچھ اچھی خبر آئے

جاتے تھے میرے کوچے سے پوچھا تو وہ بولے
ہم تیری بلا سے جدھر گئے ادھر آئے

بےچین ہو تم اور مجھے رشک ہے اس کا
اللہ کرے آج عدو کی خبر آئے

رحم آ ہی گیا دیکھ کے قاتل کو مرا حال
کام اپنے برے وقت میں زخم جگر آئے

محشر ہوا جل ہو کہ وہ کافر ہو کوئی ہو
ہم منتظر اسکے ہیں کہ جو پیشتر آئے

اک حشر بپا اور ہوا روز قیامت
محشر میں برے حال سے جب وہ نظر آئے

کیا غیر سے لڑ آئے ہیں کہتے نہیں بنتی
گھبرائے ہوئے وہ ادھر گئے ادھر آئے

اس شوخ نے بالوں میں پروئے ہیں جو موتی
خورشید ہمیں ابر میں تارے نظر آئے

وہ نشیلی آنکھ اک عیار ہے
دیکھنے کو مست ہے ہشیار ہے

آرزو بنکر نہ کوئی بھی رہا
آپ کا ہر تیر دل کے پار ہے

میں ہوں عاشق میری بدنامی ہے کیا
ان کا چرچا بھی سر بازار ہے

آپ سے بنتی نظر آتی نہیں
روز جھگڑے روز کی تکرار ہے

کون مرتا ہے کسی کے واسطے
جان کا کھونا بہت دشوار ہے

یہ تری محفل ہے یا ہے میکدہ
جسکو دیکھو مست ہے سرشار ہے

جان سے بڑھکر ہمیں ہو تم عزیز
تم ملو تو اور کیا درکار ہے

اگلے لوگوں کا چلن کچھ اور تھا
اب زمانے کی نئی رفتار ہے

دل ستانے کے لیے موجود ہے
جان جانے کے لیے تیار ہے

خورشید

خورشید - سید خورشید عالم خلف شمس الشعرا مولوی سید مقصود عالم تھانوی - ان کا نشو و نما غدر کے عین بعد میں تھا - نواب کلب حسین خاں نادر نے اپنے تذکرہ میں انکا ذکر کیا ہے، چند شعر انتخاب ہوکر درج ہوئے - اِن کے والد بڑے پایہ کے سخنور تھے انہیں سے انھیں تلمذ تھا ؁

اے اجل یہ قتل پر کس کا اشارا ہو گیا ۔ صف بہ صف جو لشکرِ مژگاں صف آرا ہو گیا
ہاں یہ حرف شوق میں ہی معجزِ شق القمر ۔ نالہ از خود دل کی بیتابی سے پارا ہو گیا
قتل گہ میں یہ شہیدوں کا بہایا ہے لہو ۔ نیچے کا گھاٹ دریا کا کنارا ہو گیا
گھر میں ای خورشید جب شکِ قمر مہماں ہوا ۔ نیرِ اعظم نصیبوں کا ستارا ہو گیا

خورشید

خورشید - پنڈت جوالا پرشاد ایم اے وکیل چیف کورٹ لاہور آپ رائے بہادر پنڈت جانکی پرشاد اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ابن مُنشی مرحوم کے صاحبزادے اور قوم کے کشمیری برہمن ہیں، اوائلِ شباب میں موزونیِ طبع کے باعث طبیعت شعر گوئی کی طرف مائل تھی - یہ انھیں ایام کا کلام ہے نہ معلوم اب یہ مشغلہ جاری ہے یا بند ہوگیا - ۴۰ - برس کا سن ہے -

آزمانا تجھے ہم چاہتے تھے مدت سے ۔ تیغ جلاد دکھا آج تو جوہر اپنا
خون ہی تن میں نہیں جسکا کہ ڈر ہی قاتل ۔ کس لیئے چلتا ہے دامن تو بچا کر اپنا
جسکو کہتا ہی تو خورشید قیامت و غط ۔ دیکھ ہے داغ نہاں ہی سی تو بڑھکر اپنا
ایک حسرت ہی گئی ساتھ مرے زیرِ لحد ۔ اور کوئی بھی نہ ساتھی ہوا مر کر اپنا
مانگا بوسہ تو کہا تو بھی ہوا اس قابل ۔ منہ تو جا دیکھ ذرا آئینہ لیکر اپنا
ہو وا دستِ قضا سے بھی یہ کشتہ سیماب ۔ ہائے مر کر بھی نہ ٹھیرا دلِ مضطر اپنا
کیوں نہ خورشید فلک پر ہو دماغ آج ترا ۔ باغ ہی، جام ہی، او رپاس ہے دلبر اپنا

خوشتر

خوشتر - منشی عبدالرحمن محمد محسن باشندہ منگرول کاٹھیاواڑ - رسالہ العصر لکھنؤ سے کلام نقل

شمع رو جائیں کہاں اُٹھکے تری بزم سے ہم ۔ دل کو پروانہ کی مانند جلا بیٹھے ہیں

غرض جو وصل ہو بیمارِ محبت کا علاج — چارہ گر کیوں لیے بالیں پہ دوا بیٹھے ہیں
دکھا دو چاہنے والوں کو تم اندازِ محبوبی — سما جاؤ نظر میں سبکی دلمیں سب کے گھر کرلو
اِس اندازِ حیا سے اور چوری کھلگئی آنکی — کہا تھا تم سے کسنے چھپ کر ترچھی نظر کرلو
جو بسمل ہیں وہ قتل ہو جو بیدل ہیں بسمل ہوں — جو خنجر ہاتھ میں لے کبھی تم بن سنور کرلو

آپ کہتے ہیں بجا حضرتِ ناصح لیکن — کیا کروں؟ کیجئے جو قابو میں مرے دل نہ رہے
ہو مدد تیری جو اے ہمتِ مردانہ عشق — جس کو مشکل میں سمجھتا ہوں وہ مشکل نہ رہے
میری خواہش گذرِ درد نہو دلمیں مرے — درد کہتا ہے میں پہلو میں ہوں دل نہ رہے

خوشتر۔ شاعرِ شیوا بیان سخنورِ شیریں زبان منشی جگناتھ ولد منشی مُنا لال سری باستب کایستھ ساکن لکھنؤ، عہدِ واجد علیشاہ میں سرکار شاہی میں متصدی گری پر فائز تھے۔ انکی رامائن منظوم و "شری بھاگوت" و "چتر گپت" بہت مشہور ہیں۔ مذہبی مسائل اور حکایات کو بہت خوبی اور فصاحت سے نظم کیا ہے ۱۲۷۹ھ میں انکا انتقال ہوا، بخوف طوالت رامائن میں سے چند اقتباس کرکے انکے حال کو ختم کیا جاتا ہے۔

راجہ رام چندر جی کا بن باس ہونا

مشعبد ہے عجب یہ پیرِ گردوں — کہ ہر دم اسکی صورت ہے دگرگوں
جفا پیشہ ستمگر، فتنہ خو ہے — برائے رنج ہر کس حیلہ جُو ہے
اگرچہ پیر ہے، لیکن ہے بے پیر — ہمیشہ منقلب ہے اسکی تدبیر
کسی کا خوش نہیں آتا اسے عیش — برائے جنگ پھرتا ہے لئے جیش
ہر اک کے عشق میں ہے رخنہ انداز — میانِ ہر بشر ہے فتنہ پرداز
سدا اس سنگدل کا ہے یہ شیوہ — کہ پتھر مارتا ہے دیکھے میوہ
یہ وہ زنبور ہے چرخِ ستم کیش — کہ پہلے نوش دے پیچھے جڑے نیش
شہنشاہِ اودھ تھا یعنے اک روز — سریرِ زر فشاں پر رونق افروز

مرصع سر پہ زیبا تاجِ زرّیں ۔۔۔ عیاں چہرے سے نورِ ماہ و پرویں
پئے آرایشِ تاجِ زر افشاں ۔۔۔ کیا آئینہ پیش روئے تاباں
نگاہِ شہ پڑی کاکل پہ اِک بار ۔۔۔ سفید سے آئے نظر بال اُس میں دو چار
خزاں دیکھی بہارِ زندگی میں ۔۔۔ اماں دیکھی خدا کی بندگی میں
سُنا جب ستاروا نے یہ فسانہ ۔۔۔ ہوئی سوئے اودھ پیدل روانہ
ہوئی جا کر وہاں پر حیلہ انگیز ۔۔۔ نہ پایا کوئی دشمن اُس جگہ تیز
کنیز اک کیکئی کی منتھرا نام ۔۔۔ زبس تھی عقل و دانش سے وہ ناکام
کیا نطقِ زباں کو اُس کے اِغوا ۔۔۔ وہ نکلی شہر میں بہرِ تماشا
جو دیکھا یہ اودھ میں جلوۂ عیش ۔۔۔ حضورِ کیکئی آئی بصد طیش

منتھرا کا رانی کیکئی کو [illegible] کرنا

سراپا تن میں روشن آتشِ خشم ۔۔۔ رواں مانندِ دریا چشمۂ چشم
کہا یوں کیکئی سے باغم و آہ ۔۔۔ کہ کیا غافل ہے تو اے بانو شاہ
بھرت کو شاہ نے گھر سے کیا دور ۔۔۔ خلافت ہے بنامِ رام مسطور
محبت پر ہے نازاں شہ کی ناحق ۔۔۔ یہ تیرا ہے خیالِ خام مطلق
بظاہر تجھ پہ عاشق ہے شہنشاہ ۔۔۔ ولے باطن میں کوشلا کی ہے چاہ
یہ کوشلا کا ہے سب مکر اور فن ۔۔۔ کہ بیشک سوت کی ہو سوت دشمن
خلافت کا اگر ہو رام کو تاج ۔۔۔ ترا فرزند ہو روٹی کو محتاج
یہ سنکر کیکئی بولی غضبناک ۔۔۔ کہ کیا کہتی ہے تو اے شوخ بیباک
اگر ہو رام کو تاجِ خلافت ۔۔۔ بھرت کو ہے زہے فخر و سعادت
مرے دل کے بر آئیں سب مطالب ۔۔۔ بھرت اور رام ہیں یک جان و دو قالب
نہ ہو اُن میں کبھی ہرگز جُدائی ۔۔۔ اگر ہو اک طرف ساری خدائی
تو ہے بدباطن و بدکار و بدذات ۔۔۔ غضب تو نے نکالی منہ سے یہ بات

کہا پھر منتھرا نے باصفائی | بھلائی میں ہوئی حاصل برائی
کوئی ہو بادشہ کیا مجکو مطلب | نہیں لونڈی سے بیوی ہونگی میں اب
ولے میں ہوں کنیز بانوئے شاہ | کیا راہِ نمک خواری سے آگاہ
کہا میں نے براہِ خیر خواہی | مبارک رام کو ہو بادشاہی
نہیں خواہش مجھے کچھ سیم و زر کی | خطا کی میں نے گر تم کو خبر کی
مجھے مطلب نہیں ہے کچھ کسی سے | خوشی اپنی ہے مالک کی خوشی سے
ولے کیا کیجئے اِس دل کا چارا | بُرائی سے ہے تمھاری ناگوارا
زمانے میں ہے یہ روشن سبھوں پر | کہ دشمن ہے برادر کا برادر
خصوصاً جبکہ ہووے بادشاہی | مقرر ہو برادر پر تباہی
زبانِ چرب سے جب کی یہ تقریر | ہوئی تب کیکئی بیزار و دلگیر
ہوئی دلگیر تب بولی وہ نادان | کہ ہے تدبیر اس مشکل کی آسان
کیئے ہیں شہ نے جو دو عہد محکم | کہو تم شہ سے اِمشب شاد و خرم
سفر کو رام ہوں صحرا کو راہی | بھرت کو دیجئے دیہیم شاہی
کیا یوں کیکئی کو جبکہ اغوا | ہوا برگشتہ دِل پھر کیکئی کا
عروسی پیرہن تن سے کیا چاک | ہوئی آشفتہ غلطاں برسرِ خاک
کیئے غم سے پریشاں مشکبو بال | بچھایا مکر و فن کا خاک پر جال
بوقتِ شب ہوا شاہِ نکو روز | محل میں کیکئی کے رونق افروز
پریشاں حال دیکھا کیکئی کا | ہوا دلگیر شاہِ عالم آرا
یہ اُسکے عشق میں دیوانہ تھا شاہ | کہ تھی وہ شمع رو پروانہ تھا شاہ
نہ تھی بیتابئ معشوقہ منظور | نہ کرتا تھا کبھی نزدیک سے دور
جو فرشِ گل پہ کرتی تھی سدا خواب | اُسے دیکھا زمین پر در تپ و تاب

ہوا آشفتہ خاطر دیکھکر شاہ
سرِ بالین پر دیں پر گیا ماہ

کہا اے جانِ شاہ عالم آرا
ہوا کیا رنج دل پر آشکارا

ز روئے فکر بولی کیکئی تب
کیا تم نے مرا کہنا سدا سب

کیئے تھے پیشتر دو مجھ سے اقرار
کئے تم نے وفا اب تک نہ زنہار

کہا حسرت سے اے جانِ شہنشاہ
کرو مطلب سے اپنے مجھکو آگاہ

بجا لاؤں تمہیں بالراس والعین
دلِ بیتاب کو بخشو ذرا چین

قسم ہے رام کی گر جان مانگو
تو حاضر ہے نہیں افسوس مجھکو

یہ سنکر کیکئی با دیدۂ تر
ہوئی حاضر حضورِ شاہ اکبر

کہا ہیں شاہ سے مجکو دو مطلب
وفائے عہد ہے شاہوں کو انسب

بھرت کو سلطنت کا دیجئے کام
بیاباں میں رہیں چودہ برس رام

یہ سنکر ہوگیا بے ہوش دسرت
گرا سر سے زمیں پر تاجِ دولت

ہوا چہرہ غم و اندوہ سے زرد
کہا یوں کیکئی سے بادمِ سرد

بھرت کو تاج دوں اے راحتِ دل
جدائی رام کی لیکن ہے مشکل

جو آیا دیکھنے سے رام کے ہوش
ہوا باگریہ و زاری ہم آغوش

زبس غم سے نہ تھا یارائے گفتار
رہا مانند نرگس محوِ دیدار

کہا تب رام سے ماں نے یہ مضموں
بھرت سے مجکو تم پیارے ہو افزوں

کیئے تھے شاہ نے دو مجھ سے اقرار
وفا ہیں انکی اب بے صاف انکار

اگر دنیا میں چاہو بول بالا
بجا لاؤ قرارِ شاہِ والا

کہا شاہِ دو عالم نے زہے بخت
مبارک ہو بھرت کو افسر و تخت

یہ کہکر شاہ سے رخصت ہوئے رام
پڑا دولت سرائے شہ میں کہرام

ہوئے مادر سے رخصت رام جاکر
بہت روئی گلے مل مل کے مادر

کیکئی کا [illegible] بھرت

حالِ بیقراری رعایا

ہوئی بیتاب سیتا سُن کے یہ حال
پریشاں صورتِ سنبل کیے بال

ہُوا جینا اُسے بے رام مشکل
نہ لائی تاب ہجرِ گل عنادِل

فراقِ رام کب ہو اُس کو منظور
غضب ہے شمع سے پروانہ ہو دُور

سیا پھر آئی پیشِ مادرِ رام
پریشاں موئے زلفِ عنبریں فام

ہوئی پابوسِ خوشدامن ادب سے
ہوئی رخصت کی خواہاں رو کے سب سے

ہوئی دلگیر خوشدامن یہ سُنکر
کہا اے راحتِ دلہائے مضطر

بیاباں میں نہیں عورت کا ہے کام
نہ کر برباد ناحق ننگ اور نام

کہا سیتا نے اے خوشدامنِ پاک
نہوں جانے سے میرے آپ غمناک

نہیں بہتر ہے اِس سے کوئی دولت
کرے عورت جو شوہر کی اطاعت

رہا کب دامنِ شوہر ہو زن سے
کہیں سایہ جُدا ہوتا ہے تن سے

رواقِ طاق و منظر کا اُڑا رنگ
ہُوا غم سے مُشبک سینۂ سنگ

زبس تھے غم سے گریاں سقف و دیوار
نظر آتے تھے روزن چشمِ خونبار

مکانِ شاہ کے ہر طاق و منظر
پئے گریہ تھے شکلِ دیدۂ تر

ہزاروں چشم سے روتا تھا دریا
حباب اُس کے ہوئے دیدے سراپا

کیا غم سے سحر نے پیرہن چاک
اُڑائی سر پہ اپنے شام نے خاک

جہاں گریاں تھا سب آہ و فغاں سے
فرشتے گل فشاں تھے آسماں سے

نہ کھولی آنکھ ایسی شہ نے کی بند
یکایک جبکہ چھوٹے دونوں فرزند

زمیں پر شاہ تھا اِس طرح بیتاب
کہ ہو جس طرح سے آتش پہ سیماب

لہو تھا ہر بنِ مژگاں سے جاری
پسند آنکھوں کو آئی اشکباری

اودھ میں زاغ نالاں بن میں بلبل
اُگے کانٹے یہاں ہوئے وہاں گل

چلے جبدم اودھ سے رام و لچھمن
گرا لنکا میں سر سے تاجِ راون

خوشدل - محمد حمید الظفر خان رامپوری خلف عباس خان - زندہ دل شخص ہیں اور اسی وجہ سے اپنے حسب حال تخلص تجویز کیا ہے - مرزا عابد حسین اوج رامپوری کے تلامذہ میں ہیں رامپور کے مشاعروں میں شریک ہوتے ہیں -

یاد آ کے وہ تبسم ہمکو رُلا رہا ہے
سوزِ غمِ محبت دل کو جلا رہا ہے

ہر لحظہ سامنا ہے تازہ مصیبتوں کا
یہ عشق تیرا مجکو کیا کچھ دکھا رہا ہے

حالِ زبوں ہمارا کیا پوچھتا ہے ہم سے
کچھ تو ستا رہا ہے کچھ غم ستا رہا ہے

کس شوق سے ہم اُسکی صورت کو دیکھتے ہیں
کس ناز سے وہ اپنے مُنہ کو چھپا رہا ہے

الفت نے تیری ظالم آخر ہمیں مٹایا
اب کیوں ستا رہا ہے اب ہم میں کیا رہا ہے

ایک دن تھا وہ کہ تیرا کوچہ تھا اور ہم تھے
جنگل میں جوشِ سودا اب تو پھرا رہا ہے

میں محو ہوں یاد تیری رہتی ہے پھر دل میں
تو وہ ہے اپنے دل سے مجھکو بھلا رہا ہے

اُس شوخ کا بگڑنا تقدیر کا تھا بننا
باہیں گلے میں ڈالے خوش دل منا رہا ہے

اس سے عشاق کو ملتی ہے حیاتِ جاوید
آبِ حیواں ہے کہ خنجر کا ترے پانی ہے

خوشوقت - منشی خوشوقت رائے صاحب عرف راجہ بینی جی تخلص خوشوقت شاگرد آتش و میر وزیر علی صبا بخشی الملک راجہ لالجی بہادر بخشی زمانہ شاہی لکھنو کے بیٹے تھے گاہ گاہ ست تخلص بھی کر لیتے تھے - غدر کے دس بارہ برس بعد انتقال کیا - لکھنو کے عمائد میں گنے جاتے تھے اور کبھی کبھی فکرِ سخن سے دل بہلاتے تھے - کلام بہم رسیدہ کا یہ انتخاب ہے ؛

گیسوؤں کا جو لئے دام وہ گلفام آیا
بلبل دل مرا خود اُڑ کے تہ دام آیا

تخت و تاج و علم و طبل شہنشاہوں کا
سب دھرا رہ گیا جب موت کا پیغام آیا

نہ پوچھو درد کہاں سینے میں ہے عاشق کے
غش آ گیا ہے ابھی تو جگر جگر کرتے

شکلِ مہ و خورشید تو کب دل میں گڑیگی
جب آنکھ پڑے گی کسی آونچے پہ پڑیگی

اِس دل کے لگانے کا ہم انجام نہ سمجھے
بہتر ہیں یہ برچھی نہ کسی طرح گڑے گی

نوکِ مژۂ یار کا کرنا نہ تصور
نکلے گی نہ پھر دل میں جو یہ پھانس گڑیگی

جو صلح کی تدبیر عبث یار سے خوشوقت
الجھائیگا خود آپ سے قسمت جو لڑیگی

عجب کمال پہ جوبن ترا شباب میں ہی
یہ ضو نہ نور نہ مہ میں نہ آفتاب میں ہی

ادا جان لیتی ہے جانی تمہاری
قیامت ہوئی ہے جوانی تمہاری

فدا تم پہ میں ہوں تم اوروں کو چاہو
یہ قسمت مری قدر دانی تمہاری

تمہارا ہے ورد زباں ذکر ہر دم
وظیفہ مرا ہے کہانی تمہاری

یہ خوشوقت آتش کے فیض و کرم سے
زبان زد ہوئی خوش بیانی تمہاری

خیال - غلام حسین خان خیال برادرزادہ و شاگرد برکت اللہ خان برکت شاعر فارسی بہت پہلو شاعر تھے - ایک لاکھ شعر کے قریب کہے تھے - بیگم شمرو کے ملازم تھے - ۱۸۴۳ء میں انتقال کیا سُنا ہے کہ پانی پت میں انکے دو دیوان موجود ہیں - یہ انکے کلام کا نمونہ ہے -

تجھے تو غیر کو منظور منہ دکھانا تھا
نقاب کھولنا گرمی سے اک بہانہ تھا

پھر گئے سر سے ہوا خانۂ مجنوں آباد
پاؤں جب ہمنے دھرا آنکے دیرانے میں

حاضر ہیں ہم تو آؤ شمشیر کیں نکالو
جو دل کی آرزو ہو اُس کو کہیں نکالو

جو ہم افشاں ہو ہماری خاک پر غافل کبھی
ہم بھی لے ساقی تری محفل کے میخواروں میں تھے

مژگاں کی یہ کاوش نہیں ناوک فگنی ہے
ابرو کی اشارت نہیں شمشیر زنی ہے

تیرا شگفتگی پر دل آیا ہے اے خیال
اے غنچۂ افسردہ تجھے بھی ہوا لگی

خیال - منشی جیسکھ رائے خیال کایستھ دہلوی - فارسی شعر بھی کہتے تھے - شاہ نصیر کے ہمعصر تھے - کلام درد انگیز ہے - زبان، بندش، مضمون، سب خوبیاں لایق داد ہیں - افسوس ہو کہ باوجود تلاش اِسی قدر اشعار ایک بیاض میں سے دستیاب ہوئے ہ۔

تو جور و ستم کر نہ سکھائے سے کسی کے
کچھ پھل نہیں پائیگا ستائے سے کسی کے

حسرت ہی رہی جی میں مرے آہ پس از مرگ
بالیں پہ دمِ نزع نہ آئے سے کسی کے

اے یاسمن اُس سے نہ مقابل ہو کہ جس کا		مَیلا ہو بدن ہاتھ لگائے سے کسی کے
پھر داغ جگر ہو گئے غیروں کے بھی تازہ		تربت پہ مری پھُول چڑھانے سے کسی کے

خیال۔ مولوی محمد ریاض حسن خان خلفِ اوسط مولوی حکیم محمد ہادی حسن خان نایاب رئیس اعظم موضع رسول پور ضلع مظفر پور۔ ترتیب تذکرۂ ہذا کے وقت جو حالات آپنے قلمبند کرکے بھیجے اُن کا خلاصہ یہاں درج ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ "میری ددھیال۔ ننھیال دونوں شیخ ہیں آبا و اجداد ہمیشہ صاحب اعزاز و امتیاز رہے۔ عہد مغلیہ میں جو عزت و ناموری اُنہوں نے پیدا کی اُن پُرانی باتوں کا تذکرہ فضول ہے۔ عہد انگلشیہ میں میرے پردادا مولوی مولا بخش خان بہادر سی۔ آئی۔ ای نے غدر کے زمانے میں گورنمنٹ اور ملک کی جو خدمتیں کیں اُن کا ذکر کتابوں میں موجود ہے چنانچہ گورنمنٹ نے اُنہیں اسٹار آف انڈیا (نجم الہند) کا خطاب دیا۔ اُنکے بڑے صاحبزادے حاجی محمد امیر حسن خان مرحوم و مغفور میرے دادا تھے۔ میں رجب ۱۲۹۴ ہجری کو پیدا ہوا۔ چنانچہ ایک ترکیب میں خود کہتا ہوں۔

در ہزار و دو صد و چار و نود ہجری سال		روز اثنا عشر از ماہِ رجب پیش زوال
پیکرِ خاکی من از عدم آمد بوجود		ہمچو نجمے کہ زبیت الشرف آید بوبال

میں چھ برس کا تھا کہ باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ دادا نے تعلیم و تربیت کی۔ فارسی عربی مختلف اُستادوں سے پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ جن میں سب سے زیادہ حکیم حافظ سید فرزند علی صاحب دہلوی سے استفادہ ہوا۔ شعر و سخن کا مجھے بچپن ہی سے شوق تھا۔ چھ سات برس کی عمر میں ڈیڑھ دو ہزار اُردو فارسی اشعار یاد تھے۔ اور مجھے خوب یاد ہے کہ اس عمر میں بھی مَیں بعض اچھے شعروں سے متاثر ہوتا تھا۔ گیارہ برس کی عمر سے میں نے شعر کہنا شروع کیا۔ چنانچہ میری پہلی غزل کا پہلا شعر یہ ہے۔ ؎

تیری اے حور غضب ہیں آنکھیں		چشمِ بد دُور غضب ہیں آنکھیں

جب تک مولٰنا فرزند علی بیتاب دہلوی مرحوم یہاں رہے اُن کو کلام دکھاتا رہا۔ پھر

رمضان ۱۳۱۱ ہجری میں حضرت داغ مرحوم سے تلمذ اختیار کیا۔ اُردو میں میرا تخلص خیال ہے اور فارسی میں تو انش۔ فارسی میں جناب خواجہ عزیز الدین صاحب عزیز لکھنوی کے فیض اصلاح سے مشرف ہوتا ہوں۔ اب شعر و سخن کا اتفاق کم تر ہوتا ہے۔"

جناب خیال واقعی ایک عمدہ ، با مذاق طبیعت و قابلیت کے شخص ہیں۔ فارسی میں بہت اعلیٰ قابلیت رکھتے ہیں۔ علاوہ نظم کے موجودہ زمانے کی روشنی کے موافق نثر بھی اچھی کہتے ہیں اس زمانے میں آپنے ایک فارسی مشہور کتاب نامہ دانشوران ناصری کا اُردو میں ترجمہ کیا ہے جو انجمن ترقی اُردو نے پسند کیا اور جسکی صحتِ زبان کی مولانا شبلی جیسے ماہر نے داد دی علاوہ شعر و سخن کے شکار کا بھی شوق ہے نشانہ اچھا لگاتے ہیں۔ راقمِ تذکرہ سے خط و کتابت رہتی ہے۔ کلام بہم رسیدہ میں سے کچھ اشعار منتخب ہو کر درج کیے جاتے ہیں۔ زبان درست بندش چست مضامین صاف عاشقانہ رنگ میں کہتے ہیں۔ اپنے والد کا دیوان بھی آپنے اپنے کلام کے ساتھ ارسال کیا تھا۔ اب انکا کلام ملاحظہ ہو جو اُن غزلوں سے انتخاب کیا گیا ہے جو خود جناب خیال نے مؤلف تذکرہ کو ارسال کی تھیں۔

یہ نہ کہیئے کہ مجھ پہ کس کا حق — بندہ پرور میری محبت کا

معشوق کی خامشی میں بھی اظہار ہے خیال — رستہ بتلاتے ہیں لبِ خاموش نقشِ پا
جمال ان میں جلال ان میں پھر اس پہ شانِ استغنا — بتوں میں کیا کہوں جلوہ مجھے کس کا نظر آیا
گوشۂ خلوت، دلکو فراغت رات سہانی جوشِ جوانی — یار بغل میں ہاتھ میں بوتل آج مزا ہے بادہ کشی کا
دیکھ خیال آئینہ لگا کر کیسی اُداسی چھائی ہے منہ پر — ۱ — کہتے نہ تھے ہم عشق و محبت جان کا گھن ہے روگ ہے جی کا

صاف طینت صاف باطن ہے خیال — جب ملا جس سے ملا دل سے ملا
اللہ اللہ رے اُس بت کا جمال — دیکھ کر جسکو خدا یاد آیا
ہائے بوسی ہے عبث بے فیض کی — دیکھیے کیا دریا کو ساحل سے ملا
دیکھ لی ہمنے سخاوت آپ کی — ایک بوسہ وہ بھی مشکل سے ملا

کیا بات ہے عدم میں کہ دُنیا سے جو گیا — آیا نہ پھر پلٹ کے وہیں کا وہ ہو گیا
دلدار کی ہوس میں دلِ پناہی کھو گیا — لالچ میں فائدے کی یہ نقصان ہو گیا
خوش ہوں کہ باوفا تو ہوں اُنکی نگاہ میں — ہر چند سر گیا وہ مجھے مان تو گیا
میرا سوال جو حل۔ پھر اُنکی وہ گالیاں — پھر پوچھنا وہ طنز سے دیکھئے سنا جواب
جس سے دیکھا چار دن دیکھا ملاپ — یہ بھلا کس کام کا تیرا ملاپ
دشمنی کی ابتدا ہے دوستی — وہ ہی بگڑا ہے جس کا تھا ملاپ
مل گئیں آنکھیں تو اس کی کیا خوشی — لطف جب ہے دل سے ہو دل کا ملاپ
رہ رہ کے تو نے ہو کیا خنجر دو دم کو — گردن پہ پھیر بھی دے اب تنی ہر دم پر
پھیلا ہے نور اُسکا سارے جہان میں یکساں — اے کعبہ والے تمکو کیا ناز ہے حرم پر
کسکے یہ نقش پا ہیں کوئے عدو میں یارب — سر جھکا ہی دیا اپنا سجدے کو ہر قدم پر
اُس ہنسنے نے میرے دل میں گھر کر لیا تو ہے — آخر بتوں کا قبضہ اک روز تھا حرم پر
دیکھا ہے جب سے اُسکو اپنے نڈھال کیوں ہو — خود روتے ہو خیال ب ہنستے تھے پہلے ہم پر

وں ہاتھ کیسی ہچو دی چھائی یہ قاتل پر — وہ بیٹھا ہے چھری رکھے گلوئے نیم بسمل پر
ں دیکھا ہے جسنے اُسکو اکثر ہو ہی جاتا ہے — تمھارے چاند سے چہرہ کا دھوکا ماہِ کامل پر
طالع نے قسمت خط اُس کا میرے پاس آیا — کبھی رکھتا ہوں آنکھوں پر کبھی سر پہ کبھی دل پر
نوبردہ سمجھا ہے یہ دودِ آہ ہے مجنوں — ذرا آنکھیں جاکر دیکھنا لیلی کے محمل پر

گئے جو فاتحہ کو پڑی آنکھ یار پر — شیشہ بجائے سنگ ہو میرے مزار پر
محشر میں کچھ نہ داور محشر سے کہہ سکا — رحم آگیا مجھے نگہ شرمسار پر
چتون تو کہہ رہی ہے وفا نام کو نہیں — دل دے جو کوئی تمکو تو کس اعتبار پر
قیس اپنی دھن میں ہو اُسے اسکی خبر نہیں — محمل میں کیا گذرتی ہے محمل سوار پر
کیا کس کی نگہ نے اسکو بیتاب — تڑپتی کیوں ہے بجلی آسمان پر

بہار می زندگی ہے آپ کے ہاتھ
نہیں پر مرتے ہیں جیتے ہیں ہاں پر

ہمیں سے تو ستم بے شمار جھیلے ہیں
ہمیں تو ہیں کرم بے حساب کے قابل

دم ملے وصلِ صنم کے لئے حرم کو گئے
چلے گناہ کو ٹھہرے ثواب کے قابل

کباب دل ہو تو جتنا ہو نشۂ مے عشق
گزک ہے خاص یہی اک شراب کے قابل

نہ آئی دخترِ رز لب میں جناب شیخ کے اب تک
نہ ہو کس طرح شک رندوں کو حضرت کی کرامت میں

خبر کیا تم پوچھتے ہو اپنے بیمارِ محبت کی
جو دم ارمان میں ٹوٹا تو نکلی جان حسرت میں

شہرت ہوئی تمہاری ہمارے ہی عشق سے
معشوق جس نے تم کو بنایا ہمیں تو ہیں

ہے بندگی کے جسکو ہو انعام کی امید
عاصی ترے وہ بارِ خدایا ہمیں تو ہیں

آئینہ دیکھتے ہیں تو کہتا ہے اُن سے عکس
تم سا حسیں ہی جس پہ ہو شیدا ہمیں تو ہیں

کل دیکھ کر خیال کو تسکین ہو گئی
سمجھے تھے ہم کہ شہر میں رسوا ہمیں تو ہیں

نہ طاقت فغاں کی نہ ضبطِ فغاں کی
یہ زور روں پہ ہے ناتوانی ہماری

اِس تغافل کو ہمیں جانتے ہیں
یہ بھی اک طرح کی ہشیاری ہے

گالیاں دینے لگے جب خوش ہوئے
یہ نئی بخشش نیا انعام ہے۔

یہ بلا شرحِ مصیبت پر جواب
دل لگانے کا یہی انجام ہے

ہوش اک جلوہ میں لیلے وہ جمال اُن کا ہے
دل کو بیتاب جو رکھے وہ خیال اُن کا ہے

آج رہ رہ کے جو یوں عذرِ جفا ہوتا ہے
کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ کیا ہوتا ہے

لذتیں عالمِ امید کی برحق لیکن
عالمِ یاس میں کچھ اور مزا ہوتا ہے

چپ رہوں تو وہ سمجھتا ہی کچھ آزار نہیں
اور دکھ درد سناؤں تو خفا ہوتا ہے

لے چکے دل تو پھر اب روٹھ ہو بیکار خیال
چوک جب ہو گئی پچھتانے سے ہوتا کیا ہے

جب کہا ایفائے عہدِ وصل کو کہنے لگے
کیسا وعدہ؟ کب کا وعدہ؟ ہو مجھے کچھ یاد بھی

یہ وفا، یہ جاں نثاری، یہ جگر، یہ دل کہاں
بندہ پرور غیر پر کی ہے کبھی بیداد بھی

جو گرا قصرِ محبت میں نہ اُبھرا وہ خیال	کیا بڑی اُفتاد ہے یہ عشق کی اُفتاد بھی
قدرِ وفا نہ ہو جب بے سود پھر وفا ہے	کچھ اور اب ارادہ ہم نے بھی کر لیا ہے
آنے کی کس کے اے دل اُمید کر رہا ہے	جھوٹا زمانہ بھر کا وہ ایک چالیا ہے
آنکھوں میں یہ کھٹکنے والی دل میں تڑپنے والی	تیری ہر ایک شوخی تیری ہر اک ادا ہے
تم جانو یا نہ جانو جو حال ہے ہمارا	اللہ دیکھتا ہے اللہ جانتا ہے
سیماب، شمع، بجلی، ہیں بیقرار تینوں	عاشق کی بیقراری سب سے مگر سوا ہے
آنکھ اُس سے کیوں ملائی؟ کیوں تو نے چوٹ کھائی	میں دل سے پوچھتا ہوں دل مجھ سے پوچھتا ہے
جب تک بغل میں دل تھا یہ تجربہ نہیں تھا	مشہور ہے کہ انساں کچھ کھو کے سیکھتا ہے
ناصح تجھے خبر کیا وہ خوب رو ہے کیسا	ہم کیا مٹے ہیں اُس پر عالم مٹا ہوا ہے
سینے سے ہم لگائے رہتے ہیں داغِ دل کو	کیونکر نہ ہو پیارا کس کا دیا ہوا ہے
کیا مفت چاہتا ہوں کچھ بھیک مانگتا ہوں	دینا ہی ہوگا بوسہ جب نقدِ دل لیا ہے
رسوائیوں کا تیری پھیلا خیال چرچا	جس سے جہاں ملے ہیں یہ تذکرہ سنا ہے
نیند آئی شام کو کچھ بات ہے	یہ ہمارے ٹالنے کی گھات ہے
چال اسکے ساتھ کچھ چلتی نہیں	عشق کی بازی ہمیشہ مات ہے
گالیاں ملتی ہیں جب کیجے سوال	حسن والوں کی یہی خیرات ہے
تعجب ہے کہ پیری میں بھی داغِ عشق باقی ہے	سحر ہوتے ہی ورنہ شمع اُٹھ جاتی ہے محفل سے
مری حالت وہ پوچھیں سُن کے رو دیں میں نہ مانوں گا	مرے خوش کرنے کو قاصد نے یہ باتیں گھڑیں دل سے
مری مشکل کی آسانی ہوئی ہے کیسی مشکل سے	نزاکت سے چھٹا پڑتا تھا خنجر دستِ قاتل سے
تم اپنے طالبِ دیدار سے ناحق اُلجھتے ہو	جو اربابِ ہمم ہیں جھک کے ملتے ہیں وہ سائل سے
جنابِ داغ کا فیضان ہے یہ شاعری اپنی	خیال اس فن کو سیکھا ہے بڑے اُستادِ کامل سے

خیال

خیال ۔ ابوالمعانی جناب مولوی سید محمد علی صاحب شاہجہان پوری تلمیذ امیر مینائی لکھنوی

آپکے والد محمد اکبر علیخان شاہجہانپور کے باشندے تھے۔ جناب خیال غالباً شاہجہان پور کی عدالت میں مختاری کرتے ہیں۔ شعر خاصہ کہتے ہیں اور کسی رنگ میں بند نہیں۔ زبان بیان مضمون سب باتوں کا خیال رکھتے ہیں۔ آپنے شعر وسخن کا ایک رسالہ بھی جاری کیا تھا مگر اب عرصہ سے بند ہے۔ الغرض شاہجہان پور میں جہاں اچھے شاعروں کی کمی نہیں انکے کلام کی بھی اچھی خاصی شہرت ہے۔ ۵۴ برس کے قریب سن ہے کچھ کلام نظر سے گزرا اسکا انتخاب حاضر کیا جاتا ہے۔

کوئی پرسانِ حالِ جینوا ابتک نہیں آیا — ترے بسمل کا پیغام قضا ابتک نہیں آیا
یہ کیا ہو کیوں چھپایا منہ مجھے حیرت زدہ پاکر — تمہیں افسوس اندازِ حیا ابتک نہیں آیا
دیکھے کوئی عروج تری جلوہ گاہ کا — ایک ایک کوہِ طور ہے ہر سنگ رہ کا
لاکھوں فریب ایک وہ اندازِ گفتگو — لاکھوں فتور ایک کرشمہ نگاہ کا

تم اپنے گریبان کی خیر مانگو — بلا سے ہوا چاک دامن کسیکا
قیامت ہی آنے میں میری طبیعت — بلا ہے ابھرنے میں جوبن کسیکا

نیا نیا ہے ابھی شوق خود نمائی کا — خدا نہیں ابھی سامان ہی خدائی کا
اسی کی چشم کی گردش کا آسماں بسمل — شفق شہید اسی پنجۂ حنائی کا
دکھایا مجکو جو وحشت نے وادیٔ پُرخار — کہا جنوں نے یہ حق ہے برہنہ پائی کا
بتوں کو پیار کرے جان کھوئے دل کھوئے — اور انکے سامنے جھوٹا بنے خدائی کا
نہ پوچھ اے مرے وعدے کے بھولنے والے — اجل کو یاد ترے اعتبار پر نہ کیا

بٹھایا ہے مجھے خاموش رعب حسن نے لیکن — بتایا ہے نگہ کو لوٹ جانا تیرے جوبن پر
نگاہِ شرمگیں سے اسنے جب دیکھا یہ دل بولا — کوئی تیر اور بھی ظالم ابھی میں نیم بسمل ہوں
واہ رے خوبیٔ قسمت یہ سنا ہے کہ وہ آج — میری تقدیر کا دشمن سے گلا کرتے ہیں
افشاں جبیں پہ دوش پہ گیسو چھٹے ہوئے — طرفہ چراغ جلتے ہیں کالوں کے سامنے

ساقی کی مست آنکھوں پہ دل لوٹے جاتے ہیں
شیشے جھکے ہوئے ہیں پیالوں کے سامنے

کیا جلوہ بیحجاب ہو جب گر پڑیں کلیم
اُٹھتا ہے لُطف دیکھنے والوں کے سامنے

ستم ہے حشر میں وہ مُسکرا کر مجھ سے کہتے ہیں
اِدھر تو دیکھنا کسکی شکایت ہونیوالی ہے

ق

نامہ بر مجھ سے پوچھتا کیا ہے؟
ہیں نشاں صاف کوئے قاتل کے

کہیں پُرزے اُڑے ہوئے خط کے
کہیں ٹکڑے پڑے ہوئے دِل کے

کھینچ ناوک تو نہ ظالم یہ جفا رہنے دے
ایسے مہماں کو کلیجے سے لگا رہنے دے

زندگی کے مزے اُٹھائیں گے
ہو کے مہمان تیغ قاتل کے

الٰہی کیا کروں حسرت بھری آنکھ
اُنھیں ضد ہے محبت کی نظر سے

خیال اس درد کا رہ رہ کے اُٹھنا
کوئی پوچھے مرے دل سے جگر سے

درد تھمتا ہے تو کس پیار سے دِل کہتا ہے
اُٹھ مرے راتوں کو اُٹھ اُٹھ کے جگانیوالے

کوئی دم اور ٹھہر جایئے جلدی کیا ہے؟
آپ کیا ہم بھی تو ہیں آپ سے جانیوالے

مقدر میں عشق بتاں لیکے آئے
ازل سے غمِ جاوداں لیکے آئے

وہ کہتے ہیں سنکر مری حسرتوں کو
تم آئے کہ اک کارواں لیکے آئے

سچلے گا نہ یاں تیرے خنجر کا فقرہ
وہ گویا ہاتھ بھر کی زباں لیکے آئے

سلام اب تو جلتے ہیں اے کعبہ والو!
یہاں ہمکو وہم و گماں لیکے آئے

کہاں ہیں خیال اور کہاں کوئے قاتل
بڑے اک مرے مہرباں لیکے آئے

خیال

خیال سید شمس الحق نام گلاؤٹھی ضلع بلند شہر کے رہنے والے منشی امتیاز احمد خان صاحب راز رامپوری کے تلمیذ رشید ہیں عرصہ چھ سات سال سے ریاستِ رامپور میں وکیل ہیں کلام بامزہ ہوتا ہے۔ زبان کی جانب توجہ ہے مضمون بھی خوب نکالتے ہیں۔ رامپور کے مشاعروں میں شریک ہوتے ہیں۔ پڑھتے بھی اچھا ہیں۔ بدرجۂ اوسط تمام خوبیاں اِنکے کلام میں موجود ہیں۔ اگر موجودہ مشق جاری رہی تو عنقریب اچھا کہنے والوں میں انکا شمار ہوجائیگا

مضمون میں شوخی اور طبیعت میں جدت بلا کی ہے، روزمرہ صاف اور بندش بہت چست ہے

ترا غم بھی دل سے جدا کر دیا — الٰہی اجتو آ تخلیہ کر دیا
یہ کیوں تم نے محشر بپا کر دیا — یہ کیا تم کو سوجھی یہ کیا کر دیا
خزاں دیدہ تھا زندگی کا چمن — محبت نے کچھ کچھ ہرا کر دیا
لے عمر رفتہ تو پوچھونگا میں — تجھے کس نے مجھ سے خفا کر دیا

جان نثاری کے یہ انعام دیئے جاتے ہیں — اُلٹے سید سے مجھے الزام دیئے جاتے ہیں
کچھ زباں ہم بھی ہلائیں تو پھر اچھا کیا ہو — آپ دشنام پہ دشنام دیئے جاتے ہیں
بادۂ ناب نہیں، بادۂ کوثر، واعظ! — اسکی قیمت میں کھرے دام دیئے جاتے ہیں
مفت دو گھونٹ پلا دے ترے صدقے ساقی — ہم غریبوں سے کہیں دام دیئے جاتے ہیں
اور کچھ گانٹھ گرہ میں نہیں اُسکی ساقی — شیخ جی جامۂ احرام دیئے جاتے ہیں
رند دستار فضیلت نہ اُتاریں واعظ — آپ میخانے سے بے دام دیئے جاتے ہیں

جب رُخ سے ترے نقاب سرکی — آنکھیں روشن ہوئیں نظر کی
لایا ہے جواب میرے خط کا — ہو عمر دراز نامہ بر کی
بل کھا کے خیال میں بھی آئی — اللہ رے نازکی کمر کی
کیوں وصل دعا پہ منحصر ہو — محتاج ہے خود دعا اثر کی
ہر کام ہے دوسرے کے بس میں — اللہ رے بے بسی بشر کی
دم بھرتے ہو میری دوستی کا — یہ آج ہوا چلی کدھر کی
آفت ہے شباب کی تجلّی — کیا دھوپ کڑی ہے دوپہر کی
اُس بت کو خیال دیدیا دل — کچھ قدر نہ کی خدا کے گھر کی

تمہارے کوچے میں تیری دید کی خواہش تو کیا لائی — ہماری موت آئی گھیر کر ہمکو قضا لائی
اجل روٹھی ہوئی تھی آپکے بیمار فرقت سے — خدا رکھے سلامت جانکنی کو یہ منا لائی
بھری محفل میں ہمآغوش غیروں سے تجھے دیکھا — یہی اک دیکھنا باقی تھا، یہ قسمت دکھا لائی

خطا کیا دل کی مجرم آنکھ ہے لاکھوں میں ہم کہدیں
مصیبت کے دنوں سے عیش کے دن جب مجھے بدلے
عدو بدلے تو بدلے ہوں مگر ہم تجھ سے کب بدلے
مجھے دم توڑتے دیکھا تو ڈر کر پھیر لی آنکھیں
یہ کیوں تیوری چڑھاتے ہو یہ کیوں آنکھیں دکھاتے ہو
خیال اب تو ہوا بزم سخن کا اور ہی عالم
خیال تنہا نہیں کوئی جو پوچھے بات بھی دلکی
دلِ بیتاب چٹکی سے مسل کر وہ یہ کہتے ہیں
پرائی آگ میں اے سوزِ الفت کون پڑتا ہے
کہا جب میں نے تم کس واسطے دشمن سے ملتے ہو
کوئی جینے سے خوش ہوتا ہے یہ مرنے پہ مرتا ہے
کہے دیتے ہیں یہ کھولیگی اک دن رازِ الفت کو
جفا کا ڈھنگ طرزِ جور اڑانا کوئی آساں ہے
یہ راہِ عشق بھی دنیا کی راہوں سے نرالی ہے
نہ آیا کام میرے کوئی بھی صحرائے غربت میں
اٹھا رکھی ہو جو میں نے کوئی تدبیر ایسی ہے
گلہ جور و ستم کا ہے نہ شکوہ ہے جفاؤں کا
دکھا دینگے کسی دن بے بلائے کون آتا ہے
خدایا کیوں مرے ہی کام بن بن کر بگڑتے ہیں
خیال اس بت سے نکلے کام یہ کہنے کی باتیں ہیں

یہی اُسنے لڑی تھی، ہاں یہی ہم پہ بلا لائی
خیال، اغیار کا تو ذکر کیا ہے دوست سب بدلے
وہی جیسے کے تیسے ہیں نہ جب بدلے نہ اب بدلے
ہیں صدقے مجھ سے بدلے بھی جو تم نکلے تو کب بدلے
یہ کس دن کی عنایت کے لئے جاتے ہیں اب بدلے
جو پہلے رنگ تھے انداز تھے وہ سب کے سب بدلے
رلاتی ہے مجھے آٹھ آٹھ آنسو بیکسی دلکی
یہی دل ہے اجی تعریف کرتے تھے اسی دلکی
مرے آنسو ہی آ آ کر بجھاتے ہیں لگی دلکی
تو وہ آنکھوں میں آنکھیں ڈالکر بولے خوشی دلکی
زمانے سے نرالی زندگی ہے زندگی دلکی
خیال اچھی نہیں ہر لحظہ ہر دم بیخودی دلکی
ابھی کچھ روز گردوں اُس ستمگر کے چلن دیکھے
کہ جس میں ہر قدم پر راہزن ہی راہزن دیکھے
خیال اپنی غرض کے یار یارانِ وطن دیکھے
مگر مشکل ہے تیرا وصل، کب تقدیر ایسی ہے
کہ عادت ہی تری اے آسمانِ پیر ایسی ہے
بتا دینگے کہ جذبِ عشق کی تاثیر ایسی ہے
الٰہی کیا مجھی کم بخت کی تقدیر ایسی ہے
کہ میں ایسا نہ میری خوبیٔ تقدیر ایسی ہے

خیال محمد صفدر علیخان خیال شاگرد امیر سنہ ۱۸۹۲ء میں دفتر امیر اللغات میں کام کرتے تھے

خیال

[illegible] حال معلوم نہ ہو سکا۔ کچھ منتخب اشعار درج کئے جاتے ہیں بغرض خاصہ کہہ لیتے ہیں۔

دل بیمار کو مجھ کو کبھی اچھا دیکھا
وصل میں ہجر میں اس بت کی تماشا دیکھا
غیر ہے آپ کو کس طور پہ کیوں غش کھا کر
بوسے لینے مریا بیمار انہیں کرنے نہ دیا
پاس ہیں ہوتے تو کاہے کو یہ جھگڑا ہوتا

عمر بھر دام غم و رنج میں الجھا دیکھا
عاشقوں کو کبھی مرتا کبھی جیتا دیکھا
کچھ تو فرمایئے کیا حضرتِ موسیٰ دیکھا
کبھی آئے بھی تو شوخی نے ٹھہرنے نہ دیا
آسرا دیکے مجھے آپ نے مرنے نہ دیا

خیالی جناب محمد نسیم اللہ صاحب مبارکپوری شاگرد مہرِ غازیپوری ۱۹۰۲ء کے نسیم دکن سے کلام منتخب ہوا معمولی کہنے والوں میں ہیں، چند اشعار انکے نتائج افکار سے درج کئے جاتے ہیں +

چاہتا عزت نظر رکھتا اگر تو قیر پر
کانپ اٹھے عرش والے بھی شبِ فرقت مگر
کر گیا سُرمہ اثر پہلے نگاہ ناز سے
چھوٹنا مشکل ہے صیادِ اجل کے دام سے

اے خیالی مبتلا ہوتا نہ رانجھا ہیر پر
اُف نہ کی اُس سنگدل نے آہ پُر تاثیر پر
لیگیا بازی بُت کافر کا جادو تیر پر
لاکھ سر ٹپکا کرے مارا کرے نخچیر پر

شیشہ و ساغر نہ محفل میں سبو درکار ہے
غزالانِ ختن کے ہوش ہوتے ہیں خطا جس سے
خیالی یادِ زلفِ یار میں کاٹے نہیں کٹتی

ساقی مہوش سے کہدو ایک تو درکار ہے
کہاں کھولے ہیں گیسو یار نے خوشبو کہاں تک ہے
درازیٔ شبِ فرقت خدا جانے کہاں تک ہے

خیالی منشی محمد فخر الدین خیالی خلف مولوی عبد العلی متوطن رائے بریلی ۱۲۵۶ھ میں پیدا ہوئے۔ عربی و فارسی دان تھے فن طب میں بھی دخل تھا اور علم عروض و قوافی میں کمال حاصل تھا فن سخن میں منشی امیر اللہ صاحب تسلیم سے لکھنو جا کر استفادہ کیا، وہ نہایت توجہ سے انکی غزل بناتے تھے تکمیلِ علوم و فنون کے بعد ریاستِ حیدرآباد دکن میں کچھ عرصہ تک چالیس روپیہ ماہوار پر ملازم رہے۔ پھر بھوپال میں ملازمت اختیار کی۔ انکی تصانیف سے "منشر خیالی" در مدح شاہ جہان بیگم والی بھوپال اور ایک ضخیم مثنوی چار سو صفحہ کی زیور طبع سے

آراستہ ہو چکی ہے۔ دو مثنویاں اور ایک دیوان ہنوز غیر مطبوعہ ہیں۔ فارسی میں سیّد محمد محمود صفہانی سے اصلاح لی ہے۔ شاعری میں آپکا انداز کلام منیر سے ملتا ہے۔ فارسی اور اُردو۔ دونوں زبانوں میں فکرِ سخن کیا کرتے تھے۔ شاگردوں میں حکیم محمد فدیر، فکر نظام آباد دکن میں سرشتہ دار ہیں۔ کلام سے علمی قابلیت مترشح ہوتی ہے۔ انتخاب یہ ہے

تن دل میں مرے یاد آئی جب ہے تیری جاں ہو کر ۔۔۔ فراموش آپ کو میں نے کیا ہے بے نشاں ہو کر
نہ پہنچا کا خیالی تو کبھی اُس شوخ کے در تک ۔۔۔ جو پہنچا گوشِ گل میں بھی تو بلبل کی فغاں ہو کر
کیا بیخود کسی کی نرگسِ مخمورِ شہلا نے ۔۔۔ رخِ گلگوں دکھایا آج مجکو جامِ صہبا نے
بہت کھینچا پھرا میں گوشہ گوشہ سخت جانی سے ۔۔۔ کباب کی طرح کھینچا مجھے میری تمنا نے
خیالِ روئے رنگیں نے خیالی کردیا مجکو ۔۔۔ مرا مرنے پہ بھی دامن نچھوڑا طبعِ شیدا نے
حسرت برس رہی ہے مری مشتِ خاک پر ۔۔۔ چادر نہ پھول کی ہے نہ شمعِ مزار ہے
دکھلا رہا ہے چرخ پسِ ازمرگ رفعتیں ۔۔۔ بادِ صبا کی دوش پہ میرا غبار ہے

خیر۔ ابو الخیر مظہر عالم قاضی بہروی باشندہ دربھنگا۔ دورِ موجودہ کے کہنے والوں میں ہیں بہار میں انکے کلام کی خاصی شہرت ہے۔ چالیس برس کے قریب عمر ہے۔ یہ کلام کا خلاصہ ہے

یہ وہ نکتہ ہے کہ سمجھیں اسے اسرار پسند ۔۔۔ ہے فرشتوں کو بھی خالِ رخِ دلدار پسند
سرِ شوریدہ کو چوکھٹ پہ مجھے رکھ دینا ۔۔۔ اب کرے یا نہ کرے اسکو درِ یار پسند
دل ہے تو اسکے ہونگے خریدار اور بھی ۔۔۔ ہم ڈھونڈ لیں گے تم سے طرحدار اور بھی
ہمکو یہ دیکھنا ہے کہاں تک کرے گا جور ۔۔۔ ہاں اے جفا شعار ستمگار اور بھی
فتنے اُٹھا رہی ہے تمہاری نگاہِ ناز ۔۔۔ ڈھاتی ہے حشر شوخیِ رفتار اور بھی

خیر۔ رائے نرہری پرشاد منتظم دفتر معتمد شکاری حیدرآباد دکن آپنے فنِ سخن میں میر احمد علی مہر سے استفادہ کیا تھا سنہ ۱۹ء کے خدنگ نظر سے کلام انتخاب ہوا زیادہ حالات باوجود تلاش دستیاب نہو سکے

وحشتِ دل ان دنوں ایسی گریباں گیر ہے ۔۔۔ طوق گردن میں ہے میری پاؤں میں زنجیر ہے
لاکھ کوشش سے نہیں اے دل سنایا حالِ ہجر ۔۔۔ کہہ چکا اپنی سی اب آگے تری تقدیر ہے

ردیف دال

داد منشی غلام حسین خاں داد - بیکش تھانوی کے شاگرد ہیں۔ کئی برس ہوئے پیام ہوش نامی ایک رسالہ دکن سے شائع کیا تھا، جو تھوڑے عرصہ میں بند ہو گیا، کلام میں کوئی خاص بات قابلِ ذکر نہیں - انتخاب ملاحظہ ہو۔

اکدن تو قصد کیجئے تماشائے آب کا چھپتا ہے اہلِ درد کا کب رنگ اتحاد	مضطرب ہے موج آنکھوں میں دم ہے حباب کا ہے اشکِ عندلیب میں عالم گلاب کا
سُنکے شکوہ وہ بے وفائی کا اے بتو بندہ پروری سیکھو	بولے جھوٹا ہے تو خدائی کا تمکو دعوی ہے گر خدائی کا

دارا۔ صاحبِ عالم و عالمیان میرزا محمد دارا بخت دارا مرحوم عرف میرزا شبو۔ ولیعہد اول حضرت ظلِ سبحانی محمد بہادر شاہ اخیر بادشاہ دہلی۔ شاگردِ رشید ملک الشعرا شیخ ابراہیم ذوق ۱۱ جنوری ۱۸۴۹ء میں بعمر پچاس سال انتقال فرمایا اور شاہ چراغ دہلی کے مزار کے قریب میں دفن ہوئے آپ حضرت ابو ظفر کے خلفِ اکبر تھے اور مشہور ہے کہ عمر میں صرف بارہ برس چھوٹے تھے۔ انکی والدہ زکیۃ النسا بیگم مرزا سلیمان شکوہ کی دختر تھیں جو اکبر شاہ کے حقیقی برادرِ خورد تھے، آپکے آٹھ اور بقول بعضے بارہ فرزند دلبند تھے۔ جن میں سے دو میرزا احمد اختر اور مرزا نصیر الملک اب بقید حیات ہیں، اور ایک صاحبزادی بھی زندہ و سلامت موجود ہیں۔ میرزا دارا بخت صاحب مولانا فخر الدین رح کے خلیفہ تھے اور میر محمدی صاحب سے بھی استفادہ کیا تھا۔ اور مولنا عماد الدین کے خط نسخ اور نستعلیق میں شاگرد تھے۔ بہت نیک خصلت بھولے بھالے شاہزادے تھے۔ آپکے کلام میں حضرت ذوق کا رنگ صاف جھلک رہا ہے۔ انتخابِ کلام ہدیۂ ناظرین ہے۔

سحاب پارۂ دامن ہے آبدیدوں کا
نمو برق طپیدہ ہے دلِ طپیدوں کا

جہاں ہوئے ہیں گلِ سُرخ خاک سے پیدا
اُسی زمیں میں ہے مدفن ترے شہیدوں کا

اثر یہ رکھتی ہے فریادِ دردمندوں کی
بُرا ہے صبر ستمگر ستم رسیدوں کا

کوئی بھی ساتھ کسی کے گیا نہ اے دارا
عدم کو جاتا ہے کیا قافلہ جریدوں کا

خط میں گر وصل کا مضمون لکھیں ہم دارا
آرزو کا کوئی ہرگز نہ ملے حرف سے حرف

جا پھنسا حلقۂ زلفِ بتِ عیار میں دل
لیگئی کھینچ کے شامت دہنِ مار میں دل

تاکے جھانکے نہ طرف غیر کے وہ پردہ نشیں
اپنا رکھ آئے ہیں ہم روزنِ دیوار میں دل

شعلہ رُو یہ ترے عارض پہ نہیں خالِ سیاہ
جل گیا گر کے کوئی آتشِ رخسار میں دل

دل لگی کیونکہ ہماری ہو کہیں اے دارا
لگ گیا اپنا تو اک کوچۂ دلدار میں دل

کسی کی چشمِ میگوں کا تصور ہمکو ہے دارا
قدم اُٹھتا نہیں ہے لغزشِ مستانہ رکھتے ہیں

وہ جو دریا میں نہانے کو گیا شب دارا
چومتا تھا قدم اُس مہ کے قمر پانی میں

ہم خاک ہو کے آئے ہیں کوچہ میں یار کے
لیکن یہ خوف ہے کہ صبا کو خبر نہ ہو

ہم سُن چکے ہیں شورشِ رفتار کسی کی
اب شورِ قیامت کا بھی دھڑکا نہیں ہمکو

ہے کشتیٔ عمر اپنی جو گردابِ فنا میں
مانند حباب اپنا بھروسا نہیں ہمکو

یوں لاکھ اہلِ دانش تدبیر تو بنا لو
بگڑی ہوئی ولیکن تقدیر تو بنا لو

بدلہ ستم کا لینا ٹھیرا فلک سے دارا
آہِ جگر کو اپنے تم تیر تو بنا لو

دل سے لطف و مہربانی اَور ہے
مہربانی کی نشانی اَور ہے

قصۂ فرہاد و مجنوں اَور ہے
عشق کی میرے کہانی اَور ہے

چشم گر فتنہ ہے تو اُس کی نگاہ
اِک بلائے ناگہانی اَور ہے

اُس مسیحا دم کو لائے گا خدا
کئی دم کی زندگانی اَور ہے

روکنے سے میری کب رُکتے ہیں اشک
بلکہ ہوتی خوں فشانی اور ہے

کیوں علاجِ ضعف کرتا ہے طبیب مجھسے ای دارا وہ کب ہوتا ہے صاف		دم بدم یاں ناتوانی اور ہے اُس کے دل میں بدگمانی اور ہے	
مت لگا مہندی تہت بے پیر اپنے ہاتھ سے غیر کے ہاتھوں سے میرا قتل کیوں منظور ہے		رل سے تو خون دلِ دلگیر اپنے ہاتھ سے ہائے لے قاتل لگا شمشیر اپنے ہاتھ سے	

دارا - دارا۔ عالیجناب نواب خواجہ بہاؤالدین خان بہادر دلاور جنگ دارا، امیر حیدرآباد دکن شعرائے دکن میں نامور اور صاحب دیوان ہیں ۱۲۳۰ھ سال پیدایش ہے، خواجہ یسین علی خان شکوہ کے فرزند رشید اور نواب مختار الدولہ نور الحسین مرحوم کے داماد اور شاگرد ہیں خوش رو خوش وضع خندہ پیشانی رئیس تھے۔ کلام مزے کا اور پاکیزہ ہے +

بھری ہیں سینہ عاشق میں حسرتیں کیا کیا پھنسایا زلف میں کمبخت میری آنکھوں نے اگر کو میرا مجھکو اسکا اعتبار آنے تو دو عرش پر پھر میں قدم رکھوں معاذ اللہ کی		صنم بہانے خدا اُس لے مدعا دل کا خطا نظر کی ہے اس میں قصور کیا دل کا دوستی کے درمیاں تو اُن قرار کرنے تو دو پاؤں کے نیچے زمین کوئے یار آنے تو دو	

داغ - داغ دہلوی۔ میر محمدی داغ۔ خلف الرشید میر سوز مرحوم۔ خوش رو زیبا شمائل اور بڑے وجیہ جوان تھے۔ قسامِ ازل نے اُنکی طبیعت میں ایک خاص درد ودیعت کیا تھا جسکی جھلک اُنکے کلام میں ملتی ہے شفیق باپ کی صلاح نے اُس میں اور چار چاند لگا دیئے تھے بیس برس کی عمر میں ایک شعلہ رُو کے عشق میں مُبتلا ہوئے، چند روز اُسکی صحبت میں نہایت عیش وعشرت سے اوقات بسر کی۔ آخر کار فلکِ تفرقہ پرداز کی کارسازی سے دام مفارقت میں پھنسکر جان دی۔ یہ واقعہ شاہ عالم ثانی کے زمانہ کا ہے۔ حالتِ نزع میں بہت انتظار کے بعد ایک اشتیاق نامہ اپنے مطلوب کو بھیجا جسکے سرنامہ پر یہ شعر لکھا۔ ؎

	از جاں رمقے بود کہ مکتوب تو آمد		دیگر چہ نویسم خبرم خوب گرفتی

اِس جواب کے لکھتے ہی طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا +

اسی کے پاس تھا وہ دل کیا ہوا ہمنشیں دیکھو	ادھر دیکھو ادھر دیکھو نہیں دیکھو کہاں دیکھو
اسی کے پاس ہر درہ رشک کے یہ جو مسکراتا ہے	اسی کی جیب دیکھو ہاتھ دیکھو آستیں دیکھو
پکڑنا چور کا مشکل نہیں گر کچھ سمجھ ہو تو	ہوائی رنگ دیکھو اہتنابی سے جبیں دیکھو
یہ چاہ نہیں بھلی بری ہوتی ہے	جی لینی ہے دوستی بری ہوتی ہے
لگتا نہیں جی کہیں بھی اُس کے بن آہ	سچ کہتے ہیں یہ لگی بری ہوتی ہے

داغ

داغ - تاجِ سخنوری کا گوہرِ شب چراغ نواب میرزا خان داغ دہلوی۔ المخاطب بہ سلطان الشعراء، بلبلِ ہندوستان، جہاں اُستاد، ناظم یار جنگ، دبیر الدولہ فصیح الملک بہادر مرحوم و مغفور، بتاریخ ۱۲ ذی الحجہ سنہ ۱۲۴۶ھ مطابق سنہ ۱۸۳۱ء ۱۴ بیساکھ سمت ۱۸۸۸ بکرمی روز چہارشنبہ بمقام شاہجہاں آباد دہلی محلہ بلیماران میں پیدا ہوئے لائق جوتشیوں نے متعدد زائچے آپکی پیدائش کے وقتاً فوقتاً تیار کیئے، کیونکہ مرزا صاحب کو فنِ نجوم سے صرف دلچسپی ہی نہ تھی، بلکہ خود بھی اِس فن میں خاصی دستگاہ رکھتے تھے، سات برس کی عمر میں آپ کی تعلیم شروع ہوئی، لیکن جملہ علوم و فنون میں تکمیل کا عدیم المثال موقعہ قلعۂ معلیٰ دہلی میں سنہ ۱۸۴۴ء میں باریاب ہوکر حاصل ہوا، اگرچہ اس سے پہلے بھی رامپور میں مولوی غیاث الدین، صاحبِ غیاث اللغات سے فارسی کی چند درسی کتابیں پڑھی تھیں، مگر جب قلعہ میں مستقل طور سے آئے تو مولوی سید احمد حسین ولد میر غلام حسین شکیبا جو میر تقی میر کے شاگرد تھے آپکے معلم مقرر ہوئے خوشنویسی میں پہلے اُستادِ زمانہ سید امیر پنجہ کش دہلوی کے شاگرد ہوئے، پھر معمولی اوقات میں مرزا عباد اللہ بیگ سے جو اُنکے شاگرد رشید تھے اصلاح لیتے رہے، مرزا صاحب کو قلعۂ شاہی کے متوسّل ہونے سے جو خصوصیت اور آسانی تعلیم میں نصیب ہوئیں وہ عام طور سے اور لوگوں کو میسّر نہیں آسکتیں۔ فنِ شہسواری و سپاہگری کے کل اُصول اور کرتب قلعے میں رہ کر آپنے سیکھے

خطاطی کی مشق بھی انہیں سے کی تھی انھیں سے بانک بھی سیکھی، اور مرزا سنگی بیگ سے جو خاندانِ یہ
میں سے مشہور پکیت تھے پکیتی اور علی مدد سیکھی، گھوڑے کی سواری کی مشق
امیر خاں اور بندو خاں چابک سوارانِ شاہی سے کی، اور بندوق اور تیر اور چونگ لگانے
اور بنوٹ میں خاطر ولیعہد بہادر سے شرف یاب ہوئے، غرضکہ اسی طرح اور مختلف
مختلف فن لوگوں سے حاصل کئے، قلعے میں پہنچکر جہاں اور باتوں کا چرچا دیکھا وہاں سب سے
زیادہ شاعری کی گرم بازاری پائی، آپکی خداداد ذہانت اور ہونہار طبیعت کا رجحان اسی طرف
زیادہ رہا، اور اس آتشِ شوق کے بھڑکانے والے سامان بہت کچھ جمع ہوگئے، خاقانیِ ہند
شیخ ابراہیم ذوق علیہ الرحمۃ کا زمانہ تھا وہ بادشاہ اور ولیعہد کے استاد ہونے کی وجہ سے اکثر
اوقات قلعۂ معلیٰ ہی میں تشریف رکھتے تھے، مرزا صاحب کی ذہانتِ خداداد اور تیزیِ طبع
دیکھکر آپکے مربی و سرپرست صاحبِ عالم مرزا ولیعہد بہادر نے آپ کو حضرت ذوق کا شاگرد
کرادیا، اس وقت آپکا سن گیارہ یا بارہ برس کا تھا، قلعے کے علاوہ شہر میں مختلف مقامات
پر مشاعرے ہوا کرتے تھے، مرزا صاحب نے پہلے پہل نواب مصطفیٰ خان مرحوم المتخلص بہ
شیفتہ کے مشاعرے میں غزل پڑھی جسکی طرح میں پہلا مطلع یہ فرمایا تھا۔

شرر و برق نہیں شعلہ و سیماب نہیں	کس لئے پھر یہ ٹھہرتا دلِ بیتاب نہیں

اگرچہ اب یہ مطلع موجودہ دیوانوں میں نہیں رکھا گیا ہے، مگر اہلِ نظر اس مطلع کو دیکھ کر بارہ تیرہ
برس کے لڑکے کی جودتِ طبع کا اندازہ کرسکتے ہیں، اسی زمانے کے ایک مطلع کو سن کر

لگ گئی چپ تجھے اے داغ حزیں کیوں ایسی	تجھکو کچھ حال تو کمبخت بتا تو اپنا

مولانا صہبائی نے تحسین و آفرین کے کلمے کہے تھے،

ہنگامۂ غدر سے دس ماہ پیشتر ۱۸۵۶ء میں بقضائے الٰہی یکایک وبائے ہیضہ میں ولیعہد
بہادر نے انتقال کیا، مرزا صاحب کو اس حادثے اور صدمے سے سخت رنج پہنچا، ہنوز اس صدمہ
کی یاد دلِ غمگین سے نجانے پائی تھی کہ دس مہینے بعد ۱۸۵۷ء کا غدر ہوگیا، اور کامل ۱۳ برس

تک جس عیش و عشرت سے زندگی بسر ہوئی تھی اُس دور کا گویا خاتمہ ہو گیا، اِس انقلاب زمانے کے بعد مرزا صاحب مع اپنے قبائل کے رامپور چلے گئے اور نواب یوسف علی خاں بہادر فردوس مکاں کے سایۂ عاطفت میں پناہ گزین ہوئے۔ نواب موصوف اپنی حیات تک لطف مہماں نوازی سلوک کرتے رہے، اِنکے بعد نواب خلد آشیاں کلب علیخاں بہادر نے بھی وہی قدردانی کی اور مرزا صاحب کو اپنی مصاحبت میں رکھا، اور بطور معتمد خاص کارخانجات اصطبل و گاڑی خانہ و فراشخانہ و کنٹرول خانہ و شتر خانہ سپرد کیا، ۲۴ برس تک مصاحبت کے ساتھ آپنے ان خدمات کو نہایت خوبی، عمدگی اور دیانت سے سرانجام دیا۔ نواب خلد آشیاں کو ان پر بہت بھروسہ اور اطمینان تھا اور عزت و قدر کی نظروں سے دیکھتے تھے۔ رامپور میں نواب یوسف علی خاں بہادر ناظم کے زمانہ سے شعر و سخن کی گرم بازاری شروع ہو گئی تھی، اور نواب کلب علیخاں بہادر کے عہد میں جو فروغ ہوا اُسکی کیفیت اظہر من الشمس ہے، غالب، شاہ، رنج، حیا، بحر، قلق، عروج، امیر، منیر، تسلیم، جلال، امیر مینائی وغیرہ سب نامی شعرا ریاست کے دعاگو تھے اور بجز غالب مرحوم کے سب وہیں قیام رکھتے تھے، اِن سب لکھنؤ کے سربرآوردہ شعرا کے مجمع میں گو دلی کے شعرا میں صرف ایک مرزا صاحب ہی کا دم تھا، لیکن انکی خداداد معجز بیانی نے کسی کو ان پر غالب نہ آنے دیا اور یہ ہمیشہ آسمان شاعری پر آفتاب کی طرح چمکتے رہے، یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ دہلی میں قیام کے ہنگام میں جب نواب یوسفعلیخاں مرزا ولیعہد کے مصاحب تھے تو بچپن میں مرزا داغ اور نواب کلب علیخاں کا عرصہ تک ساتھ رہا تھا اور وہ بچپن کا خلوص نواب مرحوم نے تادمِ آخر بڑی وضعداری سے نبھایا۔

رامپور کے مشاہیر امرا کے ہاں اور خاص نواب صاحب کی طرف سے بھی مشاعرہ ہوا کرتا تھا اور اس سرکاری مشاعرہ کا اہتمام و انتظام مرزا صاحب ہی کے سپرد ہوتا تھا، مشاعرہ میں انکی غزل پر لوگوں کی نگاہیں رہا کرتی تھیں اور انکا یہ حال ہوتا تھا کہ اکثر بوجہ انتظام و اہتمام مشاعرہ اپنی غزل کہنے کی فرصت نہ ملتی، جسوقت مشاعرہ شروع ہو جاتا اُس وقت

بلاپس کرکے میں ایک شاگرد کو لیکر بیٹھتے اور شعر کہتے جاتے تھے اور وہ لکھتا جاتا تھا یہاں تک کہ ان کا تحمل اور غزل پڑھی، شعر پڑھنے کا انداز بھی وہ انوکھا اور نرالا تھا کہ میں نے سنا ہی نہیں دیکھا، مانکھا فلسہے، اوّل تو میل ڈول تنومند اور شکیل پھر اس پر بڑی آواز یہ قدرتی تھا جس پڑھنے میں وہ شان پیدا کر دیتی تھیں کہ سننے والے بیتاب ہو جاتے تھے اور بھولی بسری مشاعرے میں سب سے اعلیٰ نظر آتا تھا، مولانا حالی فرماتے تھے کہ حضرت آسیر کی زبان سے خود ہمیں نے رامپور میں سُنا کہ "بمبئی مشاعرے میں کیا جائیں ہماری طولانی غزلوں کو کوئی نہیں پوچھتا اور مشاعرہ ختم ہونے پر داغؔ کی غزل سب کی زبان پر ہوتی ہے"، مرزا صاحب غزل خوانی کے وقت اور لوگوں کی طرح ہاتھ پاؤں نہیں ہلاتے تھے، نہ خواہ مخواہ بناوٹ کی آواز سے گلے کی رگیں پھلاتے تھے، نہایت سادہ طور سے باآواز شعر پڑھتے تھے اور کسی کسی لفظ پر زیادہ جوش کے وقت صرف ایک ہاتھ اُٹھا دیتے تھے، مرزا صاحب کا دیوان انکے شاگردوں کے پاس رہتا تھا جو وقت پر پیش کیا جاتا تھا اور اُسی میں دیکھ کر غزل پڑھا کرتے تھے۔ ریاست رامپور میں مرزا صاحب کا قیام کم و بیش چالیس سال تک رہا اور مختلف اوقات سفر کا اتفاق ہوا، نواب خلد آشیاں کے ہمراہ حج کعبہ سے بھی مشرف ہوئے تھے، ایک مرتبہ دلی اور لکھنؤ پٹنہ وغیرہ کئی مقامات میں ٹھیرتے ہوئے کلکتے تشریف لے گئے اور وہاں کم و بیش تین ماہ تک قیام کیا ؎

کوئی چھینٹا پڑے تو داغؔ کلکتے چلے جائیں	عظیم آباد میں ہم منتظر ساون کے بیٹھے ہیں

جس روز آپ پٹنہ پہنچے ہیں کسی رئیس شہر کے ہاں مشاعرہ تھا آپکے آنے کی خبر سنکر عمائد شہر آپکو باصرار تمام مشاعرے میں لے گئے، آپنے فی البدیہہ بائیس شعر جو جاتے وقت کہہ لئے تھے مشاعرے میں پڑھے اور خاطر خواہ داد پائی، کلکتے میں ناخدا کی مسجد کے سامنے آپ ٹھیرے تھے، جبتک وہاں رہے برابر مٹیا برج کے شعراء اور اہلِ بنگالہ سے ہم صحبت رہے اور شعر و سخن کے خوب چرچے رہے، نواب کلب علیخاں بہادر کے انتقال کے بعد ۱۸۸۶ء میں کچھ دنوں کا

تقرر ہوا، جنرل اعظم الدین خاں سے انکی نہ بنی، اِس وجہ سے ریاستِ رامپور سے دست کش ہوئے اور دہلی چلے آئے، حیدرآباد دکن جانے تک کے وقفہ میں مختلف مقامات لاہور، امرت سر، ریاست کشن کوٹ، بنگلور، آگرہ، علی گڈھ، متھرا، جیپور، ریاست منگرول، اجمیر شریف اِن سب شہروں میں اپنے تلامذہ اور مشتاقوں کو اپنی ملاقات سے شرف بخشا، آخر ۱۳۰۵ھ میں آپ حیدرآباد تشریف لے گئے، اور پہلے پہل چند روز محلہ بازار رشیدی عنبر میں مولوی سیف الحق ادیب دہلوی مترجم اخبارات کے پاس اور پھر اُسی کے متصل ایک دوسرے مکان میں مقیم ہوئے، آپ کی شہرت اور ناموری نے دلوں میں پہلے ہی گھر کرلیا تھا، تمام شہر میں دھوم مچ گئی، شدہ شدہ بندگانِ عالی حضور میر محبوب علی خان بہادر نظام دکن خلد اللہ ملکہٗ کو بھی معلوم ہوا، اور اس درمیان میں آپ کی پہلی عرضی راجہ گردھاری پرشاد بہادر عرف بنسی راجہ متخلص بہ باقی کی معرفت پیشگاہِ سلطانی میں پہنچ چکی تھی، پہلی بار جو قصیدہ آپنے حضور بندگانِ عالی دام اقبالہٗ کی مدح میں لکھا تھا اُس کا مطلع یہ ہے۔

میں ہوا بادیہ پیما طرف ملک دکن	سرمۂ چشم غزالاں ہوئی گردِ دامن

اِسکے بعد کچھ عرصہ کے لیئے دلّی چلے آئے، ابھی یہیں تھے کہ نواب آسمانجاہ نے بذریعۂ شقہ طلب کیا، چنانچہ پھر حیدرآباد پہنچے اور باریابی کے منتظر رہے، حیدرآباد کی اُمیدواری اور اُسکے مصارف وہی لوگ خوب جانتے ہیں جنہوں نے وہاں کے اُمیدواروں کا حال دیکھا یا سنا ہے، بالآخر آپکے صبر واستقلال نے یہ نتیجہ خیز دکھایا کہ ۲۶ جمادی الثانی ۱۳۰۸ھ روز شنبہ ۹ بجے شب کے مولوی ظہور علی صاحب کے مکان پر فرمانِ رحمت نشان یعنی حضور بندگانِ عالی آصف جاہ سادس کی غزل ایک سر مہر لفافے میں چند چوبدار لیکر حاضر ہوسکے اور زبانی یہ یہ کہا کہ صبح آٹھ بجے حاضرِ دربار ہونے کا حکم ہوا ہے، آپ نے اُسی وقت اُس غزل کو دیکھ کر واپس کیا اور صبح حاضر دربار خاص ہوکر نذر پیش کی، بس اسی تاریخ سے سلسلۂ اصلاح شروع ہوگیا، شرف حضوری کی جو تاریخ کہی یہ ہے، ؎

صنوبری کی تاریخ پوچھیں اگر | تو کہہ دو ملے داغ سلطان سے

پھر تو ادھر مراسم خسروانہ بڑھتے گئے، نو مہینے بعد ایک مراسلہ معتمد محکمۂ صرفِ خاص صادر ہوا کہ سرکار سے آپ کے نام چار سو پچاس روپیہ مالی کا وظیفہ روزِ ورود سے جاری کیا، پھر چھ ربیع الاول ۱۳۰۹ھ کو بحکم سلطانی آپ کا وظیفہ ایک ہزار ماہوار مقرر ہوا، اور ورود حیدرآباد کی وقت سے اُس تاریخ تک ایکہزار ماہوار کے حساب سے مرحمت فرمایا گیا، اس شاہانہ عطیہ کی تاریخ کہی

اِس ترقی کی کہو اے داغ یہ تاریخ تم | ابتدا سے اپنی ساڑھے پانسو نقدی بڑھی

گویا پچھلے نقصانات کی تلافی بھی شاہانہ الطاف کی بدولت کما حقہ ہو گئی اور ہر طرح آسودگی اور فارغ البالی نصیب ہوئی، علاوہ اس مقررہ وظیفے کے وقتاً فوقتاً جو عطیات شاہی ہوئے انکی تفصیل یہ ہے، علاوہ بیش قیمت مرصع گھڑی و جیغہ و قبضہائے شمشیر و چوبہائے دستی، و پارچہ جات کشمیری و بنارسی ایک موضع جسکو حیدرآبادی زبان میں مقطعہ کہتے ہیں اور جو بلدۂ حیدرآباد سے دس بارہ کوس پر واقع ہے عطا کیا، اِس موضع کی آمدنی کم و بیش دوہزار روپیہ سالانہ تھی، قیمتی اشیاء کے سوا وقتاً فوقتاً نقد انعامات بھی پاتے رہے، جس کے متعلق بتحقیق سُنا گیا کہ قریب چھبیس ہزار روپیہ کے جو انعامات میں دیئے گئے تھے خزانۂ خاص میں انکے نام جمع ہیں اور یہ حکم سلطانی تھا کہ مرزا صاحب جس وقت چاہیں یہ رقم وصول کر لیں، مگر یہاں الطافِ شاہی نے اسقدر مستغنی اور مالا مال کر دیا تھا کہ تادمِ آخر اس رقم کے منگانے کی ضرورت نہ پڑی، مرزا صاحب نے حیدرآباد میں اٹھارہ برس مستقل قیام کیا، اور نہایت عزت و آبرو سے بسر کی، ریاست میں اعلیٰ طبقے کے اُمرا کی باہمی مخالفتوں کا بازار اُس زمانے میں خوب گرم تھا، اور ہر نئے اُمیدوار یا ملازم کے لیئے اپنی ترقی کے واسطے منجملہ اور ذریعوں کے ایک بہت بڑا ذریعہ یہ ہوتا تھا کہ وہ کسی ذی اقتدار رئیس کا طرفدار اور خوشامدی بنے اور دوسرے رئیسوں کے خلاف سازشوں میں شریک ہو، اِس ترکیب سے مُربّی رئیس کے دل میں جگہ پیدا کی جاتی تھی اور یہی ذریعۂ ترقی ہوتا تھا، مگر ظاہر ہے کہ آخر میں ایسی باتوں کا نتیجہ اچھا

سے لیے مضر ہوتا تھا، چنانچہ اس مرض کا اثر تھوڑا بہت اب تک باقی ہے جس کے ہاتھوں اکثر عہدہ داروں نے کفِ افسوس ملتے ہوئے حیدر آباد چھوڑا ہے۔ بہر حال مرزا داغ مرحوم نہ کوئی ملکی خیال کے آدمی تھے، نہ جنگی، نہ انہیں شاعری کے سوا کسی مشغلہ سے کام تھا۔ اگرچہ خوشامد درآمد کے لیے شاعری ایک اچھا ذریعہ ہے مگر حضرتِ داغ نے اس قسم کی تمام باتوں سے ہمیشہ احتراز کیا، یعنی وہاں رہ کر بجز بندگانِ عالی متعالی اعلیٰ حضرت قدر قدرت خلد اللہ ملکہ کے بڑے سے بڑے رئیس کے نہ خوشامدی بنے نہ درباری، ہمیں جہاں تک علم ہے کہہ سکتے ہیں کہ کسی خاص تقریب کے سوا اور وہ بھی ایک دو دفعہ، مرزا صاحب کسی رئیس ذی اقتدار کے ہاں محض اُسکی خوشنودیٔ مزاج کے لیے نہیں گئے، ہمیشہ بندگانِ عالی کی تحریک یا اجازت سے کہیں آتے جاتے تھے، مرزا داغ کا حیدر آباد میں جو اعزاز و اکرام ہوا وہ کسی پر پوشیدہ نہیں ہے، اور بیشک تمام اُردو کے شعرا کے طبقے میں یہ بات قابلِ فخر ہے کہ اس سلسلے میں ظاہری اعزاز کے لحاظ سے ایک شخص ایسا بھی ہو گیا، دکن کی قلمرو میں نعمت خان عالی کے بعد اس رتبہ پر فصیح الملک داغ فائز ہوئے ہیں۔

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ آپ نے اس حصولِ ترقی و اعزاز کے مدارج طے کرنے میں زیادہ تر اپنی مدد آپ کی ہے، یہی وہ قابلِ قدر بات ہے جس نے آپ کو خود دار بنایا اور جس نے آپ کو اُمرا کی جھوٹی خوشامدوں سے باز رکھا، جس نے ہمیشہ نیک نام رکھا، اور مرنے کے بعد متفق اللفظ ایک دنیا نے یہی رائے قائم کی، اُنکی عام بے غرضی اور بے تعلقی کی یہ حالت تھی کہ دوسرے امیروں کا کیا ذکر ہے، مہینوں اور بغیر طلب محض اپنی مرضی سے اپنے آقائے ولی نعمت کی خدمت میں بھی حاضر نہ ہوتے تھے اگرچہ اپنے ذاتی کتنے ہی کاموں کا ہرج ہوتا ہو الغرض از حد محتاط رہے اور دور اندیشی کو کام میں لاتے رہے، اس خیال کو اُنھوں نے ایک شعر میں ظاہر کیا ہے اور خوب کہا ہے۔

میں وضع کا پابند ہوں گو جان بھی جائے	جب کوئی بلائے نہیں آتا نہیں جاتا

ہوتا ہو ان کی مصاحبت کے علاوہ اپنے معمولی احباب اور نیاز مندوں سے وہ اس طرح ملتے تھے کہ باہم کوئی مغائرت معلوم نہ ہوتی تھی، بوجہ پیرانہ سالی اور کثرت امراض کے سبب نیلے کہیں کم جاتے تھے البتہ اُنکے پاس جو شخص آتا تھا اُس سے نہایت اخلاق اور محبت کے ساتھ پیش آتے تھے، حیدرآباد میں شاعروں کی کثرت مشہور ہے مگر آپ بجز چند مشاعروں کے دو ایک کبھی کسی عام مشاعرے میں نہ جاتے تھے، حاجی ابراہیم خانسلمان جو حضور بندگان عالی نظام مرحوم کے مقرب اور بڑے بارسوخ اور ذی اقتدار شخص تھے ابتدا سے اُن میں اور مرزا صاحب میں باہم بہت محبت و اخلاص کا برتاؤ تھا وہ ہر دوسرے مہینے اپنے گھر مشاعرہ کیا کرتے تھے اور اُس مشاعرے میں اکثر بندگان عالی حضور نظام دکن کی تازہ غزل آیا کرتی تھی، اس مشاعرے میں مرزا صاحب البتہ اکثر جایا کرتے تھے اور حضور نظام کی غزل بھی خود ہی پڑھتے تھے، یا دو ایک مرتبہ مدار المہام بہادر اور راجہ رائے رایاں بہادر آنت ونت کے مشاعروں میں شریک ہوئے ورنہ کسی مشاعرے سے غرض نہ تھی۔

مرزا داغ دلی کے رہنے والے تھے اور جس طرح کہ اس شہر کے رہنے والوں میں عموماً خوش دلی و مذاق و لطیفہ گوئی و بذلہ سنجی کا مادہ ہوتا ہے اسی طرح مرزا صاحب کی کوئی بات لطیفے سے خالی نہ ہوتی تھی، اُنکی سلسل تقریر اُنکی دلکش گفتگو میں خدا جانے کس قیامت کے مزے تھے کہ جی یہ چاہتا تھا ہر وقت سنے ہی جائیے، وہ بالکل اپنے اس شعر کے مصداق تھے۔

باتیں سُنئے تو پھڑک جائیے گا	گرم ہیں داغ کے اشعار یہ کیا

ہمکو ایک معتبر ذریعے سے آنکے چند لطیفے ملے ہیں۔ تفریح ناظرین کے لئے ذیل میں درج کرتے ہیں

مولوی حسن رضا خان صاحب حسن بریلوی شاگرد رشید حضرت داغ مرحوم کا بیان ہے کہ زمانۂ قیام رامپور میں ایک روز میں حاضر خدمت ہوا دیکھا کہ ایک نہایت ہی ضعیف العمر صاحب عربی لباس پہنے ہوئے بیٹھے گا رہے ہیں، جب وہ اُٹھ گئے تو میں نے پوچھا "حضرت یہ ذوات شریف کون تھے؟" فرمایا تم واقف نہیں، عرض کیا نہیں، فرمایا سچ کہتے ہو

گزارش کیا۔ واقعی عرض کرتا ہوں، فرمایا "میاں یہ جنت کے قوال تھے" اسی طرح ایک دن کا ذکر ہے کہ ایک صاحب تشریف لائے، آپ عصر کی نماز پڑھ رہے تھے، وہ واپس گئے۔ سلام پھیر کر اپنے ملازم سے فرمایا "انھیں بلانا!" وہ جاکر لایا۔ پوچھا کیوں آئے تھے پھر چلے کیوں گئے؟ کہا آپ نماز پڑھتے تھے اور مجھے ایک دوسرا کام تھا۔ فرمایا "میں نماز پڑھتا تھا ! احول تو نہیں پڑھتا تھا" ایک مرتبہ نواب خلد آشیاں کے سامنے "سانس" کی تذکیر و تانیث پر بحث ہو رہی تھی۔ جو فریق مذکر کہتا تھا وہ دلی والوں کے کلام سے سند پیش کرتا، فریقِ مخالف لکھنو والوں کے اشعار سے ثبوت دیتا تھا، مرزا داغ خاموش بیٹھے تماشا دیکھ رہے تھے، کہ نواب صاحب نے انکی طرف مخاطب ہوکر فرمایا، مرزا داغ تم کچھ نہیں کہتے۔ فرمایا فریقین تھک لیں تو میں ایک قولِ فیصل عرض کردونگا، دونوں فریقوں نے بالاتفاق کہا کہ آپ ہی کے سر فیصلہ ہے۔ فرمایا "میرے نزدیک مؤنث کی سانس مؤنث ہے۔ اور مذکر کا مذکر" اِس پر سب ہنس دیئے اور گفتگو ختم ہوگئی۔ ایک مرتبہ رامپور کے مشاعرہ میں طرح دیگئی "ہمکو رونا ہے خندۂ گل کا" آپ کچھ علیل تھے، مسہل ہو چکے تھے طرح پر غزل نہ کہی تھی، تلامذہ نے اصرار کیا، ناتوانی کا عذر فرمایا۔ مگر بعض ضدی شاگردوں نے نہ مانا فرمایا خیر قلمدان لاؤ! سب خوش ہوگئے کہ استاد غزل تصنیف فرمائیں گے، اب کان مشتاق ہیں اور نگاہیں استاد کا منہ تک رہی ہیں کہ یہ مطلع ارشاد ہوا ؎

ہمکو کیا لطف ساغرِ مُل کا	کبھی کچھ طی ملی کبھی چھلکا

احسن مارہروی کی زبانی سنا کہ ایک دن احباب و تلامذہ خدمتِ استاد میں حاضر تھے اور آپ غزل کہہ رہے تھے، مرزا مظفر حسین بیگ بارق تخلص بھی حاضر تھے انھوں نے استاد کے فکرِ بے ساختہ اور تصنیفِ برجستہ کو دیکھ کر معمولی طور پر کہا کہ خدا جانے آپ کس طرح شعر کہتے ہیں ذرا دیر نہیں ہوتی کہ پورا شعر کہہ دیتے ہیں۔ استاد نے یہ سنکر فرمایا "بھائی تم کس طرح شعر کہتے ہو،" انھوں نے جواب دیا کہ حضرت ہم تو کسی خاص وقت

تکیہ لگا کر اور حقہ سامنے رکھکر فکر سخن کرتے ہیں۔ کبھی کبھی اس طرف کو ٹہلتے بھی جاتے ہیں ٹہلتے کبھی بیٹھے، اس مشکل سے کوئی شعر نکلتا ہے، فرمایا "آپ شعر نہیں کہتے بلکہ شعر کہتے ہیں" انکی سحربیانی اور قبولیت کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہوگا کہ ہندوستان میں شاید کوئی قصبہ و قریہ ایسا ہو کہ جہاں انکا کلام خواص سے لیکر عوام تک کی محفلوں اور جلسوں کی صحبتوں میں گایا نہ جاتا ہو۔ مرزا داغ کا حق بحیثیت مصلح زبان اردو قیامت تک مٹنے والا نہیں "انھوں نے بہت سے ثقیل اور غیر فصیح الفاظ ترک کر دیئے، موافق اور مخالف دونوں اس امر کے شاہد ہیں کہ غزل کے جسقدر موضوع ہیں اُن تمام صفتوں پر حضرت داغ حاوی تھے اور ہر شعبہ تغزل کے صمیم تنظیم استاد اور فرد یگانہ تھے۔ امیر۔ منیر۔ حالی۔ ظہیر۔ مجروح۔ نکی سالک۔ جلال۔ امیر۔ سب انکی قادر الکلامی کے معترف اور مداح تھے۔ بہرحال اس شعر کے چھلے کی خوش آیند باتیں قدرتی طور پر ناموزوں طبائع میں موزونی پیدا کرنے بلکہ شاعر بنانے کے لئے کافی سامان تھیں، مرزا صاحب کے روزمرہ واقعات اور حالات کی تفصیل و تشریح کے لئے ایک مبسوط کتاب چاہیئے۔ آپ نے اٹھارہ برس حیدرآباد میں بعزت و آبرو بسر کرکے ۹ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۷ فروری ۱۹۰۵ء کو آٹھ روز مرض فالج میں مبتلا رہکر دار فانی سے انتقال فرمایا۔ گذشتہ سالوں میں تین چار مرتبہ حاسدوں نے اُنکی وفات کی خبر اُڑائی۔ حتی کہ اخباروں میں قطعات تاریخ وفات تک درج کر دیئے۔ اِس لئے چند روز لوگوں کو اِس کے سننے میں تامل رہا لیکن آخر کار اس مرتبہ خبر صحیح نکلی۔ انتقال کے بعد بحکم سلطانی عید بقر کے دن آپ کا جنازہ مکہ مسجد (حیدرآباد) میں لایا گیا جہاں بعد دوگانہ عید جنازے کی نماز پڑھی گئی۔ پھر یوسف صاحب شریف صاحب کی درگاہ میں دفن کئے گئے۔ جناب امیر مینائی مرحوم بھی اِسی جگہ آسودہ ہیں۔ تجہیز و تکفین کے مصارف کے لئے خزانہ شاہی سے پانچ ہزار روپیہ عطا ہوا تھا۔ انتقال کی یوں تو ہزارہا تاریخیں شعرا نے لکھیں مگر یہاں ایک تاریخ بے مثل منشی سراج الدین احمد خاں صاحب سائل دہلوی اُنکے داماد کی لکھی جاتی ہے کیونکہ یہی

تاریخ لوحِ مزار پر کندہ ہوئی ہے۔ اس تاریخ کے سوا آپ کے نام اور تخلص میں تاریخ وفات نکلتی ہے یعنی (نواب میرزا داغ) اس تاریخ میں بکثرت توارد ہوا ہے قریب قریب ہر ایک تاریخ کہنے والے نے اور مادوں کے ساتھ یہ مادہ بھی نکالا ہے۔

قطعۂ تاریخ از جناب سائل دہلوی

رفت از دہر چوں فصیح الملک	لرزہ افتادہ در تمامی ہند
اوستادِ نظام آصف جاہ	مورد لطفِ شاہ حامی ہند
رہست بر قامتش قبائے سخن	زیب بروے خطاب جامی ہند
سلکِ نظمش بسانِ سلکِ گہر	جوہری سخن نظامی ہند
شد وفاتش بشام یوم الحج	دفن شد روز عید سامی ہند
آہِ دل برشید و سائل گفت	مدفن پاک داغ نامی ہند

اسی طرح اُنکے پیارے شاگرد سید رضی الدین کیفی نے تاریخ کہی۔ کیفی نوشت بلبل ہندوستان رفت

داغ نواب میرزا گفتم

یہ قیامت تک کسی کے دل سے مٹنے کا نہیں ۔ مادہ تاریخ کا داغ فصیح الملک ہے

مرزا صاحب کے تین دیوان اور ایک مثنوی مطبوعہ موجود ہے اور چوتھا دیوان یادگار داغ بھی تیار تھا۔ چاروں دیوانوں میں گلزار داغ و آفتاب داغ زمانہ قیام رامپور کے چھپے ہوئے ہیں۔ اِن دیوانوں میں اکثر وہی غزلیں ہیں جو رامپور کے مشاعروں میں کہی گئی تھیں اُن غزلوں میں ایک عجیب دلکشی اور سحر آفرینی ہے یہ وہ فکر سخن ہے جو بڑے بڑے ماہران و اُستادان فن کے مقابلے میں کیا گیا تھا اور اسی نے جہاں اُستادی کا سکہ سب کے دلوں پر بٹھادیا تھا۔

"مہتاب داغ" حیدرآباد کے قیام کا نتیجہ ہے اور وہیں پہلی مرتبہ چھپا اب دوسری بار راقم تذکرہ نے اُن کے ورثا سے حقوق تصنیف لیکر بڑے اہتمام سے چھپوایا ہے اور شائقین کے فائدہ اور اشتیاق کی نظر سے نصف قیمت کر دی ہے۔ اس دیوان میں مضامین کے ساتھ

سلاست زبان کا بہت لحاظ رکھا گیا۔ اس دیوان کا ایک ایک شعر سہل ممتنع ہونے کے علاوہ ایسا دلچسپ اور دلکش ہے کہ ایک مرتبہ سننے کے بعد اُس کا لطف دل سے نہیں جاتا۔ مثنوی جس کا نام "فریاد داغ" ہے زمانہ قیام رامپور میں کہی گئی تھی اور اس مثنوی کی اصلیت یہ ہے کہ ایک طوائف منی بائی المعروفہ متخلص بہ حجاب کلکتے کی رہنے والی بے نظیر کے میلے میں رامپور آئی۔ حضرت صاحب کی منظور نظر ہوئی جس کی محبت و فراق کا وہ افسانہ ہے۔ حق یہ ہے کہ سچا واقعہ ہونے کی وجہ سے اس کا ہر شعر تیر و نشتر کا کام کرتا ہے۔ زبان کے ساتھ تمام شاعرانہ خوبیوں کا لحاظ رکھا ہے۔ یہ تینوں دیوان اور مثنوی کئی کئی بار چھپ چکی ہیں اور ہر جگہ موجود ہیں۔ یادگار داغ نامی چوتھا دیوان سید علی احسن نے مرزا داغ مرحوم کی وفات کے بعد لاہور سے شائع کیا لیکن چونکہ بلا اجازت ورثائے مرزا مرحوم یہ دیوان شائع ہوا۔ اس لئے اصلی مسودات اور غزلیات مکمل طبع نہ ہو سکیں آخرکار راقم تذکرہ نے بعد حصول حق تصنیف بقیہ غیر مطبوعہ کلام بطور ضمیمہ یادگار داغ مرتب کرکے شائع کیا۔

اُن کے عادات اور حسن اخلاق کے متعلق اتنا لکھنا کافی ہے کہ طبیعت ایسی مرنجان مرنج تھی کہ کیا دنیاوی معاملات اور کیا شاعری کے میدان میں کبھی کسی سے بدمزگی نہ ہوئی۔ ہجو لکھنے لکھانے کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ اعتراض و تعریض اُن کے مسلک سے باہر تھے۔ بعض ہم عصر اُستادانِ فن کو اُن سے حسد ہو تو ہو۔ وہ خود اس الزام سے بالاتر تھے۔ ایک اس کی زندہ نظیر وہ اشتیاق اور خلوص تھا۔ جو انھوں نے امیر مینائی مرحوم کی حیدرآباد میں مہمانداری اور تیمارداری میں ظاہر کیا۔ اسی طرح حضرت جلال۔ مجروح۔ ظہیر۔ تسلیم۔ راسخ۔ ناسخ شعرائے ہم عصر سے ان کے تعلقات ہمیشہ شگفتہ رہے۔ شاعری کی دنیا میں یہ ایک عجیب بات ہے کہ شاذ و نادر ہی کسی کو موجد یا مقلد ہونے کا خطاب دیا جا سکتا ہے۔ ہاں صاحب طرز ہونا جدا بات ہے۔ جرأت نے شوخ کلامی اور معاملہ بندی کا جو رنگ نکالا۔ اُسے منشی ملو عالم جوہر فرخ آبادی نے (جن کا ذکر خیر اور کلام حصہ دوم میں درج ہو چکا ہے) اس خوش اسلوبی

سے سانچے میں ڈھالا کہ وہی تغزل کا زیور قرار پایا۔ حضرت داغ نے اپنی طبع نقاد کی صنعت کاری سے اسے ایسا اُجالا اور مرصع کیا کہ معشوقۂ مجاز کے سر کا جھومر بن گیا غزل کو شاعری کا سرتاج قرار پایا۔ اُستاد کامل فن نے اُسے ایسا کر دکھایا کہ ہر کس و ناکس کے دل کو بھایا۔ اور ہر کوئی اسی رنگ میں لکھنے کی کوشش کرنے لگا۔ فرق اتنا ہوا کہ کسی کو کسی حد تک کسی کو کسی درجہ تک اس تقلید میں کامیابی ہوئی۔ مگر بعض نامی شعراء اس تقلید میں اپنا اصلی رنگ بھی کھو بیٹھے۔

حضرت داغ یہی نہیں کہ غزل گوئی کے مُسلم الثبوت اُستاد اور اپنے طرز میں لاثانی تھے۔ بلکہ جملہ اصناف سخن پر قادر تھے۔ ان کی قادرالکلامی کا ثبوت ان کے دیوان سے مل سکتا ہے۔ مثنوی شاعری کے نہایت مشکل اصناف میں سے ہے۔ اور ہم فریاد داغ کا ذکر اوپر کر آئے ہیں۔ قصیدہ۔ بلاغت سخن۔ مہارت فن۔ علوئے تخیل۔ پختہ کلامی۔ اور علمیت و تبحر کی معیار سمجھا جاتا ہے۔ اگرچہ اردو میں مرزا رفیع کے بعد شیخ ابراہیم ذوق اور میر ممنون کے قصاید ہی مقبول ہوئے اور مستند مانے گئے۔ لیکن حضرت داغ کے جو قصاید مہتاب داغ میں موجود ہیں۔ وہ اپنی آن بان میں کسی ہم عصر کے قصیدوں سے کم نہیں۔ اور انکی قادرالکلامی اور مشاقی فن کا سکہ بٹھاتے ہیں۔ میرزا داغ کی اوستادی میں سوائے کم سواد حاسدوں کے اور کسی کو کیا کلام ہو سکتا ہے۔ ان کے کلام کا خاص رنگ سہل ممتنع۔ فصاحت۔ روزمرہ کی صفائی شوخی مضمون اور بیان کی ندرت ہے۔ چنانچہ ہزارہا اشعار اور صدہا غزلیں قبول عام و خاص کا تمغہ پاکر لوگوں کی زبانوں پر چڑھے ہوئے ہیں۔ زبان کے چٹخارے اور لوچ کے ساتھ ساتھ بندشیں بہت چست ہوتی ہیں اور اکثر محض الفاظ کے اُلٹ پھیر سے شعر میں جان ڈالدیتے ہیں۔ ان کی پُرگوئی اور قادرالکلامی حیرت انگیز ہے۔ چھوٹی بحر ہو یا طویل۔ زمین شگفتہ ہو یا سنگلاخ۔ اپنے زور طبیعت سے آمد کا مزا دکھا دیا ہے۔ غرض کہ کہیں بھی اپنے رنگ کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ آورد کا تمام کلام میں کہیں شائبہ تک نہیں ہے۔ گلزار داغ کی غزلوں

کمعاملے سے پایا جاتا ہے کہ غور و فکر سے شعر کہتے تھے شعر کی بندش اور الفاظ کے
ایک پہلو پر نظر غائر ڈالتے تھے۔ جناب داغ میں اس کے برخلاف ایک حیرت انگیز روانی
ئی جاتی ہے طبیعت ہے کہ دریا کی طرح اُمڈی چلی آتی ہے۔ زبان صاف شستہ بندش
ا تصنع کو مطلق دخل نہیں۔ باایں ہمہ مضمون میں شوخی اور تیکھاپن اس وجہ سے کہ شعر بے مثل
ہوجاتا ہے۔ اور دل میں چٹکی لئے بغیر نہیں رہتا حُسن و ادا کے دلفریب نظارے محبت کی
ک جھونک کے مضمون جس صفائی اور نفاست سے ان کے دیوانوں میں پائے جاتے ہیں
رہ انہیں کا حصہ ہے۔

مختصر یہ ہے کسی کو انکار نہیں کہ شہرت خاص و عام اور قبول دوام کے لحاظ سے بلا مبالغہ
س زمانہ میں کسی شاعر کو اُس نعمت کا عشر عشیر بھی نصیب نہیں ہوا جو حضرت داغ کا حصہ ہے۔ داغ
ا ہر شعر عجیب مقناطیسی جذب اور بجلی کی حرارت رکھتا ہے جس کی تاثیر سننے والے کے دل کو
بے چین کئے دیتی ہے۔ یہ وہ کیفیت ہے جس کا پیدا کرنا شاعری کا جزو اعظم ہے مگر ہر کوئی
سے پیدا ہی نہیں کر سکتا۔ اگر جذبات۔ احساسات اور خیالات کی ہو بہو اور بولتی چالتی تصویر
کھینچنا۔ قسمت کی نقاشی کے مرقعہ میں جگہ پا سکتا ہے۔ تو ہم حضرت داغ کو نیچرل شاعری کے
سابقین سب سے اونچی جگہ دیئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

شعرا کی کثیر تعداد آپ کے تلمذ سے مستفید ہوئی۔ اور جسقدر اچھے شاعر آپ نے ملک میں پیدا
کئے اسکی نظیر آجتک دیکھنے میں نہیں آئی۔ یہ اردو شاعری پر آپ کا دوہرا احسان ہے۔

ل شاگردوں کی تعداد ڈیڑھ ہزار کے قریب ہے۔ جن میں سے بعض ارشد تلامذہ کے نام یہاں
درج کئے جاتے ہیں۔ حضور نظام جنت مقام۔ بیخود بدایونی۔ نسیم بھرتپوری۔ بیخود دہلوی
مرزا سائل دہلوی۔ آغا شاعر دہلوی۔ ڈاکٹر محمد اقبال۔ حسن بریلوی۔ بیباک۔ حیرت۔ آناد
سا۔ فیروز۔ اشک۔ احسن۔ مارہروی وغیرہم۔

ایسے شخص کے کلام کا انتخاب ایک دشوار کام ہے تاہم چند اشعار انکے نتائج افکار سے ناظرین کی تفریح کیلئے نقل کئے جاتے ہیں

انتخاب گلزار داغ

سلامت منزلِ مقصود تک اللہ پہنچا دے
مجھے آنکھیں دکھاتا ہے ہر اک نقشِ قدم میرا

مجھے آباد کرتا ہے مجھے برباد کرتا ہے
خدایا دین و دنیا میں کرم تیرا ستم میرا

یہاں بھی تو وہاں بھی تو زمیں تیری فلک تیرا
کہیں ہم نے پتا پایا نہ ہرگز آج تک تیرا

صبر ہے زاہدِ نافہم نہ میخواروں کا
بخشنے والا ابھی دیکھا ہے گنہگاروں کا

اُڑ گئے نام شفا سُن کے زہے خواہشِ مرگ
مُنہ ذرا سا نکل آیا ترے بیماروں کا

دوش پر اپنے جو صیاد نے زلفیں چھوڑیں
اور جی چھوٹ گیا آج گرفتاروں کا

گر میرے بُتِ ہوش رُبا کو نہیں دیکھا
اُس دیکھنے والے نے خدا کو نہیں دیکھا

جنت ہے مگر خانۂ دشمن بھی الٰہی
آتے ہوئے اس گھر میں قضا کو نہیں دیکھا

آج راہی جہاں سے داغ ہوا
خانۂ عشق بے چراغ ہوا

نہ دل ہی ٹھہرا نہ آنکھ جھپکی نہ چین پایا نہ خواب دیکھا
خدا دکھائے نہ دشمنوں کو جو دوستی میں عذاب دیکھا

آخر کو عشق کفر سے ایمان ہو گیا
میں بُت پرستیوں سے مسلمان ہو گیا

رندان سے بے ریائی ہے صحبت کسے نصیب
زاہد بھی ہم میں بیٹھ کے انسان ہو گیا

دل کیا ملاؤ گے کہ ہمیں ہو گیا یقیں
تم سے تو خاک میں بھی ملایا نہ جائے گا

لے ہی تو آئیں گے اُسے ہمدم
میرے ہی نام سے تو آئے گا

ترا اک وعدۂ دیدار اور وہ بھی قیامت پر
پھر اُس پہ صبر اتنا ہائے دل امیدواروں کا

آپ کے سر کی قسم داغ کو پروا بھی نہیں
آپ کے ملنے کا ہوگا جسے ارماں ہوگا

بن گئی فرقت میں جو کچھ اپنے جی پر بن گئی
ہو گیا جو کچھ ہمارے دل کا عالم ہو گیا

حُسن میں انداز کے آتے ہی نخوت آ گئی
زلف میں پڑتے ہی بل ابرو بھی خم ہو گیا

جس کی گالی بھی شب کو وہ صبح کو دیکھئے
اے تمنا کیا کشاکش محبت میں کیا ہوا
خدا سے جانتے ہیں تیری جانِ عزیز میاں
ستم کو جفا ہی کرنا تھا والفت کبھی نہ کرتا
عشق ہے تم کو جو تو انسان کے جانا
سمجھا طریق الفت کہ دشمنوں نے بھی ملکے چلنا
تمہیں کہو کہاں تھی یہ وضع یہ ترکیب
بتائیں لفظ تمنا کے تم کو معنے کیا
جو ہو سکتا ہے اس سے وہ کسی سے ہو نہیں سکتا
سنا ہے طریقے کا نہ ہنسنا ہے سلیقے کا
سبب ہے جس طرح دل میں رہو نظروں میں بھی یونہی

جس وقت آنکھ کھل گئی بیدار ہو گیا
بیٹھے بٹھائے جان کو آزار ہو گیا
پہنا جو تو نے رنگ وہی رنگ کھل گیا
تمہیں قسم ہے ہمارے سر کی ہمارے حق میں کمی کرنا
قدار ہی پاس ہے دیکھی ہیں ہماری ہنسی نہ کرنا
یہ ایک شیوہ ترا ستمگر کہ دوست سے دوستی نہ کرنا
ہمارے عشق نے سانچے میں تم کو ڈھال دیا
تمہارے کان میں اک حرف ہم نے ڈال دیا
مگر دیکھو تو پھر کچھ آدمی سے ہو نہیں سکتا
پریشانی میں کوئی کام جی سے ہو نہیں سکتا
کہاں کی ایسی گھبراہٹ ہے ٹھہرو دم تو لو جاتا

ہوا ہے جب سے شہرہ اس عدوئے دین و ایماں کا
خوشامد اس قدر کی ہو گیا بدنام عالم میں
کوئی دل چیر کے دیکھے عقیدہ ہر مسلماں کا
نہ مانا جانتا ہے مجھ کو یہ عاشق ہے ویراں کا

آوازِ غلط بولتی ہیں پڑھ کے بولیاں
نیلام ہو رہا ہے تمہارے شہید کا

وائے غفلت کہ اب کیا ہم نے
جو ہمیں پہلے کام کرنا تھا

گذاری ہم نے ساری رات یہ کہہ کر معاب آئے
ہماری سخت جانی بس نہ ٹھہری کھیل ہی ٹھہرا
ذرا اے چشمِ تر تھمنا ذرا اے دل جسکو رہنا
قسم ہے تم کو گردن پر چھری تم پھیر کر رہنا

سنبھل سنبھل کے بگڑتا ہے کچھ دل بیتاب
الٰہی آج یہ صدمہ ہے جان پر کیسا

مر گئے ہم تو وضعداری میں
دوستی کی نباہ نے مارا

خود رفتگی میں خاک ہوا کیمیا ہوا
کہتا تھا آج خاک میں کوئی ملا ہوا

کم ہو گا داغ سا بھی مکار اب جہاں میں
اس بت پہ شیفتہ ہو اور نام لے خدا کا

یہ دل کو تاب کہاں ہے کہ ہو مآل اندیش
کچھ آگے داور محشر سے ہے امید مجھے
تڑپ کر سینے میں اس رنگ سے پیکاں نکلا
تری الفت کی چنگاری نے ظالم اک جہاں پھونکا
مجھے کیوں کر یقیں ہو آگ ظالم کو جلائیگی
رہا تھا کونسا ارمان جیتے جی جلانے کا

انھوں نے وعدہ کیا اس نے اعتبار کیا
کچھ آپ نے مرے کہنے کا اعتبار کیا
دل سے بے ساختہ نکلا کہ وہ ارمان نکلا
اودھر چمکی ادھر سلگی یہاں پھونکا وہاں پھونکا
کسی دن آتش رنگ شفق نے آسماں پھونکا
کہ تو نے لاش کو میری جواب اے بدگماں پھونکا

عشق در پردہ پھونکتا ہے آگ
ڈھونڈتی ہیں جسے مری آنکھیں
جان جاتی دکھائی دیتی ہے

یہ جلانا نظر نہیں آتا
وہ تماشا نظر نہیں آتا
اُن کا آنا نظر نہیں آتا

سینے میں اب کہاں وہ جوش وہ بھی تھا اک اُبال سا
عرض وفا پہ دیکھنا اوسکی ادائے دلفریب
اوسکی لچک پہ دم فدا اوسکی ادا پہ دل نثار
تارے ہی گن کے کاٹتے رات فراق کی مگر

بیٹھ گیا کچھ اُٹھتے ہی چھوڑ گیا خیال سا
دلمیں کچھ اعتبار سا آنکھ میں کچھ ملال سا
ہائے وہ شاخ سی کمر ہائے وہ قد نہال سا
نکلا ستارہ بھی کہیں کوئی تو خال خال سا

کوسوں تک اُسکے لٹے پاؤں چلا آہ میں غریب
ہاتھوں سے جو بچے تری باتوں سے مر گئے
تہمت نرکھو خدا کے لئے مجھ پہ زاہدا

جبتک میری نظر سے نہ پنہاں وطن ہوا
چٹکی میں تھا جو تیر وہ لب پر سخن ہوا
کب میں نے توبہ کی تھی جو میں توبہ شکن ہوا

بات کیا چاہیئے جب مفت کی حجت ٹھہری
نفس کے آنے جانے پر بشر کی زندگی ٹھہری
رہی ہے رات بھر تھم تھم کے رہ رہ کر چپک دلمیں
کل چھڑا لیں گے یہ زاہد آج تو ساقی کے ہاتھ
زندگی میں پاس سے دم بھر نہ ہوتے تھے جدا

اس گنہ پر مجھے مارا کہ گنہگار نہ تھا
یہ پوچھو تو مسافر تو نے کیا لطف سفر پایا
جگا یا رے کے چٹکی دردنے جب بیخبر پایا
رہن اک چلو پہ ہم نے حوض کوثر رکھ دیا
قبر میں تنہا مجھے یاروں نے کیونکر رکھ دیا

ہنگامۂ لطف ملاقات اسے کہتے ہیں
خوش کبھی ہیں نہ ہوا شاد کبھی تو نہ ہوا

لطف فرقت جو وہ رہتا تو نکلتا ہی نہ تھا
مین حکمت تنی وہ کافر جو دل آزار رہا

فلک میں دل کی صفائی نے ملا یا مجکو
کرم ایک جہاں واقف اسرار رہا

عجب اپنا حال ہوتا جو وصال یار ہوتا
کبھی جان صدقے ہوتی کبھی دل نثار ہوتا

جو تمہاری طرح تم سے کوئی جھوٹے وعدہ کرتا
تمہیں کہدو منصفی سے تمہیں اعتبار ہوتا

ترے وعدہ پر ستمگر ابھی اور صبر کرتے
اگر اپنی زندگی کا ہمیں اعتبار ہوتا

یہ مزا تھا دل لگی کا کہ برابر آگ لگتی
نہ تجھے قرار ہوتا نہ مجھے قرار ہوتا

خاطر سے یا لحاظ سے میں مان تو گیا
جھوٹی قسم سے آپکا ایمان تو گیا

دیکھا ہے بتکدے میں جو اے شیخ کچھ نہ پوچھ
ایمان کی تو یہ ہے کہ ایمان تو گیا

کبھی مسجد میں جو وہ شوخ پریزاد آیا
پھر نہ اللہ کے بندوں کو خدا یاد آیا

میرے قابو میں نہ پہروں دل ناشاد آیا
وہ مرا بھولنے والا جو مجھے یاد آیا

دی مؤذن نے شب وصل اذان پچھلی رات
ہائے کمبخت کو کس وقت خدا یاد آیا

جان لیجائے گا آنا شب تنہائی کا
کون اب روکنے والا ہے مری آئی کا

بھر گیا پرتو رخسار سے کچھ اور ہی رنگ
میں نے منہ چوم لیا اُس کے تماشائی کا

راز دل کوئی کہے لاکھ میں کیونکر اپنا
داور حشر جدا چاہیے محشر اپنا

وہ زمانہ ہی تمہیں یاد ہے تم کہتے تھے
دوست دنیا میں نہیں داغ سے بہتر اپنا

میرے مرنے سے کیا ظالم نے کو سامان عیش
پر لب مطرب پہ آکر نغمہ شیون بن گیا

آشنا ہی تیری بزم سے دشوار تھا ہمیں
اوسپر سنبھالنا دل بے اختیار کا

غش کھا کے داغ یار کے قدموں پہ گر پڑا
بیہوش نے بھی کام کیا ہوشیار کا

لطف آرام کا نہیں ملتا
آدمی کام کا نہیں ملتا

دل نے تری گلی سے نہ اٹھنے دیا مجھے
سو بار قصد دیر و حرم ہو کے رہ گیا

غم نے ترے نچوڑ لیا قطرہ قطرہ خوں
تھوڑا ہی درد دل میں کھٹکنے کو رہ گیا

نام اسکا تو میرے دل میں تھا پنہاں ناصح
ہائے کمبخت ترے منہ سے یہ کیونکر نکلا

بیداد نری دیکھ کے یہ حال ہوا ہے
عاشق کوئی دنیا میں کسی پہ نہیں ہوتا

شب کو جلتا چھوڑ آئے تھے دل اس کوچہ میں ہم
وہ بھی قسمت سے چراغ راہ دشمن ہو گیا

اے داغ صدمہ غم ہجراں بجا درست
یہ سب سہی مگر نہیں جینا ضرور تھا

جو عرض تمنا پر ظالم نے کہا مجھ سے
اب تک نہ ملا ہوگا سائل کو جواب ایسا

نومید کرم ہو کہ ہم توبہ کریں مے سے
دوزخ میں پڑے زاہد یہ لطف ثواب ایسا

پوچھا تھا محبت میں ہوتا ہے قلق کیسا
قسمت نے کہا دیکھ لے خانہ خراب ایسا

لوگ کہتے ہیں بنا دلی بگڑ کر لکھنؤ
پر کہاں اے داغ اس اجڑے ہوئے گل کا جواب

مہرباں ہو کے جب ملیں گے آپ
جو نہ ملتے تھے سب ملیں گے آپ

کم نہیں سامان میں ہنگامہ محشر سے آپ
دیجئے دلکو دعائیں نکلیے اس گھر سے آپ

حضرت زاہد ہر ایک نشہ کو عادت شرط ہے
مر نہ جائینگے شراب چشمہ کوثر سے آپ؟

حضرت زاہد نکل آیا فلک پہ آفتاب
پیر و مرشد اب تو اٹھئے میکدے کے در سے آپ

ہے طرفہ تماشہ سر بازار محبت
سر بیچتے پھرتے ہیں خریدار محبت

اللہ کرے تو بھی ہو بیمار محبت
صدقے میں چھٹیں تیرے گرفتار محبت

ابرو سے چلے تیغ تو مژگاں سے چلیں تیر
تعذیر کے بھوکے ہیں خطاوار محبت

اس واسطے دیتے ہیں وہ ہر روز نیا داغ
اک درد کے خوگر نہ ہوں بیمار محبت

واعظ کی زباں پر تو وہ کلمے ہیں کہ گویا
بخشے ہی نہ جائیں گے گرفتار محبت

کل تاب فغاں تھی تو یہ تاثیر کہاں تھی
کیا کیا لب خاموش پہ قرباں ہے اثر آج

اندیشہ فردا نہ رہے حضرت زاہد
میخانے میں پی لیجئے تھوڑی سی اگر آج

وعدے پہ مری انکی قیامت کی ہے تکرار
اور بات ہے اتنی کہ ادھر کل ہے ادھر آج

[illegible] جسکو ملیگا بڑھیگا شوق
محشر میں خلق اپنی مصیبت میں مبتلا

وہی تو ہے شعلۂ تجلی کہ دشت ایمن سے تنگ ہوکر
جھلک دکھا چشم منتظر میں نکل گئی دل کی آرزو بھی

یہاں ملیں خیال اور ہے واں ہے نظر اور
نہیں تو ہمکو خواب میں جو تمہیں تو ہو جو خیال میں ہو

رقیب سے بھی تم نے مانا مجھے تو نے دل سے جانا
مجھ سے کہتے ہیں نکالیں گے ہمیں کچھ تدبیر

وہی قاتل وہی مخبر وہی منصف ہے مرا
کہاں کرشمہ برق جمال و طور کہاں

چشم جاناں سے رنگ ہو لے حیا
وہ نازک کر جامہ سے باہر نکل کر

رہبر نے راہ عشق میں برسوں دیے چکر مجھے
بیٹھے بٹھائے آئے جو شامت تو کیا علاج

کہتے نہ تھے وہ سن کے برا مان جائینگے
ستم دیکھو بیان رنج پر کہتا ہے وہ ظالم

دلوں پہ سینکڑوں سکے تھے جوبن کے بیٹھے ہیں
کوئی چھینٹا پڑے تو داغ کلکتہ چلے جائیں

بھرے ہیں عجب ادائیں اس شوخ سیمتن میں
یہ شوق خودنمائی کیا کچھ جنوں سے کم ہے

سمت پہ آئینگے وہ یہاں مجھ میں دم ہے باقی
جنت کو میں پسند جہنم کو تو پسند

یہاں یہ تلاش آئے کوئی خوبرو پسند
ہنسے اپنی نمودھاری کھلا جسنوں پہ رنگ ہوکر

بڑھا فزوں ملنے کا ہر جو صبح ہو جائے جنگ ہوکر
ہے حال طبیعت کا ادھر اور ادھر اور

کہاں چلے آنکھ بچاکر کدھر کو جاتے ہو دل میں آکر
بھلوں سے کرتے ہیں سب بھلائی کسی برے کا تو کچھ بھلا کر

صاف کہدو نہ دل آیا ہے تمہارا کس پر
اقربا میرے کریں خون کا دعوے کس پر

نظر پڑی تھی کسی دل جلے کی پتھر پر
یوں جھلکے پڑتے نہیں ہیں پیار پر

تھکے اس طرح جس طرح کوئی چل کر
ظالم سے جب پوچھا کہاں اب آگئے منزل کہاں

دل نے کہا کہ آؤ چلیں یار کی طرف
اسے داغ اٹھے اور کہو ماجرائے دل

یہ صدمے تو نہیں آخر کسی پہ ہم بھی مرتے ہیں
کلیجوں پہ ہزاروں تیر اس چتون کے بیٹھے ہیں

عظیم آباد میں ہم منتظر ساون کے بیٹھے ہیں
ایک ٹیڑھا سادگی میں ایک سیدھا بانکپن میں

بیتاب تجھکو لایا خلوت سے انجمن میں
زندہ لپیٹ دینا یارو مجھے کفن میں

تم قسم سے کے وار کرکہ مرا ور دست نہ جائے
جب میں نہیں تو لذت زخم جگر کہاں

کیا کہا پھر تو کہو دل کی خبر کچھ بھی نہیں
کیوں یہ کیا ہے خرم گیسو میں اگر کچھ بھی نہیں

الجھ پڑتی ہے کہیں پاؤں کہیں پڑتا ہے
سب کی ہے تم کو خبر اپنی خبر کچھ بھی نہیں

کیسا جواب حضرت دل دیکھئے ذرا
پیغامبر کے ہاتھ میں ٹکڑے زباں کے ہیں

ہر چند داغ ایک ہی عیار ہے مگر
دشمن بھی تو چھٹے ہوئے سارے جہان کے ہیں

لطف مے تجھسے کیا کہوں زاہد
ہائے کمبخت تو نے پی ہی نہیں

اڑ گئی یوں وفا زمانہ سے
کبھی گویا کسی میں تھی ہی نہیں

دل لگی دل لگی نہیں ناصح
تیرے دل کو ابھی لگی ہی نہیں

کبھی فلک کو پڑا دل جلوں سے کام نہیں
اگر نہ آگ لگا دوں تو داغ نام نہیں

چلا ہے کعبہ کو تو خاک چھاننے زاہد
فقط خدا ہی خدا ہے حرم میں خاک نہیں

ملے مجھ سے تو فرمایا تمھیں کو داغ کہتے ہیں
تمھیں ہو ماہ کامل میں تمھیں سنتے ہو لالے ہیں

بنے ہوئے ہیں وہ محفل میں صورتِ تصویر
ہر ایک کو یہ گماں ہے ادھر کو دیکھتے ہیں

اے آرزوئے تازہ نہ کر مجھسے چھیڑ چھاڑ
میں پائے شوق و دست تمنا بریدہ ہوں

اجل کا نام لیں تقدیر کو روئیں مجھ کو سیں
مرے قاتل کا چرچا کیوں ہو میرے سوگواروں میں

مرا ہی دل نہ ہو میں ہی نہوں لے مرگ مایوسی
خدا جانے یہ کسکی فاتحہ ہے آج یاروں میں

وہ ہے افسردہ دل عالم بجا ہے یہ اگر کہیئے
کہ مرتے ہیں نہیں پر اور زندے ہیں مزاروں میں

دل کا کیا حال کہوں صبح کو جب اُس بُت نے
لیکے انگڑائی کہا نازسے ہم جاتے ہیں

فلک دیتا ہے جنکو عیش انکو غم بھی ہوتے ہیں
جہاں بجتے ہیں نقارے وہاں ماتم بھی ہوتے ہیں

گلے شکوے کہاں تک ہونگے آدھی رات تو گذری
پریشاں تم بھی ہوتے ہو پریشاں ہم بھی ہوتے ہیں

زمانہ دوستی پر ان حسینوں کی نہ اترائے
یہ عالم دوست اکثر دشمن عالم بھی ہوتے ہیں

بظاہر رہنما ہیں اور دل میں بدگمانی ہے
ترے کوچہ میں جو جاتا ہے آگے ہم بھی ہوتے ہیں

جانتا ہوں کہ مرتا ہوں تو فرماتے ہیں مر جاؤ
کوئی اب تجھ سے آرزو ہی نہیں
مدت ہوئی نامہ و پیغام کہاں تک ہو سکے
خدا شاہد خدا شاہد یہ کیوں کہتے ہو وعدوں پر
جو لکھا تو غلط کیا ہے بتا دو مجھکو
دیکھئے سیر سر حشر میرے پاس اگر
میں بھی حیران ہوں اے داغ کہ یہ بات ہے کیا
گرے ہوتے الجھ کر آستاں سے
جس میں لاکھوں برس کی حوریں ہوں
مریض عشق کی کیا پوچھتے ہو حال مجھ
رخ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں
دم تقریر نالے حلق میں چھریاں چبھوتے ہیں
وہی جھگڑا ہے فرقت کا وہی قصہ ہے الفت کا
ہر دلیں نئی طرح سے ہے یاد کسی کی
یار کا پاس نزاکت دل ناشاد رہے
رنج وہ رنج ہے جسمیں نہ بتوں کو بھولیں
یوں تو ہرگز نہ پلاؤں نہ پیوں اے زاہد
تدبیر سے قسمت کی برائی نہیں جاتی
مے پی تو سہی توبہ بھی ہو جائے گی زاہد
کیجئے اے قسمت برگشتہ تلاش دشمن
حق ہے احسانات میں ناصح کا طرفدار ہوں میں

جو غرض اسکو ہے مجھپر تو ہزار دل سے ہی مجھ ہیں
اب جو دیکھا تجھے وہ تو ہی نہیں
صاف کہدیجئے ملنا ہمیں منظور نہیں
خدا کو کیا غرض میرے تمہارے درمیاں کیوں ہو
دوسرا کوئی تو اپنا سا دکھا دو مجھکو
کہتے ہیں کون ہوں میں جانتے ہو تم مجھکو
وعدہ وہ کرتے ہیں آتا ہے تبسم مجھکو
چلے آئے ہو گھبرائے کہاں سے
ایسی جنت کو کیا کرے کوئی
کہ زندہ کوئی بھی تیماردار باقی ہے
ادھر جاتا ہے دیکھیں یا ادھر پروانہ آتا ہے
زباں تک ٹکڑے ہو ہو کر مرا افسانہ آتا ہے
تجھے اے داغ کوئی اور بھی افسانہ آتا ہے
ملتی نہیں فرہاد سے فریاد کسی کی
نالہ تھمتا ہوا رکتی ہوئی فریاد رہے
عیش وہ عیش ہے جس میں نہ خدا یاد رہے
توبہ کرتے ہی بدل جاتی ہے نیت میری
بگڑی ہوئی تقدیر بنائی نہیں جاتی
کمبخت قیامت ابھی آئی نہیں جاتی
دوست کو ڈھونڈتے ہیں ہم تو عدو ملتا ہے
دل کی کہتا ہے جو اس دل کو برا کہتا ہے

یاد سب کچھ ہیں مجھے ہجر کے صدمے ظالم
غش آیا ہاتھ کانپے تیغ کے ٹکڑے ہوئے آخر
سچ ہے کہ یونہی ڈوب گئیں اپنی وفائیں
دل مجھے تو اس مزاج کا پروردگار دے
اپنی تصویر پہ نازاں ہو تمھارا کیا ہے
دوست خوش ہونے لگے دوست کے مرجانے سے
روح کسی مست کی پیاسی گئی میخانے سے
قابلِ رحم ہے اس شخص کی رسوائی بھی
سنتے ہیں خوشی بھی ہے زمانہ میں کوئی چیز
دل میں نے دیا تھا جسے دلدار سمجھ کر
یہ میرے واسطے تاکید ہے دربانوں کو
حور کے واسطے زاہد نے عبادت کی ہے
رہ رہ کے وہ پچتائیں کہ کیوں اسکو ستایا
نہیں ہوتی کسیکو بھی گوارا اپنی ناکامی
آشفتگی کسی کی اثر کچھ تو کر گئی
کیا کہیے کس طرح سے جوانی گذر گئی
زاہد شراب ناب کی تاثیر کچھ نہ پوچھ
کچھ زہر نہ تھی شرابِ انگور
داغ کو کون دینے والا تھا
بوسہ مانگا تو کہا اُسنے بدل کر چتون
تڑپنے سے دلِ بیتاب کوئی غم نکلتا ہے

بھول جاتا ہوں مگر دیکھ کے صورت تیری
کہو تو سخت جانوں کا کرو گے امتحاں پھر بھی
ہم تم پہ کسی طرح کا دعویٰ نہیں رکھتے
جو رنج کی گھڑی بھی خوشی سے گذار دے
آنکھ نرگس کی دہن غنچہ کا حیرت میری
غم کا یہ کال پڑا ہے مرے غم کھانے سے
مے اُڑی جاتی ہے ساقی تیرے پیمانے سے
پڑے پڑے ہی میں کمبخت جو رسوا ہو جائے
ہم ڈھونڈھنے پھرتے ہیں کدھر ہے وہ کہاں ہے
کیوں تم وہی معشوق ہو یا مجھکو گماں ہے
کہ اسے میں بھی بلاؤں تو نہ آنے پائے
سیر تو جب ہے کہ جنت میں نہ جانے پائے
تھم تھم کے میری آہ میں یارب اثر آئے
جسے تو بخش دیتا ہے جہنم اس سے جلتا ہے
بن بنکے زلف رخ پہ تمھارے بکھر گئی
بدنام کرنے آئی تھی بدنام کر گئی
اکسیر ہے جو حلق کے نیچے اُتر گئی
کیا چیز حرام ہو گئی ہے
جو دیا اے خدا دیا تو نے
آپکو یہ بھی خبر ہے میری عادت کیا ہے
ٹھہر جا صبر کر مضطر نہ ہو کیوں دم نکلتا ہے

پھنا ہمری بات پہ آپس میں سچ کہا
سنکر میرا فسانۂ غم اُس نے یہ کہا
مدعی جس کا نام آپ جلتے ہیں داغ
غم اٹھانے کے واسطے دم ہے
اچھی صورت پہ غضب ٹوٹکے آنا دِل کا
اِن حسینوں کا لڑکپن ہی رہے یا اللہ
حسینوں کی وفا کیسی جفا کیا
تو ہی اپنے ہاتھ سے جب دلربا جاتا رہا
داغ ہر ایک زباں پر ہو فسانہ تیرا
دعا مانگ لو تم بھی اپنی زباں سے
قبضہ کرتا ہے ہر ایک حور شمائل اپنا
اوپری دِل سے بپا گریہ وزاری رکھنا
آئیں تم تھم کے مرے دل کو جراحت کے مزے
عاشقی سے ملے گا اَے زاہد
دہنے آدمی جنت سے بھی بیت الحزن اپنا
اہجر بھی تو نہیں ہے غم عشق میں کمی
بیخود ہے وصال میں بیہوش ہجر میں
کس کس طرح سے اسکو جلاتے ہیں رات دن
اِدھر دیکھ لینا اُدھر دیکھ لینا
جس دن وہ مرے قتل کے سامان ہونگا
بزم دشمن میں نہ کھلنا گل تر کی صورت

میری زباں کی ہے نہ تمہاری زباں کی ہے
ہو جائے جھوٹ سچ یہی خوبی بیاں کی ہے
ہندوستاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے
زندگی ہے اگر تو کیا غم ہے
یاد آتا ہے ہمیں ہائے زمانہ دِل کا
ہوش آتا ہی تو آتا ہے ستانا دل کا
جو دل آیا تو پھر اچھا بُرا کیا؟
دل کی بھی پروا نہیں جاتا رہا جاتا رہا
وہ دن آتے ہیں وہ آتا ہے زمانہ تیرا
کہ پورا ہو جو مدعا ہے کسیکا
آج ہم وقف کیئے دیتے ہیں تو عمل اپنا
آخری وقت ذرا شرم ہماری رکھنا
تیغ بے آب ذرا گُند کناری رکھنا
بندگی سے خدا نہیں ملتا
کہ اپنا گھر ہے اپنا اور ہے اپنا وطن اپنا
کھاتا ہے ایک جہاں تمہارا دیا ہوا
کیا جانے ہم سے کب وہ ملا کب جُدا ہوا
وہ جانتے ہیں داغ ہے ہم پر مٹا ہوا
کنکھیوں سے مجکو مگر دیکھ لینا
وہ دن بھی کبھی گردش دوران میں ہوگا
جاؤ بجلی کی طرح آنکھ نظر کی صورت

بزم میں دیکھا ہے کس حسرت سے میں نے سوئے دوست — مجھکو دشمن سے گلے مل کر جو آئی بوئے دوست
آپ اپنے کو تو چشم شوق پہلے دیکھ لے — کیا ہنسی ہے کھیل ہے یوں دیکھ لینا روئے دوست

اے وعدہ فراموش رہی تجھکو جفا یاد — یہ بھول بھی کیا بھول ہے یہ یاد بھی کیا یاد
اُستاد نے اچھا سبق عشق پڑھایا — جب اس کو بھلاتا ہوں یہ ہوتا ہے سوا یاد

حسرت آتی ہے دل ناکام پر — اس کو دے ڈالوں خدا کے نام پر

آئے کوئی تو بیٹھ بھی جائے ذرا سی دیر — مشتاق دید لطف اٹھائے ذرا سی دیر
ہوتی ہیں اتنی بات کی برسوں شکایتیں — کوئی اگر کسی کو ستائے ذرا سی دیر
سب خاک ہی میں مجھکو ملانے کو آئے تھے — ٹھیرے رہے نہ اپنے پرائے ذرا سی دیر
تم نے تمام عمر جلایا ہے داغ کو — کیا لطف ہو جو وہ بھی جلائے ذرا سی دیر

دلی سے چلو داغ کرو سیر دکن کی — گوہر کی ہوئی قدر سمندر سے نکل کر

تمکو تو آرزو کی خلش بھی نہیں ہوئی — کیا جانو کیا گذرتی ہے اُمیدوار پر

جانچ لو ہاتھ میں پہلے دل شیدا لیکر — نہیں پھرنے کا مری جان یہ سودا لیکر
ناز ہوتا ہے اُنھیں مال پرایا لیکر — دُون کی لیتے ہیں میرا دل شیدا لیکر
دل کا سودا جو کرے تم سے وہ سودائی ہو — دام دیتے ہی نہیں مال پرایا لیکر
رکھدیا ہاتھ مرے منہ پہ بت کافر نے — صبح اُٹھنے نہ دیا نام خدا کا لیکر
اپنی آنکھوں سے تو دیکھی نہیں دل کی چوری — کیوں گنہگار رہوں میں نام کسی کا لیکر

مزے لوں درد کے میں تھوڑے تھوڑے ظلم سہہ کر — ستم کیجے تو تھم تھم کر جفا کیجے تو رہ رہ کر

حضرت زاہد ہماری چھیڑ کی عادت نہیں — گدگدی ہوتی ہے دل میں پارسا کو دیکھکر
ہم مٹے جس پر تیری بیساختہ وہ بات تھی — تو بھی عاشق ہو ہی جاتا اُس ادا کو دیکھکر

یہ حوروں پہ مرتا ہے بے دیکھے بھالے — نہیں کوئی عاشق مسلماں سے بڑھکر

اپنی نظر میں ہیچ ہے سارے جہاں کی سیر — دل خوش نہ ہو تو کس کا تماشا کہاں کی سیر

...کو کتنی بھی کہا طبع تخیل
...بھر یہاں کے شیق کفن کے پاس
...چشتی پاک ترچھوڑ نہ سالہ رقیب
...یکھی بے کلی نصیب ہو وہ اپنی لاش
...سے ہم پھر یہ اٹھا کے پشت نہ جائیں

محبت میں تکرار کا ہے مزہ

...رائے دل مضطر وہ نہیں ملنے کے
...من کو وہ تیر نظر کرتے ہیں
...گئے نامۂ اعمال کو لکھتے لکھتے
...قطع تعلق تو جفائیں کیوں ہوں
...خوش باش گنداہل صفا کرتے ہیں
...خاک تیری جستجو میں ہر کہیں برسوں
...تھا تو بھی تھا وہ بیوفا آغوش دشمن میں
...اعمال جو غیروں سے لکھا ہو مجھ سے
...جب کیا تو یہ جانا تو قیامت آگئی
...ساتھ کیسے فتنے نیچی نگاہ میں
...وار رحمت باری ہوں اس قدر
...ر ہم کس طرف سے یہ آنے لگی صدا
...اٹھا ہوں نہ اس بزم سے اٹھ سکتا ہوں
...محبت کا ہوا نفت عبادت زاہد

...اپنے بسمل کا سر ہے زانو پہ

مرتی ملی قارون کی ہوتا لکھاتے کے پاس

جتنا وطن سے دور ہوں اتنا وطن ہے پاس
شہر کو لائے شوق سے خود کو وطن کے پاس
میت غریب کے جائیگی گور و کفن کے پاس
احباب کچھ نشان بنادیں وطن کے پاس

لگے ہوں جو باہم دگر دیر تک

کل سے آج اچھی ہوئی ہو گی یہی آج سے کل
رات دن ہائے جگر ہائے جگر کرتے ہیں
کیا فرشتوں کا برا حال بشر کرتے ہیں
جن کو مطلب نہیں رہتا وہ ستاتے بھی نہیں
نہ خفا ہوتے ہیں ایسے نہ خفا کرتے ہیں
پھری آسماں بنکر مرے سر پر زمیں برسوں
کہ میری بدگمانی نے اُسے رکھا ہیں ہوں
ہیں مرے کان گنہگار کہوں یا نہ کہوں
زندگی میری بھی تنگ ہے کہ میں غفلت میں ہوں
آئینہ رکھدے کاش کوئی اُنکی راہ میں
ہوتا ہوں میں شریک برائے گناہ میں
آتا ہوا آئے مجھکو ہماری پناہ میں
ناتوانی سے بڑے کام لئے جاتے ہیں
ہے کہیں بال کہیں دام لئے جاتے ہیں

کس محبت سے جان لیتے ہیں

کر چکے سب اپنی اپنی حکمتیں ۔ دم نکلتا ہو تو ہمدم کیا کریں
معرکہ ہے آج حسن و عشق کا ۔ دیکھئے وہ کیا کریں ہم کیا کریں
حیدرآباد اور لشکر یاد ہے ۔ اب کے دلّی میں محرم کیا کریں

ہماری طرف اب وہ کم دیکھتے ہیں ۔ وہ نظریں نہیں جن کو ہم دیکھتے ہیں
غنیمت ہے چشمِ تغافل بھی اُن کی ۔ بہت دیکھتے ہیں جو کم دیکھتے ہیں

بُرا انجان حسینوں کو مان اے واعظ ۔ خدا گواہ یہ بندے خدا کے پیارے ہیں
وفا کرو کہ جفا اختیار ہے تم کو ۔ بُرے ہیں یا ہیں بھلے جیسے ہیں تمہارے ہیں
دیں یہ رشکِ مہ و مہر ہیں حسیں لاکھوں ۔ فلک پہ وہی تو چمکے ہوئے ستارے ہیں

زمانہ کیا ستائے گا فلک آزار کیا دے گا ۔ مصیبت اس سے بڑھکر اور کیا ہوگی کہ بیدل ہوں
کہاں کی داد خواہی حشر میں جب کہا اُسنے ۔ ترا جی چاہتا ہے میں گنہ گاروں میں داخل ہوں

جتنی باتیں کام کی تھیں کر گئے سب اہلِ عشق ۔ تو گرفتارِ محبت میں کروں تو کیا کروں
التجائیں جسقدر تھیں سب اس بت کافر کی ہیں ۔ اب خدا سے عرضِ حاجت میں کروں تو کیا کروں
ہوش ہی جاتے رہیں تو آدمی کیا کر سکے ۔ دیکھ لوں جب اچھی صورت میں کروں تو کیا کروں
دل سے وہ کافر صنم نکلے تو سب کچھ ہو قبول ۔ جا کے مسجد میں عبادت میں کروں تو کیا کروں

تسلّی مرے دل کو کیا دے رہے ہیں ۔ مرے دلمیں وہ چٹکیاں لے رہے ہیں
عجب خوبیاں خوبرویوں میں دیکھیں ۔ بُرائی میں بھی سب سے اچھے رہے ہیں
جدھر سے وہ گذرے قیامت بپا تھی ۔ کہ نقشِ قدم تک تڑپتے رہے ہیں

خط میں لکھے ہوئے رنجش کے کلام آتے ہیں ۔ کس قیامت کے یہ نامے مرے نام آتے ہیں
تابِ نظارہ کہاں دیکھئے جوان کے جلوے ۔ بجلیاں کوندتی ہیں جب لبِ بام آتے ہیں
نہ کسی شخص کی عزّت نہ کسی کی توقیر ۔ عاشق آتے ہیں تمہارے کہ غلام آتے ہیں

بتوں سے اب معافی چاہتا ہوں ۔ خدا سے کچھ کہا تھا بے خودی میں

[illegible] کہ [illegible] دل
کسی میں داغ ہے کا نشان کسی میں

دم نہیں دل نہیں داغ نہیں
کوئی دیکھے تو اب وہ داغ نہیں

[illegible] ہوتی ہے
جہاں کی سیر [illegible] ہو گئی نہیں

وہ نہیں کہ تیرا جہاں میں حسین نہیں
اس دل کو کیا کروں یہ بہلتا کہیں نہیں

کیا ہے [illegible] کا دیکھ کر [illegible]
کوئی بتائے کہ دو دن جہان دیتے ہیں

دو رنج غصہ کا اپنے خدا نہیں دیتا
جو مجھ کو ایک مرے مہربان دیتے ہیں

واعظ [illegible] اگر یوں عذاب ہو
دوزخ میں پاؤں ہاتھ میں جام شراب ہو

[illegible] جرم سے ہیں منفعل مگر
تنخواہ تو نہیں ہے کہ جس کا حساب ہو

[illegible] تم جلاؤ جلاؤں نہیں جو خوش
میرا بھی نام داغ ہے گر تم حجاب ہو

زاہد کو پڑا نا ہے میکش کو [illegible]
اللہ کو مقبول مگر دیکھئے کیا ہو

یا رب بنا دے تو اسی صورت کا اور کچھ
اس آسماں سے تنگ ہیں آسماں نہ ہو

واعظ کہا ہے کیجئے جو ویرانہ کو بہشت
جنت اُسی کا نام ہے آدم جہاں نہ ہو

آج مجھ سے حضرت ناصح یہ چلکر کہہ گئے
آسماں سے اب فرشتے آئینگے تعلیم کو

[illegible] کا مال [illegible] دم بھر میں کچھ
آگ لگ جائے الٰہی اس امید و بیم کو

[illegible] مرنے والا کوئی پیدا ہو
مگر بہتر سے بہتر ہو گر اچھے سے اچھا ہو

[illegible] آنکھیں بھی شکاری ہیں
تماشا دیکھنے کا ہی جو میرے دل پہ جگر ہو

[illegible] کرتے ہو دنیا کی ہر اک بات سے توبہ
منظور تو ہے میری ملاقات سے توبہ

[illegible] کوئی بات ہی اچھی نہیں زاہد
اس بات سے توبہ کبھی اُس بات سے توبہ

اہل دل نہ سمجھیں مجھے چشم کم سے داغ
دولت لگی پڑی ہے میرے دم قدم کے ساتھ

ظاہر میں [illegible] کی باتیں ہوا کریں
دل میں اگر نہیں ہے محبت نہیں سہی

غم ہمیں دل میں پا ہی جاتا ہے
آدمی کو یہ کھا ہی جاتا ہے

گر مرض ہو دوا کرے کوئی
جب چاہی وقت کوئی ہو گئے ہیں الگ
بڑائی بیچا ہی بُردوں سے بنا ہے
تو بھی اے ناصح کسی پہچان سے
کس طرح کہوں قفیں تیرے دلکو لگی

مرنے والے کا کیا کرے کوئی
دوست بھی اپنا نہیں ہوگا یہ تو بیگانہ کد
اگر ہے تو دنیا میں مشکل یہی ہے
ہاتھ لاؤ دستاویز کیوں کیسی کہی
تالو سے کبھی آگ بھی عمل کو لگی ہے

کس نے یوں پیار کیا کس نے وفا ایسی کی
تارے گن گن کے گذاری شب دیجور فراق
زلفیں بکھری ہوئیں تمنے جو سنواریں تو کیا
ہر دم اسیکی دشمن ہے اوسیکا خیال ہی
دل لے ہی چکے ناز سے شوخی سے ہنسی سے
کہتا ہے کہ مر جاؤ تو کچھ ہم کو یقیں ہو
کرتا ہے امام آج بہت سہو کے سجدہ
نظر کعبہ میں اس بُت پر پڑتی ہے
ناوک لگا جگر پہ تو دلپر سناں لگی
تو اگر سُن لے تو کیا جانے کرے کیسا غرور
جلوہ بے پردہ تو ہوتا ہے فقط ہوش ربا
جسنے سونگھی ہو وہ خوشبو کوئی اُس سے پوچھے
پی کر نہ توبہ کی ہو تو واعظ زباں چلے
وہ دلپہ چھُری پھیر گئے ناز و ادا سے
ہم تیرے سوا لو ہوں کس چیز کے طالب
ہر بندۂ خدا پہ کب تک ستم رہے گا

کیوں کریں قتل کسیکو وہ بہار سے ہوتے
کیا مصیبت تھی جو گنتی کے ستارے ہوتے
کام بگڑے ہوئے عاشق کے سنوارے ہوتے
چھوٹے چھٹا ئے ربط پہ ابتک یہ حال ہے
اب انکی بلا آنکھ ملاتی ہے کسی سے
بیدردی کی اس شرط وفا کو کوئی دیکھے
پوشیدہ جماعت میں وہ کافر تو نہیں ہے
کہاں جا کر مری قسمت لڑی ہے
کاری لگی نظر تری کاٹے جہاں لگی
دیکھکر سمجھا ہے جو تیرا تماشائی تجھے
وہ قیامت ہے جسے چلمن کی جھلک ہوتی ہے
باسی ہاروں کے جو پھولوں میں مہک ہوتی ہے
یہ اعتراض کیوں ہے جسکے خدا کہاں ہے
اب کوئی مرے کوئی جیئے انکی بلا سے
کیا چھوڑ دیا مانگنے والوں سے خدا سے
یہ تیرے دلمیں کا فر کب تک شقی رہیگی

[illegible]
[illegible] سے [illegible]

تجھ کو ہم بیٹا [illegible] کہیں [illegible]
جو [illegible] کر سکیں [illegible]

کسی [illegible] میں چار گھڑی بعد آیا
[illegible] کی [illegible] نہیں دنیا میں
[illegible] گنہگار [illegible] ہوتے نا ہے
[illegible] کی اچھی نہیں یہ یاد رہے
[illegible] ہیں [illegible] اطاعت کر چکا کیا
[illegible] انساں کو [illegible] عروج
[illegible] دشمن سے بھی جھک کر ملیئے
جو پوچھا کبھی شغلِ تنہائی ان سے

بڑھ گئی حد سے سوا کی نزاکت کیسی
[illegible] بندے سے [illegible] کیسی
یہ تو [illegible] کے بھی قابل نہیں [illegible] کیسی
کبھی [illegible] کبھی [illegible] طبیعت کیسی
جس بندۂ خدا سے [illegible]
پست ہمت کو بلندی بھی [illegible]
کچھ عجب چیز [illegible] ہے
کیا گنتے ہیں ہم خطائیں تمھاری

[illegible] کی جو [illegible] عنبریں نکلی
[illegible] نے [illegible]
[illegible] سے آپ رہیں کچھ مری پروا نہ کریں
[illegible] کا تیس [illegible] کیا
اِس [illegible] کر [illegible] گنہگار [illegible] تھا

اِدھر لا ہاتھ مٹھی کھول یہ چوری یہیں نکلی
جسے میں ہاتھ سمجھا تھا وہ خالی آستیں نکلی
کیا شبِ ہجر بلا ہے کہ یہ کھائے گی
تم نہیں چور تو دزدیدہ نگاہی کیسی
جب کیا عشق تو ناکردہ گناہی کیسی

بنایا ہے حسینوں کو تباہی کے لیے ورنہ
ترقی سی ترقی عالمِ اسباب کو ہوتی

میں برا ہوں تو برا جان کے ملیے مجھے
[illegible] تک کی خبر حضرتِ واعظ نے کہی
[illegible] قدموں سے [illegible] انہیں [illegible] کی قسم
[illegible] کو ہم آج ترے کوچے سے
ایک جہاں نے آتے ہی یہ گھر لوٹ لیا

عیب کو عیب سمجھئے تو کہاں رہتا ہے
یہ تو فرمائیں کہ اللہ کہاں رہتا ہے
خاک میں اتنے ملائے ہیں کہ جی جانتا ہے
اِس طرح کھینچ کے لائے ہیں کہ جی جانتا ہے
وہ جو دل میں ہے تو باقی نہیں ارماں کوئی

جب ... جائیں گے ہم تجھکو حشر تک
... کمسنی میں کھیل بھی کھیلیں گے تو بھی
اپنی بھی شامت آگئی توبہ کے ساتھ ہی
اللہ دے تو فقر کی دولت ہے سلطنت
بچھڑے ہوئے معشوق ملیں سبکو الٰہی
اک چیز ہے اس عالم ہستی میں بشر بھی
ملے زاہد پیر کو حور توبہ
ترا ثانی کہاں پیدا فقط کہنے کی باتیں ہیں
بلا سے گر کوئی انسان کا دل میں برا مانے
سوال ان کا یہ ہے دنیا میں کر لو فیصلہ ہمسے
بڑے تکرار کیوں پہلے ہی اس کا فیصلہ کر لو
زور و زر سے بھی کہیں داغ حسیں ملتے ہیں
جب کہا میں نے کہ لو مرتا ہوں میں
محفل میں کس نے آپ کو دل میں چھپا لیا
ہاں ہاں ٹھہر ٹھہر کے اٹھا رخ سے تو نقاب
ہمیں کھیل اے داغ یاروں سے کہدو

مجھکو مزا ہے چھیڑ کا دل مانتا نہیں	

اٹھے ہیں آج صبح کو منہ کس کا دیکھکر
... پارسا ہیں خوف انھیں اس قدر کہاں
دیکھئے ان سے ملاتا ہے خدا کون سے دن
... نے بزم میں تجھے دعوی ہے تو یہ حکم لگا

دشمن کی قبر تیرے ...
مٹی کی تیغ و ناوک و نشتر بنائیں گے
عہد شباب کے جو کہیں ...
جتنے فقیر مجکو ملے باد ...
تنہا کوئی جنت میں نہ جائے میرے آگے
دنیا کا طلبگار بھی دنیا سے ...
وہاں ہوں گے رعنا جوان کیسے کیسے
اگر سارا زمانہ مان لیگا ہم نہ مانیں گے
مگر معشوق ہو وعدہ کا سچا ہم نہ مانیں گے
اٹھاؤ گے اگر عقبیٰ میں جھگڑا ہم نہ مانیں گے
یہ کہنا مان لینگے ہم یہ کہنا ہم نہ مانیں گے
اپنے نزدیک تو ہے سب سے ... اچھی
بولے بسم اللہ اچھی بات ہے
اتنوں میں چور کون ہے پہچاننا چاہیئے
پیدا طبیعتوں میں بہت ... ہو گئے
کہ آتی ہے اردو زباں آتے آتے

گالی سنے بغیر ستمگر ...	

توڑا ہے آئینہ کو وہ بیزار سب سے ہیں
ڈرتے گناہگار خدا کے غضب سے ہیں
کون سی رات ہو ... ...
کون سے وقت ... ...

[illegible] ہی [illegible]

[illegible] جاتے ہیں
[illegible] جاتے ہیں
[illegible] ہے ستم
[illegible] کا جال

[illegible] لیے ہیں

وصل میں ہو بھی مجبور کر کہنا
[illegible] ہوا ہے
[illegible] سے مطلب نہیں کیا ہے
[illegible] ہی مجھے
[illegible] کی داد

[illegible] اٹھاتے ہیں

خاک [illegible] سے عشق نے چھنوائی تھی
[illegible] افسردہ دل کو لطف [illegible]

[illegible] آتا ہے کوئی

ہیں [illegible] اس سراپا ناز کی
[illegible] عشق میں سو جہاد اپنا [illegible]
یہ باغ صبا میں کیا نازکی نکلتی ہے
[illegible] کو ایک [illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible] آئینہ [illegible]

[illegible] جاتے ہیں
[illegible] اور رہتے جاتے ہیں
[illegible] جاتے ہیں
[illegible] اور [illegible] جاتے ہیں

تری جانب [illegible] جان لیے ہیں

خبردار ٹوٹے اگر آہ کی
نکلتے جو ہے بخشنے والے کی خطا ہے
اچھا ہے تو اچھا ہے برا ہے تو برا ہے
راحت اگر ذرا سی محبت میں مل گئی
چاہنے والے کو پھر کیا چاہیے

طبیعت اب کہیں بے اختیار آئے تو کیا آئے

دشت میں مجنوں کی مٹی لائی تھی
ہم نے [illegible] جو کل [illegible] تھی

جیتے جی سب ملاقات ہو [illegible]

اک نیا انداز پیدا ہوگا جب تماشا دیکھیے
رہتا [illegible] ہے [illegible]
وہی وہی تمہارے لب سے جتنی نکلتی ہے
کہا ہمیں [illegible] نکلتی ہے
مری زباں سے کیوں [illegible] نکلتی ہے
دعا وہی [illegible] کبھی نکلتی ہے

ادا ادا سے تری کھچ رہی ہیں تلواریں
نگہ نگہ سے چھری پر چھری نکلتی ہے

سمجھ تو لیجئے ۔ کہئے تو دیجئے مطلب
بیاں سے پہلے ہی منہ پر ہنسی نکلتی ہے

یہ دل کی آگ ہے یا دل کے نور کا ہے ظہور
نفس نفس میں مرے روشنی نکلتی ہے

صنمکدے میں بھی ہے حسن اک خدائی کا
کہ جو نکلتی ہے صورت پری نکلتی ہے

غم فراق میں ہو داغ اسقدر بیتاب
خدا سے رنج میں جان آپکی نکلتی ہے

بزم سے میرے اٹھانے کے لیئے
پوچھتے ہیں آپ کو کچھ کام ہے

جو چھیڑ ڈالے دل کو تمھاری نگاہ ہے
جو پیس ڈالے دل کو تمھارا خرام ہے

مجرم بتوں کا بھی ہوں خدا کا بھی چور ہوں
دونوں میں ضد ہے ایک گنہگار کے لیئے

ہمت کا ہارنا نہ مصیبت میں چاہیئے
تھوڑا سا حوصلہ بھی طبیعت میں چاہیئے

آجائے راہ راست پہ کافر ترا مزاج
اک بندۂ خدا تری خدمت میں چاہیئے

حاتم کا دل ہو ۔ دولت قاروں ہو ۔ عمر خضر
اے داغ یہ کسی کی محبت میں چاہیئے

دل دو طرح کا تیری محبت میں چاہیئے
راحت میں ایک ایک مصیبت میں چاہیئے

کچھ لاگ کچھ لگاؤ طبیعت میں چاہیئے
دونوں طرح کا رنگ محبت میں چاہیئے

اپنا بھی کام نکلے وہ ناراض بھی نہ ہوں
ایسے مزے کی بات شکایت میں چاہیئے

نقشے ہیں یہ اب دیدۂ دیدار طلب کے
رہ جاتی ہے پلکوں میں نگہ ضعف سے دبکے

مسجد میں تو گنتی کے مسلمان ہی دیکھے
میخانے میں جلوے نظر آتے ہیں سبکے

کیا سخت گھڑی تھی کہ مری آنکھ لڑی تھی
یہ درد یہ آزار یہ آلام ہیں جب کے

لطف ایذا طلبی کیا کہیئے
درد آرام ہوا جاتا ہے

دل بیمار میں چٹکی لے لو
ابھی آرام ہوا جاتا ہے

قطعہ

اب تم سے کہوں جو کچھ ہے دل میں میرے
سب تم سے کہوں جو کچھ ہے دل میں میرے

پہلے یہ کہو کہ میں نہ مانوں گا بُرا
جب تم سے کہوں جو کچھ ہے دل میں میرے

دانا منشی روشن لال خلف منشی رائے کالیستھ باشندۂ لکھنو نواب عاشور علی خان بہادر کے شاگردوں میں تھے اور ۱۲۷۴ھ میں حیات تھے چند شعر ملے درج کیے گئے۔

آتی نہیں جو زلفِ گرہ گیر ہاتھ میں
سودائیو! لپیٹ لو زنجیر ہاتھ میں

دیکھے بغیر چین مجھے ایکدم نہیں
رہتی ہو رات دن تری تصویر ہاتھ میں

آہن کو مس کہ جس جو کیا بن گیا طلا
ایسی ہو میرے یار کی تاثیر ہاتھ میں

دانش منشی تصدق حسین دانش خلف مولوی لطف علی متوطن نواح جونپور، میر تونس کے شاگرد اور رشتہ دار جی اعظم گڈھ میں، سن شریف قریب ۵۰ برس کے ہے یہ لکھے اشعار ہیں۔

صفتِ حور کہاں تک میں سنوں واعظ سے
ذکر کرتا ہے صراحی کا نہ پیمانوں کا

اے شہِ حسن ہوا عصر کا قاروں میں بھی
دِل سے نکلا نہ خزانہ مرے ارمانوں کا

وہ میری ملاقات کو آئے مرے گھر آج
مدت میں دعاؤں نے دکھایا ہے اثر آج

درپیش ہے بتخانہ و کعبہ کا دوراہہ
اب وحشتِ دِل دیکھئے لیجائے کدھر آج

اُداسی چھا رہی ہے شمع بالیں کو ترستی ہے
مزارِ کشتۂ اُلفت پہ اک حسرت برستی ہے

تم ابتک بے غلط! پتھر کے بوسے جا کے لیتے ہو
مقرر خانۂ کعبہ سے پیدا بت پرستی ہے

نہ منت کیا خضر سے رہبر جنوں ہو دشتِ غربت میں
کھلیں ہیں صاف یہ راہیں بلندی ہو کہ پستی ہے

اگر مریضِ عشق کا لاشہ اُٹھائیے
مرنے کو اپنے آپ مسیحا اُٹھائیے

دانش حکیم احمد حسین خان دانش لکھنوی شاگرد احسان شاہجہاں پوری۔ کلام معمولی درجہ کا ہے۔ انتخاب کلام یہ ہے۔ باوجود کوشش حالات نہیں ملے۔

کہوں میں اُس سے دل کا مدعا کیا؟
جو جھلا کر کہے تُو نے کہا کیا ؟

رہی محمل نشیں بجا سے لیلے
رہ گیا پردہ عتیں کے دِل کا

تیر چھوڑا مرے سینے کی طرف آخر کا
لو پسند آ ہی گیا اُنکو نشانہ دل کا

الم میں، درد میں، آہ و بکا میں
پڑا ہے ایک دل کِس کِس بلا میں

خنجرِ یار کے گلے مل کے گو رسائی نہیں وہاں اپنی	ہم نکالیں گے حوصلے دل کے رُوح پھرتی ہے گردِ محفل کے
جوبن کا اشارہ ہے ڈوپٹے سے کسی کے	کس طرح چھپاؤ گے اگر ہم ابھر آئے

دانش

دانش - قاضی محمد بشیر الدین خلف صغر قاضی محمد رمضان علی، وطنِ قدیم سکندرآباد ضلع بلند شہر ہے۔ آجکل اجمیر میں جاگیر حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کاردار ہیں۔ نوجوان شریف اور تیز طبع ہیں، قاضی نجم الدین برق شاگرد رشید مومن خان انکے حقیقی تایا تھے۔ قاضی صاحب کا ہنوز عنفوانِ شباب ہے اور فن سخن کی ابتدا ہے۔ اختر سہارنپوری سے تلمذ اختیار کیا ہے۔ کلام ملاحظہ ہو۔

وہ دل چرا کے نظر بھی چرائے بیٹھے ہیں	پرائے مال کو کیسے چھپائے بیٹھے ہیں
تماشا ہو ترے در پر ترے بانیازیوں آئیں	کسی کے ہاتھ میں دل ہو کسی کے ہاتھ میں سر ہو
وہاں پہلے ہی وہ اپنے نگہباں آپ بن بیٹھے	بھلا پھر ہم غریبوں کی رسائی ہو تو کیونکر ہو
نہ خود آؤ نہ تم تصویر ہی اپنی یہاں بھیجو	تمہارے دیکھنے والوں کو پھر تسکین کیونکر ہو
اللہ رے درازی اُس زلف دلربا کی	بڑھ بڑھ کے آج باتیں کرتی ہے آسماں سے
کچھ لب ہی جانتے ہیں کچھ دل ہی جانتا ہے	بوسوں کی لذتوں کو پوچھو مری زباں سے
اب دل پہ آبنی ہے اب جاں پہ آبنی ہے	اِس آپکے ستم سے اِس جورِ آسماں سے

دانش

دانش - حافظ محمد بشارۃ الحق صاحب دانش، مولوی نور الحسن نازش کے بیٹے اور حکیم سید اولاد علی صاحب کاہش مرحوم کے پوتے تھے۔ آپکے بزرگوں کا وطن جونپور ہے۔ صاحب گنج میں ایک مسجد کے امام تھے اور اُسی مسجد میں اپنے اہتمام سے ایک مدرسہ تعلیم دینیات کا قائم کر رکھا تھا جس میں خود درس دیتے تھے۔ چند ہی کتابیں بھی تصنیف کی تھیں جو ہنوز غیر مطبوعہ ہیں۔ فن شاعری میں سید شاہ محمد اکبر صاحب ابوالعلائی داناپوری سے استفادہ کرتے تھے۔ عین عنفوانِ شباب میں ۱۳۲۹ھ ہجری میں وفات پائی مختصر

کلام حسبِ ذیل ہے۔

یہ دل مخزونِ الفت تھا سینے میں میرے کس حفاظت سے
چھڑا لیا تیری آنکھوں نے اسے کیسی شرارت سے

جو یاد آتے ہیں صدمے ہجر کے دل کانپ جاتا ہے
شبِ غم ہم نے رو رو کر سحر کی ہے کس آفت سے

قدم اٹھنے نہیں دیتی گناہوں کی گرانباری
نظر اونچی نہیں ہوتی ہے اے دانش ندامت سے

ساقی سے کہو دور میں ساغر آئے
ہاں دخترِ رز خوب نکھر کر آئے

لائی ہے انھیں بھی مے انگور کی تاک
واعظ بھی یہاں آنکھ بچا کر آئے

دانش — **دانش** حکیم میرزا فدا احمد صاحب خلف حکیم مرزا غلام عباس آپکی ولادت سنہ ۱۲۷۴ھ میں بمقام لکھنؤ ہوئی آپکے والد نے آپکو صغر سنی کی حالت میں یعنی صرف نو برس کی عمر میں چھوڑ کر قضا کی انکے سوم کے روز جناب مرزا بہادر ناظم صاحب نے انکو تعلیم و تربیت کیلئے مرزا محمد جعفر کے سپرد کیا آنکے داماد حکیم میر علی ضامن شوق خلف رشک مرحوم کے فیض صحبت سے انھیں شاعری کا چسکا پڑ گیا اور شروع ہی سے انھیں سے اصلاح کا سلسلہ رہا، اس عرصہ میں دیگر علماء سے استعداد علمی کی تکمیل کی۔ اور پھر کامل تیس سال تک طلباء کو درس دیتے رہے، تاریخ گوئی کی بھی مشق ہے جب خاصہ ملکہ ہو گیا تو جلال مرحوم سے اصلاح لینے لگے بیس پچیس شاگرد بھی ہیں۔ تلاش الفاظ اور بندش کا سلیقہ قابل داد ہے۔ اور مضمون پیدا کرنے کا خیال رکھتے ہیں اب مشق سخن کو ۴۰ برس کا زمانہ ہو گیا۔ کمیٹی رسالہ معیار کے ممبر اور صاحب استعداد رکھنے والوں میں ہیں۔

بجز اُس قاتلِ بیرحم کے دیکھے کا کیا کوئی
تڑپنا قلبِ مضطر کا پھڑکنا مرغِ بسمل کا

ہماری آہِ عالم سوز پر وہ خوب ہنستے ہیں
ابھی بھولا نہیں جلنا ہمیں بجلی سے ڈھلنا

سمجھاتی ہجرِ یار میں کس کسکو چشمِ تر
دل بیقرار تھا تو جگر ناصبور تھا

پابندِ حکمِ ضبط تھے بگڑے نہ اشک و درد
آنکھوں کی کچھ خطا تھی نہ دل کا قصور تھا

جگر سے قدرداں کے بعد لطفِ شاعری کیسا
غزل لکھنے کو اے دانش نہیں اٹھتا قلم میرا

بجز اُس قاتلِ بیرحم کے دیکھے گا کیا کوئی
تڑپنا قلبِ مضطر کا پھڑکنا مرغِ بسمل کا

سکھاتی ہے تمنائے شہادت میرے قاتل کو
جفا سے قتل تم کرنا وفا پوچھے مگر جاتا

تا قیامت رہے یہ داغ محبت دل میں
گھر کی زینت ہے جُدا روشنئ خانہ جُدا

اُسکو کیوں بیہوش کرتی ہے ہوائے کوئے دوست
بس گئی جسکے مشامِ جان و دل میں بوئے دوست

جس جگہ ہے خبر مجھ سے عاشقِ ناشاد کی
آسمان کی جان ہے اُتنی زمینِ کوئے دوست

آسماں کی نہ شکایت ہیں گلہ ہے یار کا
سمتِ دشمن آنکھ ہے رُوئے سخن ہے سوئے دوست

کچھ تجھی پر نہیں موقوف سبھی دیتے ہیں رنج
درد بھی مجھکو ستاتا ہے تری خو ہو کر

اے گھٹا جلدی برس کس کا تجھے ہے انتظار
شور ہو پھر میکشوں کا خانۂ خمار میں

دل لیئے در پر کھڑے ہیں ویسے عاشق جنوں
پیشکش ہو جائے انکی نذر بھی سرکار میں

خوش نصیب اسمیں ہے معلوم نہیں کون سے دل
جسکو وہ شاد کریں یا جسے ناشاد کریں

دیکھکر ہر حال میں مجنوں کو، لیلیٰ نے کہا
کونسی اس مرے دیوانے میں ہشیاری نہیں

جل چکا پروانہ جب اے شمع پھر روئی تو کیا
قابلِ تسکین عاشق تیری غمخواری نہیں

پھول سی شکلوں سے پھولونکا سید قبر میں ہیں
موت سا گلچین گلزارِ جہاں کوئی نہیں

حکایت دردِ دل کی دردِ دل ہے
ارے ظالم میں درگزرا بیاں سے

ابتدائے شب ابھی تو ہے فراقِ یار کی
رات یہ جتنی بڑھے گی داغ جلتے جائینگے

کیا کیا ہمنے یہاں آئے تھے ہم کسواسطے
جائینگے دنیا سے جبدم ہاتھ ملتے جائینگے

جو شبِ وصل ان آنکھوں نے سماں دیکھا ہے
تمنے موسیٰ وہ سرِ طور کہاں دیکھا ہے

دل کو دنیا سے اُٹھائے ہوئے میں بیٹھا ہوں
نہیں معلوم وہ کس وقت مجھے یاد کرے

ضبط میں اُسکے بھی تاثیر کوئی ہے کہ نہیں
جو زمانے کے ستم سہے نہ فریاد کرے

ہے اُسی کے لیے مخصوص زمانے کی خوشی
دل کو جو دیکھ کے آئینۂ غم شاد کرے

چیختا ہوں میں درِ کعبہ و بتخانہ پر
کوئی بُت راہِ خدا میں مجھے آزاد کرے

ہزاروں حال بدلے سیکڑوں پہلوئے غم نکلے
مریضانِ محبت کے بڑی مشکل سے دم نکلے

کیا کچھ ہوا ٹھنڈا اسوقت میرے قاتل کا
لہو میں دیکھے جب ڈوبے ہوئے تیر ستم نکلے

ڈبو دیگا زمانے بھر کو وہ طوفان آئے گا
جو دو آنسو بھی تیرے ای غریق بحر غم نکلے

داؤد

داؤد - ندیم الدولہ خلیفۃ الملک حافظ محمد داؤد خاں بہادر داؤد مستقیم جنگ دہلوی معروف بہ حافظ داؤد" بہادر شاہ ثانی نے انکے والد حافظ محمد خلیل سے قرآن شریف پڑھا تھا۔ خود حافظ صاحب نہایت عالی حوصلہ سخی اور باہمت رئیس تھے۔ درگاہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی میں ایک وسیع باولی سنہ ۱۲۶۳ھ میں بنوائی جس میں قریب پچیس تیس ہزار روپیہ کے لاگت آئی ہوگی۔ بازار چاوڑی میں ایک وسیع مکان معروف بہ "حافظ داؤد کا کمرہ" ابتک انکی یاد دلاتا ہے۔ اب بیگم صاحبہ دجانہ کی ملکیت ہے۔ یہ خود ابتدائے تخت نشینی ابوظفر سے غدر تک داروغگی نذر و نیاز اور علاقہ خانساما نی شاہی سے مشرف رہے۔ دو چار غزلیں حافظ قطب الدین مشیر اپنے عزیز کے مشورہ سے کہیں تھیں سنہ ۱۲۱۵ھ میں انتقال کیا۔ طبیعت موزوں تھی مگر شعر کم کہتے تھے یہ چند شعر اُنکے نتائج افکار سے درج ہیں +

نگہ سے ناز سے غمزے سے اور ادا سے بھرے
بزور عشق نہ ہم کونسی بلا سے بھرے

گو بظاہر نہ منہ دکھاؤ گے
کیا کبھی خواب میں نہ آؤ گے

مر چکا داؤد کب کا اُسکے غم میں ہمنشین
دم چرانے کا ابھی تک اُس صنم کو دھیان ہے

داؤد

داؤد - مولوی محمد داؤد ابن مولوی علی محمد صاحب وکیل عباسی متوطن امروہہ بتاریخ ۲۷ رمضان المبارک سنہ ۱۲۸۰ ہجری بمقام امروہہ پیدا ہوئے اور بتاریخ ۱۷ جون سنہ ۱۹۱۰ء بمقام فتح آباد انتقال کیا اور اُسی قصبہ میں احاطۂ عیدگاہ میں مدفون ہوئے۔ ابتدائے عمر میں عربی فارسی کی تحصیل کی۔ بارہ سال کی عمر میں محمڈن کالج علیگڈھ میں داخل ہوئے طبیعت کو درد و محبت و زندہ دلی کے عناصر کا بڑا حصہ ملا تھا۔ بارہ سال وہاں تعلیم پاکر ۲۴ برس کی عمر میں سند بی اے حاصل کی۔ ایام طالب علمی ہی میں شعر و سخن کا چسکا لگ گیا، اور طبیعت کی شوخی اُس رنگ کو اور سے اُڑی۔ اکثر نظمیں دوست احباب کی تفریح

طبع کے پیرایہ لکھیں، بعد سند یابی کالج ہی میں معلم مقرر ہوئے، پھر صاحب پرنسپل کی سفارش سے نائب تحصیلدار مقرر ہو گئے اور تحصیل اترولی و آگرہ و کاسگنج و مین پوری میں قائم مقام نائب تحصیلدار رہے، اور بالآخر فتح آباد ضلع آگرہ میں جاکر مستقل عہدہ پایا، وہاں اُنھوں نے دو برس تک نہایت قابلیت سے کام انجام دیا۔ اِنکے حُسنِ اخلاق، دیانت اور حفظ مراتب سے سب احباب اِن سے رضامند رہتے تھے، شعر سے شوق تھا۔ اکثر مشاعروں میں شریک ہوا کیے، اور طرحی غزلیں پڑھیں۔ قدیم اور جدید دونوں شاہراہوں کے سالک تھے۔ اشعار سے خصوصاً مرثیہ سرورِ یوسف خاں سے اُنکی غیر معمولی لیاقت اور معاملہ بندی اور مضمون پسند فکر کا رنگ مترشح ہے، حق یہ ہے کہ یہ مرثیہ اپنے رنگ میں فرد ہے۔ مثنوی "شکوۂ یار" نامی اور ایک سہرے کی دوستی کا امتحان" اُنکی تصنیف ہیں اور یہ دونوں تصانیف اِنکی چھپ کر شائع ہوئیں۔ مولنا حالی کے اکثر اشعار کو تضمین کیا ہے، بلا کے ذکی و ذہین تھے۔ اِنکے کلام سے اِنکی شوخی، اور طبیعت داری، ذکاوت ٹپکتی ہے، تھوڑی سی مشق میں بہت اچھا ملکہ پیدا کر لیا تھا، اگر زندگی وفا کرتی تو کیا عجب کہ اس فن میں بھی نام و نمود حاصل کرتے بڑی تلاش سے کچھ کلام ملا اس کا انتخاب درج ذیل ہے ؀

جب پئے سیر چمن وہ گلِ رعنا اُٹھا		پائے بوسی کے لئے خواب سے سبزہ اُٹھا
بزم میں غیر کے اُٹھ جانے کی تشویش فضول		اُس کا اب ذکر ہی کیا جو کوئی اُٹھا اُٹھا
جب دمِ نزع مجھے پاؤں رگڑتے دیکھا		ہاتھ ملتا ہوا بالیں سے مسیحا اُٹھا
مَیں نے جب وادیٔ غربت میں رکھا اپنا قدم	ق	خارِ پابوسی کی خاطر بہ تمنا اُٹھا
پئے تسلیم درختوں نے جھکائیں شاخیں		میری تعظیم کو جنگل میں بگولا اُٹھا
آندھیاں آئیں ہوا خواہی کا دم بھرنے کو		خیر مقدم کا ہر اک سمت سے غوغا اُٹھا
پیشکش خاک لئے اکسیر کی زر ذرّوں نے		کچھ نہ کچھ لیکے ہر اک ساکنِ صحرا اُٹھا
طرب و عیش کا سامان کیا تھا بھاری		کیا کہیں بر ہی تقدیر سے ہلکا اُٹھا

نقدِ دل دے کے جو اندوہ و الم مول لیا
خود میں حیران ہوں یہ کیا مجھے سودا اٹھا

شوقِ دیدار نے فرقت میں سزا دی مجھے
سیکڑوں بار میں بے چینی سے بیٹھا اٹھا

آج ہو گی مرے نالوں کی فلک سے مٹھ بھیڑ
اب کوئی دم میں سنو گے کہ یہ پردا اٹھا

زندگی تلخ ہے اب ضبط کئے سے حاصل
صبر کرتے تھے رہے صبر کے جب تک قابل

ہو گیا کثرتِ اندوہ سے جینا مشکل
حال بیحال کئے دیتی ہے بیتابیِ دل

اب خموشی سے زیادہ خفقان ہوتا ہے
آخر افسانۂ غم آج بیان ہوتا ہے

اِس عشق کے طفیل لڑائی رہی سدا
تقدیر سے، رقیب سے، ناصح سے، یار سے

انصاف کی یہ بات ہے پھر کیا گلہ کروں
جب ڈال دے وہ ہاتھ گلے میں پیار سے

کیوں ہو نہ زلفِ یار کو تارِ کمر سے ربط
دستور ہے کہ ملتے ہیں سب رشتہ دار سے

رہزن ادھر ادا ہے اُدھر زلف پُر شکن
یارب بچائیو مجھے اِس لوٹ مار سے

قربان عشق کے کہ ہم آزاد ہو گئے
قیدِ حیا سے، شرم سے، ذلت سے، عار سے

قطعہ

جانا وہ انکا صبح شبِ وصل ہائے ہائے
نیچی نظر کئے ہوئے اور شرمسار سے

کچھ کچھ وہ پیچ زلف سیہ کے کھلے ہوئے
وہ لال لال آنکھوں میں ڈورے خمار کے

فرطِ حیا سے گردنِ نازک میں خم ذرا
جوشِ غضب وہ سینے پہ کچھ کچھ ابھار سے

کب تھا وفورِ خواب سے کچھ تن بدن کا ہوش
بیخود سے، بیحواس سے، بے اختیار سے

برہم ہوئی وہ بزمِ شبِ وصل ہو چکی
بیٹھے رہیں پھر فراق میں ہم سوگوار سے

میری طرف سے آپ کے دل میں ہے کیوں غبار
تقصیر ایسی کیا ہوئی اس خاکسار سے

ناصح کی گفتگو سے مرا ناک میں ہے دم
آتے ہیں دیکھئے شترِ بے مہار سے

یہ جھوٹ اور ہم سے بس اب رہنے دیجئے
ہم بھی تو رات جھانک رہے تھے دڑار سے

قطعہ

سُن کر پیا سے سر مرا نام یوں کہا
وہ ہی نہ دُبلے پتلے نحیف و نزار سے

معلوم ہے مجھے بڑے استاد ہیں جناب
یوں دیکھنے میں سیدھے سے پرہیزگار سے

خود مجھکو تجربہ ہے بس اتنا بیاں کروں
خالق بچائے ایسے شریروں کے وار سے

بندخمسہ

طاقت تو رنج اُٹھانے کی ہم میں رہی ہے کب
غم جھیلنے کا آپ ہی کچھ پڑ گیا ہے ڈھب
تاب و توان و ضبط گئے دل کے ساتھ سب
اک خُوسی ہوگئی ہے تحمل کی ورنہ اب
وہ حوصلہ رہا نہیں صبر و قرار کا

دیگر

تیرے نزدیک ہیں سب ایک سے کعبہ ہو کہ دیر
تیری محفل میں بھی رہتی ہے عجب طرح کی سیر
تجھکو اپنوں سے کوئی انس نہ بیگانوں سے بیر
یار کو یار سمجھتا ہے نہ تو غیر کو غیر
تو تو اچھا ہے مگر تیرے بُرے ہیں برتاؤ

دیگر

ہو کے باہم عہد و پیماں رہ گئے
مُنہ سے کہتے کہتے وہ ”ہاں“ رہ گئے
پورے ہوتے ہوتے ارماں رہ گئے
وصل کے ہو ہو کے ساماں رہ گئے
مینہ نہ برسا اور گھٹا چھائی بہت

مسدس

غور کر دل میں ستمگر یہ جفائیں کب تک
شکوۂ جور و ستم لب پہ نہ لائیں کب تک
ظلم کی حد بھی کوئی ظلم اُٹھائیں کب تک
دل میں جو آگ لگی ہے وہ دبائیں کب تک
شرح ایں آتش جاں سوز نگفتن تا کے
سوختم سوختم ایں برق نہفتن تا کے

بندخمسہ

گر کرے قصد کسی کام کا دل میں انسان
پہلے یہ دیکھے وہ اُس کام کے ہے بھی شایاں
سُنکے لوگوں سے کہ وہ آئے تھے داؤد کے یہاں
اُن کو حالی بھی بلاتے ہیں گھر اپنے مہماں
دیکھنا آپکی اور آپکے گھر کی صُورت

گھبراہٹ

کیا بُری شے ہے یہ گھبراہٹ بھی جس میں آدمی
آپ کچھ کہنا ہے مُنہ سے کچھ نکلتا ہے مگر
ایک منشی سے شتر خانے پہ جو مامور تھا
پُوچھا اک انگریز نے نوکر ہو تم کس کام پر
بات تو کچھ بھی نہ تھی، لیکن نہیں معلوم کیوں
ہوگئے اُس وقت وہ سُنکر پریشاں اسقدر

تھا مگر نانے کا منشی ہوں یہ کہتے تھے وہ بے ۔۔۔ کہہ گئے گھبرا کے یوں تھوں منشی خانے کا شتر

زمزم

ایک دن کچھ آدمی بیٹھے ہوئے ۔۔۔ کر رہے تھے گفتگو باہم دگر
اُن میں تھا اِک شخص ایسا بھی کہ جو ۔۔۔ کر چکا تھا غیر ملکوں کا سفر
ہوتے ہیں چالاک ایسے لوگ سب ۔۔۔ وہ مگر اوروں سے تھا چالاک تر
جھوٹ کہتا تھا مگر سچ کی طرح ۔۔۔ اُسکی باتیں تھیں نہایت پُر اثر
ہو رہا تھا تذکرہ ہر قسم کا ۔۔۔ کر رہے تھے بحث ہر مضمون پر
باتوں باتوں میں کہا سیاح نے ۔۔۔ میں عرب میں بھی رہا ہوں سال بھر
سُنکے یہ بات اور تو سب چپ رہے ۔۔۔ سب نے اُسکا قول سچ سمجھا، مگر
ایک کے دل میں یہ شک پیدا ہوا ۔۔۔ کیا تعجب جھوٹ کہتا ہو اگر
اِس سے کچھ حالات واں کے پوچھئے ۔۔۔ سوچ کر یہ اُس نے قصہ مختصر
اُن سے پوچھا آپکا ہوتا تھا واں ۔۔۔ خدمتِ زمزم میں بھی گاہے گذر
سُن کے اُسکے منہ سے یہ سیاح نے ۔۔۔ سمجھا زمزم نام ہے کوئی بشر
بولے جی ہاں اُنکی خدمت میں تو میں ۔۔۔ روز حاضر ہوتا تھا وقتِ سحر
آج دنیا میں نہیں اُنکا جواب ۔۔۔ ہے تقدس ختم اُنکی ذات پر
اتنے بوڑھے ہوتے جاتے ہیں بہت ۔۔۔ کیوں نہ ہوں ہیں بھی تو ستر سے اُدھر
سن کے یہ سب نے لگایا قہقہہ ۔۔۔ اور کہا تم کو نہیں یہ بھی خبر
اِک کنوئیں کا نام ہے زمزم وہاں ۔۔۔ آپ یہ سمجھے کہ ہے کوئی بشر
جب نہ بن آئی کوئی معقول بات ۔۔۔ تب کہا سیاح نے یوں جھینپ کر
اُس زمانے میں تو تھے وہ آدمی ۔۔۔ ہو گئے ہونگے کنوئیں اب کیا خبر

مرثیہ سردار یوسف خان بلوچستانی طالب علم علیگڈھ کالج ۱۸۹۶ء

خشک اور ویران صحرا میں بلوچستان کے — اِک کھلا تھا پھول نازک اور نہایت خوشنما
باغبانِ دہر نے دیکھا نہ ہوگا کوئی پھول — اُس سے بہتر پُر فضا اور دلفریب اُس سے سوا
گلشنِ عالم میں لاکھوں گل کھِلے ہونگے مگر — کم ہوا ہوگا کوئی اُس سے زیادہ دلربا
لیکن اُسکے واسطے موزوں نہ تھی وہ سرزمیں — وہ گلِ تر ایسے ریگستاں کے قابل نہ تھا
نامناسب تھی وہاں کی خاک اُسکے واسطے — تھا مضر پانی وہاں کا اور مخالف تھی ہوا
کرکے اُس پر غور آخر ایک ذی تدبیر نے — وہاں کے خار و خس سے اس گل کو علیحدہ کرلیا
سرزمینِ ہند میں اک باغ دیکھا پر بہار — مختلف اقسام کے پھولوں سے جو معمور تھا
بوئے جنسیت وہاں کی آب و گل میں دیکھکر — اُس گلِ نوخیز کو اُس باغ میں لا کر رکھا
اُس چمن میں کھل رہے تھے پھول صدہا رنگ کے — جنکی بوئے خوش سے تھا سارا جہاں مہکا ہوا
مہرباں تھا باغباں اور بار آور تھی زمیں — موسم گل جوش پر تھا اس پہ تھی آب و ہوا
چونکہ واں سامان ایسے روح پرور تھے بہم — رات دن ہوتی گئی اُس گل کی شادابی سوا
حسن و خوبی میں ترقی دمبدم ہونے لگی — تازگی بڑھتی گئی ہوتی گئی زائد جلا
حیف چرخ کینہ ور نے ظلم پر باندھی کمر — کردیا گلشن سے اُسکو وقت سے پہلے جدا
رنگ و بُو نے اُسکے دکھلائے نہ تھے جوہر ابھی — ہونے پایا تھا نہ کامل طور سے نشو و نما
لیگئی قسمت اُسے پھر کھینچکر سوئے وطن — جو کسی پہلو سے اُسکے واسطے موزوں نہ تھا
پھر وہی موجِ بلا انگیز تھی چاروں طرف — پھر اُسی طوفانِ آفت خیز کا تھا سامنا
لیکن اِس گل کو کہاں اُن سختیوں کی تاب تھی — ایک ہی جھونکے میں آخر کار وہ مرجھا گیا
جس چمن میں وہ گلِ رعنا رہا تھا چند روز — آج تک اُسکی جُدائی کا ہے واں ماتم بپا
گل گریباں چاک ہیں اُسکے غمِ فرقت میں سب — ڈھونڈتی پھرتی ہے ہر سُو اُسکی نکہت کو صبا
ہے یہ مجمل ہی بیاں کافی سمجھنے کے لیئے — اِسکے کہنے کی ضرورت کیا کہ وہ گل کون تھا

جنکی مسند نشینی کی سنی تھی خوش خبر (?)
وائے قسمت آج ہم لکھتے ہیں اُس کا مرثیا

لطف جینے کا اُٹھایا تھا نہ یوسف نے ابھی
اُس کا مرنا ہر طرح بیوقت و بے ہنگام تھا

جسقدر ارمان دل میں تھے وہ دل میں رہگئے
زیست کا افسوس ہے کچھ بھی نہ حظ حاصل ہوا

غم آیا اے فلک تجھکو نہ اُس کے حال پر
تو نے کس موتی کو خاک و خون میں غلطاں کیا

کسکو دنیا سے اُٹھایا اے خدا ناترس موت
دل بھر آتا ہے یہ کس سے جہاں خالی ہوا

کیوں نہ تاریک بادل میں چھپا ہے چاند وہ
دفعتًا آنکھوں کے آگے کیوں اندھیرا چھا گیا

اے گلِ عکیں نفس کیوں آگئی تجھ پہ خزاں
اے خزاں اُس پھول کو پامال کیوں تو نے کیا

تیرے مرنیکا زمانہ تھا نہ یوسف خاں ابھی
کھائی ہوتی کوئی دن تو اور دنیا کی ہوا

باغِ عالم میں نہ دیکھی تھی ابھی تیری بہار
ہائے کھلنے بھی نہ پایا تھا کہ تو مرجھا گیا

داستاں تیری کیئے دیتی ہے دلکو پاش پاش
مُنہ کو آتا ہے کلیجا واقعہ سُن کر تیرا

وہ تنِ نازک ترا زخموں سے ہوکر چور چور
بے کفن بے گور خاک و خون میں ہوگا پڑا

جان دی ہوگی نہیں معلوم کس تکلیف سے
کیا اذیت ہوگی جب سینے میں دم ہوگا رکا

تیرے قاتل نے نہ کی بچپن پہ بھی تیرے نظر
جسنے تیرا خون بہایا کون وہ بیدرد تھا

چھوڑ کر کالج چلا تھا جبکہ تو سوئے وطن
ہے ہمارے سامنے ابتک سماں اُس روز کا

وہ دمِ رخصت ترا رو رو کے جانا یاد ہے
دل سے جائیگا نہیں اُس دن کا وہ جانا ترا

کہہ رہی تھیں حسرت آلودہ نگاہیں تیری صاف
ہو رہا ہے تو ہمیشہ کے لیے ہم سے جُدا

اپنے واپس آنے کا آتا نہ تھا تجھکو یقین
سب تجھے سمجھا رہے تھے اور تو مایوس تھا

کچھ دلاسوں کا نہ ہوتا تھا ترے دل پر اثر
بند ہوتا تھا نہ ہرگز آنسوؤں کا سلسلا

اب یہ ثابت ہوگیا تیرا ہی کہنا تھا درست
تھا غلط جو کوئی کہتا تھا کہ پھر تو آئے گا

غیر ممکن ہے کہ تجھکو بھول جائیں جلد ہم
مدتوں ہوتا رہے گا ذکر کالج میں ترا

جس طرح کھیلوں میں تھا حاصل تجھے طولیٰ
ایسی ہی علمی ترقی کا بھی تجھکو شوق تھا

سر برآوردہ رہا اسکول میں تو جس طرح	کرکٹ و فٹ بال میں بھی ویسے ہی ممتاز تھا
اب نہ تو ہے اور نہ کالج میں ترا کوئی نشاں	خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا

ونبک ۔ حافظ سراج احمد بھکڑ باشندہ مُراد آباد یہ ایک شعر ان کا قابل اندراج ہاتھ آیا

شیخ جی کا بھی انتقال ہوا	کوئی دنیا میں مسخرا نہ رہا

دبیر ۔ منشی محمد ابراہیم خلف منشی ذوالفقار علی منگوڑ تحصیل رڑکی ضلع سہارنپور وطن ہے حضرت ظہیر دہلوی سے تلمذ ہے، بارہ تیرہ برس کا عرصہ ہوا حضرت ظہیر جب راقم کی استدعا پر کامل تیس سال بعد دہلی اپنے وطن دس بارہ روز کے لیئے تشریف لائے اون ایام میں انکا کلام بھی حضرت ظہیر نے تذکرہ کے لیئے عنایت فرمایا تھا اور ارشاد کیا تھا کہ اگرچہ میری شاگردی کو ابھی زیادہ عرصہ نہیں ہوا، تاہم یہ نوجوان ذہین اور طباع اور ہوشیار معلوم ہوتا ہے اسکے بعد کچھ کلام براہِ راست اور کچھ حضرت ظہیر نے وقتاً فوقتاً ارسال فرمایا جس کا خلاصہ درج ہے انکی عمر اب بیالیس سال کے قریب ہو گی، شعر کا سلیقہ اچھا ہے، اور مذاق شستہ اور سلیم پایا ہے، بندش چست اور تراکیب موزوں اور خوش اسلوب ہوتی ہیں، روزمرہ کی صفائی کے ساتھ نازک خیالی کا لطف بھی موجود ہے، سنگلاخ اور مشکل زمینوں میں زور طبیعت سے اچھے اچھے مزیدار مضمون نکالتے ہیں،

بنے واماندگی سے کیوں دُعا کا تیر تیغ ہر کا	مگر کھتا ہے دل وہ کافرِ بے پیر تیغ ہر کا
گرانباریِ غم کا جب بیاں کرتا ہوں حسرت سے	بنا دیتی ہے سامع کو مری تقریر تیغ ہر کا
کیا ہے قتل مقتل میں ہزاروں بیگناہوں کو	کلیجا رکھتی ہے ظالم تیری شمشیر تیغ ہر کا
صدائے شور و غل زنداں سے اب ہرگز نہ آئیگی	ترا دیوانہ ہو بیٹھا مع زنجیر تیغ ہر کا
خدایا بت پرست ایسا ہوں ہی جان تک دیدوں	ذرا مانگے تو منہ سے چہرۂ تصویر تیغ ہر کا
نہ صرف آنکھیں ہی پتھرائی ہیں ای بت دیکھکر تجکو	سراپا ہو گیا ہوں صورتِ تصویر تیغ ہر کا
اثر صحبت کا ہوتا ہے بلاشک ای بت کافر	بنا دے کیا عجب مجھکو تری تاثیر تیغ ہر کا

جاتا ہے خنجر چلتے چلتے دستِ قاتل سے
مِل آئی ہیں ہاتھ کی لکیریں سرنوشت اپنی
کے رنج پائے غم اٹھائے عندلیب
دور ہو کم بخت، بختِ نارسائے عندلیب
کون سنتا ہے چمن میں نالہائے عندلیب
اڑ گیا بادِ خزاں میں طائرِ رنگِ چمن
ہمصفیرانِ چمن کو قیدیوں کی کیا خبر
ایک تو ہے بیوفا تجھ میں نہیں بوئے وفا
یہ غزل اپنی پسندِ خاطرِ عشاق ہے
کسقدر ہو دلکش و جانکش مقامِ کوئے دوست
کس طرح رضواں سے ہو نا اہتمامِ کوئے دوست
اے فلک کیا پوچھتا ہے تو مقامِ کوئے دوست
اللہ اللہ ازدحامِ خاص و عامِ کوئے دوست
اہتمامِ خلد پہ ہے ناز رضواں کو اگر
سب طرف سے وی باطن کو جب یکسو کیا
کر دیا محشر بپا اسکے خرامِ ناز نے
ہو مبارک زاہدوں کو نزہتِ گلگشتِ خلد
تعزیہ کے قابل ہیں ابھی اہلِ زمیں اور
لِلّٰہ ذرا صبر کر اے جانِ حزیں اور
رہتے نہ ترے سائے میں اے چرخِ بریں ہم
تم آئینہ خانے میں ذرا جاکے تو دیکھو

بنایا سخت جانی نے دمِ شمشیر پتھر کا
الٰہی دے مجھے اب ناخنِ تدبیر پتھر کا
دِل لگا کر گل سے کیا پھل پھول پائے عندلیب
گوشِ گُل تک بھی نہ پہنچائی صدائے عندلیب
ہے عبث نقار خانے میں صدائے عندلیب
رہگیا گھٹتا ہوا اسیرِ دعائے عندلیب
کون پہنچائے چمن تک نالہائے عندلیب
دیکھ تُو ہر گل ہے پابندِ رضائے عندلیب
ہے وہ بیراس میں سراسر ماجرائے عندلیب
چلدیئے دنیا سے ہم سنتے ہی نامِ کوئے دوست
خلد سے بڑھکر ہے عز و احترامِ کوئے دوست
سطحِ عرشِ بریں ہے زیرِ بامِ کوئے دوست
ہو نہ ہو ہنگامۂ محشر ہے نامِ کوئے دوست
دیکھ جائے آکے حسنِ انتظامِ کوئے دوست
پھر جدہر دیکھا نظر آیا مقامِ کوئے دوست
نفسی نفسی کہہ اُٹھا ہر خاص و عامِ کوئے دوست
جھانکتے ہیں اسطرف کجِ خرامِ کوئے دوست
پامال ہمیں شوق سے کر چرخِ بریں اور
باقی ہے ابھی ایک دمِ بازپسیں اور
لے کاش جو ہوتی کہیں دو ہاتھ زمیں اور
ہاں پھر بھی یہ کہنا کہ ہمارا سا نہیں اور

جس دل پہ مری جان ترا نام ہے کندہ
بہتر نہیں اُس دل کے نگینے سے نگیں اَور

واہ کیا کہنا ہے اِس گفتار اور رفتار کا
قابل تحسیں ہے نغمہ لائق انعام رقص

جی اُٹھے مردے ہزاروں شوخیٔ رفتار سے
قم باذنی سے بھی بڑھکر کر گیا ہے کام رقص

حرص دُنیا سچ تو یہ ہے سبکو کرتی ہے خراب
سیم و زر کیواسطے کرتے ہیں سیم اندام رقص

دیکھے ہیں جس کسی نے ترے پیرہن کے پھول
تنگ چمن ہیں اُسکی نظر میں چمن کے پھول

نازک بدن ہیں اتنے کہ اللہ کی پناہ
دشوار ہوگیا اُنھیں اُٹھنا پھن کے پھول

جنت کے سبز باغ دکھاؤ نہ واعظو!
وعدے ہیں آپکے شجرِ مکر و فن کے پھول

یا خنک اُڑا ہے رنگ چمن تیرے خوف سے
بَن بنگئے ہیں لالہ و گل بھی سمن کے پھول

کیوں بات بات میں نہ کھلیں غنچہائے دِل
گویا کہ مُنہ سے جھڑتے ہیں اِس گلبدن کے پھول

کس کی بہار کس کا چمن اپنے وقت پر
ہر شئے نظر کے سامنے آتی ہے بنکے پھول

فیضِ بہارِ باغِ کلامِ ظہیر سے
کھِلتے ہیں لے دبیر نہالِ سخن سے پھول

اُسکی صورت دلمیں ہے اور دل ہے مٹھی میں مری
میں لیئے بیٹھا ہوں تصویرِ خیالی ہاتھ میں

دستِ مشاطہ میں ہنی ہے تری زلفِ دراز
ہتھکڑی پڑتی نہیں اِس لاؤ بالی ہاتھ میں

نان جو بھی ہے تہیدستی میں نعمت اے دبیر
ایک پیسہ اشرفی ہوجائے خالی ہاتھ میں

حالِ دلِ پُردرد نہ محتاجِ بیاں ہے
سب عرضِ مطالب مری صورت سے عیاں ہے

ہر چند کہ تو خلق کی نظروں سے نہاں ہے
پر نُور کا جلوہ ترا ہر شے میں عیاں ہے

تو کیا نہیں پہلو میں نہیں دِل بھی ہمارا
ہے جائے تعجب نہ مکیں ہے نہ مکاں ہے

رکھتے تھے جو نخوت سے قدم عرش بریں پر
اب اُنکا زمیں پر نہ کہیں نام و نشاں ہے

لیجے نقدِ دل حاضر ہے اور موجود جاں تک ہے
گراں اِس بوسۂ لب کا بہا دیکھیں کہاں تک ہے

آنا ہے تو خدا کے لیئے جلد آ کہیں
آنکھیں لگی ہوئی ہیں یہاں فرشِ راہ سے

خط تیرہ بختیوں کے وہی جانتا ہے خوب
پالا پڑا جسے تری زلفِ سیاہ سے

ملنے کو ہم کسی سے تو ملتے ہیں اے دبیر	اُلفت سے، دوستی سے، محبت سے، چاہ سے
مدفن کا نشاں باقی نہ خاک استخواں تک ہے	مٹایا اے فلک تو نے یہاں تک ہی یہاں تک ہے

خاکساروں سے عدو ہے خاکساری سے گریز	جستجو اس پر ہوس ہے نسخہ اکسیر کی
میں ہمہ تن وقفِ تسلیم و رضا ہوں عشق میں	مِلک ہے سر تیغ کی، جاگیر ہے دل تیر کی
آپ اپنے ظلم سے رسوائے عالم تم ہوئے	کیا کیا تم نے جو میری نعش کی تشہیر کی
ملے تو دبیر اب ہند میں یکتا ہیں مولانا ظہیر	دھوم تھی اگلے زمانے میں جناب میر کی

دبیر۔ امام کعبۂ بلاغت ناظمِ عطارِدِ تحریر حضرت مرزا سلامت علی دبیر مرحوم

خمخانۂ جاوید کا اک جام ہے یہ بھی

اِن باکمال مرثیہ گو کے جدِ اعلیٰ ملّا ہاشم شیرازی نثار تھے جو ملّا علی شیرازی کے بڑے بھائی تھے، ملّا ہاشم کے بیٹے مرزا رفیع تخلص بہ رفیع۔ اُنکے فرزند مرزا غلام محمد مرحوم اُن کے بیٹے مرزا غلام حسین مغفور تھے۔ مرزا غلام حسین مغفور کے خلف الصدق مرزا سلامت علی دبیر مرحوم تھے۔ شمس الضحیٰ مطبوعۂ میر عابد علی صاحب میں وہ فرمان بھی ہیں جو شاہانِ دہلی نے مرزا صاحب کے بزرگوں کو لکھے تھے، اور جن فرمانوں سے ظاہر ہے کہ مرزا غلام محمد اور مرزا رفیع و ملا ہاشم شاہان دہلی کے میر منشی سلطنتِ ہندوستان تھے اور میرزا غلام حسین صاحب کے حقیقی نانا میرزا عنایت اللہ خاں ابن مرزا ابو ظفر خاں ناظم صوبۂ کشمیر کے تھے اور میرزا غلام حسین صاحب کے ماموں مرزا اشہامت علی خاں شاہزادگانِ دہلی کے اتالیق اور خط نستعلیق لکھوانے پر مامور تھے۔

مرزا دبیر مرحوم کے والدِ ماجد (مرزا غلام حسین مرحوم) نے دہلی کے چند مرتبہ تاخت و تاراج ہوجانے کے بعد دہلی سے لکھنؤ میں آکر سکونت اختیار فرمائی اور اثاث البیت بیچ بیچکر شادی بھی لکھنؤ میں کی۔ مکانات بھی یہیں بنوائے جو اب تک محلّہ نخاس میں موجود ہیں اور آج وہ محلہ کوچۂ دبیر کہلاتا ہے، بعد شادی کے دہلی میں کسی قدر اطمینان ہوجانے پر

پھر مرزا غلام حسین مرحوم دہلی میں تشریف لیگئے، اور دہلی میں سات آٹھ برس تک ستوطن رہے
انکا مکان بلی ماروں کے محلہ میں تھا۔ وہیں مرزا دبیر مرحوم کی دو بڑی بہنیں اور انکے
بڑے بھائی مرزا غلام محمد نظیر مرحوم پیدا ہوئے اور ۱۱ جمادی الاولی ۱۲۱۸ھ کو دہلی ہی
میں وہ آفتاب برج کمال طلوع ہوا جسکو آج تمام ملک "مرزا دبیر" مرحوم کہتا ہے، مرزا
مرحوم کی ذات پر دہلی کو بھی اسی طرح فخر حاصل ہے جس طرح لکھنؤ کو، مرزا دبیر پانچ
سات برس کے تھے کہ انکے والد مرحوم پھر لکھنؤ مع اہل و عیال کے آئے اور اپنے انہیں
نخاس والے مکانات میں رہے، اور یہ مستغنی المزاج بزرگ مدۃ العمر خانہ نشین ہی رہے،
یہ بھی قابل ذکر امر ہے کہ مرزا دبیر صاحب کو میر انشاء اللہ خان مرحوم کی نواسی بیاہی ہوئی
تھیں، مرزا دبیر مرحوم کی ابتدائے مرثیہ گوئی ؎ سالے کہ نکوست از بہارش پیدا، ۱۲ برس
کی عمر میں کہ مرزا صاحب ابھی درس و تدریس میں مشغول تھے، انکو شعر گوئی کا شوق ہوا۔ مگر اکثر
مناقب بزرگان دین کہتے تھے انکے والد ماجد میر مظفر حسن ضمیر (مرحوم) کی خدمت میں ان
(مرزا صاحب) کو لیکر پہنچے۔ کلام کی فرمایش پر یہ قطعہ مرزا دبیر نے پڑھا۔ ؎

کسی کا کندہ نگینے پہ نام ہوتا ہے	کسی کی عمر کا لبریز جام ہوتا ہے
عجب سرا ہے یہ دنیا کہ جس میں شام و سحر	کسیکا کوچ، کسی کا مقام ہوتا ہے

یہ قطعہ سُن کر تمام حاضرین اور خود میر ضمیر پھڑک گئے، اور میر ضمیر مرحوم نے ارشاد فرمایا کہ
صاحبزادہ تم آیا کرو میں تم کو ضرور بتاؤں گا۔ میر ضمیر ہی نے دبیر تخلص مقرر کیا۔ اور مرزا
دبیر مغفور کو ایک قدرتی زیرک شاعر پاکر دل لگا کر خوب بنایا، ادھر مرزا صاحب کا سلسلۂ
درس برابر جاری تھا، یہ بات تمام لکھنؤ میں مشہور رہے کہ مرزا صاحب نے باقاعدہ تحصیل
علم فرمائی تھی اور عالم و فاضل جید تھے۔ ادھر علم کی قوت ادھر طبیعت کی تیزی۔ ان
سب پر طرّہ لکھنؤ کے باکمالوں کی صحبتیں، رات دن کے علمی مباحثے۔ ان سب باتوں
نے مل جلکر مرزا دبیر کو چند برسوں میں ایک شاعر کامل بنا دیا۔ سولہ سترہ برس کی عمر میں

ہی مرزا دبیر کا شہرہ ہوگیا۔ اور اب میر ضمیر صاحب نے یہ شیوہ اختیار فرمایا کہ جو کوئی اُن کا شاگرد کوئی تصنیف اصلاح کے لئے اُنکو دیتا وہ اول مرزا صاحب کو دیدیتے اور فرماتے کہ میں سلامت علی اول تم اسکو دیکھ کر عیوب سے پاک کردو۔ جو کوئی عیب اُنکی نظر سے رہجاتا اسکو میر ضمیر مرحوم خود نکال دیتے تھے۔ مرزا صاحب کے علم اور نیک نفسی اور خلق و انکسار اور مہمان نوازی نے اُنکو اور بھی چمکایا اور ایسی شہرت ہوئی کہ اب دبیر کا نام لوگ چار مشہور مرثیہ گویوں، ضمیر، خلیق، فصیح، دلگیر، کے ساتھ لینے لگے۔ چنانچہ اس بات کی شاہد عاول مرزا رجب علی بیگ سرور مغفور کے فسانہ عجائب کی مندرجہ ذیل عبارت ہے یہ کتاب عہد غازی الدین حیدر و نصیر الدین حیدر شاہان اودھ میں تصنیف ہوئی ہے۔ اُس زمانہ تک کے تمام مشہور مرثیہ گو اس مختصر عبارت میں آگئے یہ سرور کا کمال قابلِ داد ہے۔

وہ عبارت یہ ہے

"مرثیہ گو بے نظیر، میاں دلگیر، صاف باطن نیک ضمیر، خلیق، فصیح، مرد مسکین، مکروہات زمانہ سے کبھی فسردہ نہ دیکھا، اللہ کے کرم سے ناظم خوب، دبیر مرغوب، سکندر طالع بصورت گدا، بار احسان اہل دول کا نہ اُٹھایا، عرصۂ قلیل میں مرثیہ و سلام کا دیوان کثیر فرمایا"

مرزا صاحب کی شہرت کا چرچا سُن کر نواب غازی الدین حیدر (اول شاہِ اودھ) نے انکو یکایک بلوا کر اپنے عزاخانہ خاص میں سُنا۔ مرزا صاحب نے رباعیوں کے بعد اور مرثیہ سے پہلے یہ مطلع فی البدیہہ کہکر پڑھا۔

واجب ہے حمد و شکر جناب اِلٰہ میں
مجھ سا گدا، اور انجمنِ بادشاہ میں

فضلِ خدا سے آیا ہوں کس بارگاہ میں
چرچا یہ لوگ کرتے ہیں اسوقت راہ میں

ذرہ سے پہ چشم مہر ہے مہرِ منیر کو
حضرت نے آج یاد کیا ہے دبیر کو

تھوڑے دنوں میں مرزا صاحب کا اسقدر شہرہ ہوگیا کہ بڑے بڑے رئیس اور شہزادے

اِنکے مکان پر حاضر ہوتے تھے، ادھر محلات میں کئی بیگمیں اور شہزادیاں اُنکی شاگرد ہوگئیں جن میں سے ایک نواب ملکہ زمانیہ زوجۂ نواب نصیر الدین حیدر شاہ اودھ اور دوسری سلطان عالیہ دختر نواب ملکۂ زمانیہ اودھ تھیں، یہ دونوں شاہزادیاں مرزا صاحب کو ابا جان کہتی تھیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ محلات شاہی کی زبان قابل سند ہے اور درحقیقت ہے مگر مرزا صاحب کی زبان کا کمال تھا کہ محلاتِ شاہی میں جب کسی لفظ یا محاورہ روزمرہ کے متعلق بحث ہوتی تھی تو کلام مرزا صاحب سے سند لی جاتی تھی یا اُسکے فیصلہ کا حصر مرزا صاحب پر رکھا جاتا تھا، اِس شہرت سے جسقدر مرزا صاحب کو فائدہ پہنچا اُتنا ہی حاسدوں کا حسد بڑھتا گیا، یہاں تک کہ میر ضمیر کے بعض شاگردوں نے چاہا کہ اُستاد اور شاگرد میں ناچاقی ہوجائے، اِس اجمال کی تفصیل میر محمد رضا صاحب ظہیر لکھنوی دارشد تلامذہ مرزا دبیر مرحوم کی زبانی جو اُن تمام مجالس وغیرہ میں شریک تھے اور جنہوں نے تنقید آبحیات مرزا دبیر کے واقعات میں ۱۳۰۳ھ میں لکھی ہے) یہ بیان کرتے ہیں کہ مہاراج سیوہ رام افتخار الدولہ (لکھنؤ کے ایک نومسلم فیاض رئیس) نے ۱۹ ماہ شعبان کو میر ضمیر اور مرزا دبیر سے اصرار کیا کہ اپنے اکیسویں ماہِ رمضان کی مجلس میں آپ دونوں صاحب نیا مرثیہ کہہ کر پڑھیں، دونوں صاحبوں نے وعدہ کرلیا کہ بشرط فرصت نیا مرثیہ کہیں گے، مرزا صاحب نے کہ اُنکی مشق اُس زمانہ میں مثل شباب کے دوروں پر تھی۔ رات بھر میں ایک نیا مرثیہ کہا جس کا مطلع یہ ہے "ذرہ ہے آفتاب درِ بوتراب کا"، ۲۰ کو علی الصباح میر ضمیر مرحوم کی خدمت میں حاضر ہوکر پوچھا، حضور نے کچھ فکر فرمائی۔ فرمایا کہ مجکو اتنی فرصت کہاں؟ ایک پہلے کا کہا ہوا مرثیہ ہے، اُس میں چند بند نئے کہکر لگا لئے ہیں اور مطلع بدل لیا ہے وہی پڑھ دونگا، مرزا صاحب نے اپنا مرثیہ پیش کیا۔ دیکھکر بہت خوش ہوئے، مرزا صاحب نے عرض کی یہ سب حضور ہی کا فیض ہے اِسے آپ پڑھیں۔ میں کچھ عذر کردوں گا اصرار کے بعد میر ضمیر نے منظور کرلیا، اور یہ قرار پایا کہ فضائل کا حصہ مرزا دبیر پڑھیں اور مصائب کا

حصہ تضمیر مشہور ہے کہ میر عابد علی بشیر شاگرد ضمیر نے مین مجلس میں میر ضمیر کو مرزا دبیر کی مدت بھر انکا چبا، مرزا صاحب نے چند رباعیاں پڑھکر وہی نیا مرثیہ شروع کیا، اہلِ مجلس نے تعریفوں کے پھول نثار کیے۔ جہاں تک استاد کا حکم تھا وہیں تک پڑھکر منبر سے اترے میر ضمیر صاحب منبر پر تشریف لیگئے اور یہ فرماکر یہ مرثیہ انھیں کا ہے میرا نہیں کسی پرانے مرثیے کے چند بند اور نثر کے کچھ فقرے پڑھے اور منبر سے اُتر آئے، بعد مجلس دو خلعت دونوں صاحبوں کیواسطے آئے میر ضمیر صاحب نے اپنی خلعت پر ٹھوکر مار کر فرمایا کہ اُٹھالے جاؤ، اور اُٹھ کھڑے ہوئے، مرزا صاحب نے بھی یہ فرماکر کہ جو اُستاد کے فائدہ پہلے اپنے فائدہ کو مقدم رکھے میں اُسکو ملعون جانتا ہوں خلعت پھیر دیا۔

اب زمانے نے دوسرا پلٹا کھایا، میر ضمیر صاحب کے اکثر شاگرد نظم و نثر میں مرزا صاحب پر حملے کرتے تھے اُنھیں میں سے کسی صاحب کا یہ مصرع آجتک مشہور ہے ؎ ہم نام دبیر فلکِ پیر مٹا دوں" ہر مہینے کی گیارہویں کو مرزا صاحب اپنا نیا مرثیہ کہکر پڑھتے تھے چنانچہ اُسی زمانے کا اُنکے ایک سلام کا شعر ہے۔

نیا مرثیہ نظم ہوتا ہے ہر ماہ
دبیر اسکو سمجھو مہینا ہمارا

مرزا صاحب کا کوئی شاگرد میر ضمیر صاحب کے کسی شاگرد کی بد زبانی مرزا صاحب سے بیان کرتا تھا تو وہ اُسکو جواب دیتے تھے کہ تم سخت بات کا ہمیشہ نرم اور ملائم جواب دو اور اصلِ واقعہ سمجھا دو۔ حیاتِ مستعار باقی ہے تو یہ سب شورشیں اور سوزشیں مٹ جائیگی چند سال یہی عالم رہا، اور اس درمیان میں مرزا صاحب کی شہرت کمال بڑھتی گئی یہاںتک کہ وزیر شاہ اودھ نواب علی نقی خان مرحوم کی مجلس میں مرزا صاحب نے مرثیہ پڑھا سامعین مجلس میں تمام شاہزادے اور اکثر حکام اور معززین موجود تھے جن میں سے میر ضمیر صاحب بھی ایک سامع تھے، اثنائے مجلس میں جب حضور عالم (وزیر ممدوح) نے باآواز بلند تعریف فرمائی، تو مرزا صاحب نے میر ضمیر کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ یہ سب

تصدق جناب استاد کا ہے، بعد مجلس میر ضمیر صاحب نے مرزا صاحب کو اٹھکر گلے سے لگا لیا، اور وہیں سے اپنے گھر لے گئے، اگلی پچھلی باتیں دوہرائی گئیں، میر عابد علی بشیر کی خطا ثابت ہوئی۔ میر ضمیر صاحب نے فرمایا کہ اب یہ شخص اس لائق نہیں کہ ہمارے یہاں آئے مرزا صاحب نے بست بستہ عرض کیا کہ انکی خطا بھی میری ہی خطا کے ساتھ معاف فرمایئے میر ضمیر صاحب نے سکوت فرمایا اور نادم ہوئے۔ اور اسکے بعد میر ضمیر صاحب کی گھر کی مجلس میں ہمیشہ مرزا صاحب پڑھتے رہے یہانتک کہ میر ضمیر صاحب کی سوم کی مجلس میں بھی مرزا صاحب نے مرثیہ پڑھا۔ میر عابد علی بشیر مرحوم بھی اپنا کلام مرزا دبیر مرحوم کو دکھلانے لگے اور مرزا صاحب کے خیر خواہ شاگرد ہوگئے تھے۔ مرزا صاحب کے مقابلہ پر جن شاعروں نے علم شہرت بلند کرنا چاہا اُن میں صرف میر انیس کو فروغ حاصل ہوا مرزا صاحب کی خوش فکری کا زمانہ سترہ برس کے سن سے ۱۲۳۵ھ میں شروع ہُوا۔ اس کے کامل ۲۳ برس بعد یعنی ۱۲۵۸ھ میں جب مرزا دبیر کی چالیس برس کی عمر تھی میر انیس فیض آباد سے لکھنؤ آئے، حضرت امجد علیشاہ کا زمانہ تھا، یہ میر خلیق کے فرزند رشید تھے جو عناصر اربع مرثیہ گوئی کے ایک عنصر لطیف تھے، اُس وقت رزمیہ مرثیہ گو صرف مرزا ضمیر۔ میر فصیح، اور میرزا دبیر تھے، اپنے والد کی تحریک پر انھوں نے رزمیہ مرثیہ گوئی شروع کی، اور اسکے ساتھ ہی منبر پر تبانا بھی شروع کیا۔ واقعاتِ انیس میں درج ہے کہ میر انیس خود اِس امر کے معترف تھے کہ انکے لکھنؤ آنے کے وقت میرزا دبیر کا لکھنؤ میں اچھا شہرہ تھا۔ میر انیس مرحوم میرزا دبیر کے ہم سن بھی تھے، اور لکھنؤ میں آتے ہی اُن کے فروغ کا بڑا باعث یہ ہوا کہ اکثر شرفا نواب زادے جو اُنکے والد کے شاگرد تھے اُنکے طرفدار تھے، لکھنؤ والوں کو بالمقابل کاملوں کی تعریف کرنے میں مزا بھی آتا تھا، اِس لیئے دو فریق "انیسیے" اور "دبیریے" مشہور ہوگئے اور انکے روبرو بقیہ مرثیہ گو ماند ہوگئے ✤

مرزا صاحب کے اکثر ہمعصر علمار اور کملا ر نے اُنکی تعریف کی ہے، مثلاً شمس العلما مفتی

سید عباس عشر(کاملہ) میں انیس اور دبیر کی نسبت لکھتے ہیں "دونوں صاحبوں کا مذاق جدا جدا ہے ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دیجا سکتی میر صاحب کا کلام فصیح و شیریں ہے اور مرزا صاحب کا دقیق اور رنگین ہے ۔ ہر پھول کی خوشبو جدا رنگ جدا ہے"

اسی طرح شمس العلما مولوی سید حامد حسین نے ایک مجمع میں مرزا صاحب کی مندرجہ ذیل ٹیپ

طے ہر قدم پر ایک مہینے کی راہ تھی	رویت ہلالِ نعل کی اُس پر گواہ تھی

سنکر فرمایا کہ کسی عرب و عجم نے بھی آجتک یہ مضمون اس خوبی سے نہیں باندھا۔ اسی طرح تدبیر الدولہ اسیر لکھنوی اور منشی امیر مینائی دونوں کا بیان تھا کہ ہم انیس اور دبیر دونوں کو استاد مانتے ہیں اور ایک کو دوسرے پر علانیہ ترجیح نہیں دے سکتے۔ قدردانی کمال کے متعلق یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ ۱۲۹۱ھ میں مرزا دبیر نابینا ہو گئے تھے۔ حضرت واجد علیشاہ طاب ثراہ کلکتہ ٹمیا برج میں تشریف فرما تھے کہ ایک جرمن کا ماہر آنکھیں بنانے والا ڈاکٹر ان کا ملازم ہوا۔ بادشاہ کے اشارے سے ایک رفیق نے مرزا صاحب کو لکھا کہ بادشاہ کی خواہش ہے کہ اگر آپ یہاں آئیں تو آپکی آنکھیں بنوا دی جائیں۔ چنانچہ مرزا صاحب کلکتہ گئے اور نواب مونس الدولہ مصاحب شاہ جہاہ کی کوٹھی پر مہمان ہوئے اور آنکھیں بنوائیں اور عرضداشت متضمن اطلاع شاہ جمجاہ کو بھیجی، اس کی پیشانی پر شاہ ممدوح نے یہ شعر لکھا۔

گر بر سر و چشم من بیائی	بر قلب نہم کہ کیمیائی

۲۵ ذی الحجہ ۱۲۹۱ھ کو بمقام سلطانخانۂ مبارک اور سبطین آباد کے امام باڑہ میں مرزا دبیر سے ملاقات ہوئی اور سلطان عالم نے مرزا دبیر کی تعریف اپنے مرثیہ میں فرمائی جس میں سے ایک ٹیپ مشہور ہے۔

بچپن سے انکے دامِ سخن میں اسیر ہوں	میں کمسنی سے عاشقِ نظمِ دبیر ہوں

جبتک سلطنت اودھ قائم رہی باہر کے امرا باصرار مرزا صاحب کو بلاتے رہے مگر مرزا صاحب نے وطن کی مفارقت گوارا نکی، اور یہی جواب کہلا بھیجا کہ ہماری زبان کے سمجھنے والے دلی

اور لکھنؤ کے باہر کہاں ہیں؟ مگر غدر ۱۸۵۷ء کے دو برس بعد نواب امام باندی بیگم صاحبہ کی طلب پر پٹنہ عظیم آباد تشریف لیگئے۔ اور پھر ہر سال وہاں جاتے رہے وہاں جو پہلی مجلس میں مرثیہ پڑھا اُس سے قبل مندرجۂ ذیل رُباعی بھی پڑھی جس سے اُنکے دلی خیالات ظاہر ہوتے ہیں۔ ؎

جو پھول کبھی نہ بوستاں سے نکلے صد شکر کہ شہر لکھنؤ جنت تھا	اِس دَور میں جورِ آسماں سے نکلے آدم ٹھہرے جو ہم جناں سے نکلے

بالآخر ۳ محرم ۱۲۹۲ھ کو لکھنؤ میں مرزا صاحب نے انتقال فرمایا، اور اپنے ہی مکان میں دفن ہوئے، آپکے صاحبزادے حضرت اوج بڑے باکمال مرثیہ گو ہیں، اُنکی خدمت میں راقم کو بمقام لکھنؤ دوبار نیاز حاصل ہوا تھا۔ ہنگام مُلاقات حضرت نے بکمال توجہ جناب دبیر کے حالات بھی سُنائے تھے۔ مُندرجۂ بالا حالات کے لیئے راقم منشی افضل حسین ثابت کا مشکور رہے جنھوں نے ایک پورا رسالہ موسوم "خمخانۂ جاوید کا اک جام ہے یہ بھی" مرزا دبیر کے حالات میں بھیجکر خمخانۂ جاوید سے اپنی دلچسپی کا ثبوت دیا۔

ہم طالع ہما مراد ہم رسا ہُوا مطلع ہمارا مطلعِ مہر سما ہُوا مصرع ہوا کہ سرو وہ دارِ سلام کا		طاؤس کلکِ مدح اُڑا اور ہما ہوا اور دوحۂ کلام سراسر ہَرا ہوا عطرِ گلِ ارم ہوا حاصل کلام کا
دِل کو پئے جمع زر پریشاں نکیا ہم تو ہیں ترے شکر گزار اے گردوں	سامانِ ثروت بے سروسامانی	سرگشتہ بھرِ سامان نکیا احسان کیا جو ہمپہ احساں نکیا
بلبل بیزمانہ ایک گل کا نہوا بندوں کو عبث خیالِ یکتائی ہے	زمانہ کا ایک ایکسا نہ ہونا	محکوم ائمہ و رسل کا نہوا اللہ پر اتفاق کل کا نہوا

امام زین العابدین کی بیکسی۔ قید خانہ کا فوٹو

عابد نے سوائے خاک بستر نہ رکھا	تپ میں سر بالینِ شفا سر نہ رکھا

زنداں میں نبض ہتھکڑی سے نہ دیکھی ۔ جز جوانع کسی سے ہاتھ دل پر نہ رکھا

رباعی

کھانے کا مزہ فقط زبانی نکلا ۔ باقی سامانِ عیش فانی نکلا
چاہا تھا کہ ہاتھ دھوئیں دُنیا سے دبیر ۔ اتنا بھی نہ اِس کنوئیں میں پانی نکلا

نیرنگیٔ دُنیا و عبرت

دُنیا کا عجیب کارخانہ دیکھا ۔ کِس کِس کا نہ یاں ہمنے زمانہ دیکھا
برسوں رہا جن کے سر پہ چترِ زریں ۔ تربت پہ نہ اُنکی شامیانہ دیکھا

رباعی

مرکر بھی نہ چین زیرِ افلاک مِلا ۔ اک تارِ کفن نہ گرد سے پاک مِلا
اے خانہ خراب قبر تیری خاطر ۔ کھویا بھی جو نقدِ جاں تو کیا خاک مِلا

رباعی

کس عہد میں تبدیل نہیں دَور ہوا ۔ گہہ عدل گہے ظلم گہے جور ہوا
اللہ وُہی ہے تو نہ مضطر ہو دبیر ۔ کیا غم جو زمین اور فلک اَور ہوا

نمرود کو خدائی کے دعوے سے کیا مِلا ۔ بندہ جُدا ہوا جو خودی سے خدا مِلا

بند

مصرع کے عوض آپ سے طوبیٰ نہیں لیتا ۔ لو جنّتِ اعلیٰ بھی یہ ادنیٰ نہیں لیتا
اب پُوچھیئے کیا مانگتا ہے کیا نہیں لیتا ۔ مَیں نام زباں سے کسی شئے کا نہیں لیتا

جز نقدِ رضا کچھ مجھے منظور نہیں ہے ۔ خادِم ترا، مدّاح ہے مزدور نہیں ہے

رباعی

پہنچا جو کمال کو وطن سے نکلا ۔ قطرہ جو گہر بنا عدن سے نِکلا
تکمیلِ کمال کی غریبی ہے دلیل ۔ پختہ جو ثمر ہوا چمن سے نِکلا

بند

سمجھے ہیں نامرادیٔ دنیا کو یہ مُراد ۔ غم انکے دِل میں شاد ہے دل انکا غم میں شاد
ہر عضو میں ہے دِل کی طرح سے خدا کی یاد ۔ قرآن پڑھنا ختم ہے اِن پہ دمِ جہاد

بازوئے جنگ مثلِ ترازو تُلے ہوئے ۔ خود رحل زین پہ، گود میں قرآن کھلے ہوئے

بند

تن لوٹتا تھا یاں تو تڑپتا تھا سَر اُدھر ۔ زخمی پدر ادھر تھا تو بیجاں پسر اُدھر
اک بیجا اس اِدھر طرف اک بے خبر اُدھر ۔ دریا لہُو کا بہتا تھا اِن میں اِدھر اُدھر

اِس نہرِ خوں میں سر جو دبیرؔ انکے گرتے تھے		مثلِ حباب چاروں طرف بہتے پھرتے تھے
بیٹھ کر خاک پہ غلطاں ہوئے وہ دونوں یتیم	بند	لپٹا یوں بھائی سے بھائی کہ ہلا عرشِ عظیم
تیغ چمکانے لگا بچوں کے سر پر وہ لئیم		اُٹھ سکے تعظیم سے کی دونوں نے جھک کر تسلیم
خوف سے بند تھے منہ بات نکی جاتی تھی		استخوانوں سے لرزنے کی صدا آتی تھی

غزل کمیاب میرزا دبیر منقول از مجموعہ مرسلہ

دفن کرنا مجھکو کوئے یار میں	قبر بلبل کی بنے گلزار میں
اپنے یوسف کا عزیزو ہوں غلام	چاہیے مجھکو بیچ لے بازار میں
سر مرا لٹکا کے قاتل نے کہا	پھل لگا ہے آج نخلِ دار میں
گرمیٔ خوں کی مری تاثیر دیکھ	پڑ گئے چھالے تری تلوار میں
سر کے کٹنے کا مجھے کچھ غم نہیں	خم نہ پڑ جائے تری تلوار میں
قبر میں روزن مری رکھنا ضرور	مر گیا ہوں انتظارِ یار میں
میرا مرنا اُنکے گھر شادی ہوئی	خون کے چھاپے لگے دیوار میں
بعد مردن میرے لاشے کو دبیر	دفن کرنا کوچۂ دلدار میں

رحمت کا تری اُمیدوار آیا ہوں	رباعی	منہ ڈھانپے کفن سے شرمسار آیا ہوں
چلنے نہ دیا بارِ گنہ نے پیدل		تابوت میں کاندھوں پہ سوار آیا ہوں
نادان کہوں دلکو کہ خردمند کہوں	”	یا سلسلۂ وضع کا پابند کہوں
اِک روز خدا کو مُنہ دکھانا ہے دبیر		بندوں کو میں کس مُنہ سے خداوند کہوں
خیالِ کربلا ہے، اور میں ہوں		بہشتِ جاں فزا ہے، اور میں ہوں
جنوں موتی بیابانِ نجف کے		یہ دُرِّ مدعا ہے، اور میں ہوں
مثالِ دانہ پستا ہوں شب و روز		فلک کی آسیا ہے، اور میں ہوں
ضعیف دشمن سے حر نکلا یہ کہکر		بس اب راہِ وفا ہے، اور میں ہوں

دعا بھی مال و دولت کی نہ مانگوں — ہمیشہ یہ دعا ہے اور میں ہوں
تمنا دولت و حشمت کی ہے بے جا — دبیر آخر فنا ہے اور میں ہوں

ہے عکسِ گیسو و تیغِ اکبر کہاں کہاں — سنبل کہاں کہاں ہے گلِ تر کہاں کہاں
گرد میں، جہاں میں، ختن میں، تتار میں — پھیلی ہے نگہتِ گلِ حیدر کہاں کہاں
فرقِ عدو میں سینہ میں جوشن میں زین میں — در آئی ذوالفقارِ دو پیکر کہاں کہاں
بستی میں جنگلوں میں، ترائی میں کوہ میں — شہ کو لیے پھرا ہے مقدر کہاں کہاں
اِس کشتِ روزگار میں تخمِ وفا نہیں — بند — اِس بوستاں کے پھولوں میں بوئے وفا نہیں
اِس بزم کے چراغوں میں نورِ ولا نہیں — اِس بحر کے صدف میں دُرِ مدعا نہیں
گھر کونسا بسا کہ جو ویراں نہ ہو گیا — گل کونسا ہنسا کہ پریشاں نہ ہو گیا

اگر وہ غیرتِ شمشاد جائے سیرِ گلشن کو — گلوئے سرو میں پہنائے قمری طوقِ گردن کو
چمن کی ہے غلامی پر جو اس گلرو میاں جاتا ہے — تو کیا روتی ہے شبنم منہ پہ رکھ کے گل کے دامن کو
رواں کرتا تھا خنجر گاہ گاہے روک لیتا تھا — عجب ناز و ادا سے اُس نے کاٹا میری گردن کو
میں کشتہ ہوں کسی گل کے مسی آلودہ دنداں کا — چڑھانا باغباں تربت پہ میری برگِ سوسن کو
دلا ان تنگ چشموں سے نہ چشمِ رحم تو رکھیو — کسی کے حال پر روتا نہ دیکھا چشمِ سوزن کو
سوادِ نامۂ اعمال کیا یہ اشک دھوئیں گے — نہ شبنم نے کیا تبدیل رنگِ برگِ سوسن کو
دبیر آئیگا کب وہ بھول کر گورِ غریباں پر — جو اکثر روندتا تھا ناز سے پھولوں کے خرمن کو

لگتے تھے جوڑ توڑ غضب تیغِ تیز کو — سر سے گری جدا کیا پائے گریز کو
اپنے سے گرم دیکھ کے اُس شعلہ ریز کو — برق و شرر نے نذر کیا جست و خیز کو

گھر اپنا اُجاڑ کر بسایا تجھکو — ڈھانپا جو کفن سے منہ دکھایا تجھکو
اے قبر کہاں کہاں نکی تیری تلاش — جب خاک میں مل گئے تو پایا تجھکو
ادنیٰ سے جو سر جھکائے اعلیٰ وہ ہے — جو خلق سے بہرہ ور ہے دریا وہ ہے

کیا خوب دلیل ہے یہ خوبی کی تدبیر
سمجھے جو بُرا آپ کو اچھا وہ ہے
گلشن میں صبا کو جستجو تیری ہے
بلبل کی زباں پہ گفتگو تیری ہے
ہر رنگ میں جلوہ ہے تری قدرت کا
جس پھول کو سونگھتا ہوں بُو تیری ہے

بُو گل نے رنگ لالہ نے سرعت ہوا نے دی
یہ ہدیہ کیا ہے اپنی نیابت قضا نے دی

دِل کو مرے شغل غمگساری کا ہے
غفلت میں طور ہوشیاری کا ہے
گردوں کو ہے اگر سرکشی کا غرہ
ہمکو بھی غرور خاکساری کا ہے

یاں شور وہاں غل اِدھر آئی اُدھر آئی
وہ چمکی، وہ تڑپی، وہ چھپی وہ نظر آئی
وہ تیر گئی خود میں وہ سر میں در آئی
گردن سے بڑھی سینہ لیا تا کمر آئی

سن اُسکا گھٹا تھا جو دلیرانہ بڑھا تھا
مُنہ کی وہی کھاتا تھا جو مُنہ اسکے چڑھا تھا

چمکی جو خود سر پہ تو سر سے نکل گئی
شانے پہ جو پڑی تو جگر سے نکل گئی
سینے میں دم لیا تو کمر سے نکل گئی
حیراں تھا خود بدن کہ کدھر سے نکل گئی

اُونچی ہوئی تو فرق عدو کو فرو کیا
گر کر اُٹھی تو راکب و مرکب کو دو کیا

رباعی

جو پھول کبھی نہ بوستاں سے نکلے
اِس دَور میں جورِ آسماں سے نکلے
صد شکر کہ شہر لکھنؤ جنت تھا
آدم ٹھہرے جو ہم جناں سے نکلے

عباس کے غم سے چشم سرور نم تھی
حالتِ شہِ بیکس کی عجب اُس دم تھی
اشک آنکھوں میں اور زباں پہ عباس کا نام
رُخ زرد، کمر پہ ہاتھ۔ گردن خم تھی

اے ابر تری گہر فشانی کیا ہے؟
آ، دیکھ کہ یہ دُرِ معانی کیا ہے
یاں گل ہے چراغ انوری کا بالکل
اے شمع تری چرب زبانی کیا ہے

بند

اے جل شانہٗ، وہ غفور الرحیم ہے
ہم سب ہیں دردمند وہ کامل حکیم ہے
رحمان و مستعان و رؤف و رحیم ہے
اُسکے سوا بھلا کوئی ایسا کریم ہے
ایمان بھی دے مراد بھی دے عز و جاہ بھی
روزی بھی بخشے۔ خلد بھی بخشے گناہ بھی

بزمِ حیف کیا جہاں سے سلیمان لے گئے	بند	یوسف بھی زیرِ خاک سب ارمان لیگئے
شاہانِ دہر کونسا سامان لے گئے		سب کچھ وہ لے گئے کہ جو ایمان لیگئے
کن قافلوں کو خاک نہ اس راہ نے کیا		کن یوسفوں کو غرق نہ اس چاہ نے کیا
یہ حسن کے مطمئن ہوئے وہ غازی وغنی	بند	منکہ ڈھلا، نہ اشک بہا، رقت جانکنی
لکان کی مڑی، نہ پھری منہ پہ مُردنی		پتھرا گیا کیسا آنکھ میں دونی تھی روشنی
مرتے ہوئے غضب کی دلیری دکھاتے تھے		رگ رگ سے دم نکلتا تھا اور مسکراتے تھے
بھری ہے سوگوار ماہِ حیدر چاندنی		اشک شبنم ہیں بکا کرتی ہے شب بھر چاندنی
تا کمالِ چاردہ معصوم روشن سب پہ ہو		چودھویں شب کو رہا کرتی ہے شب بھر چاندنی
شمر نے چاہا کہ حضرت سے جدا عباس ہوں		یہ نہ سمجھا - چاند سے چھوٹے گی کیونکر چاندنی
مال و زر کا کیا بھروسہ چاہئے فکرِ مآل		فی المثل ہے چار دن کی اے تونگر چاندنی
ثابت شمر و آفت سے شرافت نہیں ہوتی		کامل کی یہ پہچان ہے نخوت نہیں ہوتی
پیش امرا طالبِ زر جھکتے ہیں		سجدے سے سوا مجرے کو سر جھکتے ہیں
سنجیدہ ہیں یہ لوگ ترازو کی طرح		ہے مال سوا جدھر ادھر جھکتے ہیں
دریا پہ تو ظاہر میں علمدار گئے		باطن میں وہ کوثر کے طلبگار گئے
تھا بیچ میں دریائے شہادت حائل		دو ہاتھ میں اس پار سے اس پار گئے
بزمِ حیف کیا جہاں سے سلیمان لیگئے	بند	یوسف بھی زیرِ خاک سب ارمان لیگئے
شاہانِ دہر کونسا سامان لیگئے		سب کچھ وہ لیگئے کہ جو ایمان لیگئے
کن قافلوں کو خاک نہ اس راہ نے کیا		کن یوسفوں کو غرق نہ اس چاہ نے کیا
ہیں وقف ہمیشہ مرے الفاظ و معانی		ہاں قلزمِ شیریں کا بھی پیتے ہیں پانی
دزدانِ مضامیں پہ نہ کر منع کی تاکید		تو مجتہدِ نظم ہے، فرض ان پہ ہے تقلید
مضمون نئے کرتا ہوں ایجاد ہمیشہ		کہتا ہے سخن حضرتِ استاد ہمیشہ

سکھنے میں ہے تاثیر خدا داد ہمیشہ — بھولے سے بتا دوں تو ہے یاد ہمیشہ
شکر خدا کہ سرقہ کی حد سے بعید ہوں — ہر مرثیہ میں موجد طرز جدید ہوں
آمد شہِ عادل کی ہے انصاف کی رہبر — خرمن سے شرر بھاگتے ہیں شیشے سے پتھر
بلبل سے قفس گل سے تراں شمع سے صرصر — شبنم سے جو سورج تو کتاں سے مہ انور
نیکی سے بدن نام سے اب ننگ جدا ہے — توبہ سے شکست آئینہ سے زنگ جدا ہے

ہر جسم سے یہ دبدبۂ شہ کا بیاں ہے — آرام کہاں، ہوش کہاں، جاں کہاں ہے
تن کہتا ہے سب قافلہ دوزخ کو رواں ہے — دوزخ کی ندا ہے نہ یہاں ہے نہ وہاں ہے
اب عقل کہاں ہوش کہاں فوج لعیں ہے — سب گرد ہوئے راہِ سمندِ شہِ دیں ہیں

الدم ہی یہ طے کرتا ہے دنیا کی حدیں سب — کیسی وہ حدیں آپ سے باہر ہے یہ مرکب
خالی ہے رکابوں کی طرح چلنے ہیں قالب — نقرہ ہے، نہ سبزہ ہے، نہ ابلق ہے نہ اشہب
نام اس کا تصوّر میں گذرتا نہیں کوئی — شوخی کے سبب رنگ ٹھہرتا نہیں کوئی

درخشاں ماہتاب الدولہ کوکب الملک سیّد علیخاں بہادر درخشاں ستارہ جنگ منجم شاہی ولد میر مغل لکھنوی شاگرد تدبیر الدولہ منشی مظفر علی خاں اسیر لکھنوی اور اُنکے باختصاص مقربوں میں شامل تھے۔ مشہور سبع سیارہ کے ایک رکن تھے۔ ستاروں کی مزاج شناسی کے ساتھ ساتھ فنِ سخن کو بھی خوب نباہتے تھے۔ اُنکی سخن سنجی پہ استاد کو بھی ناز تھا۔ جب فتح الدولہ برق نے اپنے ایک خوش فکر شاگرد مرزا محمد رضا، طور کو دربار شاہی میں پیش کیا، تو منشی اسیر نے اُنکی نذر بھی دلوادی۔ خود درخشاں نے مولوی حیدر علی طباطبائی سے جنھوں نے اُنکا مختصر حال رسالہ ادیب میں شائع کیا ہے فرمایا تھا کہ میری اور آفتاب الدولہ قلق کی باریابی ساتھ ساتھ ہوئی تھی اور خطاب بھی ساتھ ہی ملے تھے، انتزاع سلطنت کے بعد برق اور درخشاں بادشاہ کے ہمرکاب کلکتہ گئے اور قلق و اسیر لکھنؤ رہ گئے درخشاں کا انتقال بھی مٹیا برج ہی میں ہوا، بڑے پُر گو اور زود فکر سخنور تھے، دیوان تیار تھا مگر چھپنے

کی غفلت سے برباد ہو گیا، مولوی علی حیدر نے بڑی کوشش سے کچھا جزا اشعار دیف الف
کے تا بحر میں فراہم کیے اور مضامین کی صورت میں رسالہ ادیب میں شائع کرائے جن سے
ہماری معلومات اور دستیاب شدہ کلام میں معتد بہ اضافہ ہوا ہے کہ لئے ہم مولانا مذکور کے
ممنون ہیں، اُس کا انتخاب درج ذیل ہے، اِنکے تلامذہ میں رئیس الدولا افسر خوشنویسان
شاہی اچھا کہنے والوں میں تھے، روزمرہ بہت صاف لکھتے تھے اور نازک خیالی بھی
انکے کلام سے آشکار ہے۔ آپکے اکثر اشعار میں اخلاقی مضامین صفائی سے نظم پائے
جاتے ہیں، جو ناسخ کی طرز کے مقلد کے لیے کچھ آسان بات نہیں، خوجا وشناوادر جلہ شعرا
لکھنو ایسی خشک اور بے تاثیر رنگ کے اسیر تھے، الغرض تغزل کا دلفریب رنگ ان کے
کلام میں موجود ہے، مضمون کی بندش ایسی چست ہوتی تھی کہ ردیف بول اٹھتی ہے۔
اب کلام ملاحظہ ہو +

آنکار صبح حشر ہیں شاید کہ اے اجل	میرا چراغ عمر جو تو نے بجھا دیا
مرنا بھی اہل ہوش کا ہی غافلوں کو پند	ہم سو رہے تو یاروں کو اپنے جگا دیا
ہم اُس سے نقد بوسہ کے اُمیدوار تھے	قیمت میں دل کی یار نے خنجر لگا دیا
کہا یہ ساربان سے نجد کے وادی میں لیلیٰ نے	کہ پہچانا نہیں جاتا ہوا کیا حال مجنوں کا
ہنوگی فکر معنی آشنا محتاج غواصی	گہر فشاں ہے خود دامن مرے دریائے مضمون کا
ظلم کرتا ہے کتابی چہرا	خط کوفی میں ہے قرآں میرا
خود پرستی ہے پرستش بت کی	کم نہیں کفر سے ایماں میرا
آدمیت کو فقط جوہر انسان جانا	جس میں اخلاق نہ پائے اُسے حیوان جانا
ہمکو یہ فیض ہوا عشق رخ گیسو سے	گبر نے گبر مسلماں نے مسلماں جانا
شر سے نفرت ہے ہمیں خیر سے رغبت ہے مدام	کفر سمجھا ہے جسے اُسے ایمان جانا
حال ابنائے زماں ہے مثل سنگ آسیا	ایک ہے آرام سے کھاتا ہی چکر دوسرا

نیک پر ہے فوق بد کو بحرِ عالم میں تو کیا   حس نظر آتا ہے مجکو ایک ۔ گوہر دوسرا
کیوں پئے روزی کس و ناکس سے کرتا ہے رجوع   بند کر سکتا نہیں رزقِ مقدر دوسرا
دسترس میرا جو ہو پتھر سے توڑوں آئینہ   دیکھنے پائے نہ تیرا، روئے انور دوسرا
ذبح کیا کرتے ہو چھوڑو باندہ کر پر بام پر   ایک کو دیکھے تو آ بیٹھے کبوتر دوسرا
اے درخشاں جسکے مضموں سے ہے روشن اک جہاں   شاہ اختر سا نہیں دیکھا سخنور دوسرا

دریائے محبت کا نہ پوچھو حد و پایاں   جی ڈوب گیا جب مجھے ساحل نظر آیا
نازک ہے فنِ شعر نہایت ہی درخشاں   کہنے سے سمجھنا مجھے مشکل نظر آیا

کوئی میرے لیئے ہے بیخور و خواب   تمہیں اتنا خیال آیا تو ہوتا

کیا شرفِ ذات کا گر فیض کا جوہر نہوا   آبِ گوہر سے لبِ خشک کبھی تر نہوا
بخیہ درکار نہیں چشمِ مروت کے لیئے   آشنا باز کی وحشت سے کبوتر نہوا
بیشتر حالِ جہاں ہمنے پریشاں دیکھا   گھر ہوا در نہوا، زور ہوا، زر نہوا

برنگِ بوئے گل پہنچے سبکروحی سے اُس جا ہم   دکھائے برچھیاں سبزہ جہاں دیوارِ گلشن کا
ہمیشہ رنج میں رکھتی ہے اپنی ہمت عالی   ہمیں ہے دوست کا احسان، گویا ظلم دشمن کا

جامِ ہستی میں صورتِ دستِ سوال تھی   گردن کو اپنی شیشۂ مے نے جھکا دیا
آئی قریب گوشۂ ابرو جو زلفِ یار   اُتری ہوئی کمان پہ چلا چڑھا دیا
کل وہ جو مجھ کو دیکھ کے بیگانہ بن گیا   میں بھی تو ہوشیار ہوں دیوانہ بن گیا
غفلت پہ اپنی کیوں نہ ہوں خونِ دل مدام   جامِ شرابِ عمر کا پیمانہ بن گیا
رونق فزا ہوا جو درخشاں وہ بت کبھی   آئینہ خانہ رشکِ صنم خانہ بن گیا
جب نگاہِ مست اُسکی غیر پر پڑنے لگی   ہو گیا ثابت بہکنا نرگسِ مخمور کا
چارہ سازی خلق کی کرتا ہوں گو درماندہ ہوں   بے مرمت بیشتر رہتا ہے گھر مزدور کا
کہنے کیواسطے ہیں بہت یار آشنا   لاکھوں میں یاں نکلتے ہیں دو چار آشنا

واں تمہیں سمجھتے ہیں اغیار آشنا
ہوتے نہیں کسی کے طرحدار آشنا

قاتل سے تھا اشارۂ ابروئے ماہِ نو
دو دن تو ہو نیام سے تلوار آشنا

کب ہے برادرانِ حقیقی کا اعتماد
بے فائدہ بدلتے ہیں دستار آشنا

پوچھوں میں لطفِ بوسۂ دُرِ گوشِ یار سے
کانوں سے ہو اگر لبِ گفتار آشنا

ہے جائے گریہ حال جہانِ خراب کا
ہو چشمِ مہر و ماہ پہ دامن سحاب کا

تکیہ پہ لطفِ عارضِ رنگیں کو دیکھنا
گویا روش پہ پھول پڑا ہے گلاب کا

کب تک پیوں میں ظلمتِ شب کے لہو کے گھونٹ
چھلکائے شیرِ صبح قدح آفتاب کا

کیا آئینہ میں عارضِ رنگیں کی ہے بہار
پانی میں پھول تیر رہا ہے گلاب کا

ہم حُلّۂ بہشت پہن کے چلے گئے
ڈھونڈا کیا کفن میں فرشتہ عذاب کا

رتبۂ اعلیٰ نہ پائے لاکھ گرا دنی بڑھے
قدِ آدم آئینہ کس دن سکندر ہو گیا

زخمیٔ تیغِ ادا شب بھر تڑپ کر مر گئے
چاندنی کا کھیت وہ پھولوں کا زیور ہو گیا

زندگی بھر جز ندامت اور کیا حاصل ہوا
مجھ سے فعلِ نیک یا رب تیرے قابل کیا ہوا

غالب ہوئی جو نکہتِ گل پر شمیمِ زلف
غنچوں نے چٹکیوں میں صبا کو اڑا دیا

وبال اس سر کے کٹنے کا نہ بالا بالا جائے گا
دھواں اسکو نہ اے قاتل سمجھنا شمع روشن کا

سکتے ہیں وہ آئینہ دکھا کر مجھے بولے
پتھر پڑیں اسے شخص تری بے خبری پر

صدمے سے بچاتی ہے طبیعت کی لطافت
پانی پہ کرے کاٹ نہ شمشیر ہوا پر

جو پھول پھینک کے مارا رقیب نے اسکو
لگا ہے رشک کا کاری خدنگ سینہ پر

کس طرح چشمِ شوق کو آئے نظر کمر
تارِ نظر سے اسکی ہے باریک تر کمر

معدوم کوئی چیز نہیں پر دہانِ یار
غائب کوئی جہاں سے نہیں ہے مگر کمر

آیا گر اسکے راہ میں گر خطِ شوق کو
میرا ہے ہاتھ اور تری نامہ بر کمر

آتا ہے اسکو اپنی نزاکت کا جب خیال
پاتے نہیں ہیں آپ وہ دو دو پہر کمر

دشتِ غربت میں جلائے خار وخس نے برگ وبر
منعموں کے واسطے ہے رونقِ کاشانہ شمع

بے گنہ کے سر قلم کرنے پہ ہے کتنا دلیر
ہو اگر حاکم تو ہے گلگیر سے جرمانہ شمع

سر برہنہ مو پریشاں چشم گریاں سینہ چاک
رکھتی ہے سامانِ رنج و ماتمِ پروانہ شمع

معرکہ میں عشق کے کی سر سے طے راہ عدم
آفریں ثابت قدم تھی کس طرح مردانہ شمع

ناصحا دیکھ نہ غصہ سے سوئے طفل پلک
تیری آنکھوں میں کھٹکتے ہیں مجھے پیارے میں

نہ ہے اِس طرح سنگ آسیا ای چرخ گردش میں
نہ ہے یوں ساغر بادہ سدا ای چرخ گردش میں

یہ یوں تسبیح دست پارسا اے چرخ گردش میں
رہیگا نجمِ اختر تا کجا اے چرخ گردش میں

خاکساری کمال کی ہے دلیل
ہیں جو ناقص غرور کرتے ہیں

وعدہ روزِ ازل کچھ یاد ہے
غافلو آئے کیوں کیا کر چلے

طواف تھا جو کبھی دل کے گرد ہم پھرتے
جہاد تھا جو کبھی خونِ آرزو کرتے

درد۔ ملک الشعرا خواجہ میر درد دہلوی خلف اصدق خواجہ میر ناصر عندلیب آپکا مادری سلسلہ خواجہ بہاءالدین نقشبند سے ملتا ہے۔ انکا خاندان قدیم الایام سے دہلی میں پیری مریدی کے باعث نہایت با رسوخ اور صاحب اثر سمجھا جاتا تھا، علوم رسمی سے بخوبی ماہر تھے مشہور مفتی دولت سے مثنوی مولانا روم کے سبق لیئے تھے، آپ نواب ظفر خان بہادر امیر عہد جہانگیر بادشاہ کی اولاد امجاد اور خاندان چشتیہ میں سجادہ نشین تھے سناء گلشن کے خلیفہ اور علم تصوف و باطنی میں وحید العصر اور یگانہ وقت سمجھے جاتے تھے، کلام انکا نہایت پاکیزہ، فصیح اور درد انگیز ہے اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں دیوان انکے موجود ہیں، میر تقی میر اور سودا کے ہمعصر تھے، خدائے سخن میر تقی میر نے ان کو آدھا شاعر مانا ہے، اسی طرح مرزا رفیع السودا بھی انکے کمال کے مقر تھے جس کا اظہار کئی مقطعوں میں کیا ہے۔ ~

سودا بدل کے قافیہ تو اس غزل کو لکھ
اے بے ادب تو درد سے بس دو بدو نہ ہو

الغرض میر درد ایوان شاعری کے ایک بڑے جلیل القدر رکن ہیں۔ ہزارہا آدمی انکے مرید

تھے متین، متانت اور تہذیب کی ایک مجسم تصویر تھے، یہ صبر و قناعت ہی کا کرشمہ تھا کہ سودا، میر، مصحفی، جرأت، انشا، حسرت، سوز، جیسے مشاہیر سلطنت کی تباہی اور رات دن کی غارتگری سے تنگ آکر تلاش روزگار میں دہلی کو خیرباد کہکے بلاد شرقیہ کو روانہ ہوئے۔ مگر انکے پائے استقلال نے جنبش نہ کی اور اپنی خانقاہ میں اسی طرح بیٹھے رہے، دنیاوی عزوجاہ کی طرف بھی التفات نہ کیا، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ تادم آخیر مرجع صغیر و کبیر رہے دربار شاہی سے کچھ تھوڑی سی جاگیر بزرگوں کی مقرر تھی، اسکی آمدنی اور نذر و نیاز سے بخوبی بسر اوقات ہو جاتی تھی، موسیقی میں چونکہ اچھی مہارت رکھتے تھے اس لیے بڑے بڑے گویئے اور کلاونت اپنی چیزیں بنظر اصلاح و استفادہ سنایا کرتے تھے محرم میں مرثیہ اور سوزخوانی کی محفل ہوتی تھی۔ خواجہ صاحب ہر مہینے کی ۲۔ اور ۲۴ تاریخ کو مشائخوں کی محفل کیا کرتے تھے، اور اس میں اکثر امراء و بزرگ اپنا فخر سمجھ کر آتے تھے، حتی کہ خود بادشاہ حضرت شاہ عالم ثانی کئی دفعہ تشریف فرما ہوئے، ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت بلا اطلاع چلے آئے، اور چونکہ پاؤں میں درد تھا ضبط نہ کر سکے اور ذرا پاؤں پھیلا دیا، اب خواجہ صاحب کی نازک مزاجی دیکھئے کہ وہ اس بے ادبی کی متحمل نہ ہو سکی اور اسی وقت بولے کہ "یہ امر فقیر کی داب محفل کے خلاف ہے" بادشاہ نے عذر کیا اور معافی چاہی، جس پر میر درد نے فرمایا کہ "اگر طبیعت ناساز تھی تو تکلیف کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ چھوٹی بحروں میں جو شعر کہتے تھے لاجواب اور بےمثل ہوتا تھا، میر تقی میر کے رنگ میں رنگ ملا دیتے تھے بلکہ تصوف اور اخلاق کی چاشنی کے اعتبار سے انکا کلام زیادہ مؤثر اور دلاویز ہوتا تھا، تصنیف و تالیف کا شوق بچپن سے رفیق تھا، چنانچہ اردو دیوان کے علاوہ ایک مختصر فارسی دیوان بھی ہے، ان دونوں کے علاوہ رسالہ اسرار الصلوٰۃ، واردات درد اسکی شرح میں علم الکتاب ایک بڑا نسخہ تحریر کیا جس میں ۱۱۱ متفرق رسالے ہیں۔ نالۂ درد، آہ سرد، درد دل، سوز دل، شمع محفل، حرمت غنا، وغیرہ جن کی شائقین تصوف کی نگاہوں میں بڑی

قدر و منزلت ہے۔ انکی اور تصانیف ہیں۔ اِن کے والد خواجہ ناصر عندلیب بھی شاعر تھے۔ چنانچہ انکا بھی ایک مختصر دیوان اور رسالہ "نالۂ عندلیب" موجود ہے، اسی طرح درد کے چھوٹے بھائی سید محمد میر اثر جن کا ذکر پہلے جلد میں آچکا ہے صاحب دیوان و مثنوی "خواب و خیال" تھے۔ خواجہ صاحب کی غزل عموماً سات یا نو شعر کی ہوتی تھی، مگر مضامین سب منجھے پھٹکے ہوئے، گویا تلواروں کی آبداری نشتروں میں بھر دیتے تھے، البتہ جیسا انکے ہمعصر شعرا میر تقی میر، سودا اور درد کے شاگرد رشید قائم کے ہاں بعض الفاظ۔ جاگہ نت، ٹک، تیئں، جیدھر، جواب متروک ہیں مستعمل ہوئے ہیں اِنکے کلام میں بھی وہ پائے جاتے ہیں، اور یہ کوئی عیب کی بات نہیں، ہر عہد اور زمانہ کی زبان جداگانہ ہوتی آتی ہے۔ صفائی زبان، وسوز و گداز، و خوش اسلوبی محاورہ اور مضمون آفرینی پر شیدا تھے، ۲۴ صفر سنہ ۱۱۹۹ ہجری یوم جمعہ کو انتقال کیا۔ کسی مرید نے تاریخ کہی "حیف دنیا سے سدھارا وہ خدا کا مجنوں"

مقدور کسے ہے ترے وصفوں کے رقم کا — حقا کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا
بستے ہیں ترے کوچہ میں سب شیخ و برہمن — آباد ہے تجھسے ہی تو گھر دیر و حرم کا
ہے خوف اگر جی میں تو ہے تیرے غضب کا — اور دل میں بھروسا ہے تو ہے تیرے کرم کا

کبھی خوش بھی کیا ہے دِل کسی رندِ شرابی کا — بھڑا دے مُنہ سے مُنہ ساقی ہمارا اور گلابی کا

اکسیر پر تھوس اتنا نہ ناز کرنا — ہے کیمیا سے بہتر دل کا گداز کرنا
ای آنسوؤ نہ آوے کچھ دلکی بات لب پر — لڑکے ہو تم کہیں مت افشار راز کرنا
ہم جانتے نہیں ہیں ای درد کیا ہے کعبہ — جیدھر ملے وہ ابرو اودھر نماز کرنا

مدرسہ یا دیر تھا یا کعبہ یا بتخانہ تھا — ہم سبھی مہمان تھے تو آپ ہی صاحبخانہ تھا
ہوگیا مہمان سرائے کثرتِ موہوم آہ — وہ دلِ خالی کہ تیرا خاص خلوتخانہ تھا
وائے نادانی کہ بعد از مرگ یہ ثابت ہوا — خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا

تجھی کو جو یاں جلوہ فرما نہ دیکھا — برابر ہے دنیا کو دیکھا نہ دیکھا

اذیت، مصیبت، ملامت، بلائیں
ترے عشق میں ہمنے کیا کیا نہ دیکھا

حجاب رخ یار تھے آپ ہم ہیں
کھلی آنکھ جب کوئی پردہ نہ دیکھا

کیا مجھکو داغوں نے سرو چراغاں
کبھو تونے آکر تماشا نہ دیکھا

مرا غنچۂ دل ہے وہ دل گرفتہ
کہ جسکو کسو نے کبھو وا نہ دیکھا

یگانہ ہے تو آہ بیگانگی میں
کوئی دوسرا اور ایسا نہ دیکھا

سینہ و دل حسرتوں سے چھا گیا
بس ہجوم یاس ا جی گھبرا گیا

تجھ سے ہمنے کچھ نہ دیکھا جز جفا
پر وہ کیا کچھ ہے کہ جی کو بھا گیا

پی گئی کتنوں کا لوہو تیری یاد
غم ترا کتنے کلیجے کھا گیا

کھل نہیں سکتی ہیں اب آنکھیں مری
جی میں یہ کس کا تصور آ گیا

میں تو کچھ ظاہر نہ کی تھی دل کی بات
پر مری نظروں کے ڈھب سے پا گیا

فلک پر کون کہتا ہے گذر آہ سحر کرنا
جہاں جی چاہے وہاں جا پر کسی دل میں اثر کرنا

شل نکلیں جو ہم سے ہوا کام رہگیا
ہم روسیاہ جاتے رہے نام رہگیا

یارب یہ دل ہے یا کوئی مہمان سرا ہے
غم رہگیا کبھو۔ کبھو آرام رہگیا

ہم کب کے چل بسے تھے پڑی مژدۂ وصال
کچھ آج ہوتے ہوتے سرانجام رہگیا

مدت سے وہ تپاک تو موقوف ہو گئے
اب گاہ گاہ بوسہ بہ پیغام رہگیا

ساقی مری طرف بھی ٹک اُنکی نگاہ کر
لب تشنہ تیری بزم میں یہ جام رہگیا

جگ میں آکر اِدھر اُدھر دیکھا
تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

اُن لبوں نے نہ کی مسیحائی
ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا

جان سے ہو گئے بدن خالی
جس طرف تونے آنکھ بھر دیکھا

اگر یوں ہی یہ دل ستاتا رہے گا
تو اِک دن مرا جی ہی جاتا رہے گا

میں جاتا ہوں دلکو ترے پاس چھوڑے
مری یاد تجھکو دلاتا رہے گا

کتنے بندوں کو جان سے مارا
کچھ خدا کا بھی تو نے ڈر نہ کیا
سب کے ہاں تم ہوئے کرم فرما
اس طرف کو کبھو گذر نہ کیا
دیکھنے کو رہے ترستے ہم
نکیا رحم تو نے پر نہ کیا

قتل عاشق کسی معشوق سے کچھ دور نہ تھا
پر ترے عہد سے آگے تو یہ دستور نہ تھا
رات مجلس میں تری حسن کے شعلے کے حضور
شمع کے منہ پہ جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا
باوجودیکہ پروبال نہ تھے آدم کے
وہاں پہنچا کہ فرشتے کا بھی مقدور نہ تھا
ذکر میرا تو وہ کرتا تھا صریحاً لیکن
میں نے پوچھا تو کہا خیر یہ مذکور نہ تھا
محتسب آج تو میخانے میں تیرے ہاتھوں
دل نہ تھا کوئی کہ شیشہ کی طرح چور نہ تھا

کیا جفا کے سوا تجھے کچھ اور
اے ستمگار خوش نہیں آتا
درد مجھکو یہ رات دن تیرا
نالۂ زار خوش نہیں آتا
یک بیک نام لے اٹھا میرا
جی میں کیا اُسکے آگیا ہوگا

تو اپنے دل سے غیر کی الفت نہ کھو سکا
میں چاہوں اور کو تو یہ مجھ سے نہو سکا
جوں شمع روتے روتے ہے گذری تمام عمر
تو بھی تو درد داغ دل اپنا نہ کھو سکا

شاہ و گدا سے اپنے تئیں کام کچھ نہیں
نے تاج کی ہوس نہ ارادہ کلاہ کا

شیخ کعبہ ہو کے پہنچا ہم کنشت دل میں ہو
درد منزل ایک تھی ٹک راہ کا ہی پھیر تھا

جگ میں کوئی نہ ٹک ہنسا ہوگا
کہ نہ ہنسنے میں رو دیا ہوگا

دل کسکی چشم مست کا سرشار ہو گیا
کسکی نظر لگی کہ یہ بیمار ہو گیا

کی تو تھی تاثیر آہ آتشیں نے اسکو بھی
جب تلک پہنچے ہی پہنچے راکھ کا یاں ڈھیر تھا

تم اول ہی آ کر جو مجھ سے ملے تھے
نگاہوں میں جادو سا کچھ کر دیا تھا

تو ہی نہ اگر ملا کرے گا
عاشق پھر جی کے کیا کرے گا

ہمنے چاہا بھی پر اُسکو جی سے آیا نہ گیا
وہاں سے جوں نقش قدم دل تو اٹھایا نہ گیا

گذرا تھا بعد مدت وہ سامنے سے ہو کر
سلے کو بتی نالہ یہ وقت تھا گئی تھا؟

تم نے صدقے بھی میرے نالے کو
نہ سنا ہوگا گر سنا ہوگا

دل زمانے کے ہاتھ سے سالم
کوئی ہوگا کہ رہ گیا ہوگا

قتل سے میرے وہ جو باز رہا
کسی بدخواہ نے کہا ہوگا

دل کے پھر زخم تازہ ہوتے ہیں
کہیں غنچہ کوئی کھلا ہوگا

دل بھی اے درد قطرۂ خوں تھا
آنسوؤں میں کہیں بہا ہوگا

کسی سے کیا بیاں کیجے اس اپنے حال ابتر کا
دل اس کے ہاتھ سے بیٹھے جسے جانا نہ پہچانا

بے طرح کچھ الجھ گیا تھا دل
بیوفائی نے تیری سلجھایا

ہم تو کہتے تھے منہ نہ چڑھ اس کے
درد کچھ عشق میں مزہ پایا

میں اپنا درد دل جا کر کہا جس پاس عالم میں
بیاں کرنے لگا قصہ وہ اپنی ہی خرابی کا

گذرے ہوں جس خرابے پہ کہتے ہیں یاں کے لوگ
ہے کوئی دن کی بات یہ گھر تھا یہ باغ تھا

جان پہ کھیلا ہوں میں میرا جگر دیکھنا
جی رہے یا نہ رہے مجکو ادھر دیکھنا

گرچہ وہ خورشید رو نت ہی مرے سامنے
تو بھی میسر نہیں بھر کے نظر دیکھنا

سو بھی نہ تجکو کوئی دم دیکھ سکا اے فلک
اور تو یاں کچھ نہ تھا ایک مگر دیکھنا

ذکر وفا کیجئے اس سے جو واقف نہ ہو
کہتے یہ کس سے ہو تم ٹک ادھر دیکھنا

نالۂ دل کا اثر دیکھ لیا درد بس
جی ہی میں نہ رہ جائے یہ آہ بھی کر دیکھنا

رباعی

بتخانہ برہمن کا مکرر دیکھا
کعبہ کو بھی شیخ کے میں اکثر دیکھا

دل لگنے کی صورت نہ کہیں دیکھی ہائے
جو کچھ دیکھا سو خاک پتھر دیکھا

سیر باغ و بوستاں تو ہی میسر ہر گھڑی
آئیے گا ہے فقیر و ملکے بھی ویرانے کے بیچ

جو مزے ہیں مرگ میں سو ہم سے پوچھا چاہئے
کوئی جانے آہ کیا لذت ہے مر جانے کے بیچ

اسقدر تھا یا کرم یا ظلم رانی اسقدر
مہربانی اسقدر نا مہربانی اسقدر

کیا کہوں دل کا کسی سے قصۂ آوارگی
کوئی بھی بے ربط ہوتی ہے کہانی اس قدر

جان کو کانٹے دے لب تک نزع میں کتنک رہی
دشمنی مجھ سے نہ کر اے ناتوانی اس قدر

ہنس قبر پہ میری کھل کھلا کر
یہ پھول چڑھا کبھی تو آ کر

خار مژہ پڑے ہیں مرے خاک میں ملے
اے دشت اپنے کیجیو داماں کی احتیاط

دلکے تئیں گرہ سے کبھی کھولتی نہیں
ہے زلف کو بھی اپنے پریشاں کی احتیاط

داغوں کی اپنے کیوں نہ کرے درد پرورش
ہر باغباں کرے ہے گلستاں کی احتیاط

کیجیے نہ قتل اہل وفا جتنے ہیں یہ سب
بارے کہیں ٹھکانے لگے جستجوئے تیغ

صیاد اب رہائی سے کیا مجھ اسیر کو
ہے کس کو زندگی کی توقع بہار تک

لازم ہے گوشۂ شکن زلف میں تری
ظالم کوئی پڑا رہے مجھ سا شکستہ دل

ہمیں تو باغ تجھ بن خانہ ماتم نظر آیا
ادھر گل پھاڑتے تھے جیب روتی تھی ادھر شبنم

اپنے ملنے سے منع مت کر
اس میں بے اختیار ہیں ہم

رباعی

اے درد یہ دردجی کا کھونا معلوم
جوں لالہ جگر داغ سے دھونا معلوم
گلزار جہاں ہزار پھولے لیکن
میرے دل کا شگفتہ ہونا معلوم

ہمارے پاس ہے کیا جو فدا کریں تجھ پر
مگر یہ زندگی مستعار رکھتے ہیں

اس نے کیا تھا یاد مجھے بھول کر کہیں
پاتا نہیں ہوں تب سے میں اپنی خبر کہیں

موت آ کیا لگے فقیروں سے تجھے لینا ہے
مرنے سے آگے ہی یہ لوگ تو مر جاتے ہیں

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

دردیاں دو ہی پیمانوں پہ قناعت کیجیے
خانہ چشم ہے یہ خانۂ خمار نہیں

ہم تجھ سے کس ہوس کی فلک جستجو کریں
دل ہی نہیں رہا ہے جو کچھ آرزو کریں

تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو!
دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

سر تا قدم زبان ہیں جوں شمع گو کہ ہم
پر یہ کہاں مجال جو کچھ گفتگو کریں

مدت تلک جہان میں ہنستے پھرا کیے
جی میں ہے خوب روئیے اب بیٹھکر کہیں

مژگان تر ہوں یا رگِ جانِ بُریدہ ہوں
جو کچھ کہ ہوں سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں

ہر شام مثلِ شام ہوں میں تیرہ روزگار
ہر صبح مثل صبح گریباں دریدہ ہوں

کھینچے ہے دور آپ کو میری فروتنی
اُفتادہ ہوں پہ سایۂ قدِ کشیدہ ہوں

مرے دلکے شیشہ کو بیوفا تونے ٹکڑے ٹکڑے ہی کر دیا
ہے پاس تھے وہی ایک تھا یہ کانِ شیشہ گراں نہیں

بلا ہے نشۂ دنیا کہ تا قیامت آہ
سب اہلِ قبر اسی کا خمار رکھتے ہیں

عشوہ و ناز و کرشمہ ہیں سبھی جان بخش لیک
درد مرتا ہے کوئی اُسکی دوا کرتا نہیں

داد کو تو پہونچنا معلوم ہے
کوئی یاں فریاد سنتا ہی نہیں

ہر دم بتوں کی صورت رکھتا ہے دل نظر میں
ہوتی ہے بت پرستی اب تو خدا کے گھر میں

دل تو سمجھائے سمجھتا ہی نہیں
کیجیے سودا ہے تو سودا بھی نہیں

کہیں ہوئے ہیں سوال و جواب آنکھوں میں
یہ بے سبب نہیں ہے حجاب آنکھوں میں

نہیں شکوہ مجھے کچھ بیوفائی کا تری ہر گز
گِلہ تب ہو اگر تو نے کسی سے بھی نباہی ہو

اپنے بندہ پہ جو کچھ چاہو سو بیداد کرو
یہ نہ آجائے کہیں جی میں کہ آزاد کرو

اے درد یاں نہ دل کو کسی سے پھنسائیو
لگ چلیو سب سے یوں تو یہ دل مت لگائیو

مانع نہیں ہم وہ بتِ خودکام کہیں ہو
پر اس دلِ بیتاب کو آرام کہیں ہو

ہر چند تجھے صبر نہیں درد ولیکن
اتنا بھی نہ ملیو کہ وہ بدنام کہیں ہو

تیری خوں آشامیاں مشہور ہیں ای تیغِ یار
ایک قطرہ چھوڑے تو پیوے ہمارا ہی لہو

اے درد بہت تونے ستایا ہمکو
بیدرد بہت تونے ستایا ہمکو

جاتی ہے مری جان تو راضی رہنا
اے درد بہت تونے ستایا ہمکو

جو جفا جو ہیں اُنہیں سنگدلی لازم ہے
کام تلوار کو رہتا ہے سدا سان کے ساتھ

نظر جب دل پہ کی دیکھا تو مسجودِ خلائق ہے
کوئی کعبہ سمجھتا ہے کوئی سمجھے ہے بتخانہ

ہر طرح زمانے کے ہاتھوں سے ستم دیدہ
گر دل ہوں تو آزردہ خاطر ہوں تو رنجیدہ

دل بھی تیرا ہی ڈھنگ سیکھا ہے
آن میں کچھ ہے آن میں کچھ ہے

بے خبر تیغ یار کہتی ہے
باقی اِس نیم جان میں کچھ ہے

مرا جی ہے جب تک تری جستجو ہے
زباں تب تلک ہے تری گفتگو ہے

تمنا ہے تیری اگر ہے تمنا
تِری آرزو ہے اگر آرزو ہے

ہمتیں چند اپنے ذمہ دھر چلے
جس لیئے آئے تھے سو ہم کر چلے

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
ہم تو اِس جینے کے ہاتھوں مر چلے

ساقیا یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ
چل سکے بس جب تلک ساغر چلے

درد کچھ معلوم ہے یہ لوگ سب
کِس طرف سے آئے تھے کیدھر چلے

تیری گلی میں مَیں نہ چلوں اور صبا چلے
یُوں ہی خدا جو چاہے تو بندہ کا کیا چلے

درد اپنے حال سے تجھے آگاہ کیا کرے
جو سانس بھی نہ لے سکے وہ آہ کیا کرے

جی کی جی میں ہی رہی بات نہ ہونے پائی
ایک بھی اُس سے ملاقات نہ ہونے پائی

ہم نہ کہتے تھے کہ ہو جو مت عاشق
پائی دِل اپنی کچھ سزا تُو نے

ہوا جو کچھ کہ ہونا تھا کہیں کیا جی کو رو بیٹھے
بس اب اک ساتھ ہم دونوں جہاں سے ہاتھ دھو بیٹھے

ارض و سما کہاں تری وسعت کو پا سکے
اپنا ہی دل ہے یہ کہ جہاں تو سما سکے

غافل خدا کی یاد پہ مت بھول زینہار
اپنے تئیں بھلا دے اگر تُو بھلا سکے

قاصد نہیں یہ کام ترا اپنی راہ لے
اُس کا پیام دل کے سِوا کون لا سکے

مَیں وہ فتادہ ہُوں کہ بغیر از فنا مجھے
نقشِ قدم کی طرح نہ کوئی اُٹھا سکے

دشوار ہوتی ظالم تجکو بھی نیند آنی
لیکن سُنی نہ تو نے ٹک بھی مری کہانی

گرچہ بیزار تو ہے پر اُسے کچھ پیار بھی ہے
ساتھ اِنکار کے پردے میں کچھ اقرار بھی ہے

دِل بھلا ایسے کو لے درد نہ کیونکر دیتے
ایک تو یار ہے اور تس پہ طرحدار بھی ہے

یہ کیا مرو تجھ پر مصیبت پڑی ہے
کہ دن رات نالہ ہے اور آہ ہے

نہ ملے یار سے تو دل کو کب آرام ہوتا ہے
اگر ملئے تو مشکل ہے کہ وہ بدنام ہوتا ہے

فرصتِ زندگی بہت کم ہے
مغتنم ہے یہ دید جو دم ہے

رو گئے ہیں نقشِ پا کی طرح خلق یاں مجھے
اے عمرِ رفتہ چھوڑ گئی تو کہاں مجھے

وحدت نے ہر طرف ترے جلوے دکھا دیئے
پردے تعینات کے جو تھے اٹھا دیئے

کوئی بھی دوا اپنے تئیں راس نہیں ہے
جز وصل سو ملنے کی ہمیں آس نہیں ہے

آتشِ عشق جی جلاتی ہے
یہ بلا جان ہی پہ آتی ہے

ان دنوں کچھ عجب ہے میرا حال
دیکھتا کچھ ہوں دھیان میں کچھ ہے

سلطنت پر نہیں ہے کچھ موقوف
جس کے ہاتھ آئے جام سو جم ہے

درد کا حال کچھ نہ پوچھو تم
وہی رونا ہے نت وہی غم ہے

درد ۔ مسٹر عزیز الدین احمد صاحب بی۔اے۔ رسالۂ معیار میں اپنا کلام شائع کرتے ہیں اس سے زیادہ حال معلوم نہ ہوا۔ شعر ملاحظہ ہوں:

اُن سے مِل بیٹھنے کی دیر تھی جب مِل بیٹھے
ساری بگڑی ہوئی باتوں کو بنا کر اُٹھے

وہ جبیں سائی سے پایا جو مقدر میں نہ تھا
لوحِ قسمت کو ہم اُس در سے مٹا کر اُٹھے

دیکھو لے درد کہیں تم سے اچھا نہ کہیں
ایسے آئے تھے کہ ہنستوں کو رُلا کر اُٹھے

درد مند ۔ فقیہ صاحب نام، وطن آپکا دکن تھا، لیکن تربیت شاہجہاں آباد میں پائی تھی اور میرزا جانجاناں مظہر کی خدمت میں آکر آدابِ فقر کی ماہیت حاصل کی اور مرید بھی ہوئے، چند مدت عظیم آباد میں رہ کر نواب غلام حسین خان اور نواب اعظم خاں کے صاحبزادے کی رفاقت میں گذر اوقات کی، بعد ازیں پھر دلی گئے اور کچھ عرصہ وہاں قیام کرکے مرشد آباد تشریف لیگئے۔ مرشد آباد آپ کا تشریف لیجانا نواب نوازش محمد خان شہامت جنگ نواب الہ وردی خان مہابت جنگ کے بھتیجے کی طلب کے باعث ہوا

سنہ ۱۱۷۶ھ میں مرشد آباد میں انتقال کیا۔ میرزا علی لطف نے اپنے تذکرہ میں انکا ذکر کیا ہے۔ اشعار کا انتخاب ہے۔ ایک ساقی نامہ اور دیوان انسے یادگار ہے۔

پڑی اسکی خوبی کی ازبسکہ دھوم ۔۔۔ لیا ہاتھ قدرت کا صانع نے چوم
ارے ساقی اے جان فصل بہار ۔۔۔ یہی تھا ہمارا و تیرا قرار
ہمارے بسر نے کی یہ فصل تھی ۔۔۔ فراموش کرنے کی یہ فصل تھی
فلک چرخ مارے گا گر صد ہزار ۔۔۔ نہ لاویگا مجھ سا کوئی رو بکار
نظر تو کرو ٹک چمن کی طرف ۔۔۔ شگوفے کو آیا ہو مستی سے کف
چمن میں بھرا ہے نشہ یاں تلک ۔۔۔ کہ جاتی ہو نرگس کی گردن ڈھلک
ادا سے لپکنے کی تجھکو قسم ۔۔۔ نشہ سے بہکنے کی تجھکو قسم
تجھے ناز مستی کی اپنے قسم ۔۔۔ تجھے خود پرستی کی اپنی قسم
ارے بیوفا بے مروت صنم ۔۔۔ میں دیتا ہوں تجھکو قسم پر قسم
تجھے دختر رز کی حرمت کی سوں ۔۔۔ تجھے مغبچوں کی شرافت کی سوں
تجھے وعدہ کر بھول جانیکی سوں ۔۔۔ تجھے اپنی سوگند کھانے کی سوں
جو تو نے کیا مے کو مجھ پر حرام ۔۔۔ تو اتنا تو کر ظالموں کے امام
کہ تو سرکشی سے نہ کر پائمال ۔۔۔ مرے خون کو اپنے اوپر حلال
یقیں جانیو گر نہ ہوا ایک آن ۔۔۔ تری مہربانی کا مجھکو گمان
تو صورت نہ پکڑے ہماری حیات ۔۔۔ نکل جائے جی ناامیدی کے ساتھ

دردی ۔ مفتی محفوظ علی باشندۂ بدایوں، جناب کشفی سے تلمذ تھا ایک شعر تذکرۂ قلمی مرسلۂ شفیقی قاضی محمد خلیل سے اخذ کرکے درج کیا جاتا ہے۔

جب ہوگی تو ہوگی زندگانی ۔۔۔ ابتو ہمیں موت بھی نہیں ہے

درس ۔ منشی منی لال باشندۂ شاہجہانپور، منشی احسان علی احسان مرحوم شاعر نامور شاہجہانپوری کے تلامذہ میں سے تھے، بریلی کے مشاعرہ میں میں نے انھیں دیکھا تھا

۱۲۳۵ء، ۴۰ سال کی عمر اور یہ کلام کا نمونہ ہے ❖

ہزاروں میں کوئی بہتر کوئی لاکھوں میں اچھا ہے ۔۔۔ مری آنکھوں میں لیکن تو خدائی بھر میں اچھا ہے
جہاں میں گو ہر اک بت کو مسیحائی کا دعویٰ ہے ۔۔۔ کرے مرتے کو جو زندہ اسی کا نام عیسیٰ ہے
مجھی سے ہے لگاوٹ بھی مجھی سے ہے تنفر بھی ۔۔۔ مری نظروں میں رہتے ہیں مری آنکھوں سے پردا ہے
کسیکو ایک کی ہوگی ہمیں دونوں سے ہے اُلفت ۔۔۔ خدا کی یاد ہے دل میں بتوں کا سر میں سودا ہے
طبیعت کو جو خوش آئے وہی بہتر سے ہے بہتر ۔۔۔ جو آنکھوں میں سما جائے وہی اچھے سے اچھا ہے

درویش میر شاہ علی دہلوی آپ کو میر نظام الدین فخر شعرا سے تلمذ تھا، شاہ اللہ دیا کی اولاد میں تھے آخر عمر میں شعر گوئی سے توبہ کر لی تھی۔ شاہ عالم ثانی کے آخر عہد میں بعالم ضعیفی انتقال کیا ❖

درویش کو مجنوں بھی لکھا کرتا تھا عرضی ۔۔۔ اِس مملکت عشق میں اُستاد سمجھ کر
ایک شب بیٹھے تھے جس گھر میں کبھی یار سے مِل ۔۔۔ روز روتے ہیں وہاں کے در و دیوار سے مِل

درویش۔ درویش علی نام ولد خدا بخش سہارنپور، مہدی علی خاں صاحب زکی کے تلامذہ میں ایک آزاد، شوریدہ سر، موزوں طبع شخص تھے، اور دنیوی کاروبار سے حد درجہ نفور، ریاستِ رامپور سے بصلۂ خدمتِ آبائی کچھ وظیفہ مقرر تھا اسی پر قناعت کر کے بیٹھک مکان مذکورہ کا دروازہ بند کر کے تنہائی میں بسر اوقات کرتے تھے اور میل جول سے حتی الوسع گریز کرتے تھے۔ ۴۰ برس کے قریب گزرے چالیس سال کی عمر میں انتقال کیا، چند شعر بروقت ترتیب تذکرہ سہارنپور سے ایک مہربان نے بھیجے درج ذیل کئے جاتے ہیں جن سے اُنکی خوش مذاقی کا کامل ثبوت ملتا ہے

پڑا جو سایۂ گیسو جھجک کے ساقی نے ۔۔۔ یہ کہکے رکھدیا ساغر کہ ہے شراب میں سانپ

بند
ہو کے قرباں میں کہا یار سے اے کافر کیش ۔۔۔ ہے یہ انصاف کہ میں دل پہ سہوں ہجر کے نیش
طاقت آہ بھی رکھتا نہیں اب یہ دلریش ۔۔۔ ہنس دیا سُنکے ستمگر نے کہا اے درویش

ایسا ہی ہوتا ہے جب دل کہیں آ جاتا ہے

دریردہ وہ ستم ہمیہ وہ کر جاتے ہیں کیسے
گر کیجے گلہ صاف مکر جاتے ہیں کیسے

جب ہم سے موافق نہ ہو تقدیر ہماری
کیا عقدہ کشائی کرے تدبیر ہماری

دریا۔ پنڈت رتن ناتھ دریا خلف پنڈت امرناتھ شعلہ جو سبحان علی خان کمبو کے دیوان تھے۔ باشندہ لکھنؤ اور شاگرد میر اوسط علی رشک ہیں، زبان فارسی اور دری زبان کی تحصیل عالمانہ درجے کی تھی اور بڑے زبردست ادیب اور محقق زبان تھے دس بارہ برس ہوئے پیرانہ سالی میں بمقام لکھنؤ انتقال کیا، یہ چند شعر نتائج افکار کے ہاتھ آئے بغرکا درج تذکرہ کئے گئے ؂

ہے گوش گل کی یا کہ چراغ قمر کی لو
اللہ جانے دلکو لگی تھی کدھر کی لو

دریا دلوں سے ڈرتے ہیں از بس ضعیف بھی
تھرا لے کیوں نہ پانی میں شمع قمر کی لو

دروان زخم پانی چراتے ہیں کیوں عبث
کم ہووےگی نہ آتش داغ جگر کی لو

حرص کہتے ہیں کسے خواہش دنیا کیا ہے
بے اجازت نہ مرے گھر میں ہوا بھی آئے

دریا۔ منشی سید محمد عباس ہیڈ کلرک کچہری کورٹ آف وارڈز متھرا، آجکل کے شعرا میں ہیں باوجود مکرر تحریروں کے حالات ہم نہ پہنچے ناچار کچھ اشعار درج کرنے پر اکتفا کیا گیا۔

کعبہ و دیر میں سنتے تھے مکان ہے اُسکا
پائی اِن سب سے مگر منزلِ جانانہ جُدا

دیکھئے کھینچتا ہے کون مجھے اے دریا
درِ مسجد ہے جُدا اور درِ میخانہ جُدا

میں تو اس طرز اس ناز کا دیوانہ ہوں
زلف بکھری ہے الگ چال ہے مستانہ جُدا

اللہ اللہ یہ ہے اعجاز خیالِ روی دوست
آپ اپنے پیرہن سے آرہی ہے بوئی دوست

ای خوشا قسمت نکلنے کو ہے اب ارمانِ قتل
حلق پر خنجر ہے سینہ ہے تہ زانوئی دوست

بن گئے تصویر حیرت چشم حیراں دیکھ کر
خود پریشاں ہوگئے مجکو پریشاں دیکھکر

تو جفائیں اور کرلے کچھ دنوں پر میرے بعد
ظلم سہنے کو ترے ای آسمان کوئی نہیں

ہو بھلا تیرا شب فرقت ابھی غم ہے تو	جز ترے دم کے ہمارا مہرباں کوئی نہیں
ناتواں پاکر مجھے سب قافلہ راہی ہوا	ساتھ دے بیکس کا ایسا کارواں کوئی نہیں
حشر میں ہوگا مزا جب میں کہونگا ان سے	کیجئے اب کچھ یہ ستم دیدہ بھی فریاد کرے
دل میں آنکھوں میں تجھے جلوہ نما دیکھا ہے	پھر بھی یہ شوق ہے کہتا ہوں کہاں دیکھا ہے
نہ کلیسا پہ ہے موقوف نہ کچھ کعبہ پہ	ہر جگہ ہمنے تجھے جان جہاں دیکھا ہے

دقیق - جناب میر واجد حسین صاحب وکیل ہائی کورٹ سرکار عالی نظام دکن شاید حضرت داغ سے اصلاح لیا کرتے تھے سنہ ۱۹۰۰ء کے مطبوعہ رسالوں سے کلام کا انتخاب حاضر ہے

حسرت ہی رہی زانوئے دلدار پہ مچلے	للہ ٹھہر جا کہیں اے جان حزیں اور
بگڑے ہی سدا رہتے ہیں سفاک کے تیور	دل لیکے چلا رہتا ہے مگر درپئے کیں اور
آلودۂ خوں ہو نہ کہیں آپکا دامن	جلدی سے لگا دیجئے اک ہاتھ کہیں اور
گھبرائی ہوئی باتوں سے ہوتا ہے ظاہر	جاتے تھے کہیں اور چلے آئے کہیں اور
یہ ظرف ہمارا ہے کہ ہم کچھ نہیں کہتے	ورنہ تری باتوں سے تو ہو دل کو یقیں اور

دل - شیخ محمد عابد متوطن عظیم آباد، اپنے زمانہ کے بے مثل اور بے نظیر عالم تھے، شیخ محمد روشن جوشش تخلص آپکے بڑے بھائی مشہور شاعر تھے، صاحب سراپا سخن کا قول ہے کہ آپ جسونت رائے ناگر کی اولاد میں تھے، غرضکہ آپ سنجیدہ اطوار، حمیدہ خصال اور طریقۂ یکرنگی میں بے مثل سمجھے جاتے تھے، یہ آپکے اشعار ہیں +

تیری زلفوں سے بہت دن ہی تقصیر ہوئی	نقد جاں لیجئے حاضر ہے گنہگاری دل
نالے ہی سدا بھر بھر دن عمر کے بھرتے ہیں	ہیں نزع میں ہم تجھ بن جیتے ہیں نہ مرتے ہیں
جوں آئینہ یہ ستم رسیدہ	رہتا ہے مدام آب دیدہ
تمہارے در پہ جو درباں نے آستیں پکڑی	برنگ نقش قدم ہمنے بھی زمیں پکڑی

دل - منشی بینی پرشاد دل کایستھ متوطن عظیم آباد پٹنہ - مدت ہوئی کہ انتقال کیا - کچھ

متفرق کلام دستیاب ہوا اُس کا انتخاب درج کیا جاتا ہے۔

پردہ اُٹھا کے تو نے ادھر کو گذر کیا	عالم کے دل میں تیری محبت نے گھر کیا
نالہ و شور و فغاں، بیطاقتی ہمراہ ہیں	ہم تو کوچے سے ترے نکلے بڑے سامان لیے
اور روٹھ کے ہم سے جا نولے	مت رُوٹھ ہمیں گلے لگالے
دل چاہتا ہے بولیے ہرگز نہ یار سے	پر بس نہیں چلے ہے دلِ بیقرار سے

دل۔ زور آور خاں باشندۂ علی گڈھ ۔ تذکرہ مرسلہ قاضی محمد خلیل سے ایک شعر قابل انتخاب نظر آیا۔ درج ذیل ہے، حال باوجود تلاش دستیاب نہوا۔

ساقی نے جو پلایا مجھے میں نے پی لیا	واعظ مجھے خبر ہے حرام و حلال کی

دل۔ عالیجناب والاخطاب شرف الحکما ر نواب لقمان الدولہ افلاطون جنگ محمد حیدر خان دل طبیب خاص و مقرب باختصاص اعلیحضرت نظام الملک آصفجاہ والی دکن حضرت فصیح الملک بہادر داغ دہلوی کے تلمیذ رشید ہیں، انگریزی کا علم بھی اچھا ہے ڈاکٹری و جراحی سے اچھی طرح ماہر ہیں، خاص حیدر آباد کے باشندے ہیں، عمر ۵۰ برس کے قریب اور سٹاف سرجن ہیں، انکے والد حکیم محمد شرف صاحب حیدر آباد کے نامی طبیبوں میں تھے، مثنوی کا وعظ بہت اچھا بیان کرتے ہیں، صوفی مشرب ہیں، شعر و سخن کا بھی شوق ہے اور اس میں نواب فصیح الملک داغ مرحوم سے فیض پایا ہے۔

مثل نقش پا۔ برباد کیوں نشاں ہوتا	ہم نہ خاک میں ملتے، تو جو مہرباں ہوتا
افسانۂ گل قصۂ بلبل نہ سُنا اَور	اٹکھیلیاں کچھ اپنی دکھا باد صبا اور
ای شعلۂ سوزانِ دروں جی نہ جلا اَور	ای رنج و غم و دردِ نہاں بس نہ ستا اَور
اے گردنِ تسلیم و رضا سر کو جھکا اَور	اے تیغ ستمگار پھر ایک وار لگا اَور
اُس شوخ کی مہندی کا ہوا رنگ دوبالا	خونِ دلِ عشاق جو ہاتھوں میں ملا اَور
ای خضر نہ ہادی ہو مرے راہ نوا اپنی	اِس منزل عشاق کا ہے راہ نما اَور

اے محبت مردانہ قدم میں نہو لغزش
مجروح ہوا خستہ ہوا، پس گیا، آخر

اے ابروئے خمدار پھر اک تیغ نگاہ اور
دل میں سے زیادہ تھا سزاوار سزا اور

مسیحا لاکھ گو بنتے ہیں وہ گفتار کیسی ہے
شہید غمزہ و ناز و ادا واقف نہ تھا پہلے
پریشاں زلف وا بند قبا مخمور ہیں آنکھیں
بھرو سے تیری رحمت کے، سہارے تیری بخشش کے
تمہاری نرگس بیمار تو عین شفا ٹھیری
سنبھل جاؤ کہیں اے حضرت دل راہ پر آؤ

قیامت جسکی وارفتہ ہی، وہ رفتار کیسی ہے
کہ خنجر کیا ہے، کیسا تیر ہے، تلوار کیسی ہے
کہاں سے آئے ہو، لغزش دم رفتار کیسی ہے
میرے جرم گنہ کی دھوم اے غفار کیسی ہے
مسیحائی کا دعوی اور خود بیمار کیسی ہے
یہ رسوائی سر ہر کوچہ و بازار کیسی ہے

تڑپتے ہوئے چھوڑ کر غمزدوں کو
غم و، حسرت و، رنج، یاس و، تمنا
قرار و توانائی، تاب و، طاقت
دل سے وصل جاناں کی آرزو نہیں جاتی

کس آرام سے ہو گئے سونے والے
مری لاش پر رو گئے رونے والے
جدا ہم سے سب ہو گئے ہونیوالے
خاک ہو گئے لیکن جستجو نہیں جاتی

۹۱ **دل** - حکیم ضمیر حسن خان شاہجہانپوری۔ قوم کے پٹھان اور شاہ قاسم سلیمان کی اولاد میں ہیں، اگرچہ امیر مینائی کے شاگرد ہیں مگر خود اساتذہ دہلی کے طرز تغزل کے پیرو ہیں جس میں درد و اثر طرز بیان کی نفاست کے ساتھ شاعری کی جان سمجھے جاتے ہیں۔
عربی فارسی کی استعداد معقول ہے، آجکل طبابت کا مشغلہ رہتا ہے اور کچھ زمینداری بھی ہے، دلی جذبات کے اظہار کو شاعری کا حسن سمجھتے ہیں ناول "درد دل" "دلسوز" آپکی تصنیف سے ہیں نظر ثانی کے وقت بھی کچھ کلام موصول ہوا وہ بھی سابقہ انتخاب میں شامل کر کے درج تذکرہ کیا گیا۔ کلام کے ملاحظہ سے صاف مترشح ہے کہ فی الواقع انکا دعوی سچا ہے۔ شاعری کا سچا مذاق انکے ہر ایک شعر سے ظاہر ہے، اور کلام میں دلاویزی کے ساتھ بندش کی چستی، الفاظ کی برجستگی، خیالات کی نفاست اور بلندی قابل ستایش ہے،

بظاہر یہیں تو کہیں حضرت امیر کے تصرف کا نشان انکے کلام میں نظر نہیں آتا۔ غالباً ذاتی مطالعہ دواوین اساتذہ، فطری ذکاوت اور قابلیت انکے مذاقِ شاعری کے ممد و معاون ہوئے، ہر شعر پُر لطف اور بامزا سنجیدگی اور متانت سے معمور ہے۔

ہم اور سنگِ درہے کسی دلنواز کا
اللہ رے عروج جبین نیاز کا

کیا کیا کیے سلوک تپنگوں سے شمع نے
ایک ڈھیر تھا سحر کو شہیدانِ ناز کا

جس حال میں پڑا ہوں یونہیں کاش چھوڑدے
مجھ پر بڑا کرم ہو میرے چارہ ساز کا

عاشق کی آہ برقِ تجلی سے کم نہیں
پردہ کہیں اُلٹ نہ دے اخفاءِ راز کا

جب دل میں دردِ عشق اُٹھا ہم اُچھل پڑے
سمجھے کہ یہ کرم ہے کسی دلنواز کا

پہنچے تڑپ کے حضرتِ دل کوئے یار تک
دردِ جگر نے کام کیا چارہ ساز کا

بیٹھا ہے یہاں دل کو دو عالم سے اُٹھا کے
اب در سے ترے عاشقِ مضطر نہ اُٹھے گا

زور پر ہے ترا اُبھرا ہوا جوبن کیسا
دب گیا اُٹھتی جوانی سے لڑکپن کیسا

پردۂ چشم میں چھپی ہوئی بیٹھی ہے حیا
کھیلتا ہے تری شوخی سے لڑکپن کیسا

اپنی قسمت ہے جو برگشتہ تو اے حضرتِ دل
دوست بھی ہمکو بُرا کہتے ہیں دشمن کیسا

کیا کہوں کس آرزو کا خون ہو کر رہ گیا
دلکی دل ہی میں رہی جب کھچکے خنجر رہگیا

نارسائی کا سبب کیا ہے؟ یہی شوقِ طلب
بڑھ گئے ہم اسقدر آگے کہ رہبر رہگیا

منزلِ مقصود پر پہنچا وہی آشفتہ حال
آستانِ یار پر جو کھا کے ٹھوکر رہگیا

دل بھی مٹ جاتا تمنائیں اگر مٹنے کو تھیں
رہنے والا کون ہے کسکے لئے گھر رہگیا

جی ڈوب گیا جب یہ حقیقت ہوئی ظاہر
جس بحر میں کشتی ہے وہ ساحل نہیں رکھتا

کہوں کیا حال اے ہمدم شبِ غم کی مصیبت کا
یہ عالم تھا کہ اب نکلا، نہ نکلا پھر بھی دم میرا

مگر جمعیتِ خاطر ہے آرایش سے وابستہ
کھلے جب انکے گیسو کھل گیا سارا بھرم میرا

شامِ شبِ جدائی جو تھا قلق فزا تھا
تسکین دینے والا اک دردِ لا دوا تھا

محفل میں رنگ لائی آخر مری خموشی
ہر قطرۂ خونِ دل کا اک شرحِ ماجرا تھا

محمل نشیں کے دلمیں چبھتے تھے خارِ صحرا
پیشِ نگاہ جبتک قیس برہنہ پا تھا

رنگ لایا ہے یہ ضبطِ الفتِ گیسوئے دوست
آخر اپنے پیرہن سے پھوٹ نکلی بوئے دوست

رہنما کی کیا ضرورت عشق کامل چاہئیے
دل جہاں تڑپے سمجھ لینا یہی ہے کوئے دوست

بیخودی میں کچھ نہیں معلوم کس عالم میں ہوں
ڈھونڈتی پھرتی ہے مجھکو نکہتِ گیسوئے دوست

طالعِ بیدار کیا کہنا خوشی ہے اور ہم
صبح کو اٹھکر ہمیشہ دیکھتے ہیں روئے دوست

خیر کرنا آج یارب کیوں ہے دلکو اضطراب
گو وہی ہم ہیں وہی گھر ہے وہی پہلوئے دوست

تھمکے جب بیٹھے تو یہ کہکر تلاشِ دوست میں
ای دلِ حسرت زدہ وہ سامنے ہے کوئے دوست

یوں ملے گا رنجِ فرقت کاٹ لیں ہم خود گلا
حضرتِ دل کون ہو منت کشِ بازوئے دوست

تن بر سرِ زمیں ہے دماغ آسمان پر
یعنی سرِ نیاز ہے اُس آستان پر

اقرارِ وصل اور پھر انکی زبان پر
سو جان سے نثار میں اپنے بیان پر

اقرارِ وصل کرکے مکرنے سے فائدہ
ہاں ہاں وہی کہو جو ابھی تھا زبان پر

ساقی کی چشمِ مست نے بیہوش کر دیا
پینا شراب شیخ چلے آسمان پر

وعدہ خلاف، عہد شکن کون وہ کہ ہم
اچھا یہ فیصلہ ہے انھیں کی زبان پر

کمسن ہیں کیا ہو انکو مری حسرتوں کا پاس
انکارِ وصل کھیل رہا ہے زبان پر

ساقی ہمیں کو تشنہ لبی کا گلہ رہا
سب کچھ ہے اور کچھ نہیں تیری زبان پر

اُس بت کے بام تک جو پہنچے تو لطف تھا
نالے بھرے گئے تو کہاں آسمان پر

ای دل یہ آپ ہی کا جگر ہے کہ عشق میں
صدمے ہزار جھیل لیئے ایک جان پر

انکی آرایش سے رنگِ بیخودی پائینگے ہم
آئینہ دیکھیں گے وہ تصویر بن جائینگے ہم

انکا زانو زیرِ سر، پھر چارہ سازی کا خیال
ہوش میں آ چارہ گر اب ہوش میں آئینگے ہم

مجکو یہ غم سر نہیں تو عشق کا سودا نہیں
انکو یہ افسوس اب کسکی قسم کھائینگے ہم

کہتے ہیں چھپایا ہے مرا ناوکِ مژگاں — دل دیکھ کے وہ زخم جگر دیکھ رہے ہیں

دیکھو فریب زخمیٔ تیغ نگاہ کا — قاتل سے کہہ رہا ہے کہ میں نیم جاں نہیں

مجھ سے کہاں چھپائیں گے دشمن کی چاہ کو — جو بات اُنکے دل میں ہے میری نظر میں ہے

کیا دیکھیں جامِ مے کیطرف ہم سے بادہ نوش — ساقی کی چشمِ مست ہماری نظر میں ہے

تنفر تجھکو کیا ہے مے سے زاہد — ہمیں بھی ایسی ہی نفرت کبھی تھی

مِلا کے آنکھ جو اُس بت سے گفتگو کرتے — جنابِ خضر مسیحا کی جستجو کرتے

خرامِ ناز کا انداز یوں دکھانا تھا — کہ دل کے داغ بھی مٹنے کی آرزو کرتے

اُسے قلق ہے مرا حالِ غیر سن سُن کر — یہ وقت تھا کہ کوئی فکر چارہ جو کرتے

نہیں علاج کے قابل مریضِ دردِ فراق — یہ سچ سہی مگر اپنی سی چارہ جو کرتے

بڑے ہیں نیک بڑے پاکباز حضرت دل — وہ جا رہے ہیں حسینوں سے گفتگو کرتے

خون کی ہر بوند میں جوش آجکل اک دل کا ہے — اس بھروسہ پر ارادہ کوچۂ قاتل کا ہے

پاس رہکر بے تکلف ساتھ رہکر یہ حجاب — میرے اُنکے فاصلہ گویا کئی منزل کا ہے

حسرتِ وصل اب کہاں باقی ہے بس یہ آرزو — کاش وہ کہدیں کہ تو مختار اپنے دل کا ہے

پیچھے پیچھے آرہی ہے ہائے ظالم کی صدا — آگے آگے اک جنازہ حسرتِ بسمل کا ہے

حضرتِ دل اک نیا سر ہر قدم پر چاہیئے — تشنۂ خوں ذرہ ذرہ کوچۂ قاتل کا ہے

دل - سید احمد اللہ حیدرآبادی مسکن - مولانا بیدل سہارنپوری کے شاگرد ہیں ۱۸۹۵ء میں [illegible] کے مشاعروں میں شریک ہوا کرتے تھے اور اس زمانہ میں نو مشق تھے - یہ کلام کا [illegible] ہے:

[illegible] وہ سر نہیں جس میں کہ ہو سودا کسی کا — وہ دل نہیں جو دل نہ ہو دیوانہ کسی کا

جب دمِ قتل کہا جلوہ دکھا دو تو کہا — وعدۂ قتل تھا کچھ وعدۂ دیدار نہ تھا

خنجر مِلا کے حلق پہ کہتے ہیں ناز سے — دیکھا نتیجہ تم نے حسینوں کی چاہ کا

عجب ہے یہ ہمارا بھولا بھلا دل ۔ جسے دیکھا اُسی کا ہو گیا دل

سمجھے ہوش و دیوانہ تمہارے پیارے ۔ پھرتے ہیں دشت میں کہتے ہوئے پیارے پیارے
قتل کیوں کرتے ہے بیجرم و خطا تو ہمکو ۔ ہم تو پہلے ہی سے ہیں عشق کے مارے بیمار ے

دل ۔ بابو سید احمد دل جعفری ساکن لاہور، کمال دہلی سے کلام نقل ہوا منشی جاہت حسین وجاہت کے شاگرد ہیں +

عمر گذری ہے آہ و زاری میں ۔ اُسکے دل پر اثر ذرا نہ ہوا
چاہنے والے تیرے ہیں لاکھوں ۔ سچ یہ ہے دل سا دوسرا نہ ہوا

تعریف کیا کروں تری چشم سیاہ کی ۔ بے چین کر دیا اُسے جس پر نگاہ کی

دل ۔ منشی محمد علی حسین خان دل، نوجوان، خوشخو، استعداد علم معقول، نوشت و خواند میں مایقری محاورت رکھتے ہیں، حضرت ظہیر کے شاگرد رشید، صاحبزادہ احمد سعید خان عاشق کے شاگرد ہیں۔ یہ چند شعر اُنکے طبعزاد ہیں۔

دشمن سے ملو شوق سے اچھا کوئی دن اَور ۔ تم دیکھو ذرا اس کا تماشا کوئی دن اَور
بیماری اُلفت سے میں ناحق ہوا اچھا ۔ آتا تو عیادت کو مسیحا کوئی دن اور
روکا ہے دلِ زار کو یہ دیکے تسلّی ۔ کم بخت ذرا ٹھہر خدارا کوئی دن اور
وہ غیر تھا چھوڑا اُسے اچھا کیا لیکن ۔ اِس دل پہ تو رکھنا تھا اجارہ کوئی دن اَور

دل ۔ منشی سید علی حیدر کنتوری ۔ لکھنو میں بھی اکثر رہنے کا اتفاق ہوتا ہے نوجوان شخص ہیں آجکل کے موزوں طبع خوش فکر کہنے والوں میں ہیں اور معیار کی کمیٹی کی ہم طرح غزلیں کہتے ہیں جو کلام بروقت نظر ثانی ہاتھ لگا اُس کا انتخاب تحریر میں آیا +

سب کہتے ہیں گو کعبہ کو یہ خانۂ حق ہے ۔ اللہ رے اے دل کوئی منزل نہیں رکھتا
حشر کے ہوتے منظور ہے دیدار ترا ۔ کسکو منظور ہے انصاف کا خواہاں ہونا
جوشِ وحشت کی خبر دیتا ہے دیوانوں کو ۔ آپ سے آپ مرا چاک گریباں ہونا

سنبھل اے دل نہ وصلِ یار کی شادی سے مر جانا	بُرا ہوتا ہے ہر اک بات کا حد سے گزر جانا
تری فرقت کا رنج و غم اُٹھایا تا دمِ آخر	نشاطِ وصل کیا شے ہے نہ ہنسنے عمر جانا
جس کے سبب یگانہ و بیگانہ چھٹ گیا۔	افسوس پھر بھی مجھ سے وہ جانانہ چھٹ گیا
رہتا ہے وحشی ترا اُس ویرانے پر ہول میں	رُوحِ مجنوں کانپتی ہے جو بیاباں دیکھ کر
اُن پہ بھی جنگل کی تصویریں نظر آنے لگیں	یہ بڑھی وحشت در و دیوارِ زنداں دیکھ کر
ہونگے محوِ شادی و غم وہ ہماری لاش پر	ہنستے جائینگے کفِ افسوس ملتے جائینگے

دل۔ جناب مرزا بہادر محمد جعفر علی خاں خلف اکبر نواب مرزا محمد عباس علی خاں بہادر جگر مرحوم سابق ڈپٹی کمشنر و رئیس اعظم و جاگیردار لکھنؤ آبائی ریاست کے علاوہ فنِ سخن بھی میراث مِلا ہے، تیس پینتیس۳۵ برس کی عمر اور ذکی و طباع نوجوان ہیں۔ ہنگام ترتیب تذکرہ حالات اور کلام منگائے مگر جواب آنیکے باوصف مطلب برآری نہیں ہوئی

تیرِ نگاہِ ناز ہوئے دونوں کارگر	اِک دل میں چُبھ گیا ہے مرے اِک جگر میں ہے
صبحِ شبِ وصال ہے یا صبحِ حشر ہے	ای دل کچھ آج اور ہی رنگ اس سحر میں ہے

دل۔ خواجہ دل محمد ایم اے ابن خواجہ نظام الدین مولد و مسکن لاہور تاریخ ولادت ۹ فروری ۱۸۸۷ء علوم عربیہ اور تعلیم رائج الوقت حاصل کرکے ایک کامیاب طالبعلمانہ زندگی کے بعد ۱۹۰۷ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے امتحان ایم اے مضمون ریاضیات میں پاس کیا اور اُس وقت سے اسلامیہ کالج لاہور میں سینیر پروفیسر ریاضیات کی خدمات انجام دیتے ہیں آپ کی طبیعت کو ادب اور فلسفہ کی طرف شروع ہی سے ایک لگاؤ ہے، اور شعر و اشعار کی طرف میلان لڑکپن کے زمانے سے ہی، غزل بہت کم لکھتے ہیں، نیچرل مضامین اور قومی یا ملکی نظمیں زیادہ تر لکھی ہیں، شعر و اشعار کے متعلق کسی خاص استاد سے تلمذ اختیار نہیں کیا۔ بلکہ زورِ طبیعت سے خود ہی جو آیا لکھا ہے، نمونۃً تھوڑا سا کلام ہدیۂ ناظرینِ کرام ہے

لذتِ دیدار سے مجلس ہے سب سرشار آج	عکس مے سے کم نہیں ہے عکسِ روئے یار آج

دلکشا شوق سے منقار بلبل بن گئی
ہے صریر خامہ گرم لذت گفتار آج

نرگس مخمور کا ساغر بنانا چاہیئے
تاکہ محفل ہووے مست شربت دیدار آج

دیدۂ احباب روشن ہیں ستاروں کی طرح
ہو گئی ہے چشم اعدا کی مگر بیمار آج

کیا عجب فرحت کے باعث گرم رقص ناز ہو
لولی گردوں کی صورت چرخ کج رفتار آج

گو نہاں لکھوں ہی وہ دو تین سالوں تک رہے
رل گیا آخر کو خط دیدۂ اختر کا آج

جو خدا اوروں پہ ہو کیونکر نہ قدر اسکی کریں ٭ چاہیئے بلبل کو پہنا دیں گلوں کا ہار آج ٭

حمد باری

وہ خالق سزاوار تحمید ہے
صریر قلم جسکی تمجید ہے

قلم سے ہوئے جسکے سب آشکار
جہاں کے نگارش کدو کی بہار

اُسی سے عیاں نقش سارے ہوئے
جو چھڑکا قلم تو ستارے ہوئے

یہ سورج دیا جو خدائی کا ہے
یہ دھبا سا اک روشنائی کا ہے

یہ جاذب کا کاغذ ہے یا آسماں
یہ مشق شکستہ ہے یا کہکشاں

یہ قوس قزح جو نمودار ہے
یہ آدھا سا اک خط پرکار ہے

نہ کیوں اسکے کاموں میں ہو عقل دنگ
ہیں اک خط کے اندر بھرے ہفت رنگ

درخشاں نہیں چرخ پر ماہتاب
کھلی سورۂ نور کی ہے کتاب

شعاعیں ہیں سطر لگائے ہوئے
طلا کار جدول بنائے ہوئے

کریں تاکہ قدرت کو اُسکی رقم
ہیں پتے ورق اور شاخیں قلم

نظر کیجیے سطح تالاب پر
لکھی نظم ہے صفحۂ آب پر

جو جاری کوئی باغ میں نہر ہے
نوائے اک شعر گویا ہر اک لہر ہے

سنو شور قمری فصاحت ہے یہ
قد سرو دیکھو بلاغت ہے یہ

جو نور اُسنے چشم بشر میں دیا
بُت خاک کو چرخ پیما کیا

عجب اُسکی ہر شے بنائی ہوئی
ہے تل میں خدائی سمائی ہوئی

ترے منہ میں باقی ہے جبتک زبان
کر اے دل تو تحمید خلاق جان

اے کارواں وہ وقتِ طلوعِ سحر ہوا
پرچم بلند صبح کا باکر و فر ہوا

طیار آفتاب اُٹھائے سپر ہوا
کیا شہسوار تیز عناں ہمسفر ہوا

ہمراہِ آفتاب درخشاں بڑھے چلو!

ہمت ہو جسکے پاس کریں صبر کس طرح
اِس رہگذر میں کھودلیں وہ قبر کس طرح

ہو طبع آتشیں پہ روا جبر کس طرح
اُٹھیں نہ ابخرے تو بنے ابر کس طرح

جوں دودِ آب اُٹھ کے مریجاں بڑھے چلو!

چرخ و نجوم و مشتری و زہرہ و قمر
سب ہی اپنی راہ میں بڑھتے ہیں سال بھر

اپنی زمیں کو سمجھتے تھے ساکن جسے بشر
کہتے ہیں وہ بھی چلتی ہے اپنے محیط پر

تم بھی بشکلِ گیتی دوراں بڑھے چلو!

نورجہاں کے مرقد پر جو راوی کے کنارے کس مپرسی کی حالت میں پڑا ہے دو حرف عبرت کہے ہیں

ہاں اے لبِ راوی بتا۔ کچھ رفتگاں کا ماجرا
کل تجھ پہ جن کا راج تھا۔ انجام انکا کیا ہوا؟

ہے اب کہاں نورجہاں حورجہاں حصمت کی جان
وہ بلبل شیریں زباں۔ وہ قمری ہندوستاں

تیرے کنارے ہی پڑا ٹوٹا سا جس کا آشیاں
عبرت نشاں، عبرت نشاں،

شوکت تھی جسکی پاسباں۔ چاکر سے تھے جاہ و حشم
تھی بحر و بر کی سب سپہ۔ حاضر لیے تیغ دودم

خیل و خدم ناز و نعم، رخت و خیم طبل و علم
افسوس رکھے رہ گئے، خود چلدیئے سوئے عدم

عالم میں ہے کسکو بقا؟ نامِ بقا کسنے لیا
قصرِ فنا ہے آسماں

آئی کہاں سے موت تو، ایوانِ شاہی میں بھلا
کیا پاسباں حاضر نہ تھے، جو روکتے تیرا گذر

ہاں پرتری پرواز کا، آیا نہیں اُن کو نظر
یوں کھینچ کر لیجاتی ہے، انساں سے اسکی روح کو

اُڑ جاتی ہے جیسے مگس، گل سے عسل کو کھینچ کر
یا ہنس ہو جیسے ہوا، حنظل سے ریشہ کھینچ کر

رہتا ہے باقی برزمیں۔ افسردہ گل بے رنگ بیں
بے جان جسمِ ناتواں

تضحیک چرخ پرجفا، دیکھو عیاں ہے برملا
ہے جس جگہ وہ مہ لقا، جالا ہی مکڑی نے بُنا

سلطاں کا کام دے ہیگم کے شاہی تاج پر　　دو چار باقی پیڑ ہیں، یا ٹیلیوں کے ڈھیر ہیں
یا چرتی ہیں بکریاں، یا بوم کا ہے آشیاں　　شاہی فلک مو عزو شاں، اڑ جاتے ہیں شبنم صفت

باقی نہیں رہتا نشاں

دنیا نے گو چھوڑا مگر خدمت میں ہے نیچر ابھی　　دیتی ہے بہار رات بھر، تربت پہ اُسکی چاندنی
وہ بیگم زہرہ جبیں - مرقد سے باہر آن کر　　اور لیکے مشعل ماہ کی، جاتی ہے جانب شاہ کی
حالت نہ پوچھو راہ کی، آنسو نکلتے جاتے ہیں　　اور پھول کھلتے جاتے ہیں جب بھر ملے جلے جاتے

ہوتا غضب کا ہے سماں

اور جب اندھیری رات ہو، تربت ہی سہکو بھانی ہے　　شبنم کہیں آ جاتی ہے، موتی کا سہرا لاتی ہے
بتیا ہے جگنو ٹمٹما، گورِ عزیزاں پر دیا　　شاخیں بڑھا کر ہاتھ کو، پڑھتی ہیں گویا فاتحا
پتے چٹک بجاتے ہیں، آتی ہے جب ٹھنڈی ہوا　　حیرت کا بھی دھڑکے ہے دل، ہاں دیکھ کر ایسا سما
عبرت نگاہی چاہیے، انجام ہے یہ بیگماں　　گو اس میں ہو شاہِ جہاں یا بادشاہِ این و آں

ہوتا ہے تربت میں نہاں

صریرِ کلک سے کیوں کرا داہو داستاں میری　　یہ سنے لائے کہاں سے دردِ دل میرا زباں میری
میں آوازِ جرس ہوں ہر گھڑی فریاد کرتا ہوں　　جگا دے کارواں کو خواب سے شاید فغاں میری
تغافلہائے ساقی کا گلہ کیجیے تو کس منہ سے　　گرا دی ایک لغزش سے شرابِ ارغواں میری
میں حسنِ معنیِ صرفِ انا الحق کی نزاکت ہوں　　نہیں سمجھا نہیں سمجھا حقیقت کو جہاں میری
سبق لیتا ہوں استادِ ازل سے میں فصاحت کا　　نوائے طائرِ سدرہ ہے یا طرزِ بیاں میری
میں حیرت بھی ہوں آئینہ بھی ہوں محوِ تماشا بھی　　شرر بھی، سوزِ دل بھی طور بھی برقِ تجلی بھی

دل - شیخ ممتاز علی ابن شیخ شجاعت علی ضلع بارہ بنکی کچھ دن آپکو حضرت امیر سے تلمذ رہا ہے پھر منشی فضل رسول خان وسطی اور جناب قدر بلگرامی سے مشورہ کرتے رہے تعلقہ داری حقوق ہے میرانہ بسر کرتے ہیں سنہ ۱۹۰۶ء ۵۴ برس کی عمر تھی

الاماں اسکی ڈھٹائی کچھ کہی جاتی نہیں　　چاہنے والوں سے بھی وہ آنکھ شرماتی نہیں

عطر آگیں آپکی پوشاک سے گلزار میں	نکہتِ گل ہوش میں وہ دوپہر آتی نہیں
چشم بد دور آپ کی حاضر جوابی کی ہے دھوم	کونسی پھبتی ہے وہ ایسی کہ چھا جاتی نہیں
سُرخ غصہ سے ہی چہرہ کہہ رہے ہیں جوش سے	چومنے تلووں کو میرے کیوں حنا آتی نہیں
ہوش میں کیا خاک آئیں آپکے آشفتہ دل	اب صبا بھی بوئے زلفِ عنبریں لاتی نہیں

دل منشی محمد حسین قصبہ بسواں ضلع سیتاپور کے باشندے اور جگر کے شاگرد ہیں سنہ ۱۲۹۹ھ سے کلام منتخب ہوا۔

کوئی کیونکر سنبھالے اِس دلِ بیتاب کو جسمیں	کھٹک ہو، درد ہو، ایذا ہو، بیتابی ہو حسرت ہو
ہماری خاک شاید تیرے دامن تک پہنچ جائے	ہوس مردن تمنا ہے ترے کوچہ میں تربت ہو
چھڑکدے میرے زخموں پر نمک ہنس ہنس کے او قاتل	وہ راحت ہے مجھے جو تیری ہاتھوں سے اذیت ہو

وہ پہلو میں ہے پر توبھی دل ہے بیچین	نہوں پہلو میں تو کیونکر بسر ہو
کسی کے غمزہ و ناز و ادا پر	تصدق جان ہو صدقے جگر ہو

دلاور منشی سید دلاور علی ولد سید قاسم علی شاگرد حضرت داغ۔ ترتیب تذکرہ انتخاب یادگار امیر مینائی کے ہنگام میں ریاستِ رامپور میں ملازم تھے اور بڑے ذکی الطبع اور فہیم کہنے والے تھے سنہ ۱۲۴۸ھ سال ولادت ہے، مذاق سخن سلیم تھا سنہ ۱۲۹ھ میں ۴۵ سال کی عمر تھی۔ باوجود کوشش کے حالات معلوم نہ ہو سکے نہ کلام ہی ملا۔

کی جو شکایت تو یہ پایا جواب	آتے ہی کیوں ہو جو ستاتے ہیں ہم
قبر پر فاتحہ کے حیلے سے	گالیاں کچھ سنانے آتے ہیں
عبث بیتاب ہو کر بیقرار ہوتے ہیں کہا ایدل	جگایا کیا اُسے تونے اُٹھایا شور محشر کو
تم دور رہو اور یہ بے چین نہو جائے	اپنا سا سمجھتے ہو مری جاں مرے دل کو
منہ لگائیں غیر کو اتنا دماغ اُنکو کہاں	چھیڑ تھی یہ بھی فقط میرے جلانے کیلئے

دلاور۔ محمد دلاور حسین خاں باشندہ موضع ٹھگا چاندپور۔ جناب تشنہ بلند شہری سے

دل

دلاور

دلاور

اصلاح لیتے ہیں۔ ۱۲ ۔ ۱۰ برس کی مشق سخن ہے۔ کلام میں کوئی خاص بات قابل ذکر نہیں پائی جاتی۔ استعداد علمی بھی رسمی معلوم ہوتی ہے۔

کہاں ہیں انکو رسوا دعوی خون کرکے محشر میں
دلاور میرے دل سے یہ گوارا ہو نہیں سکتا

بنیگی سر پہ گرمی الفت خاک ڈالے سے
رکیگی سوزش دل مضطرب زیر زمیں برسوں

ملتے ہمنے دیکھے ہیں بہت ارمان غیروں کے
ہماری حسرتیں خوں ہوکے بھی دلمیں رہیں برسوں

خیال ہمسری ہے تو کرے کسب ضیا پہلے
مہ نو عارض انور سے تیرے مہ جبیں برسوں

قدرداں دل کا خریدار دلاور ہو اگر
صفت اس جنس گرانمایہ کو ہم دیتے ہیں

اگر اس فتنہ گر کی دل کو الفت ہونیوالی ہے
تو الفت کیا ہے اک خاصی مصیبت ہونیوالی ہے

عدو کو بھیجنے والے ہیں وہ رسم عیادت میں
ہمارے مارنے کی اب یہ حکمت ہونیوالی ہے

ذرا ہشیار ہو کر آئینہ پیش نظر رکھنا
مقابل دیکھ کر خود تم کو حیرت ہونیوالی ہے

لئے جاتا ہے اسکا شوق ہی خود مجھکو مقتل میں
تمہارے ہاتھ سے جسکی شہادت ہونیوالی ہے

ہنوز آغاز الفت تھا کہ دلکو ہاتھ سے کھویا
خدا جانے ابھی کیا اور حالت ہونیوالی ہے

دلاور ۔ نواب دلاور حسین خان لکھنوی شاگرد منظہر آغا مظہر مرحوم

تماشے رخ میں وہ رنگیں ہے داستاں میری
ملی نہ بلبل شیراز کو زباں میری

یہ تیغ حسن کا ہے زخم بے غرو جراح
جسے کہ داغ ہے سمجھا وہی ہے جاں میری

نکل بھی جانے دے مجھکو کہ ہو تجھے بھی قرار
تڑپ تڑپ کے یہ کہتی ہے دل سے جاں میری

دلخوش ۔ لالہ بہادر سنگھ کہتری، راجہ خوشحال رائے دہلوی امیر عہد اکبر شاہ ثانی کے پوتے اور غدر کے بعد ۱۲۸۰ھ تک حیات تھے۔ انکے دادا کا کٹرہ ابتک مشہور ہے ✢

ہوں ترے ہجر میں جوں دیدۂ نرگس حیران
چشم پوشی نہ کر آ اپنے گنہگار سے مل

دلریش ۔ منشی اہل بہاری لال صاحب مختار عدالت علی گڈھ آپ کو علیگڈھ کے نامور شاعر منشی بنواری لال صاحب شعلہ سے تلمذ ہے۔ شعر ملاحظہ ہوں ✢

رہا ہے کب کوئی دنیا میں دم بھر شادماں ہو کر — ملا ہے کب کسیکو چین دم بھر شادماں ہو کر
حقیقی عشق کی عشقِ مجازی پہلی منزل ہے — چلو سوئے خدا اے زاہد و کوئے بتاں ہو کر
یہی دلریش حسرت ہے یہی دل کی تمنا ہے — کہ گذرے عمر باقی خادمِ ہندوستاں ہو کر

دلسوز۔ خیراتی خان دلسوز، قوم کے افغان باشندۂ علیگڈھ شاہ نصیر مرحوم کے شاگرد اور نواب ظفریاب خان خلف بیگم سمرو کی رفاقت میں تھے ۱۸۲۵ء کے قریب جیپور میں انتقال کیا، شراب بہت پیتے تھے، مزاج میں شوخی و ظرافت بدرجۂ انتہا تھی پرانے تذکروں سے کلام منتخب ہو کر درج ہوا۔

ارادہ پائے بوسی کا تھا اے بیداد گر اپنا — گرا قدموں ہی پر تیرے کٹا جس وقت سر اپنا
جگر فراق کے صدموں سے لالہ زار رہا — یہاں خزاں میں سدا موسم بہار رہا

وہ تو کہتے ہیں راز دل اپنا — مت کسی اپنے یار سے کہنا
اور یہاں دل کی بیقراری سے — روز دو تین چار سے کہنا ق

رات تم اس طرف جو آن پھرے — دن مرے کچھ تو مریجان پھرے
سب سہیں گے ہم اگر لاکھ برائی ہوگی — پر کہیں آنکھ لڑائی، تو لڑائی ہوگی

دلشاد۔ خلیفہ عبدالرحمن دلشاد باشندۂ خورجہ، منشی فائق ساکن ہاپڑ سے اصلاح لیتے ہیں دس بارہ برس کی مشق بھی ہے۔

نوبت ترے بیمار کی پہنچی ہے یہاں تک — جو دیکھنے آتا ہے تو دیکھا نہیں جاتا
لے جلد خبر آکے مری عیسیٰ دوراں — بیمار محبت سے اب اٹھا نہیں جاتا

دلگیر۔ منشی چھنو لال کالیستھ سکسینہ باشندۂ لکھنؤ۔ ایام جوانی میں طرب تخلص کرتے تھے اور غزل میں بھی یہی تخلص لاتے رہے، اوائل شباب میں بڑے رندانہ منش اور رنگین مزاج تھے چنانچہ اسی لاابالی عالم میں مذہب آبائی کو ترک کرکے مسلمان ہوگئے اور غزل گوئی کی بجائے مرثیہ کہنا شروع کیا، اور چونکہ صاحب استعداد تھے اس میں اچھا نام پایا شروع میں مرزا

نی مو نوازش سے تلمذ تھا، پھر شیخ ناسخ کی خدمت میں آئے۔ مراثی کا مجموعہ چھپ گیا ہے میر خلیق اور فصیح انکے ہمعصر تھے، نواب سعادت علی خان اور غازی الدین حیدر کے زمانے کے مرثیہ گویوں کے سرتاج سمجھے جاتے تھے جب میر انیس نے مرثیہ کہنا شروع کیا تو انکا عالم ضعیفی تھا

عطر اسکے نہانے سے ہے لب کہ آب ہوا	حباب بحر ہر ایک شیشۂ گلاب ہوا
کسکو دکھاؤں ہیں یہ بھلا ماجرائے چشم	ناسور بن گئے ہیں عزیز و بجائے چشم
باتیں تری سنا کریں اور دیکھیں تیری شکل	دارو‌ئے گوش یہ ہے تو وہ مدعائے چشم
آئے طرب ترا جو وہ خوش چشم باغ میں	نرگس کے دستے کیجیو تو بھی فدائے چشم

دلگیر دلگیر۔ ناثر بے نظیر سخنور خوش تقریر شاہ سید نظام الدین دلگیر اکبرآبادی۔ آپکے والد سید عبدالقادر شاہ صاحب قیصر اکبرآباد کے شرفا ر روسا میں سے تھے جنکا سلسلۂ نسب حضرت سید عبدالقادر شاہ بغدادی تک پہنچتا ہے جو بغداد سے علم خلافت سید عبدالقادر جیلانی لیکر ہندوستان میں آئے۔ یہ علم دو سیر سونے کا ہے اور شاہ دلگیر اب بھی گیارہویں کو اسے اپنی درگاہ میں استادہ کرتے ہیں، شاہ دلگیر کے پردادا سید منور علی شاہ جو صاحب علم کے پوتے تھے آخر اٹھارہویں صدی میں جب آگرہ میں مرہٹوں کی عملداری تھی صاحب کرامات مشہور ہوئے۔ نقل ہے کہ مہاراجہ سیندھیا کی ایک لڑکی جو عرصہ سے سخت بیمار تھی شاہ صاحب کی دعا سے بالکل تندرست ہوگئی اسکے صلہ میں مہاراجہ سیندھیا نے بطور شکریہ کئی گانو شاہ صاحب کو بطور معافی عطا کئے۔ حضرت دلگیر کے والد اور دادا لاٹ صاحب کے درباری بھی رہے۔ شاہ دلگیر کی ولادت ۲۳ فروری ۱۸۸۳ء مطابق ۱۴ ربیع الثانی ۱۳۰۰ھ کو آگرہ میں میواکڑے کے محلہ میں ہوئی ابھی چودہ برس کی عمر نہونے پائی تھی کہ خاندانی تنازعوں کے باعث باضابطہ تعلیم کا سلسلہ مسدود ہوگیا۔ تاہم ذاتی شوق مطالعہ کی بدولت فارسی اردو کا مذاق اعلی درجے کا ہے اور انگریزی میں بھی فی الجملہ مہارت حاصل کرلی ہے، عربی سے بقدر ضرورت

واقف ہیں، نثر طرازی اور شعر گوئی کا مذاق بچپن سے رفیق رہا۔ چنانچہ سترہ اٹھارہ سال کی عمر سے برابر مختلف رسالوں اور اخباروں میں مضامین لکھتے رہے کچھ عرصہ آگرہ اخبار اور مفید عام کی ایڈیٹری کے فرائض بھی انجام دیئے فن شعر میں باوجود نغز گوئی اور شیریں گفتاری حیرت ہے کہ آپنے کسی سے باضابطہ طور پر اصلاح نہیں لی پڑھنے کا انداز دلکش اور موثر ہے سنہ ۱۹۰۹ء میں دہلی کے کئی مشاعروں میں تشریف لائے اور اپنے دلپذیر کلام سے شائقین کی سامعہ نوازی کی اُس زمانے سے مؤلف تذکرہ سے مراسم اتحاد قائم ہوئے جو بفضلہ قائم ہیں۔

دور موجودہ کے انشاپردازوں کے زمرہ میں ہماری رائے میں شاہ دلگیر کا پایہ صف دوم کے صدر نشینوں میں سمجھا جانا چاہیئے۔ آپکا تخیل ایک عجیب جدت و لطافت کا پہلو لیے ہوئے ہے۔ آمد۔ اور اس میں جا بجا انسانی جذبات اور مناظرِ قدرت کے دلفریب نمونے ایسی سلیس و شستہ زبان میں ملتے ہیں کہ خواہ مخواہ انسان تعریف کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اب شروع سنہ ۱۹۱۳ء سے شاہ صاحب نے ایک رسالہ نظم و نثر موسومہ "نقاد" آگرہ سے شائع کرنا شروع کیا ہے جسکی گو ابھی پوری دو برس کی بھی عمر نہیں ہوئی تاہم وہ موجودہ رسالوں میں نہایت وقیع اور ممتاز سمجھا جاتا ہے اور امید ہے کہ اگر شاہ صاحب کی توجہ استقلال کے ساتھ اسکی ترتیب و تہذیب کی طرف منعطف رہی تو یہ رسالہ ادب اردو کی خدمت کا ایک قابل قدر ذریعہ ثابت ہوگا۔ آپکے اشعار میں نزاکت و جدت خیال۔ تلاش مضمون، مناسب الفاظ۔ شستگی روزمرہ و طرز ادائے بیان الغرض جملہ خوبیاں موجود ہیں پڑھیئے اور لطف اٹھائیے

کیوں نہ دھوکا ہو دہکتے ہوئے انگاروں کا	شعلۂ طور ہے جلوہ ترے رخساروں کا
سایۂ دامنِ رحمت میں ہیں عاصی زاہد	دیکھ کیا حشر میں رتبہ ہے گنہگاروں کا
جل اٹھا آتشِ دل سے مری ہر سنگِ مزار	ڈھیر ہے بعد فنا قبر پہ انگاروں کا
ہار پھولوں کے لیئے پھرتی ہیں حورانِ جناں	آج فردوس میں میلہ ہے گنہگاروں کا

...سے ...کی جب کبھی ملجاتی ہے
موت منہ دیکھ کے رہجاتی ہے بیماروں کا

...یں دونوں سے ابھی ہے زنداں کا او
غل ہو زنجیر کا نالہ ہو گرفتاروں کا

...مر منت یہی دیوانوں نے لاتیں ماریں
آگیا یاد جو سایہ تری دیواروں کا +

وہ میرا گھر سمجھ کر خانۂ دشمن سے پھر آئے
مرا مطلب نکل آیا بھلا ہو بدگمانی کا

کئے سیراب زخم اے تیر قاتل آب پیکاں سے
طریقہ تو نے مہمانی میں برتا میزبانی کا

جناب خضر سے کہدو عبث جینے پہ مرتے ہو
نہو کھٹکا اجل کا تو مزہ کیا زندگانی کا

...ئے کہنہ کہاں ہے حضرت زاہد وہ آپہنچے
نئے مہمان کو دے ساقی کوئی ساغر پرانی کا

گلے پر میرے خنجر رکھ کے پھر کچھ فکر کرتے ہیں
نتیجہ دیکھئے ہوتا ہے کیا تجویز ثانی کا

چلا ہے نجد کی جانب جو کھنچکر ناقۂ لیلیٰ
غبار قیس کو عہدہ ملا ہے پاسبانی کا

غزل میری نہتی دلگیر کچھ توصیف کے قابل
مگر مشکور ہوں اہل سخن کی قدردانی کا

ہر طرف جاتی ہیں نظریں تری ترچھی ہوکر
کبھی سیکھے ہی نہیں تیر نے سیدھا جانا

بند ہوتا ہی نہیں ملک عدم کا رستہ
رات دن رہتا ہے جاری یہی آنا جانا

کیا قیامت ہیں قیامت ہیں ادائیں اُنکی
دیکھکر مجھکو کنکھیوں سے وہ شرمانا

تبکدے دوڑ کے پہنچے کبھی کعبہ کو گئے
آج تک ہمنے ترے گھر کا نہ رستہ جانا

دم آخر ہے ٹھہر جاؤ میری بالیں پر
ابھی آئے ہو، ابھی جاؤگے، جانا جانا

وہ سمجھتے نہیں کچھ بھی یہ سمجھ ہے اُنکی
کہ مجھے غیر کیا غیر کو اپنا جانا

پہنچے دلگیر وہاں سُنکے حسینوں کا ہجوم
عرصۂ حشر کو بھی کیا کوئی میلا جانا

میں لحد میں بھی جو یاد روئے انور میں رہا
کیا چمک کر نام لوح سنگ مرمر میں رہا

جیتے جی تھا چرخ دشمن بعد مردن ہے زمیں
جب بھی میں گردش میں تھا اور اب بھی چکر میں رہا

مجھ سے رخصت ہوکے پیری میں مرا عہد شباب
نکہت حسن شاعری شعروں کے تیور میں رہا

...مین سے آکر جو بیٹھا پھر نہ نکلا حشر تک
تیر آنکھ کا بن کے ارمان قلب مضطر میں رہا

خانۂ دل کیوں نہ ہو زاہد حسینوں کا مکاں
چین کچھ ایسا دیا کنجِ لحد نے بعدِ مرگ
جستجوئے یار نے مجکو پھرایا دربدر
آتشِ عشقِ بتاں سے کوئی کیوں کر بچ رہے
چشمِ حیرت بن کے تکتا یہ رہا ہر ایک شکل

گھر بتوں کا مدتوں اللہ کے گھر میں رہا
قبر میں جاکر بھی میں آغوشِ مادر میں رہا
میں نہ مسجد میں نہ کعبہ میں نہ مندر میں رہا
یہ وہ شعلہ ہے شرر بنکر جو پتھر میں رہا
حشر تک محوِ آئینہ۔ یادِ سکندر میں رہا

مرنیوالوں کے لیے خنجرِ بُراں کسکا
پہلوئے غیر میں چین سے سونیوالے
دل سا پروردہ آغوش ہو جب اُنکی طرف
دہنِ زخم کی نیت نہیں بھرنے والی
عہد یہ ہے کہ کبھی خو نہ پئیں گے زاہد

راستہ دیکھنی ہے ہمت مرداں کسکا
چاک ہے مثل سحر۔ دیکھ گریباں کسکا
پھر بھلا اور بھروسا کرے انساں کسکا
چاہیئے کانِ نمک، مجکو نمکداں کسکا
کوئی گلرنگ دے پیمانہ تو پیماں کسکا

لدا ہوں ہوں داغوں کے پھولوں سے لالہ زار نہیں ہوں
مری جگہ ہے ہر اک دل میں خاکسار ہوں میں
غضب کا شوخ ہے دیکھو تمہارا تیزِ نگاہ
اسی طرح سے نکل جائے حسرتِ پابوس
اُگا ہوں خاک سے میں بعدِ مرگ گل بن کر
جو ہوں تو کچھ نہیں، ہونا مرا نہ ہونا ہے
سرِ محشر تری تیغِ ادا کا کیوں نہ بسمل ہوں
مری اس بیخودی پر کیوں نہ آکر ہوش صدقے ہو
مری تقدیر میں دلگیر رہنا ہی مقدر ہے
نہ پوچھا ہائے اُس ظالم نے اپنے دل فگاروں کو
ہمیشہ تیری فرقت میں تڑپتے ہی انہیں گذری

خزاں کی بھی ہے جھلک جسمیں وہ بہار ہوں میں
کیا گھر آنکھ میں دشمن کی وہ غبار ہوں میں
یہ تاک ہے کہ کسی کے جگر کے پار ہوں میں
سرِ مزار ہو تم اور تہِ مزار ہوں میں
جو دسترس ہو تو تیرے گلے کا ہار ہوں میں
کسی کے وعدۂ فردا کا اعتبار ہوں میں
ترا ہنس ہنس کے یہ کہنا کہ ہاں میرا سکا قاتل ہوا
تمہیں غفلت میں پہچانا وہ بیخود ہوں وہ غافل ہو
نہ نکلی آجتک حسرت میں وہ حسرت بھرا دل ہو
رکھا اُمید ہی اُمید میں اُمیدواروں کو
نہ پوچھا موت نے بھی ہائے تیرے غم کے ماروں کو

سروں پہ بیکسوں کی ابر کا سایہ نتھا دنیا میں
عجب کیا اُسکی رحمت گھیرے گی سُکے مزاروں کو

نہ تھا مصرف کوئی دشتِ وحشت میں سوا انکے
ہماری آبلہ پائی پہ آیا رحم خاروں کو

شکستہ قبر انکی میری بھی ہے گنج شہیداں میں
جو آنکلو ادھر تم فاتحہ دے سے مزاروں کو

نکلجا انکا گئے رنج وغم و اندوہ سب مِل کے
ہجوم غم ہوا اتنا کہ حصّے بٹ گئے دل کے

ستم توڑا غضب ڈھایا نگاہِ ناز نے مِل کے
پڑی اوپر مگر اندر سے ٹکڑے کر دیئے دل کے

نہ مرتے مجکو بنتی ہے نہ جیتے مجکو بنتی ہے
نہ دل ہی میرے قابو میں نہیں قابو میں ہوں دل کے

دم نزع حسرت بڑی رہ گئی
نظر جانبِ در لڑی رہ گئی

نہ ڈھونڈا دلِ غیر میں آپ کو
یہ اِک چال بھے بڑی رہگئی

دم نزع اسے جان آئے نہ تم
مری جان تم میں پڑی رہ گئی

اُٹھائے ہوئے ہیں ہم اک کوہِ غم
مصیبت جو سر پر پڑی رہ گئی

ہوئے مرحلے زندگی کے تمام
بس اب ایک منزل کڑی رہگئی

گئی مر کے مرتے نہ مژگاں کی یاد
یہ برچھی جگر میں گڑی رہ گئی

وہ آئے دم نزع بالیں پہ جب
اجل بھی گھڑی کی گھڑی رہگئی

ہوئے آپ رخصت مگر مجکو یاد
قیامت کی وہ اک گھڑی رہ گئی

کیا ذبح تم نے نہ دلگیر کو
یہ اک حسرت اُسکو بڑی رہگئی

باتوں میں ہے سحر فتنہ جُو کی
دِل لے لیا جس سے گفتگو کی

کٹ کٹکے دعائیں دے رہی ہیں
خنجر کو رگیں مرے گلو کی

ہو قصّۂ قیس یا کہ فرہاد
اک شرح ہے لفظ آرزو کی

دل لیکے کسی کا پوچھنا ہائے
کس دل سے ہماری آرزو کی

میں چشم عدو میں ڈالتا ہوں
چھانی ہوئی خاک کو بکو کی

لاکھوں کا نوالہ کر رہی ہے
ہے گور بھی کس بلا کی بھوکی

کہتے ہیں تلاش اسکو دلگیر — خود کھو گئے ایسی جستجو کی

دلگیر ۔ سید ظہیر حسین عرف منا میاں مارہرہ کے باشندے اپنے بھائی جناب دلیر کے مشورہ سے شعر کہتے ہیں ۱۸۹۷ء سے مشق سخن کرتے ہیں اِنکے خاندانی حالات بہ تحت ترجمہ جناب دلیر درج ہیں دوبارہ اُنکا اعادہ فضول ہے۔ خاصے شوخ طبع موزوں فکر ہیں زبان بھی شستہ صاف ہے

رہا دلگیر یوں بھولا ہوا دنیا و دیں برسوں — کہ رگڑی اس بت سفاک کے در پر جبیں برسوں

وہاں بھی جاکے روحِ قیس کو نالوں سے چونکایا — ہلائی خوب دشتِ نجد کی بھی سرزمیں برسوں

نہ چھوٹے گا ہمارے خون کا دھبہ قیامت تک — بتِ سفاک دھوئے لاکھ اپنی آستیں برسوں

اِس طرز سے وہ چلتے ہیں وقتِ خرام ناز — گویا کہ اُنکے پاؤں کے نیچے زمیں نہیں

انداز گفتگو کا کچھ اُلجھا ہوا سا ہے — فقرہ پیامبر کا کوئی دلنشیں نہیں

عدو سے اُنکے لڑنے پر بجا ہے میرا یہ کہنا — دکھائی آپنے تو آج جنگ زرگری اچھی

خامالیدہ ہاتھوں نے سجھائی قتل عاشق کی — کسیکے خون ہونے کے لیئے مہندی رچی اچھی

بُرا ہے نام ہی اُلفت کا پوچھا ہے تو کہتا ہوں — نہ اُلفت حور کی اچھی نہ اُلفت آپکی اچھی

دلگیر ۔ منشی عبد الوہاب خان صاحب آپکو حضرت امیر مینائی سے تلمذ رہا ہے ۱۸۹۸ء کے مدقیہ مادی سے کلام منتخب ہوا، امیر اللغات کے دفتر میں بھی کچھ دنوں مددگار رہے زیادہ حال باوجود مکرر دریافت معلوم نہوا کلام منتخب ملاحظہ ہو:-

نہ دیتے تھے تم گالیاں اوّل اوّل — نہ تھی ہاتھ بھر کی زباں اوّل اوّل

کوئی پھول مجکو بھی گلشن کا صدقہ — میں آیا ہوں ای باغباں اوّل اوّل

ہمیں کچھ فائدہ اس سے جو چہرے سے نقاب اُٹھے — مزا اُسوقت ہے جب پردۂ شرم و حجاب اُٹھے

جھپک جائیں ملک چاند سورج گر پڑے بجلی — تمھارے روئے تاباں سے سر میدان گر نقاب اُٹھے

بوسوں کے بدلے مجکو وہ دیتے ہیں گالیاں — اچھی دوا ہے یہ دلِ بیمار کے لیئے

دلگیر کہتے تھے کہ لگاؤ کہیں نہ دل — رونا پڑا نہ تمکو دلِ زار کے لیئے

غیر پہ لوٹ ہوئی اب چھوڑ کے چاہت میری / کچھ جو کہتا ہوں تو کہتے ہیں طبیعت میری
تھی جوانی تو انہیں نار تھا کیا کیا کل تک / غیر کی سنتے تھے سنتے نہ سماجت میری
آج گردوں کی طرف دیکھ کے وہ کہتے ہیں / ہائے کیا ہو گئی وہ چاند سی صورت میری

دلیر **دلیر** ۔ نواب علی محمد خاں صاحب لکھنوی ۔ آپ کو حضرت عشق لکھنوی سے تلمذ رہا ہے ۔ انجمن محمدی کے پریسیڈنٹ تھے ارمغان ۱۸۹۶ء سے کلام منتخب ہو کر نقل ہوا ۔ بار بار لکھنو سے حالات دریافت کیے مگر کسی صاحب نے توجہ کی صرف محشر صاحب کی زبانی اتنا معلوم ہوا کہ دس برس ہوئے انتقال کر گئے اور کلام ملنا اب ناممکن ہے ۔ چند شعر حاضر ہیں ۔

روح عاشق قفس جسم سے آزاد نہ ہو / ملک الموت اگر شکل پریزاد نہ ہو
دل کا جلنا کیا الفت میں گوارا کس نے / اپنا گھر پھونک کے دیکھا ہے تماشا کس نے
لیے اس رخ تاباں کے ہوئیں آنکھیں بند / بے نقاب آئے بھی وہ تو نہیں دیکھا کس نے
لب جاں بخش پہ تہمت ہی سہی مان لیا / یہ بتاؤ تو کیا پھر مجھے اچھا کس نے
لاکھ جانیں ہوں تو اک نقش قدم پر صدقے / دل کے مٹنے کا کیا آپ سے شکوا کس نے

دلی **دلیر** ۔ نواب دلیر جنگ بہادر رئیس مدراس ۔ شاید نواب کرناٹک کے خاندان کے رکن ہیں باوصف اہل زبان نہ ہونے کے اردو فارسی کی طرف بھی توجہ رہی ۔ یہ چند شعر نتائج افکار سے لے درج کئے گئے ۔

دیکھنا انکو ہے ممنوع صنم خانوں کا / کچھ خدا ہو گیا اللہ مسلمانوں کا
دیکھیے عاشق و معشوق کی کیفیت کو / شمع کیا جلتی ہے جی جلتا ہے پروانوں کا
ایک گردش سے کیا مست تری آنکھوں نے / کام میخانہ ہیں ہے ایسے ہی پیمانوں کا
خفا کیوں ہو نکل آئے جو آنسو / یہ لڑکے ہیں نکل جاتے ہیں گھر سے
حسیں سب اے دلیر اٹھے چلے جاتے ہیں دنیا سے / عدم آباد میں شاید کوئی دلچسپ بستی ہے

د **دلیر** ۔ نواب امراؤ بہادر ملقب بہ شمشیر بہادر ثانی ۔ آپ نواب علی بہادر ثانی کے خلف دوم

اور نواب ذوالفقار بہادر والی ریاست باندہ کے پوتے ہیں جو خود مرہٹوں کے فرمانروا باجے راؤ اول پیشوائے پونا کے خلف اصغر شمشیر بہادر کے پوتے اور جانشین تھے، انکے خاندانی حالات سے پایا جاتا ہے کہ ۱۷۲۵ء میں راجہ چھتر سال رئیس پنا نے پیشوا باجے راؤ سے غضنفر جنگ محمد خان بنگش صوبہ دار الہ آباد کے مقابلہ کے لیئے امداد طلب کی چنانچہ باجے راؤ خود فوج لیکر اُسکی حمایت کے لیئے بندیل کھنڈ آئے اور بنگش کو شکست فاش دیکر راجہ کے ملک کو اُسکے چنگل سے آزاد کرایا۔ اِسی معرکہ میں رئیس پنا کے اہل خاندان جن میں اُنکی لڑکی بھی تھی لشکر اسلامی کی ہزیمت کے بعد آزاد ہوکر راجہ کے پاس واپس آئی۔ مگر رئیس مذکور نے اس خیال سے کہ یہ لڑکی کچھ روز مسلمانوں کے لشکر میں رہ چکی ہے اُسے اپنی دختر تسلیم کرنے میں پس و پیش کیا۔ ناچار باجے راؤ جو اُسکے حسن و جمال کو دیکھ کر دل باختہ ہوگیا تھا اُسے اپنے ہمراہ پونہ لیگیا اور داخل حرم کرلیا، وہاں اُسکے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا، یہ بچہ مشکل سے پانچ برس کا ہوا تھا کہ باجے راؤ کا انتقال ہوگیا، چونکہ اُسکے جوان ہونے پر سرداران ریاست نے اُسے ہندو تسلیم کرنے سے انکار کردیا لہٰذا بالاجی باجے راؤ پیشوا نے اُسے باندا کا علاقہ مدد معاش کے طور پر دیکر مذہب اسلام اختیار کرنے کی اجازت دیدی۔ باوجود اس ترک مذہب کے یہ خاندان قیام سلطنت مرہٹہ تک برابر اپنے آپ کو مرہٹہ طاقت کا جزو سمجھتا رہا اور باجگذار مطیع رہا۔ نواب شمشیر بہادر بانی خاندان باندا اِس طرح باجے راؤ پیشوا کے خلف چہارم اور بالاجی باجے راؤ پیشوا کے برادر اصغر تھے ۱۷۶۱ء کی پانی پت کی لڑائی میں وہ زخمی ہوئے اور بموقع واپسی افواج مرہٹہ جانب دکن بھرتپور میں انتقال کیا اور وہیں دفن ہوئے، اُنکے لڑکے علی بہادر نے بامداد مادھوجی سیندھیہ بندیل کھنڈ کے اکثر اضلاع فتح کیئے اور نمک حرام غلام قادر کو جس نے واجب التعظیم شہنشاہ دہلی شاہ عالم ثانی کی آنکھیں نکال لی تھیں گرفتار کرکے دہلی بھیجا اور اس کارنمایاں کے صلے میں ماہی مراتب و دیگر مدارج حاصل کیئے، ایک یہ خاص رعایت بھی اُن سے کی گئی کہ اُن کے

خاندان کو شاہی مدفن قطب صاحب میں دفن ہونے کی اجازت سرکار شاہی سے عنایت کی گئی۔ چنانچہ جب نواب علی بہادر نے کالنجر میں انتقال کیا تو لاش قطب صاحب میں سپرد زمین ہونے کو دہلی بھیجی گئی، علی بہادر کے انتقال کے بعد نواب امراؤ بہادر کے دادا شمشیر بہادر پٹنہ سے کالنجر آئے اور سرکار انگلشیہ سے ۱۸۱۲ء میں معاہدہ کیا جسکی رو سے خطاب نواب باندہ اور چار لاکھ روپیہ سالانہ کا علاقہ یا پنشن زیر حمایت سرکار ہمیشہ کیلئے مسلّم ہوگیا اس زمانے میں بعض وجوہ سے پیشوا نے اِن کا علاقہ ضبط کر رکھا تھا، جب غدر ۱۸۵۷ء ہوا تو اِس زمانہ میں نواب امراؤ بہادر کے والد نواب علی بہادر ثانی رئیس باندا تھے، شروع بغاوت میں انھوں نے ۳۰، ۴۰ حکام انگریزی کی جانیں بچائیں، لیکن آخر کار فوج باغی نے انھیں اپنی امداد دینے پر مجبور کیا، بعد خاتمۂ فساد سرکار انگریزی نے علاقہ اور پنشن سابقہ ضبط کر کے تین ہزار روپیہ ماہوار پنشن مقرر کی اور اندور بھیجدیا، جب سے یہ خاندان وہاں مقیم ہے حضرت دلیر کی پیدائش ۱۲۷۳ھ میں بمقام باندا ہوئی تھی۔ اور تعلیم راجکمار کالج اندور میں پائی آپ اور آپکے برادر کلاں نواب ذوالفقار بہادر ثانی پنشن بقدر گزارہ پاتے ہیں اور جیسی فراغبالی و آسودگی اِس قدیم خاندان کی رفعت برقرار رکھنے کو لازم ہے وہ حاصل نہیں۔

فنِ سخن میں آپ کو حضرت جلال لکھنوی سے فیض پہنچا ہے چنانچہ ۱۳۲۹ھ میں دیوان بھی شائع کر چکے ہیں، سیدھا سادہ کلام ہے مضمون آفرینی اور نزاکتِ خیال کی طرف توجہ کم ہے پُرگوئی البتہ ہے اور اساتذۂ سلف و حال کے کلام پر خوب ہاتھ صاف کیا ہے جس کا باعث غالباً یہی ہے کہ انکا کلام نظر سے نہیں گذرا ہنگام ترتیب تذکرہ مع حالات دیوان ارسال کیا طرزِ ناسخ کے مقلد ہیں کنگھی۔ چوٹی۔ محرم کے مضامین برابر نظم کرتے ہیں سرورق پر یہ شعر درج ہے۔

سخنِ بہتر سے بہتر اس کا ہمسر ہو نہیں سکتا
یہ دعوے سے میں کہتا ہوں کہ بہتر ہو نہیں سکتا

اِس دعوے کی صداقت کی بابت ناظرین خود فیصلہ کرلیں گے۔ ہم تو چند منتخب شعر

درج کرنے پر اکتفا کرتے ہیں ؎

دے ساقیا شراب ہوا چاند عید کا
محتاج میکدہ تھا فقط اس کلید تھا

کیا سو رہا ہے چین سے مرقد میں بعد مرگ
زانوئے حور تکیہ ہے تیرے شہید کا

سرہانے ہے وہ رشکِ مسیحا
کر گئی اب یہاں آ کر قضا کیا

کیونکر نہ ہو زبان کا دعوی مجھے دبیر
شاگرد ہوں منیر کا سید جلال کا

کیں بھی اوڑھنے کو انھیں بے نصیب
دیتے تھے جو فقیر کو رومال شال کا

زہد و تقوی کی بحث لیتے ہو زاہد ہم سے
پیتے دیکھا ہے تمھیں ہم ہی برسات کی بات

تیر مژگاں پڑا اسکے دل پر
خوب کی تم نے چاند ماری رات

ہے مطلب ہی جب نہیں تم کو
کیوں کیا کرتے ہو ہماری بات

ہے جلوہ نیا کوئی تہِ چلمن کے ادھر آج
جاتی ہے تو پھر کر نہیں آتی ہے نظر آج

تم اٹھ کے کہاں جاتے ہو بیٹھو اسے ہمارے
بیٹھو ابھی دنیا سے ہے اپنا بھی سفر آج

زاہد کو آب کوثر و حور جناں پسند
ہمکو بتان ہند و مئے ارغوان پسند

ہوئی فصل جنوں میں جوشِ وحشت کی ہوس ایسی
کہ زنجیروں کی بیلیں چڑھ گئیں دیوار زنداں پر

مے پی لو رہن رکھ کر رند و عبائے واعظ
سوچی ہے آج ہمنے کیسی سزائے واعظ

کم معاشی میں جو رکھتے ہو بہت خرچ دبیر
بات کرتے نہیں کچھ اپنے گھر لینے کے خلاف

انکی زلفوں میں جو ہوتا ہے میرے دلبر بگاڑ
فیصلا کو بیچ میں دونوں کے آجاتی ہے مانگ

خوب جینے کا مزا پاتے ہیں ہم
خون دل پیتے ہیں غم کھاتے ہیں ہم

ہے یہ کیسا غمکدہ لے بزم آرائے جہاں
کتنے اس محفل میں ہیں اور شادماں کوئی نہیں

جو کعبہ میں شیخ حرم دیکھتے ہیں
وہی بتکدہ میں بھی ہم دیکھتے ہیں

بہت زہد و تقوے میں نازاں ہیں زاہد
گنہ گار تیرا کرم دیکھتے ہیں

سنیں کیونکر دبیر کی فریاد
کانوں کو بالی پتے بھرتے ہیں

کوئی حسرت اگر برسوں میں نکلی بھی تو کیا نکلی	ہزاروں حوصلے وہ ہیں جو دل کے دل میں رہتے ہیں
درد دل کا مزا وہ کیا جانیں	جن کا دل عمر بھر دکھا ہی نہیں
پھیر دیتے نہیں وہ کیوں دل کو	جب یہ کہتے ہیں کام کا ہی نہیں
رخ زیبا نہیں زلف رسا میں	یہ ہے اک صبح دو اسکی ہیں شامیں
یہ ایک نشہ محبت کا ہے وہ چارہ گو	کہ جس کا سارے جہاں میں اتار کچھ بھی نہیں
وہ لپٹے نشۂ مے میں عدو سے	یہ بیہوشی میں ہشیاری تو دیکھو
ان روزوں خانداں کو کوئی پوچھتا نہیں	عزت ہے آدمی کی بس اب سیم و زر کے ساتھ
دخت رز کا کئی دن سے نہیں ملتا سراغ	آج سنتے ہیں کہ قاضی کے وہ گھر بیٹھ گئی
سچ تو یہ ہے کہ بری شے ہے تہیدستی بھی	رہن مے کے لیئے زاہد کی ردا آئی ہے
تڑپ جاؤگے میرا درد دل تم	جو سن لوگے کبھی میری زبان سے
مے کو کیونکر نہ وہ برا جانے	واعظ اسکے مزے کو کیا جانے
چھوڑے الفت وہ کیا حسینوں کی	کوسنے کو بھی جو دعا جانے
ہماری جبیں سے کیئے کعبہ زاہد	کسی شوخ کا آستاں ہو رہا ہے
بیہوش ہے اک بیخبری آٹھ پہر سے	کچھ عاشق جانباز کی بھی اپنے خبر ہے
اگلا سا وہ حیف اپنا زمانہ نہ رہا	دولت نہ رہی وہ کارخانہ نہ رہا
کھو بیٹھے ہم ایک مکاں تھا جو دلیر	رہنے کا بھی افسوس ٹھکانا نہ رہا

دلیر منشی سید امیر حسن مارہروی آپکے دادا میر داور علی مرحوم اٹاوہ کے قدیم باشندے اور ایام غدر میں سرکار انگلشیہ میں تحصیلدار تھے بصلۂ خیر خواہی سرکار سے موضع سلیم پور انعام میں ملا ہوا تھا بعد ازاں اور کچھ دیہات نواح ایٹہ میں خرید فرما کر اور مارہرہ کو پسند کرکے یہاں نقل سکونت اختیار کی اس میں جناب دلیر کے والد سید الطاف حسین بھی حصہ دار ہیں اور مکانات درگاہ کے قرب میں بنائے تحصیلداری سے ترقی پا کر غدر کے بعد ڈپٹی کلکٹر ہوے اور ١٢٩٦ء

دلیر

تک پنشن پاتے رہے۔ ان کا سالِ ولادت ۱۸۷۱ء مطابق ۱۲۸۸ھ ہے۔ فارسی اُردو میں خاص دستگاہ ہے۔ مڈل تک انگریزی بھی پڑھی تھی۔ خلیق، نیک خصلت شخص ہیں طبیعت نہایت شوخ اور چلبلی پائی ہے ابتدائے شعور سے شعر و سخن کا ذوق ہے، شعر اچھا کہتے ہیں۔ فنِ موسیقی سے بھی ایک گونہ لگاؤ ہے، پہلے جناب مضطر کے شاگرد ہوئے بعد میں فصیح الملک مرزا داغ سے بہ سلسلۂ خط و کتابت تلمذ اختیار کیا اور اس امر کی خاص کوشش کی کہ اُستاد کے رنگ میں کہیں۔ آجکل زمینداری کے انتظام کا مشغلہ ہے۔ کثرتِ مشق سے اب روز مرہ میں بے تکلفی کلام میں روانی زبان میں صفائی اچھی پیدا ہوگئی، اکثر مشاعروں میں اپنی خوش گوئی کی داد پاتے ہیں سندیلہ، رامپور، علیگڈھ کے مشاعروں میں شریک ہوئے راقم سے بریلی میں قاضی محمد خلیل کے مشاعرے میں ملنے کا اتفاق ہوا تھا۔ شوخیٔ مضمون اور طرزِ بیان قابلِ تعریف ہے اور جا بجا حضرت داغ کے فیضان کی جھلک ان کے کلام سے آشکار ہے

روتا ہوں دیکھ دیکھ کے دیوار و در کو میں
بیٹھے بٹھلائے آج مجھے ہوگیا ہے کیا

صورت نمائے حسن ہے آشفتگی مری
جو مجکو دیکھتا ہے تجھے دیکھتا ہے کیا

اندیشۂ فراق سے کرتا ہے ترکِ عشق
ہمت کو لے دلیر تری ہوگیا ہے کیا

مجمعِ اہلِ شکایت سے تمھیں کیا مطلب
کوئی دل سے کوئی تقدیر سے نالاں ہوگا

تم تو بے پردہ سامنے آؤ
صبر مجھ سے ہوا ہوا نہ ہوا

ہائے قسمت اسیر الفت کی
قید ہی میں رہا۔ رہا نہ ہوا

رشک یہ ہے کہ عارضِ لبِ لعلیں کو ترے
کر دیا جوش کے برگِ گل سوسن کیسا

ترکش میں ہیں جو تیر وہ قاتل کے پاس ہیں
جو کھو گیا کہیں وہ مرے دل میں رہ گیا

ہیں سب خیال و خواب کی باتیں اے ہمنشیں
آنکھوں میں رہ گیا نہ کوئی دل میں رہ گیا

یہ سن لو اور جاؤ ہے اگر مدِ نظر جانا
تمھیں آتا ہے گھر جانا ہمیں آتا ہے مرجانا

نہ اپنے دل کو دل جانا نہ اپنے دم کو دم سمجھے
تمھیں کو عمر بھر سمجھے تمھیں کو عمر بھر جانا

کوئی دم کوئی ساعت یاد سے تیری نہیں خالی
ہمیں کیا بے خبر اپنا سا تو نے بے خبر جانا

دلیرِ خستہ جاں کی خودکشی کو سن کے فرمایا
خدا مرحوم کو بخشے اِسے کہتے ہی مرجانا

گرہ اس کھولدے زلفوں کی لاؤ دل لگی ہو لی
بھلا تیرے سوا اے دلربا کس پہ گماں ہوگا

کیا ضرورت تھی جو یہ زحمت گوارا کی گئی
کیوں مجھے ناپید ہونیکے لیے پیدا کیا

عشق میں ضبط تھا نہوا　آدمی ہی بہت کیا نہوا
وہ بہت پوچھتے رہے لیکن　جسے اظہار مدعا نہو

تمھیں یہ ضد ہے تو دنیا کو چھوڑ دیجے ہم
یہی جہان ہے کیا دوسرا جہاں نہیں

ملیگی کیوں نہ ہمیں قبر میں ستم سے نجات
کہ اس زمین کے نیچے تو آسمان نہیں

یہ سودا تو دیکھو وہاں جا رہے ہیں
جہاں سیکڑوں ٹھوکریں کھا رہے ہیں

یہ کہکر مجھے اُنکے درباں نے روکا
کریں کیا ہم اس بات کا کھا رہے ہیں

کبھیں تم، کبھیں ہم، یہ اندھیر کیا ہے
مُرادوں کے دن اور یوں جا رہے ہیں

اثر دے الٰہی ہماری دعائیں
ترے سامنے ہاتھ پھیلا رہے ہیں

چڑھیں طور پر ہم کو اِسکی ضرورت
یہیں سب کرشمہ نظر آ رہے ہیں

مستحق ہم ہی ہیں اِس لطف کے دشمن ہی نہیں
اِس طرف بھی تو ذرا آنکھ اُٹھا کر دیکھو

روکنا دیدۂ خونبار کو اے حضرتِ دل
داغ آجائے نہ دامانِ وفا پر دیکھو

کرے کیوں نہ وہ جو آتشِ فرقت سے جلتا ہو
مجھے پروا نہیں اسکی سُنے جو کوئی سنتا ہو

جنازے کو ہمارے دیکھ کر تم سوچتے کیا ہو
جِلا دو اپنے کشتہ کو اگر رشکِ مسیحا ہو

ستمگر حشر ہے یہ آخری دن جسکو کہتے ہیں
قیامت ہے جو وعدہ آج بھی تیرا نہ پورا ہو

بسر ہوتی ہے کیونکر زندگی ایام فرقت میں
یہ اُس سے پوچھنے کی بات ہے جو مر مر کے جیتا ہو

بہت تو نے ڈرا رکھا تھا مقتل اور خنجر سے
یہیں ہوا ور ابھی ہو فتنہ گر جو کچھ کہ ہونا ہو

خدا نا ترس ہیں کافر حسیں تو جرم کیا اس کا
خدا کو جب نہ جانیں یہ تو پھر خوفِ خدا کیا ہو

مانگو دعا کہ حشر میں اللہ بخشدے
میرا قصور ہو کہ تمھارا قصور ہو

سُن کے تبخانہ کو ہم شہرتِ اصنام چلے
رکتنے دن دیکھئے اب مذہبِ اِسلام چلے

دم نکلجائے تو ہو ہجر کی مشکل آسان
موت کام آئے اگر آج تو کچھ کام چلے

آج وہ میری عیادت کو جو آئے تو کہا
تم تو کل کہتے تھے ہم صبح چلے شام چلے

جو تیر آرہا ہے وہ پار جارہا ہے
اب دل میں کیا دھرا ہے اب دل میں کیا لگا ہے

وہ کھیل جانتے ہیں الفت کے مشغلوں کو
اِک بدنصیب اپنی ہستی مٹا رہا ہے

کیا بتاؤں کیا نگاہِ یار ہو کر رہ گئی
میری دل کی مالک و مختار ہو کر رہ گئی

اِس نقاہت کا برا ہو سنکے کہتا ہے وہ شوخ
ایک ہی فریاد اے بیمار ہو کر رہ گئی

ظلمتِ شامِ جدائی کب ہٹائے سے ہٹے
سامنے آنکھوں کے اِک دیوار ہو کر رہ گئی

غیر کی گردن میں جب باہیں کسی کی پڑ گئیں
میری مایوسی گلے کا ہار ہو کر رہ گئی

کیا وہاں بھی جا کے پہنچی میری آہِ شعلہ ریز
کیوں ستارے گر رہے ہیں عرش سے ٹوٹے ہوئے

بخشدے تجھے اپنے عاشق کا تصور
بندہ پرور کیا کرے انسان ہے

زنداں میں فتنہ گرنے کی یہ تو دستگیری
جب پانوں میرے باندھے تب ہاتھ کھولڈالے

گل پیرہن ہزاروں سننے زیادہ نازک
نظروں میں آ رہے آنکھوں میں تولڈالے

خونِ جگر سے اپنے لکھا تھا حال دل کا
واں خط شوق اُسنے پانی میں گھولڈالے

چودھویں سال میں پہنچے تو کہا اِترا کر
جیسے ہم آج ہیں ایسا ہی مہ کامل ہے

مجھ سے کہتے ہیں کہ تو حشر میں یہ کہیو بجو
میرا دعویٰ ہے کسی پر نہ کوئی قاتل ہے

نثر کے شکوے ہیں اک انشائے غم
نظم کی فریاد اک دیوان ہے

اِس قسم کھانیکے صدقے جائیے
آنکھ نیچی ہاتھ میں قرآن ہے

یہ فصاحت اور یہ آمد دلیر
داغ سے فیضِ کرم کی شان ہے

کبھی راہ پر وہ نہیں آنیوالے
سلامت رہیں اُنکو بہکانے والے

مری روح پر ہے قیامت کا صدمہ
تجھے کھیل ہے قبر ٹھکرانے والے

تفصیل وار ذکرِ ملاقات کیجیے
کس سے ملے کہاں ملے یہ بات کیا ہوئی

یہ گلگشتیں یہ سیریں ہی تو سارے گل کھلاتی ہیں
ستمگر تو جو رسوا ہے انھیں باتوں سے رسوا ہے

بے رُخی میٹھی نظر کے ساتھ ہے
عیب کیا اچھے ہنر کے ساتھ ہے

آپ کا دربان کبھی برہم نہ ہو جائے تو سہی — کچھ دنوں گھسنے تو دیجے اپنی پیشانی مجھے
آج سے وہ لطف راہ و رسم ظاہر بھی گیا — راز دل کہکر ہوئی کیسی پشیمانی مجھے
عقل کا کہنا مجھ ہی میں نہیں آتا دلیر — کیا خدا جانے یہ سمجھاتی ہے دیوانی مجھے

مدعی کی مجھکو قسمت کھلگئی | کچھ نہ کچھ نسبت کھل گئی
امتحانِ عشق بھی کیا سخت تھا | آدمی کی آدمیت کھل گئی

فریاد حشر میں ہے یہ اک دردخواہ کی — پرسش یہاں تو ہو مرے حال تباہ کی
رکھا نہ عشق تو نے کسی دین کا مجھے — دُنیا تباہ کی مری عقبیٰ تباہ کی
افسوس دل کا حال کوئی پوچھتا نہیں — یہ کہہ رہے ہیں سب تری صورت بدل گئی
جو ہم نے کہدیا تھا وُہی عشق میں ہوا — آخر ہماری جان ہی لیکر اجل گئی
عزت اُسی کی اہلِ نظر کی نظر میں ہے — سب کچھ بشر میں ہے جو محبت بشر میں ہے

دلیر — مرزا تصدق حسین خلفِ مرزا واجد حسین فنِ شعر میں حضرت امیر مرحوم کے صاحبزادے جناب حکیم مغفور سے مستفید ہیں کم و بیش ۳۰ برس سے مشقِ سخن کرتے ہیں ۵۰ سال سے عمر متجاوز ہے +

مدت کے بعد دیکھنے آیا ہے وہ قمر — اے موت آج ہی تجھے آنا ضرور تھا
بجلی تڑپ تڑپ کے گرتی پر نہ یہ تھما — کس درجہ بیقرار دلِ ناصبور تھا
کہتا ہے درد مجھسے نہ بیتاب آپ ہوں — گھر سے وہ چل چکے ہیں کہیں ہونگے راہ میں
رحمت نے اُسکو بڑھکے گلے سے لگا لیا — دیکھا مجھے جو حلقۂ شرم و گناہ میں

خوشی ہے قتل کی اپنے فقط اسواسطے دلکو — کہ خونریزی کا ارماں تو رہا باقی نہ قاتل کو
وہ قاتل فاتحہ پڑھنے کو آیا ہے جو تربت پر — یہ بیجرم و گنہ مقتول ہونے کی خوشی ہے

دلیر — منشی علی شبیر ساکنِ بمبئی رسالۂ معیار میں کچھ کلام نظر سے گزرا اُسکا انتخاب ضبطِ تحریر میں آیا

گھٹا کے آتے ہی محفل میں آیا جامِ شراب — اِک آفتاب گیا اور اِک آفتاب آیا
طلسمِ حسن جو دیکھا اُچٹ گئی مری نیند — لگی جو آنکھ تو عمر بھر نہ خواب آیا
دلیر میں نے تو خط اُنکو سینکڑوں بھیجے — مگر نہ نامے کا میرے کوئی جواب آیا

...اغ۔ منشی گنگالال صاحب خلف منشی کنھیالال۔ میران پور ندرہ ضلع گیا کے رہنے والے
...علم، خوش وضع اور نہایت متین وخلیق آدمی تھے۔ اردو وفارسی کے علاوہ آپ کو بھاشا
...سکرت میں بھی دستگاہ حاصل تھی فن شاعری میں حضرت عرش خلف میر تقی میر کے شاگرد تھے
...ھ میں بعمر ۷۰ سال اس جہان فانی سے رحلت کی۔ ایک دیوان غیر مطبوعہ موسومہ
...ن بہار آپکی یادگار ہے مگر عنقا صفت ہی۔ بہزار کوشش یہ چند شعر دستیاب ہوئے جو یہ
...ین کیئے جاتے ہیں ؎

...زلفوں سے اماں ہو کسے یار آج کی رات	انھیں دو کالوں نے رکھا ہیں مار آج کی رات
...ہو وصل میں عاشق سے کدورت کیسی	میرے جاں دور کرو دل سے غبار آج کی رات
...دل سے جو کراہا تو وہ ہنس کر بولے	جاں بلب کون ہے آوارہ و یار آج کی رات
...ب ماہ میں آئے ہیں جو افشاں چنکر	چاندنی دوہری دکھاتی ہے بہار آج کی رات
گلشن حسن پر بہار نہیں	کنگھی چوٹی نہیں سنگار نہیں
قتل کو بس ہے خنجر ابرو	حاجت تیغ آب دار نہیں
باغ عالم میں گل کھلاتے کچھ	لے جنوں موسم بہار نہیں
ایک ہی شکل کو دو کرکے دکھا دیتے ہیں	جو ہر آئینہ قاتل تری تلوار میں ہے

...غ۔ مولوی مرزا سجاد علی لکھنوی۔ دور موجودہ کے خوش فکر ہیں چند غزلوں کا ماحصل
...ذیل ہے۔

...تری معجز نما لے یار آنکھیں ہو گئیں	جو کوئی آیا پئے دیدار آنکھیں ہو گئیں
...یں اتنا خیال دید جاناں میں ہوا	دست وپا جیسے ہوئے بیکار آنکھیں ہو گئیں
...میں وہ گل یہاں جب میری آنکھوں سے ہوا	مجکو آپ اپنی نظر میں خار آنکھیں ہو گئیں
...قادیہ کام آنکی جو موقعہ بھی ملا	شومئی تقدیر سے دیوار آنکھیں ہو گئیں

...بیازہ۔ ملا عبدالمؤمن دہلوی معروف بہ ملا دوپیازہ خلف ملا دلی محمد۔ ہر گونہ علم و

فضل میں بہرۂ وافی ونصیبۂ کافی رکھتے تھے، ترکی زبان میں کامل عبور تھا چونکہ تمسخر اور مذاق نے آپکی طبیعت پر غلبہ کر رکھا تھا اس سبب سے فضائل علمی نے شہرت نہ پائی۔ محمد جلال الدین اکبر شاہ بادشاہ عرش آشیانی کے جلیس خاص تھے، لطیفہ گوئی اور بذلہ سنجی کا یہ حال تھا کہ بات بات میں پھلجھڑی کی طرح منہ سے پھول جھڑتے تھے، خلوت و جلوت میں ایسی گل افشانیاں کرتے تھے کہ تمام حاضرین دربار مارے ہنسی کے لوٹ لوٹ جاتے تھے، انکے لطائف و ظرائف آجتک زبان زد خلائق ہیں، مشہور زمانہ راجہ بیربل سے ہمیشہ انکی چشمک رہا کرتی تھی اور آپس میں اکثر چوٹیں چلتی رہتی تھیں۔ ان دونوں کی نوک جھوک کے بیسیوں لطیفے اب بھی لوگوں کی زبان پر ہیں، ملا صاحب موصوف عرصۂ دراز تک متھرا میں مقیم رہے اور وہی انکا اصلی وطن بھی تھا وہاں کے پنڈتوں سے اکثر گرمئ صحبت رہا کرتی تھی اور اسی وجہ سے زبان ہندی میں بھی آپنے طبع آزمائی کی ہے اکثر فقیروں کو انکے دوہے یاد ہیں۔ فارسی زبان میں بیشتر فکر سخن کرتے تھے اور اس فن میں علامۂ دہر ابوالفضل سے صلاح لیتے تھے۔ ان واقعات کے برخلاف ایک قدیم تذکرہ میں مفصلۂ ذیل حال نظر سے گذرا جسکی صحت میں ہمیں کسی قدر تامل ہے کیونکہ اکبر شاہ اور آصفجاہ مرحوم کے عہد میں تخمیناً دو سو برس کا تفاوت ہے "کچھ دنوں بعد آصف جاہ نواب نظام الملک کے دامن دولت سے وابستہ رہکر آخر عمر میں قصبہ ہنڈیا ہروہ جو نواح قصبۂ جیپا نیر ضلع بھوپال میں واقع ہے وارد ہوئے لوگوں سے پوچھا کہ اس بستی کا کیا نام ہے۔ کسی نے کہا "ہنڈیا" فرمایا کہ دوپیازہ ہنڈیا میں آکر اب باہر کہاں جائے آخر ایسے بیٹھے کہ مرکر ہی اٹھے اور اسی خاک کے پیوند ہوئے آپ کا مزار اسی مقام پر ہے۔ ایک کتاب مسمی بہ اتراک عالمگیری لغت ترکی زبان میں ان سے یادگار زمانہ ہے، انکے ایک سو ایک لطائف بزبان فارسی بھی شائع ہو چکے ہیں اور "ملا نامہ" ایک چھوٹا سا رسالہ جس سے عجیب مذاق حاصل ہوتا ہے ملا نامہ کے ساتھ چھپ چکا ہے۔ زبان اردو میں یہ چند شعر انکی موزونی طبع کا نتیجہ ہیں

وہ گورا گورا لڑکا بامن کا شوخ گہونا
موری کیتی و نت مان کھیلی بیچ بیچ موری
دکھڑا سناؤں کاسے دسے چھند لکھ کہت سے
پیاری کو ن علنی بوجھا سکے نگر ہوں سن ون
شوخی نیٹ کرت ہی چھکنی ہاتھ مل کر
تانی بجی ہر کہا کیا کلھ شیخ جی کے پیچھے
دوپیازہ از دل و جان قرباں چرا نباشم
آلیسے ہیں ہیں جو دوپیازہ چلے متھرا سوں
شاہِ ایراں ہے یہ چار دہم گو بالغرض
کیونکہ اسکو ہے ہر اک رات ترقی اور سے
پیالہ پیم وسکا چا کھے بیٹھے
نہ دو دوپیازہ کی دنداری کرتے ہے

ایسا لگے ہے مجکو جیوں کھانڈ کا کھلونا
ہینم کے پیچھے ساری بیسر ہنم بھگونا
ایسو مہا کیٹ باسوں مری لگاؤں کیوں ملی
ہم وم وشام وروس ہم خیرو پلونا
نیں تاک شیخ کیتی ایسی طرح ملونا
رم ور بغل میں بھاگا لے اوڑھنا بچھونا
جوبن سے مدہ کا ماتا وہ سانولا سلونا
تا بہ پرلو نہ نکالیں گے قدم ہنڈیا سوں
شاہِ کہبر کو ہلالِ شب اول سمجھو
دن بدن روز نئے طور تنزل سمجھو
ملت ہیں تن بدن پر راکھہ دیکھیو
مگر صد گونہ ہا خواری کرتے

دوپیازہ اب نکس ہنڈیا میں آکے	ماکھی کے ہاتھو پھنس گئے جالے میں جا کے

دوست شیخ غلام محمد عظیم آباد پٹنہ کے متوطن اور نظامت مرشد آباد میں اوائل انیسویں صدی میں ملازم تھے اس سے زیادہ حال معلوم نہ ہوسکا۔

کافر ہے جسکے دل میں تری آرزو نہو	کس کام کی زبان اگر گفتگو نہ ہو
صنم جو دیکھ مجکو تو کہے ہے دور آنکھوں سے	کچھ اپنا بس نہیں ظالم میں ہوں مجبور آنکھوں سے

دوست سید خواجہ ولد سید حیات حیدر آباد دکن کے رہنے والے نہایت نیک طینت آدمی ہیں شیخ فدا حسین صاحب مہر سے تلمذ ہے دیوان گلزار دوست چھپ گیا ہے بقول دیگر مشہور لکھنوی کے شاگرد ہیں اور تعلقہ دار جاگیرات دکن ہیں پچاس باون برس کا سن اور یہ کلام کا انتخاب ہے ٭

صبح شبِ تیرہ میں میں نے جہاں کی حکایتیں   جاتا ہے کون کوچۂ جاناں کو چھوڑ کر
زمینِ حیثیت ہی دولتِ دنیا پہ یہ غرور   جاتا ہی ایک بن سروساماں کو چھوڑ کر
کون کہتا ہی کہ جلتا ہے دلِ عاشقِ زار   خاک ہو جاتا ہے سب جسم پہ جلتا ہی نہیں
لاکھ چاہا کہ کہوں اب ملوں گا تجھ سے   لڑکھڑاتی ہے زباں منہ سے نکلتا ہی نہیں
چھپ گیا جب سے وہ شکل اپنی دکھا کر ای دوست   کسی صورت سے دلِ زار بہلتا ہی نہیں
دلوں میں یاد تھی دونوں طرف مرے اُنکے   میں اُنکے گھر میں رہا اور وہ میرے گھر میں رہے

سخی

جہاں بیٹھے وہ دلِ مائل وہیں ہے   سخن ہے جس جگہ سائل وہیں ہے
نہ پوچھو حال ہم عاشق تنوں کا   جہاں دلبر ہے اپنا دل وہیں ہے
جہاں پر آپ تنہا بیٹھ جائیں   وہیں ہر جگہ محفل وہیں ہے
سفر ہم ناتوانوں کا نہ پوچھو   جہاں تھک کر گرے منزل وہیں ہے

دوست

دوست منشی دوست محمد خان پٹھان۔ موزونیٔ طبع کی امداد سے شعر کہہ لیتے ہیں ورنہ کچھ خاص بات انکے کلام میں نہیں پائی جاتی۔ ایک دیوان بھی شائع کر چکے ہیں، یہ دیوان کا انتخاب ہے۔

پوچھتے کیا ہو شبِ فرقت کا حال   دل ہمارا رات بھر تڑپا کیا
جو تیری جدائی کا غم دیکھتے ہیں   وہی جلد راہِ عدم دیکھتے ہیں
سچ کہو اِ رہنے دو بہانے کو   کس نے روکا ہی آنے جانے کو
جو کیا ہم نے عشق میں تیرے   نکرے اب خدا کرے کوئی
بھلا یاد کیونکر بھلائی تمھاری   سمائی ہیں دل میں ادائیں تمھاری
زباں سے ہی کہتے ہیں مرتے ہیں تیرے   نہیں مرتے ای دوست مر جانیوالے

دولھا

دولھا۔ نواب محمد حسن علیخاں صاحب دولہ بریلوی شاگرد نواب ہادی حسن خاں صاحب ہادی از خاندان حافظ الملک بہادر ۱۸۷۰ء میں جو بریلی میں مشاعرے ہوتے تھے اُن میں

شریک ہو کر داد غزل خوانی دیتے تھے، اُس زمانے کے ایک مجموعہ میں چند غزلیں نظر سے گزریں اور کچھ شعر منتخب ہو کر درج کیے گئے، کلام میں زبان کا لطف موجود ہے تلاش الفاظ و مضامین بھی بُری نہیں ؂

ذکر کس کا نہ تری بزم میں اکثر آیا زلف کا بل نکیا لاکھ جتن ہنسنے کئے	پر نہ مذکور ہمارا کبھی دلبر آیا کوئی افسوں نہ کبھی کام نہ منتر آیا
رزق پہنچاتا ہے ہر روز وہ رازق ہمکو دل میں عشاق کے کرتے ہیں ٹھکانا اپنا ابر ہو، مینہ برستا ہو، خلوت ہو، محبت بے پیر ہو عش پہ غش کھاتے ہیں انکو دیکھکر حور و ملک ہادیٔ معجز بیاں کے فیض صحبت کے سبب	گرچہ ہم لاکھ گنہ شام و سحر کرتے ہیں گھر میں اللہ کے بُت دیکھ لو گھر کرتے ہیں تب کہیں حاصل مراد عاشق دلگیر ہو تم پری کی شکل ہو یا حور کی تصویر ہو کیا عجب دولہ ترے اشعار میں تاثیر ہو
محبت بتوں کی خدا کی قسم چلے آئے وہ گھر مرے بن بُلائے خفا ہمسے دولہ وہ کیوں ہوگیا	رگ جان کو نیشتر ہوگئی مری آہ کیا کارگر ہوگئی یہ تکرار کس بات پر ہوگئی

دولہ

دولہ۔ نواب جہانگیر محمد خاں صاحب بہادر مغفور معروف بہ نظیر الدولہ۔ نواب سکندر بیگم صاحبہ والیہ بھوپال سے پہلے انکے بھائی کی نسبت ہوئی مگر نوبت نکاح کی نہ آئی اور آخر قدسیہ بیگم صاحبہ نے ان سے نکاح کر دیا۔ بعد بلوغ انھوں نے عنان حکومت ہاتھ میں لینے کے لیے بہت دست و پا مارے اور ایک حد تک کامیاب بھی ہوئے مگر نتیجہ انجام کو اچھا نہ ہوا اور عزیزوں اور اہلکاروں کی سازشوں سے آرام سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا۔ صرف ایک لڑکی نواب شاہجہان بیگم پیدا ہوئی تھیں اسکے بعد سکندر بیگم صاحبہ سے آن بن رہی انجام کار چھبیس سال کی عمر میں جام فنا نوش کر کے سفر آخرت اختیار کیا، اِنکے کلام میں جو انکی صاحبزادی نے ۱۲۸۸ھ میں اپنے دیوان کے ہمراہ چھپوا کر مشتہر کر دیا ہے عاشقانہ اور معاملہ بندی کے

مضامین کثرت سے ہیں اور اُن سے اُنکے دلی سوز و گداز کی جھلک آشکار ہے جو کچھ قلب پہ گذرتی تھی بیشتر وہی نظم کر دیتے تھے، تلمذ کا حال معلوم نہیں مگر کلام بامزا اور پرلطف ہے چھوٹے سے دیوان کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

عبث ہو ساتھ پھرنا غیر کے اُس شاہِ خوباں کا
گدا کا ہرزہ گردی ہو ہنر، اور عیب سلطان کا

مساوی ہوئیگا وہ لطفِ شہ اپنی رعیت پر
برابر مہر تاباں کے ہو ہر ذرہ بیاباں کا

قمر کی طرح کب منت کشِ خورشید انجم ہیں
نہیں لیتے ہیں عالی طبع ہرگز بار احساں کا

رہیگا علم کی دولت سے جو محروم دنیا میں
نہیں انسان وہ ہمرتبہ کہیئے اُسکو حیواں کا

نہ کیوں وہ شاہ خوباں تمکنت کو کار فرمائے
شبک دستی سے اُٹھ جاتا ہو اکثر رعب شاہاں کا

مرے سر کے تلے سے نزع میں زانو نہ تو سرکا
ہے تکیہ زندگی کا جان یہ تکیہ مرے سر کا

کہاں مخلوق کو ہو فائدہ شاہِ خود آرا سے
گرے کب حلق میں پیاسوں کے قطرہ آبِ گوہر کا

جوں خار دل میں تھی مژۂ یار کی خلش
فرقت میں اُسکی سانس بھی لینا عذاب تھا

خالی ہاتھ آیا ہوں منزل میں الٰہی کیا کروں
لٹ گیا رستہ میں میرے ساتھ جو اسباب تھا

قتل کرنا عاشقوں کا اک قدیمی رسم ہے
چھوڑ جانا نیم جاں یہ آپ کا ایجاد تھا

قطعہ

یہی جہانگیر اسلیئے نام اُنکا ساری خلق میں
گھر عروسِ دہر کا دولہ سے جو آباد تھا

تم خفا مجھ سے ہوئے اچھا ہوا بہتر ہوا
میں بھی تو ہرجائی پن سے آپکے بیزار تھا

تیری خاطر پاؤں اُن لوگوں کے اب پڑتے ہیں ہم
جن پہ ٹھوکر مارنے سے ہمکو ننگ و عار تھا

چوڑیوں میں بھی پسندِ دل جہانگیری ہی تھی
جن دونوں دولہ سے اُس پہنچی نشیں کو پیار تھا

قطعہ

مت کہہ وہ اپنے گھر تھا وہ غیروں کے گھر تھا
کیا اِس سے فائدہ مجھے اے ہمنشیں ہوا

میرا وصال اُسکے تصور میں ہو گیا
مجھ تک نہ آیا میری بلا سے کہیں ہوا

کب جدا ہے مجھ سے دلبر کب میں دلبر سے جدا
ہو نہ گوہر آب سے اور آب گوہر سے جدا

روح تن سے جان بدن سے ہوش ہو سر سے جدا
کیا کشاکش میں پھنسا ہوں جب سے دلبر سے جدا

جسکو غرض ہو جائے وہ طوبیٰ کی چھاؤں میں
بیٹھا ہوں میں تو سایۂ دیوارِ یار میں

تلووں لگی وہ آگ کہ سر سے نکل گئی
مہندی ملی جو غیر نے وہاں پائے یار میں

کاش وہ آرامِ جاں آئے تو جائے غم کہیں
اُسکی آنے کی اگر ٹھہرے تو ٹھیرے دم کہیں

ہیہات اُسکے ہاتھ میں غیروں کا ہاتھ ہو
آنکھوں سے ہم کو پاؤں نہ ملنا نصیب ہو

ق

اِس انکسار پر ترے سہتا ہوں کیا ستم
پھر بھی یہ ہے دعا مری ایسا نصیب ہو

میں منتوں سے تجکو منایا کروں مجھے
تیری اُٹھانی رنجش بے جا نصیب ہو

حاجت نہیں ہے اور سے ملنے کی پھر تجھے
دولہ سا جب لہ چاہنے والا نصیب ہو

قطعہ

چاہت کو جو میری پاگیا ہے
ہر بات پہ اب وہ روٹھتا ہے

لو جو رہی دِل کو بھا گیا ہے
معلوم نہیں کہ کیا بلا ہے

اُسکے آنے کی نہ ٹھیری سو طرح غم کھا چکے
جان بھی جائے کہیں قصہ مٹے جھگڑا چکے

مجکو طعنہ اور مہرویوں سے ملنے کا دیا
ہیں ابھی کچھ اب عرض کرلوں آپتو فرما چکے

جب نہ اک بوسہ ہی دو تم اور نہ اک دشنام دو
دِل بھتیں کیونکر ملے اور اُسکی قیمت کیا چکے

ضد نے کر دیا ہے موم تمکو حق میں غیروں کے
دِلِ نازک تمھارا پر مری جانب سے پتھر ہے

یہ تو میں کیونکر کہوں تم ہو رہو میرے راجی
فخر ہے میرا اگر تم کر رکھو اپنا مجھے

کیوں ذرا سی بات پر تم نے کیا رسوا مجھے
کہہ دیا ہوتا بُلا کر کان میں تنہا مجھے

آشنا ظاہر میں اور باطن میں بیگانہ صفت
تم نے در پردہ جلا کر خاک کر ڈالا مجھے

آنکھ پھر جانے ہی اُسکے ہوگیا بیہوش میں
گردشِ چشمِ بُتاں ہے ساغرِ صہبا مجھے

دِل کو مجھ سے توڑ کر اپنا اُسے بند اکیا
آہ ایسے آشنا کو یوں چھڑایا آپنے

دمِ قتل اپنی گردن کب بُتِ بے پیر پھرتی ہے
نہ ہے منت گلے پر جو تری شمشیر پھرتی ہے

دولہ۔ مرزا علی نقی تخلص دولہ شاگرد مرزا اصغر علی خاں نسیم دہلوی۔ لکھنو کے رہنے والے دولہ
اور حضرت نسیم کے شاگردوں میں بڑے خوش فکر تھے۔ حضرت تسلیم و اشرف کے ہم مشق

کہ ہمدم اس کے مرتبہ کو نہ پہنچا۔ عرصہ ہوا انتقال کیا۔ یہ چند شعر درج کیے گئے۔

عاشقوں کیواسطے حالِ پریشاں چاہیئے
آتے ہی فصلِ جنوں ٹکڑے گریباں چاہیئے

گل رخوں کی تیغ سے فرقِ ہمدم کا کیجیے ایفا ضرور
آج ہمکو بوسۂ لعلِ درخشاں چاہیئے

چارہ گر تو ہے یہ درماں عاشقوں کے درد کی
ہمکو پہلوئے صنم آغوشِ جاناں چاہیئے

گر نہیں چادر تو دولہ مہ سے مانگو چاندنی
کچھ تو بہرِ پوششِ گورِ غریباں چاہیئے

دولہ

دولہ جناب منشی علی احمد صاحب بدایونی بیس بائیس برس سے مشقِ سخن کرتے ہیں اور رسالوں میں اپنا کلام شائع کراتے رہتے ہیں، باوجود کوشش و دریافت نہ تلمذ کی کیفیت معلوم ہوئی اور نہ کچھ حال ملا۔ اشعار ملاحظہ ہوں

جذبۂ دل اسے کہتے ہیں کہ مجنوں کیلئے
لیلیٰ پردہ نشیں نے بھی بیاباں دیکھا

ایک ہی تیغ سے عالم کو کیا تو نے حلال
اُف رے کافر کوئی ہندو نہ مسلماں دیکھا

خیر گذری نہ ہوا شوق مجھے زینت سے
ہر سرِ چشمِ صنم خلق کا قاتل ہوتا

کون ہمدم ہے یہاں کس پہ بھروسا کیجے
دل تو دل جان بھی ہم کو کسی طرف داری نہیں

ٹھیریئے ٹھیریئے مژگاں کو نہ کیجے سیدھا
دل نہ چھد جائے ہمارا کہیں سوفار نہیں

کبتک یہ سہے درد و غم و رنج کے صدمے
اب صبر کی طاقت دلِ بسمل میں نہیں ہے

کس طرح ہجر میں بہلے گی طبیعت میری
کچھ تو کر دیجئے تسکین دمِ رخصت میری

قبر پر پھول چڑھاتا ہے وہ گل لالہ کے
بارِ احساں سے دبی جاتی ہے تربت میری

آپ پچتائیں نہیں سورۂ یٰسین پڑھیں
آپکے سر کی قسم وہ نہیں حالت میری

عید کے دن وہ رقیبوں سے بغلگیر ہوئے
ہاتھ پھیلائے ہوئے رہ گئی حسرت میری

دیوانہ

دیوانہ۔ رائے سرب سنگھ دیوانہ ہمشیرہ زادہ حقیقی راجہ مہانرائن بہادر دیوان و مدار المہام نواب شجاع الدولہ صوبہ اودھ، یہ خود شاہجہاں آباد میں پیدا ہوئے اور عنفوانِ شباب میں کہ ابتدائی عہد شاہ عالم ثانی کا تھا اپنے عمِ نامدار کے پاس گئے اور مدۃ العمر وہیں امیرانہ شان و شوکت سے بسر کی اپنے ہمعصر رؤسا میں داد و دہش اور سیر چشمی اور قدر دانی اہل علم و فن کی بدولت صاحب

امتیاز تھے ذات کے کھتری اور بڑے جامہ زیب نفیس مزاج، وجیہ و شکیل جوان تھے۔ فارسی شعر خوب کہتے تھے اور مرزا فاخر مکین سے ہنگام قیام لکھنؤ میں ہزار ہا روپیہ کا سلوک کرکے کامل ۱۲ برس اِس فن میں مشق کی تھی اور مرتبہ استادی حاصِل کیا تھا۔ مشاعرے بھی بڑے کروفر سے کیا کرتے تھے بنارس اور لکھنؤ میں بہت رہے اور اپنے وقت میں مستند شاعر مانے جاتے تھے۔ ایک دیوان فارسی اور ایک دیوان اردو میں ان سے یادگار ہیں میر حیدر علی حیران اور جعفر علی حسرت اُستادِ جرأت اِنکے قابل فخر شاگرد تھے سنہ ۱۲۰۴ھ میں پیکرِ وجود کو آتشِ فنا کے سپرد کیا۔ فارسی کلام دس ہزار اشعار سے کم نہ ہوگا ❖

دِل سدا تڑپے ہے میرا مرغِ بسمل کی طرح
یا کہ سیکھی مرغ بسمل نے مرے دل کی طرح

جان پر آبنی ہمدم مری خاموشی سے
بات کچھ بن نہیں آتی ہے اب اظہار بغیر

بزم میں رات بہت سادہ و پُرفن تھے ولے
گرمئ بزم کہاں اُس بتِ عیّار بغیر

دیکھ بیمار کو تیرے یہ طبیبوں نے کہا
ہوچکی اسکو شفا شربت و دیدار بغیر

دل ہے کہ تیری تیغ کے آگے سے ٹل نجائے
رستم کا کب جگر ہے کہ زہرہ پگھل نجائے

وے یار کہاں کہ یار باشی کیجئے
وے وقت کہاں کہ خوش معاشی کیجئے

اِک گوشہ میں بیٹھکر دیوانہ تنہا
اب ناخنِ غم سے دِل خراشی کیجئے

دیوانہ مرزا محمد علی جان باشندۂ بنارس سنہ ۱۲۴۸ء کے قریب روشن الدولہ کولبرک رزیڈنٹ کے وقت میں دہلی میں اُنکے پاس رہے پھر علیگڈھ میں تحصیلدار ہوگئے تھے اِس سے زیادہ حال معلوم نہ ہوسکا۔ دیوانہ

اُس کا آخر اُدھر کلام ہوا
اپنا قصہ اُدھر تمام ہوا

آیا نہ بعد مرنے کے بھی وہ مزار پر
خاک اُسکے پیچھے آپکو ہمنے کیا عبث

میری سرگشتگی کو دیوانے
پہنچے کب آسمان کی گردش

جلتے جلتے ایک دن دیوانہ بس اُٹھ جائیگے
جون چراغِ صبحدم ہم سینۂ سوزاں سمیت

دیوانہ میر طالب علی صاحب دیوانہ مقیم بنارس شاگرد رشید سید عبداللہ وحشی بنارسی ۱۸۶۷ء میں زندہ تھے اور دہلی کے چند مشاعروں میں تشریف لاکر داد سخنوری دی تھی کلام ہامزہ ہے اور آپکی طبیعت کا آئینہ ہے یہ چند شعر ملے درج کئے گئے ◆

بندہ بے داموں بکا ہے آپکی سرکار میں
شوق سے بیچو کھرا کر کے مجھے بازار میں

مجھکو حیرت ہے لڑائی کیلئے چھوڑا ہو کیا
گالیاں دیتے ہیں وہ دشمن کو ہر دم پیار میں

ہوگیا ناز اُن کو اپنے حُسن پر حد سے سوا
جو نہ کہنا تھا کہا سب ہنسنے اُنسے پیار میں

میں بتا دوں تمکو اب جو مجھ سے گر تقصیر ہو
تم کو بھی لذت ملے ایسی مجھے تعزیر ہو

یہ مزا ہے یار کے لعل نمک آلود میں
لاکھ بوسے لیجئے بھی نیت نہ اپنی سیر ہو

اپنے مرنے کا کیا دعویٰ تو بولے ہنسکے وہ
بولتے ہو مر کے تم دنیا میں زندہ پیر ہو

وہ بھی دیوانے کو پہنا دو کہ وہ شاگرد ہے
حضرت وحشی کی جو اُتری ہوئی زنجیر ہو

کیا ہی دفن مجھے شاہراہ میں اُسنے
کہ ٹھوکروں میں ہمیشہ مرا مزار رہے

نہ دشمنوں کے لئے دوستوں سے رنج کرو
کرو وہ بات کہ دشمن بھی دوستدار رہے

لڑی اشک کی جب گہر ہوگئی
تو زردی مرے رُخ کی زر ہوگئی

جو محنت پہ میری نظر ہوگئی
محبت تجھے فتنہ گر ہوگئی ◆

دیوانہ منشی بشن گوپال باشندۂ شاہجہان پور ۱۸۹۳ء سے شعر کہتے ہیں اور جناب شاد دہلوی سے مشورہ کرتے ہیں زیادہ حال باوجود دریافت نہ مل سکا۔

اگر شان دیکھے مرے بُت کی زاہد
پڑھے اُس کا کلمہ مسلمان ہوکر

بتوں کی محبت نے کافر بنایا
چلے دَیر کو ہم مسلمان ہوکر

جنازہ اُٹھائیں گی پریاں ہمارا
مرینگے معتبر سلیمان ہوکر

مزا تو یہ ہے میرے دل میں رہو تم
مری آرزو و میرے ارمان ہوکر

زندگی کی تھی شب ہجر نہ کوئی اُمید
آگئی جان میں جان آپکے آجانے سے

آپ بھی کچھ دلِ بیتاب سے کہتے جائیں	یہ سمجھتا ہی نہیں ہو مرے سمجھانے سے
اس سے بڑھکر مجھے اب اور خوشی کیا ہوگی	یار نے عہد کیا غیر کے گھر جانے سے
گھر ہے آپکا بازار ہمیں کیا مطلب	ہمکو کیا کام ہے آئے کوئی جائے کوئی

دیوانہ

دیوانہ۔ قیم الدین احمد دیوانہ سنہ ۱۹ء میں عدالتِ کلکٹری گیا میں اہلمد محکمۂ مال تھے مولانا کوثر خیر آبادی سے تلمذ تھا۔

ہوا ہے عشق میں وارفتہ ایسا	دلِ ناداں نہیں سنتا کسی کی
ہوئی برگشتہ ایسی میری قسمت	پھری ہے آنکھ مجھ سے اس پری کی
گزرتی ہے جو دل کیا بیاں ہو	نہیں امید اپنی زندگی کی

دیوانہ

دیوانہ۔ جناب حکیم سید باقر علی صاحب جیپوری۔ آپ حکیم سید منور علی صاحب متوطن جیپور کے صاحبزادے ہیں اور عرصۂ بتیس سال سے گویا سنہ ۸۰ء سے فکرِ شعر کرتے ہیں پہلے باقر تخلص کرتے تھے پھر دیوانہ تخلص اختیار کیا چند شعر نتائجِ افکار سے درج ذیل ہیں

فصلِ گل میں مرا کیوں چاک گریباں ہوتا	گر مرے ہاتھ میں اس شوخ کا داماں ہوتا
کرتے فرقت کا گلہ ہم نہ ستم کا شکوہ	غیر سے بھی جو یہ شیوہ ترا جاناں ہوتا
تمکو معلوم صنم حال ہمارا ہو جائے	دل تمہارا جو کسی پر کہیں شیدا ہو جائے
نازو انداز یہ اس شوخ ستمگر کی دلا	زندگانی جسے دشوار ہو شیدا ہو جائے
دیکھ کر حسنِ خداداد کو اُن کے باقر	آدمی کیا جو فرشتہ ہو تو شیدا ہو جائے

دیوانہ

دیوانہ۔ سید محمد فاروق صاحب گورکھپوری، دورِ موجودہ کے خوش فکر اور طباع کہنے والوں میں ہیں، نیچرل نظمیں اکثر رسالوں میں نکلتی رہتی ہیں۔

کثرتِ مشقِ تماشا دیکھنا	اُٹھ گیا آنکھوں سے پردہ دیکھنا
سب مزے دنیا کے ہیں نظروں میں خاک	لذتِ ترکِ تمنا دیکھنا
ہو کے محوِ دیدِ حسنِ گلرخان	ہو گیا میں بھی تماشا دیکھنا

اِک نظر میں خاک کر ڈالا ہمیں — کچھ تو صاحب تھا یہ کیسا دیکھنا
میری رسوائی کے ہو کے درپئے تم — ہو نہ جانا خود بھی رسوا دیکھنا

کیا کہیں شب جو حالِ دلِ بیقرار تھا — اب آئے اب وہ آئے یہی انتظار تھا
تیرِ نظر سے میں، مری آہِ رسا سے وہ — دونوں نہ بچ سکے کہ برابر کا وار تھا
خارِ الم کی دل میں خلش رات ہی سے تھی — دیکھا جو صبح کو تو جگر بھی فگار تھا
اہلِ غرض سے دور رہ صحرا میں جا بسا — دیوانہ سچ تو یہ ہے بڑا ہوشیار تھا



ردیف ڈال

ڈاکٹر

ڈاکٹر — ڈاکٹر بھولا ناتھ صاحب ملازم ریاستِ رامپور ۱۸۹۹ء - حضرت امیر مینائی کے خرمنِ فیض سے بہرہ ور تھے جدتِ خیال کے ساتھ زود گوئی اور خوش کلامی کے جوہر بھی ان کے کلام میں پائے جاتے ہیں، زبان بھی بُری نہیں، طبیعت بھی شوخ پائی ہے - اشعار ملاحظہ ہوں

نیم جاں چھوڑ کے مقتل میں نہ جا اے قاتل
تیرے کشتے تو ابھی سانس ذرا لیتے ہیں

یادِ مژگاں کی جو ہے بادیہ پیمائی میں
خوب کانٹوں کے مزے آبلہ پا لیتے ہیں

وائے تقدیر کہ ہم پھرتے ہیں مارے مارے
غیر گھر بیٹھے محبت کا مزا لیتے ہیں

ڈاکٹر ہمکو نہیں اور کوئی بیماری
دردِ اُلفت کی جڑ کوئی دوا لیتے ہیں

اُدھر پھانسی گلے میں کاکلِ پیچاں نے ڈالی ہے
اُدھر ٹٹی لگائے آڑ میں گرتی کی جالی ہے

حیا کا ہائے یہ کہنا کہ خوابِ ناز سے اُٹھئے
نہیں تو اب یہاں بوسوں کی چوری ہونے والی ہے

اے اجل تجھ سے بھی سخت اور مصیبت آئی
تو نہ آئی ترے بدلے شبِ فرقت آئی

تو نے اے چرخ کبھی چین سے رہنے نہ دیا
کٹ گیا دن تو بلائے شبِ فرقت آئی

بھولی صورت پہ یہ غصہ یہ ستم یہ شوخی
ڈھل کے کیا حُسن کے سانچے میں قیامت آئی

داورِ حشر سے فریاد بھی ہم کرنے نہ پائے
لب ہوئے بند زباں پر نہ شکایت آئی

ہو گئے فرطِ قلق سے مرے دل کے ٹکڑے
یاد وہ زخمِ جگر جب تری صورت آئی

جو تصور میں بھی آئے تو قیامت آئی
وائے قسمت کہ اُسی پر ہے طبیعت آئی

ڈاکٹر سے نہ ہوا دردِ محبت کا علاج
چل دیا چھوڑ کے جس دم تپِ فرقت آئی

ردیف ذال

ذاخر — جناب سید فرزند حسین صاحب لکھنوی عرف اچھن صاحب لکھنؤ کے مشہور خاندانِ مجتہدین سے ہیں، آپ کو اپنے ماموں جناب سید اصغر حسین خان صاحب فاخرؔ سے ابتدائے مشقِ سخن سے تلمذ رہا ہے، مولانا مہدی حسن صاحب ماہرؔ آپ کے رشتہ میں نانا تھے، مشقِ سخن خاصی ہے اور علمی استعداد بھی بُری نہیں، قاضی خلیل کے مشاعرے میں بریلی میں ملاقات ہوئی تھی اب غالباً پینتالیس برس کا سن ہوگا، کلام اور حالات بھیجنے کا اقرار کیا تھا مگر باوجود تقاضوں کے ایفا کی نوبت نہ آئی کچھ اشعار جو رسالوں سے چُنے گئے درج ذیل ہیں: ذاخر

کرنے وحشت مری شوریدہ سری کا عالم
کوئی مشکل نہیں شہروں کا بیاباں ہونا

آجتک یاد ہے زینت میں وہ غصّہ کی ادا
آئینہ توڑ کے پہروں وہ پشیماں ہونا

اُسے فریاد سے اپنی دمِ تم بدنام کرجانا
نہ کاٹے کٹ سکے طولِ شبِ فرقت تو مرجانا

اُتر کر قبر میں منھ سے کفن تم کیوں ہٹاتے ہو
لڑکپن ہی ہماری دیکھکر صورت نہ ڈر جانا

لاش ہوتی دوشِ قاتل پر تو تھا مرنیکا لطف
لیکے بسمل کو لحد تک اضطراب آیا تو کیا

رہا کچھ تیغ پر کچھ آستیں پر
نہ گرنے پایا میرا خوں زمیں پر

سیہ بختوں کی جس جا تربتیں تھیں
نہ بجلی بھی گری اُتنی زمیں پر

لحد پر بیہوشوں کا پاکے مجمع
ستارے ٹوٹے پڑتے ہیں زمیں پر

بیخودیٔ قیس کہتی تھی کہ کیوں چھپتی ہے تو
شکل تیری خود اُسے لیلیٰ نظر آتی نہیں

تم پریشاں عاشقوں کی بھیڑ سے ہوتے ہو کیوں
ہوں اگر لاکھوں پتنگے شمع گھبراتی نہیں

کھنچ آیا خونِ دل آنکھوں میں اشکوں کی روانی سے
نکالی سوزِ داغِ دل نے آخر آگ پانی سے

یقینِ مرگ قاتل کو نہیں ہے سخت جانی سے
گلے پر تیغ بعدِ ذبح بھی ہے بدگمانی سے

ہزاروں حسرتوں کا بسملوں کی خوں ہوا قاتل
تڑپنے بھی نہ پایا کوئی خنجر کی روانی سے

یہ خونِ قلب ہے مہندی بھرے ہاتھوں کا نقشا ہے
جو مٹھی بند ہو دل ہے جو کھلجائے تو دریا ہے

لیا ہے دل کسی کا یا چمن سے پھول توڑے ہیں
ذرا ہم بھی تو دیکھیں آپکے دامن میں کیا کیا ہے

سر طور سے کلیم اللہ کیسے ہوش کی باتیں
جسے دیکھے نہ کوئی اُسکے ملنے کی تمنا ہے

نزع میں وہ دیکھنے کو آئے ہیں
دم نکلتا بھی ہے دیکھا چاہیئے

جسکے گھر میں بعد مدت کے وہ آئے
شادمانی اُسکی دیکھا چاہیئے

آکے تڑپا جائیں جس دل کو وہ خود
بیقراری اُسکی دیکھا چاہیئے

لحد میں نیند تھی ایسی کہ کچھ ہوئی نہ خبر
جگا جگا کے تھکا مجکو شور محشر بھی

مجھے رقیب اُسنے گر جگہ دی نہ کر غرور برہمن میں اُسکی
یہ بچپنا ہے کہ عکس کو بھی وہ آئینہ سے اُٹھا رہا ہے

عیاں ہیں سامان سرور و غم کے ہیں ظلمت و نور گرد میرے
کوئی حسین سر کے بال کھولے چراغ مرقد جلا رہا ہے

کچھ ایسے کانپتے ہیں ہاتھ گردن پر ستمگر کے
رگوں سے خط الگ پڑتے ہیں وقت ذبح خنجر کے

مجھے کیا دخل دل کو جس طرح چاہو کرو برباد
مگر اتنا سمجھ لو رہنے والے ہو اِسی گھر کے

نکلتے ہیں یہ جتنے اُتنی ہوتی جاتی ہے تسکیں
ہیں آنسو کیا شب فرقت میں ارمان قلب مضطر کے

وہی احباب جن سے زیست میں کیا کیا اُمیدیں تھیں
چلے جاتے ہیں اپنے پاؤں میری قبر پر دھر کے

اثر یہ جذبۂ اُلفت کا بعد مرگ بھی تھا
وہیں وہ بیٹھ گئے قبر تھی جہاں میری

ذاکر

ذاکر۔ ہزار کوشش و تلاش کے باوصف اِس پُرگو شاعر کا نام معلوم نہ ہوسکا ضخیم دیوان کے معائنہ سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ دہلی سے آصف الدولہ کے وقت میں لکھنؤ گئے، اور اُنکی شاہانہ داد و دہش سے فیض اُٹھایا - امجد علیشاہ کے وقت تک زندہ تھے حضرت ناسخ سے ہمعصرانہ مراسم تھے - پُرگو از حد تھے اور ۶۶ جزو کے قلمی دیوان میں فحش و غیر مہذب کلام کے جابجا نمونے ملتے ہیں، ایک خصوصیت اور ہے کہ غیر مانوس ردیف اور قافیوں میں خوب خوب طبع آزمائی کی ہے - اِس سے شبہ ہوتا ہے کہ شاید شاہ نصیر کے شاگرد یا ہم مشق رہے ہوں، اِنکے قادر الکلام اور مشاق ہونے میں شبہ نہیں متروک الفاظ اکثر پائے جاتے ہیں - آخر عمر بہت غربت اور بے سر و سامانی سے

گی۔ اب دیوان کا انتخاب ملاحظہ ہو۔

ہمدموں کیا کہوں احوال دل اپنا تھے
تھے اپنے تھے جسے سو وہ پرایا نکلا

وہ دن تو مجھکو ہنستے ہی بس کٹ گیا تمام
جس روز ہمکو وہ گل خنداں نظر پڑا

موتی مونگا اُسے ملتا تھا دہلی وہ ستی
سب میں کوڑی کو جسنے کہ بچھوڑا کیا کیا

شاہ نصیر الدین حیدر کو خدا قائم رکھے
کون کون ہمنے نہ دیکھا اُس کا نائب ہو گیا

وہ نگاہ لطف اب اُسکی نظر آتی نہیں
عشق اپنا اُسپہ شاید آشکارا ہو گیا

نام تو باقی رہا دینے سے اُس کا دہر میں
صرف گو حاتم کا سب مال و خزانہ ہو گیا

جب مری جانب وہ نظر کر گیا
سینہ میں سو ٹکڑے جگر کر گیا

منتیں کیں میں نے بہت شوخ کی
پر نہ مرے پاس ٹھہر کر گیا

ہم کہتے ہیں یا قتل کر دیا بوسہ دو لب ملنے کا
اِن دو باتوں میں تم سے اب بھی نہوا وہ بھی نہوا

شیخ جی ہو کے تھے لیسے کہ سیئسوں سے مانگ
تھا جو گھوڑے کا وہ ستیا رہیلا کھایا

آیا پڑسے کو جہاں قاضی کی لونڈی جو مری
جب موئے قاضی تو پھر کوئی نہ دیکھا آیا

غور کر دیکھا تو ہے رو دریا کا یہ مقام
کوئی بیکس کا اُٹھانے نہ جنازہ آیا

گھروں میں تو ہوا اندھیرا اور دیئے مسجدوں میں
ہمنے جلائے گھی کے جا کر دیئے تو پھر کیا

احسان کرے لاکھوں رکھے منہ پہ تو ہیں خاک
اِس طرح کا مُو بھر ترا احسان نہ کھٹکے گا

میٹھی نظروں سے وہ اُس کا دیکھنا
ہائے میرے واسطے کیا سم رہا

جبتک کہ پاس دل رہا اندیشہ ہی رہا
جلنے سے دل کے اب مجھے آرام ہو گیا

ہمارے سینہ کا کیونکر نہ ہووے داغ نیا
نہ تیل بتی ہے جلتا ہے یہ چراغ نیا

دل دیکھ اُسے کس کا تماشا نہیں پھٹتا
ہر چشم سیہ کا یہ بادام نہیں پستا

یہ بات جو میں سونچا دیکھیگا ہر اک لیکر
تصویر بنا اُسکی بہزاد بہت رویا

پوچھا اُس شوخ سے میں نے یہ بھلا کسنے
ق
ڈال کر میوہ برابر کا بنایا میٹھا

ترش رو ہو کے لگا کہنے تھیں اس سے کیا
جسکو جی چاہا اُسے ہنسنے کھلایا میٹھا

کیوں جور و جفا کرتے ہو پوچھا جو کسی نے
کہتا ہے یہ میرا ہے گنہگار محبت

یوں ہولی کھیلتے دیکھا ہے ہم نے آصف کو
گلال سیکڑوں من اُڑتا تھا عبیر سمیت

یہ ہوتا ہی نہیں معلوم کیوں یہاں سے رئیس
نکل گئے ہیں بہت مبلغ خلیہ سمیت

جو بخشوا لئے گئے شیخ ان سے اپنا گناہ
وہ بولیں بخش دیا میں نے بلکہ شیر سمیت

جو چار دن سے لگے کہنے شعر ہیں گے اب
وہ طعن کرتے ہیں سودا پہ بلکہ میر سمیت

دم غلامی کا جو کہ بھرتا ہو
بندگی اپنی سے نہ کر آزاد

محبت ذاکر تماشا دیکھا کہ چند روز نہیں اپنے آگے
جنھیں نہ آتی تھی بات کرنی وہ کرتے باتیں بنا بنا کر

جو ہیں اُس شوخ نے پھینکا نگہ کا تیر گردوں پر
وہیں بس ہو گیا مرغ سحر نخچیر گردوں پر

سُنا اُسکو جو ٹھوکر مار کر مردے جلاتا ہے
مسیحا ہو گئے جی اپنے میں دلگیر گردوں پر

شفق پھولی نہیں ہرگز بہا ہے خون دونوں کا
مہ و خور میں ملی ہے آج کیا شمشیر گردوں پر

یہ گل تو کیا ہیں باغ جہاں کے منہ اُس کا دیکھ
کھاتے ہیں رشک سب گل باغ جناں تلک

نازک مزاج جتنے ہیں وہ سونگھتے نہیں
چھپے کے سکھتے پھولوں کو ہیں ورد سر کے پھول

مار کر منہ پہ طماچوں کو چھڑا دیوے نسیم
اپنی منقار سے گر گل کو اُٹھا لے بلبل

کیا حسن بیاں کروں میں اُس کا
بس دیکھ کے اُسکو مر گئے ہم

سمجھا نہ ہمیں وہ اپنا عاشق
جاں اپنی سے مفت پر گئے ہم

عیاں جو اُسنے کیا وہ عیاں تو سب پر ہے
نہاں جو اُسنے کیا وہ نہاں نہیں معلوم

موسم گل قید میں گذرا تو اے صیاد ہم
کیا کرینگے اب قفس سے تیرے ہو آزاد ہم

خوف کے مارے جو منہ پر نہیں کہتے تجکو
جان لو دل میں وہ اپنے بخدا کہتے ہیں

پی کے مے زاہد تو گلیوں میں پڑے ہیں لوٹتے
شیخ افیوں کے نشے میں بوتے میں ناک میں

قطعہ

رکھے الہ امجد علی شاہ کو مدام
دیتا دعا ہر ایک اُسے راہ باٹ میں

ذاکر

لندن کے تو ہوا ہوش ٹپل لیا تھا بنا — ہوتی تھی گفتگو یہی شہ اور لاٹ میں
ذاکر نے بدکے سب کو قلم رو میں کہا — بنوا یا شہ نے آہنی پل راج گھاٹ میں

نہ آیا حیف وہ ظالم کہا تھا جسنے آنے کو — بڑی قسمت ہے اپنی دوس کیا بیجے بگانے کو
کو سپنچے سے اپنے سمجھے ہے جو اُٹھانا مجکو — بیٹھنے کا بھی بتا دے تجھے ٹھکانا مجکو

آنکھ اُٹھا کر تو دیکھو میری طرف — بات گو مجھ سے اب بھلا نہ کرو
یہ میں جانوں ہوں دوگے آخر رنج — باتیں کر دل کو مبتلا نہ کرو
بات آگے نہ کر سکا کوئی — آنکھیں ایسی دکھا گئے سب کو
مرنے کے بعد آب ندامت میں غرق ہوں — تر کرتا بار بار پسینا کفن کو ہے

ہے یقیں مجکو یہ دل میں کریں اُسکے تاثیر — پہنچیں اُس تک جو مری آہ رسا کے جھوکے
قشقا ہے کھینچا جب سے بُت پر جمال نے — اسلام تب سے ترک کیا شیخ و شاب نے
انگڑائی لیجئے تو جو اُٹھا جی پھڑک گیا — کیا پیاری میرے دل کو تری یہ ادا لگی
سب کالے بال ہوگئے ڈاڑھی کے شیخ کی — ترکیب ایسی یاد ہے اُن کو خضاب کی
مجھ سے وہ آزردہ یار دیکھئے کب تک رہے — دل یہ مرا بیقرار - دیکھئے کب تک رہے

ذاکر ذاکر مولوی ذاکر علی بنارسی خلف مولوی فضل علی شاگرد مصحفی صاحب دیوان گذرے ہیں مشاق شاعر اور بڑے سخن سنج مانے جاتے تھے نزاکت خیال کے ساتھ مضمون آفرینی کا بھی شوق تھا۔

شب جو باتوں میں وہ مہ پیکر بہل کر رہگیا — رنگ سو سو طرح سے گردوں بدل کر رہگیا
لیلی کا جب کہ نجد سے محمل نکل گیا — آرام قیس لاکھوں ہی منزل نکل گیا
لالۂ صد رنگ پھولا کوہ پر تو کیا عجب — کوہکن کا خون کیا کیا رنگ ابھی دکھلائیگا
شب جو نالاں بیکسی سے یہ دلِ صد پارہ تھا — آسماں سے خونفشاں ہر دیدۂ سیارہ تھا
چلنا ہے وہ قیامت اُس شوخ نوجواں کا — برپا ہے ہر قدم پر اک شور الاماں کا
یہی ہے گر حالِ دلِ سوزاں گرینگے جلکر فلک زمیں پر — یہی ہیں نعرے تو دیکھ لینا کہ حشر ہے حشر تک زمیں پر

دل لے کر گیا حرم سے اب بُرہیں بسا ہی پتلیوں تک خون ہو لختِ جگر آنے لگے	دل میں صنم صنم ہے لب پر خدا خدا ہو لعل احمر سنگِ موسی میں نظر آنے لگے
جا بہ خانۂ زنداں کو کیا ہے چشم تر خوں نے	مری زنجیر پر زنگ جڑ دیئے ہیں اشکِ گلگوں
طوفانِ آتشیں پہ ہے عمرِ رواں مری تو دستِ برہمن سے مار اٹھے گا زاہد	شورِ تنور آب زدہ ہے فغاں مری ناقوس لے ستمگر لوٹا تو عکیا ہے

ذاکر

ذاکر میر جان مرحوم خلف میر فخر الدین ماہر لکھنوی، اپنے والد کے شاگرد تھے سنہ ۱۲۷۰ھ قریب انتقال کیا، اشعار تمسخر آمیز کہتے تھے، اہلِ مشاعرہ اکثر انکا کلام سن سنکر لوٹ لوٹ جاتے تھے، یہ چند شعر انکے ہاتھ آئے، ہدیۂ ناظرین کیئے جاتے ہیں +

ہوتا ہے جنکو نزلہ تو ذاکر سنا ہے یہ	سمجھے ہے ناس لینا وہ اکسیر ناک ہیں
اُس کو بھی کیسے خلق میں وہ زن مرید ہے دو دانت بڑھکے آگے کے آئے ہیں یہ نکل ذاکر ہیں اُنکے در پہ بہ بیٹھا کر رہ گئے	خلوت میں جو پڑے کوئی اپنی دولہن کے پاؤں سمجھو تو شیخ جی کے یہ دو ہیں دہن کے پاؤں ہل سکتے اب ذرا نہیں مجھ خستہ تن کے پاؤں

ذاکر

ذاکر مرزا ذاکر الدین بہادر گورگانی از اولاد میرزا جواں بخت ولیعہد اول شاہ عالم ثانی چونکہ وہ خود بنارس جا رہے تھے اس لیئے انکی اولاد وہیں محلہ شوالہ میں مقیم رہی۔ شاگرد مرزا قادر بخش گورگانی دہلوی، وقت پسند طبیعت پائی تھی اور اکثر مضامین اس طرح باندھتے تھے کہ صفائی سے دور جا پڑتے تھے تاہم مشاق سخنور تھے ۱۸۷۸ء تک زندہ سلامت موجود تھے اور سرکار سے اپنی خاندانی پنشن پاتے تھے +

کوہکن کا سر سمجھکر روئی وہ تقدیر پر اتنا لاغر ہوں کہ پھنس جاؤں میں اسمیں مثلِ دم وہ ہیں محو خود نمائی اور ہم محوِ خیال کھو دیئے ذاکر مئے مایوسی و حرماں نے ہوش	جب حباب آئے نظر شیریں کو جوئے شیر پر لپٹے گر تار نگاہِ مور مجھ و تکبیر پر دست اندازی ہو کیا تصویر سے تصویر پر گردشِ ساغر کا شک ہے گردشِ تقدیر پر

عشق صادق کا اثر ہے آہِ آتشبار میں — آ کے بلبل غنچے بنے بلبل تری منقار میں
پھر آنکھیں اسکی ہوں جانے جو مجھ وحشی کا تن — دیدۂ آہو بنے جوہر تری تلوار میں
ہو خوشی کے دھیان تک ذاکر کو استغراق یہ — ان دونوں مسکن بنایا ہی تجلی زار میں

خاک اڑانے کی تمنا گر ہمیں وحشت میں ہو — پھر زمیں سو کوس اونچی تجھ سے چرخ پیر ہو
عاشقوں کے ہاتھ پہلے کاٹتے ہیں وقت قتل — تا قیامت میں نہ کوئی اُن کا دامن گیر ہو
ہوں وہ افتادہ جو بعد مرگ ہو اُٹھنے کا قصد — موجۂ ریگِ رواں کی پاؤں میں زنجیر ہو
بے وسیلہ وصلِ معشوقوں کا ہے مجھکو پسند — پونچھ ڈالوں آنکھیں گر سرمۂ تسخیر ہو
روشنی ایسی نہ تھی ذاکر تمہاری نظم میں — دھیان میں شاید کسی کا روئے پُر تنویر ہو

مری حیات کا باعث وہی نگار رہے — بجائے رُوح بدن میں خیالِ یار رہے
دباؤ نعش کو گردِ نگاہ گُلرو میں — کہ میرا حُسن کے گلزار میں مزار رہے
دکھاؤ آتشِ رُخ پر ہلالِ ابرو تم — کہ جس سے نعل درآتش یہ دلفگار رہے
جُدا رُخ سے زلف اے قمر ہو گئی — تماشا ہے بے شب سحر ہو گئی
شبِ وصل وہ کا تھا کیا اے خدا — ذرا آنکھ جھپکی سحر ہو گئی
یہ تڑپے پس مرگ مدفن میں ہم — زمیں ساری زیر و زبر ہو گئی

ذاکر

ذاکر مولوی محمد ذاکر علی باشندۂ قدیم قصبہ شاہ پور ضلع فتحپور ہسوہ، بہ سبیل روزگار ابتدائے سن شعور سے مختلف اضلاع میں رہے چنانچہ سنہ ۱۸۶۵ء میں کئی سال سے آگرہ کی کمشنری میں سررشتہ دار تھے استعداد علمی معقول تھی، اِنکے کلام سے پایا جاتا ہے کہ فکر سخن میں مضمون پیدا کرنے کا خیال بہ نسبت ادائے بیان میں سلاست اور صفائی پیدا کرنے کے زیادہ رہتا تھا اِس لیئے باوجود اِسکے کہ بڑے پُر گو کہنے والے تھے کلام میں سادگی۔ روانی اور صفائی کا عنصر کم ہے، میرزا حاتم علی بیگ مہر کے مشورہ سے شعر کہتے تھے جو اُس زمانے میں آگرہ کے شعرا کے سرتاج مانے جاتے تھے، اور فی الواقع ایک مسلم الثبوت اُستاد اور اپنے

وقت کے مشاہیر میں ہر طرح ممتاز تھے، دیوان نغمۂ بہار نامی اٹھارہ بیس برس پر اُس زمانہ میں چھپا تھا، ذاکر، منشی خادم حسین رئیس، صفی امروہوی، ماہ لکھنوی، بزم اکبرآبادی وغیرہ سے ہم صحبت رہتے تھے، فارسی میں بھی ایک مجموعہ مختصر ان سے یادگار ہے۔ طولانی غزلوں میں بھی بمشکل ایک دو شعر مغلق اور پیچیدہ تراکیب سے معرا نکلتے ہیں، مگر ہمنے حتی الوسع صاف عاشقانہ زبان کے اشعار چنے ہیں دیوانِ مطبوعہ کا از سرتاپا انتخاب اپنی پسند کے موافق ضیافت طبع یقین قارئین کے لیئے مہیا کیا جاتا ہے اس میں ہمنے اخلاقی مضامین ارادتاً زیادہ چنے ہیں ؂

وہ شائق ہوں کہ اپنی جان شیریں دیکے کھاتا ہوں
سچ کو پوچھو تو کچھ جھوٹ سے حاصل نہیں ہوتا

بہت میٹھا ہے پھل قاتل تری شمشیر براں کا
سرسبز کبھی دعوئے باطل نہیں ہوتا

کہدو یہ خریداروں سے مول اسکا نہ پوچھیں
رہبر راہِ حقیقت ہے غمِ عشقِ بتاں
میں غم کو، مجھے کھائے جاتا ہے غم
آجتک کیا نہ ہوا اور نہ ہوگا کیا کیا

جو دے نسکے کوئی وہ بیعانہ ہے اُس کا
وہ مصیبت پڑی سر پر کہ خدا یاد آیا
وہ میری میں اُس کی غذا ہو گیا
دیکھا اور دیکھیں گے دنیا کا تماشا کیا کیا

دل ہی دل میں میری باتوں سے کٹے جاتے ہیں غیر
رکھتی ہے میری زباں قاتل اثر تلوار کا

عطر ہے جس کا پسینہ وہ بدن کیا ہوگا
بال بکھرے ہیں تو کیوں اتنے پریشاں ہیں جنوں

گالیاں جسکی ہیں شیریں وہ دہن کیا ہوگا
نہوا زلف میں شانہ تو بلا سے نہ ہوا

غیر سے ہم کنار کیا کہنا؟
نہ چلا دیجے آسمان سے کبھی
وہ خانم سے تم اُنہیں ذاکر

مجھ سے ملنے میں عار کیا کہنا ؟
میرے مشتِ غبار کیا کہنا ؟
کئے جاتے ہو پیار کیا کہنا ؟

پہلے کہاں تھا خاطرِ جفا سے تو آشنا
آفتابِ رخِ پُر نور کی تابش ہے غضب
ہم پری کہتے ہیں اُنکو وہ ہمیں دیوانہ

اتنا ہمیں نے او ستم ایجاد کر دیا
دھوپ جلنے لگے پڑ جائے جو سایہ اُنکا
ایک مدت سے یہ جھگڑا ہے ہمارا اُنکا

ذاکر جو ملی کے ساتھ نہ کیوں پی لیا کروں
زاہد پئیں تو قسم کھائے گو اک ساغرِ شراب
ہو سکے ساقی سے تر شرو جو دیا جامِ شراب
یمن نے یوسف جو کہا کہنے لگے پیارے سے آپ
تو نے جو عیادت کل کا ہے وعدہ کیا

کرتی ہے دل سے دور غمِ دو جہاں شراب
ورنہ کب جنت میں دینگے ساقیِ کوثر شراب
سمجھے ہم سر کہ بھی ہے داخلِ اقسامِ شراب
کچھ مجھ سوا نہیں لائے ہیں بازار سے آپ
تندرستوں سے بھی اچھے ہیں ترے بیمار آج

وے ہیکا ساتھ خط کے صبر و قرار
پھر نہ جائے خدا سے آ ذاکر

اب مرے پاس کیا رہا قاصد
ہو کے اس بت سے آشنا قاصد

ہوں وہ وحشی کہ نہیں چین مجھے گھر باہر
کریں تجویز کیا منشوئی تحریرِ قسمت کی
چلے جو اپنی خیر تو جائے دشتر کے پاس ؎

گھر سناتا ہے جنوں پڑتے ہیں پتھر باہر
خدا کے گھر سے آیا ہے یہ جھگڑا فیصلہ ہو کر
ہو جس بشر میں شر نہ ہے اس بشر کے پاس

ہو کے مفلس بھی نہ شاکی ہوئے تقدیر کے ہم

شکر ہے صبر کی دولت تو بچی زر کے عوض

واں پہنچکر سب مرے ہو جاتے ہیں بیکار خط

بھاؤ میں ردی کے بکتے ہیں سرِ بازار خط

کیا خاک ہو غمِ دل اندوہگیں غلط
نہیں ان دو بلاؤں سے کہیں چین
رہا ذاکر نہ بعدِ حضرتِ مہر

لکھا نصیب کا بھی ہوا ہے کہیں غلط
جہاں دیکھو زمین و آسمان ایک
زمانے میں سخن کا قدرداں ایک

کترا کے نکل جاتے ہو کیوں راہ میں ہم سے
کھانا مِسن منہ کے تراجی سے گزر جاتے ہیں
اللہ رے بیخودی نہیں اتنا بھی ہم کو ہوش

عاشق ہیں تمہارے کوئی رہزن تو نہیں ہم
سینکڑوں ہی تری ہر تان پہ مر جاتے ہیں
بیٹھے ہیں کس کے پاس کہاں ہیں خبر نہیں

ٹھیرے یہ پاس آپکے ممکن کبھی نہیں
گھر آپکے بچشمِ گہربار آئے ہیں۔

لیجاتا میرے دل کا کوئی دل لگی نہیں
ہم نذر دینے موتیوں کا ہار لے کے ہیں

کروں میں کس کس پہ لکھو منتوں ہیں جی بڑا کم سی کم ہزاروں

خدا ہی کو اپنے کیوں نہ مانوں کہ ہے وہ تنہا صنم ہزاروں

کہوں نہ کیا حال اپنے جی کا نہیں ہے پرساں کوئی کسی کا
مری مصیبت نہ پوچھو کیا ہے بلا کا ہر وقت سامنا ہے
دِل نہ بیچتے ہیں ایک صنمِ خوش ادا کے ہاتھ
دکھائے لطف یہ گردش نے مجکو غربت میں
تمام عمر سفر میں بسر ہوئی اپنی
کہتے ہیں وہ دکھلا کے مجھے کاکلِ عارض
مثل اُس کا نہ دیکھا نہ جواب اس کا سُنا ہے
عاصی ہوں لاکھ پھر بھی جو تو چاہے اے کریم
پہچانوگے نہ کعبہ کا رُخ بھی جناب شیخ
بیان کیا وہ کیا ہو اُسکے کہ سایہ تک جسکے دور بھاگے

ظاہر اس میری بیکسی کہ ایک میں اور غم ہزاروں
دِل اپنا اُس زلف میں پھنسا ہے کہ جیسے [illegible]
قیمت وہی خوشی سے جو دیجئے اُٹھا کے ہاتھ
جہاں رہے یہی سمجھے کہ ہم وطن میں رہے
مسافرانہ بھی اِک دن نہ ہم وطن میں رہے
لو دیکھو کہ ہوتی ہے شب ایسی سحر ایسی
کس مُنہ سے کہیں ہم دہن ایسا کمر ایسی
جنت کو فخر تیرے گنہگار سے ملے
گھر تک جو اِن بتوں کے خدا کی قسم گئے
ملا سکے آنکھ اُس پری سے کسی بشر کی مجال کیا ہے

موت میری شکل سے بیزار ہے
پھیک دونگا پھاڑ کر فردِ گناہ
تم کہے جاتے ہو میں خاموش ہوں

زندگی کی کیا ہو صورت دیکھئے
واں مری دیوانگی کام آئے گی
میں کہوں تو بات کیا رہ جائیگی

ذاکر

ذاکر – شیخ برکت اللہ صاحب دہلوی۔ صاحبِ دیوان ہیں، حالات باوجود کوشش مُہیا نہ ہوسکے نہ دیوان سے کچھ پتہ چلتا ہے طباع اور ذہین شخص معلوم ہوتے ہیں، زبان اور بندش دونوں اچھی ہیں اور اُس میں معرفت کا رنگ اچھی طرح نمایاں ہے، دیوان کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

کعبہ میں بتکدہ میں ڈھونڈا ہے خوب تجھکو
روزِ الست سے اِک سرشار ہم نہیں ہیں
ہر رنگ میں عیاں ہے ہر شکل میں نہاں ہے
بجلیاں دل پہ گراتا ہے ہزاروں ظالم
یہ بھی ہے جذبِ محبت کا کرشمہ کوئی

آخر کو ہمنے پایا دل میں مقام تیرا
عالم ہے مست پیکر وحدت کا جام تیرا
گر تو نہ دیکھے اُسکو تو ہے قصور تیرا
محفلِ غیر میں یہ آنکھ لڑانا تیرا
تیغ کھنچتی ہے کھنچا جاتا ہے کچھ دل میرا

[illegible] ہے آبلہ پائی جنوں سے آج
شوخی زبان ہے سرِ ہر خار دیکھنا

[illegible] لغزت ہی گر جو دیکھ شوقِ خور میں
شیخ صاحب کی ذرا پرہیزگاری دیکھنا

[illegible] کے سر کو خوش تر از بجور ہو گیا
اِک دردِ سر تمہارا روز کا اب دور ہوگیا

اس قدر چمکے شبِ ہجراں کہ اختر بن گئے
دِل کسو اغوش اندھیرے میں اُجالا ہوگیا

ہم نہ کہتے تھے نہ دیکھو آئینہ یہ کیا ہوا
کِس لیئے ششدر ہو گئے کیوں تمکو سکتا ہوگیا

سیلِ گریہ میں تصور اُنکی مژگاں کا رہا
ڈوبنے والوں کو تنکے کا سہارا ہوگیا

بن گئی ہے دم پہ کیا ای حضرتِ ذاکر کہو
تمکو کیوں دشوار اب راتوںکا سونا ہوگیا

پھر مجھے لیجا کے واں رسوا کیا
جو کیا اے دل بہت اچھا کیا

یہ سُنا ہے غیر سے شکوا کیا
شکر ہے کچھ ذکر تو میرا کیا

ملکے روئیں مجھ سے میری حسرتیں
حسرتوں سے ملکے میں رویا کیا

لختِ دل آنکھوں سے نکلے تو کہا
دیکھ آگے آگیا تیرا کہا

کہاں کسی ہیں یہ خود نمائی کہاں کسی ہیں یہ دلربائی
اگرچہ دیکھی بہت خدائی پر ایک تسالمتیں کو دیکھا

آئے ہیں بن سنور کر پہلو میں عاشقوں کے
ارماں بڑھا گئے ہیں کچھ اور رات ڈھل کر

زلفِ عارض پہ کھا رہی ہے بل
چھائی کالی گھٹا ہے گلشن پر

چار تنکوں نے گل کھلائے ہیں
بجلیاں لوٹ ہیں نشیمن پر

دلِ غم اگر تصدق ہوگیا شبہائے ہجراں پر
فغاں پر، آہ پر، فریاد پر، حسرت پر، ارماں پر

قیامت ٹھوکریں کھاتی ہے فتنہ پاؤں پڑتے ہیں
عجب انداز سے آتے ہیں وہ گورِ غریباں پر

نگاہِ لطف کی تیری یہ ادنیٰ کارسازی ہے
کہ میرے کام جو مشکل تھے آساں ہوتے جاتے ہیں

بے حجاب آج کس نے دیکھ لیا
بات کہیے تو شیخ جی دِل کی

کیوں تیغ دو دم آج تمہے زیبِ کمر ہے
خوں ریزیِ عشاق مگر مدِ نظر ہے

مجھے آتی ہے غیرت ہوں غریقِ بحرِ عصیاں ہوں
مری تر دامنی سے ہوگئے لب خشک ساحل کے

ذاکر

ذاکر منشی عنایت خاں ذاکر سنہ ۱۹۰۹ء میں کراچی بندر میں ریلی برادرز کے دفتر میں ملازم تھے، اُس زمانے کی چند غزلیں ہاتھ آئیں اُنکا انتخاب موجود ہے۔

بتوں سے ہو دن رات صحبت ہماری	دکھاتی ہے کیا دیکھیں قسمت ہماری
چلو آج چلکر پئیں شیخ صاحب	کسی دن تو سن لو نصیحت ہماری
ہم اے شیخ کیا حور لیکر کرینگے	ملیگی نہ اُس سے طبیعت ہماری
وطن جاکے باہم ملیں دوستوں سے	کہاں ایسی ذاکر ہو قسمت ہماری

ذائق

ذائق۔ جناب منشی عبدالعزیز لکھنوی عرصہ تک کراچی بندر کی نیو سٹار و وکٹوریہ تھیٹریکل کمپنی میں ڈراما نویس رہے، اِس روزگار کے سلسلہ میں تمام ہندوستان کی سیاحت بھی کئی مرتبہ بخوبی ہوگئی اب ۴۰ برس کے قریب عمر ہوگی سنہ ۱۹۰۰ء میں نامی پریس کانپور میں بھی ملازم رہے مفصل حالات کے لئے بارہا احباب لکھنؤ سے تقاضا کیا، کسی سے جواب باصواب نہ آیا اشعار بہم رسیدہ کا انتخاب یہ ہے۔

نہ کہنا شب وصل مانا کسی کا	غضب ہوگیا ضد پہ آنا کسی کا
باقی ہے میرے دل میں خدا جانے کیا اُمید	فرقت میں دم لبوں پہ ہے مرتا نہیں ہوں میں
بے دین کردیا بتِ کافر کی چاہ نے	ڈرسے خدا کا نام بھی لیتا نہیں ہوں میں
شب بھر مجھے چھاتی سے لگائے تھا کوئی شوخ	اِس خواب کی تاثیر کا کیا دیکھیں اثر ہو
شوخی تو یہ دیکھے ستم ایجاد کی کوئی	کہتا ہے وہ ہمسے کہ نہیں بانی شر ہو
وفا کیا کرینگے کسی باوفا سے	ستم کرنے والے جفا کرنے والے
شرمندہ ہے قمر ترے گالوں کے سامنے	سنبل کو پیچ و تاب ہے بالوں کے سامنے
شوخی تمام بھول گیا چرخ کج ادا	چکر میں آگیا تری چالوں کے سامنے

ذائق

ذائق شیخ منیر اللہ کانپوری شاگرد حاذق دور موجودہ کے شاعر ہیں اور یہ کلام ہے

شیدائے چشم میگوں مستانہ ہوگیا ہے	مجنوں ہیں جو ہیں کہتے دیوانہ ہوگیا ہے

[illegible] چھٹ نہ پتا ہے سے جو واعظ — تیرا طریق بالکل رندانہ ہوگیا ہے
ہم کو ہم بتاں میں چکر لگا رہے ہیں — زاہد ہمارا کعبہ تجانہ ہوگیا ہے
دل میں بتوں کی الفت ذکرِ خدا زباں پر — واعظ کی کچھ نہ پوچھو دیوانہ ہوگیا ہے

ذبیح ذبیح۔ مرزا امان علی عظیم بہادر بقولِ نساخ شیعہ عقائد سے توبہ کر کے سُنی ہو گئے تھے اور ۱۸.. تک حیات تھے +

اسقدر تو ہو رجوع قلب عاشق سوئے دوست — مُنہ جو دشمن کا نظر آوے تو سمجھے روئے دوست
پھر یہی سر ہے کہ اب ہے اپنے زانو پر سدا — یا اِسی کو تھا میسّر تکیہ زانوئے دوست

ذبیح ذبیح۔ نواب اسمٰعیل خان ذبیح معروف بہ اچھے میاں، بریلی کے رؤسا میں نواب حافظ الملک رحمت خاں کی اولاد میں تھے، محمد ابراہیم خاں کے بیٹے اور نواب عبدالعزیز خاں عزیز مرحوم کے بھتیجے تھے۔ سترہ اٹھارہ برس ہوئے پچاس برس کی عمر میں انتقال کیا۔ یہ اُنکے کلام بہم رسیدہ کا خلاصہ ہے جو بڑی دقت سے معرفت شفیقی و مکرمی قاضی محمد خلیل صاحب رئیس بریلی دستیاب ہوا +

حافظ آتشِ حب ہے دلِ بیتاب اپنا — آگ اُسپر ہوئی قائم وہ ہے سیماب اپنا
عشق نے ہمسے ازل ہی میں لیا تھا آرام — آنکھ بھی پائی نہ تھی جب سے گیا خواب اپنا
وہ ہوں حباب کہ قطرہ مئے عالم کا تھا — اُبھار لائی ہے اِس نشہ میں ہوائے شراب
اثر شکستہ دلی کا ہے جسمِ لاغر پر — شکن کی طرح پڑا ہوں میں اپنے بستر پر
ملاسئے کوئی بُت تو اُسے دل میں جگہ دیں — کعبہ کے لیئے ڈھونڈتے پھرتے ہیں صنم ہم
تسکین مجھ سے ہو جو کسی تشنہ کام کی — لے آبِ تیغ یہ بھی ہے اک بات کام کی

ذبیح ذبیح۔ مولوی سید محمد اسمٰعیل ساکن تحصیل چھبرا مئو ضلع فرخ آباد ۱۲۶۲ہجری سالِ ولادت ہے۔ نیک نفس خلیق، اور پاک باطن شخص ہیں۔ عربی۔ فارسی کی قابلیت معقول رکھتے ہیں ابتدائے عمر میں معلمی کرتے تھے، معلمی کے بعد اپنے بھائی مولوی محمد عمر مرحوم کی تحریک

سے وکالت کا امتحان دیا اور پاس ہو گئے، جب تک اِنکے برادر مذکور مع گروہ ...
رہے یہ اور مقاموں میں رہے اُنکی رحلت کے بعد فتح گڑھ میں وکالت شروع کی ...
وہیں وکالت کرتے ہیں، شعر و سخن کا ابتدا ئے عمر سے شوق ہے، فارسی زبان میں ...
فکر سخن کرتے ہیں بلکہ اُردو سے زیادہ اس طرف توجہ ہے، نواب فصیح الملک جہاں
اُستاد حضرت داغ دہلوی مرحوم کے جاں نثار شاگردوں میں ہیں، اگرچہ کسی وقت اپنے
اُستاد کی زیارت سے مشرف نہیں ہوئے مگر انکی عقیدت اور ارادت کی وہ حالت ہے
جو ہر وقت کے حاضر باش کو بھی نہیں ہو سکتی، نہایت زندہ دل اور عجب بے فکر طبیعت پا...
ہے، اگرچہ وکالت کا کام وہ ہے جو آدمی کو دوسری طرف متوجہ نہیں ہونے دیتا مگر جنا...
فرنیچ اسکے ساتھ ساتھ اپنے تمام دلچسپیوں کے مشاغل بھی نہیں چھوڑتے، شکار اور شاعری
دونوں کا شوق برابر ہے - بلکہ یہ التزام ہے کہ سال کو تین فصلوں پر منقسم کر کے
ایک ایک فصل کے لیئے اپنا ایک ایک کام مقرر کر رکھا ہے، یعنی چار مہینے قانونی خدمت
چار مہینے شاعری، چار مہینے شکار، غرضکہ عجب رنگ کے آدمی ہیں - زندہ دلی میں فرد ہیں
اکثر شاعری بھی کرتے رہتے ہیں، ۳۰ برس سے مشق سخن ہے اور بدرجۂ اوسط سب خوبیاں
انکے کلام میں موجود ہیں *

ہاں ہٹ کے ذرا راہ سے اے گیسوؤں والے	بھڑ جائے نہ تجھ سے دل دیوانہ ہمارا
نگاہیں قیس کی ٹکرا رہی ہیں سر قیامت سے	اُٹھا دے اے صبا اللہ تو ہی پردہ محمل کا
اِدھر شوقِ شہادت سے رگوں میں خون کی طغیانی	اُدھر چل چل کے رُک جانا گلے پر تیغ قاتل کا
ہزاروں بیگنہ دن رات یونہیں قتل ہوتے ہیں	نہ دم رُکتا ہے خنجر کا نہ دل دُکھتا ہے قاتل کا
یار کے نام پہ لازم ہے فدا ہو جانا	اک اِسی فرض کا باقی ہے ادا ہو جانا
پھر مجھے موردِ الزام بنانا ناحق	غیر کی بات پہ پھر مجھ سے خفا ہو جانا
زلفیں تا شانہ تو جا پہنچی ہیں اب دُور ہے کیا	تا کمر بڑھ کے انھیں دامِ بلا ہو جانا

[illegible] کہ شوخی دل میں لپٹ کر
نہ تو وہ نکلی نہ ارمان ہمارا نکلا

[illegible] ہر کے طبیعت کبھی رونے نہ دیا
داغِ غم وا بن دل سے کبھی چھٹنے نہ دیا

[illegible] اللہ تری بیگانہ مزاجی جس سے
غیر تو غیر ہیں اپنا مجھے ہونے نہ دیا

اے ہوا تیری غرض کیا ہے کہ تو نے دم بھر
شمع مرقد کو مرے حال پہ رونے نہ دیا

اسے بتو بندہ پروری سیکھو
حوصلہ ہے اگر خدائی کا

ہوئی پھر جو فصلِ بہاری کی آمد
ہرے پھر یہ زخمِ جگر دیکھ لینا

نظروں سے جو اترے ہیں تو سولی پہ چڑھے ہیں
اَللہ غنی رتبہ شاہانہ ہمارا

اے فلک زور پہ اپنا جو ستارا ہوتا
پاس میرے بھی کوئی چاند کا ٹکڑا ہوتا

پرتوِ رخ نہ سہی سایۂ کاکل ہی سہی
کوئی تو آکے انیسِ شب یلدا ہوتا

وہ مسیحا نہیں آتا ہے تو موت آجاتی
دردِ دل کا تو کسی طرح مداوا ہوتا

میرے مرنے پہ تو مخلوق نہ ہنستی مجھ پہ
خوب ہوتا سرِ بالیں نہ مسیحا ہوتا

رخصت اے رشک کہ ہم صلح عدو سے کرلیں
دیکھ لیں ہم بھی کہ لڑتی ہیں نگاہیں کیونکر

کوئی نغمے عالمِ بالا سے پلٹتی ہی نہیں
اے ذبیح آتی ہیں واپس تری آہیں کیونکر

پہلو سے تیر یار نکالا تو اس کے ساتھ
لپٹے ہوئے ذبیح کے تھے پارہ ہائے دل

عجب بات ہے ساقی ترے میخواروں میں
مست مستوں میں ہیں ہشیار ہیں ہشیاروں میں

تھی مجھے اپنی دوا کے لئے عیسیٰ کی تلاش
وہ ملے بھی تو ملے آپکے بیماروں میں

مناظر ہیں خدا کی صنعتوں کے
خدا رکھے خدا سازان کی آنکھیں

مجھ سے ظاہر میں فلک اور خفا تو دل میں
ایک عدو سر پہ سوار ایک بلا کو دل میں

پھر جان زار بھی نہ تھی عندلیب سے
چھوٹا جو برگِ گل وہن عندلیب سے

جلوہ ہے ایک ہم سے نہ پنہاں قریب سے
دیکھا ہے ہمنے دور سے اس نے قریب سے

کل میکدہ میں شیخ کی حالت تھی اور ہی
آتے ہیں آج تو یہ نظر کچھ ادب سے

موسیٰ کی طرح ہوش ہم اپنے گنوائیں کیوں
ذکرِ حبیب خوش ہے لقائے حبیب سے

کچھ انکے عشق حسن سے کچھ میرے خوف سے
نکلی نہ ایک بات زبانِ رقیب سے

بو جو منہ چھپائے نہیں ہیں چمن میں پھول
بھڑکا دیا صبا نے اِنھیں عندلیب سے

اک آنکھ سوئے گل تھی تو اک سوئے آشیاں
صیاد جب چھڑاتا تھا چمن عندلیب سے

مرے سینے کے ویرانے میں کیا جانے دھرا کیا ہے
نہ تیرا غم نکلتا ہے نہ میرا غم نکلتا ہے

ایک وہ خنجر جو چلنے کو کفِ قاتل میں ہے
ایک وہ حسرت نکلنے کو جو میرے دل میں ہے

آج خوش خوش جا رہا ہے قیس کیوں ناقے کے ساتھ
کون تسکین بخش جنبش پردۂ محمل میں ہے

مجھ سے حاصل میری دلکی حسرتوں کا پوچھنا
تم وہی آخر کروگے جو تمہارے دل میں ہے

مرگِ دشمن کی مجھے انکو مرے مرنے کی فکر
ایک ارماں انکے دلمیں ایک میرے دل میں ہے

وسعتِ آبادِ جہاں میں جن کی گنجایش نہ تھی
جمع اُن سب حسرتوں کا خون میرے دل میں ہے

نہیں سمجھتے ہیں زلفِ سیہ کے دیوانے
کہ کھیلنی ہے سرِ دار پر قضا اُن کی

مجھے جو دیں وہ عقوبت تو مستحق ہوں میں
جو بخشدیں وہ خطائیں تو ہے عطا انکی

شبِ وصل انکے چہرے کی ضیا کچھ اور کہتی ہے
لپٹ کر کالی زلفوں کی بلا کچھ اور کہتی ہے

بٹھائے دیتی ہے جی گرچہ کوتہ دستیٔ قسمت
مگر مجھ سے مری آہِ رسا کچھ اور کہتی ہے

لبِ جاں بخش کے عیسیٰ نفس ہونیکا کیا کہنا
مگر تیغِ تبسم کی ادا کچھ اور کہتی ہے

کسی کی موت قبل از وقت تو آتی نہیں ہرگز
مگر اُس کی ادا میری قضا کچھ اور کہتی ہے

میں اُنھیں حالِ زار جو سمجھاتا ہوں
ٹالنے کیلئے کہدیتے ہیں ہاں ہاں سمجھے

خاطر عزیز دونوں کی ہے تیرِ یار کو
دم بھر مقامِ دل میں تو دم بھر جگر میں ہے

میری بھلائیاں تو بُرائی میں ہوں شمار
دشمن کرے جو عیب وہ داخل ہنر میں ہے

تمہاری دلربائی کے تصدق
نیا دل روز میں لاؤں کہاں سے

تُم سے تو بتو لی نہ سکی داد ہماری
اللہ سے بس اب تو ہے فریاد ہماری

قطعہ

جو غرض ہوئے ہم تو تماشے کی غرض ہے — کھنچواتے ہیں تصویر پریزاد ہماری
[illegible] ہوئے اور ذبیح جگر افگار — محنت کہیں ہو جائے نہ برباد ہماری

اپنی ہستی کو اگر ہم نہ مٹاتے اے جاں — پھر یہ پیدا کہیں مضموں کمر کے ہوتے

نصیب اچھے اگر اے بلبل شوریدہ سر ہوتے — پھر آتی فصل گل اور پھر ہرے داغ جگر ہوتے
دھواں آہوں کا سید ھا چرخ تک پہنچا تو حاصل کیا — کہیں ہے سرو کو دیکھا کسی نے بارور ہوتے
رقیب اپنے دلوں میں آپ ہی کٹ کٹ کے مرجاتے — ادھر ہم سر بکف خنجر بکف جب تم ادھر ہوتے
فرشتوں کوئے جاناں کی ہوا جو تم کو چھو جاتی — ہماری طرح تم بھی خاک اڑاتے دربدر ہوتے
قفس میں مجکو بازو توڑکر کیوں قید کرنا تھا — ہوس کچھ تو سمجھا لیتا جو ثابت بال و پر ہوتے
کمال ضعف سے اب پاؤں لڑکھڑانے لگے — گرا گرا مدد اے شوق لے سنبھال مجھے
دل رمیدہ وہیں پھر پھرا کے آتا ہے — ہوا ہے نقطہ پرکار رخ کا خال مجھے

بوسہ بن مانگے رہا جاتا نہیں — گالیاں کھانے کی عادت ہوگئی
جانے آکر وہ غضب ڈھائینگے کیا — جن کی آمد اک قیامت ہوگئی
ذکر مے کیوں شیخ سنکر پی گئے — کیا کہیں صاحب سلامت ہوگئی
بھول کر یاد وطن آئی نہیں — وادی غربت میں مدت ہوگئی
کی دوا جب سے ترے بیمار کی — اور ابتر اسکی حالت ہوگئی

کسی سے وہ بگڑتے ہیں کیسکو وہ بناتے ہیں — خدا جب حسن دیتا ہے شرارت آہی جاتی ہے
ہلال عید کی حسرت تو ہوگی روزہ داروں کو — مجھے میرے گلے سے یار کی تلوار ملنے کی
کیوں شراب سخن اپنی نہ ہو خوشرنگ ذبیح — اسکو نسبت بھی تو ہے داغ کے خمخانے سے

بتوں کی اگر ایسی ہی چڑھ بنی ہے — کسی دن خدائی کا دعویٰ کرینگے

ذبیح

ذبیح منشی باقر حسین صاحب طبیعت دار اور ذکی تخلص ہیں کلام سے مشاقی بھی پائی جاتی ہے اور علمی استعداد بھی معقول معلوم ہوتی ہے ہر شعر میں بات پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں تلمذ

وغیرہ کی کیفیت نہیں معلوم ہوئی۔ الہ آباد کے رہنے والے ہیں۔ کلام بہت عرصے کا [illegible] سے پاک وصاف اور تلاش مضمون اور الفاظ سے بھی صاحبِ مذاقِ سلیم ہونا ثابت ہے۔ ملاحظہ

نہ بیٹھے چین سے اک دم کہیں ہم شادماں ہو کر
پھرایا گردشِ قسمت نے دورِ آسماں ہو کر

کروں عرضِ ہنر کیا جب نہ یاں قدرداں کوئی
کمال اپنا یونہیں مخفی رہا گنجِ نہاں ہو کر

برنگِ نخلِ بے برگ و ثمر بھی قدر کب اپنی
رہے جبتک جہاں میں ہم رہے بارِ جہاں ہو کر

تواضع سے بنا لیتے ہیں اپنا دوست دشمن کو
کبھی ہم دور کر دیتے ہیں تیروں سے کماں ہو کر

ملی یہ سربلندی جب مٹایا اپنی ہستی کو
ہوئے مسجودِ عالم اُسکے خاکِ آستاں ہو کر

خزاں کے خوف سے بلبل ہوئی ہے سوکھ کر کانٹا
رہیگی آشیاں میں بھی تو خارِ آشیاں ہو کر

یہ کیسی اپنی غفلت ہے کہ یادِ حق سے غافل ہیں
عیاں ہے صبحِ پیری ہم ابھی مابینِ منزل ہیں

دلِ بے مدعا قدرِ امید و بیم کیا جانے
نقوشِ کائنات اپنی نظر میں حرفِ باطل ہیں

رہے ہم سبزۂ بیگانہ بنکر باغِ ہستی میں
حقیقت میں جدا سب سے مگر ظاہر میں شامل ہیں

ہوئی جب سلب طاقت کیا نتیجہ پرفشانی کا
ہماری کوششیں جتنی ہیں سعیِ مرغِ بسمل ہیں

ذبیحِ ناتواں جو تھے کبھی آرام جاں اپنے
وہی افسوس دشمن کے فروغِ خانۂ دل ہیں

تمھارے ظلم کا ہمکو خیال کچھ بھی نہیں
ملال دل سے ہے تم سے ملال کچھ بھی نہیں

ذبیح عمرِ سریع الزوال کچھ بھی نہیں
خزان و ہجر و بہار و وصال کچھ بھی نہیں

عبث ہے اُن سے توقع وفائے وعدہ کی
مآلِ کوششِ امرِ محال کچھ بھی نہیں

یہ کیسی طرزِ عمل ہے خدا سے شرم نہیں
گناہ حد سے فزوں انفعال کچھ بھی نہیں

یوں ہی گذرتے ہیں غفلت میں دن جوانی کے
ذبیح آپ کو فکرِ مآل کچھ بھی نہیں

رہے پابندِ تسلیم و رضا ہم ایسے بسمل ہیں
گلے پر خنجرِ قاتل زباں پر شکرِ قاتل ہے

نہ ہو کیوں عشق میں ڈوبی ہوئی طرزِ بیاں میری
جوانی گو نہیں لیکن طبیعت ہے جواں میری

عبث اس خاکدانِ تنگ و تیرہ میں پھنسے آکر
کہاں یہ قیدِ تنہائی وہ آزادی کہاں میری

وہ مجکو بے وفا کہتے ہیں یہ تائید کرتی ہے
الٰہی ہوگئی اُنکی زباں گویا زباں میری

دکھایا داغِ پیشانی جو اُنکو ہنس کے فرمایا
جبینِ فخر کی زینت ہی خاکِ آستاں میری

عیادت کے لیئے یہ کون آتا ہے دمِ آخر
چلی جو بہرِ استقبال جانِ ناتواں میری

تمنا ہے اسی کی جان دی ہی جسکی فرقت میں
کھڑی ہیں کسلیئے مشتاق حورانِ جناں میری

گذرتا ہی اگر حرفِ طلب اپنے تصور میں
توہو جاتی ہی پنہاں شرم سے مُنہ میں زباں میری

یہ کیسی آہِ آتش بار یارب دل سے نکلی ہے
دگرگوں ہوگئی حالت وہاں اُسکی یہاں میری

بجھے احسان کی خو اسکو عادت شکرِ احساں کی
ترے دل کی طرح ہی کام میں ہردم زباں میری

مرے سوزِ نہاں کا ماجرا تم شمع سے پوچھو
حقیقت کہہ رہی ہی صاف وہ آتش زباں میری

وہاں وہ شانِ آمرزش یہاں شرمِ ہتید ستی
کوئی گوشہ نہیں ملتا چھپے غیرت جہاں میری

ذبیح اس عہد میں گو اور بھی ہیں مدعی اسکے
مگر حاصل کہاں یہ خوبیِ حُسنِ بیاں میری

ذبیح — **ذبیح** منشی محمد اسمعیل ذبیح باشندہ کیامٹی، سعید صاحب کے حقیقی بھتیجے اور انھیں کے شاگرد ہیں پندرہ سولہ برس سے مشقِ سخن کرتے ہیں۔

سنورتی ہے زلفِ پریشاں کسیکی
بلا میں کوئی مبتلا ہو رہا ہے

چمن میں جو اٹھکھیلیاں کر رہی ہی
یہ کس گل کا ذکر اے صبا ہو رہا ہے

وہ بُت دیکھ کر مجکو مسجد میں بولا
ذبیح آجکل پارسا ہو رہا ہے

ذبیح — **ذبیح** حکیم منشی محمد اسمٰعیل خان ذبیح دہلوی ابن مولوی ابراہیم خان سابق برانچ پوسٹ ماسٹر پہاڑگنج پہلے دہلی میں مطب کیا کرتے تھے، اشعار میں ظریفانہ مضامین اکثر لکھا کرتے ہیں افضل الاخبار میں کئی سال تک برابر ضمیمہ میں انھیں کے مضامین نکلتے رہے اب دو تین برس سے نواب احمد سعید خان صاحب طالب جاگیردار لوہارو کی سرکار میں ملازم ہیں پچپن ساٹھ برس کے قریب عمر اور استعداد علمی بقدرِ ضرورت اچھی ہے +

دلِ مایوس میں اپنے ہزار ارماں کا مدفن ہے
گماں ہوتا ہی سینہ میں مجھے گورِ غریباں کا

مجھکو چُپ کرنے نہیں رسوا یار تو ہو جائیگا	یہ سکوت آخر کو بڑھ کر گفتگو ہو جائیگا
وہ آیا حور سپیکر فاتحہ کو	بنا رشکِ جناں مدفن کسیکا
آئینہ نے جو کہا عکس ہوں حیرانوں کا	بول اُٹھی زلف کہ سایہ ہوں پریشانوں کا
میرے زخموں نے اُڑایا ہی ہنسی میں سبکو	شور سنتے تھے بہت اُنکے نمک دانوں کا
ہے زیرِ قدم سیل شہیدوں کے لہو کا	عالم قدِ قاتل میں ہے سرو لبِ جو کا
موتی کی عفار زیرے دانتوں کی چمک سے	اِس ناب نے پل باندھ دیا آب گہر پر
قیامت تک نہ ہوگی کَل تو اُن کی	جبیں اُمید و عدہ پر کہاں تک
تاثیر سے نالہ کی پلٹ دینگے مقدر	قسمت نئی لکھنے کو اُٹھاتے ہیں قلم ہم
ملجائے کوئی بُت تو اُسے دل میں جگہ دیں	کعبہ کیلئے ڈھونڈتے پھرتے ہیں صنم ہم
مُنہ سے لگا ہوا ترے جامِ شراب ہو	اِک دن تو اتصال مہ و آفتاب ہو
اُڑا دے ہوش سب پر شیخ کے دو چلو پانی	دکھا منکر کو بھی پیرِ مغاں تاثیر میخانہ
نگہ میں رکھنا رند و محتسب چھپ چھپ کے آتا ہے	اُچکتا ہے اُڑا لیجائے گا کفگیر میخانہ
رکوع و سجدہ کرتے دیکھنا متوالے رندوں کو	جو بانگِ قلقلِ مینا سے ہو تکبیر میخانہ
شرابِ پاک بندوں کو وہاں حوریں پلائینگی	کہیں جنت نہ ہو واعظ تری ہمشیر میخانہ
تسکین تجھ سے ہو جو کسی تشنہ کام کی	اے آبِ تیغ یہ بھی ہو اک بات نام کی
خنجر کی ادائیں نہ ہوئیں ختم گلو پر	کچھ دیر تو اے حضرتِ خوں تھم گئے ہوتے
خدا جانے جو خواہش اور کچھ ہوتی تو کیا ہوتا	ذرا سے ایک بوسہ پر تمھارا دم نکلتا ہے
ہمارے وصل کا وعدہ وہ کرتے ہیں تو مجمل سا	سخن منہ سے نکلتا ہے تو اک مبہم نکلتا ہے
ضدِ اُسنے دلا کر مجھے کی رہبریِ عشق	ناصح بھی مرے واسطے گویا خضر آئے
ہجر نے عاشقِ مفلس کو کیا مالا مال	کہ دُرِ اشک کی سینے پہ لڑی رہتی ہے
کہتے ہو تم زخمِ دل سے مسکرایا کس لیئے	تیر کی اُنگلی سے پوچھو گدگدایا کس لیئے

جوشِ جنوں میں بھی نہ پھرے ہم برہنہ پا
یہ آبلے ہی پاؤں کے پاپوش ہوگئے

واعظ پہ بھی تصرفِ پیرِ مغان ہوا
رندوں میں آکے آپ قدح نوش ہوگئے

شوخی سے بے نقاب ہے وہ جو بزم میں
اتنی پڑیں نگاہیں کہ روپوش ہوگئے

ذبیح ذبیح مولوی سید عبدالحی صاحب باشندہ دربھنگا (بہار) کا کچھ حال معلوم نہو سکا۔ کلام ملاحظہ ہو

زندگی اپنی اسی شغل میں گذرے پیارے
لب پہ ہو ذکر ترا دل میں تری یاد رہے

کہیں معشوق بھی عاشق کی خبر لیتے ہیں
اُن کو کیا شاد رہے کوئی کہ ناشاد رہے

کہتا ہے شوقِ قتل میں ہر وار پر ذبیح
قاتل خدا کے واسطے اِک وار اور بھی

ذبیح ذبیح جناب خواجہ محمد سمعیل صاحب ایڈیٹر کا تگ نواب ٹوھاکہ تلمیذ جناب نسیم ابوالعلائی باشندہ بنگال بعد میں حضرت داغ سے تلمذ اختیار کیا، نوجوان شخص ہیں علمی قابلیت خاصی ہے موزونی طبع کے اقتضا سے گاہ گاہ فکر سخن بھی کر لیتے ہیں اپنے آقا کے ہمراہ ہندوستان کے مشہور مقامات کی سیر بھی کی ہے یہ کلام ہے

خدا نے شوق کو کیا رہنما میرا بنایا ہے
ملا ہے منزلِ اُلفت میں یہ رہبر بہت اچھا

کبھی خالی نہیں ہیں چال سے عیار کی باتیں
یہ کہتا ہے دمِ عہدِ وفا اکثر بہت اچھا

تم سکے اور ساری بیقراری ہوگئی رخصت
نہ گھبراؤ کہ ہے حالِ دلِ مضطر بہت اچھا

زمانہ بھر میں کوئی غیر کو اچھا نہیں کہتا
کہو انصاف سے کہتے ہو تم کیونکر بہت اچھا

گلہ کیوں کروں کیا مرا سر پھرا ہے
گلے پر عنایت سے خنجر پھرا ہے

بہت دیکھے ہیں انقلاباتِ عالم
فلک عمر بھر میرے سر پر پھرا ہے

ذبیح ذبیح۔ مولوی محمد سمعیل خان باشندہ بھوپال۔ آجکل کے شعرا میں ہیں۔ طرزِ سخن مندرجہ ذیل اشعار سے ظاہر ہے پینتیس برس کی عمر ہے۔

مانگتا ہوں پینے کے ہر دم دعا برسات کی
بھاگئی ہے کچھ ادائے جانفزا برسات کی

ایک جام مے کے بدلے رند مے آشام سے
لیگئی دل چھین کر بانکی ادا برسات کی

لطف دخترِ رز کی اُلفت میں کچھ آیا ہے اسے
مانگتا ہے اب تو زاہد بھی دعا برسات کی

جھگڑے رندوں کے ہیں سب میکدہ آباد ہیں
آرہی ہے کیا ہولئے جانفزا برسات کی

ذخیر

ذخیر ۔ میر قربان علی ساکن فیض آباد اودھ آپکا حال صرف اسقدر معلوم ہوا کہ نغمۂ بہار رسالہ میں جو ۱۸۸۶ء میں شائع ہوتا تھا آپکا کلام اکثر چھپتا رہتا تھا ۔

وہ پاس تھا تو غم دلِ عاشق سے دور تھا
ساقی کے دم سے دورِ شراب سرور تھا

ہے اوسکی طور پہ ناحق گمانِ برق
شمع جمالِ یار کا اک وہ بھی نور تھا

کل کیوں سوالِ دید پہ بھڑکیں لن ترانیاں
عاشق بھی کیا ترا ارنی گوئے طور تھا

ہوتے ہیں فیضِ تواضع سے سرافراز بشر
چشمِ مردم پہ قدم رکھتے ہیں ابرو ہوکر

دلِ خود رفتہ تو جاناں کی گلی میں پہنچا
رہ گیا دردِ جگر زینتِ پہلو ہوکر

ہجر عاشق کو عدم میں یونہیں لیجائیگا
جس طرح لائی ہے ہستی میں محبت تیری

ذرّہ

ذرّہ ۔ میرزا راجہ رام ناتھ خلف الرشید میرزا راجہ کدار ناتھ ۔ امیر عہد عالمگیر ثانی و شاہ عالم ثانی، یہ خود آخر الذکر بادشاہ کے مقرب باختصاص اور پیشکار و ناظر رہے اور چونکہ بادشاہ کا تخلص آفتاب تھا اِس رعایت سے اپنا ذرّہ مقرر کیا، چاوڑی میں راجہ کدار ناتھ کی گلی ابتک اِس خاندان کی یادگار رہے

ترے کوچہ میں روز و شب پڑا پھرتا ہے یہ ذرّہ
بجا ہے ایسے دیوانے کے مطلب کو روا کرنا

ذرّہ

ذرّہ ۔ میر ولایت علی درصل کوئل علیگڈھ کے متوطن تھے مگر بسبب روزگار آگرہ میں زیادہ حصّہ عمر کا بسر ہوا ۔ شیریں سخن فصیح البیان شاعر تھے اور اپنے اقران و اماثل میں ممتاز یہ ذکر ۱۲۶۸ھ قبل غدر کا ہے، ڈپٹی عبد العلیم نصر اللہ خاں نے اپنے تذکرہ گلشن ہمیشہ بہار میں انکا تذکرہ کیا ہے اور انکی خوش خلقی اور مسافر نوازی کی تعریف کی ہے ۔ یہ اِنکا کلام ہے

مَیں دعا دیتا ہوں تم گالیاں دیتے ہو مجھے
اِس بُرا کہنے سے کہئے تو بھلا حاصل کیا

کرتی پھرتی ہے جو مٹی کو ہماری برباد
تجھے اِس خاک اُڑانے سے صبا حاصل کیا

کیا ملے گا مرے سودائی بنانے سے تجھے
پیچ دینے سے مجھے زلفِ دوتا حاصل کیا

قطع کرتا تمھارے دستِ جنوں کو ناصح | کیوں گریباں مرا تو نے سیا حاصل کیا
دستِ قاتل کو مبارک رہے خونِ عاشق | پاؤں کیوں پڑتی ہے ناحق تو حنا حاصل کیا
عمر بھر خاک ہی چھانا کیا میں اے ذرّہ | اور ان مہوشوں سے تو ہوا حاصل کیا
استخواں میری نکھا مجکو ندامت ہوگی | اے ہما گر کبھی ہما سگِ جاناں ہوگا

ذرّہ منشی ہرپرشاد نقلنویس کلکٹری سلطانپور درسنہ ۱۹۰۹ء سنہ ۱۸۹۵ء شاگرد جناب بالکرشن گمنتی جالنی سال کی عمر اور یہ کلام کا رنگ ہے۔ باوجود فکر تحریر حالات نہ ملے۔

اُمید و یاس کے جھگڑے وہ حسرتوں کا ہجوم | عجیب لطف رہا جب تک انتظار رہا
رحیم جان کے تجکو خطائیں کیں میں نے | کریم جان کے تجکو گناہ گار رہا ✣
زمانہ تھا جو موافق شریکِ حال تھے سب | پڑا جو وقت تو کوئی نہ غمگسار رہا
تمھیں کچھ اپنی یہ وعدہ خلافیاں دیکھو | تمھیں کہو کہ تمھارا اب اعتبار رہا
بڑھ گئی حد سے سوا جب سے نقاہت میری | وہ خفا ہیں کہ اُڑائی ہے نزاکت میری
جسقدر غیر نے کی اُن سے شکایت میری | اُنکو ہوتی گئی اُتنی ہی محبت میری
باعثِ ترکِ ملاقات جو پوچھا تو کہا | آپ سے ملکے اُلجھتی ہے طبیعت میری
زاہد ثواب ڈھونڈیں قیامت کیواسطے | ہمتو گناہ کرتے ہیں رحمت کیواسطے
اے شیخ جو وہاں ہے وہی بتکدے میں ہے | کعبے کو جائیں کسکی زیارت کیواسطے
چاہو قیامِ حُسن تو بوسہ عطا کرو | صدقہ ضرور چاہیئے دولت کیواسطے
کُند ہے خنجر بلا سے آپ چلنے دیتجیے | کام کچھ تو تشنہ کاموں کا نکلنے دیتجیے
شوق سے تیغِ نگاہِ مست چلنے دیتجیے | خوب میرے زخم کے انگور پھلنے دیتجیے
سر کے نیچے ہو اگر تکیہ تو جلد آتی ہے نیند | اپنے زانو پر ہمارا دم نکلنے دیتجیے
کہاں سے کٹتے ہو کسواسطے پشیماں ہو | یہ کیا ہے آج نہیں آنکھ روبرو ہوتی

ذرّہ منشی اتواری لال باشندہ کلکتہ، حضرت نساخ کے تذکرہ میں ان کا ایک شعر درج ذرّہ

ہے۔ اُنکے دوست بھی تھے اور ۱۲۸۱ھ میں زندہ تھے۔

دِل دار کی خاطر سے دل آزار بھی چھوڑا	الفت میں سمن رویونکی گلزار بھی چھوڑا

ذکا **ذکا** ۔ سید اولاد محمد خاں ولد سید غلام امام صادق، حضرت حسان الہند میر غلام علی آزاد بلگرامی کے حقیقی بھتیجے تھے۔ ۲۷ رجب ۱۱۵۱ھ میں بمقام بلگرام پیدا ہوئے انھوں نے حضرت آزاد کی خدمت میں تربیت و تعلیم پائی اور اُنھیں کی تحریک و طلبی پر حیدر آباد میں منصب عالی پر سرفراز ہوکر امتیاز خاں خطاب پایا اور بڑے اعزاز و آبرو سے بسر کی۔ آخر اسی عالی منصبی کے ساتھ بمقام اورنگ آباد دکن ۱۲۱۵ھ میں انتقال کیا۔ فارسی شاعر تھے۔ اور انکا ذکر اکثر فارسی تذکروں میں موجود ہے مگر حسب رواجِ زمانہ تفنناً کبھی کبھی اُردو بھی کہہ لیتے تھے، یہ اُنکے کلام کا نمونہ ہے۔

ساقی تجھے قسم ہے کہ مے سے بھرے ہوئے	شیشے ہیں انتظار میں کسکے دھرے ہوئے
آوارگی سے باز نہ آوے گا دل مرا	کیا فائدہ ہے اسکو مقید کرے ہوئے
تو ہمسے دوستوں کو نہیں پوچھتا عزیز	معلوم ہوگی قدر ہمارے مرے ہوئے
ہمکو جلو میں دیکھتے ہی شاہِ حسن کے	بولا نقیب حسن ادب سے پرے ہوئے
برسا نہ مینہ اور نہ آنسو ترے سے چلے	جنگل ذکا کہاں سے ابھی سے ہرے ہوئے

ذکا **ذکا** ۔ منشی خوب چند دہلوی کایستھ ماتھر ساکن حویلی جگل کشور معروف گھنٹہ والی چاندنی چوک شاگرد رشید شاہ نصیر دہلوی، ایک بہت بڑا تذکرہ معروف بہ عیار الشعراء انھوں نے تالیف کیا تھا جس میں چار پانچہزار اُردو گو شعرا کا حال قلمبند کیا تھا۔ استعدادِ علمی معقول تھی۔ ملازمت پیشہ اور صاحبِ دیوان تھے، مگر وہ سب ذخیرہ انکی وفات کے بعد انکی اولاد کی غفلت سے ضائع ہوگیا، اُسکی ایک نقل ڈاکٹر اسپرنگر پرنسپل دہلی کالج کے پاس تھی، ممکن ہے کہ جرمنی میں ہو، انکا دیوان راقم تذکرہ کے پاس موجود ہے، قدیم الفاظ مثل اُو تی، اُونھیں بھر کرکے، ہوئیگا، چتے، کیدھر انکے کلام میں پائے جاتے ہیں ۱۲۴۲ھ میں انتقال کیا +

گر بنائے زندگی پر اپنی اے منعم نظر　　فکر کیا کرتا ہے ناداں ہر گھڑی تعمیر کا
غافلو ڈھونڈتے پھرتے ہو جسے عالم میں　　غور سے دیکھو وہ ہے دل میں تمہارے بیٹھا
بس نہیں چلتا کہیں زور آوروں سے ای ذکار　　یار دل کو لے گیا میں سر پٹک کر رہ گیا

سمجھا میں جسے دوست ہوا وہی مخالف　　اخلاص کسی کا بھی مرے کام نہ آیا
آوارہ و بدنام ہوا قیس ہی آخر　　لیلیٰ پہ کسی بات کا الزام نہ آیا
بیکسی پر نہ جلا میری کسی دوست کا دل　　کوئی تربت پہ دیا بالنے والا نہ گیا
ہاتھوں سے میرے یارو مینا و جام لینا　　بیہوش ہوں نشہ میں ٹک مجکو تھام لینا

رکھوں ہوں خصلتِ طاؤسِ آتشبار اے ہمدم　　جہاں جائے قدم اپنا وہیں گلزار ہو پیدا

ابتو اُس بت سے ہم ہوئے ہیں جُدا　　دیکھئے کب خدا ملاوے گا
عمر رفتہ نے پھر گذر نہ کیا　　گئی ایسی کہ منہ ادھر نہ کیا
ہونا جو کچھ مرض کا تھا انجام ہو چکا　　رخصت کرو طبیب کو یاں کام ہو چکا
ہے آپکا قیامت گلشن میں مسکرانا　　لیتے ہو جی نکالے ہر ایک کلی کا
کسی کا دل کوئی بیدرد گر ستاویگا　　تو عاقبت میں بھی آرام وہ نپاویگا
جو توبہ کی ہے تو مجلس میں میکشوں کی نجا　　کہ خوامخواہ پیالہ کوئی پلاوے گا
یہ کوہ عشق تو فرہاد سے بھی اٹھ نسکا　　ذکا کی تاب ہے کیا جو اُسے اٹھاویگا
آنکھیں کھلی رہی تھیں کسواسطے ذکا کی　　کیا جانے مرتے دم تک تھا انتظار کسکا

حال یوسف کا سُن چکے ہم　　بھائیوں سے نہ چاہ کیجیے گا
گل کر دے چراغ کو ذکا اب　　گھر میں ترے آفتاب آیا

مانگا جو اُن سے دل تو وہ بولے کہ ای ذکا　　لیتا ہے مال پھیر بھی کوئی دیا ہوا
روتا ہوں ای پیارے اسواسطے میں ہر دم　　مٹتا ہے تیرے دل سے ناسب غبار دلکا
مت چھوڑیو تو ہرگز دل کا طواف اپنے　　ہے تیرے حق میں غافل یہی مکہ و مدینا

کوئی ٹھکانا مقرر نہ کوئی در اپنا — جہاں ہے یار ہمارا وہیں ہے گھر اپنا
حیرت سے بنگیا ہی تصویر اب سراپا — کوئی کچھ کہو ذکا کو چپکا سنا کریگا

خانہ زندگی خراب گیا — کیا رہا لُطف جب شباب گیا
مرد تہیدست سے ہو خیر کیا — پاؤں گیا ٹوٹ تو پھر سیر کیا
سانولے کا لگے ہے خوش غصہ — ساتھ ہے تُرشی اور سلونے کا
شغل مینا و مے مدام رہا — جیتے جی ہمکو یہ ہی کام رہا

انداز عجب طرفہ ادا آن تماشا — ہے سر سے قدم تک تو میرے جان تماشا
ہے طالع جسے یہ دولت دیدار ہو حاصل — قدم پر یار جانی کے سر اپنا دھر کے سو جانا
کیا گیا عہد نو جوانی کا — اُٹھ گیا لُطف زندگانی کا

اہل دنیا کو رہے ہے رات دن دنیا کی یاد — اسقدر فرصت کہاں ہے جو کرے عقبیٰ کی یاد
لکھوں تھا خط میں تجھے لیکے دل ربا کاغذ — اُٹھا قلم سے یہ شعلہ کہ جل گیا کاغذ
گہ خیال زلف گہ یاد رخ گلفام کر — یُوں خیال یار میں اے دل سحر کر شام کر
ہوا ہی ابر ہی گلگشت ہے اور سبز سبزہ ہی — سوال جام مے ساقی ہمارا آج رد مت کر
ذکا قسمت پہ شاکر رہ نصیحت تجکو کرتا ہوں — کسی کے جاہ و حشمت پر اے ناداں حسد مت کر
مُوئے سفید نکلے بعد از شباب مُنہ پر — دیتی ہے زندگانی دیکھو جواب منہ پر

اے ہمنشیں تو یار کا ذکر کمر نہ کر — بھُولے ہوؤں کو راہ عدم کی خبر نکر
شعلۂ شمع کا یہ دُود نہیں جلوہ نُما — کھوئے بیٹھی ہے لٹا اپنی فرنگن سر پر
گھر سے ٹک اپنے نکل شوخ ستمگر باہر — منتظر بیٹھے ہیں عاشق ترے در پر باہر
ہے لطف میکشی کا اُسی وقت ساقیا — بیٹھے ہوں جبکہ یار برابر کے آس پاس

نہیں خوشی کا یہاں اب تو نام سو سو کوس — گیا وہ ساقی و مینا و جام سو سو کوس
شہر دہلی نہ کہو ہے یہ عزیزو فردوس — پوچھتے کیا ہو عمارات و مکانکی تعریف

سیر کرتا ہوں کبھی اسکی تو بیساختہ بس
منھ سے نکلے ہے مرے شاہجہاں کی تعریف

نکلے ہے اشک چشم سے میری ٹپک ٹپک
ساغر سے مے یہ گر گئی آخر چھلک چھلک

چشم میں سرمہ کی تحریر تو ظالم مت کھینچ
ہے قیامت تری اس خنجرِ خونخوار کی نوک

آن نکلے ہے ادھر لالہ عذار ایک نہ ایک
سینہ کر جائے ہے داغوں سے فگار ایک ایک

اس بتِ شوخ کو دیکھا جو سحر وقت نماز
اہلِ اسلام کی نیت گئی یک بار بدل

کٹی رہتے ہوئے اک عمر باہم
حجاب اس کا نہیں جاتا ہے تاہم

ہزار افسوس وہ بیگانہ نکلا
جسے سمجھے تھے اپنا آشنا ہم

نہ کیجے اسقدر بیگانگی آپ
کبھی تو تھے تمھارے آشنا ہم

خیال آتا نہیں اتنا بھی ہرگز
کہ آئے کیوں تھے اور کرتے ہیں کیا ہم

مئے گلنار کا پیکر پیالہ
ذکا سب فکر دیتے ہیں بھلا ہم

زنہار مرے قتل سے پیارے نہ ڈرو تم
سر آگے تمھارے ہے جو چاہے سو کرو تم

جگر ٹکڑے ہے کیوں اسکا ہوئی ہے کیسلئے پانی
کھلا ہمپر نہ کچھ حال پریشانِ گل و شبنم

مریضِ عشق کو صحت اگر ہووے تو میں جانوں
کرے لاکھوں دوا لیکن اثر ہووے تو میں جانوں

رخِ تاباں پہ چھوڑو گیسوئے شبرنگ کو اپنے
قیامت تک پھرا ہی پیارے سحر ہووے تو میں جانوں

نہیں جام مے گلنار کو حاجت کچھ اے ساقی
تصور میں تری آنکھوں کے ہم مخمور رہتے ہیں

دل وجان سے معتقد ہیں اسی کے
صنم کو ہم اپنا خدا جانتے ہیں

ان بتوں سے تو ذکا دل نہ لگا کہتے ہیں
ہم ترے حق میں کہا مان بھلا کہتے ہیں

شہد و شکر سے وہ لبِ شیریں دوچند ہیں
اسکی نہ بات پوچھ کہ ہونٹھ اپنے بند ہیں

کہتا ہے دیکھ سایہ مژگاں کو طفلِ اشک
خضر نے مجکو یہ لبِ دریا پسند ہیں

نہ آیا یار اور میں صبح تک گنتا رہا گھڑیاں
لگا دیں چشم دریا بار نے ساون کی سی جھڑیاں

یہ بتانِ سنگدل ایکدم بھی کل پاویں نہیں
عاشقوں کو حب تلک وہ اللہ کلپا دیں نہیں

ارادہ گر کسی کے دلمیں ہوئے سیرِ جنت کا
تو دیکھے اک نظر آکر جہاں کی باد کی گلیاں
جو دھوئے دستِ حنائی وہ اپنے دریا پر
تو آگ لگ اُٹھے یکدست وہیں پانی میں

ذکا خیال ترا کیا کسی طرف آئے
لگا رہے ہی تراجی تو یار جانی میں

دُنیا میں سبکو خاطرِ مہماں عزیز ہے
جاتا ہے دل سے عاشقِ شیدا کے غم کہاں

جام مے دے ساقیا یہ ابر و باراں پھر کہاں
ابر و باراں گر ہوا تو بزمِ یاراں پھر کہاں
بے گنہ ہرگز کسی کو قتل اے ظالم نہ کر
آدمی ہوتا ہے پیدا آہ ناداں پھر کہاں
خواب ہو جائیگا ملنا کر ہم آغوشی شتاب
ہو زلیخا دیکھئے یہ ماہِ کنعاں پھر کہاں
ہمنے کیا ہی دیکے دل اپنا سوال اک بوسہ کا
اتنے ہیں کیوں آپ خفا کچھ مفت نہیں خیرات ہیں
لختِ دل یوں سرِ مژگاں پہ نظر آتے ہیں
جوں چراغاں ہوں دریا کے کنارے روشن
بیوفائی جو یہاں دیکھی رفیقوں سے ذکا
ہمسے مت پوچھ کہ وہ قابلِ اظہار نہیں
آگیا وہ دور کوئی فکر سے خالی نہیں
ہوگئی عنقا کہیں عالم میں خوشحالی نہیں
جلوہ گر وہ خوبرو ہوتا ہے گر بازار میں
رستے رہتے بند ہیں دو دو پہر بازار میں

بتوں کو جان و دل سے مانتے ہیں
خدا کو اپنے حاضر جانتے ہیں

روتے ہیں یاد کر کے ہم اُن دنوں کو پیارے
ڈالیں پھریں تھے کیسے ہم تم گلے میں باہیں
ڈرتا ہوں ہیں کہیں ترا پہنچا لچک نجائے
گجروں کو مت پہن تو گل اندام ہاتھ میں

کسکی دیکھی چشمِ مخمور اے ذکا
خود بخود آنے لگیں انگڑائیاں

بہم پیوستہ ہیں وہ ابروئے خمدار یوں اُسکے
لڑیں دو ترک جوں لیکر کہیں تلوار آپس میں
گرہ میں کیا ہے مری ہو منیں رات کا کا بسنہ
پڑے ہیں ایک دو شیشے شراب کے گھر میں
گذارہ کیسکے گھر میں ہو کسی انسان قابل کا
ذکا اب قدر دانوں کی ہوئیں برباد سرکاریں

شہر دہلی بھی اک تماشا ہے
آٹھ دن نو طرح کے میلے ہیں

جنبشِ ابرو سے اُسکے مل گئی یکسر زمیں
جس طرح بھونچال سے کرنے لگے تھر تھر زمیں

غم سے ہاتھوں تنگ ہوں یارب جاؤں کہاں
آسماں تو دور ہے اور سخت ہے پتھر زمیں

نہیں کہیں ہیں کدورت کسی سے اہل صفا
چھپاتے عیب ہیں سب کے ہنر کو دیکھتے ہیں

حاکم اس دور کے یہاں تک ہیں دنی اور ظالم
مانگے پیسا جو کوئی داغ درم دیتے ہیں

دلکو لیجاتا ہے وہ آنکھوں میں کچھ رکھتا ہے سحر
دیکھکر حیراں ہوں یارو اس ہنر کو کیا کروں

اضطرابی سے نہیں اتنی خبر مانند موج
گر کوئی پوچھے چلے اٹھکر کدہر کو کیا کہوں

یہ معجزۂ عشق ہے لاتی ہیں گل و شمع
ہنگام زیارت مرے مدفن پہ ہزاروں

جواب خط سے ہیں گذرا خبر تو لو یارو
گلی سے یار کی قاصد ابھی پھر آکہ نہیں

دیکھکر کیجیو ہمچشمی کا دعوی اُس سے
کہدو نرگس سے کہ آنکھوں کے لوائے ناخن

مدت میں لگی ہے آنکھ مری کھٹ کھٹ نکرائے سنگتراش
تعویذ نگھڑ تربت کا جا نبید ہمارے سوتے ہیں

تم اہل دول کی غفلت کا احوال نہ پوچھو کچھ ہم سے
بجتے بھی رہیں گے نوبت پہ سدا گھڑیال تمہارے سوتے ہیں

یار کی استغنائی تو دیکھو ہم جو گئے ملنے کے لیئے
غصہ سے بولا یوں آکے کہدو گھر کو سدھارے سوتے ہیں

غم جس سے دلکا جائے مہیا وہ شے کرو
موجود یعنی بزم میں مینا و مے کرو

جز شمع کے سر کاٹے پہ زندہ ہو دوبارہ
دیکھا نہ کسی کو کہ کوئی مر کے جیا ہو

رات وہ مطرب پسر گانے لگا جب دیس کو
یاد کر رونے لگے پردیسی اپنے دیس کو

دل نہیں چاہے ہے کرنے کو کسی سے اخلاص
ہر کوئی اپنی غرض کا ہی بندہ نظر آیا ہمکو

چلے ہے ابر اٹھے خمار دیکھئے کیا ہو
کہاں کہاں چلے تلوار دیکھئے کیا ہو

ہر طرف خوبرو ہیں جلوہ نما
کیوں نہو اسپہ اک جہاں عاشق

کب تلک دل کی پاسبانی ہو
جبکہ یہ حسن اور جوانی ہو

ذکار

ذکا، پنڈت سرکشن ذکا کشمیری خلف پنڈت دیارام ابن عدالت دیوانی فرخ آباد ۱۸۷۸ء کے قریب زندہ و سلامت موجود تھے۔ کلام بہم رسیدہ میں سے چند شعر درج ذیل ہیں ٭

ذرا دیکھ اے بت سفاک در پر شور و غوغا ہے
ترے کوچہ میں قاتل رقص بسمل کا تماشا ہے

بہانے سے ہمارے خون کے غش تجکو آئیگا
اے قاتل تو کم سن ہے ابھی کیا تو نے دیکھا ہے

زر و مالِ جہاں کی کچھ ہوس باقی نہیں دلکو
فقط دیدار کی اُس شوخ کی دل کو تمنا ہے

نہایت سخت جاں ہوں میں نہایت سخت جاں ہوں میں
نہ ٹوٹے خنجرِ بُرّاں کہیں یہ مجکو خطرا ہے

نہیں اُس بُت سا کوئی سنگدل سارِی خدائی میں
ہُوا عاشق تو کیوں اُس کا ذکا کچھ تجکو سودا ہے

ذکا منشی بخشش محمد باشندہ گورکھپور شروع میں جناب بقا کو کلام دکھایا کرتے تھے، پھر حضرت امیر مینائی کی خدمت میں آکر فیضیاب ہوئے اب فی الجملہ اس فن میں معقول مہارت پیدا کر لی ہے مضمون اور زبان دونوں کی طرف طبیعت کو لگاؤ ہے، اشعار بہم رسیدہ کا انتخاب ملاحظہ فرمائیے ؛ ذکا

تعظیم ہمپہ فرض ہے قرآن پاک کی
چومے جو ہمنے آپکے رُخسار کیا ہوا

دِل لیکے دیکھتا بھی نہیں اب میری طرف
او مطلب آشنا وہ ترا پیار کیا ہوا

گھسوں گا سر درِ پردہ نشیں پر
مٹا دوں گا جو لکھا ہے جبیں پر

نشاں ملتا نہیں لیکن ترا نام
ازل سے نقش ہے دل کے نگیں پر

کہے دیتی ہیں دُزدیدہ نگاہیں
گماں ہے دِل چُرانے کا ہمیں پر

پھر جاتے ہیں روز در تک آکر
ترساتے ہیں جھلکیاں دکھا کر

ہیں تاک میں دخترِ رز کی ساقی
لیجائیں گے شیخ جی چرا کر

دکھلا کے وہ زلف مجکو بولے
ان کالوں سے تو ذرا ڈرا کر

داغوں سے ہے لالہ زار یہ دل
باور نہ ہو دیکھ لو تم آکر

بیوفا خلق میں گو سارے حسیں ہوتے ہیں
پر تری طرح جفا کار نہیں ہوتے ہیں

شیخ جی اچھا ہے میخانے میں جایا نہ کرو
بے ادب رند خرابات نشیں ہوتے ہیں

سمجھتا ہی نہیں کوئی یہ مضموں
دہن کے باب میں کیا گفتگو ہو

عدو کے سامنے یوں ظلم مجھ پہ
عدو پر لطف میرے روبرو ہو

شب غم کی بلائیں دور ہو جائیں
کر مفر ما جو تو اسے ماہرو ہو

کہاں رنگ حنا ای شوخ اتنا شوخ ہوتا ہے
دل کو آنکھ اسکی جو بیمار بنا دیتی ہے
اسکے گیسو کی گھٹا یاد دلا دیتی ہے
طلب بوسہ پر لے یار تری ایک نہیں
لوگ کہتے ہیں جسے برق جمال معشوق

مرے خون تمنا کی ترے ہاتھوں میں لالی ہے
آکے یاد لب جاں بخش شفا دیتی ہے
اور رونا مرا برسات بڑھا دیتی ہے
سارے ارمانوں کو مٹی میں ملا دیتی ہے
دل میں عاشق کے بھی آگ لگا دیتی ہے

زندہ زیر چرخ جب تک ہم رہے
مورد جور و ستم ہر دم رہے

ہوں شہید سرخی رنگ حنا
دست رنگیں سے مرا ماتم رہے

کیوں غش نہ کرے صورت موسیٰ ہمیں ذکا
اک رشک برق طور کا جلوہ نظر میں ہے

ذکائی ذکائی - محمد ہاشم علی رامپوری - رامپور کے مشاعرہ ۱۹۰۸ء کی غزل سے دو شعر نقل ہوتے ہیں

جو پوچھا کہاں کو چلے بن سنور کر
تو بولے تمھیں کیا کہیں جا رہے ہیں

رقیبوں سے جوبن کو لٹوا رہے ہیں
مجھے دیکھنے تک کو ترسا رہے ہیں

ذکی ذکی - نواب محمد جعفر علیخان ذکی مغفور پنجہزاری منصبدار دربار شاہ عالم، شاہ موصوف - اور شجاع الدولہ صوبۂ اودہ کے ہمراہ بہار اور بنگالہ کی مہم ۱۷۶۰ء میں شریک اور نظامت مرشد آباد کے امیدوار تھے، آخرش ناکام ۱۱۷۸ھ میں مرشد آباد میں راہی ملک بقا ہوئے کبھی کبھی فکر سخن بھی کیا کرتے تھے یہ انکے نتائج افکار کا خلاصہ ہے۔

سن کے احوال مرا ناصح مشفق نے ذکی
ہاتھ سے ہاتھ ملے حیف سے سینہ کوٹا

خاکساری پر نہ کر موذی کی ہرگز اعتبار
جونک مٹی میں ملے تو بھی لہو پیتی رہے

عشق میں نسبت نہیں بلبل کو پروانہ کے ساتھ
وصل میں وہ جان دے یہ ہجر میں روتی رہے

چاک کو تقدیر کے ممکن نہیں کرنا رفو
سوزن تدبیر گو ساری عمر سیتی رہے

ذکی ذکی - نواب اسد الدولہ رستم الملک مرزا محمد ذکی خاں بہادر فیل جنگ عرف نواب بہادر

خلف اکبر دلیر الدولہ دلاور الملک مرزا محمد علیخاں بہادر فیروز جنگ متخلص بہ حیدر متوطن نیشاپور، باشندۂ فیض آباد مقیم لکھنؤ پہلے اشرف علی فغاںؔ پھر میر اوسط علی رشکؔ، پھر منیر شکوہ آبادی کے شاگرد ہوئے، اِن استادوں کے فیضِ سخن سے صاحبِ دیوان ہوگئے یہ اُنکا کلام ہے۔

گرتی شکمِ صاف پہ ہے آبِ رواں کی
بل کھائے بال آگ پہ رکھے اگر کوئی
اعمالِ بد نے مجکو نکالا بہشت سے

باآپ کا گرمی سے پسینے میں ہی تر پیٹ
اُس روئے آتشیں پہ نہ کیوں پیچ کھائے زلف
دوزخ بھڑک اُٹھا مرے اعمالِ زشت سے

اے زاہد وہیں سے ہمارا اسلام ہی
کوچہ میں اُس صنم کے بھی ملجائیگا وُہی
توڑونگا میں نہ خاطرِ پیرِ مغاں کبھی
اُٹھا نہ بارِ ضعف کا مجھ ناتواں سے
شکوہ تمھارا سنتے ہیں ہم ہر زباں سے
تیرے شہیدِ ناز کو زندہ نہ کرسکیں

کعبہ کو کون جائے جوارِ کنشت سے
آدم کو جس خدا نے نکالا بہشت سے
بنوا کو میکدہ مری تربت کی خشت سے
شرمندہ ایک خس کا نہیں میں جہان سے
آواز ایک آتی ہی سلک سے جہان سے
عیسیٰ اُتر کے آئیں اگر آسمان سے

ذکی۔ شاعرِ خوش مذاق منشی مہدی علیخاں ذکیؔ خلف شیخ کرامت علی۔ اِنکے بزرگ شیخ زادگانِ لکھنؤ سے تھے مگر اُنکا مولد و مسکن مراد آباد ہے۔ نواب محمد سعید خاں والی ریاستِ رامپور کے عہد میں برسوں وظیفہ خوار ریاست رہے پھر نواب غازی الدین حیدر بادشاہ اودھ کے عہد میں لکھنؤ چلے گئے، وہاں جاکر شیخ امام بخش ناسخ کی شاگردی اختیار کی اور نواب صاحب موصوف کی شان میں قصیدہ کہکر سنایا خلعت و انعام سے مالامال ہوئے، پھر تھوڑے دنوں کے لئے دہلی آئے اُن دنوں نواب مصطفی خاں بہادر متخلص شیفتہ کے ہاں بزمِ مشاعرہ منعقد ہوتی تھی آپ بھی اُس جلسہ میں شریک ہوکر مو رِدِ تحسین و آفرین ہوئے، مگر ان دنوں دِلی اپنے حال میں مبتلا تھی، یہاں سے بھی دل برداشتہ ہوکر سہارنپور پہنچے لیکن دِل اُچاٹ رہا

حیدرآباد دکن چلے گئے وہاں دولت کے فرشتہ نے جنم بار دیا تھا، اور دن رات چاندی سونے کی گنگا جمنا بہتی تھی، وہاں اِنکے کمال کی بھی قرار واقعی قدردانی ہوئی۔ یہ بھی اپنے فن میں اُستاد مسلم الثبوت تھے، نواب ناصر الدولہ نظام الملک بہادر والی ریاست کی مدح میں وہ وہ عمدہ قصائد کہہ کہکر پیش کئے جن میں خوب خوب صنعتیں تھیں، ان کو سن کر اہلِ دربار کیا وہاں کے تمام رؤسا ادب کے ساتھ پیش آنے لگے اور نواب صاحب بہادر نے خلعت و انعام سے مالامال فرمایا۔ آخر کشش حب وطن نے پھر اپنی طرف کھینچا اور مرادآباد آگئے۔ چندروز بعد لکھنؤ پہنچکر قطب الدولہ کی وساطت سے واجد علیشاہ کی سرکار میں ملازم ہوئے اور ملک الشعرا کا خطاب پایا، چنانچہ اُنکی مُہر میں ملک الشعرا شیخ مہدی علیخاں ۱۲۶۶ھ کندہ تھا، غدر کے بعد وطن میں خانہ نشین تھے کہ نواب یوسف علیخاں نے اِنکے کمال کا شہرہ سُنکر اپنے دربار میں طلب کیا، چنانچہ یہ رامپور چلے گئے اور جب تک نواب ناظم زندہ رہے وہیں رہے۔ اُنکی وفات کے بعد وہاں سے دل اُکتا گیا اور ۱۲۸۲ھ میں انبالہ پہنچے دو برس کچھ مہینے وہاں قیام کو گذرے تھے کہ پیام اجل آگیا، ماہ ذیقعد ۱۲۸۳ھ میں قضا کی۔ انتخاب یادگار میں اِنکی تاریخ وفات ۱۲۸۱ھ درج ہی مگر غلط ہے، یہ صاحب سخن مورخ بے بدل۔ فاضل بیمثل شیریں سخن، ظریف اور زود فکر تھے، طرز سخن نہایت دلفریب اور پسندیدہ ہی، ایک رسالہ عروض و قوافی میں مسمیٰ بہ یادگیر ۱۲۶۵ھ میں مرتب کیا تھا، کلیات ذکی عرصہ ہوا منشی نولکشور نے اپنے مطبع سے شائع کیا تھا۔

صرفہ اب پردہ دری میں ہے دلِ نالاں کس کا — دامن یار ہی چھوٹا تو گریباں کس کا
لے اُڑی انجمنِ ناز میں دل کس کی نگاہ — چوریاں کرنے لگے غمزۂ پنہاں کس کا
ہاتھ پر غمزۂ خونریز کو رکھتے ہیں حسیں — دیکھئے آج نکلجائے گا ارماں کس کا
ہُوا ہے آفتاب صبح شعلہ داغ پنہاں کا — بنا تارِ شعاعی تار زنار اپنے گریباں کا
غبارِ قیس میں جاں آ گئی ٹھوکر سے لیلیٰ کی — اُڑا جاتا ہی جگنو بنکے ہر ذرہ بیاباں کا

کھلا کِھلنے میں گل کے مدعا رخصت گلشن ہے
صدائے الفراق آئی جو ٹوٹا زخم کا ٹانکا

بھکر ساقیٔ دریا دل نہ پاؤنگے چھالوں کو
زباں سوکھی دکھاتا ہے ہر اک کانٹا بیاباں کا

بہار آئی ہے قاصد جی میں رہ رہکر یہ آتا ہے
کہ جائے نامہ بھیجیں یار کو پرزہ گریباں کا

ق

نشہ نے شوق کے جو بد شرابی کا اثر بخشا
کچھ ایسا ہوش بگڑا شب دلِ مشتاق جاناں کا

بلائیں شمع کی لیں اس رخِ تاباں کے دھوکے ہیں
لب ساقی سمجھ کر لے لیا بوسہ نمکداں کا

بگولے کی طرح اٹھتا ہوں میں صحرا نوردی کو
کیا ہی بے سروپائی میں کیا پائے سفر پیدا

ذکی جوں شمع اپنی زندگی جلتے ہی کٹتی ہے
[1] کیا ہے سوزِ دل کے واسطے ہمکو مگر پیدا

خون کا دریا جو تھا سینے میں اپنے موجزن
تیر کر نکلا خدنگِ ناز اس سفاک کا

نازِ معشوقانہ کو زیبندہ ہے شانِ حجاب
لن ترانی گو ہے جلوہ شاہدِ بیباک کا

کیا دکھاتا ہے بہار اب کے برس جوشِ جنوں
گل کھلے دیکھئے کیا چاک گریبانی کا

کشمکش گردشِ دوراں کی ہے درپے کیا کیا
سخت مشکل ہے نباہ آہ تن آسانی کا

گر بگولے بھی اٹھے خاک سے تو خاک ہے لطف
زندگی میں ہے مزا بے سروسامانی کا

حوریں جو آئیں جائے نکیرین قبر میں
کیا کیا مزا اٹھائیں سوال و جواب کا

بسمل تری نگہ کے تڑپتے نہیں کبھی
پانی بھی مانگتے ہیں تو خنجر کی آب کا

اے نامہ بر جو پڑھ سکے وہ خط ہے ہو خموش
زنہار تو سوال نہ کرنا جواب کا

کیونکر نہ خون ہو مری حسرت بھری نگاہ
آنکھوں میں کٹ گیا ہے زمانہ شباب کا

بے لطف زندگی کی بہاریں ہیں رنج میں
عیش و طرب کے ساتھ مزا ہے شباب کا

گذری فراقِ یار میں افسوس یہ بہار
دل پر رہیگا داغ شب ماہتاب کا

ہیں کافرانِ عشق حرم میں سیاہ مست
دل میں صنم بغل میں ہے شیشہ شراب کا

وحشت ہے آشکار زلیخا کے حال سے
آنکھیں بیان کرتی ہیں افسانہ خواب کا

دام کے پھندے قفس کی تیلیاں توڑیں تو کیا
کاش رشتہ ٹوٹ جاتا الفتِ صیاد کا

[1] نوٹ گلشن بیخار میں یہ شعر مرزا کے شاگرد کے نام سے درج ہے۔

مزے جہاں کے اٹھائے یہ خاکساری میں
کہ بندگی میں تماشا کیا خدائی کا

قاصد کے جو ہوش گم تھے یہ طرفہ ماجرا تھا
کہتا تھا کچھ زبانی اور خط میں کچھ لکھا تھا

اک بات پر تمہاری سوجی سے ہم تھے قرباں
کچھ بات اب نہ پوچھو کیا جانئے وہ کیا تھا

شب وصل اپنی گذر گئی تو سحر کو اپنا یہ حال تھا
دل و دیدہ حیرت و غم میں تھے کہ یہ خواب تھا کہ خیال تھا

تا مرگ دردِ عشق نہ ہم سے جدا ہوا
زیرِ کفن بھی ہاتھ ہے دل پر رکھا ہوا

لپٹے ہوئے تھے دلوں میں ہزارہا نیرنگ
طلسمِ ہستیِ موہوم اک بہانہ ہوا

تو ہوا گرمِ سخن اور کھل گیا رازِ نہاں
تو ہنسا اور غنچۂ تصویر گویا ہو گیا

کچھ اور ہے باقی ہوس کو نہ کن تم میں
یا دیکھ چکے کو دو نیا باں کا تماشا

مہِ کنعاں کی زلیخا نے خریداری کی
عشق نے حسن کو رسوا سرِ بازار کیا

گو مگو بات ہے کچھ کہہ نہیں سکتا قاصد
کہ نہ انکار کیا اس نے نہ اقرار کیا

جب سامنے کبھی وہ پری زاد آ گیا
دیوانہ پن کبھی کا ہمیں یاد آ گیا

شمع گل ہونے لگی یارانِ محفل اٹھ چلے
ایک میں رونے کو تنہا انجمن میں رہ گیا

آج تو انداز باتوں کا تری کچھ اور ہے
پا گئے ہم بھی کہ ہے غیروں کا سکھلایا ہوا

اس آبِ گل میں اپنی تو الفت کا ہے خمیر
بیگانہ ہو نہ سبزہ بھی اپنے مزار کا

آثارِ صبح ہے کہ مرا حال دیکھ کر
ٹکڑے جگر ہوا ہے شبِ انتظار کا

ہمارے حال پہ لازم ہے رحم او صیاد
کہ پر شکستہ ہیں اور شوق ہے رہائی کا

سوچ میں تعبیر کے یوسف کو نیند آنے لگی
ماجرا خوابِ زلیخا کا عجب افسانہ تھا

جلوہ گر آنکھوں میں ہے شوخی نگاہِ یار کی
پتلیوں کا ناچ پریوں کا تماشا ہو گیا

زہر کھایا سبزہ رنگوں کی محبت میں جو کی
صندلی رنگوں کی غم میں دردِ سر پیدا کیا

دم بدم ہوتی ہے تغییر یہاں صورتِ حال
رنگ ہر حال بدلتی ہے تری یاد نیا

لے ہی چکا وہ جان و دل و طاقت و تواں
کیوں آگئے اب یہاں اس سے کیا کام رہ گیا

روشنی گر لب دریا ہو مریحان پسند
ہم مژہ پر کریں اشکوں سے چراغاں پیدا

دیوانہ اس گلی میں دلِ زار ہو گیا
سایہ پری کا سایۂ دیوار ہو گیا

ہنسی ہنسی میں کیا تمنے زخم دل تازہ
نمک چھڑکتے تو ایسا کہاں مزا ہوتا

بجو دجالِ ساقی سرشار نے کیا
کارِ شراب شربتِ دیدار نے کیا

ہوئے بجوِ دغمِ تنہائی سے
کہیے کس سے ہمیں کیا یاد آیا

بے حرج دل کو عشق کا آزار ہو گیا
کسکی نظر لگی کہ بیمار ہو گیا

لائقِ سزا کے کشتۂ دیدار ہو گیا
آنکھوں سے دیکھنے کا گنہگار ہو گیا

کیا عجب ہے گر وہ پھر زندہ ہوں اے عیسیٰ نفس
لائے تو اپنے شہیدوں کا جو مدفن زیر پا

نشہ کی حالت میں جھپکا ڈر کے شوخ نازنیں
لٹ جو اپنی زلف کی سمجھا وہ ناگن زیر پا

بوسہ لیتی ہے جو پاپوش نگاریں پاؤں کا
رشک سے کہتا ہے دل اپنا کہ دشمن زیر پا

پا دا قاتل کی قابل دیکھیے وقت ذبح
ہاتھ ہے بسمل کی آنکھوں پر تو گردن زیر پا

غفلت میں کام دل ہمیں بے جستجو ملا
اپنی تلاش تھی کہ نصیبوں سے تو ملا

سب ہمصفیر قید سے چھوٹے بہار میں
اک میں اسیر الفتِ صیاد رہ گیا

صیاد نے خبر بھی نہ لی مرغِ دل کی حیف
آخر تڑپ تڑپ کے تہِ دام رہ گیا

اک برق سی چمکی نگہِ شعلہ فشاں میں
دیکھا جو بھبھوکا بدن اس رشک پری کا

کیا کہا میں نے کہ جھڑکی کا سزاوار ہوا
بات کیا منہ سے نکالی کہ گنہگار ہوا

طرزِ سخن مرقعِ نیرنگ ہو گیا
کاغذ طلسم خانۂ ارژنگ ہو گیا

حسن کی سیر ہے منظور تو رکھیے ہر آن
آئینہ پیشِ نظر چشمِ تماشائی کا

بوسہ عارض کا لیا ہمنے بلائیں لیکر
کس تکلف سے ترے حسن کا صدقہ اترا

ہنسی کے لطف اٹھے جو غضب میں یار آیا
ملی جو بوسہ پہ گالی تو اور پیار آیا

جل بسے اہلِ جنوں خالی بیاباں رہ گیا
جا بجا الجھا ہوا کانٹوں میں داماں رہ گیا

حرم کہو قصہ ہمارا بزمِ حسن و عشق میں
ہنستا ہو وہ کہ ہونٹوں پہ سُرخی ہو پان کی
جوہر کی قدر کُھلتی ہو معنی شناس سے
دل میں صبح شب وصل آگ لگا دیتا ہو
ہر سحر طرز شفق سے یہ عیاں ہو کہ مدام
آنکھوں میں اُسکی سرمۂ دنبالہ دار ہے
خیالِ یار میں ہے چشم تر بند
لالہ رویوں کا جگر غم سے مرے داغ ہوا
عاشق کی بیخودی سے تو بگڑا ہوا ہی کیا
سمجھے ساقی سے خجل ہو لوٹے کظرفی دل
غش ہے نگاہ شوخیٔ انداز ناز پر
کشتۂ انداز سے آنکھیں چرانا واہ واہ
سبز پتوں سے شہیدانِ چمن کے زخم پر
پچھلے داغوں سے جگر پر ہیں نشان باقی ہنوز
ہم دیکھتے ہی رہگئے اور صاف نظر میں
معنی کا لطف کچھ نہیں صورت پرست کو
جنوں نے غل مچا کر خاک اُڑا کر
چھپا ظلمت میں آبِ زندگانی
کُھلا ہستی کا پردہ جن کے دل پر
نپائے خستہ جاں مجھ سا جو ڈھونڈھے
چوری سے بوسہ لیجئے پائے نگاہ کا

گل کہے رودادِ بلبل شمع پروانے کی بات
آتش لگی ہے خرمنِ برقِ یمن میں آج
ہم سخن ہو نسخۂ علم و ہنر کی شرح
چھوڑ دیتا ہو جو خورشید کی چنگاری چرخ
چشم خورشید کو سکھلاتے ہو خونخواری چرخ
ہونے لگی نمودِ غزالِ ختن کی شاخ
پری شیشے کے اندر ہے نظر بند
تازہ گل باغ محبت میں کھلا میرے بعد
اے مستِ ناز اپنی طرف تو خیال کر
بوسۂ لب کی طلب پہلے ہی پیمانے پر
جی لوٹتا ہے غمزۂ عاشق نواز پر
ٹھہرے مکھڑا چھپا لجان کر پہچان کر
مرہم زنگار کے پھاہے لگاتی ہو بہار
دیکھئے ابکے برس کیا گل کھلاتی ہو بہار
دل لے ہی گیا وہ بتِ عیار اُڑا کر
بلبل نہو فریفتہ عطرِ گلاب پر
بیاباں رکھ لیا سر پر اُٹھا کر
دھڑی مسّی کی ہونٹوں پر جما کر
وہ بیٹھے زندگی سے ہاتھ اُٹھا کر
فلک خورشید کی مشعل جلا کر
اِس رنگ سے کہ دزدِ حنا کو نہو خبر

پردے میں آنکھ لڑتی ہے اُس رشکِ حور سے / پر ڈر یہ ہے کہ شرم و حیا کو نہ ہو خبر

وہاں پھولوں کے بستر ہیں کیا چین کی نیندیں / کانٹوں کا یہاں فرش ہے کروٹ کے برابر

منزلِ گہِ فنا کی خبر کس سے پوچھئے / جا کر وہاں پھرا نہ کوئی کاروان ہنوز

وصلِ محبوب میں ہو جاتا ہے آسان وصال / ناز و غمزے کے جو پاتے ہیں سہارے عاشق

کیونکر دلِ بیتاب پہ لگتا ہے نشانہ / ہیں سب قدر انداز ترے تیر کے مشتاق

خوں ہو دلِ بیقرار کب تک / آنسو ہوں گلے کا ہار کب تک

عشق کی آگ سے بھڑکی دلِ بیتاب میں آگ / برقِ سوزاں سے لگی چشمۂ سیماب میں آگ

آب پاشی مژۂ تر کی نہ آئی کچھ کام / سوزِ فرقت سے جو بھڑکی دلِ بیتاب میں آگ

واقعی قابلِ سزا ہیں ہم / یعنی دیرینہ آشنا ہیں ہم

اے صنم یہ ستم خدا سے ڈر / عاقبت بندۂ خدا ہیں ہم

قافلے والو اک ذرا ٹھیرو / پھر کے دیکھو شکستہ پا ہیں ہم

ہیں غفلت نہ یہ زیست شکلِ حباب / آنکھ کھولی تو بس ہوا ہیں ہم

تڑپتے رہے بلکہ مرتے رہے ہم / مگر دم محبت کا بھرتے رہے ہم

بہت زندگی کے مزے ہمنے لوٹے / بہت تجھپر اے جان مرتے رہے ہم

شب آئے نہیں قاتل کے جو دیر گذری / تجھے اے اجل یاد کرتے رہے ہم

نہیں تاب کہ دیکھوں جمالِ صنم تجھے خوبیٔ دیدہ دری کی قسم / رخِ حسن کی جلوہ گری کی قسم غمِ عشق پردہ دری کی قسم

تجھے عارضِ رشکِ قمر کی قسم تجھے شعلۂ داغِ جگر کی قسم / تجھے شوخیٔ برقِ نظر کی قسم تجھے گرمیٔ جلوہ گری کی قسم

نکل آتا ذرا دلِ زار کو خوں کہ یہ ذوقِ سخن ہے مذاقِ نواں / تری طرز سے آتی ہے بوئے جنوں مجھے تیری ہی بیجگری کی قسم

ہر چند گناہگار ہیں ہم / رحمت کے امیدوار ہیں ہم

اے حشر خبر شتاب لینا / بیتاب تہِ مزار ہیں ہم

ہو خاک سے اپنی لالہ پیدا / خونیں جگرِ بہار ہیں ہم

بوسہ غنچہ میں نہاں یا ترے ہونٹوں پہ ہنسی / قید شیشے میں پری ہے کہ حیا آنکھوں میں

اب سبب کیا ہو کہ کانٹا سا کھٹکتا ہے ذکی — یہ وہی دل ہے کہ رہتا تھا سدا آنکھوں میں

کیا قضا ہے کہ سرگرم نظارہ ہوں میں — پیام حشر ہے مجکو کہ بے قرار ہوں میں
چمن میں سبزۂ پامال گرچہ ہوں لیکن — نظر میں گل کی کھٹکتا یہ ہو کہ خار ہوں میں

وہ آدمی ہی کیا جو نہو درد آشنا — پتھر سے کم ہو دل میں شرر گر نہاں نہیں
دمکار کیا ہے عاشق و معشوق بن ... — دو دل جو ایک ہیں تو دوئی درمیاں نہیں

وحدت ہے درمیاں تو پھر ای دل دوئی کہاں — شوق وصال ہے تو سمجھ لے کہ تو نہیں
درپیش ہے ہزار مصیبت امید سے — کچھ غم نہیں ہے دل کو جو کچھ آرزو نہیں

ہم لیکے دل بغل میں بزم صنم میں آئے — شیشہ چھپا کے لائے پریوں کی انجمن میں
کیوں یاد زلف جاناں قیدی ہمیں بنایا — کیوں رشتۂ محبت باندھا ہمیں رسن میں

عرس مجنوں ہے کہ صحرا میں بگولے بن کر — وجد کرتے ہوئے مستوں کے غبار آتے ہیں
دیر سے کچھ خبر خاطر ناشاد نہیں — دل کہاں بھول اٹھا ہوں مجھے کچھ یاد نہیں

اس پتہ سے پوچھنا قاصد مکان یار کو — چاندنی کہتے ہیں کسکے سایۂ دیوار کو
کچھ نہ پوچھو تپش دل کا ہمارے احوال — ہے وہ عالم کہ قیامت بھی تماشائی ہو

آشنا سب کا ہے تو اور کسی کا بھی نہیں — کوئی کیا تجھ پہ فدا اے بت ہرجائی ہو
تنگ ہوں ننگ سے اب دل میں آتی ہے ترنگ — میں ہوں اور یار ہو اور عالم رسوائی ہو

قاتل کے ڈر سے بات بھی منہ سے نہ کہہ سکا — ہونٹوں پہ خوں ہوئی دل بسمل کی آرزو
لطف جاں بخش بھی ہے غمزۂ بیداد کیساتھ — مژدہ اے دل کہ مسیحا بھی ہے جلاد کے ساتھ

شرما کے، طیش کھا کے، خفا ہو کے، ہنس پڑے — پاؤں پہ میں گرا جو بدن پر لگا کے ہاتھ
منت مرے جل مرنے کی پوری ہوئی لیکن — تم شمع چڑھانے کو بھی مدفن پہ نہ آئے
برق طپش آہ سے پہنچے نہ کہیں آنچ — کہدو کہ قیامت مرے مدفن پہ نہ آئے

جوہر تھے مجھ میں سب ملکوتی خصال کے — انساں بنا کے کیوں مری مٹی خراب کی

ماہتابی پر جو وہ خورشید رو ہے بے حجاب
اپنے جامہ سے ہوئی جاتی ہے باہر چاندنی

دکھلا رہے ہیں رنگ گلستاں نئے نئے
پتے ہرے ہرے گل و ریحاں نئے نئے

آغازِ عشق میں یہ مزا ہے کہ لے جنوں
دامن نئے نئے ہیں گریباں نئے نئے

آوارگی کی سیر ہے اور آمدِ بہار
سودا ہے تازہ تازہ بیاباں نئے نئے

ہوئی لطفِ تصور میں یہاں تابِ سخن
ورنہ شکوے تو بہت ای غمِ تنہائی تھے

خیالِ زلف میں کب دلکا داغ جلتا ہے
کہیں بھی کالے کے آگے چراغ جلتا ہے

افسردہ اشک و آہ نے ایسا کیا مجھے
دل بستگی کسی سے مسافر کو کیا ضرور
شاید چلی ہے جنبشِ دامانِ یار سے
کہنا پیامبر کہ فراموش ہے کیا
گلہ سنتے ہی سن کے آنکھوں سے گرتے ہیں لختِ دل
جب سنا کہ پاؤں میں مہندی لگی ہے وہاں
ہمکو ملا کے خاک میں بھی تم ہوئے نہ صاف
دلِ چھاننے میں دیکھیے اب کسی بن پڑے
اس دم ہوا مقابلہ صبحِ اُمید کا
تاثیر داغِ عشق یہ دیکھو کہ بعدِ مرگ
بدلی اُٹھی ہے موجِ ہوائے بہار سے
طرزِ سخن سے رنگ ٹپکتا ہے اے ذکی
اِک ذرا تیغِ نگہ کا جو اشارا ہو جائے
یہ حسن سبز ہے زہر ہلاہل خستہ جانوں کو
دیکھو ذکی کہ اب وہ چرانے لگے نگاہ

جنگل کا شوق ہے نہ چمن کی ہوا مجھے
جب دل لگا تو رہ گئے جب دل اُٹھا چلے
آتی ہے بوئے ناز نسیمِ بہار سے
وعدہ بھی کچھ کیا تھا کسی بیقرار سے
یہ ہار گوندھے جاتے ہیں اشکوں کے تار سے
یہاں خوں ٹپک پڑا نگہِ انتظار سے
دل میں وہی غبار ہے اس خاکسار سے
پھولوں کے ہار اُٹھے تو مِیں لفِ یار سے
آنکھیں سفید ہو گئیں جب انتظار سے
ہر ذرہ آفتاب ہے اپنے غبار سے
بجلی چمک رہی ہے فغانِ ہزار سے
گویا زبان دھوئی ہے خونِ ہزار سے
آپکا نام ہوا اور کام ہمارا ہو جائے
یہ زنگاری ڈوپٹہ اور مہر آسمانی ہے
آنکھوں کو جنکی دیکھ کے بیمار ہم ہوئے

یہ چمن کی خاک میں ہے اثرِ نمِ اشکِ بلبلِ زار سے
کہ جنوں کی لہر سی اٹھتی ہے رگِ گل میں خونِ ہزار سے

تیری آنکھوں میں ہے وہ شوخ طرحدار پری
زلف ہے یا لِ پری شعلۂ رخسار پری

نشۂ بادۂ گلرنگ سے دیکھا نیرنگ
آنکھڑیاں شیشہ ہیں برقِ نگہِ یار پری

دامِ تحریر میں مضمونِ دل آ ہے ہیہر
یا خمِ زلفِ سخن میں ہے گرفتار پری

کسکو جلوہ فروشوں سے پریشاں ہے ذکی
نظر آتا ہے ہر ک شاہدِ بازار پری

شعلہ خو یار کو دیکھا جو ادھر سے برہم
اور بھڑکانے لگے آگ لگانیوالے

ایک نشتر ہی کہ دیتا ہے رگِ جان کو خراش
ایک کانٹا ہے کہ پہلو میں چبھوتا ہے کوئی

ہر ایک دیکھکے کیوں بے قرار ہے
خورشیدِ حشر کیا کہیں تصویرِ یار ہے

پیری میں بھی مزا ہی میسر اگر ہے عیش
دل کو سرور ہو تو خزاں بھی بہار ہے

مطلعِ صبحِ قیامت ہے شبیہِ زخمِ دل
آفتابِ صبحِ محشر داغ کی تصویر ہے

اے ذکی پوچھ نہ باعث گرمیٔ اشعار کا
سوزِ دل کا حال نوکِ شعلہ سے تحریر ہے

محشر نے آکے قبر میں تڑپا دیا مجھے
کسکی خرامِ ناز کا دھوکا ہوا مجھے

بیٹھکر گورِ غریباں سے جو یار اٹھتا ہے
اسکے دامن کے پکڑنیکو غبار اٹھتا ہے

پیشوائی کو شتاب آئے قیامت سے کہو
کہ جہاں سے کوئی بے صبر و قرار اٹھتا ہے

نجد میں ناقۂ لیلی جو کبھی گذرا تھا
اب تلک تربتِ مجنوں سے غبار اٹھتا ہے

مستیٔ لبِ گلگوں پر تصویر نظر آئی
یاقوت میں نیلم کی تحریر نظر آئی

پیشِ نظر اس رخ کی تنویر نظر آئی
پروازِ تصور کی تصویر نظر آئی

جو دلوں کی لگاوٹیں ہو دیں بہم تو خدا سے چھٹے نہ صنم سے چھٹے
ہوئے لاکھ طرح کے بگاڑ مگر نہ ہم آپ چھٹے نہ تمہی سے چھٹے

کبھی کھینچی چین ابرو چشم صنم تو رہینگی نہ خواہشیں انکی بہم
دل برہمن الفتِ بت سے چھٹے دلِ شیخ ہوا حرم سے چھٹے

تنگ ہوں میں کشمکش سے تیری اے دستِ جنوں
دامنِ دلدار کا صدقہ گریباں چھوڑ دے

بنتی ہیں مٹی کی پریاں نور کی صورت یہاں
لکھنؤ دیکھے تو دیوانہ پرستاں چھوڑ دے

بیقراری سے ہوا خوب کہ ٹوٹے پر و بال
ابتو اُمید رہائی سے رہائی ہوگی

زمیں سے لالہ نکلتا ہی داغ کھائے ہوئے
بہارِ عشق کے ہیں یہ بھی گُل کھلائے ہوئے

ذکی مرے دلِ وحشی کو مثلِ طائرِ رنگ
ہوائے طوق لیئے جاتی ہی اُڑائے ہوئے

رات دیوانگی شمع بھی ہم دیکھ چکے
گریۂ و خندۂ جانسوز بھی ہم دیکھ چکے

جی یہی چاہتا ہی پھر بھی کہ دیکھا ہی کریں
لاکھ باری تجھے سرتا بقدم دیکھ چکے

پیری و عہدِ شباب آہ خرابی ہیں کٹے
شب غم دیکھ چکے صبح الم دیکھ چکے

اب تڑپنے کی تمنا ہی تہِ تیغ نگاہ
خنجرِ غمزۂ دمساز کے دم دیکھ چکے

اب بھی ہو جاتا ہے پیمانِ وفا ہیں ہو کا
جھوٹے سو بار ترے قول و قسم دیکھ چکے

اب ہوس کیا ہی کہ آغوشِ تصور میں دبے
لب بلب سینہ بسینہ اُسے ہم دیکھ چکے

دیکھ چکے داغ تو آہ و فغاں بھی سُنئے
وا ہی بھی دیکھیو گے مر اتم کر جابر دیکھ چکے

جو کوئی دن کو چلے شکوہ ٹھہر جاتا ہے
قاصدِ عمرِ رواں آٹھ پہر جاتا ہے

میں تڑپتا ہوں پڑا نیم نگہ کا مشتاق
اے مری جان کے دشمن تو کدھر جاتا ہے

چشم جادو میں تری زہر ہے اور آبحیات
زندگی پاتا ہی کوئی کوئی مرجاتا ہے

ہنس ہنس کے زخمِ دل پہ چھڑکتے تو ہو نمک
پر یہاں تلک مزا ہی کہ باقی مزا رہے

زیبندہ ہی غرورِ بت مستِ ناز کو
اِس شرط پر کہ حسن کا عالم سدا رہے

جوہر کی قدر خاک نہو جب ترے حضور ف
پھر عاشقوں کی بات مری جان کیا رہے

دزدِ حنا کا سرقہ تو اُڑ جائے ہاتھوں ہاتھ
مضمون خونِ دل کا پڑا پیش پا رہے

لگا ہے غمِ فراق گئے آرزوئے وصل
کیا کیا ہو دل لگی جو کہیں دل لگا رہے

ہے وُہی عہد انتظار وہی
ہم وُہی، تُم وہی، قرار وہی

یہاں تو جز مشتِ خاک کچھ نہ رہا
یار کے دل میں ہے غبار وہی

بعکس جلوہ گر ہو لب لعل یار کا
نہریں لہو کی جاری ہوں خنجر کی آب سے

رستے میں آئینہ نظر تار شعاع خورشید
زلف مشکیں میں جو وہ طرۂ زرتار آ الجھے

وقت ہماری خاک پہ اک دم ضرور تھا
کیا لگے، کیا کھڑے ہوئے، کیا ٹھہرے، کیا چلے

مژگاں میں قطرے آنسوؤں کے ہیں مرے
دیکھے رونے میں کیا موتی پروتا ہے کوئی

ناصحا! کیوں منع کرتا ہے تو رونے سے مجھے
آہ ظالم کیا تری آنکھوں سے روتا ہے کوئی

ہر گل کو دلفگار جو دیکھے بہار میں
کیونکر نہ آہ سرد نسیم و صبا بھرے

یہ کیا سبب کہ تلخ ترا اس لب سے بات ہے
شیریں زباں تو غیرت شاخ نبات ہے

ہے سنگ سیاہ کعبۂ حسن
ابرو پہ جو اس صنم کی تل ہے

ڈالی چہرہ پہ آستین فانوس
پروانے سے شمع کیا خجل ہے

معشوق چھپائے کیوں نہ مکھڑا
چوری سے نگہ کی منفعل ہے

دل ہم سے جدا رہا ہمیشہ
گویا وہ ضمیر منفصل ہے

ذکی حکیم سید عبدالاحد صاحب ولد حکیم میر خادم علی صاحب مرحوم اصل وطن انکا اورنگ آباد ضلع بلند شہر ہے مگر میر خادم علی صاحب مرحوم بوجہ قرابت قصبہ مارہرہ ضلع ایٹہ میں جا رہے تھے اور وہیں انتقال کیا، جناب ذکی اسم بامسمی شخص ہیں ذہانت اور ذکاوت بات بات میں ظاہر ہوتی ہے فن طب میں نہایت عمدہ دستگاہ رکھتے ہیں، علم مجلسی سے خوب واقف ہیں اور نہایت خوش تقریر ہیں، عرصۂ دراز سے قصبہ کاسگنج ضلع ایٹہ میں مطب کرتے ہیں۔ ابتدائے عمر میں اکثر اور اب بھی کبھی کبھی کسی خاص فرمایش سے شعر و سخن کی طرف توجہ ہو جاتی ہے۔ ترتیب تذکرہ کے وقت جو اشعار انکے وصول ہوئے وہ درج ذیل ہیں چھپن ستاون سال کی عمر ہے

شب فرقت میں رو رو کر خیال گلبدن ہونا
پڑا ہے ہمکو موج اشک سے صحن چمن دھونا

کدورت دل کی مٹ جاتی ہے اشکوں کے بہانے سے
مری آنکھوں سے سیکھو دفتر رنج و محن دھونا

بعکس خورشید وش کی آمد آمد ہے کہ گلشن میں
ہوا دشوار شبنم کو گلوں کا پیرہن دھونا

عزیز و بعدِ مُردن مجھکو نہلانا تو یوں کرنا
مِٹانا داغِ حسرت پہلے پھر سارا بدن دھونا

پھر آ کر کوچۂ قاتل سے مِل بیٹھینگے ذکی ورنہ
ہماری زندگی سے ہاتھ سلے اہلِ وطن دھونا

عاشق کو اک اشارہ ہیں گردش میں الدین
آنکھیں تری نمونۂ لیل و نہار ہیں

سرگرمی ہجومِ نظارہ تو دیکھ لیں
مثلِ نقاب رخ پہ نگاہوں کے تار ہیں

کُشتے تمھارے دینگے لبِ گور سے جواب
اتنا تو پوچھ آکے یہ کس کے مزار ہیں

نرگسِ آنکھ نے مار ا تری ای یار مجھے
آپ سا کر لیا بیمار نے بیمار مجھے

تجھکو ہر روز گریبان کہاں سے لادوں
اے جنوں اتنو میسر نہیں اک تار مجھے

خدا سے شکوۂ جورِ بتاں کیجے تو کیا کیجے
شکایت گل کی پیشِ باغباں کیجے تو کیا کیجے

جفا جو، بے مُروّت، بیوفا، بے مہر، بے پروا
ذکی یہ ہے شعارِ گلرخاں کیجے تو کیا کیجے

ذکی

ذکی منشی محمد کریم لکھنوی، آپ بہ سلسلۂ ملازمت ریاستِ بھوپال میں سنہ ۱۹۱۰ء میں برسرِ روزگار تھے اور منشی سراج میر خان ہجر سے اصلاح لیتے تھے۔

مجھے ضد ہے کہ وعدہ لیکے اُٹھوں
وہاں تار اُسنے باندھا ہے نہیں کا

کیا اُس بُت نے وعدہ بھی تو ہنس کر
نکالا "ہاں" میں بھی پہلو "نہیں" کا

وابستہ دل ہیں یُوں تری زلفِ رسا کے ساتھ
اقبال جیسے سایۂ بالِ ہُما کے ساتھ

خوش ہیں جہاں میں جام و مے و دلربا کے ساتھ
روزِ جزا کی دیکھیں گے روزِ جزا کے ساتھ

دیکھے ادا و ناز و کرشمہ تو کھو گیا
رو بیٹھے دل کو ہم تری محفل میں لا کے ساتھ

بسمل ہوا کوئی تو کوئی لوٹنے لگا
تیغِ نظر چلی جو کسی کی ادا کے ساتھ

صیاد کی نگاہِ غضب اُس پہ جب پڑی
بجلی بھی آسماں سے گری تلملا کے ساتھ

تم نے ہمارا حالِ محبت سُنا ذکی
اب کیا وفا کرے کوئی اُس بیوفا کے ساتھ

ذکی

ذکی میرزا کبیر الدین گورگانی متخلص بہ ذکی سنہ ۱۸۲۳ء میں جو دہلی میں مشاعرے ہوتے تھے اُن میں غزل خوانی کیا کرتے تھے شاید اپنے عزیز مرزا ارشد گورگانی سے اِس فن میں مستفید تھے

اس پہ چلن کیسی ہم تو ہیں حاضر ابھی صنم
خنجر نکالیے کہیں صاحب کمر سے آپ

عاشق تو ہیں ہوس یہ تو کیا راہ ہے ابھی
بیفائدہ ہم الجھتے ہیں کیوں مدبر سے آپ

آپ ہی روش ہیں آپکے غلمان نہینگے دوست
ہاں ہم بشر ہیں کیونکہ ملینگے بشر سے آپ

کیا ہے منع کرنے میں خنجر کی جستجو
کر دیجئے فیصلہ آخر بھی نظر سے آپ

ذکی

ذکی۔ منشی اشفاق حسین صاحب قوم کمبوہ ساکن قصبہ مارہرہ ضلع ایٹہ محکمۂ بندوبست میں ملازم اور ابتدائے عمر سے شعر و سخن کے شائق ہیں پچاس برس کے قریب عمر ہے پرانی طرز پہ شعر کہتے ہیں، فارسی کا مذاق بھی رکھتے ہیں ترتیب تذکرہ کے وقت جو انکا کلام وصول ہوا اُس کا انتخاب لکھا جاتا ہے ۱۸۹۷ء میں بہ سلسلۂ ملازمت بدایوں میں تھے اور زیادہ حال معلوم نہیں۔

شکریہ بار بار تمہاری نہیں نہیں
ہاں کا بھی اعتبار اب اے نازنیں نہیں

چھوڑ آتے گر عدم میں تو رہتے تو چین سے
دنیا میں آئے کیوں دلِ مضطر لیے ہوئے

وحشت کا جوش پھر ہی مجھے کوہ و دشت میں
پھرتا ہے میرے بخت کا چکر لیے ہوئے

کشتے تمہاری تیغ نظر کے تئیں ضرور
جاوینگے پیش داورِ محشر لیے ہوئے

ساقی تمہارے پہنچے کہاں سے کہاں ذکی
بیٹھے رہو تم اپنا مقدر لیے ہوئے

ذلیق

ذلیق۔ مولوی محمد نصر اللہ خان مدرس مدرسۂ اسلامی عربی حسن پور۔ چند شعر ملاحظہ ہوں۔

اجل تو بیٹھی ہے روزِ ازل سے تاکے مجھے
حیات رکھتی ہے لیکن بچا بچا کے مجھے

تمہارے دل کی تمنا بھی ہو گئی پوری
شبِ وصال وہ بوسے گلے لگا کے مجھے

اٹھاؤ ہاتھ مرے دردِ دل سے چارہ گرو!
خدا پہ چھوڑ دو اب واسطے خدا کے مجھے

دلِ حزیں سے مرے سختیاں نہیں اٹھتیں
بتو! معاف کرو واسطے خدا کے مجھے

ذوق

ذوق۔ الف خان ابنِ دلیر خان معروف بہ صفت عوالی نشان پسر بخشی اعظم نواب سعداللہ خاں
آپ اہلِ مروت، آشنا پرست، صاحبِ حوصلہ، خوش سلیقہ، خوش تلاش، خوش فکر تھے۔ اگرچہ

مشق کم تھی مگر ذہن رسا اور فکر بجا رکھتے تھے، قدرت اللہ شوق کہتے ہیں مجھ پر انکا حق نمک بدرجۂ غایت ہے۔ الغرض شاہ عالم ثانی کے آخر عہد میں ایک خوش باش، خوش گذران رئیس تھے۔ اور علم وہنر کے قدر دان۔ یہ انکا کلام ہے۔

لگی ہے آخرش جاکر یہ ظالم تیرے قدموں سے
چلا تھا ہو نہ کچھ اس خاک دامنگیر پہ تیرا

اگر میری طرح سیماب لا دے تو میں جانوں
ہوس ناز بیجا ہے اب اس اکسیر پر تیرا

رہے ہے ان ماہ وشوں سے یہ مری آنکھ لگی
شیوا پکڑا ہے سدا چشم نے بیداری کا

مجھ ستم سا جو تم ہو تو میں تقریر کروں
تا بکے کیجیے بیاں تیری ستم کی صورت

ہائے شب پوچھے تھا وہ مجھ سے کہ کس انداز سے
کہہ سکا ایک نہیں خطرۂ غماز سے راز

پہنچا ہے جب سے گوشۂ دستار پر ترے
ہے کچھ بلند عرش بریں سے دماغ گل

لخت دل اشک سے اب رہتے ہیں پانی میں
گرچہ آتش نہیں آتی ہے نظر پانی میں

عکس ابرو کا تری دیکھ کے مثل شمشیر
موج دریا کی ہوئی زیر و زبر پانی میں

خدا ہی جانے کہ طفلی میں کیا بلا ہوگا
مجھے تو مار گئی یہ ادا جوانی کی

برنگ مہر و شبنم نت مری اوقات کٹتی ہے
جو سرگرداں پھروں دن کو تو رونے رات کٹتی ہے

اہل چمن کو کس کی گلشن میں جستجو ہے
ہر سرو جو کھڑا واں جھانکے ہر ایک سو ہے

ملے کیا کیا جواہر عشق کے ہمکو خزینہ سے
جھڑے ہیں داغ اور گل کھائے سینہ پر نگینے سے

کہاں وہ دن کہاں وہ دل کہاں ہے تیرا وہ عالم
سفر کر آئے ہیں مدت میں لگجا اب تو سینے سے

جواب خط کو کب لکھتا ہے جسنے پڑھنے ہی نامہ
مرا نامہ ہے تراشا ایک قلم دل کے سفینہ سے

نکلتے ہیں ستارے دن کو بھی خورشید کے آگے
ہوئی یہ بات اب روشن ترے منہ کے پسینے سے

مصرع در گوش خوباں تو ہے آفت جان
پر اس کان خوبی کا بالا بلا ہے

پری، یا حور، یا غلماں، کہ نور حق تعالیٰ ہے
کہ چپ رہنے کی جا ہے اسکا عالم ہی نرالا ہے

بلا، آفت، غضب، قہر خدا وہ قد بالا ہے
فلک نے بیکسوں کیواسطے یہ فتنہ پالا ہے

نیا انداز، نئی طرزیں، نیا جوبن، نئی باتیں
بلا کا نشہ سحر جو ہے غضب چھپ کے کلی ست پہ

ابھی چشم بد دور ہوش ابھی اُسنے سنبھالا ہے
گلے میں ڈھلکی آفت پڑی سینہ پہ مالا ہو

شیفتہ میں اپنے درد کی بات
سُن سُن کے لگا وہ کہنے ہاں ہاں

میں نے جو سُنائی ناگہانی
آگے بھی سُنی تھی یہ کہانی

ذو **ذوق** - عندلیب شکرستان فصاحت طوطی چمنستانِ بلاغت ملک الشعرا خاقانی ہند شیخ محمد ابراہیم دہلوی ولد شیخ محمد رمضان ۱۱ ذی الحجہ ۱۲۰۴ھ کو پیدا ہوئے۔ انکے خاندان کے لوگ اب بھی دہلی میں حجامی کرتے ہیں، اسکے علاوہ کچھ قطعات تاریخ وفات سے بھی یہ بات ثابت ہو، نیز یہ امر کہ کسی معصر تذکرہ نویس مثل شیفتہ، آزردہ۔ ناسخ۔ صابر، محسن، منشی کریم الدین، کسی نے ولدیت کا اشارہ تک نہیں کیا جو غالباً عمداً معلوم ہوتا ہے مگر مولوی محمد حسین آزاد استاد پرستی کی ترنگ میں شیخ محمد رمضان کو سپاہی زادہ بتاتے ہیں، اُنکا بیان ہو کہ اُنکی زبانی تقریریں تاریخی معلومات سے لبریز ہوتی تھیں، وہ دلّی میں کابلی دروازے کے قریب رہتے تھے اور نواب لطف علیخاں نے انھیں معتبر سمجھ کر اپنے حرم سرا کے کاروبار سپرد کر رکھے تھے۔ شیخ ابراہیم ذوق جب پڑھنے کے قابل ہوئے تو حافظ غلام رسول نام ایک شخص بادشاہی حافظ انکے گھر کے پاس رہتے تھے، محلّے کے اکثر لڑکے انھیں سے پڑھتے تھے، انھیں بھی وہیں بٹھا دیا۔ حافظ غلام رسول شاعر بھی تھے، شوقؔ تخلص کرتے تھے۔ شیخ مرحوم کو اُنکی صحبت میں بہت شعر یاد ہو گئے، نظم کے پڑھنے اور سننے میں دلکو روحانی لذت ہوتی تھی شیخ مرحوم کا قول تھا کہ میں ہمیشہ اشعار پڑھا کرتا۔ دل میں شوق تھا اور خدا سے دعائیں مانگتا کہ الٰہی مجھے شعر کہنا آجائے، اِسی زمانے کا ایک مصرع ہے ؎ مزا انگور کا ہے رنگترے میں، (یہ فقرہ آجتک دہلی میں میوہ فروشوں کی زبان پر ہے) ایک دن خوشی میں آکر خود بخود میری زبان سے دو شعر نکلے اور یہ فقط حسنِ اتفاق تھا کہ ایک حمد میں ایک نعت میں، اِس عمر میں مجھے اتنا ہوش تو کہاں تھا کہ اس مبارک مہم کو خود اِس طرح سمجھ کر شروع کرتا کہ پہلا حمد میں ہو دوسرا نعت میں، جب یہ بھی خیال نہ تھا کہ اس قدرتی اتفاق کو مبارک

قال مجنوں، مگر ان دو شعروں کے موزوں ہو جانے سے جو خوشی دل کو ہوئی اُس مزہ کو کبھی نہیں بھولا۔ غرضکہ شیخ مرحوم اسی عالم میں کچھ کچھ کہتے اور حافظ جی سے اصلاح لیتے رہے۔ اسی محلے میں میر کاظم حسین نام ایک ان ہی کے ہم سبق تھے اور نواب سید رضی خاں وکیل سلطانی کے بھانجے بیقرار تخلص کرتے تھے، اور حافظ غلام رسول سے اصلاح لیتے تھے، ایک دن میر کاظم حسین نے غزل لاکر سنائی شیخ مرحوم نے پوچھا یہ غزل کب لہی، خوب گرم شعر نکالے ہیں، اُنھوں نے کہا کہ ہم تو شاہ نصیر کے شاگرد ہو گئے، شیخ مرحوم کو بھی شوق پیدا ہوا اور اُنکے ساتھ جاکر شاگرد ہو گئے۔ کچھ دنوں بعد غزلوں کی اصلاح میں بے توجہی اور علی الخصوص منیر خلف شاہ صاحب کے کلام میں مضامین کے بندھنے سے شاہ نصیر سے بگاڑ ہو گیا۔ اُنکی طبیعت بھی قادر الکلامی کا سارٹیفکٹ حاصل کر چکی تھی رُو در رُو مشاعروں میں مقابلہ ہونے لگا۔ اور اصلاح کا سلسلہ بند ہو گیا۔ ان کی قدرتی طبیعت کی شوخی اور شعر کی گرمی سننے والوں کے دلوں میں اثر برقی کی طرح دوڑی اور کلام کا چرچا بڑھا۔ غزلیں ارباب نشاط کی زبان سے نکل کر کوچہ و بازار میں رنگ اُڑانے لگیں۔ اکبر شاہ بادشاہ تھے اُنھیں تو شعر سے رغبت نہ تھی۔ مرزا ابوظفر ولیعہد کہ بادشاہ ہو کر بہادر شاہ ہوئے شعر کے شیدا تھے اور ظفر تخلص سے ملکِ شہرت کو تسخیر کیا تھا۔ اس لیئے دربار شاہی میں جو کہنہ مشق شاعر تھے مثلاً ثناء اللہ خاں فراق، میر غالب علیخاں سید، عبدالرحمٰن خان احسان، برہان الدین خاں زار، حکیم قدرت اللہ خاں قاسم اور اُنکے صاحبزادے حکیم عزت اللہ خان عشق، میاں شکیبا شاگرد میر تقی مرحوم۔ میرزا عظیم بیگ شاگرد سودا، میر قمر الدین منت اور اُنکے بیٹے میر نظام الدین ممنون وغیرہ سب شاعروہیں آکر جمع ہوتے اور اپنا اپنا کلام سناتے تھے، میر کاظم حسین بیقرار کہ ولیعہد موصوف کے مصاحب تھے اکثر ان صحبتوں میں شامل ہوتے تھے، شیخ مرحوم کو خیال ہوا کہ اس جلسے میں طبع آزمائی ہوا کرے تو قوتِ فکر کو خوب بلند پروازی ہو۔ اُس عہد میں کسی امیر کی ضمانت کے بعد بادشاہی اجازت ہوا کرتی تھی جب کوئی قلعہ میں جانے پاتا تھا، چنانچہ میر کاظم حسین کی وساطت سے یہ قلعہ میں پہنچے اور اکثر دربار ولیعہدی میں جانے لگے، رفتہ رفتہ اُنکی قادر الکلامی نے

سلسلہ چھٹ گیا اور کچھ اسباب ایسے فراہم ہوئے کہ مرزا کاظم حسین بیقرار جو مرزا ولی عہد کی غزل شاہ نصیر
کے دکن چلے جانے کے باعث دیکھا کرتے تھے الفنسٹن صاحب کے میر منشی ہو کر چلے گئے اور
میرزا ابوظفر نے شاگرد ہو گئے، ابتداءً سرکار ولیعہدی سے شیخ مرحوم کا مشاہرہ چار روپیہ ماہوار
مقرر ہوا۔ مولنا آزاد نے جوش عقیدتمندی میں آبِ حیات میں یہ ذکر بھی کر دیا ہے کہ نواب
الٰہی بخش خان معروف جو شاہ نصیر کے پُرانے شاگرد اور اس وقت ۶۶ سال سے زائد جنکی عمر تھی
اُنہوں نے حضرت ذوق کو جو بمشکل اٹھارہ برس کے تھے اپنا اُستاد بنایا اور اپنے دونوں دیوان
درستی کے لیئے دیئے۔ اس واقعہ کی تکذیب نواب ضیاءالدین احمد خان نیر ورخشان اور نواب
احمد سعید خان صاحب طالب نے خود مولانا آزاد سے مباحثہ کر کے براہین قاطع کر دی تھی،
مگر افسوس کہ مولانا نے اقرار کر لینے کے باوصف طبع ثانی میں اس بیان کی تردید نہ کی بلکہ جب کئی
برس بعد دیوان ذوق خود شائع کیا تو اُس میں فخریہ اس عبارت کو نقل کر دیا۔
اگلے سال شیخ مرحوم نے ایک قصیدہ اکبرشاہ کے دربار میں سنایا کہ جسکے مختلف شعروں
میں انواع و اقسام کے صنائع و بدائع صرف کئے تھے اس قصیدہ پر بادشاہ نے خاقانی ہند کا
خطاب عطا کیا۔ اُس وقت شیخ مرحوم کی عمر بقول حضرت آزاد اُنیس ۱۹ برس کی تھی، ان ایام
میں میر کلو حقیر حضرت ذوق کے بڑے ممد و معاون رہے۔ ۳۶ برس کی عمر میں آپنے جملہ
منہیات سے توبہ کر لی تھی اور اُسکی تاریخ یہ کہی ع "اے ذوق بگو سہ بار توبہ"
مرزا ابوظفر بادشاہ ہوئے تو اُنہوں نے یہ قصیدہ پہلے گزرانا۔

روکش ترے رُخ سے ہو کیا نور سحر رنگ شفق	ہے ذرہ تیرا پرتو نورِ سحر رنگ شفق

اِس قصیدہ کی فصاحت اور پرواز تخیل و شوکتِ الفاظ و نزاکتِ خیال قابلِ داد ہے۔ اگرچہ
مرزا ابوظفر ہمیشہ انھیں دل سے عزیز رکھتے اور دلی رازوں کے لیئے مخزنِ اعتبار سمجھتے تھے
مگر ولیعہدی میں مرزا مغل بیگ مختار تھے، جب کبھی بڑی سے بڑی ترقی یا انعام کا موقعہ آیا
تو اُستاد ذوق کے لیئے یہ ہوا کہ چار روپیہ مہینے سے پانچ روپیہ ہو گئے پانچ سے سات روپے

ہوگئے۔ جب ظفر بادشاہ ہوئے اور میرزا مغل بیگ وزیر، تو وزیر شاہی کا سارا کُنبہ قلعہ میں بھر گیا مگر اُستادِ شاہی کا صرف تیس روپیہ مہینا مقرر رہا۔ فطرتی طور پر ذوق بہت متین و مہذب اور منکسر مزاج تھے اِس لیئے انھوں نے حضور میں اپنی زبان سے ترقی کے لیئے کچھ نہ کہا۔ اور نامساعدت تقدیر سے اِس رتبۂ جلیلہ اُستادی پر مشرف ہونے کے باوصف کبھی خوشحالی یا امیرانہ زندگی بسر کرنے کے وسائل میسر نہ ہوئے۔ اُنکی عادت تھی کہ فکرِ سخن میں ٹہلا کرتے تھے اور اسی حالت میں شعر بھی کہتے جاتے تھے، چنانچہ اُن دنوں میں جب کوئی عالی مضمون چستی اور درستی کے ساتھ موزوں ہوتا تو اُسکے سرور میں آسمان کی طرف دیکھتے اور کہتے پھرتے۔

اے کمال افسوس ہے تجھ پر کمال افسوس ہے	یوں پھریں اہلِ کمال آشفتہ حال افسوس ہے

چند روز کے بعد مرزا مغل بیگ کی ترکی تمام ہوگئی، نواب حامد علیخان مرحوم مختار ہوئے تب اُستادِ شاہی کا سو روپیہ مہینا مقرر ہوا۔ ہمیشہ عیدوں اور نوروزوں کے جشنوں میں قصیدے پڑھتے تھے اور خلعت سے اعزاز پاتے تھے۔ آخر ایام میں ایک دفعہ بادشاہ بیمار ہوئے جب شفا پائی اور انھوں نے ایک قصیدۂ غرّا کہہ کر پیش کیا تو خلعت کے علاوہ خطاب خان بہادر اور ایک ہاتھی مع حوضۂ نقرئی انعام میں ملا۔ پھر ایک بڑے زور شور کا قصیدہ کہکر گزرانا جس کا مطلع ہے

نشۂ علم میں سرمست غرور و نخوت	شب کو میں اپنے سرِ بستر خواب راحت

حضرت ذوق کا سانولا رنگ تھا متوسط اندام اور چہرہ چیچک کے داغوں سے پُر تھا آنکھیں تیز اور روشن تھیں اور آواز بلند اور خوش آیند جس سے مشاعرے میں رنگ تاثیر دوبالا ہوجاتا تھا۔ اپنی غزل کسیکو پڑھنے کے لیئے ہرگز نہ دیتے تھے۔ ابتدائے عمر میں شیخ مرحوم نے معمولی درسی تعلیم پاکر شعر گوئی کی طرف توجہ کردی تھی مگر پھر رفتہ رفتہ مشاعروں کی معرکہ آرائیوں اور حریفوں کے اعتراضوں نے اِنھیں تکمیلِ علوم اور سیرِ کتب کی طرف متوجہ کیا اور فطری شوق کی مدد سے قلیل عرصہ میں وہ ایک جید فاضل ہوگئے اور معلومات کا دائرہ وسیع کرلیا جس کا قدرتی سامان یہ ہوا کہ راجہ صاحب رام جو مختارِ املاک شاہِ اودہ تھے اُنکے بیٹے کے لیئے ایک فاضل کامل مولوی

بہ [illegible] متعارف ہوئے۔ اتفاقاً ایک دن یہ بھی مولوی صاحب کے ساتھ چلے گئے چونکہ ان کی ذہنی قابلیت مشہور ہو گیا تھا راجہ صاحب رام سنگھ نے اِن سے کہا کہ میاں ابراہیم تم ہمیشہ درس میں شریک رہو، چنانچہ اس بہانہ سے اِنکی تحصیل علمی بھی مکمل ہو گئی، مولوی محمد حسین صاحب آزاد لکھتے ہیں کہ شیخ مرحوم فرماتے تھے کہ میں نے ساڑھے سات سو دیوان اساتذۂ سلف کے دیکھے اور انکا خلاصہ کیا، اساتذہ کی تصنیفات ٹیک چند بہار کی تحقیقات اور اس قسم کی صدہا کتابیں گویا انکی زبان پر تھیں مگر مجھے اِس کا تعجب نہیں۔ اگر شعرائے عجم کے ہزاروں شعر انہیں ازبر تھے تو مجھے حیرت نہیں۔ گفتگو کے وقت جس تڑاقے سے وہ شعر سند میں دیتے تھے مخصوص کا بھی خیال نہیں کیونکہ جس فن کو وہ لیے بیٹھے تھے یہ سب اُسکے لوازمات ہیں۔ ہاں تعجب یہ ہے کہ تاریخ کا ذکر کیجئے تو وہ ایک صاحب نظر مورخ تھے۔ تفسیر کا ذکر آئے تو ایسا معلوم ہوتا تھا گویا تفسیر کبیر دیکھ کر اٹھے ہیں خصوصاً تصوف میں ایک عالم خاص تھا۔ رمل و نجوم کا ذکر آئے تو وہ نجومی تھے، خواب کی تعبیر میں اُنہیں خدا نے ایک ملکۂ راسخہ دیا تھا اور لطف یہ کہ احکام اکثر مطابق واقع ہوتے تھے، علم طب کو خوب تحصیل کیا۔ مگر کام نہ کیا۔ خوف آتا کہ ایسا نہ ہو بے پروائی سے کسی کا خون ہو جائے۔ کچھ دنوں تک موسیقی کا بھی شوق رہا مگر پھر اس سے دِل برداشتہ ہو گئے

مرزا جواں بخت کی شادی کے موقعہ پر استادِ شاہی نے وہ مشہور سہرا پیش کیا جس کا جواب مرزا غالب نے بہ تحریک نواب زینت محل بیگم تحریر کیا۔ سہرے کی ایجاد کا فخر اِس حساب سے حضرت ذوق کا حق ہے یہ دونوں سہرے اپنی نوعیت اور تازگی مضمون و خیال کے اعتبار سے اپنا جواب آپ ہیں۔ مثنوی جانسوز بھی تصنیف کی تھی۔ لوگوں کو تعجب ہو گا کہ اتنا بڑا شاعر جو رات دن اسی شغل میں رہتا ہو اور اُس کا دیوان اتنا مختصر اسکے متعلق پروفیسر آزاد لکھتے ہیں کہ "اس کا بیان ایک مصیبت کا افسانہ ہے، خود شیخ مرحوم فرماتے تھے کہ بچپن میں جبکہ پندرہ سولہ برس کی عمر تھی ہم نے اپنا دیوان مرتب کیا تھا اور اُسے بڑے شوق سے لکھا تھا۔ پھر زمانے نے فرصت نہ دی۔ جو غزل ہوتی جدا کاغذ پر لکھی جاتی اِسی طرح طاق میں رکھ دیتے کہ فرصت میں نظر ثانی کریں گے۔ جب طاق بھر گیا

مسودے تکیے کے غلاف میں بھرے اور گھر میں دیکر کہدیا کہ احتیاط سے رکھنا، کبھی مٹکے میں کبھی تھیلیاں بھرے اور گھر میں بھجوا دیئے کہ ضائع نہو۔ اِس طرح بہت سے تھیلے اور مٹکے تھیلیاں بھرے ہوئے تھے۔ وفات کے چند روز بعد میں نے اور خلیفہ اسمٰعیل مرحوم نے چاہا کہ کلام کو ترتیب دیں سب ذخیرہ نکالا محنت نے اُسکے انتخاب میں پسینہ کی جگہ لہو بہایا۔ کیونکہ بچپن سے لیکر دمِ واپسیں تک کا کلام انھیں میں تھا، چنانچہ اول اُنکی غزلیں اور قصائد انتخاب کرلیئے، یہ کام کئی مہینہ میں ختم ہوا۔ پہلے غزلیں صاف کرنی شروع کیں۔ اِس خطا کا مجھے اقرار ہے کہ کام کو میں نے شروع کیا مگر باطمینان کیا، مجھے کیا معلوم تھا کہ اِس طرح یکایک زمانہ کا ورق اُلٹ جائیگا۔ عالم تہ و بالا ہو جائیگا۔ دفعۃً ۱۸۵۷ء کا غدر ہوگیا۔ کسی کا کسی کو ہوش نرہا۔ چنانچہ خلیفہ محمد اسمعیل اُنکے فرزند جسمانی کے ساتھ اُنکے فرزندانِ روحانی بھی دنیا سے رحلت کرگئے" مندرجۂ بالا حال بہ تغیر مناسب تذکرہ آبِ حیات سے اخذ کیا گیا ہے۔ یہ جو کچھ کلام اِس وقت چھپا ہوا ملک میں موجود ہے یہ اُس پُرگو اُستاد کے تمام و کمال کلام کا عشر عشیر بھی نہیں ہے۔ اِسکی تدوین و ترتیب کی حقیقت یہ ہے کہ غدر کے بعد جب دِلّی دوبارہ آباد ہوئی اور کسیقدر اطمینان ہوا تو اُستادِ مرحوم کے تلامذہ رشید مولانا ظہیر، حضرت انور، اور حافظ ویراں نے جمع ہوکر مشورہ کیا کہ اگر اس وقت اُستادِ مرحوم کا کلام جمع نہ ہوا تو پھر کوئی نام لینے والا بھی نرہیگا۔ غرض حافظ ویراں جو شاگرد ہونے کے علاوہ ہر وقت کے رفیق اور ہمنشین تھے اُنھوں نے اپنے حافظہ سے کلام لکھوانا شروع کیا اور مولانا ظہیر اور انور نے اُسکی کتابت کی اور ادھر اُدھر جہاں کہیں سے اشعار فراہم ہوسکے مہیا کرکے ۱۸۶۰ء میں دیوان جو آجکل رائج ہے چھاپکر شائع کردیا۔ اُستادِ ذوق کی محاورہ بندی مضمون آفرینی، کلام کی پختگی، صحتِ زبان، سلاستِ بیان، شہرت محتاجِ بیان نہیں، ہر ایک مذاقِ سخن کا لذت یاب اِس مزے سے واقف ہے۔ اُنکے کلام میں جو زبان کے چٹخارے تھے اُسکا اثر پڑھنے والوں کے دلوں میں موجود ہے۔ خاقانی ہند کے شاگردوں میں۔ شاہ ظفر حافظ ویران، مولوی محمد حسین آزاد، ظہیر، انور، مجیر اور سب سے زیادہ فصیح الملک مرزا داغ مرحوم اشہر

رہا ہے۔ ذوق اگرچہ نازک خیالی اور مضمون بندی میں غالب اور حکیم مومن خاں کے رتبہ کو نہیں
پہنچے مگر ذکی خداداد و ذہانت اور ہمہ دانی نے اس کمی کو جیسا کہ چاہیے پورا کر دکھایا۔ اسی وجہ سے
مشاعروں میں جب غزل ہم طرح پڑھتے تو کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ مذکورالصدر نامور شعرا سے
پست رہے ہیں، ابتدا میں سودا کا رنگ اختیار کیا پھر شاہ نصیر اور جرأت کی طرز پر کہنے لگے حتیٰ
کہ کثرتِ مشق سے اپنا رنگ پیدا کر لیا جس میں محاورے کے نظم کرنے کا اسلوب صحتِ الفاظ
و زبان چستیٔ بندش، فصاحت، شگفتگی مضمون اور حسن ادائے بیان بدرجہ اتم موجود ہیں، انہیں
خوبیوں کی بدولت یہ ہر طرح اپنے بلند پایہ ہمعصروں کی ٹکر تے اور بعض وصفوں میں ان سے
افضل۔ ایک خاص وصف جن سے انکی استادی مسلم ہوتی ہے یہ تھا کہ اکثر پامال مضامین
اس خوبی سے اور ایسے الفاظ میں باندھتے تھے کہ اپنی جدت طرازی سے نئے خیال کا لطف
اس میں پیدا کرتے تھے، روزمرہ نہایت بے تکلفی اور صفائی سے برتتے تھے۔ سنگلاخ زمینوں
میں اپنے استاد شاہ نصیر کی تحریک سے خوب خوب زورِ طبع دکھایا۔ قصیدے بھی بڑی شان
اور آن وبان کے کہے اور اپنی مسلم الثبوت استادی کا سکہ تمام معاصرین کے دلوں پر بٹھا دیا
سوائے میر ممنون کے انکے معاصرین یا متقدمین میں سے کسی نے اس زور اور شان و شوکت
کے قصائد نہیں کہے، تلامذہ۔ گارسن ڈی ٹیسی، شیفتہ، صہبائی۔ آزردہ، جیسے منصف مزاج
باکمالوں نے انہیں فن شعر کا بادشاہ اور قادر الکلام استاد تسلیم کیا ہے۔ فنِ شعر سے ازلی مناسبت
قسامِ ازل نے دی تھی اور رات دن سوائے فکرِ شعر کے کوئی دوسرا مشغلہ نہ تھا۔ شاہ ظفر
کی رضا جوئی عقیدت کے درجے پر پہنچی ہوئی تھی۔ جسقدر کمال کا درجہ بلند ہوا اُسی قدر پندار
کو پست اور خاکساری کو بلند تر کیا۔ اور اسی میں خوش تھے، قناعت و سادگی مزاج کا یہ عالم
تھا کہ اگرچہ متعدد مکانات انکی املاک میں تھے مگر خود یہ ایک تنگ و تاریک مکان میں عمر بھر رہا
کیے جسکی تنگنائی اسقدر مختصر تھی کہ بمشکل ایک چارپائی اُس میں بچھتی تھی دو طرفہ اتنی جگہ رہتی تھی
کہ ایک آدمی بدقت چل سکے، کھرّی چارپائی پر رات دن بیٹھے رہتے تھے اور مطالعہ اور فکر

شہر میں اپنا وقت صرف کرتے تھے، گرمی، جاڑا، برسات، تینوں موسم اس حالت میں بسر کرتے تھے، کسی میلے ٹھیلے، عید، تہوار سے اُنھیں سروکار نہ تھا۔ جہاں اول روز بیٹھے وہیں سے مرکر اُٹھے، اِنکے اکثر اشعار قبولِ عام کی سند پاکر آجکل خواص وعوام کی زبانوں پر جاری اور دلوں میں جاگزین ہیں۔ شبانہ روز شاگردوں کے کلام کی اصلاح اور دقائق و رموزِ سخن کی تعلیم کے لیئے وقف تھا، آخر عمر میں اکثر بیمار رہتے تھے، آخر ماہ صفر ۱۲۷۱ھ میں مرضِ اسہال اور ضعف نے غلبہ کیا اور شب چہارشنبہ آخری کو عالمِ بقا کا رخ کیا، دوسرے روز جنازہ بڑے تزک و احتشام سے اُٹھا۔ خواجہ باقی باللہ کے قرب میں دفن کیا۔ بادشاہ کی تاریخ لوحِ مزار پر کندہ ہے۔ بادشاہ نے غمِ استاد سے اُس روز جشن موقوف کیا۔ اور اگرچہ دابِ سلطانی کے خلاف تھا قطعۂ تاریخ زبانِ الہام ترجمان سے ارشاد کیا اور بار بار مرحوم کے حقوق جان نثاری کو یاد کرکے افسوس فرماتے رہے

شب چہارشنبہ بماہِ صفر	بہ حکمِ خداوند جان داد ذوق
ظفر روئے اُردو بناخن زغم	خراشید و فرمود استادِ ذوق

تخمیناً چار سو تاریخیں اِنکے انتقال کی کہی گئیں جن میں نظم "واقعۂ تعب خیز" مصنفہ عبدالکریم سوز خلف الرشید حضرت صہبائی بہت مشہور ہوئی۔ اب دیوانِ مطبوعہ کا انتخاب ملاحظہ ہو +

نیمچہ جب مول وہ بانکا جواں لینے لگا	موت کے جی میں مزے یہ نیمچاں لینے لگا
مجکو ہر شب ہجر کی ہونے لگی جوں روزِ حشر	مجھ سے یہ کس دن کے بدلے آسمان لینے لگا
تیر چٹکی میں لیا اُسنے پئے جانِ عدو	شوق کیا کیا میرے دلمیں چٹکیاں لینے لگا

ہاتھ تو ہلکا پڑا اتھا یار کی شمشیر کا	زخم پر قسمت سے میری کارگر اچھا ہوا
ذوق کے مرنے کی سُن کر پہلے تو پھڑک گئے	پھر کہا تو یہ کہا منہ پھیر کر "اچھا ہوا"
پانی طبیب ہے ہمیں کیا بجھا ہوا	ہے دل ہی زندگی سے ہمارا بجھا ہوا
جیتا ہوں صلا نظر اپنا نہیں آتا	گر آج بھی وہ رشکِ مسیحا نہیں آتا
مذکور تری بزم میں کس کا نہیں آتا	پر ذکر ہمارا نہیں آتا نہیں آتا

نسبت سے لاچار ہوں اے ذوق وگرنہ
ہر فن میں ہوں میں طاق مجھے کیا نہیں آتا

آنکھیں مری تلووں سے وہ مل جائے تو اچھا
ہے حسرتِ پابوس نکل جائے تو اچھا

کب لباسِ دنیوی میں چھپتے ہیں روشن ضمیر
خانۂ فانوس میں بھی شعلہ عریاں ہی رہا

آدمیت اور شے ہے علم ہے کچھ اور چیز
کتنا طوطے کو پڑھایا پر وہ حیواں ہی رہا

سب کو دیکھا اس سے اور اسکو نہ دیکھا جوں نگاہ
وہ رہا آنکھوں میں اور آنکھوں سے پنہاں ہی رہا

دل بے گدازِ عشق کہ خوں ہو کے دل کے ساتھ
سینے سے تیرے تیر کا پیکاں نہ بہ گیا

تھا ذوق پہلے دہلی میں پنجاب کا سا حسن
پر اب وہ پانی کہتے ہیں ملتان بہ گیا

ہم ہیں اور سایہ ترے کوچے کی دیواروں کا
کام جنت میں ہے کیا ہے گنہگاروں کا

محتسب گرچہ دل آزار ہے میخواروں کا
دے مجھے اک جام تو ہے یار ابھی یاروں کا

اتنا تو شور و فغاں ہو کہ چمن میں بلبل
خرمنِ گل کی جگہ ڈھیر ہوا انگاروں کا

چرخ پر بیٹھ رہا جان بچا کر عیسیٰ
ہو سکا جب نہ مداوا ترے بیماروں کا

لختِ دل اور اشکِ تر دونوں بہم، دونوں جدا
ہیں رواں دو ہمسفر، دونوں بہم دونوں جدا

وصل کی شب نکہت و گل کی طرح ہم اور وہ
رہتے ہیں باہم دگر، دونوں بہم دونوں جدا

پیرِ مغاں کے پاس وہ دارو ہے جس سے ذوق
نامرد، مرد، مرد جواں مرد ہو گیا

کریں جدائی کا کس کس کی رنج ہم اے ذوق
کہ ہونے والے ہیں ہم سب سے عنقریب جدا

دم پکڑیں دامنِ الیاس گرداب بلا میں ہم
کہ بدتر ڈوب کے مرنے سے ہے جینا سہارے کا

کہتے ہیں ذوق آج جہاں سے گذر گیا
حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

کسی بیکس کو اے بیداد گر مارا تو کیا مارا
جو آپ ہی مر رہا ہو اسکو گر مارا تو کیا مارا

تفنگ و تیر تو ظاہر نہ تھا کچھ پاس قاتل کے
الٰہی پھر جو دل پر تاک کر مارا تو کیا مارا

گیا شیطان مارا ایک سجدہ کے نہ کرنے سے
اگر لاکھوں برس سجدے میں سر مارا تو کیا مارا

وہ کون ہے جو مجھ پہ تاسف نہیں کرتا
پر میرا جگر دیکھ کہ میں اف نہیں کرتا

اے ذوق تکلف میں ہے تکلیف سراسر
آرام سے ہے وہ جو تکلف نہیں کرتا

کل اُس نگہ کے زخم رسیدوں میں ملگیا
یہ بھی لہو لگا کے شہیدوں میں مل گیا

تو ہماری زندگی پر زندگی کی کیا اُمید
تو ہماری جان لیکن کیا بھروسہ جان کا

چشم و نگہ کو تیری بدنام کیوں کریگا
مرگ و قضا کو تیرا عاشق نہ ہے مریگا

عبث جہاں منتظر ہونٹوں پہ ہو وہ شوخ کب آیا
اگر جہلم کو بھی آیا تو ہم جانیں گے اب آیا

لگائی زلف کو شانے نے جب اُلگی پکار دل
یہ گستاخی بھلا رہ تو سہی لے بے ادب آیا

ہے قفس سے شور اک گلشن تلک فریاد کا
خوب طوطی بولتا ہے اِن دنوں صیاد کا

واہ کیا مرہم زخم دل بیتاب بنا
آب سے نیشتر تیز کے تیزاب بنا

تو اگر آپ کو دیکھے تو مری آنکھ سے دیکھ
اپنا آئینہ مرا دیدۂ پُر آب بنا

محفل میں شور قلقل مینا سے غل ہوا
لا ساقیا پیالہ کہ توبہ کا قتل ہوا

آنا تو خفا آنا جانا تو رولا جانا
آنا ہے تو کیا آنا، جانا ہے تو کیا جانا

کب ہے خنجر قاتل سے یہ گلو میرا
کمی جو مجھ سے کرے تو پئے لہو میرا

یوں لائے دلانے ہم دل صد پارہ ڈھونڈکر
دیکھا جہاں پڑا کوئی ٹکڑا اُٹھا لیا

موت نے کردیا ناچار و گرنہ انسان
ہے وہ خود بیں کہ خدا کا بھی نہ قائل ہوتا

مسجد میں اُسنے مجکو آنکھیں دکھا کے مارا
کافر کی دیکھ شوخی گھر میں خدا کے مارا

ہزار دم میں اُسے یاد تونے دیکھا ذوق
گیا وہ غیر کے گھر مجکو ٹال کر کیسا

شکر پردے ہی میں اُس بت کو خدانے رکھا
آج ایمان گیا ہی تھا خدا نے رکھا

کرکے بسمل مجھے کس ناز سے کہتا ہے وہ شوخ
دیکھ تر کیجیو نہ خوں سے کہیں داماں میرا

رکھتے تھے جو کشور کسریٰ و قیصر زیر پا
ہے اُنھیں کا آج سر با تاج افسر زیر پا

آتی ہے صدائے جرس ناقۂ لیلیٰ
پر حیف کہ مجنوں کا قدم اُٹھ نہیں سکتا

ہنگامہ گرم ہستیٔ ناپائدار کا
چشمک ہے برق کی کہ تبسم شرار کا

نالہ اس ذوق سے کیوں میرا دہائی دیتا
اے فلک گر تجھے اونچا نہ سنائی دیتا

کلمۂ تو کہاں جائے نہ تا جی سے کوئی جا
جبتک نہیں آتا اُسے غصہ نہیں آتا

ہمنے اُن سے دوستی کی، وہ ہیں کرتے دشمنی
دیکھو کیا سوچا تھا ہمنے اور وہاں کیا ہو گیا

تری چشم فسوں گر نے کہاں سیکھا تھا یہ جادو
کیا ہے اک نگہ میں اے پری تسخیر دل میرا

اُن سے کچھ وصل کا ذکر اب نہیں ہونا اچھا
وہ جو کچھ کہویں تو تم بھی کہے جانا اچھا

تم نے دشمن ہی کو جو اپنا ہمیں جانا اچھا
یارِ ناداں سے تو بھی دشمن دانا اچھا

یہاں تو دم ہی نہیں دم اور نہ لئے تیغ دو دم
کہتے ہیں دیکھو نہیں دم کا چرانا اچھا

آگ ہے دل میں، درد جگر میں، آنکھ میں آنسو، لب پہ فغاں
عشق نے آنکے ذوق ہمارا دیکھ لو یہ کیا حال کیا

ترے ہاتھوں کوئی آوارہ اے گردوں نہ ٹھیریگا
ولیکن تو بھی گر چاہے کہ میں ٹھیروں نہ ٹھیریگا

وہ دولت کر طلب جس سے کہ دل ہو جائے مستغنی
اگر ہاتھ آئیگا گنجینۂ قاروں نہ ٹھیرے گا

کعبہ کے دیوار و در سے نور کے جلوے اٹھیں
گر پڑے سایہ مرے میخانہ کی دیوار کا

دنیا گئی کہ عشق میں ایمان و دین گیا
وہ دل گیا تو جانئے کچھ بھی نہیں گیا

آخر گِل اپنی خاکِ درِ میکدہ ہوئی
پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

مجنوں دلا سیاہ خیمۂ لیلیٰ کے گرد پھر
اے خوش نصیب تجھکو طوافِ حرم نصیب

بیمارِ عشق کا جو نہ تجھ سے ہوا علاج
کہہ اے طبیب تو ہی کہ پھر تیرا کیا علاج

ریشِ سفیدِ شیخ میں ہے ظلمتِ فریب
اِس مکر چاندنی میں نکر تا گمانِ صبح

تھی زلف تیری سنبلِ صحنِ چمن کی شاخ
قطروں سے پر عرق کے بنی یاسمن کی شاخ

بدخصلتوں کو کرتا ہے بالا نشیں فلک
اُونچی ہے آشیانۂ زاغ و زغن کی شاخ

ماتھے پہ ترے چمکے ہے جھومر کا پڑا چاند
تھا وعدہ چڑھے چاند کا لا بوسہ چڑھا چاند

مُہر وہ کرتا ہے نامہ پہ مجھے آتا ہے رشک
ہائے یُوں چُوسے لعاب اُسکے دہن کا کاغذ

نکتہ نہیں حرفِ دل نشیں تھا۔ دہن کی تنگی سے تنگ ہو کر

نکل کے رستہ سے چشمِ فتاں کے دل میں بیٹھا خدنگ ہو کر

وہ چشمِ مخمور اک نظر سے چبھوئے لاکھوں جو نشتر سے
تو ہو رواں ہر رگِ جگر سے، لہو مئے لالہ رنگ ہو کر

کل گئے تھے تم جسے بیمارِ ہجراں چھوڑ کر
چل بسا وہ آج سب ہستی کا ساماں چھوڑ کر

اہلِ جوہر کو وطن میں رہنے دیتا گر فلک
لعل کیوں اس رنگ سے آتا بدخشاں چھوڑ کر

دل تو کٹتے ہی لگیگا حوریانِ عدن سے
باغِ ہستی سے چلا ہوں ہائے پریاں چھوڑ کر

ان دنوں گرچہ دکن میں ہے بڑی قدرِ سخن
کون جائے ذوقؔ پر دلی کی گلیاں چھوڑ کر

کہا پتنگ نے یہ دارِ شمع پر چڑھ کر
عجب مزا ہے جو مریئے کسی کے سر چڑھ کر

ذبح کرنے کو مرے پوچھتے کیا ہو تکبیر
تم چھری پھیر بھی دو نام خدا کا لیکر

لے گیا دل کون میرا ذوقؔ کس کا نام لوں
سامنے آجائے تو شاید بتا دوں دیکھ کر

بلبل ہوں صحنِ باغ سے دور اور شکستہ پر
پروانہ ہوں چراغ سے دور اور شکستہ پر

وہ کہے کون ہے قربان مری چتون پر
میں کہوں میں تو کہے "میں" کے چھری گردن پر

ہوں سرد ہو چکا نہ دوبارہ حلال کر
میں اور دم چراؤنگا یہ تو خیال کر

پوچھو! چلے ہیں کوسنے کعبہ کو اہلِ درد
ملکِ فنا ہی جائیں ذرا دل سنبھال کر

تصویر ہم انکی حضرتِ دل کھینچ لائے گر
رکھ دینگے ہم بھی پاؤں پہ آنکھیں نکال کر

قاتل ہے کس مزے سے نمک پاشِ زخمِ دل
بسمل ذرا تڑپ کے نمک تو حلال کر

مجھ میں کیا باقی ہے جو دیکھے ہے تو آن کے پاس
ہیو فا وہم کی دارو نہیں لقمان کے پاس

میں تو ایسی جھجک پہ فدا ہوں کہ کان کو
شب کیا ہٹا لیا مرے موئے دہن کے پاس

صفر و ہر پہ یک دل نہ ہوا ایک سے ایک
دل کے دو حرف ہیں وہ بھی ہیں جدا ایک سے ایک

ہم انکی چال سے پہچان لینگے انکو برقع میں
ہزار اپنے کو وہ ہم سے چھپائیں سر سے پاؤں تک

مرا دل ایک، دوں اس خوش ادا کی کس ادا کو میں
کہیں وہاں تو ادائیں ہی ادائیں سر سے پاؤں تک

[illegible] کرتا فغان
کر اسکو صدمہ کا پتلا بنائیں سرے پاؤں تلک

[illegible] کے برنگِ گلِ صد برگ
کیا دشت نوردی میں کرتا ہے جنوں گل

[illegible] قانونِ سوزِ محبت
زاہد تو بتا شمع حرم کیونکہ کروں گل

بہ رنگ غنچہ پیکان و غنچۂ تصویر
نہ دیکھا اپنا شگفتہ کسی بہار میں دل

کٹ سکا صیدِ محبت کا نہ قاتل سے گلا
اُسنے پتھر سے یہ رگڑا کہ ہوا چاقو گرم

ہاں قاتل وہم ناوک فگنی خوب نہیں
ابھی چھاتی مری تیروں سے چھنی خوب نہیں

یہ نہیں شیشہ ہے، ہے کسی میخوار کا دل
محتسب دیکھ نکر دل شکنی، خوب نہیں

ساقی لڑائیوں سے تری چاہتا ہے دل
باہم لڑا کے شیشہ و ساغر کو توڑ دوں

احسان ناخدا کے اُٹھائے مری بلا
کشتی خدا پہ چھوڑ کے لنگر کو توڑ دوں

پھر اس مژہ کی یاد کرے ہے تو دل میں دوق
نشتر چبھو کے میں سرِ نشتر کو توڑ دوں

گو اضطرابِ دل کو بیاں کرتے ہم نہیں
پر جو نگاہ ہے رگِ بسمل سے کم نہیں

دیتا ہے دورِ چرخ کسے فرصتِ نشاط
ہو جسکے پاس جام وہ اب جم سے کم نہیں

مشکل ہے میرے عہدِ محبت کا ٹوٹنا
لے بیوفا یہ تیری خدا کی قسم نہیں

رُکاؤ خوب نہیں طبع کی روانی میں
کہ بو فساد کی آتی ہے بند پانی میں

کہانیاں ہیں حکایاتِ خضر و آبِ بقا
بقا کا ذکر ہے کیا اس جہانِ فانی میں

وفورِ اشک اگر سر با وج ہو اپنا
فلک برنگِ گلِ نیلوفر ہو پانی میں

لگاتے تہمتِ گریہ ہیں دل جلوں کو ترے
یہ ہیں وہی جو لگاتے ہیں آگ پانی میں

مزا ہے تیغِ محبت کے زخم کھانے کا
کرے جو صرفہ نہ قاتل نمک فشانی میں

ہنستا وہ دو طریق حسد کے عدو ہیں
اپنا ہے یہ طریق کہ باہر حسد سے ہیں

وہ ایک دم کہ جس میں میسر ہو وصلِ یار
بہتر سمجھتے ہم اُسے عمرِ ابد سے ہیں

خورشید وار دیکھتے ہیں سبکو ایک آنکھ
روشن ضمیر ملتے ہر اک نیک و بد سے ہیں

وہ مست ہوں کہ رکھتے قدح کش تمنا
بنیادِ میکدہ مری خشتِ لحد سے ہیں

ہو جلتا دِل ہی بیٹھ کے خود کلرخوں میں لگی
تاثیر بلغ خلد ہے تاثیر باغ حسن

گئی یاروں سے وہ اگلی ملاقاتو نکی سب ہیں
پڑا جس دن سے دل بس میں تمہارے طورو طریقے ہم کیا

مجھے ہو کس طرح قول و قسم کا اعتبار اُنکے
ہزاروں دیکھے وہ قول لاکھوں کھائے قسمیں

مستی و نا آشنائی وحشت و دیوانگی
یا تری آنکھوں نہیں دیکھی یا ترے بولنے میں

اِس گلستانِ جہاں میں کیا گُلِ عشرت نہیں
سیر کے قابل ہے یہ پر سیر کی فرصت نہیں

کھا کے زخمِ تیغ قاتل جو بجا لائے نہ شکر
کوئی بھی اُس سے زیادہ کافرِ نعمت نہیں

وقتِ پیری شباب کی باتیں
ایسی ہیں جیسے خواب کی باتیں

پھر مجھے لے چلا اُدھر دیکھو
دلِ خانہ خراب کی باتیں

واعظا! چھوڑ ذکرِ جنت و حور
کر شراب و کباب کی باتیں

سُنتے ہیں اُن کو چھیڑ چھیڑ کے ہم
کس مزے سے عتاب کی باتیں

ہم اپنے جذبۂ دِل کے اثر کو دیکھتے ہیں
وہ پہلے بزم میں دیکھیں کدھر دیکھتے ہیں

مے پلا کر ساقیانِ سامری فن آب میں
کرتے ہیں جادو سے اپنے آگ روشن آب میں

دیکھنا آبی ڈوپٹہ مُنہ پر اُسکے وقت خواب
بُرجِ آبی میں ہے مہ۔ یا مہر روشن آب میں

کہتے تھے آنے کو خاطر سے ہماری پرسوں
ہُوئی برسوں نہ ہوئی پر وہ تمھاری پرسوں

جیتے ہی جی کیا ملکِ فنا میں ساتھ بشر کے جھگڑے ہیں
مر کے اِدھر سے جبکہ چھُٹے تو جا کے اُدھر کے جھگڑے ہیں

کیسا مومن، کیسا کافر، کون ہے صوفی۔ کیسا رند؟
سارے بشر ہیں بندے حق کے سارے یہ شر کے جھگڑے ہیں

ایک ایک جور و ستم پر اُنکے سو سو داغ دل ہیں گواہ
ہم جو اُس سے جھگڑے ہیں، حق ثابت کر کے جھگڑے ہیں

نجم کہتا ہے دشمن ہوں میں جلوۂ جاناں کہتا ہے میں

کسکو بٹھاؤں کسکو رکھوں یہ تو گھر کے جھگڑے ہیں

بھری ہیں حلق تک پانی پانی، سل کا دِل خوں ہنر ہیں
دیکھو لب و دنداں سے تمہارے سل کے گوہر کے جھگڑے ہیں

حضرِ جعل کا دیکھنا عالم ہاتھ اُٹھائے دُنیا سے
پاؤں پسارے بیٹھے ہیں اور سر پہ سفر کے جھگڑے ہیں

دوقی مرتب کیونکہ ہو دیواں، شکوہ فرصت کس سے کریں
باندھے گلے میں ہم نے اپنے، آپ ظفر کے جھگڑے ہیں

چشمِ گریاں نے اگرکی اس برس برسات خوب
سبز ہو جائیں گی سب میری قفس کی تیلیاں

جس جگہ بیٹھے ہیں، با دیدۂ نم اُٹھے ہیں
آج کس شخص کا مُنہ دیکھ کے ہم اُٹھے ہیں

سینہ و دل پہ مرے زخمِ جگر بنتے ہیں
ہنسنے دو چارہ گرو بنتے ہی گھر بستے ہیں

یاں لب پہ لاکھ لاکھ سخن اضطراب میں
وہاں ایک خامشی تری سب کے جواب میں

جیسے سو پہلے میرے اُٹھانیکی فکر میں
محفل میں اُسکی میں کوئی جو سرکا رنگ ہو

نہیں تدبیر کچھ بنتی پڑے سر کو پٹکتے ہیں
نہ دِل چھوڑے ہے اُسکو اور نہ ہم دل چھوڑ سکتے ہیں

مر گئے پر بھی تغافل ہی رہا آنے میں
بیوفا پوچھے ہے کیا دیر ہے لیجانے میں

ہیں دہن غنچوں کے وا کیا جانے کیا کہنے کو ہیں
شاید اُس کو دیکھکر صلِ علیٰ کہنے کو ہیں

قطعہ

ہائے کل سب آشنا تیرے مریضِ عشق کے
تھے علاجِ ضعفِ دِل و ضعفِ تن کی فکر میں

آج گھبرائے ہوئے پھرتے ہیں با چشمِ پُر آب
گاہ تدبیرِ لحد میں گہ کفن کی فکر میں

زاہدِ گمراہ کے میں کس طرح ہمراہ ہوں
وہ کہے "اللہ ہو" اور میں کہوں "اللہ ہوں"

کبھی کرتا ہوں فغاں اور کبھی ضبطِ فغاں
نہیں معلوم وہ خوش اِس میں ہے یا ہے اُس میں

خضرِ ساقی ہو تو میں جام نہ لوں گر جانوں
کہ نہیں جام میں ہے آبِ بقا ہے اس میں

اُس جفا کیش کے نامے کو پڑھوں کیا قاصد
جو کہ قسمت میں لکھا تھا وہ لکھا ہے اِس میں

جا پڑا پاؤں پہ قاتل کی تڑپ کر کُشتہ
سرد ہونے پہ بھی گرمیٔ وفا ہے اس میں

دین کیا ہو بلکہ دیجئے ایمان بھی انہیں
زاہد یہ بت خدا کی قسم ایسے شخص ہیں

خانقاہ میں بھی وہی ہے جو خرابات میں ہے
فرق پر یہ ہے یہاں منہ پہ ہے اور واں طاق میں

ایک پتھر پوجنے کو شیخ جی کعبے گئے
ذوق ہر بت قابلِ بوسہ ہے یاں بتخانے میں

یہ طوق اس واسطے چھوٹا ہوا قمری کی گردن میں
کہ تھا بلبل کی قسمت کا پڑا قمری کی گردن میں

باعثِ رشک ہوا عشق ہمارا ہم کو
تجھپہ بے دیکھے ہے غش جسنے کہ دیکھا ہمکو

دانہ خرمن ہے ہمیں قطرہ ہے دریا ہمکو
آئے ہے جُز میں نظر کل کا تماشا ہمکو

کس بلندی پہ دیا عشق نے پہنچا ہمکو
کہ فلک آیا نظر خال سے چھوٹا ہمکو

ہم تبرک ہوئے اب کرلے زیارت مجنوں
سر پہ پھرتا ہے لیئے آبلۂ پا ہمکو

کرتے جوں کوہ نہیں ہم تو سخن میں سبقت
پر وہ کچھ ہم سے سُنے گا جو کہے گا ہمکو

کھانے پینے کی قسم کھائی ہے تجھ بن ہمنے
ورنہ تھا زہر تو ہر طرح گوارا ہمکو

اِس پہ مرتے ہیں کہ کیوں غیر کو تو نے ملا
وہ نصیب اسکو ہوئی جو تھی تمنا ہمکو

اِک حلاوت ہے عداوت میں بھی اس ظالم کی
کہ اگر زہر بھی دیتا ہے تو میٹھا ہمکو

سنگدل تین دن اب گور میں بھی بھاری ہیں
ہے سوم میں جو نزے آنیکا دھوکا ہمکو

دیکھا آخر کہ نہ پھوڑے کی طرح پھوٹ بہے
ہم بھرے بیٹھے تھے کیوں آپنے چھیڑا ہمکو

اور ہمدم تو کہاں ہو نہ ہوا بحضرت دل
درد اب ہم کو تمھارا ہی تھا را ہمکو

موت ہی سے کچھ علاجِ دردِ فرقت ہو تو ہو
غسلِ میت ہی ہمارا غسلِ صحت ہو تو ہو

آتشِ فرقت میں پروانہ سا کیڑا اجل مرے
آدمی سے کیا نہو لیکن محبت ہو تو ہو

رندِ خراب حال کو زاہد نہ چھیڑ تو
تجکو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو

جس ہاتھ میں خاتم لعل کی ہے اُس ہاتھ میں زلف سرکش ہے
پھر زلف رہے وہ دست موسیٰ جس میں ہے انگر آتش ہے

اک خون کا دریا جذب کیا ہے خاکِ کوئے قاتل نے
ہاں مدفن کو ایسے کشتوں کے ایسی ہی زمینِ دلکش ہے

مبارک جسے مالک سے بجا ہو
[illegible] کی ... مشرب ہو ناز ادا [illegible]

زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو
جو بیقصور ہو تو ہو غلط [illegible] سمجھو

رہا [illegible] کل یہ مدت ہو کر ہم اسیروں کی
ترے بیمار کو گر اپنے جینے کی تمنا ہو

روانی تیغ کی پابستۂ زنجیر موسیٰ ہو
فلک پر سنکے ہنستے ہنستے شادی مرگ عیسیٰ ہو

دیکھا دمِ نزع ولآرام کو
عبث تم اپنا رکاوٹ سے منہ بناتے ہو
ہوش و خرد گئے نگہِ سحر فن کے ساتھ
افسردہ دل کے واسطے کیا چاندنی کا لطف
تو جان ہے جہاں کی اور جان ہی تو سب کچھ

عید ہوئی ہو ذوق وصلِ شام کو
وہ آئی لب پہ ہنسی دیکھو مسکراتے ہو
اب جو ہے بات اپنی سو دیوانہ پن کے ساتھ
لپٹا پڑا ہے مردہ سا گویا کفن کے ساتھ
ایمان کی کہیں گے ایمان ہی تو سب کچھ

چھوڑا نہ دل میں صبر، نہ آرام، نہ شکیب
ترے کوچے کو وہ بیمارِ غم دار الشفا سمجھے
مجھے آتا ہے رشک اُس رندِ مے آشام پر ساقی
حساب اصلا نہ پوچھے مجھ سے میرے دل کے زخموں کا
ساقیا ہوں نہ صبوحی کے جو عادت والے
کس مرض کی ہیں دوا یہ لبِ جاں بخش ترے
نہیں جز شمع مجاور مرے بالینِ مزار
حرص کے پھیلتے ہیں پاؤں بقدرِ وسعت
ہم نے اُس بت کو جو دیکھا ہے نہیں کہہ سکتے
کیا غرض لاکھ خدائی میں ہوں دولت والے
ہائے رے حسرتِ دیدار میری ہائے کو
عار ہے گل کو نزاکت پہ چمن میں اے ذوق

تیرِ نگہ نے صاف کیا گھر کے گھر پہ ہاتھ
اجل کو جو طبیب اور مرگ کو اپنی دوا سمجھے
نہ جوع ما کدر جانے نہ جو خذ ما صفا سمجھے
حسابِ دوستاں در دل اگر وہ دلربا سمجھے
شورِ محشر سے بھی چونکیں نہ ترے متوالے
جاں بلب ہیں ترے آزارِ محبت والے
نہیں جز کثرتِ پروانہ زیارت والے
تنگ ہی رہتے ہیں دنیا میں فراغت والے
کہ مبادا کہیں سُن پائیں شریعت والے
اُنکا بندہ ہوں جو بندے ہیں محبت والے
لکھتے ہیں ہائے دو چشمی سے کتابت والے
اپنے دیکھے ہی نہیں ناز و نزاکت والے

خوب بہکایا حکایتوں سے مجھے — تو نے مارا غنایتوں سے مجھے
واجب القتل اس نے ٹھہرایا — آیتوں سے روایتوں سے مجھے

کل جہاں سے کہ اٹھا لائے تھے احباب مجھے — لیچلا آج وہیں پھر دل بیتاب مجھے
میں نہ تڑپا جو دم ذبح تو یہ باعث تھا — کہ رہا مد نظر عشق کا آداب مجھے
ورنہ وہ شوخ کہ جو گل سے بھی نازک ہوسوا — بیوسے اس طرح سے زانو کے تلے داب مجھے
قسمت اس بت سے جا لڑی اپنی — دیکھو احمق خدا سے لڑتی ہے
دیکھو اس چشم مست کی خوبی — جب کسی پارسا سے لڑتی ہے

کوئی ہی کافر کوئی مسلمان جدا ہر اک کی ہی راہ ایماں — جو اسکے نزدیک ہبری ہی وہ اسکے نزدیک رہزنی ہی
زمیں پہ نور قمر کی گرمی میں صاف اظہار روشنی ہی — کہ جو ہیں روشن ضمیر انکو فروغ انکی فروتنی ہے
غم جدائی میں تیری ظالم کہوں میں کیا مجھپہ کیا بنی ہے — جگر گدازی ہی، سینہ کاوی ہی، دلخراشی ہی، جانکنی ہے

مزے جو موت کے عاشق بیاں کبھو کرتے — مسیح و خضر بھی مرنے کی آرزو کرتے
یقیں ہے صبح قیامت کو بھی صبوحی کش — اٹھیں گے خواب سے ساقی سبو سبو کرتے

مزے یہ دل کے لیئے تھے نہ تھے زباں کے لیئے — سو ہمنے دل میں مزے سوزش نہاں کے لیئے
بیان درد محبت جو ہو تو کیونکر ہو — زباں نہ دل کے لیئے ہو نہ دل زباں کے لیئے
سچلے ہیں دیر کو مدت میں خانقاہ سے ہم — شکست توبہ لیئے ارمغاں مغاں کے لیئے
وما بلا بقی شب غم سکون جاں کے لیئے — سخن بہانہ ہوا مرگ ناگہاں کے لیئے
وہ مول لیتے ہیں جب ادم کوئی نئی تلوار — مجھی پہ پہلے لگاتے ہیں امتحاں کے لیئے
عشاں سے نہ مراجب تلک کہ دم میں دم — فغاں ہے میرے لیئے اور میں فغاں کے لیئے
جو پاس مہر و محبت کہیں بیں بکتا — تو ہم بھی لیتے کسی اپنے مہرباں کے لیئے
بنایا آدمی کو ذوق ایک جزو ضعیف — اور اس ضعیف سے کل کام دو جہاں کے لیئے

جو دل قمار خانہ میں بت سے لگا چکے — وہ کعبتین چھوڑ کے کعبہ کو جا چکے

[illegible] سے تری ہم کہیں نسیم
آ گئے تھے سر پہ خاک اڑانے اڑا چلے

[illegible] تیرے کشتہ کو جنت میں بھی اگر
[illegible] سر کے تیرے گھر کی طرف کھینچا چلے

[illegible] تھی دل جو عاشقِ دلسوز کا چلے
تم آگ لینے آئے تھے کیا آئے کیا چلے

[illegible] تھا دل پہ پھر کے جان لگی
چلی تھی برچھی کسی پر کسی کے آن لگی

کب حق پرست زاہد جنت پرست ہے
حوروں پہ مر رہا ہے یہ شہوت پرست ہے

یہ ذوق مے پرست ہو یا ہے صنم پرست
کچھ ہے بلا سے نیک محبت پرست ہے

الفت کا نشہ جب کوئی مر جائے تو جائے
یہ دردِ سر ایسا ہے کہ سر جائے تو جائے

تیغ تو اوچھی پڑی تھی گر پڑے ہم جانکر
دل کو قاتل کے بڑھانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

زخمی میں ہوا ہوں تری دزدیدہ نظر سے
جانیکا نہیں چور مرے زخمِ جگر سے

اے ذوق کسی ہمدمِ دیرینہ کا ملنا
بہتر ہے ملاقاتِ مسیحا و خضر سے

گاہ ہجومِ یاس میں ہے دل گاہ ہجومِ حسرت میں
ہے یہ مردِ سپاہی پیشہ پھرتا لشکر لشکر ہے

ہاتھ اٹھاؤ عشق کے بیمار سے
کوئی بچتا بھی ہے اس آزار سے

صاف اک ابرِ شفق آلودہ ہے
زلف اسکی سرخیِ رخسار سے

لبِ نیم صد نشاط برنگِ ہلالِ عید
سینہ میں میرے ناخنِ غم کی خراش ہے

[illegible] دیکھا دیں ہیں پہلے وہ الفت کے مزے
بے مزہ ہونیکے لطف اور شکایت کے مزے

[illegible] گیا عالمِ حیرت میں جو میں
لیک میں کیا کہوں اس عالمِ حیرت کے مزے

بے محبت نہیں اے ذوق شکایت کے مزے
بے شکایت نہیں اے ذوق محبت کے مزے

دل ہے استغنا کہ وہ یاں آتے آتے رہ گئے
اُف رے بیتابی کہ یاں تو دم ہی نکلا جائے ہے

کیوں غنچہ پریشاں نہ ہو ہوتے ہی شگفتہ
اس باغ میں ہونا ہی دلِ شاد غضب ہے

ہم کو فنا غم ہے کہ جو دنیا میں نہیں ہے
اور اس پہ بھی دلکش یہ غم آباد غضب ہے

دروازہ میکدہ کا نہ کر بند محتسب
ظالم خدا سے ڈر کہ در توبہ باز ہے

او شعلۂ خوب گھر سے نکل مجنوں نے زنداں سے
شرارے متصل نکلے یہاں تک سنگ طفلاں سے
کہ ہر سو گلفشانی ہے شرار سنگ طفلاں سے
کہ چمکے ہے سر مجنوں پہ بجلی سنگ باراں سے

اے شمع تیری عمر طبیعی ہے ایک رات
ہنس کر گذار یا اسے رو کر گذار دے
راس جبر پر تو ذوق بشر کا یہ حال ہے
کیا جانے کیا کرے جو خدا اختیار دے

پئیں مے آشکارا اسکی ہمکو ساقیا چوری
خدا کی جب نہیں چوری تو پھر بندے کی کیا چوری
بد نہ بولے زیر گردوں گر کوئی میری سُنے
ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سُنے

وشاہو کمالی نے جبکی ولکو تو وہ مجنوں کے اثر سے کھیلی
وہاں کاکل کا تیری مارا نہ منہ سے بولی نہ سر سے کھیلی

درد دل سے لوٹتا ہوں کیسکو میرا درد ہے
ہوں ہیں لفظ درد جس پہلو سے اُلٹو درد ہے

کھلتا نہیں دل بند ہی رہتا ہے ہمیشہ
کیا جانے کہ آجائے ہے تو اسمیں کہ ہر سے

بہ اقامت ہمیں پیغام سفر دیتی ہے
زندگی موت کے آنیکی خبر دیتی ہے

یوں نگہ نکلی ہے چشم یار سے
مست جیسے خانہ خمار سے

تم دو گھڑی کو آؤ تو ہیں لب پہ جان کو
ٹھیرا رکھوں کہ اور بھی یاں دو گھڑی ہی

ابتو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائینگے
مرکے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائینگے

ہم نہیں وہ جو کریں خون کا دعویٰ تجھپر
بلکہ پوچھے گا خدا بھی تو مکر جائینگے

لائی حیات آئے قضا لیچلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

غنچے تری غنچہ دہنی کو نہیں پاتے
ہنستے ہیں مگر تیری ہنسی کو نہیں پاتے

ہم تسا مدوا اپنا کیسکو نہیں پاتے
تم پاتے ہو ہمکو تو جھری کو نہیں پاتے

جا کے اکبار نہ پھرنا تھا جہاں سے ہمکو
بیقراری ہے کہ سو بار یئے پھرتی ہے

دم کو ہمارے سینے میں اک دم نہیں قرار
یہ وہ غریب ہے کہ مسافر وطن میں ہے

ہمارے سینہ میں وہ آہِ آتشیں ہے ذوق
جو برق دیکھے تو فی النار والسقر ہو جائے

راتوں کو دھوم دھڑ کرا سے شیخ مناجاتی — سوتے ہوئے چونکیں گے رندانِ خراباتی

بیقراری کا سبب ہر کام کی اُمید ہے — ناامیدی ہو تو پھر آرام کی امید ہے

شبِ ہجراں بسر نہیں ہوتی — نہیں ہوتی سحر نہیں ہوتی

ہوس ہیں کعبہ کی کیوں شیخ تجانشے گر شب ہے — یہاں تو کوئی صورت بھی ہو واں تنہی اللہ ہے

مری طاعت کا ہے جو معصیت بھی عار کرتی ہے — مری توبہ پہ توبہ توبہ استغفار کرتی ہے

باقی ہے شیخ کو ابھی حسرت گناہ کی — کالا کرے گا منہ بھی جو ڈاڑھی سیاہ کی

مرہم سی لگ رہی ہیں زخمِ جگر کو میرے — مصروفِ چارہ دیکھا کیا چارہ گر کو میرے

نہ پوچھو کہ دل شاد ہے یا حزیں ہے — نہیں یہ بھی معلوم ہے یا نہیں ہے

گل تو کھِل کھِلکر بہارِ اپنی صبا دکھلا گئے — حسرت اُن غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

لاشے کو پھینک دیجے میرے کہ دفن کیجے — مُردہ بدستِ زندہ جو چاہیے سو کیجے

ق اے ذوق بس نہ آپ کو صوفی جتایئے — معلوم ہے حقیقت ہو حق جناب کی

نکلے ہو میکدے سے ابھی منہ چھپا کے تم — دابے ہوئے بغل میں صراحی شراب کی

ق تو بھلا ہے تو بُرا ہو نہیں سکتا اے ذوق — ہے بُرا وہی کہ جو تجکو بُرا جانتا ہے

اور اگر تو ہی بُرا ہے تو وہ سچ کہتا ہے — کیوں بُرا کہنے سے تو اُسکے بُرا مانتا ہے

ساقیا عید ہے لا بادہ سے مینا بھر کے — کہ مے آشام پیاسے ہیں مہینا بھر کے

ذوقا۔ ذوقا شاہ بنارسی مجذوب تھے غدر سے پیشتر شرف الدین احمد کے پاس میرٹھ میں آ کر رہے تھے وہیں ان کا انتقال ہو گیا۔

نے بام کی ہیں زیب نہ زینت کسی در کے — ہم باٹ کے روڑے ہیں اِدھر کے نہ اُدھر کے

قدر تم نے صاحب نجانی ہماری — گئی رائگاں جانفشانی ہماری

ذوقی۔ شاہ ذوقی درویش خانہ بدوش شعر رندانہ کہتے اور صاحبِ تصوف و اخلاق برگزیدہ تھے اٹھارھویں صدی کے وسط میں حیات تھے، یہ چند شعر اُنکے ہیں۔

اُس کا شکوہ نہ گاہ کیجیے گا — جس طرح ہو نباہ کیجیے گا

اپنی بے چاہ اسکی وہ صورت	اے عزیزاں نگاہ کیجئے گا
اسکے دیوانہ پن کے عالم کو	دیکھ کر واہ واہ کیجئے گا
اپنے ذوقی کے گھر میں مشفقِ من	گہ کرم گاہ گاہ کیجئے گا
ہے ہاتھ کماں اسکے اب تیر ہے اور میں ہوں	تدبیر ہے لاحاصل تقدیر ہے اور میں ہوں
ہر شب وہ کماں ابرو کہتا ہے سرِ مجلس	کل صبح کو میداں میں نخچیر ہے اور میں ہوں
رکھ ہاتھ وہ قبضہ پر برہم ہو لگا کہنے	اب تو ہے ترا سر ہے شمشیر ہے اور میں ہوں
یوں ریختہ کہنے کو عالم میں ہزاروں ہیں	بدنام پہ اے ذوقی اک میر ہے اور میں ہوں
جلد آمل جو تجھکو آنا ہے	ورنہ کوئی دم میں دم روانہ ہے
تجکو ڈھونڈے کہاں کوئی ذوقی	نہ ترا ٹھور نے ٹھکانا ہے
ترے کوچے میں ہم بھی آج لے تلوار بیٹھیں گے	رقیبِ روسیہ کو بیدھڑک ہی مار بیٹھیں گے
جو غیروں کو تم اپنے منہ لگاؤ گے تو بولیں گے	نہیں تو شل نے خاموش ہو لاچار بیٹھیں گے
یہ ذوقی بھی ترے غصہ سے ڈرنیکا نہیں ہرگز	اٹھاؤ گے جو در سے جا پسِ دیوار بیٹھیں گے
عشق میں نہ سیم نہ زر چاہیئے	آہ میں کچھ اپنی اثر چاہیئے
ذوقی آوارہ ترے قتل کو	خاص کوئی تیغ و تبر چاہیئے

ذوقی۔ سید عبدالواحد خلف سید اشرف درگاہی بلگرامی، ولادت انکی ۲۹ ربیع الاول سنہ ۱۱۱۷ھ بمقام بلگرام واقع ہوئی۔ مولوی سید محمد مؤلف تذکرہ تبصرۃ الناظرین خلف الصدق علامۂ بے عدیل میر عبدالجلیل بلگرامی لکھتے ہیں کہ سید ذوقی خوش طبع اور شیریں زبان تھے طبیعت برجستہ رکھتے تھے۔ فارسی شعر خوب کہتے تھے اور تخلص اپنا واحد کرتے تھے آپنے ایک دیوان ابواسحاق اطعمہ ولایتی کے مذاق میں لکھا ہے (ابواسحاق ایک ولایتی شاعر ہے جس نے اپنے اشعار میں کھانوں کا بہت تذکرہ کیا ہے، یہ انہیں کا شعر مشہور ہے ؎

پس از سی سال بر اسحاق شد تحقیق این معنی	کہ بورانی ست بادنجان و بادنجان بورانی

...نید ذوقی نے بھی شیرینی کے ذکر سے اپنے کلام میں حلاوت پیدا کی اور دیوان کا نام شکرستان ...بال رکھا۔ وہ دیوان چھپ بھی گیا ہے دو چار شعر اُس میں سے ضیافتِ ناظرین کے لیئے ...لکھے جاتے ہیں ؛

...یں لبوسئے چپاتی بدیدہ انصاف	کہ ہے وصالِ شکر حالتِ نزاراں چیست
...رمن ز موسمِ برسات اولہ بندی ہست	وگرنہ ایں ہمہ تمہیدِ ابر و باراں چیست
...ور کارِ خیر حاجتِ ہیچ استخارہ نیست	...اہمال در تناولِ فرنی چرا کنید
مزعفر با مدام برخوانِ نعمت	مربا گر بود نورٌ علیٰ نور

...رمن اِس طرز میں کہتے کہتے اُردو کی طرف بھی عنانِ توجہ مبذول کی، اِن دنوں ریختہ غزل ...رائی کی ابتدا تھی، خانِ آرزو، آبرو وغیرہ کا زمانہ تھا۔ جناب ذوقی خود صاحبِ منصب تھے، ...ور قصبہ راہون ضلع لدھیانہ میں حاکم تھے، اُنھیں ایام میں زمینداروں سے کسی معاملہ میں ...رار ہوگئی اور ۱۱۳۲ھ میں مارے گئے، یہ اُن کا اُردو کلام ہے۔

عشق کا دل پر ستم اچھا ہوا	مر گیا بیمارِ غم اچھا ہوا
بہ نہو گا یہ دوا سے اے طبیب	جب کیا اُسنے کرم اچھا ہوا
زور ہی آباد تھا دل کا نگر	کر گیا تاراج غم اچھا ہوا

ذہین

ذہین۔ حافظ محمد اسمٰعیل خان ذہین دہلوی نبیرۂ حافظ محمد داؤد خاں مرحوم داروغۂ نذر و نیاز ...ضرت بہادر شاہ ثانی (جن کا ذکر داؤد تخلص کے تحت میں آچکا ہے) شاگرد حافظ غلام دستگیر ...ہتین، بڑے وجیہ اور شکیل جوان تھے مگر صحبتِ بد نے ایسا خراب کیا کہ چند ہی روز میں ...پنے دادا کی ہزار ہا روپیہ کی املاک برباد کرکے تباہ و خستہ ہو گئے، بیگم صاحبہ بھوپال کی ...رکار سے کچھ وظیفہ ملتا ہے اُس سے بسر اوقات کرتے ہیں۔ بازار چاوڑی میں جو وسیع ...یوانخانہ اب نواب دوجانہ کی ملکیت ہے اُنکے دادا کا تعمیر کردہ ہے۔

نام اُس صنم کا دل سے بھلایا نجائیگا	ہے نقشِ کالحجر یہ مٹایا نہ جائے گا

[redacted]

شعلہ ہوں برق کا جو نہ مجھے چھیڑے وہ چلے
ہستی کا نقش میری مٹایا نجائے گا

عشاق صدمہ ہائے قیامت اٹھائینگے
جب تک فلک زمیں پہ گرایا نجائے گا

ذہین۔ حافظ مولوی حکیم نور الحسن صاحب کیرت پور نہٹور ضلع بجنور کے سادات رضوی سے آپکے والد ماجد مولانا محمد ظہور الحسن صاحب مشہور اور بے مثال فضلا میں تھے، آپ پیدایش کے پانچویں سال نابینا ہوگئے تھے پھر بھی قرآن مجید حفظ کرلیا۔ کتب درسیہ کی تکمیل کے بعد علم طب حکیم مولوی رحیم اللہ صاحب بجنوری سے حاصل کیا۔ عربی۔ فارسی، اُردو تینوں زبانوں میں نظم و نثر تحریر فرماتے ہیں، کلام بطور نمونہ ہدیۂ ناظرین ہے اُن کا بیان ہے کہ کئی برس اخبار کے اڈیٹر بھی رہے ہیں۔

فتنے پس پس گئے دب دب گئے محشر کیا کیا
فتنۂ قامت جو مرے گھر سے خراماں نکلا

آبلے پھوٹ کے روئے مری تنہائی پر
کف پا سے جو کوئی خار مغیلاں نکلا

بعد مُردن وہ عیادت کے لئے آتے ہیں
جان نکلی ہوئی آئی میرا ارماں نکلا

ترے فراق میں دریا بھی قتل کرتا ہے
دکھائی موج صبا نے حباب میں تلوار

فتنہ زا ہے تری دزدیدہ نگاہی کیسی
لاتی ہے مملکت دل پہ تباہی کیسی

مجھ سیہ بخت کا جب نام لکھا دفتر میں
پھیلی تقدیر کے دفتر میں سیاہی کیسی

حسرت و یاس و الم ساتھ چلے قبر میں بھی
دیکھنا میرے رفیقوں نے نباہی کیسی

کیا اسی رات سے ہے صبح قیامت کی نمود
شب فرقت میں ہے اللہ سیاہی کیسی

سیر نازل لن ترانی آج موسیٰ دیکھئے
طور پر جو کل نہ دیکھا تھا وہ جلوہ دیکھئے

میرا رونا دیکھئے اور اُنکا ہنسنا دیکھئے
مینہ برسنا دیکھئے بجلی کا گرنا دیکھئے

جمائی دم بدم لیتے ہیں وہ آنکھوں کو مل کے
اشارہ ہے مری جانب کہ آؤ سو رہیں چل کے

دل و جان و دین و ایماں اک ادا میں چھین لیتا ہے
کوئی دیکھے کرشمے اس بت کافر کی چھل بل کے

ذہین۔ نواب مرزا کاظم علیخاں صاحب بیرسٹرایٹ لا۔ آپ انگریزی، عربی، ناگری وغیرہ

ہیں کا بل دخل رکھتے ہیں۔ ۳۶ - ۷ ۴ برس کی عمر ہے، نواب مرزا باقر علیخاں صاحب بہادر دام اقبالہم نواب صاحب شیش محل کے منجھلے صاحبزادے ہیں۔ آپنے ایک مثنوی بھی تصنیف فرمائی ہے ۱۸۹۸ء میں ولایت تشریف لیگئے وہاں سے جون ۱۹۰۱ء میں بیرسٹری پاس کرکے تشریف لائے، آپ کو پولیٹیکل معاملات میں نہایت دلچسپی ہے، راقم تذکرہ کے محب رہے ہیں، بارہا ہنگام قیام دہلی اور لکھنؤ میں صحبتیں رہیں۔ خلیق، زندہ دل، متواضع، امیرزادے ہیں۔ کچھ کلام آپنے عنایت فرمایا اُس کا انتخاب حاضر ہے ؎

دیا دل ذہینؔ اُس ستمگر کو اپنا
کہا ہائے تم نے نہ مانا کسی کا

تیرے ہی در کے ہیں گدا، مالِ جہاں کا ذکر کیا
اور تو کچھ نہیں رہا، نذر کو تیری لائیں کیا

نزع میں آئے ہیں عیادت کو
اے قضا تو ذرا توقف کر

مَیں تو حرم میں زاہدا راہ بھٹک کے آگیا
بہرِ خدا نہ جی جلا، یاں ہے کہاں دو کا دل

چشم و رُخ و دہانِ یار، سب کریں دل طلب بزلہ
ایک تھا کر دیا نثار، اتنے کہاں سے لائیں دل

ترس کھانا تو کیسا رقصِ بسمل کی ہوں تعریفیں
خدا شاہد بڑا ہی ظلم یہ صیاد کرتے ہیں

ہے وقتِ نزع میرا آرہی ہے آخری ہچکی
ذرا تو اے قضا تم جاؤ وہ مجکو یاد کرتے ہیں

مسیحا ہو اگر، آؤ کہو تم میری میت پر
نہیں کہدو کہ سب کچھ یوں ہی ہم افسانہ کرتے ہیں

بے سبب کب فلک کو گردش ہے
میری تقدیر اس میں شامل ہے

دِل نہیں، پُوچھتے ہو کیا یارو
میرے پہلو میں مرغِ بسمل ہے

کوہکن! کیوں؟ وہی ہوا آخر
ہم نہ کہتے تھے چاہ مشکل ہے

رات کا حال جھوٹ کہتا ہوں
آنکھ مجھ سے ملایئے تو سہی

کیا ذہینؔ پھر کسی پہ دِل آیا
چُپ ہیں کیوں کچھ بتایئے تو سہی

مَیں تو ہندو نہ تھا مسلماں تھا
بت کو سجدہ کرا دیا کس نے

تڑپتا ہوں میں اک مدت سے دخترِ رز کی خواہش میں
پلادے آج تو ساقی مجکو یار کھ تو طریسی

اِک تو کرنا ظلم اُس پر پوچھنا کیا حال ہی — اب نہ مُنہ کھلوایئے سر کا ر رہنے دیجئے

مثنوی

خط کو پڑھتا ہوں گو میں سو سو بار — سیر ہوتی نہیں طبیعت یار
کل تھی شادی کی دھوم دھام جہاں — صفِ ماتم بچھی ہی آج وہاں
مُنہ جو ڈھک کر کبھی نہ سوتے تھے — تنگ گوشے میں گو رکے ہیں پڑے
کل جہاں تھا بہار کا جوبن — آج بادِ خزاں کا ہی مسکن
اب نہ شیریں ہی اور نہ ہے فرہاد — اب نہ وہ باغ ہے نہ ہی شداد
ہی کہاں قیس اور کہاں لیلیٰ — قبر تک کا پتہ نہیں لگتا
موت کے آگے کیا بشر کی چلے — پیر و پیغمبر اس سے جب نہ بچے

ذہین - مولوی سید واجد علی لکھنوی شاگرد محمد مصطفےٰ خورشید لکھنوی مرحوم - یہ چند شعر اُنکے ملاحظہ ہوں -

نہ سنگدل کوئی تم سا ملا زمانے میں — ہزار دیکھے جفا پیشہ بھی ستمگر بھی
خدا بچائے یونہیں روز قتل کرتے تھے — کمر میں آج تو شمشیر بھی ہے خنجر بھی
اس ایک تیر نظر نے کیے ہیں دو بسمل — جگر کے ساتھ تڑپتا ہی قلبِ مضطر بھی

ذہین - منشی سید غلام مصطفےٰ مخزن اور ادیب وغیرہ رسالوں میں آنکی نظمیں شائع ہوتی ہیں عموماً اخلاقی مضامین نظم کرتے ہیں اور حق یہ ہے کہ حق شاعری ادا کر دیتے ہیں، الفاظ صاف وشستہ و تراکیب دلنشیں اور مناسب موقع، مسلسل نظمیں جن میں قوتِ فکر کا پورا امتحان ہوتا ہے اکثر بہت اچھی لکھتے ہیں، ایک نظم موسومۂ "شعور" قابلِ دید ہے - معرفت اور تصوف کے رنگ میں اکثر طبع آزمائی کرتے ہیں اور فرائض انسانی و طرزِ معاشرت و تمدن وغیرہ کے مسائل پر بھی اُنکی متعدد نظمیں ہیں، ۳۵، ۳۶ برس کی عمر اور یہ کلام کا انتخاب ہی -

عہدِ قیصری

جسے تو چاہے عزت دے جسے تو چاہے ذلت دے — کسی کی فہم میں کب راز یہ آتا ہے قدرت کا

سبب امن و اماں کا عہد شاہِ عدل گستر ہے
زمانہ جارحِ نجم کا ہے آرام و راحت کا

سبب آرام و راحت کا عدالت ہے کہ سلطاں کو
اسی کی ہی ضرورت ہے یہی شیوہ حکومت کا

رعایا پر رعایت کی نظر ہے شاہ پر واجب
اطاعت شاہ کی کرنا فریضہ ہے رعیت کا

عدالت ہی سے ہے تالیفِ قلوبِ خلق کا باعث
عدالت ہی سبب ہے حق تعالیٰ کی عنایت کا

سمجھنا حق کو حق ناحق کو ناحق سخت مشکل ہے
اہم ہے کام سب کاموں میں انصاف و عدالت کا

زمانہ جارحِ نجم کا کیا اچھا زمانہ ہے
کہ باعث امن عالم کا ہے دورہ اس کی حکومت کا

مرقعے ہیں شاہانِ سلف کے غور سے دیکھے
نظر آتا نہیں قیصر کوئی اِس شان و شوکت کا

ہوتے ہیں اپنے مقاصد میں وہ اکثر کامیاب
نامرادی میں بھی ہوتے ہیں جو ہمت آشنا

طالبِ دنیا پریشاں حال رہتے ہیں مدام
ہیں بڑے آرام و آسایش میں عزلت آشنا

انسان

او بشر او خاک کے پُتلے تجھے اتنا غرور
تیرے ہمجنس اور پھر تو ہی رہے ان سے نفور

نشۂ زر نشۂ رز کی طرح کیوں چڑھ گیا
ہو گئی اُلٹی سمجھ کیوں ؟ کیا ہوا تیرا شعور

تجھ سے ہیں محروم سائل سہکے ذلت کا بھی غم
مفلسوں کو کب سمجھتا ہے تو او منعم ! غیور ...

اے بشر تجھ پر نہ ہوتا فضل اگر اللہ کا
تجھکو کب ملتی یہ عزت ، یہ شرافت ، یہ شعور

کر خدا کا شکر کیا تھا کیا سے کیا تو ہو گیا
جو ہو کرنا آج کر لے کل تو ہے روزِ نشور

ہو کے انسان پھر کرے تو ہی جفا انسان پر
کیا یہی ہے آدمیت کا شعار اے بے شعور

زمانہ سازی

نکالا کرتے ہیں جو لوگ مکر و زور سے کام
سمجھنے لگتے ہیں وہ آپ کو زمانہ ساز

کچھ ایسے کاذب و مکار و چلتے پرزے ہیں
کہ خیر و شر کو بنا لیتے ہیں نشیب و فراز

سمجھتے ہیں وہ یہ معنے زمانہ سازی کے
کہیں رہینِ تملق کہیں بنیں غماز

برائیوں پہ عمل کر کے پھر یہ کہتے ہیں
زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز

جو ایسے لوگ ہیں وہ سرخرو نہیں ہوتے
بُرا ہوا انکا جو کرتے ہیں اِس برائی پہ ناز

مصیبتوں میں جو رہتے ہیں صابر و شاکر
وہی ہیں قابلِ تکریم و لائقِ اعزاز

دلکو بے ثباتیٔ عالم کا داغ ہے
گل کی طرح گذاریئے یاں نبھے زندگی

یوں دیکھنے کو باغ میں خنداں ہے چندروز
باغ جہاں میں صحبتِ یاراں ہے چندروز

جیسا ظاہر ویسا باطن اسکا ہو کیونکر یقیں
دیکھکر صورت کو ہو ظاہر کسیکے دلکا حال
بعض مکار اپنا ظاہر گو بنا لیتے ہیں خوب
آزمانے پر مگر ہوتا ہے ظاہر اسکا حال
ظاہری اخلاق پر لوگوں کے کیا ہو اعتبار
ایسی لذت ہی نہوئے ہیں کہ ہو نہیں نہیں
بعدِ فرقت گر نہو تو لطفِ قربت میں نہیں
پاس جو ہو دولت اسکی قدر کم کرتے ہیں ہم
ہے یہی باعث وطن میں قدر جو ہوتی نہیں
ہمکو اچھی ہی نظر آتی ہے ہر شے دور سے

ہو نہ جبتک امتحان ظاہر و باطن ہمیں
ہو نہ جبتک اسکی سیرت کا ہمیں علم و یقیں
اور کھلتا ہی بمشکل ہو جو انکے دلنشیں
جعلساز انسے زیادہ کوئی دنیا میں نہیں
ہو نہ باطن کی بھی جبتک آزمایش ہو نہیں
لطف جو دوری میں ہے قربت میں آتا ہے کہیں
اور عسرت گر نہو تو لطف عشرت میں نہیں
دور جو ہو یاد اسکی ہر گھڑی کرتے ہیں ہم
کوئی ہم میں سے نکلتا ہے جو فرد بہتریں
ہے جو پنہاں شاد ہم ہوتے ہیں ذکر جو رہے

فنا

سب ہیں فانی کیا زمیں کیا آسماں کچھ بھی نہیں
آہ سے مظلوم کی ڈر ظالم نخوت پرست
ظاہری احسان سے جب [illegible] ہے غرض

اک خدا کو ہے بقا دونوں جہاں کچھ بھی نہیں
سامنے جسکے زمین و آسماں کچھ بھی نہیں
مہربانی یہ تو لے نامہرباں کچھ بھی نہیں

جہاں میں ہے یہ دلیلِ شرافتِ انساں
گزارے عمرِ دو روزہ وہ نیک نامی سے

امیدِ خیر پہ مبنی ہو عادتِ انساں
یہی ہے باعثِ آرام و راحتِ انساں

ہو جو چھوٹا تم سے اسپر چاہیئے لطف و کرم
جو بری ہے بات نفرت اس سے ہو جائیگی خود

جو بڑا تم سے ہے خاطر اسکی اور عزت کرو
نیک کاموں ہی کی تا مقدور تم عادت کرو

کرتی ہے عیب و ہنر کو آشکارا گفتگو
غور پہلے کرتے ہیں بعد اسکے دانا گفتگو

جوہر انساں کا ہے آئینہ گویا گفتگو
تا نہ آفت میں پھنسائے بے محابا گفتگو

جب جھکتی ہے کلی تو صاف آتی ہے صدا
غرض مطلب میں رکھو ہر جا خیالِ خم تمھار
او خود دور دل بدست آور کرچہ اکبر ہست
چاہیئے تمکو مخاطب کے مراتب کا لحاظ
جس سے کچھ جائے مخاطب ہو وہ بیجا گفتگو

ہے گل راحت خموشی اور ایذا گفتگو
بار خاطر بارہا ہوتی ہے بیجا گفتگو
جس سے ہو دلکو رنج پہنچے وہ بھی ہے کیا گفتگو
سوچ لے پہلے سے کرنا چاہیے کیا گفتگو
جو نہ کھینچے دلکو سامع کے تو وہ کیا گفتگو

زندگانی کا زمانے میں بھروسا کیا ہے
پاک نیت ہے تو سب کام سنور جائیں گے
اشرف الخلق ہو کچھ پاس بھی ہے عزت کا
سعو ابیع و شری سمجھے ہو احسان کو تم
حق نے پیدا کیا طاعت کے لیئے انساں کو
سخت دشوار ہے انسان کی پہچان ذہین

جز فنا ہونے کے انساں میں رکھا کیا ہے
تم خطا وار نہیں نو تمھیں کھٹکا کیا ہے
کام کیا کرتے ہو تم اور تمھیں زیبا کیا ہے
نہیں منظور جو شہرت تو یہ چرچا کیا ہے
جو نہ طاعت کرے خالق کی وہ بندا کیا ہے
دوست کہتے ہیں کسے آپنے سمجھا کیا ہے

بھلائی کیئے جا شرافت یہی ہے
نکوئی میں کر نام شہرت یہی ہے
وہ کوشش ہی کیا ہے جو اپنے لیئے ہو
کسی سے نہ مکر و دغا کر جہاں میں
نکر دشمنی دوستی کی ہے جس سے
جو اعلیٰ ہو اپنے کو سمجھے وہ ادنےٰ
ہر چیز کو فنا ہے یارب تجھے بقا ہے
احساں میں جب غرض ہو احسان ہی وہ کیا ہے
گر ہو نہ آدمیت وہ آدمی ہی کیا ہے
چشم کرم بشر سے؟ ذلت کا سامنا ہے

اطاعت یہی اور طاعت یہی ہے
بھلائی کے کر کام راحت یہی ہے
تو غیروں کے کام آ کہ ہمت یہی ہے
یہی آب[illegible]رت یہی ہے
یہی ہے مروت محبت یہی ہے
یہی خاکساری شرافت یہی ہے
تو مالکِ حقیقی دنیا جہان کا ہے
کیوں نام کی ہے خواہش کس کا نشاں رہا ہے
جو بیکسوں کو پوچھے کیا اسکا پوچھنا ہے
اللہ سے طلب کر جو تجھکو مانگنا ہے

[illegible]

ردیف رائے مہملہ

راجہ — **راجہ**۔ راجہ راج کشن مغفور رئیس کلکتہ، آپکے والدِ مرحوم مہاراجہ نبا کشن بہادر جو کلائو کے دیوان اور اپنے وقت کے مقتدر اور معزز امرا کے سرتاج تھے، مرزا جان طپش دہلوی سے تلمذ تھا۔ نسلغ اور مولنا حبیب الرحمن کا بیان ہے کہ انکا ایک ضخیم دیوان اُردو میں تھا، مگر جس تذکرہ کو دیکھا اُس میں صرف ایک ہی شعر نظر سے گزرا۔ انکے بیٹے راجہ انوپ کشن بہادر بھی شعر کہتے ستے اور کنور تخلص کرتے تھے۔

گر شب کو نہ تم پاس مرے آؤ گے صاحب	تو مجکو سحر تک نہ یہاں پاؤ گے صاحب

راجہ — **راجہ**۔ راجہ بہادر نام خلف راجہ شتاب رائے صوبہ دار پٹنہ عظیم آباد۔

یہ زخم دل ہمارے مرہم تلک نہ پہنچے	ہم اُن تلک نہ پہنچے وہ ہم تلک نہ پہنچے

راجہ — **راجہ**۔ بلاس رائے پسر دیوان مانر رائے۔ شوق لکھتے ہیں کہ صاحب اقتدار عالی ہمت از شاگردان حسن علی شوق طبیعت مناسب اور موزوں پائی تھی۔ یہ انکا کلام ہے۔

اِس واسطے کسی کی نہ تجکو نظر لگے	انجم بنے سپند بنا مجمر آفتاب
سُنکر ترے جمال کو اب ڈھونڈتا پھرا	لیکر سحر سے شام تلک گھر گھر آفتاب
یہانتک ہی تیرے چہرہ کا اب دلیں سکے آرشک	آتش میں جل کے ہو گیا جوں اخگر آفتاب

راجہ — **راجہ**۔ رئیس با تمکین مہاراجہ بلوان سنگہ بہادر راجہ خلف ارشد مہاراجہ چیت سنگہ تاریخ میں انکا حال اس طرح درج ہے کہ جب راجہ چیت سنگہ کے والد راجہ بلونت سنگہ نے وفات پائی نواب شجاع الدولہ نے تمام عہدناموں کے برخلاف چاہا کہ علاقۂ بنارس پر اپنا دخل کرلیں لیکن سرکارِ انگلشیہ نے قدیم شرائط کی پابندی ملحوظِ خاطر رکھکر راجہ چیت سنگہ کو سندِ موروثی پر متمکن کردیا۔ راجہ موصوف حسب قرارداد سابقہ سالانہ زر خراج معینہ ادا کرتے رہے لیکن ۱۷۷۸ء میں سرکار انگریزی نے کچھ فوج ملکی طلب کی اور اخذ زر بھی کرنا چاہا

راجہ نے ان امور کو اپنی مقدور سے خارج پاکر عذر کئے جو مسموع نہ ہوئے اور وارن ہسٹنگز گورنر جنرل خود اس معاملہ کے تصفیہ کے لیئے بنارس گئے اور راجہ کی گرفتاری کا قصد کیا، اس امر سے تہلکۂ عظیم مچ گیا اور ناچار جانبین سے فوج کشی کی نوبت آئی آخر الامر والی بنارس مہاراجہ چیت سنگہ نے ۱۷۸۱ء میں شکست پاکر گوالیار کو پناہ گاہ مقرر کیا تو عالیجاہ نے طریقہ مہمانداری کا سلوک کر کے پانچ لاکھ سالانہ کی جاگیر علیحدہ کر دی - بعد وفات مہاراجہ چیت سنگہ مہاراجہ بلوان سنگہ چالیس سال تک آگرہ میں تشریف فرما رہے، نظیر اور مرزا حاتم علی مہر کے شاگرد تھے بڑے قادر الکلام، مشاق، ذکی اور طباع سخنور تھے تلاش مضامین نو کی طرف میل خاص تھا اور اسکے ساتھ ہی زبان کی صفائی کا اسقدر خیال تھا کہ کیا مجال کہ اسلوب بیان میں ذرا بھی وقت یا اُلجھاؤ پیدا ہو، مشکل زمینوں میں خوب خوب شعر نکالتے تھے شاعروں کے بڑے قدردان تھے ہمیشہ دولتخانے پر مشاعرے ہوا کرتے تھے اور شعرائے سے ہر طرح سے سلوک ہوتے تھے قوم کے ترکما برہمن تھے اِنکے مورثِ اعلیٰ راجہ منسارام کو محمد شاہ نے پندرہ لاکھ سالانہ خراج پر علاقہ جات جونپور - غازیپور، بنارس کا صوبہ دیا تھا، سرکار انگلشیہ سے دو ہزار روپیہ ماہوار پنشن مقرر تھی، ۱۷۹۹ء سال پیدایش تھا - صاحب دیوان مسمیٰ بہ گل ریاض مطبوعہ عظیم الاخبار پریس آگرہ ۱۲۷۰ھ تھے، ایک کتاب موسوم بہ چتر چندر کا بھی اِن کی یادگار ہے، دیوان نہیں ملا، البتہ تلاش سے بیس پچیس غزلیں ہم پہنچیں اُنکا انتخاب حاضر ہے اُنکے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف و مشکل زمینوں میں کس قابلیت اور ذہانت سے فکر کیا ہے، اِنکی قادر الکلامی اور مشاقی قابلِ داد تھی - کیوں نہو استعداد علمی کے علاوہ ذہانت اور خوش فکری خدا داد تھی - انتخاب کلام سے لطف اُٹھایئے ٭

تو ہے وہ گل کہ نام ترا باغِ دہر میں
وہ دو پہر وظیفۂ مرغِ سحر ہوا

خانۂ دل میں خدا و خیل بتوں کا نکلا
کعبہ ہم سمجھے تھے جسکو وہ کلیسا نکلا

صاف قاتل سے ہوں اتنا کہ یقیں ہے دمِ قتل
میرے خوں کا بھی نہو تیغ پہ دھبہ پیدا

کالا ہے ماہتاب کہ گورا ہے ماہتاب
پردہ نشیں سے پوچھیں گے کیسا ہے ماہتاب

یہ پیرِ چرخ خادمِ دیرینہ ہے ترا
دستِ فلک میں پھولوں کا پنکھا ہے ماہتاب

حسرت سے قیس دیکھتا ہے چاند کی طرف
کیا نقشِ پائے ناقۂ لیلیٰ ہے ماہتاب

آنچ تھی تلوار کی برقِ غضب
ہو گیا کشتہ ترا قاتل کباب

آیا وہ مہوش تو سیخِ شمع پر
ہونگے پروانے سرِ محفل کباب

کیا سوتی ہے لیلیٰ تو پڑی خوابِ لحد میں
روتا ہے کھڑا قیس بچارا سرِ تربت

اے قیس تری جاں کی نہیں خیر نہیں خیر
خالی ہے کھڑا ناقۂ لیلیٰ سرِ تربت

ملال کرتا ہے کسکو ہلال شام کیوقت
فلک پہ خون ہی کچھ لال لال شام کیوقت

نصیبِ اعدا نہ ہو سایۂ پری سر پر
چمن میں پھرتے ہو تم کھولے بال شام کیوقت

خیالِ زلف میں راجہ نگہ کے مرتا ہوں
تو ایسی باتیں نہ منہ سے نکال شام کیوقت

مطیع خوبوں کی خلق پائی خدا کی قدرت خدا کی قدرت
صنم بھی کرنے لگے خدائی خدا کی قدرت خدا کی قدرت

جنھیں تھا دعوائے میرزائی خدا کی قدرت خدا کی قدرت
نصیب ہے اب برہنہ پائی خدا کی قدرت خدا کی قدرت

صنم کدہ سے کسے تھی فرصت حرم میں آنا ہی اتفاقاً
غضب ہے ہم اور پارسائی خدا کی قدرت خدا کی قدرت

شروع کی میں نے چھیڑ اسنے تو مجھسے تیوری چڑھا کے بولے
تو ہمسے کرتا ہے ہاتھا پائی خدا کی قدرت خدا کی قدرت

مری تو قسمت میں گالیاں ہیں رقیب کو ہو نصیب بوسہ
مجھے تو سم دے کسے مٹھائی خدا کی قدرت خدا کی قدرت

فقط مجھی کو نہیں ہے الفت مطیع شاہ و گدا ہیں راجہ
صنم بھی کرنے لگے خدائی خدا کی قدرت خدا کی قدرت

کعبہ نہ گئے دیر سے تکفیر کے باعث
اللہ کو بھولے بتِ بے پیر کے باعث

بے یار کوئی کام ہو ممکن نہیں ناصح
جی لگ گیا فرہاد کا تصویر کے باعث

روشنی داغِ جدائی کی فقط کافی ہے
ڈھیر مجنوں کا نہیں شمع لگن کا محتاج

آبلہ گنبدِ مرقد ہے کفن دامنِ دشت
نہ تو ہیں طالبِ تربت نہ کفن کا محتاج

عرقِ آلودہ رخِ یار کو لے راجہ دیکھ
گلِ جنت نہیں یہ نہرِ لبن کا محتاج

پیچیدگی حال کو پوچھا نہ بیمارِ عشق کا
بن ٹھن کے جو ہاں شوقِ شہادت آگئی
گردش کسی کے سر میں تو چکر ہے پاؤں میں

آ عشق ہے نعش اٹھ تو ذری چل کسی طرح
قاتل کو کھلے مجکو تو مقتل کسی طرح
اک قصہ بر زمیں ہے تو اک داستان چرخ

عاشق کا رنگ زرد ہے پوشاکِ یار زرد
کیسا خیال ہجر شبِ وصل آگیا
عاشق کا رنگ زرد نہ ہو کیونکہ ہجر میں

پھولی بسنت باغ میں آئی بہار زرد
یا سرخ تھا میں یا کہ ہوا ایکبار زرد
کر دیتی ہے خزاں شجر و برگ و بار زرد

کچھ مزا دیگی جو بوسہ کی حلاوت لب پر
حالتِ نزع میں ہے اسکی حکایت لب پر
ضعف کیسا ہی یہ کیسی ہے نقاہت مجھ کو
عزم بوسہ کا تصور میں اگر میں نے کیا
عشوہ و ناز اس انداز کا دیکھا نہ سنا
دل پہ صدمہ ہو کہ ہو جاں پہ اذیت راجہ

جاں بہ دم مرگ رہیگی کئی ساعت لب پر
دم نکلنے نے مچائی ہے قیامت لب پر
نالہ دل سے نہیں آتا ہے سلامت لب پر
پڑ گیا نیل ہوئی ختم نزاکت لب پر
شوخیِ آنکھوں میں ہے ظاہر ہے شرارت لب پر
آنے پائے نہ مگر حرفِ شکایت لب پر

اے آئینہ رو جھانک کے غرفہ سے ذرا دیکھ
قاتل سے کہیں کیا دلِ افگار کا احوال

ایک خلق کھڑی نقش بدیوار ہے باہر
ہر وقت وہاں میاں سے تلوار ہے باہر

کہتے ہیں جسکو دخترِ رز میری جان ہے
ہوتے ہیں تلخ اب لبِ شیریں کے بوسے سے
اے راجہ باغبان نے صیاد سے کہا

دل کا گمان ہے مجھے بوتل کی ڈاٹ پر
تونے ہی دل کو پہلے لگایا تھا چاٹ پر
قمری کا سر اڑا دے عنادل کی کاٹ پر

صرفِ بالش نہ ہوئے بلبلِ گلزار کے پر
وہ سیہ بخت ہوں روشن ہو اگر شمعِ مزار
شش جہت میں ہے یہی ظلم عنادل کے نصیب
اب کبوتر کو مرے طاقتِ پرواز نہیں

کچھ بھی کام آئے نہ اس طائرِ بے کار کے پر
جمع پروانے ہوں گل کر دیں اسے مار کے پر
دو کے پر باندھے گئے کترے گئے چار کے پر
گر پڑا چونچ سے خط ڈال دیئے ہار کے پر

شیخ ناراض ہو ہم سے کہ برہمن روٹھے ۔۔۔ ہونگے پابند نہ ہم سبحۂ وزنار کے پر

موتی پیکاں ہوتا ہے سبزے کا ہر اک کو ۔۔۔ ہے عکس خطِ سبزے سے جبڑے کا گہر سبز
میں ابرِ تنک کا کبھی احسان نہ لونگا ۔۔۔ کر دے سرے صحرا کو تو اک دیدۂ تر سبز
اِک جھاڑ زمرد کا بنا سر و چراغاں ۔۔۔ داغ تنِ سم خوردہ ہوا راجہ یہ سر سبز

مانی اُس سے منگائی ہے تصویر ۔۔۔ کھینچ دے جائے جسمِ لاغر خط
اُسکی صورت تو جا کے دیکھے گا ۔۔۔ ہیں ندوں گا تجھے کبوتر خط

بعد مُردن بھی کھُلی رہ گئیں آنکھیں میری ۔۔۔ تھامری چشم کو از بس ترے دیدار کا حظ
ہم تو حیران رہیں صورت کو تری پردہ نشیں ۔۔۔ آئینہ روز اُٹھائے ترے رخسار کا حظ
میر و سودا و حزیں، آتش و ناسخ ہوتے ۔۔۔ روبرو اُنکے نظارا جو ترے اشعار کا حظ

معلوم نہیں ہاتھ کریگا وہ کدھر صاف ۔۔۔ تلوار ملی جاتی ہے ہوتی ہے سپر صاف
مرغانِ قفس کو نہ تو دانا ہے نہ پانی ۔۔۔ صیاد گذرتے ہیں انھیں آٹھ پہر صاف

یہ کسکو ڈھونڈتی پھرتی ہے اضطراب میں برق ۔۔۔ گہے زمیں گہے گردوں گہے سحاب میں برق
کسی کے نورِ رُخِ مہروش پہ عاشق ہے ۔۔۔ یہ گرتی پڑتی جو پھرتی ہے اضطراب میں برق
اے قضا اور دے دو چار قدم کی مہلت ۔۔۔ مجھ تنِ زار سے ہے کوچۂ جاناں نزدیک
ضعف سا ضعف ہے اب چاک نہیں ہو سکتا ۔۔۔ دستِ وحشت سے ہے ہر چند گریباں نزدیک
چشمِ بد دُور تری آنکھوں سے نسبت کیا ہے ۔۔۔ چل دکھا دوں میں ہرن یاں ہے بیاباں نزدیک

مرنے کا تو کچھ غم نہیں پہ غم ہے یہ راجہ ۔۔۔ مہمان ہے درد جگر ہی اور کوئی دم

آستانِ یار پر ہم جبہہ سائی کرتے ہیں ۔۔۔ دیکھیں کیا ہوتا ہے قسمت آزمائی کرتے ہیں
کوئی مرتا ہے کوئی جیتا ہے اُنکے حکم سے ۔۔۔ اللہ اللہ آجکل بت بھی خدائی کرتے ہیں
شر بڑھے گا روٹھنے میں راجہ صاحب خیر ہے ۔۔۔ آپ معشوقوں سے بھی ایسی برائی کرتے ہیں

کیا جانے کہاں قافلہ ہمسفراں ہے ۔۔۔ یارانِ عدم کی نہیں آتی ہے خبر کچھ

تاثیر بیمار ... جو مرغان گرفتار ... [illegible]

شعر چوٹی کے شنکے کہتا ہے
میرے پیچھے بلا پڑی کیسی

مَیں نے دشمن بغل میں پالا تھا
آہ اِس دل نے کی دغا کیسی

سُرخ ہاتھوں کو کر چکے خوں سے
اور پھر چاہیئے حنا کیسی

مٹ گئی مثل نقشِ پا کیسی
پس گئی چال پر خدا کیسی

اقلیم کبھی زیرِ نگیں رہتی تھی راجہ
اب حرف بھی غالب ہو نگیں پر نہیں چلتے

دستِ مشاق نے زلفوں کو بنایا افعی
صاف پیدا کفِ موسیٰ کا اثر ہاتھ میں ہے

دانتوں پہ موتی تصدق کرکے جانی بیچئے
جاں بلب ہوں اب تو آبِ زندگانی بیچئے

کشتۂ ابرو کو کیجے دفن بیت اللہ میں
قیدیٔ گیسو کو صاحب کالے پانی بیچئے

ہنستے ہی ہنستے یقیں ہے مجکو شادی مرگ ہو
آپ اگر اپنا وہ پٹہ زعفرانی بیچئے

ہیں بے خبر ایسے کہ خبر ہم نہیں رکھتے
دِل ہم نہیں رکھتے ہیں جگر ہم نہیں رکھتے

جس جا پہ گرے تھک کے وہی گھر ہے ہمارا
دیوانے ہیں، سودائی ہیں، گھر ہم نہیں رکھتے

کیا تم پہ تصدق کریں کیا نذر دیں تمکو
دل ہم نہیں رکھتے ہیں جگر ہم نہیں رکھتے

کس تاک پہ آتا ہے تو اے دردِ محبت
دِل ہم نہیں رکھتے ہیں جگر ہم نہیں رکھتے

رو ملے روئے لیلیٰ جان کر دوڑا عبث مجنوں
بھلا کب چادرِ مہتاب راجہ ہاتھ آتی ہے

زلف کی یاد حکایت آئی
اور شب بڑھ گئی آفت آئی

وہ پیامِ یار لایا اسنے کھولی فالِ نیک
پاؤں قاصد چومئے اور دستِ عامل چومئے

یہ سچ ہے کہ تلوار کی ہوتی ہے بری آنچ
کیا قہر ہے تیغِ نگہِ یار کی گرمی

بُت اگر سنگدل ہے اے راجہ
کرلے باتوں میں اسکو تو پانی

دوستو! رشک کے ہم خوں جانی سمجھے
سایۂ یار کو بھی دشمنِ جانی سمجھے

نامہ لکھے کوئی کیا، کیا کوئی قاصد بھیجے
وہ نہ خط سمجھے نہ پیغامِ زبانی سمجھے

سُن کے افسانۂ حالِ دلِ مضطر بولا
قصہ خواں دور ہو چل تیری کہانی سمجھے

راجہ **راجہ۔** مہاراجہ سر دگ بجے سنگھ صاحب بہادر کے، سی۔ ایس۔ آئی۔ والیئے ریاست بلرامپور ملاوہ تلسی پور اودھ آپ قوم کے جوار راجپوتوں میں سے تھے، اور انکے بزرگ گجرات چپانیر سے اودھ آنکر یہاں کے علاقہ جات کے بزور شمشیر مالک ہوئے، تاج الدین غوری کے وقت میں سرکار شاہی سے اِنکے بزرگوں کو بہرائچ کا علاقہ واسطے آبادی و کاشت کے انتظام، خراج پر عنایت ہوا، یہاں اکونہ کا قصبہ انہوں نے آباد کیا اور ریاست کی بنیاد ڈالی۔ راجہ جے نراین سنگھ برادر راجہ صاحب کے وقت تک ۱۸ راجہ یکے بعد دیگرے مسند نشین ہوئے۔ آبائی زمینداری پر مسند نشینی کے وقت مہاراجہ صاحب عمر صرف اٹھارہ سال کی تھی۔ اترولہ کے تعلقہ دار راجہ محمد خاں نے اِن پر فوجکشی کا ارادہ کیا تو یہ خود اُسپر جا چڑھے اور اُسکی گڑھی کو لوٹ لیا، سمت ۱۸۹۷ میں راجہ درشن سنگھ شاہ اودھ کی طرف سے ناظم مقرر ہوئے اُنہیں مہاراجہ سے پرخاش تھی، انھوں نے انکے نائب گجادر سنگھ سے بذریعۂ تہدید بلرامپور خالی کرالیا مہاراجہ اُن ایام میں اپنی شادی کرنے بالسنی گئے ہوئے تھے، یہ سنکر بہت مغموم ہوئے اور نیپال چلے گئے، وہاں مہاراجہ جنگ بہادر نے بہت مدارات سے رکھا اور امداد کا وعدہ کیا رزیڈنٹ نیپال کی تحریک پر شاہِ اودھ نے درشن سنگھ کو معزول کردیا اور مہاراجہ پھر اپنے علاقہ پر قابض ہوگئے، سمت ۱۹۰۵ میں تلسی پور کے راجہ دگراج سنگھ کو اُسکے بیٹے دگ نراین سنگھ نے معزول کردیا، واجد علیشاہ کے حکم سے مہاراجہ نے اُنکی امداد کرکے دگجراج سنگھ کو پھر قبضہ دلادیا اور اپنا حق مقررہ معہ ایک گانوکے لے لیا۔ اِسی طرح سے مختلف معرکوں میں مہاراجہ نے اپنی بہادری اور اولوالعزمی کے جوہر دکھائے۔ ۱۸۵۶ء میں سرکار اودھ پر انگریزی تسلط ہوگیا انہوں نے فوراً چارلس ونگ فیلڈ کمشنر بہرائچ کے پاس حاضر ہوکر علاقہ بلرامپور کی قبولیت داخل کردی اور اپنی حسن خدمات سے صاحب کو ازحد رضامند رکھا۔ تھوڑے دِن بعد جب غدر ہوا، مہاراجہ حسب الطلب پانچسو سوار لیکر کمشنر کی امداد کو گئے اور قریباً سو انگریزی خاتون اور بچوں کو اپنی زیر حفاظت رکھکر سرکاری علاقہ میں بھیجدیا، اور قلعۂ پٹوہان کا قبضہ

بھی کر بیعت ۱۸۵۸ء میں جب سرکار نے دوبارہ گونڈا فتح کیا، مہاراجہ افسروں سے ملے اور چونکہ
تلسی پور اور بانسی کے راجہ باغی ہوگئے تھے اُن کا علاقہ بھی بطورِ انعامِ خیر خواہی حاصل کیا
اور لکھنو کے ۱۸۹۵ء کے دربار میں اول نمبر کی کرسی پائی، سات ہزار کا خلعت اور مہاراجہ بہادر
کا خطاب عطا ہوا، اور اختیارات دیوانی و کلکٹری بھی عطا ہوئے۔ برٹش انڈین ایسوسی ایشن
(انجمن تعلقہ دارانِ اودھ لکھنو) کے روزِ اجرا سے آخر زمانۂ حیات تک وائس پریسیڈنٹ رہے
اور جملہ مہمات ملکی و انتظامی میں حکام وقت کے معتمد علیہ اور ممتاز مشیر سمجھے جاتے تھے خود مختار
والیانِ ملک سے بھی اچھے مراسم قائم کیے، وائسرائے کی کونسل کی ممبری کا اعزاز بھی عنایت
ہوا الغرض اودھ کے تعلقہ داروں میں اپنی دور اندیشی، عزم و احتیاط، نکتہ رسی، قابلیت حسنِ
انتظام کی بدولت سربرآوردہ رکن تھے، علوم و فنون کے بھی بڑے قدر دان تھے۔ چنانچہ لکھنو
کی سلطنت کے مٹنے کے بعد اکثر پرانے رئیسوں کی خاندانوں کی پرورش اور باکمال لوگوں کی
غور و پرداخت آپکی سرکار سے ہوتی رہی، اپنے حسن انتظام سے علاقہ کا بندوبست بھی بہت
اچھا کیا اور اس میں معقول اضافہ کرتے رہے۔ اردو شعر و سخن کی طرف بھی توجہ تھی اور صاحبِ
دیوان تھے منشی جواہر سنگھ جوہر شاگرد خواجہ وزیر سے جو آپکے مصاحب تھے تلمذ تھا، شکار
کا بیحد شوق تھا، انکی تیر اندازی اور دلیری کے بڑے بڑے انگریز معترف تھے، تمام اوقات
فرصت اِس مشغلے میں صرف فرماتے تھے، بلرامپور جو ایک گاؤں تھا انکے حسن انتظام سے
ایک شاندار قصبہ بن گیا، اسی طرح اپنے علاقہ میں جابجا چاہات، تالاب، پل اور سرائے بنوا کر
اولوالعزمی کے ثبوت کے علاوہ علاقہ کو آباد اور رعایا کو خوش کیا ۱۸۸۴ء میں مہاراجہ نے
(جن کا صلبی فرزند انکی حیات ہی میں قضا کر گیا تھا) لاولد انتقال کیا اور دو مہارانیاں بیوہ
وارث چھوڑیں جن میں سے مہارانی خورد نے حسب وصیت مہاراجہ مرحوم مہاراجہ صاحب حال
کو متبنّٰی بنا لیا اور مہاراجہ کی ریاست کو برقرار رکھا۔ احسن التواریخ اور چند اور کتابیں بلرامپور کے
متعلق آپکی زیر سرپرستی شائع ہو چکی ہیں، موزونی طبع کے اقتضا سے شعر کی طرف بھی کبھی کبھی

توجہ ہوجاتی تھی اور کثرتِ اشغال اور عدیم الفرصتی کے دیکھتے یہ امر کچھ کم باعثِ حیرت نہیں ہے کہ آپکے اشعار اسقدر صاف شستہ فصیح و بلیغ ہیں، کلام بہم رسیدہ کا انتخاب حاضر ہے۔

تیری صورت دیکھکر لیلیٰ کو آئیگا حجاب   میری صورت دیکھ کے مجنوں بہت شرمائیگا

گئے وہ دن کہ حسینوں کو پیار کرتے تھے   نہ ولولے رہے اپنے نہ وہ شباب رہا

خم کھلے، شیشے کھلے ہیں میکدہ کا در کھلا   مغبچوں ہم پر نہ مضمونِ خطِ ساغر کھلا

خوابِ مخمل جن گل اندا موں کو فرشِ خار تھا   موت نے تربت میں انکو خاک بستر کر دیا

کیا صحبت میں جب سے مفسدوں کی   مزاج اصلاح پر آیا نہ اُس کا

اے صبا ہے کس کی عارض کا انہیں بھی سودا   باغ میں ہوتے ہیں گل چاک گریباں پیدا

اللہ غنی حُسن پہ کسدر جو ہے مغرور   وہ اپنا کبھی پاؤں زمیں پر نہیں رکھتا

راجہ بجا ہے دزدِ حنائی کا کیا قصور   دل اپنا اپنے ہاتھ سے خود ہمنے کھو دیا

حُسن سے عشق نہ ہو جبکو وہ انسان کیسا   منکرِ قدرتِ حق صاحبِ ایماں کیسا

عشق میں تیرے ہوا ہے اے صنم   ایک مذہب کا فرو دیندار کا

رنج و غم دلکو مرے دیتے ہو یہ تو سمجھو   ہمنے کس ناز و نعم سے اسے پالا ہوگا

ہم جو گھر اُسکے گئے جانے شبِ تاریک میں   شعلۂ دل آگے آگے مثلِ مشعل ہو گیا

مجھے بھی ہر گھڑی کی بدمزاجی خوش نہیں آتی   کہونگا پھر جو میں کچھ طبعِ نازک پر گراں ہوگا

اپنی نظر بھی اکثر انسان کو لگی ہے   آئینہ میں نہ دیکھو منہ بار بار اپنا

جیسی کہو گے ہمکو ایسی سنو گے ہمسے   کب چُپ رہیگا وہ جو حاضر جواب ہوگا

دیکھ کر لیلیٰ کو یہ خوش ہوکے مجنوں نے کہا   دو گھڑی دم سے ترے جنگل میں منگل ہو گیا

نام مشہور ہوا رشکِ مسیحا راجہ   پر انھیں فکرِ علاجِ دلِ بیمار ہے کب

محتسب لوٹیں گے ساتھ اُسکے کئی کاسہ سر   سُن لے رندوں پہ بہت کچھ ہے حقِ جامِ شراب

کیا تلون ہے مزاجِ یار میں   شام کو اقرار تو انکار صبح

انساں چلے وہ چال کہ جو ہو جہاں پسند
جہاں سے ہو وہ کام جو ہو میزباں پسند

دل بیچے کھڑے ہیں ترے گھر کی راہ پر
ارزاں ہے مول سے جو اسے اک نگاہ پر

ہے نو دسبزۂ خط عارضِ جاناں کے پاس
آئے خضر تشنہ لب یا چشمۂ حیوان کے پاس

کس طرح ہم نہوں اُس بت خمار سے خوش
جو دلاور ہیں سدا رہتے ہیں تلوار سے خوش

آپ ہی آپ کچھ اغیار جلے مرتے ہیں
خود بخود اب جو ہوا آپ کو ہم سے اخلاص

رونق ہے عاشقوں کے دم سے بلبلِ دہر میں
بلبلوں کو ہے گلو سمجھو گلستاں میں چراغ

پامال آج وہ ہیں جو کل تک نہال تھے
کھلتا نیا ہے روز تری انجمن میں گل

یاد آئی جو اُسکی جنت میں
حور کو دھیان میں نہ لائینگے ہم

بال کھولے ہیں کتنے چوٹی کے
کیا پریشان دن گذرتے ہیں

صغر سن میں پہنو پھولوں کے نہ ہار
تم ابھی ایجانِ من خود پھول ہو

یار کے پاس اُڑ کے چلا جائے گا نامہ
ابتو خود سیکھ گیا کار پیمبر نامہ

بے یار کیا بیان ہو تقریر خواب کی
یوسف سے چلکے پوچھئے تعبیر خواب کی

راحت ۔ مرزا محمود بیگ خلفِ مرزا احمد بیگ سپاہی پیشہ تھے ۔ آبا و اجداد کا اصلی وطن روم تھا مگر دلی میں رہتے تھے ، غدر سے پیشتر فوجی ملازمت ترک کر کے خانہ نشین اور علائق سے دست بردار ہو گئے تھے ، فنِ سخن میں مومن خان دہلوی سے تلمذ تھا ۔ ایک مثنوی موسوم بہ دہشت عدل اور ایک واسوخت علاوہ غزلیات کے اِن سے یادگار ہیں ، یہ اُنکے پاکیزہ اور صاف شستہ کلام کا انتخاب ہے ۔ راحت

کچھ جان سی آتی ہے مری جان میں قاتل
پانی ترے خنجر میں ہے کیا آبِ بقا کا

کھلایا مجھے غم پلایا مجھے خون
ہوا جب میں ناکام مہماں تمہارا

غیروں سے جو اشارے محفل میں ہیں تمہارے
سمجھیں وہ یا نہ سمجھیں پر یہ غلام سمجھا

صبر و قرار تاب و تواں رفتہ رفتہ سب
آ جائیں گے کہیں سے دلِ فتنہ گر ملا

اشک آنکھوں سے نکلکر زیر مژگاں تھم گیا
دم نہ لے سایہ میں کیونکر تھا مسافر دور کا

ہم سے وہ بھی چھٹے اور یہ دلِ شیدا چھوٹا
یاد کس کس کو کریں خیر جو چھوٹا چھوٹا

لے گیا رات کو باتوں میں لگا کر اُن کو
کیونکہ قائل نہوں راحت تری تقریر کے ہم

اجل پہلے آئے کہ وہ پہلے آویں
یہی راہ مدت سے ہم دیکھتے ہیں

رہے قاتل سے خجالت کیوں نہ روزِ جزا
ساتھ میرے ایک عالم ہولیا فریاد کو

آنکھیں بھر آئیں بھر سے اُس رشکِ ماہ کی
سینے پہ رکھ کے ہاتھ جو اک میں نے آہ کی

قاتل تو ایک بوسہ مجھے دے کے قتل کر
لازم ہے کچھ تو دینی دیت بے گناہ کی

راحت

راحت منشی بشیر محمد خاں صاحب دہلی کے رہنے والے اور حکیم ثناءاللہ خان صاحب کے پوتے ہیں ۱۲۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور اپنے دادا حکیم محمد علیخاں صاحب کے سایۂ عاطفت میں تعلیم و تربیت پائی اور انھیں سے فنِ سخن میں اصلاح لینے لگے۔ کچھ دنوں ریاستہائے جودھپور و بانسواڑہ میں بتقریب ملازمت بسر اوقات کی۔ اب ریاستِ دیوپور میں انسپکٹر کسٹم ہیں۔ آپکی طبیعت میں تاریخی واقعات کے نظم کرنے کا شوق خداداد ہے اور اس صنف میں معقول دسترس بہم پہنچائی ہے، کئی مثنویاں آپکی تصنیف کردہ ہیں جس میں ایک موسومہ ”درِ شاہانۂ سخن“ ۱۳۰۵ھ میں مہاراجہ سردار سنگھ بہادر والیٔ جودھپور کی تقریب کتخدائی پر تصنیف کی تھی۔ ایک اور ضخیم مثنوی بھی آپنے لکھی ہے جس میں اُنیس ہزار اشعار ہیں اور ابتدائے آفرینش سے خاندانِ لودہی تک کے حکمرانوں کے واقعات نظم ہیں، مثنوی ہذا کا نام ”شاہنامۂ جدید“ ہے اِسکے پانچ حصے ہیں۔ غزنیں نامہ، غوری نامہ، خلجی نامہ، تغلق نامہ، لودہی نامہ، آپنے اِس مثنوی میں قدیم راجگان ہند کے طرزِ حکومت پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے اور رزم و بزم کے واقعات اور مسلمان حملہ آوروں سے ہندو راجاؤں کی معرکہ آرائیوں کو بوضاحت قلم بند کیا ہے۔ آجکل سلطنتِ مغلیہ اور زمانہ موجودہ کی تاریخ کہہ رہے ہیں۔ چونکہ آپکی طبیعت کو وقائع نگاری سے مناسبت خاص

ہے اِس وجہ سے کسی اور صنف شاعری میں طبع آزمائی نہیں کرتے۔ انتخاب کلام حسبِ ذیل ہے

مہاراج پرتھوی راج اور سلطان شہاب الدین غوری کی پہلی معرکہ آرائی نہر سرستی پر

لگی چلنے باہم چھُری اور کٹار
ہوئے سر تنوں پر ہزاروں نثار

پٹھانوں سے خنجر چلی سَن سے تیغ
ہزاروں ہی کشتہ ہوئے بیدریغ

جوان زخم پر زخم کھانے لگے
شجاعت کے جوہر دکھانے لگے

کسی نے رنگے خون میں اپنے ہاتھ
عدم کو گیا کوئی آقا کے ساتھ

زمیں پر تھا کشتوں کا پشتہ بندھا
ہر اک سمت تھا خون کا دریا بہا

بدلنے لگا جب لڑائی کا طور
کیا اپنے لشکر پہ راجہ نے غور

یکایک بڑھی ہاتھیوں کی وہ صف
جواں نکلے پیچھے سے نیزہ بکف

وہ تھے قوم کے سب کے سب راجپوت
وہ بانکے دلاور بہادر سپوت

گرے فوجِ شہ پر وہ سب ایکبار
ہوئے قلب تیروں سے انکے فگار

کمانوں نے گوشے لیے اپنے موڑ
دیا تیروں نے اپنے ترکش کو چھوڑ

جو افغاں تھے فوراً وہ پیچھے ہٹے
اُدھر خلجیوں نے بھی گھونگٹ لیے

لڑائی کا جب یہ ہوا بندوبست
ہوئی فتح سے شاہ کی پھر شکست

شکستہ ہوا میمنہ میسرہ
ہوا قلب کی فوج کا فیصلہ

لڑائی سے تیروں کی عاری ہوئے
نمک خوار سارے فراری ہوئے

نہ مطلق ہوا شاہِ غزنیں ملول
گھرا ایسا تھا جیسے کانٹوں میں پھول

نظر کھانڈے راؤ کی اُس پر پڑی
سپہدار کی آنکھ اُس سے لڑی

سپہدار نے بھی بجرأت تمام
کیا رستمی کا وہاں پر یہ کام

دیا ہاتھی کے منہ پہ نیزہ لگا
حریفوں کو دی اپنی جرأت دکھا

کیا کھانڈے راؤ نے پھر اُس پہ وار
تو شانہ نشانہ بنا ایک بار

نہایت ہی سخت اسکو پہنچا گزند
مدوعیب سے اُسکی فوراً ہوئی
لیا اپنے مالک کو فوراً اسنبھال
سپہدار کا پھر نپایا نشاں

جھکا اپنے گھوڑے پہ وہ ارجمند
یکایک غلام آن پہنچا کوئی
کسی پہ نہ ہرگز کھلا اس کا حال
نہ آیا نظر کوئی غمزیں جواں

جس باغ میں مہاراجہ سردار سنگھ صاحب بہادر جودھپور کی برات اُتار گئی تھی اُس باغ کی تعریف

مقام اِک جداگانہ ہے شہر سے
تمام اُس کا سبزہ ہے زیر نظر
سنئے رنگ کا ہے وہاں کا چمن
نمودار ہیں صاف قدرت کے کھیل
گلاب اور گیندے کی رونق ہی خاص
نمودار نرگس کا ہے امتیاز
صحن میں نمایاں ہے حوضِ کلان
لگے اُس میں فوارے ہیں بیشمار
غرض ایسا ہے پُر فضا وہ مقام

سہیلی کی باڑی سے موسوم ہے
کھڑے جھومتے جابجا ہیں شجر
کہیں پر ہے نسریں کہیں نسترن
کہیں ہے چنبیلی کہیں رائے بیل
چمن میں ہی حاصل اُنھیں اختصاص
عیاں چشم ہے اُسکی واں نیمباز
وہ ایسا ہے جیسے کہ دریا رواں
نئے طور کے ہیں وہاں آبشار
ہُوا دولھا کا اِس جگہ پر قیام

راحت

راحت سید عابد حسین بریلوی ۱۸۲۰ء میں زندہ تھے اِس سے زیادہ کچھ حال معلوم نہ ہوا، یہ چند شعر اُنکے ہیں۔

حشر کے دن یہ کہونگا میں خدا سے پہلے
پہلے منہ چوم لوں میں گالیاں دینا پیچھے
عارض حور کی تعریف نہ کر لے واعظ

شکل محبوب دکھا اپنی لقا سے پہلے
چاہیے جرم کا اثبات سزا سے پہلے
کر مقابل مرے گل کے کفِ پا سے پہلے

راحت

راحت لالہ بھگونت رائے راحت ولد منشی دینڈیال رئیس قصبۂ کاکوری نواح لکھنؤ آپ کو حضرت آغا حسن امانت لکھنوی سے تلمذ تھا اور فن سخن میں اچھی مہارت حاصل تھی

صاحب علم و فضل و نازک خیال و طبیعت دار شخص تھے، آپنے مثنوی "زہرہ و بہرام" اور مثنوی "قلدمن" لکھی تھیں جو اب کمیاب ہیں۔ بعد تلاش ایک مثنوی "سوزِ عاشقانہ" دستیاب ہوئی۔ جس کا انتخاب ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے واجد علیشاہ کے زمانہ سلطنت میں حیات تھے بعد غدر انتقال کیا ◆

مظہرِ عشق یا خدا ہو دل — مصدرِ صدمۂ جفا ہو دل
کوچۂ عشق کا ہو رسوائی — روئے زیبا کا ہو تماشائی
گل پہ گل روز سینکڑوں کھائے — بے کلی سے ذرا نہ گھبرائے
لاکھ زخمی ہو خنجرِ غم سے — سیکڑوں کوس بھاگے مرہم سے
سیچے ہر دم لہو سے خاروں کو — خار دیتا رہے ہزاروں کو
گل پہ گل کھا کے مایۂ غم ہو — سبزۂ شاخِ نخلِ ماتم ہو
زخم اس کا نہ ہو رفو برسوں — اور ٹپکا کرے لہو برسوں
بس رہے غم کی آرزو برسوں — عیش کی ہو نہ جستجو برسوں
قبلۂ رخ کے روبرو برسوں — چشمِ تر سے کرے وضو برسوں
بدلے رونے کی پھر نہ خو برسوں — پائی اشکوں سے آبرو برسوں
مثلِ گل روئے زخم خنداں ہو — سوزشِ عشق سے نمک داں ہو
تڑپے اِس طرح خاک پر مضطر — طعن کی جا ہو رقصِ بسمل پر
روز ٹھنڈا ہو تیرِ مژگاں سے — ہوئے سیراب آبِ پیکاں سے
آبِ شمشیر سے بجھائی پیاس — چاہ سے غرق خوں ہے بے وسواس
بیٹھے بیٹھے خدنگِ مژگاں کھائے — تودۂ خاکِ شوق سے بن جائے
شمعِ رخسار کا خیال رہے — غم سے پروانہ جال رہے
زلفِ خمدار کا خیال رہے — غم سے پروانہ جال رہے

بحر الفت میں آشنا ہو کر
کشتی درد کا بنے لنگر

مثل غواص بیدھڑک ہو کر
جی پہ کھیلے وہ اپنے آٹھ پہر

اسقدر عشق میں فنا ہو جائے
اپنے خالق کا آشنا ہو جائے

دامن دشت میں اڑائے خاک
بیکلی سے کرے گریباں چاک

آبلوں سے نقش اپنا جمائے
ہر سر خار سے پتا ملجائے

غم سے ہر داغ لالہ زار رہے
درد ہجراں سے دردو زار رہے

جوش پیدا ہو اس قدر غم کا
گل سوسن ہو باغ ماتم کا

زلف خوباں ہو پاؤں کی زنجیر
حلقۂ طوق ہو گریباں گیر

چشم سے اسقدر ہو خوں فشاں
رشک گلزار ہو تن عریاں

وہ ترقی پہ زور سودا ہو
جسکے نالے میں شور دریا ہو

وہ مزہ کوہ و دشت کا پائے
رشک فرہاد و قیس بن جائے

عاشق رنگ عارض گل ہو
گلشن درد و غم کا بلبل ہو

عشق زہرہ جبیں ہو دامن گیر
مثل ہاروت چاہ میں ہو اسیر

سرو قد پر فدا ہو سو بار
مثل قمری کرے نہ طوق سے عار

اشک برسائے چشم گریاں سے
برق چمکائے آہ سوزاں سے

آتش عشق سے جلے ہمہ تن
خرمن ننگ پر ہو شعلہ فگن

فخر سمجھے سدا ملامت کو
کھو دے سرمایۂ ندامت کو

شکل دولاب چرخ سی بنجائے
در جاناں پہ روز چکر کھائے

ایسا سوز دروں سے ہو بیتاب
غم سے بنجائے ماہی بے آب

کوئے دلدار کو حرم سمجھے
جائے سجدہ در صنم سمجھے

اسکے کوچے میں جب گذر ہو جائے
صاف مر مر کے خاک در ہو جائے

شمع ساں ہو نہ لائے بیداری
اشک سے تو بھی رہیں جاری

ہو نمک پاش زخم پہ ہر دم
پہ نہ دکھلائے صورت مرہم

سر میں ہر دم جنوں کا جوش رہے
دشمنِ صبر و عقل و ہوش رہے

ہر گھڑی صیدِ چشمِ یار رہے
چنگلِ بازِ کا شکار رہے

الغرض عشق ہو ترا یا رب
اپنا سودائی تو بنا یا رب

طاقتِ زورِ عشق دل پر دے
بے پر و بال ہوں مجھے پر دے

جبتلک اپنے تن میں جان رہے
راتدن بس ترا ہی دھیان رہے

دل میں اس لطف سے سما جائے
جس طرف دیکھوں تو نظر آئے

پی کے مے ساغرِ محبت سے
مست ہو جاؤں جامِ وحدت سے

عاشقِ زار اب ترا ہوں میں
ترے کوچے کا بس گدا ہوں میں

رائگاں کر نہ میری محنت کو
ذوق دے اپنے غم سے راحت کو

راحت

راحت۔ دہلی کے ایک نامعلوم ریختی گو تھے، کچھ منتخب کلام درج تذکرہ کیا جاتا ہے۔

جب سے وہ بانکا سجیلا دل کو ہے بھایا ہوا
انگ لگتا ہی نہیں گوئیاں مرا کھایا ہوا

میں اپنی ایڑی چوٹی پہ صدقہ کروں اسے
یہ مرد وا نگوڑا تو لٹھ ہے گنوار کا

لَدگی تم تو وہ آجائیگا بیٹا پھر ابھی
تم جو چپکی ہو رہی ہو آ کے پھر گیا

دودھ لینے کا ارادہ تھا جو دوڑا تھا ہا تھ
نوچ لی انگیا مری دیکھو موئے بندر کی بات

جورو بیٹی ماں بہن کا کچھ نہیں کرتے خیال
گھر میں آکر صاف کہدیتے ہو تم باہر کی بات

گو کہ بہری کب ملک لوگو نبی بیٹھی رہوں
نند کی باتیں سنوں ہے ہے کہ میں دیور کی بات

پوتی پوتوں والی ہو کر لال جوڑا پہنوں میں
مجکو تو بچی یہ بڈھا چونچلا آتا نہیں

کھلا تو پوتا ، ہوئی پوری آرزو تیری
دوگانا لعل سا بیٹا جنی بہو تیری

لحاظ آیا کسی کا نہ تجکو عصمت جان
غلام سے گئی پکڑی جنم میں تھو تیری

راحت۔ سید عابد حسین صاحب بریلوی ۱۸۷۰ء میں زندہ تھے اِس سے زیادہ کچھ حال معلوم نہوا یہ چند شعر انکے ہیں۔

حشر کے دن یہ کہونگا میں خدا سے پہلے
شکل محبوب دکھا اپنی لقا سے پہلے

پہلے منہ چوم لوں ہنگا لیاں دنیا پیچھے
چاہیئے جرم کا اثبات سزا سے پہلے

عارضِ حور کی تعریف نکر اے واعظ
کر مقابل مرے گل کے کفِ پا سے پہلے

راحت۔ محمد نثار علی صاحب رامپوری آجکل کے شعرا میں ہیں، تلمذ کا حال معلوم نہوا کہ کس سے ہے۔ یہ کلام ہے۔

کہتے ہیں جسکو محشر وہ دن بھی آ رہا ہے
بیداد کرنے والے کیا تو سُنا رہا ہے

رنج والم مصیبت دردِ فراق، الفت
وہ کیا جئے جو اتنے صدمے اُٹھا رہا ہے

میں نے ہی آنکو چاہا دنیا سے کیا نرالا
مجھپر ہی یہ ستم کیوں ای چرخ ڈھا رہا ہے

ناز و نیاز دونوں کے لطف دیرہے ہیں
وہ تیغ اُٹھا رہا ہے یہ سر جھکا رہا ہے

ویران ہوگئے ہیں ان روز دل دیر و کعبہ
جو ہے وہ انکے در پر چکر لگا رہا ہے

راحت۔ محمد رئیس الدین خان، حضرت فیروز شاہ خاں فیروز رامپوری سے مشورہ سخن کرتے ہیں ۱۸۹۸ء میں جوان تھے۔

اُدھر سے محتسب جب آج پھر احتساب اُٹھے
تماشا ہوا اُدھر سے رند بھی پیکر شراب اُٹھے

بھلا دُنیا میں کیا ندکور ہی اب اُسکے اُٹھنے کا
جو اُٹھے بھی ترا مقتول تو روزِ حساب اُٹھے

کوئی تدبیر ایسی ہو کہ وہ خلوت میں کھُل کھیلے
ادھر دل سے حجاب اُٹھے اُدھر رُخ سے نقاب اُٹھے

راحم۔ منشی شیخ رحیم بخش راحم تاجر بتجار و رئیس شہر کانپور وطنِ آبائی لکھنؤ ہے، مگر اب مدت سے کانپور مسکن ہے انکا کارخانہ تجارت اسباب چرمی مشہور دیار و امصار ہے، اوائل عمر سے فن سخن کا ذوق رہا منشی سید آغا علی شمس شاگرد ملک الشعرا قاضی محمد صادق خان سے تلمذ اختیار کیا، صاحب دیوان ہیں طبع ہیں شعرائے کانپور میں چھپے ہیں موزونی طبع اور خوش زبانی کلام سے آشکار ہے، انتخاب دیوان ہدیہ ناظرین ہے۔

[illegible] سیا ہو مجرا اس حسرت دیدار کا
دم لبوں پر آگیا آخر ترے بیمار کا

سب تک اے قاتل نہ نکلے گی تمنا قتل کی
حشر تک دامن نہ چھوڑوں گا تری تلوار کا

حلق کا اس شہادت کے گلے ہو جائیں تر
پانی ملے قاتل جو ملجائے تری تلوار کا

ق

ترے مجروح کو شب مہ میں
ذوق جام شراب نے مارا

چاندنی گو ہے مہلک زخمی
پر مجھے آفتاب نے مارا

منہ اگر چوم لیا کیجئے عفو تقصیر
جرم ہوتے نہیں دنیا میں بشر سے کیا کیا

طفل اشک آنکھ میں میری ہے کبھی دامن میں
ناز کرتا ہے پسر اپنے پدر سے کیا کیا

بیکسی روئی سر تربت مجاور غم ہوا
دھوم سے اسکے شہید ناز کا ماتم ہوا

اس کا حامی ہو ساقی کوثر
مجھکو دے جو بجائے آب شراب

شرم تھی آنکھ میں پردے سے نکلتے کیونکر
نہیں شرم نزاکت سہی چلتے کیونکر

نہ نزاکت سہی مہندی وہ لگائے ہونگے
آکے تلووں سے دل زار کو ملتے کیونکر

نہیں مہندی کسی غیر سے وعدہ ہوگا
صادق القول ہیں وعدے کو بدلتے کیونکر

نہیں وعدہ لٹیں شانوں پہ لٹکی ہونگی
بوجھ اٹھاکر جو وہ چلتے تو سنبھلتے کیونکر

نہ کھلی لٹ سہی گیسو کو بناتے ہونگے
کنگھی چوٹی کے وہ پیچوں سے نکلتے کیونکر

لو غرض نا کہ نکلتے بھی تو دانائی سے
مونگ چھاتی پہ رقیبوں کی وہ دلتے کیونکر

ساغر و شیشے کو کیوں توڑتا ہے عہد شکن
توڑنا ہے جو تجھے تو دل اغیار کو توڑ

بجھائیں تشنگان دشت الفت پیاس مقتل میں
سبیل اک فی سبیل اللہ رکھدی آب خنجر کی

راز - مرزا حاجی راز گورگانی دہلوی - مرزا رمضانی کے بیٹے اور مرزا صابر کے شاگرد تھے نظام الدین اولیا کی درگاہ کے قریب رہتے تھے - کئی برس ہوئے انتقال کر گئے - راز

پھر دل سودائی کو اس زلف کا سودا ہوا
بیٹھے بٹھلائے یہ کیسا درد سر پیدا ہوا

اب تو میری طرح بے چین وہ رہنے لگے
یہ ہمارے آہ و نالہ کا اثر پیدا ہوا

کوچہ و بازار میں جن کے سبب رسوا ہوا — پھر اُسی غارتگر دل پر یہ دل [illegible]
جان و دل دونوں فدا کر دیئے اُس پر ہم نے — اِس طرح کوئی ہے کا [illegible]
میرے ہی دم تلک آباد رہے گا گلشن — کو بکو خاک اُڑائے گی صبا میرے [illegible]

راز

راز۔ عالیجناب صاحبزادہ محمد عبید اللہ خاں صاحب بہادر فیروز جنگ، سی، ایس، آئی، فیلو پنجاب یونیورسٹی متخلص بہ راز خلف نواب وزیر الدولہ مرحوم والی ٹونک ایس پریسیڈنٹ کونسل و مدار المہام ریاست ٹونک، نواب ابراہیم علیخاں بہادر والی حال ٹونک کے عم بزرگوار تھے جنگِ کابل ۱۸۷۹ء میں جبکہ ان کی صرف تیئیس (۲۳) برس کی عمر تھی صاحبزادہ موصوف نے سرکار انگلشیہ کی نمایاں خدمات کی تھیں۔ جس کے صلہ میں خلعت فاخرہ و خطاب دولت انگلشیہ نے عطا کئے، صاحبزادہ موصوف غالباً فن شعر میں منشی سلیمان خاں اسد لکھنوی سے مشورہ کرتے تھے۔ نواب صاحب کی اپنی ذاتی جاگیر اُنیس ہزار سالانہ کی تھی علاوہ ازیں آٹھ سو روپیہ ماہوار کا وظیفہ ریاست سے ملتا تھا۔ سر نیویل چیمبرلین کی سفارت کے ہمراہ ۱۸۷۸ء میں کابل گئے واپسی پر ریاست کی طرف سے افتخار الامرا فخر الملک فیروز جنگ کے خطاب سے مفتخر ہوئے۔ ستمبر ۱۹۰۰ء میں انتقال فرمایا۔ تا دمِ رحلت وزارت کے عہدے پر فائز رہے پچاس برس سے کچھ کم عمر پائی۔

جو دوست تھے دلی وہ سب اغیار بن گئے — بہکانے والے آپ کے سب یار بن گئے
روئے جو ہم تصورِ دندانِ یار میں — آنسو کے قطرے موتیوں کے ہار بن گئے
بیٹھے بٹھائے رنج اُٹھائے ستم سہے — دل دیکے تم کو مفت گنہگار بن گئے
چتون وہاں پھری کہ یہاں دل ہوا دو نیم — ابرو وہ میرے واسطے تلوار بن گئے
مجھ سے کس روز ہوئی آپکی چتون سیدھی — کس دن انداز ادھر کج نظری کے نہ رہے
یا کلیم ایک ہی جلوہ نے یہ ہیبت چھائی — دل میں پھر حوصلے باقی ارنی کے نہ رہے
آبِ خنجر نے ترے پیاس بجھائی دمِ نزع — شاکی اُو ترک ہم اب تشنہ لبی کے نہ رہے

راز۔ جناب نواب مرزا عباس علیخان بہادر راز عرف نواب سلطان صاحب خلف نواب مصطفیٰ خان عرف نواب شمشاد الدولہ بہادر رئیس لکھنؤ شاگرد حضرت جلال لکھنوی کلام ایسا کہاں خاص بات قابلِ ذکر نہیں موزوں طبع بیشک ہیں سو برس ہوئے انتقال کیا۔ راز

تجھے بھی کچھ خبر او بے خبر ہے	اثر کیا کیا تیرے چرچے ہیں جہاں میں
خدایا خیر ہو دل آج میرا	لیئے جاتا ہے پھر کوئے بتاں میں
نظر ملتے ہی پہلو میں نہ تھا دل	غضب کا سحر ہے چشمِ بتاں میں
وفا کے نقش بھی دل سے مٹائے دیتے ہیں	جب مجھے وہ یاد اپنی بھلائے دیتے ہیں
میں باز آیا نصیحت سے آپ کی ناصح	مرا تو آپ کلیجہ پکائے دیتے ہیں
خیال انکا کروں یا گناہ کو دیکھوں	لبوں سے وہ مرے ساغر لگائے دیتے ہیں
جسکو تلووں سے تو نے مل ڈالا	تھی اُسی دل میں آرزو تیری
یوں کیا ایک بے گناہ کو قتل	مچ گئی دھوم چار سُو تیری

راز۔ سید فیاض احمد راز سب انسپکٹر پولیس کچہری، منشی طفیل احمد کے بیٹے اور ریاض خیرآبادی کے حقیقی بھائی خیرآباد کے قدیم باشندے اور منشی امیر مینائی کے تلامذہ میں ہیں سنہ ۱۸۶۰ء سالِ ولادت ہے، آدمی ذہین اور خوش فکر ہیں۔ یہ کلام کا انتخاب ہے۔ راز

تم جو اُٹھے جگر میں ٹیس اُٹھی	درد بھی اُٹھ کھڑا ہوا دل کا
دلِ عاشق میں ناز سے آؤ	لطف خلوت میں آئے محفل کا
سخت جانی یہ تھی کہ مان گئی	تیغ لوہا تمہارے بسمل کا
کوچۂ دشمن میں دِل اے دلربا جاتا رہا	ہاتھ سے میرے تمہارا آشنا جاتا رہا
خونِ دشمن کی ملی مہندی نہ تو نے ہاتھ میں	بعد میرے کیا تجھے شوقِ حنا جاتا رہا
طور پہ بیہوش ہوئے موسیٰ تو کیا اے برقِ طور	دیکھنے والوں کا اُسکے حوصلہ جاتا رہا
ہے آج شب وصلِ عدو اِس کی سحر ہو	راضی ہوں نہ ہو میری شبِ غم کی سحر آج

یہ کس کے کوچے سے پامال ہو کے اُٹھی ہے — کہ چھا رہی ہے مری خاک آسماں ہو کر

اٹھائے ہوئے چلتے ہیں دل لفِ سا ایں
ہم لوگ لگاتے ہیں گرہ موجِ ہوا میں
پیچھے تو بہت زور سے کھینچے ہیں موذن
پر اُس سے نکلتا رہا ناقوس صدا میں
آنا چلنے کو جوبن نے اُنھیں اور اُبھارا
آئی جو جوانی تو بھرے اور رہوا میں
کس پیار سے کس شوق سے سو بار بلایا
اے رازؔ نہ آیا اثر آغوشِ دعا میں

سب ند بنا فلکِ پیر مرے دشمن کو — تھوڑی تھوڑی رہے ہر رنج میں شرکت میری

تیغِ نظر سے پھولوں کے ٹکڑے اُڑا دیئے
لٹوا گئے چمن میں مجھے عندلیب سے
اظہارِ دردِ دل پہ کہا مسکرا کے یہ
کہدینگے جا کے حال تمارا طبیب سے
جلوہ کسیکی برقِ تجلی کا اے کلیم
دیکھا ہے تمنے دور سے میں نے قریب سے
حضرتِ دل مچلے ہیں جنکے لیئے
کچھ کریں وہ بھی علاج انکے لیئے
شیخ جی! تقوی جوانی میں ہو کیا
ہے تقدس آپکے سِن کے لیئے
مرغوب کسی بُت کو ہے فریاد کسیکی
محبوب کسی دل کو ہے بیداد کسیکی
تو بھی کوئی معشوق ہے شوخی و ادا میں
تجھ میں بھی ہے خوبوئے دلِ ناشاد کسیکی

رازؔ — منشی امتیاز احمد خاں صاحب عرف پیارے خاں رامپوری، ریاستِ رامپور وطن ہی اور وہیں رہتے ہیں۔ آپکا عرف بہت مشہور رہے، آپ پہلے میاں احمد علی صاحب رساؔ سے تلمذ رکھتے تھے، پھر منشی امیر احمد صاحب امیرؔ مینائی لکھنوی کے زمرۂ تلامذہ میں داخل ہو گئے۔ آپ مدتوں منشی صاحب مرحوم کے رفیق و ہم صحبت رہے اور مشاعروں میں ساتھ شریک ہوئے ہیں آپنے جبقدر اپنے اُستاد سے فیض حاصل کیا ہے چند خاص تلامذہ کے علاوہ اور کسی کو حاصل نہیں ہوا، آپکے کلام کا رنگ امیر مینائی کے کلام سے بہت ملتا ہے اور چستی بندش اور شوکتِ الفاظ بہت ہی ہمیشہ مضمون لکھتے ہیں اور بہت اچھا لکھتے ہیں۔ آجکل ٹھیکہ داری و بیلت کا شغل ہے۔ کسی خاص وجہ سے آپنے پانچ چھ سال سے شاعری کی طرف توجہ کم کر دی

ہے کبھی شاذ و نادر شعر کہہ لیتے ہیں، ہاں اپنے تلامذہ کو برابر اصلاح دیتے ہیں۔ آپ مشاعرہ میں کبھی شریک نہیں ہوتے اور اپنے کلام کی شہرت سے بہت بچتے ہیں، آپ نے کلام کے جمع کرنے کی طرف کبھی توجہ نہیں کی، جس دوست یا شاگرد کے ہاتھ لگا وہ لے گیا، بڑی کوشش سے جس قدر ہاتھ لگا اُس کا انتخاب درج ذیل کیا جاتا ہے۔

ہوا ازل میں جو تقسیم حسنِ اعضا کو
تری کمر کے بھی حصہ میں بال بھر آیا

خیال میں بھی جو آتی ہے شکل عاشق کی
جھجک کے کہتے ہیں تو کون ہے کدھر آیا

خبر تو لکی جو لایا ہزاروں سجدے کیے
صنم کدے سے خدا کے نامہ بر آیا

نکل سکے شانہ کی گلیوں سے جب چلا گیسو
اُلٹ کے شانے پہ دل میں مرے اُتر آیا

یہ کون حشر میں فریاد کرنے آتا ہے
پکارتی ہے خموشی ارے کدھر آیا

قصورِ عشق دمِ قتل بخشوانا ہے
لٹک کے سر مرا قاتل کے پاؤں پہ آیا

ہوائے شوق میں دونوں تھے تیز رو لیکن
تمھارے کوچے میں پہلے قدم سے سر آیا

اُٹھے جو بزم سے در پر لگا لیا بستر
کہ راز دل سے نکل کر زبان پر آیا

ضیائے رُخ نے چڑھائی ہے نور کی چادر
مرادیں مانگنے یہ کون قبر پر آیا

ہوئی جو راہِ خودی طے تو یار تک پہنچے
بڑھے جو آپ سے آگے تو اِن کا گھر آیا

باہیں گلے میں ڈال کے منہ چوم ہی لیا
فرمائیے وہ آپ کا اِنکار کیا ہوا

رلا کر مجھ کو وہ بے درد بولا
ہنسی کی بات کا شکوہ نہ کرنا

وہ منت سے ترا محشر میں کہنا
ترے صدقے مجھے رسوا نہ کرنا

محبت راز کی تم دل میں رکھنا
کبھی اِس راز کو افشا نہ کرنا

اے عشق قبر حسرتِ مردہ کی یوں بنا
چھوٹا سا آبلہ ہو دلِ بیقرار کا

اُٹھے جو گر کے نظر ضبط آہ کر لینا
کلیجہ تھام کے نیچی نگاہ کر لینا

جیسے ہیں ہم تو پھر اچھا ہے کہاں جائیں
بُرے ہیں بھی ہے مناسب نباہ کر لینا

پہ عجب رسم ہے زاہد نچھوڑنا اسکو
عصا بھی چاہئے بیمار کے سہارے کو
وہ دل ہیں کٹتے ہیں اے چشم خاک آلودہ
کسی کا آنکھ چرانا وہ چھپ کے غیروں سے

ارے بہشت میں بھی گناہ کر لینا
اُٹھے جو آنکھ تو نیچی نگاہ کر لینا
بہاکے اشک طرب صاف راہ کر لینا
وہ مجھکو دیکھ سکے نیچی نگاہ کر لینا

سلام

عباس کو دریا کی لڑائی تھی تماشہ
بلبل کیطرح مست تھا قاتل بھی مہک سے
ڈوبے جو لہو میں شہ دیں شمر پکارا
حضرت کا گلا موج تھا دریائے کرم کی
اے راز ہے یوں مصرع روشن مصرع

پانی میں نظر آتے تھے تیغ تر خنجر
حضرت کا گلا تھا کہ گل تر تہ خنجر
مریخ بنا مہر منور تہ خنجر
فوارۂ رحمت ہوا آکر تہ خنجر
جس طرح چمکتا ہوا غنچہ تہ خنجر

لپٹے تھے ایک روز کسی کی کمر سے ہم
دب دب گئے ہیں ضعف میں بازنگاہ سے
آکر شب وصال اجل کیا بنائیگی
حسرت نہ تھے رقیب کے دل کی گرہ نہ تھے
گیسو نہ تھا جو سر پہ چڑھا یا رقیب کو
وہ وہ ستائی ہیں کہ بہت ہی کرے گا یاد

ابتک چھپے ہوئے ہیں خود اپنی نظر سے ہم
کٹ کٹ گئے ہیں جنبش تیغ نظر سے ہم
چھپ جائینگے لپٹ کے تمھاری کمر سے ہم
حیراں ہیں کیوں نکالے گئے انکے گھر سے ہم
آنسو نہ تھے جو گر پڑے انکی نظر سے ہم
اے راز آج خوب ہی دشمن پہ برسے ہم

ستم ہیں بھی تو پہلو انکی زینت کے نکلتے ہیں
سہارے سے کسی کے ناتواں رستے میں چلتے ہیں
شگاف سینہ، سوراخ جگر، چاک دل عاشق
تمھاری مانگ کے عاشق ہیں شیخ و برہمن دونوں
یہ کس بدمست کی پیشوائی کون آتا ہے
کھٹک آج آنسوؤں کی دے رہی ہے یہ خبر مجھکو

ہمارے خوں شدہ دلکو حسین تلووں سے ملتے ہیں
عصا تھامے مژہ کا آنکھ سے آنسو نکلتے ہیں
محبت کی گلی سے سیکڑوں رستے نکلتے ہیں
یہ وہ رستہ ہے جس میں دوست دشمن ملکے چلتے ہیں
کہ اُٹھا ابر نکلی شیشے سے جام چلتے ہیں
چھپے تھے دلمیں جو کانٹے وہ آنکھوں سے نکلتے ہیں

...مصیبت کبھی چوٹی کی
...بھی مجکو وصل کی شب جب ذرا اچھیڑا
...حسرت نہیں نکلی کوئی ارماں نہیں نکلا
...الفت کے صدقے ہوں میں نفس تک تو زباں تک

وہ کیا پچھتا رہے ہیں ہندی چھڑا کر ہاتھ
ابھی ٹوٹ جائیں ہاتھ ظالم کیسے چلتے ہیں
محبت میں حسینوں کی فقط آنسو نکلتے ہیں
جگر بہزاد کی دل میں مگر حسرت سے جلتے ہیں

انکار وصل جان ہی لیکر رہیگا آج
آئینے میں تکے آپ ہی میں ہم نہیں رہے
اب کیا کروگے آکے وہ جھگڑا ہی مٹ گیا
ہے اپنے بعد بھی وہی رنگ انکی بزم کا
عکس رخ نگار ہے جام شراب میں
جب کہا "جان ہو قربان" تو جلکر بولے
یہ جو منہ پھیرے دم نزع الگ بیٹھے ہیں
صدقے ساقی چشم مے آشام کے
راز کو سب دل میں دیتے ہیں جگہ
چاہنے والے کی ہر ایک تمنا ہے بھلی
لاکھ جانیں مری قرباں ہوں اس روٹھنے پر
وہ عجب در ہے کہ مانگے نہیں عزت جاتی
بٹھایا ہے کس کسکو پہلو میں آنکے
برا ہو ترا گردش آسمانی
دم واپسیں منتظر ہوں کسیکا

ابکے "نہیں" زباں پہ آئی کہ ہم نہیں
جب وہ نہ تھے تو ہم تھے جو وہ ہیں تو ہم نہیں
جو کہیں ڈھونڈتی تھیں یقیں انہیں دم نہیں
جلسے وہی ہیں لوگ وہی ایک ہم نہیں
یا آفتاب ہے قدح آفتاب میں۔
جاں تو ہم ہیں تمہاری ہمیں قربان کرو
اُنسے کہدے کوئی مشکل مری آسان کرو
ایک دو گھونٹ اس چھلکتے جام کے
آپ کیوں دشمن ہیں میرے نام کے
آپ پورا جسے کردیں وہ سوال اچھا ہے
آپ آنسو نہ بہائیں مرا حال اچھا ہے
اپنے اعدے سے ہر ایک سوال اچھا ہے
اٹھاتا ہے حشر آسمان کیسے کیسے
کہ وہ پھر گئے ہچکیاں کتے آتے
نہیں اس لئے ہچکیاں آتے آتے

قتل کرکے میرے قاتل کو پشیمانی ہوئی
قتل مے نے رنگ روغن شیخ کا چمکا دیا

نیچی نظریں کہہ رہی ہیں سخت نادانی ہوئی
لوگ سمجھے ذکر حق سے شکل نورانی ہوئی

اُن کو آنکھوں میں جو رکھا ہے تو نظریں لوٹ ہیں
ایسے لپٹائے ہوئیں سے ہی نگہبانی ہوئی

بے سبب اُس در پہ اپنی جبہہ فرسائی نہ تھی
مٹ گیا قسمت کا لکھا صاف پیشانی ہوئی

دشت سے جاتا ہوں گھر کو کچھ تو تحفہ چاہیئے
خاک تھوڑی سی گرہ میں باندھ لی چھانی ہوئی

ہوش میں آیا دلِ بے خود تو وحشت بڑھ گئی
ڈوب کر کشتی مری اُچھلی تو طوفانی ہوئی

دل جگر دونوں کو غم اُس دوست کا چٹ کر گیا
خانہ ویرانی ہوئی اچھی یہ مہمانی ہوئی

رو رہا ہوں دوستوں کی سرد مہری دیکھکر
جسقدر گاڑھی چھنی تھی اُتنی ہی پانی ہوئی

اللہ اللہ آپ کی زلفِ پریشاں کا اثر
میں نے گر سر کی قسم کھائی پریشانی ہوئی

کھنچ گئے دل سب کے کچھ ایسی کھنچی تصویر یار
صدقے خاموشی ہوئی قربان حیرانی ہوئی

راز نے کیا کہدیا چپکے سے اُنکے کان میں
اُٹھ گئے شرماکے کچھ ایسی پشیمانی ہوئی

جمی جب دن سے آکر خانہ دل میں نہیں نکلی
کسی پردہ نشیں کی یاد بھی پردہ نشیں نکلی

راز **راز**۔ منشی محمد حسین خاں راز جلال آبادی شاگرد حضرت احسان شاہجہاں پوری باوجود تلاش حال نہ ملا۔ یہ غزلوں کا خلاصہ ہے۔

ہمیں وہ خانۂ صیاد میں ملا آرام
خیال دل میں نہ آیا کبھی رہائی کا

تمنا اُن کی بر آئے الٰہی
بلا سے جان جائے عاشقی میں

فصلِ بہار میں تو اسیروں کو چھوڑ دے
صیاد تیرے دل میں ترحم ذرا نہیں

کرو تم گرفتار زنجیرِ گیسو
کہ ہم وحشیوں کی سلاسل یہی ہیں

دیوانہ ہوا جاتا ہے مجنوں کی طرح دل
بیچینی کسی صاحبِ محمل کے لیئے ہے

راز **راز**۔ جناب شیخ عنایت اللہ صاحب سکندرآبادی تلمیذ حضرت خورشید سکندرآبادی۔ رسالہ "ید بیضا" میں چند غزلیں نظر سے گذریں اُن کا انتخاب ضبط تحریر میں آیا۔

اذیت پاک باطن کو نہیں ہوتی ہے دشمن سے
کہ دامانِ نگہ کسدن ہے اُلجھا خارِ مژگاں سے

غضب ہے راز اتنی بات پر تم جان دیتے ہو
کہ بہرِ فاتحہ وہ آئیں گے گورِ غریباں میں

بہت سمجھا گئے ہو خفا تم سا نہیں دیکھا
حسینوں میں حسیں کوئی جہانوں میں جہاں کوئی

پی کے ہو اگر تم کو پاس بہت بد خوئے الفت ہے
بھلا بس وہ کہاں تا ہے کسی کی گالیاں کوئی

راز

راز۔ حکیم محمد باقر صاحب لکھنوی شاگرد جناب رشید لکھنوی۔ بارہا احباب لکھنو سے ان کے حالات دریافت کئے اور خود انکو بھی رشید صاحب کی معرفت خط بھیجے مگر کوئی جواب نہ ملا۔ لاچار صرف کلام منتخب پر اکتفا کیا جاتا ہے، ذکی، طباع اور خوش کلام سخنور معلوم ہوتے ہیں اور استاد کے فیضانِ صحبت کا اثر بھی کلام سے پیدا ہے۔

ستم ثانی ہے یہ کہ آپ پہ دل مبتلا ہوا
اب کیا بتائیں آپ سے ہم اور کیا ہوا

دل پھر جو ہاتھ اپنے رکھا تو کیا ہوا
پہلے سے اور دردِ محبت سوا ہوا

اٹھ اٹھ کے خفتگانِ زمیں دیکھنے لگے
کس کے خرامِ ناز سے محشر بپا ہوا

یارب یہ کیسی آگ تھی دل میں کہ روزِ حشر
نکلا مزار سے مرا لاشہ جلا ہوا

ہو دل کا حال چہرے کی زردی سے آشکار
[1] راز دردِ عشق چھپایا تو کیا ہوا

جو چپ ہو گی زبانِ تیغ محشر میں تو کیا ہو گا
پکاریگا شفق بن کر لہو قاتل کے داماں کا

تغافل کی کوئی حد ہے لحد پر فاتحہ پڑھنے
وہ کب آئے نشاں جب مٹ گیا گورِ غریباں کا

الٰہی خیر ہو کیوں خود بخود دل منہ کو آتا ہے
بندھا ہے ہچکیوں کا تار گھبراتا ہے دم میرا

کہوں اے شمع کس سے قصۂ سوزِ دروں اپنا
نہیں جز بیکسی کوئی انیسِ شامِ غم میرا

یہ بہار خار بنکر تری آنکھ میں کھٹکتی
جو ہماری طرح نرگس تجھے انتظار ہوتا

کشتگانِ نرگسِ مخمور کو ہنگامِ حشر
فرشِ خوابِ مرگ سے اٹھنا گراں ہو جائیگا

وقتِ پیمانِ وفا اتنا بھی تم اسنے کہدیا
دل سلامت ہے تو اک دن امتحاں ہو جائیگا

تیرِ جاناں جبکہ کھٹکا دلمیں مجھسے بولی تڑپ
اب علاجِ شدتِ دردِ نہاں ہو جائیگا

کہیں سودائیانِ عشق بھی پابند ہوتے ہیں
بچھائے لاکھ کوئی سلسلہ زلفِ پریشاں کا

ابھی کیوں مرے دلمیں خلش رہ رہ کے ہوتی ہے
ملا ہے خارِ حسرت میں مزہ کیا تیرِ جاناں کا

[1] امیر مینائی کے مشہور مطلع سے مضمون لڑ گیا ہے۔

چمن میں اے جنوں بیساختہ گل کو ہنسی آئی
کوئی ٹانکا جو ٹوٹا جیبِ چاکِ گریباں کا

پسِ مردن چڑھائے بیکسی نے پھول حسرت کے
بندھا تربت پہ سہرا تارِ اشکِ شمعِ گریاں کا

دل و جاں کوچۂ کاکل میں ہم اے راز کھو بیٹھے
لٹا تاریک شب میں قافلہ امید و ارماں کا

خیر ہے یہ آپ کیوں گھبرا گئے ہنگامِ حشر
ہاتھ میں مجنوں کے لیلیٰ کا گریباں دیکھ کر

کیا کریں کیونکر بچیں مینا و مے سے ناصحو
ٹوٹ ہی جاتی ہے توبہ بزمِ رنداں دیکھ کر

کیسے وہ دن تھے یہ اپنی زندگی کی کائنات
صبحِ محشر ہمنے دیکھی شامِ ہجراں دیکھ کر

شہر سے گھبرا کے نکلا تھا کہ آفت آ گئی
پاؤں پھیلانے لگی وحشت بیاباں دیکھ کر

بات کیا ہے کوئی پوچھے تو مسیحا سے ذرا
روئے دیتے ہیں رخِ بیمارِ ہجراں دیکھ کر

غضب ہی جان لے لیتے ہیں یہ بت دلربا ہو کر
الٰہی دی یہ قدرت تو نے بندوں کو خدا ہو کر

یہ کیا آخر ہوا ناکام کیوں شرما کے جاتے ہو
ہٹے وعدے سے تم تو آئے تھے تیغ آزما ہو کر

تھی امید لیکن بعدِ مردن روحِ عاشق کو
کیا مسرور یا رے رونقِ بزمِ عزا ہو کر

بس اس امید پر عاشق تمھارے مر مٹے آخر
کہ شاید ہو کبھی اپنی رسائی خاکِ پا ہو کر

وہ بت اور اے دل پسیجے کسی سے
یہ ہم ہیں کہ پتھر کو پگھلا رہے ہیں

عدم کے جانیوالو اک ذرا دم بھر ٹھہر جاؤ
کہ ہم بھی ساتھ چلنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں

بہت کچھ دلمیں لیکر آئے تھے لیکن یہاں کیونکر
کوئی اپنا نہیں محفل میں سب اغیار بیٹھے ہیں

پوچھا جو مَیں نے دلکا پتہ کچھ بتائیے
بولے مجھے خبر نہیں ہوگا یہیں کہیں

اے نیند ایک چشم زدن کو تو آ کبھی
شاید کہ آئے خواب میں وہ نازنیں کہیں

دل سے چلے ہیں اشک بجھانے کے واسطے
سوزِ جگر سے آگ لگی بالیقیں کہیں

چلا جب خاک اڑا کے تیرا سودائی بیاباں کو
پکاری روحِ مجنوں چاک کر وحشی گریباں کو

پسِ مردن وہ کب آئے لحد پر فاتحہ پڑھنے
فلک جب بے نشاں بھی کر چکا گورِ غریباں کو

نہ جنت سے غرض اے راز مطلب ہے نہ دوزخ سے
یہ کس کافر کے پیچھے چھوڑ بیٹھے دین و ایماں کو

... کو، آئیے جناز سے پر وہ دل ملا ہوں چھری پسیرے جگر میں	نیاز مندی کی کوئی تو آرزو سے نکلے کئیں رگیں تو موج خون کے دھواں نکلے
... اگرچہ کوئی آتا ہے کس سے پوچھے کوئی حقیقتِ عشق چل صبا اب ترا مریض فراق	خون ہنس ہنس کے وہ رلاتا ہے دیکھئے جس کو اپنی گاتا ہے اور دم بھر دم آتا جاتا ہے
نشئے سے نہ تھے ہوش بجا بھول گئے میرا افسانہ انھیں اور تو سب یاد رہا میری قسمت امیری تقدیر امقدر میرا!	رات کی بات بھی کچھ یاد ہے یا بھول گئے حرف مطلب پہ جب آئے تو کہا بھول گئے دل کے دیتے ہی وہ سب عہد وفا بھول گئے

یہ جنون کی عالت ہے کھینچ تیغ وہ یہ کہتے ہیں	حضرت عشق کی ہر وقت ہے کون آمادۂ شہادت ہے	دیکھے کاوش آگو چرے ہیں اک ذرا سا سوال ہے جتنے	شور ہنگامۂ قیامت ہے اور دیکھو عرض نہ حاجت ہے

راز۔ جناب علی احمد صاحب راز سکندرہ حال باوجود کوشش نما طبیعت کا رنگ کلام سے ظاہر ہے

آنکھیں تو گئیں ہائے مگر دیدۂ دل ہیں آندھی کی ہوا ابرق کا دم دیکھ چکے ہیں وہ چور ہے نخوت میں کسے چھیڑ رہے ہو اے راز ضعیفی ہے مگر جی کو نہ ہارو	باقی ہے وہی حسرت دیدار کسیکی آگے نہ بڑھی عمر سے رفتار کسیکی مانے گا نہ مست مے پندار کسیکی دیکھو آئیں چلو گرمی بازار کسیکی

راسخ۔ سخن سنج باکمال شیخ غلام علی صاحب راسخ عظیم آبادی، شاگرد رشید ملک الشعرا میر تقی میر دہلوی، نامور شعرائے سلف میں سے گذرے ہیں، صاحب دیوان تھے اور اپنے وقت کے استادوں میں شمار کیے جاتے تھے، بزرگوں کا وطن شاہجہاں آباد تھا لیکن انکی ولادت پٹنہ عظیم آباد میں ہوئی، ابتدائے مشق میں میر و سودا کے ہمعصر شاہ گھسیٹا عشق کے شاگرد میرزا محمد علی فدوی اور میرزا اشرف کو غزلیں دکھائیں لیکن عہدائے سخن میر تقی میر سے شرف تلمذ حاصل کرنے کے بعد اس امر کا اعلان پسند نہ کیا اور تا دم تحریر

میر صاحب مغفور کی عقیدتمندی کا دم بھرتے رہے جسکا نیاز مندانہ اعتراف انکی غزلیات کے تتمہ و مقطعوں سے ہوتا ہے، میر صاحب موصوف کی خدمت میں پہلی مرتبہ شرف باریابی حاصل کرنیکا حال بیان کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ مشہور ہے کہ جب شیخ صاحب دلّی میں وارد ہوئے اور میر صاحب کے اشتیاق ملاقات میں انکے درِ دولت تک پہنچے تو باریابی کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ کیونکہ میر صاحب جس طرح سخنوری میں بیعدیل تھے اِسی طرح نازک دماغی اور کم ضرامی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے پھر شیخ صاحب جیسے گمنام مسافر کی رسائی انکے حضور تک کیونکر ممکن تھی، آخر جب کوئی صورت نظر نہ آئی تو شیخ صاحب نے یہ شعر بہ تقریب حصولِ ملاقات ایک ماما کے ہاتھ لکھکر ارسالِ خدمت کیا۔

	آنکھ والا رتبہ سمجھے مجھ غبارِ راہ کا		خاک ہوں پر توتیا ہوں چشم مہر و ماہ کا

میر صاحب ہزار مغرور اور مستغنی المزاج آدمی تھے مگر کمال اور اہلِ کمال کے قدر دان تھے۔ بیتابانہ باہر نکل آئے، ڈیوڑھی میں بوریہ کا فرش بچھایا گیا اور دونوں باکمال ایک جا بیٹھے۔ راسخ مرحوم نے اپنا دیوان بنظر اصلاح پیش کیا۔ میر صاحب نے جابجا سے دیکھکر فرمایا "صاحب تم سمجھے بوجھے آدمی ہو تمہیں اصلاح کی کیا ضرورت" شیخ صاحب نے اصرار کیا کہ کچھ تو دستِ مبارک سے بناکر عزت افزائی فرمایئے۔ صاحب "نوائے وطن" لکھتے ہیں کہ میر صاحب نے دستِ خاص سے اِس شعر کو "مرتے دم اُن کا ذکر جب آیا زبان پر۔ نیند آگئی ہیں تب اِسی داستان پر" یوں اصلاح فرمائی۔

	نیند آگئی ہیں تو اسی داستان پر		تا خوابِ مرگ ذکر تھا اُن کا زبان پر

اور اپنا دیوان عنایت کرکے کہا کہ "یہی تمہاری اصلاح کیا کرے گا"

حضرت راسخ سنہ ۱۱۶۲ھ میں پٹنہ میں پیدا ہوئے۔ ایک یہ بھی روایت ہے کہ موضع "سائیں" جو پٹنہ سے دس کوس کے فاصلہ پر ہے آپکا مولد ہے۔ سنہ ۱۲۲۱ھ تک مختلف مقامات مثلاً کلکتہ غازیپور، لکھنؤ اور دہلی کی سیاحت میں مصروف رہے، آخرکار سنہ ۱۲۲۲ھ میں اپنے وطنِ مالوف

کی خوب صحبت کی، اُس زمانہ میں پٹنہ مرجع ارباب کمال تھا اور شاعری کا تمام امیرزادوں اور رئیسوں کی محفلوں میں رات دن چرچا تھا۔ ایسی پُرلطف صحبت پاکر یہیں کے ہو گئے، اور عمر کا بقیہ حصہ یہیں گذرا۔ آپ میانہ قد، گندمی رنگ، آزاد طبیعت انسان تھے عظیم آباد پٹنہ کے اکثر مشاعروں میں شریک ہوکر داد سخن دیتے رہے، بزم سخن میں دوزانو بیٹھے رہتے تھے اور جب شعرا غزلیں پڑھتے تھے تو آنکھیں بند کئے جھوما کرتے تھے، اپنی غزل پڑھتے وقت آنکھوں سے آنسوؤں کا تار بندھ جاتا تھا اور اکثر ایسا ہوتا تھا کہ دو چار ہی شعر پڑھکر رک جاتے تھے، بیشتر کلام تصوف کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے جس سے آپکے صوفی المشرب ہونے کا پتہ چلتا ہے، بعہد پیرانہ سالی ۷۶ برس کی عمر پاکر ۲۲ جمادی الآخر ۱۲۳۸ھ میں واصل بحق ہوئے اور محلہ لودی کٹرہ عظیم آباد میں دفن ہوئے ۱۳۱۱ھ میں انکا کلیات خیر المطابع عظیم آباد سے چھپکر شائع ہوا ہے۔ ۶-۷ مثنویاں بھی ان سے یادگار ہیں، جملہ اصناف سخن میں دسترس تھی۔ مثنویوں کی وہی زبان ہے جو میر کی ہے، فصاحت و شیریں زبانی، مضمون کی پاکیزگی و سلاست بیان انکی شاعری کا خاص جوہر ہیں، اور زبان اور مضمون کی متانت دوش بدوش ہے۔ حضرت راسخ بڑے آزاد مزاج تھے مرتے دم تک کرایہ کے مکان میں رہے، موسیقی سے کچھ لگاؤ تھا۔ چنانچہ سنا ہے کہ جبتک سُروں سے دل گداز نہ ہوجاتا شعرگوئی کی طرف متوجہ نہ ہوتے تھے، یہ بھی سنا ہے کہ جب مہین کُرتہ پہنے ہوتے تو اُنکے قلب کی تڑپ لوگوں کو محسوس ہوتی۔ مشاعرہ میں غزلخوانی کے وقت شاعر کی تعریف کرنا خلاف آداب مشاعرہ سمجھتے تھے، البتہ بعد اختتام صحبت کلمات تحسین و آفرین ادا کرنے میں دریغ نہ فرماتے اولیاء اللہ کے مزاروں سے بھی بڑی عقیدت تھی اور اکثر گھنٹوں ایسے مقامات پر اپنا کلام پڑھا کرتے تھے، کلام کا انتخاب ہدیۂ ناظرین ہے۔

رُخِ زیبا دیا گُل کو، دلِ بے صبر بلبل کو
اسے خنداں کیا پیدا اُسے نالاں کیا پیدا

نہالِ حسن کو کس کس روش بخشی ہے زیبایش
چمن میں عشقبازی کے گلِ حرماں کیا پیدا

مُدعا عالم سے اپنا ہی حظِ دیدار تھا
دید کو اپنی یہ آئینہ اُسے درکار تھا

دل سے گئے کیوں شرباتو اوطلبگار وصال
کفر بھی اک شان جلوہ کی اسی دلبر کی ہے
کب دیت خواہ اپنا آسخر اپنے قاتل سے ہوا
شوق کی باتوں کا کس نامہ میں اظہار نہ تھا
دکھ سہے ترک جو نظارہ دلدار کیا
برسوں رہا ہے صدمہ کش رشک آہ دل

پھر ادھر ہی جاوے ہی گھر جلوہ گھاویا تھا
شیخ کیوں تو برہمن سے برسر انکار تھا
وہ نو دوست دیتغ قاتل ہی کا پابند تھا
ہمنے کب خط انھیں لکھا کہ وہ طومار تھا
آہ پرہیز نے دونا ہمیں بیمار کیا
یہ نسخہ ہے کچھ آب زدہ کچھ جلا ہوا

[illegible]

ہوا دیوانہ ہر فرزانہ تیرا
دل قیمتی ہوا جو شکست آشنا ہوا
مت پوچھئے مجھ سے حال میرا
جان جسم پہ اب گراں ہوا ہے غم
آتا ہے نظر کچھ اور رنگ آہ
غافل تو بھی تو رفتنی ہے

بہت فرزانہ ہے دیوانہ تیرا
یہ شیشہ ٹوٹنے سے جواہر بہا ہوا
حیرت زدہ کیا بیاں کریگا
کتنا مجھے ناتواں کرے گا
کیا دیدۂ خونفشاں کرے گا
کبتک غم رفتگاں کرے گا

[illegible]

ہے بندگی آزادی میں ایجاد ہمارا
کرتے ہیں ادب مردم آزاد ہمارا

دلکی قیمت شکستگی سے بڑھی
قلب تھا کامل العیار ہوا

معمور طرب رکھے دل دوست نے دشمن کے
عقل والوں کے نہ آیا پیچ میں رنج کبھو
پیشتر تم تھے جہاں اب سبب تسکین ہے
اپنے دیوانوں کا سرخیل بنایا مجکو

آنکھوں کو محبتوں کی آنسو سے بھر ارکھا
یہ بھی اسکی ذی شعوری تھی کہ سودائی رہا
اس مکاں کے درودیوار کو دیکھا کرنا
ہوا پر انھیں منظور تماشا کرنا

متصل دل کو اضطراب رہا
بے حجابی کے بعد بھی مجھ سے
وے تھے خواہاں مری خرابی کے

جان پر تجھ بن اک عذاب رہا
اسکو اک طور کا حجاب رہا
میں اسی واسطے خراب رہا

پیتے ہیں ہم شراب غیر کے ساتھ
راسخ اپنا جگر کباب رہا

راسخ کو ہے میر سے تلمذ
یہ فیض ہے اُنکی تربیت کا

دشمنی در پردہ کی اے دوست تمنے کیا کیا
آپ تو پردے میں بیٹھا اور ہمیں رسوا کیا

کب میرا خریدار ہو موجد وہ جفا کا
بندہ تو ہوں ہی عیب ہے مجھ میں وفا کا

سونپا ہوا داغ اُنکا تازہ ہی سدا رکھا
ہمنے اِس امانت کو چھاتی سے لگا رکھا

میں حضرت راسخ سے اگر تو یہ پوچھیگے اُنکی جناب میں ہم
کہو قبلہ و کعبہ وہ کیسا تھا کہ تمہیں کا شناسا جسکی نے ہوا کیا

قطعہ

علائق سے آزادگی تھی میسر
جنوں جن دنوں اپنا زنجیر پا تھا

نہ تھی فکر پوشش کی دیوانگی میں
اِس اندیشہ کو میں نے تہ کر رکھا تھا

نہ بالیں کی خواہش نہ بستر کی حسرت
نہ پروا کلہ کی نہ فکرِ قبا تھا

فقط گرد کی تہ تھی پیراہن تن
نہ کچھ پاس اپنے کچھ اسکے سوا تھا

کیا ہائے کیا تو نے اے ہوشیاری
لباس اپنے تن پر وہی خوشنما تھا

حیلے کے پردے میں مارا ہے ایک عالم کو
شہید میں تو ہوا اُن خنجر مژگیں نگاہوں کا

گذرے جو وہ خیال میں تو نازکی سے ہائے
بے رنگ ہو کہ پھول ہو جیسے ملا ہوا

ہو ضبطِ آب ٹوٹے ہوئے ظرف میں کہاں
دِل چاک ہو گیا ہے جو آنسو رواں ہے اب

راسخ اِس عہد میں متاعِ وفا
کیمیا کی طرح سے ہے نایاب

صورت ہمارے حال کی بگڑی سی دیکھ کر
قاصد نے اُنکے آنیکی دل سے بنائی بات

زندہ ہے نامِ میر راسخ سے
کوئی ہے شاعروں میں ایسا آج

کہاں کا دام فقط ہے تری نظر صیاد
جو چاہے صید ہوں ہم دیکھ ٹک ادھر صیاد

جفا یار کی گر ہو مخصوص تیری
تو ہرگز نہ شاکی ہو شکرِ جفا کر

فلک تجھ سے خواہانِ شاہی نہیں ہم
ہمیں کوچۂ یار کا تو گدا کر

شہر آشوب

کب خذف ریزہ بقدر کو کہتے تھے لعل
پوتھ کو پوتھ سمجھتے تھے گہر کو گوہر

دیکھتے سر پہ کمینے کے اگر زر کا تاج
خاک آلودہ نظر اہلِ ہنر گر آتا
کیا زمانہ تھا کہ تھی اہلِ لیاقت کی قدر
وضعداروں سے کمینے وضع دبے رہتے تھے
وہ نسق ہی نہیں بالعکس ہے اس کا ابتو
ننگ ہیں وے جو حقیقت میں صفِ پائیں کے
قابلِ صدر نشینی ہیں مجالس میں جو لوگ
چغد اور بوم نے پایا ہے ہما کا رتبہ
اِس زمانے سے بھی کیا مرتبہ داں ہیچ ہیں
قلتبان کے تئیں دیں بخشش کہ تا نامی ہوں
کوئی محتاج جو سائل ہو تو ہوں چیں بجبیں
بوعلی سامنے گر آکے سلام انکو کرے
آوے ملنے کو اگر کوئی سفاہت پیشہ
سُنکے اِن باتوں کو مجھ سے لگا کہنے وہ دوست
چشمِ قربان کی مانند ہوں حیراں ہمہ تن
ربط کچھ بالش و بستر سے بھی باقی نہیں اب
آہ صد موت غموں سے ہوں زخود رفتہ سدا
ہے نشہ طرفہ مئے سے سر میں کہ بیتاب ہوں میں
کثرتِ غم سے دل از بسکہ ہے ویران خراب
داغ پر داغ ہیں سینہ میں ستاروں کی طرح

قطعہ

کفشِ پا سے بھی ٹھہرتا تھا نظر میں کمتر
اسکو دیتے تھے بتوقیر جگہ آنکھوں پر
سنگ گوہر سے نہو سکتا تھا ہرگز ہمسر
دخل کیا سفلہ جہلا کا تھا محضر میں مگر
بے ہنر خوش ہیں خراب اور ذلیل اہلِ ہنر
بزم میں صدر نشیں ہوتے ہیں جا کر اکثر
سخت مشکل سے ہے پاتا صفِ نعال میں گذر
زاغ کے آگے ہیں طوطی یہ ہیں اک مشتِ پر
فہم کا انکی بھلا وصف نہ کیجے کیونکر
ہے سلیمان کی انگشت کا گرم انگشتر
دیکے دشنام کہیں اسکو نکالو باہر
سرسری سے ہوں اسے دیکھ کے پیش آکے بسر
تا درِ خانہ اُسے لانیکو جاویں اُٹھ کر
جو کہا تو نے نہیں فرق ہے اس میں یکسر
دل ہوں مفلس کا پریشاں ہوں میں سر تا سر
سوؤں ہوں اوڑھ کے مہتاب کی شب کو چادر
محوِ اندوہ ہوں ایسا کہ نہیں اپنی خبر
ہر سحر اُٹھ کے مئے خونِ جگر کا ساغر
کیا کہوں گذرا ہے اس رات سے گویا لشکر
آسمانِ غم کا غرض ٹوٹ پڑا ہے مجھ پر

عموماً کاش محوِ جلوہ فرمائی نہوتے تم
جگہ دل میں مرے کرتے جو ہرجائی نہوتے تم

تماشائے ... ہی وہ مجنوں بھی یاں
تماشا ہم نے ... گر تماشائی ہوتے تم
نہ ... دل ... اور عقیمانِ درِ کعبہ
جو یاں آستقوراں ... بھی ہیں سائی ... تم
ملے ... غالتیں گر ہوتی بینائی
تو اے اہلِ جہاں ... استغنائی ہوتے تم

جو داغ ہے کیا دلِ حزیں میں
لالہ ہی آگے ہے اس زمیں میں
گالی میں بھی اسکی جو مزا ہے
کب ہے وہ حلاوت انگبیں میں

اب اور لگا ہونے ایجاد گلستاں میں
راتوں کو لگا رہنے صیاد گلستاں میں

کاش پھٹے ابر سے دیدۂ میری چشمِ تر
دامن لگے تم سمندر کے نہ پھیلایا کرو
آغوش کے بھی جاگیں ہماری کہیں نصیب
کیا ہو کبھو جو لگ کے گلے سو رہا کرو
ملتا ہوں ملکے حسرتِ پابوس میں جو ہاتھ
کہتے ہیں بیٹھے ہاتھ تم اپنے ملا کرو
راسخ علاقہ دل کا نہو دلبروں کے ساتھ
تم اہلِ دل ہو حق میں مرے یہ دعا کرو
گردوں نے طرفہ قلبِ دردآشنا دیا ہے
یعنی ہمیں یہ شیشہ ٹوٹا ہوا دیا ہے
کتنی گراں بہا ہے پاؤں کی انکے ٹھوکر
قیمت میں اسکی سر کو ہمنے جھکا دیا ہے
کبتک غبار سے جی میں رکھوگے صاحب
ان سے نے تو خاک ہی میں ہمکو ملا دیا ہے
سنتے تھے ہوش افزا جلوہ کو ہم تمھارے
سو ہمکو تو دوانا ان سے نے بنا دیا ہے

آہ عالم کی ہم اس وضع سے حیران ہوئے
دشت یاں شہر ہوئے شہر بیابان ہوئے
کیوں نہ ہوے مدعیٔ معرفتِ حق ہووے
جو شناسندۂ ماہیتِ انسان ہوئے
دم میں آزاد کیا قید سے ہستی کی ہمیں
تیغِ قاتل کے تو ہم بندہ احسان ہوئے
عبث اٹھ سے بیٹھے ہو دل کھلپلو راسخ اب کہیں پاس سے تم
روش ان عزیزونکی خوب تھی جو دل اس چمن سے اٹھا گئے
ہوئے ہیں ہم ضعیف اب دیدنی رونا ہمارا ہے
پلک پر اپنی آنسو صبحِ پیری کا ستارا ہے

قطعہ

شرف میکدہ بیاں کب ہو
یہاں کے رند افضلِ زمانہ ہوئے
غم شریعتِ حرم کو یہ ہے کہ حیف
نہ گدائے شرابخانہ ہوئے

وقت چلنے کے ملاقوں کی خلش تازہ ہے / اسلیئے جی کو ہر اک شے سے اٹھایا ہے
خواہشیں جمع تھیں دل میں کیا انکو وداع / کوچ سے آگے ہی سامان اٹھایا ہے

مثنوی

اے عشق امام ہے تو میرا / دیں ہے اسلام ہے تو میرا
تو جاں ہے جسم ناتواں میں / ہوئے جو نہ تو تو پھر کہاں میں
ہے اک کفنی سوز عفرانی / اشکوں کا ہے رنگ ارغوانی
کپڑوں کے نہ بند میں رہا میں / اس قید سے ہوگیا رہا میں
پوشش سے تو میں نے ہاتھ اٹھایا / عریانی کو پیرہن بنایا
جب سے ہوئی تجھ سے آشنائی / بیگانگی بسکہ مجھکو بھائی
ہے طرفہ مزا تیری جفا کا / جی جانتا ہے مری وفا کا
تو حاکم کشور وفا ہے / محسوس و شہاں ترا گدا ہے
تھے وے جو بہت لطیف و رعنا / چھنوائی انھیں سے خاک صحرا
آتش دی دلوں کو آہ تو نے / گھر لاکھوں کیئے سیاہ تو نے
شعلے سینوں سے گہہ اٹھائے / گاہے جگر آب کر بہائے
شاہوں کی تباہی تو نے چاہی / کشکول بنائے تاج شاہی
وارفتہ کفر تجھ سے دیندار / تسبیحیں بنائیں تو نے زنار
سجادوں سے خلق اٹھائے / صحرا میں برہنہ پا پھرائے
درہم ہوا دہر تیرے ہاتھوں / برہم ہوئے شہر تیرے ہاتھوں
پانی میں بھی آگ تو لگا دے / گرمی تری دشت کو جلا دے
تو عقل کے ہوش کھو سکے ہے / جو چاہے سو تجھسے ہو سکے ہے
تجھ سے ہوا دست کفر بالا / تو چاہے اگر تو دخت ترسا
دیں چھین لے سائے زاہدوں کا / عمامہ اتارے زاہدوں کا

راسخ تخلص مظفر علی خان راسخ مقیم لکھنؤ خلف ملا میاں جان خلف الملک نواب جاں نثار عزت خاں والی کمبش کی اولاد میں اور صاحب دیوان تھے ۱۲۸۵ھ میں انتقال کیا، نواب منصور خان مہر سے تلمذ رکھتے تھے فن شعر سے عشق تھا۔ شبانہ روز یہی مشغلہ رہتا تھا، خواجہ آتش اور شیخ ناسخ کے ہمعصر تھے اور اپنی کثرت مشق کے باعث عزو وقار کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے۔ طرز سخن میں ناسخ کے مقلد معلوم ہوتے ہیں۔ بڑی تلاش سے کچھ کلام ہاتھ آیا اُس کا انتخاب حاضر کیا جاتا ہے۔

منزلِ مقصود کا پایا سُراغ — خضر میرے پاؤں کا چکر ہوا

گو مجھ کو اُس شوخ کا اقرار ہے بھی اور نہیں — میرے ملنے سے اُسے انکار ہے بھی اور نہیں

لاغری سے ضعف ایسا ہے کہ شکلِ عکسِ خس — بسترِ غم پر ترا بیمار ہے بھی اور نہیں

چین بے دیکھے نہیں اور دید سے جاتی ہے جان — وہ تجلی قابلِ دیدار ہے بھی اور نہیں

خامشی سے دل جلے کہنے سے جلتی ہے زبان — حال اپنا قابلِ اظہار ہے بھی اور نہیں

گہہ اٹھا لیتا ہے گہہ سینہ پہ رکھتا ہے وہ ہاتھ — سانس لینا اب ہمیں دشوار ہے بھی اور نہیں

اُس آبِ حیات سے جُدا ہُوں — مچھلی کی طرح تڑپ رہا ہوں

دکھلایا صانعِ قدرت نے اب تیرے کفِ پا کو — سُنا کرتے تھے ہم اعجازِ روشن دستِ بیضا کو

دلِ بے آرزو کون و مکاں کا ہے تماشائی — رکھا خالی ازل سے ہم نے آغوشِ تمنا کو

تیور چڑھا کے رہ گئے تم کیوں اُٹھا کے ہاتھ — چھوٹا ہے نیچہ تو لگاؤ بڑھا کے ہاتھ

دریائے حسن اور بھی دو ہاتھ بڑھ گیا — انگڑائی اُس نے نشہ میں لی جو اُٹھا کے ہاتھ

مفتونِ صنم یہ دل دیوانہ ہوا ہے — یہاں کعبہ نثارِ درِ بتخانہ ہوا ہے

دیکھنے نکلا جو وہ خورشید منظر چاندنی — دُھوپ سے بھی ہے چمکیں آج بہتر چاندنی

اب اندھیرے اور اُجالے پھرتے ہیں وہ دربدر — دھوپ دکھلاتا ہے رُخ کو، نہ ماہ در چاندنی

خیالِ زلف پیچاں شامِ غربت کی سیاہی ہے — تصورِ روئے تاباں کا خیالِ صبح گاہی ہے

دلِ وحشی کو ہے خارِ غمِ ہجراں سے آسایش — علاجِ خونِ فاسد رنگ آخر کو نشتر ہے
مجردِ بہرِ آفت خیزِ ہستی سے ہے تجرد میں — شکستہ دشتی تعلق سے مری کشتی کا لنگر ہے
سیہ دیدۂ گریاں ہو کہاں دل کی صفائی — روشن نفساں رہتے ہیں ہر وقت مکدر ہے

راسخ۔ میاں عنایت محمد خاں راسخ، خلف عادل شاہ خاں باشندۂ رامپور ۱۲۸۵ھ میں نواب غوث محمد خان رئیس بھوپال کی نواسی نصیر بیگم سے عقد ہو جانے کے باعث بھوپال میں سکونت اختیار کی۔ فنِ سخن میں شیخ احمد علی رسا سے تلمذ تھا، چند غزلیں منیر شکوہ آبادی کو بھی دکھائی تھیں، انکی تالیف سے ایک رسالہ واجب العمل مطبع نظامی میں چھپ چکا ہے۔ شاہجہاں بیگم صاحبہ بھوپال کی قدردانی سے بزمرۂ اخوان الریاست وظیفہ خوار ہیں ۱۳۱۲ھ میں سینتیس برس کی عمر تھی، یہ کلام کا رنگ ہے۔

سرِ تسلیم خم ہر کافر و دیندار رکھتا ہے — بڑھا طاقِ حرم سے رتبہ کیا محرابِ ابرو کا
حرم کی پردہ پلکیں ہیں شریف کعبہ مردم ہیں — دکھایا آنکھ نے اُس بُت کی رتبہ طاقِ ابرو کا

راسخ۔ منشی سعادت علی خان دہلوی تربیت یافتہ حکیم مومن خان۔ نیک طینت، خلیق اور طباع نوجوان تھے اور غدر سے پہلے زندہ و سلامت تھے۔ یہ دو شعر انکے طبعزاد ہیں۔

ہوں تو آنکھوں میں پر نہیں یہ خبر — سُرمہ ہُوں، یا غبار ہوں، کیا ہوں
ہیں بِنائے جہاں سہی لیکن — جبکہ ناپائدار ہوں کیا ہوں

راسخ۔ شاعرِ باکمال سخنور عدیم المثال مولنا عبد الرحمن راسخ دہلوی الملقب بہ خلاق المعانی خلف مولوی محمد حسین صاحب فقیر بانیٔ مدرسۂ حسینیہ دہلی۔ فقیر استاد ذوق کے شاگرد اور صاحبِ دیوان نعتیہ تھے جو چھپ گیا ہے۔ حضرت راسخ قصبۂ نبت نواح پانی پت کے رہنے والے تھے مگر جناب راسخ کی عمر کا بڑا حصہ دہلی ہی میں گذرا اور یہیں تعلیم و تربیت پاکر بڑے ہوئے اوائلِ عمر سے مطالعہ اور کتاب بینی کا شوق بیحد تھا۔ ابتدائے شباب میں "افضل الاخبار" مطبوعہ دہلی، پنچ۔ چلتا پُرزہ، و خیر خواہ عالم، کے برسوں ایڈیٹر رہے۔ اِنکی ظرافت پسند طبیعت کے

[illegible] نسخے ان کے یہاں موجود ہیں۔ کملائے دلی سے مختلف علوم و فنون میں سبق لیکر کافی استعداد پیدا کرلی کہ خود ایک زبردست اور جید عالم سمجھے جانے لگے، اور خط بالخصوص بہت اچھا لکھتے تھے۔ فقہ، معقول، منقول، اور کتب حدیث پر کامل عبور تھا۔ مثنوی مولانا روم کی جو شرح مرحوم نے لکھی وہ صوفیائے کرام میں بڑی وقعت اور عظمت کی نظر سے دیکھی جاتی ہے اور حقیقت انکی زندگی کا بہت بڑا کارنامہ یہی ہے۔ اوائل مشق سخن میں مرزا ارشد سعید الحق آدیب، پنڈت جواہر ناتھ ساقی وغیرہم کے ہم مشق اور ہم صحبت رہے، اور اپنی میانہ روی خوش مذاقی۔ اور صلح کل پالیسی سے علمی صحبتوں میں امتیازی نظر سے دیکھے گئے، میدانِ مناظرہ میں کئی بار مولانا شوکت میرٹھی وغیرہ سے مباحثہ ہوا، مرحوم کے دو دیوان تھے جن میں سے دوسرا ہنوز غیر مطبوعہ انکی بیوی کے پاس موجود ہے، دیوان اول مرآۃ الخیال جو ۱۳۱۳ھ میں چھپا شوخیِ زبان، مضمون، بلندیِ فکر، جدتِ خیال، تازگیِ مضمون کا ایک قابلِ قدر آئینہ ہے۔

[illegible] سے ۱۹۲۶ء تک کامل تیس برس دہلی میں استاد مانے جاتے رہے، ساٹھ ستر تلامذہ بھی تھے جن میں بابو دوارکا پرشاد طالب بنارسی مقیم بمبئی۔ چندی پرشاد شیدا، پیارے لال رونق دہلوی جیسے باعقیدت تلامذہ اور قابلِ ذکر ہیں۔ دہلی کے مشاعروں کے رکن سمجھے جاتے تھے۔ حضرت داغ مرحوم نے انکے اکثر اشعار کی داد دی اور متعدد موقعوں پر دہلی کے نوآموز شعراء کو تحریک کی کہ راسخ کی دہلی میں موجودگی میں غزل انہیں کو دکھاؤ۔ دہلی سے باہر شاعری کی شہرت کی ابتدا رسالہ "زبان" جاری کرنے کے بعد ہوئی اور تلامذہ کی تعداد بھی بڑھ گئی۔ دوسرے دیوان پر مولانا کو خاص طور پر ناز تھا کیونکہ یہ اُنکے پختہ غور و فکر اور قادر الکلامی کا نتیجہ تھا۔ اس کی غزلوں کے اکثر اشعار نہایت پھڑکتے ہوئے تھے، اسقدر شہرت اور ناموری حاصل کرلینے کے بعد یہ حیرت انگیز بات ہے کہ مولانا نے وفات سے چار سال پیشتر عاشقانہ شاعری سے توبہ کرکے درس و تدریس اور وعظ کو اپنا مشغلہ بنا لیا مگر تلامذہ کی اصلاح کا سلسلہ بدستور جاری تھا توبہ کے بعد سے تا دمِ مرگ مولانا نے عشقیہ شعر نہیں کہا۔ آغا شاعر نے حقِ ہم وطنی و دوستی

مصرع تاریخ وفات "ہائے راسخ فرد کامل کم ہوا" کہہ کر ادا کیا، بعارضہ [illegible] ۱۹۰۸ء کو بعمر ۸۳ سال انتقال فرمایا۔ تین بیٹیاں صغر سن اپنی یادگار چھوڑیں۔

کہد و بسمل سے کہ اک ہاتھ جگر پر رکھے
اور اک ہاتھ سے تھامے رہے دامن [illegible] کا

قاتل و ہانِ زخم سے آتی ہے یہ صدا
بیرحم ایک ہاتھ میں قصہ تمام تھا

کیا چھپاتے ہو ڈھل گیا جوبن
وہ جو چوری کا مال تھا نہ رہا

دلِ عاشق میں داغ ہے کسکا
کعبہ میں یہ چراغ ہے کسکا

ملا کے لائے تھے زمزم میں مُغبچے لیکن
جناب شیخ کی قسمت ہی میں ثواب نہ تھا

جینا ہے خضر بتوں پہ مرنا
مرنے میں ہے لطف زندگانی کا

الٰہی حور ہو حصہ کسی سید سے مسلماں کا
ہمیں وہ چاہیئے معشوق جو بانکے سے ہو بانکا

کسی میکش کو دیجئے تختہ انگور کی خدمت
جناب شیخ ٹھیکہ لیجئے ہیں باغِ رضواں کا

لہو بھی چار چُلو بڑھ گیا مشقِ ستم ہو کر
ترے چہرے پہ قاتل رنگ ہے خونِ شہیداں کا

ملا لو قیس سے فرہاد سے مری تصویر
یہ حال کس کا ہوا ہے یہ حال کسکا تھا

مریں والو نکا الٰہی کہیں پردہ ڈھک جائے
دھجیاں ہو کے پڑے لاش پہ دامن انکا

دل سے یادِ دوستاں جاتی نہیں
بارہا سمجھا چکا ہوں بارہا

فکر تھا ہوتی ہے کیونکر مفت کی یار حلال
قاضی صاحب کے سبب یہ مسئلہ حل ہوگیا

رکھدیا گلشن میں بلبل کا قفس
مرحبا صیاد کیا کہنا ترا

کچھ دکھاتا ہے کچھ چھپاتا ہے
شعبدہ ہے یہ آنکے آنچل کا

ہر حشر چھپتے پھرو گے کہاں
دلِ زار منتشر مچل جائیگا

قیامت ڈھائی مجھپر حشر توڑا اُس ستمگر نے
عدو کو قبر پر لایا ستم ٹوٹا غضب آیا

ہمنے جان و دل کے حصے کردیئے
وہ خدا کی۔ یہ تمھارے نام کا

پی بھی لے ناصح نادان مری خاطر سے
یوں سمجھ جسنے پلائی وہ گنہگار رہا

[illegible] ہے پہلو [illegible] دل
قصید دھوک [illegible] کا
تیا کر رہا ہوں دل ناامید کا

[illegible] میں اپنے داغ
وہ یگانہ ہوں میں۔ چنوں کا نہ یگانوں کا

تیری دشنام کے مزے ہے ہے
ٹھوکریں مارتے ہیں نعش پہ وہ
منہ میں تیری زبان ہے گویا
پس کشتن بھی جان ہے گویا

کھٹک تیر کو تری چاہت نے سکھلایا کیا کیا
منت بجا نہیں فردوسِ بریں محشر میں
حوروں کے واسطے مرتا ہوں میں کیا خیال
[illegible] میں تم بھی ہو، محشر بھی ہے، اللہ بھی ہے
ڈوبنا مچھلیوں سے شمع نے جلنا جانا
ہاتھ خالی نئے بازار میں کیسا جاتا
کچھ نہ سمجھا جو مجھے مردہ دل ایسا جانا
بڑے پتے ہو نکل حشر کہ میں آجانا

رس کس نے لیا تری مسی کا
صدقہ ہے یہ غیر کی خوشی کا
گلشن میں مسی ملی جو تو نے
ہے چھوٹی سی عمر میں قیامت
پرچھائیں سے ڈر کے کہتے ہیں وہ
نیلم کا ہے رنگ پھیکا پھیکا
جلتا ہے مری لحد پہ گھی کا
دم گھٹنے لگا کلی کلی کا
فتنہ ہے وہ چوٹ دھوی صدی کا
سایہ نہ ہو یہ کسی پری کا

[illegible] تیر قاتل — یہ یار ملا ہے دل لگی کا
اس کی خبر وہ سنکے بولے — ہو ونہیں تھا دمیان [illegible]

[illegible] وعدوں سے ہوں نیم بسمل۔ تڑپنے کو ہے جاں پھڑکنے کو ہے دل

مگر تجھکو شاباش بے رحم قاتل۔ نہ کچھ اس سے مطلب نہ کچھ اس سے مطلب

کوچۂ زلف میں پھر دل ہے دھمکی دینے کو
[illegible] ہیں دس ٹکڑے دل کر وں
[illegible] آنکھیں ابل پڑیں
[illegible] دیکھ کر بھی [illegible]
بوسے لے دیکھے بلا کو کہیں ٹالو جھٹ پٹ
ایک ایک کو اتاروں تری پور پور پہ
ڈوبیں گی کشتیاں لب دریائے [illegible]
نکال پھینکے گی قبر [illegible]

چوڑیاں سبز ترے ہاتھوں میں	شاخ طوبیٰ پہ ہری ہری [illegible]
مکتہ [illegible] کے سبب نکتہ نوازی کے طفیل	خلد سے شیخ ہے دوزخ سے [illegible]
بھول پہ بیٹھی، غصہ چڑھا، تیور چڑھے	یہ چڑھائی! عاشق دلگیر پر
قاتل اوچھے وار پر ہے منفعل	زخم منہ آنے لگے شمشیر پر
تم لڑے مجھ سے کہ قسمت لڑ گئی	مر مٹا میں خوبیٔ تقدیر پر
بل کی پینے لگیں زلفیں ترے رخساروں پر	سانپ کے منہ میں کبھی ہوں کبھی [illegible] پر
چشم و ابرو کے شہیدوں کی ولادت ہے نیاز	تیر کے ٹکڑوں پہ ٹوٹی ہوئی تلواروں پر
لڑکھڑاتے ہیں قدم زہد کے اے پیر مغان	توبہ اب ٹوٹ کے گرنے کو ہے [illegible]
رندوں پیو پلاؤ کہ آئی ہے صبح عید	توبہ کو پھینکدو سر بازار توڑ کر
آ بتکدہ میں زاہد مغرور ایک دن	زنار کبر اور تبِ پندار توڑ کر
دم نہیں، جان نہیں، حال نہیں، تاب نہیں	درد پہلو سے اُٹھے لیجے سہارا کس کا
تربتِ حضرتِ راسخ پہ چڑھائے تیور	تمنے غصہ بھی اتارا تو اتارا کس پر
زاہد خیالِ حور ہے ملکِ خدا سے بھی	ناحق شناس فکرِ مکافات اب تو چھوڑ
مر کے بھی ہیں ترے بسمل تشنہ کام	مانگتے ہیں تیغ کا پانی ہنوز
پھرتی رہیں گی دلی کی گلیاں نگاہ میں	راسخ بہشت میں بھی رہو گا وطن کے پاس
میرے جنازے پر یہ لبِ گور نے کہا	مر مر کے پہنچا ہے یہ مسافر وطن کے پاس
دل میں ہزار تیر جگر میں ہزار زخم	راسخ یہ خارزار ہے میرے چمن کے پاس
میں مسلماں ہوں فرض ہے بوسہ	مصحف لاجواب ہے عارض
نہ اٹھا آپ سے خنجر اٹھوں میں کیونکر	مجھے ناطاقتی تم کو نزاکت ہو گئی [illegible]
[illegible] ستمگر تیغ جب تیرے ہاتھ سے تو نے	عدو کو خلد سے جبری شہادت ہو گئی [illegible]
[illegible] شباب میں جتنے گناہ عفو ہوئے	سنا ہے میں نے [illegible]

راسخ دہلوی

...ری کی ہے وہ رگ زنے   کہ ہے ہمیں ... تو سب میں داخل
...کے سمعنی اسکے قابل   وہی ہیں ... کے قابل

...ہیں قیامت کی پیاس ہم   بوتل بغل میں ہے کہیں ہیں گلاس ہم
...ک تماشا تو دیکھ لے   کہتے ہیں زخم دل کہ ہیں ناسپاس ہم
...پی بوتل سے کام جام سے کام   وہ رند ہم ہیں کہ رکھتے ہیں اپنے کام سے کام

قطعہ
...سے بند اکے کھا کر قسمیں   گوروں میں ہیں قتل بے گنہ کی رسمیں
...میں کوئی خان درویش   ... ہے کہ نہ ہو کوئی کسی کے بس میں

...ے یارب مصحف منظر براتی ہو   وہ مجت پلے سے پلہ باندھ کر نکلے قیامت میں
...نہ میں انکی شان یکتائی   رلا دیتے ہیں صورت دیکھنے والے کی مورت میں
...ینے میں اسد کا دیا ہے سب کچھ   آگ ہر داغ میں ہے داغ ہیں ہر سو دل میں
...وں میں سینکڑوں پہلو بدلے   چین سے درد نہ بیٹھا کسی پہلو دل میں
...عارض ساقی شراب میں   دو آفتاب ڈوبے ہیں اک آفتاب میں
...یاہ کاری میں یارب تمام عمر   آدھی شباب میں کٹی آدھی خضاب میں
...گار کو دوزخ میں ڈال کر   دوزخ کو ڈال رکھا ہے ناحق عذاب میں
...فو یہ کہتی ہے بار بار   دھوئے گئے گناہ ہمارے شراب میں
...ستی سے اللہ کی پناہ   کھاتا ہے شیشہ کے ٹکڑے بھگو کر شراب میں
...میں نہیں یار کے خنجر میں نہیں   دم بھی کیا چیز ہے دم بھر میں ہے دم بھر میں نہیں

...تجھ سے زلف پرخم کیا کریں   چھیڑ کر برہم کو برہم کیا کریں

...ہے بر پا آئینہ میں عکس کاکل نے   بلائیں لیتے جاتے ہیں پریشاں ہوتے جاتے ہیں
...کھائیں لے چاؤ گر آسم   سنبھلنا جسکو سمجھا ہے سنبھلتے ہیں سنبھلتے ہیں

...ہنتے تم ہو نرالا جوبن   بالا بالا نہ اڑائے کوئی بالا جوبن

[illegible] ہے گریبان پھٹا پڑتا ہے
ہوش تو تم نے سنبھالا [illegible]

[illegible] ہیں غیروں کی نگاہیں رہزن
لٹ نجائے کہیں یہ مال [illegible]

[illegible] ہو جائیگے گر آئیگی میخواروں میں
کام توبہ کا نہیں ایسے گنہ گاروں میں

راسخ تفت جگر بوئے کباب آنے لگی
خوش بیاں تجھ سے بہت آتش بیاں [illegible]

وہی راسخ تو ہیں کل تک جو تنجانے کے دربان تھے
بنے بیٹھے ہیں حضرت چار دن سے [illegible]

مبارک بادہ خواروں کو کہ دن ساون کے آتے ہیں
ہوا بدلی ہے بادل ریش قاضی [illegible]

میرے مرنے کا وہ ماتم کیا کریں
مرنے والا مر گیا غم کیا کریں

کام پھرنے سے ہے تمھیں گھر گھر
شام دیکھو نہ دوپہر دیکھو

ادھر حوروں کا دعوی ہو ادھر تیر القضا ہو
تماشا ہے شہید ناز پر جنت میں جھگڑا ہو

خدا چاہے تو آئینگے عبث کہتے ہو عدوں پر
ہمیں معلوم ہے صاحب خدا چاہے نہ تم چاہو

تمنا ہے پڑے بھر پور سر پر ہاتھ قاتل کا
الٰہی جو مری تقدیر کا لکھا ہے پورا ہو

بحر وحدت نے دیا رتبۂ قلزم مجکو
مجھ میں گم تمکو کیا تم ہیں کیا گم مجھکو

حیرت حسن تجلی نے کیا گم مجھکو
صف محشر میں عبث ڈھونڈتے ہو تم مجھکو

کاش پنہاں رہیں دونوں کی نظر سے دشمن
میں ہی ہیں تمکو دکھائی دوں نہیں تم مجھکو

بیتاب دلکو قول کے چھلے سے باندھ لو
مٹھی میں گر نہ رہ سکے پلے میں باندھ لو

دنیا نہیں یہ حشر ہے رہجاؤ گے الگ
تم پلہ کھینچکر مرے پلے سے باندھ لو

نزع میں جب حال راسخ غیر ہو
یا الٰہی خاتمہ بالخیر ہو

الٰہی ایسے ساون میں اگر برسے نمک برسے
ہمارے زخم پھیلائے ہوئے بیٹھے [illegible]

پھیر لو بوسے لب گلفام کے
غیر کے جھوٹے مرے کس کام کے

حشر کے دن اسکو خون شہید
بیٹھ جائے گا وہ پٹہ تھام کے

[illegible] ہے کچھ آداب تلاوت واعظ
یا صنم لب پہ رہے ہاتھ میں قرآن [illegible]

[illegible] تو کسی کی
حیلوں سے صاحب [illegible]

[illegible] سے [illegible]
بیکر [illegible] تری تو بہ کو ملا سکتی

کس [illegible] جان کہاں جاتا ہے
تیرے صدقے ترے قربان کہاں جاتا ہے

[illegible] روکا ہے یہ کہکر دل کو
بیٹھ کمبخت، کہاں، ان، کہاں جاتا ہے

[illegible] کے بھی بنے تو نہ دیکھا زاہد
کس طرح جاتا ہے ایمان کہاں جاتا ہے

[illegible] چھو کر یہ کہا قاتل نے
رستہ نکلا ہے تری جان نکلنے کے لیے

تو نے دیکھی ہے اک پری واعظ؟
شیشے میں لال لال ہوتی ہے

نیتِ شب حرام ہے زاہد
دن کو پی لے حلال ہوتی ہے

حسرت کے یہ معنی ہیں کہ مر کر بھی نہ نکلے
امید اسے کہتے ہیں جو ہرگز نہ بر آئے

[illegible] مجھے چاہیئے وحشت ترے قربان
جو ہاتھ گریباں سے چلے تا جگر آئے

الٰہی ہم گنہگاروں کا محشر ہو الگ سب سے
قیامت ہے یہ رسوائی سرِ بازار کیسی ہے

خنجرِ یار سلامت رہے دم خم تیرا
تو نے میعادِ قضا نا متناہی کر دی

مہر کی آنکھ سے اُس چہرہ کی یکتائی پر
حسن خط نے خطِ طغرا میں گواہی کر دی

ہوں شہیدِ خطِ لب میرے کفن کی رنگت
آسماں نے کبھی خونی کبھی کاہی کر دی

غیر بنکر کبھی پہنچا کبھی قاصد بنکر
میری صورت تری چاہت نے جو چاہی کر دی

[illegible] قاتل ہوتی ہے

اِدھر تو آنکھ ملاؤ کہاں گذاری رات
تمہاری نیچی نگہ سے ہے انفعال مجھے

ہمیں کو تم سکھاتے ہو ہمیں کو
ہمیں سے سیکھ کر چالیں ہمیں سے

[illegible] چاہیئے پاسِ دلِ بشر رکھے
کسی کا ہو کے رہے یا کسی کو کر رکھے

[illegible] شعلہ رو سے گرمِ محفل ہم بھی رکھتے تھے
کبھی تھی جان ہم میں بھی کبھی اُن ہم بھی رکھتے تھے

[illegible] چہرے [illegible]
شامت آئی ہے موت آئی ہے

[illegible] کر دیا ظالم کہ چہرے پر ترے
چار چلو خون ہے اور دو دو آنکھ [illegible]

[illegible] بہادر شاہ رآشد ابن مرزا خدا بخش گورگانی، سادہ کاری کا پہلا صنعتی [illegible] سے سب بناتے تھے چھلا کی انگوٹھی ۔ چھلے اٹوبیاں وغیرہ بڑی صنعت سے [illegible] کہتے تھے، موزونی طبع کی بدولت کبھی کبھی مشاعروں کی طرحوں پر طبع آزمائی کرتے [illegible] میں قریب ۵۰ برس کے سن میں انتقال کیا۔

وہ حال پوچھتے ہیں تبلائے کون یارب
کم گوئی نے بھلایا یہاں ربط بھی سخن کا

جو عاشق ہوگیا تیرا کسی کا ہو نہیں سکتا
اگرچہ حورِ جنت ہو پہ شیدا ہو نہیں سکتا

جسے زندہ کیا عیسیٰ نے وہ قدرت کا مارا تھا
جسے مارا بتوں تم نے وہ زندہ ہو نہیں سکتا

حسیں لاکھوں ہیں دنیا کے ہزاروں ماہوش دیکھے
تمہارا سا کسی کا حسنِ زیبا ہو نہیں سکتا

جو بندہ ہے وہ بندہ ہے جو مولا ہے وہ مولا ہے
سبھی کچھ ہوگیا بندہ پہ مولا ہو نہیں سکتا

بھلا اُس بے وفا کے وعدہ پر اتنا یقیں آئے
جو پورا کرنا بھی چاہے تو پورا ہو نہیں سکتا

کتنے ہی وعدے کیے لیکن نہ آئے ایکدن
کیونکہ جانوں ہے یہ ستمگر ترا اقرار خوب

اور اگر سچ ہے پئے تسکین دل کچھ تو بتا
تیرے تو اقرار میں بھی ہے بھرا انکار خوب

راضی دیوان جانی بہاری لال جی مرحوم، آپ ذات کے ناگر برہمن اور آگرہ کے قدیم رئیس تھے آگرہ کالج میں تعلیم پائی تھی اور فارسی انگریزی کے علاوہ عربی سے بھی ماہر تھے، پہلے [illegible] کے مدرسہ میں ماسٹر رہے پھر آٹھ برس بنارس کے مدرسہ میں پڑھاتے رہے وہاں سے [illegible] میں پلٹن نمبر ۶۲ میں میرمنشی ہوکر سات برس تک بنگالہ، ڈھاکہ، کلکتہ، الہ آباد، اٹاوہ میں رہے بعد میں ریاست بھرتپور میں وکیل رزیڈینسی راجپوتانہ مقرر ہوئے، پھر مہاراجہ سجن سنگھ بہادر مالیٔ [illegible] کے کئی برس اتالیق رہے۔ اکثر جلیل القدر حکام اردو فارسی میں انکے شاگرد تھے۔ مرزا غالب مرحوم کے دوست قلبی تھے، آخر عمر میں کچھ کے دیوان ہوگئے تھے، ان کا دیوان [illegible] مطبع [illegible] واقع بھاؤ نگر میں ۱۳۰۲ھ میں چھپا تھا۔ علاوہ ازیں گلستان بوستان [illegible] اردو نظم میں ترجمہ کرکے شائع کیا تھا۔ بڑی ذکی، فہیم، ذوسلیم نہر گوان [illegible]

[illegible] مطلع [illegible] بعض ہوئے نقل کیا [illegible] ادر [illegible]
[illegible] خود کہتے تھے تو بھی مضمون مد [illegible] سکا [illegible]
[illegible] کہی ہیں جن سے انکی قابلیت مسلّم ہے اخلاقی مضامین [illegible]
[illegible] بعض مقامات پر حسن کے قریب پہنچ جاتے ہیں۔ دیوان کا انتخاب ملاحظہ ہو

[illegible] کیا اس شوخ کی نامہربانی کا
دمِ رخصت دیا مجھکو اک چھلا نشانی کا

[illegible] تک اب ہوا ہے زور مجھپر ناتوانی کا
کہ تن کو جان اور جاں کو ہو تن سے جب گرانی کا

[illegible] گلزار میں وہ غیرتِ گل ہو گیا
اس سے جیتے جی نپایا تھا مگر گھر نے [illegible]
[illegible] نہ آنا تیر عکسِ گلعذار
[illegible] سے اسکے کیا ہو نسبت مہرِ تاباں کو

ہر چراغِ گل ہوئے رشک سے گل ہو گیا
شکر ہے اس سے جنازہ کا تجمل ہو گیا
تیل بھی اسنے دیکھا روغنِ گل ہو گیا
شعلۂ مہر سے بہتر ہو عالم اسکی چلمن کا

[illegible] کے دل میں کر نہیں سکتی مری صحبت
نہیں ہوتا تاثر من میں جیسے سانپ کے پھن کا

[illegible] وہ رہ سکتا ہے پر ہم رہ نہیں سکتے
ہمارا عشق جاناں سے ہے جیسے جان سے تن کا

[illegible] ہوا تیروں کا نہ بچ جائے تو بچ جائے
مگر بچتا نہیں تاکا ہوا اس ترچھی چتون کا

[illegible] بت کرتا ہے یہ محراب کے آگے
خدا ہر جا ہو قضیہ ہے عبث شیخ و برہمن کا

[illegible] گر کوئی پیغامبر پیدا کیا
کیوں نہ پوچھوں کوبرے گھیری رہیں [illegible]
نہ دوا فائدہ کرتی ہے کیسی نہ دعا
[illegible] ہے گو راگال اُس کا
[illegible] بستر گل پہ آتی ہے نیند
[illegible] کر خوشی سے غنچہ کا
[illegible] ہوا اس دشمن جاں کی خاطر

رشکِ دیدارِ صنم نے دل میں ٹھ پیدا کیا
خاروں میں گل پتھروں میں سیم و زر پیدا کیا
چشمِ بیمار نے کیسا مجھے بیمار کیا
غلغل ہے سیاہ خال اُس کا
گل تکیہ نہ ہو جو گال اُس کا
بار ہے دوش پہ مرے سر کا
ہم جسے سمجھے تھے اپنا وہی [illegible]

چھپاتا ہے بدلی میں بیرت کی وہ صورت ؎ مکاں سے عیب چھپتا ہے مکیں کا
سو بوسے لونگا ہوکے جو ناخوش تو کچھ نہیں ؎ اک بوسہ لاکھ بوسے ہیں شک بھی کا
دیکھا ہی چھپی نگہ سے اس بت بے پیر کا ؎ کام کرتا ہے دل عشاق پہ شمشیر کا
آتشیں رخ کو عرق میں وہ نہاں کرتے ہیں ؎ دیکھئے آب میں آتش کو عیاں کرتے ہیں

مشرک ہیں کہیں جو مجھکو مشرک ؎ میں ایک صنم کو مانتا ہوں
تو چاہ نچاہ مجھکو میں تو ؎ جی جان سے تجھکو چاہتا ہوں

یکساں ہے مجھکو یاد رخ و زلف یار کی ؎ اپنی نظر میں شام و سحر دونوں ایک ہیں
رہی تلاش بنارس میں کو بکو مجھکو ؎ ملا نہ کوئی وفادار خوبرو مجھکو
ضرور نکلے گی میرے مزار پر نرگس ؎ کہ دید یار کی از بس ہے آرزو مجھکو
ہجر جاناں میں لہو پیتا ہوں غم کھاتا ہوں ؎ نہ غم آب ہے مجھکو نہ غم ناں مجھکو
گردشیں میں نے اٹھائی ہیں تری آنکھوں کی ؎ کیا ڈرائیگی بھلا گردش کیہاں مجھکو
مارنا منظور ہے گر عاشق دلگیر کو ؎ چھوڑ ابرو کی کماں سے اس مژہ کے تیر کو
پست ہمت روتے رہتے ہیں سدا تقدیر کو ؎ صاحب ہمت ہمیشہ کرتے ہیں تدبیر کو
غیر ممکن ہے کہ ہوویں صاف صورت نرم دل ؎ سخت رکھتا ہی بایں نور و صفا دل آئینہ
اس رخ صاف و لب گلگوں کا گر کھنچ جائے عکس ؎ ہے یقین گل کھلیا چاہیں صفا دل آئینہ
اب رحم نکر قتل میں زخمی جو کیا ہے ؎ تکلیف ہی بسمل کو تر حسم میں زیادہ

زلف و رخ کا دھیان جب آیا مجھے ؎ رات دن آئے نظر یکجا مجھے
کیوں دکھایا کرتے ہو چاہ ذقن ؎ چاہتے ہو چاہ میں ڈالا مجھے
مست رہتا ہوں خیال چشم یار ؎ رات دن ہے ساغر صہبا مجھے
اس پری چہرہ نے سایہ ڈال کر ؎ کرلیا ہے اپنا دیوانہ مجھے
تجھکو لاثانی کہا ہے اے پری ؎ دیکھکر آئینہ مت شرما مجھے

مفت رسوا ہیں ہم ادھر میں تیری
ہم نہ ٹھیرے نگاہ میں تیری

کوئی بچتا نہیں ہے آنکھوں میں
ہے جو صورت نگاہ میں تیری

کھینچ لیتا ہے دل کو آنکھوں میں
ہے وہ جذبہ نگاہ میں تیری

نکر دیر سیراب کرنے میں قاتل
ترے آبِ خنجر کا پیاسا نکلا ہے

برائی سے اچھوں کو ہوتی ہے نفرت
تو اچھا ہے پھر کیوں ترا دل برا ہے

ہماری خرابی کا باعث عزیزو
یہ حسن و جوانی یہ ناز و ادا ہے

وہ ہے حال خورشید کا اُسکے آگے
جو خورشید کے سامنے ماہ کا ہے

پھرے وہ جو رُخ سے دور مرا دلربا کرے
ہر ذرہ مہوشن سے قیامت بپا کرے

بیوفاؤں سے دوستی کر کے
کیوں ولا مفت خوار ہوتا ہے

سیلِ اشک اپنا اگر یوں ہی رواں ہے کچھ دنوں
ایک دن کاخِ فلک تم دیکھنا مسمار ہے

دل کو دل سے راہ ہوتی ہے اگر سچ ہے یہ بات
تو مرا محبوب مجھ سے کس لیئے بیزار ہے

کتاب ہے مجھے اُلفت ہے اس لیئے راضی
نہیں کتاب سا کوئی رفیقِ تنہائی

خطا نے اُسکے مُرخ کو قراں کے برابر کر دیا
ورنہ اس قرآن کو حاجت نہتی تفسیر کی

ہمارا دل تو وہیں رہتا ہے جہاں دلبر
یہ جسم زار اگرچہ پڑا کہیں پہ رہا ہے

دوبارہ پیر جواں ہوئے دیکھ کر جسکو
فریفتہ جو رہے ایسے نازنیں پہ رہے

جیا ہے ترے عشق میں جو موا ہے
مُوا ہے ترے عشق میں جو جیا ہے

مشکل ہے زندگی ترے بیمارِ عشق کی
چاہے کوئی دعا کرے چاہے دوا کرے

ہے وصل میں موجود مگر ہجر میں غائب
دل سا بھی جہاں میں کوئی خود کام نہیں ہے

آرام سے جاہل کی گذرتی ہے ہمیشہ
عاقل کو یہاں ایک دم آرام نہیں ہے

شیخ جی آپ کی نصیحت سے
عشق اور اُستوار ہوتا ہے

ماہ سے یار کو نہ دو نسبت
ماہ تو داغدار ہوتا ہے

بھول جاتا ہے آپ کو کم اصل حُسن تسخیر سے نہیں خالی	کچھ بھی گر افتدار ہوتا ہے عشق بے اختیار ہوتا ہے

نمی **رضی** منشی یعقوب خان آپ کو خواجہ وزیر لکھنوی سے تلمذ تھا۔ قاضی محمد خلیل صاحب کی بیاض سے ایک شعر نقل ہوا ⁂

جو سر ترے قدموں پہ مرے جاں نہیں رکھتے	کچھ اور ہی بازار رکھتے ہیں وہ سر نہیں رکھتے

نمی **رضی** مولوی خلیل الدین احمد رآضی صدیقی مقیم تلہر اودہ حضرت احسان شاہجہانپوری کے شاگردوں میں نامور ہیں اور مولوی نذیرالدین احمد صاحب کے بیٹے ہیں چالیس بیالیس برس کا سن ہے شعر صاف اور اچھا کہتے ہیں، یہ انکے کلام کا انتخاب ہے ⁂

کیا کیا لگاوٹیں جگر و دل نے کیں مگر کہتے تھے سب یہ حشر کی منزل ہے کڑی	ناوک فگن کا رُخ نہ اِدھر سے اُدھر ہوا دیکھا تو آنکھ مُوندتے یہ سفر ہوا
عرصۂ حشر میں دیوانہ ترا کیا آیا پاؤں کس شوق سے نرگس نے لیے آنکھوں پہ ایسی رہتی کہ کبھی رنگ نہ زائل ہوتا ماہ و خورشید کو جب طاقت نظارہ نہیں	اہلِ محشر کے لئے ایک تماشا آیا سیرِ گلزار کو جب وہ گلِ رعنا آیا تیری مہندی میں مرا خون جو شامل ہوتا تاب پھر کسکی تھی جو تجھ سے مقابل ہوتا
اللہ رے ظلم دوست کہ لاکھوں ستائے دل ہمسے بھی تو کہو کہ محبت کے جُرم پر جتنی حیا تھی وصل کی شب ہم نے لُوٹ لی نرگس میں کب وہ بات جو ہے چشم یار میں میں بھی ہوں بیقرار مرا دل بھی بیقرار	پھر بھی یہ فکر ہے کہ کوئی ہاتھ آئے دل تجویز کی ہے کونسی تم نے سزائے دل اب چھیننے کی وہ نگہ شرمگیں نہیں آنکھیں وہی ہیں چوٹ کریں جو ہزار میں دو بیقرار دفن نہوں اک مزار میں
تماشا کیجیے کس کس کا اے سراپا ناز ہائے چالیں یہ تہاری یہ تمھارے انداز	پکارتی ہے ادا ایک ایک ادھر دیکھو دل میں تو آؤ نظر کو نہ خبر ہونے دو

او دل یکرنگی جستجو ہے | یا سیرِ عدم کی آرزو ہے
مٹ جانیکی تجھپہ آرزو ہے | کھو جانیکی اپنی جستجو ہے

کیوں ذبح میں تُغافل یہ قاتل | پتھر تو نہیں مرا گلو ہے
دم بھر میں کیوں نہیں نکلتا | یہ بھی کوئی دلکی آرزو ہے
سب نذر ہے تیری اے غمِ یار | جتنا مرے جسم میں لہو ہے

وہ کہتے ہیں چہ خوش تیرے لئے گھر چھوڑ دیں اپنا | سکھاتا ہے ہمیں ای خانماں برباد یہ کیسی
بسی مُنہ سے مُسلمانی کا دم بھرنے ہو کیا کہنا | خدا کی یاد میں آ منی بتوں کی یاد یہ کیسی؟

راغب مرزا سبحان قلی بیگ ایران اصلی وطن اور دہلی جائے پیدائش تھی، یہیں تعلیم اور تربیت پاکر شاہ عالم ثانی کے زمانے میں جوان ہوئے، سعادت یار خان رنگین کے بے تکلف یار اور انھیں کے شاگرد تھے، اور باوصف اسکے کہ انشاء اللہ خاں و رنگین محبت یکرنگ تھے انکے اور سید انشا کے ہمیشہ مناظرے ہوا کئے اور نوبت ہجو تک پہنچی - چند شعر ملے درج ہوئے -

ہوتا ہے تازہ آہ سے ہر دم جو داغِ دل | روشن ہے بادِ گرم سے اپنا چراغِ دل
ای شامِ غربت آہ کدھر ڈھونڈیئے اسے | پایا نہ ہمنے زلف میں بھی کچھ سراغِ دل

سُنہ دو پٹے میں چھپایا اُسنے | دل کو پردے میں لُبھایا اُسنے

رشکِ چمن جو اٹھ گیا، آج ہمارے پاس سے | اپنے بر رنگِ گل یہاں، اُڑ گئے کچھ حواس سے

راغب - حافظ یار خان خلف الصدق نواب ذوالفقار خان ابن حافظ الملک حافظ رحمت خان نصیر جنگ، جوان وجیہہ صاحب حوصلہ، مجمع قابلیت، صاحب علم و فن، خوشنویس، انشاپرداز، کبھی کبھی شعر فارسی اور ریختہ میں کہہ لیتے تھے - یہ چند شعر انکے کلام سے تذکرۂ قدرت اللہ شوق سے منتخب ہوئے -

بسان شانہ گر کوئی کرے سو ٹکڑے اپنا دِل | وہ جانے مو بمو احوال اُس زلفِ پریشاں کا

کل مجھے دیکھکر مرا گل رو | اپنی مجلس میں کیا ہی لال ہُوا

میں تو اُسکے عشق میں ہر لحظہ دُکھ پاتا رہا | اور وہ بیدرد اک بوسہ پہ ترساتا رہا

سمجھے محفل میں اپنی گر بٹھاؤ گے تو کیا ہوگا نہ ہوگا فرق کچھ صاحب تمہاری قدر و عزت میں	گھڑی دو چار اگر مکھڑا دکھاؤ گے تو کیا ہوگا کسی روٹھے کو اپنے گر مناؤ گے تو کیا ہوگا
ہم ہوں اور تم ہو اور شب مہتاب وہ ہو اور ناز و غمزہ و عشوہ غیر سے چاہ جب تمہاری ہو	ہو گزک اور شراب خواری ہو میں ہوں اور درد و آہ و زاری ہو دیکھئے شکل کیا ہماری ہو
کیا تم سے کہوں میں نے وہ باد دل آسے کیسے	الفت سے، مروت سے محبت سے، نہ ایسے

راغب **راغب** منشی احمد حسین شاہجہان آبادی برادر زادہ حافظ محمد بخش عرف حافظ ممو، ترتیب تذکرہ مرزا صابر کے ایام میں جوان خوش فکر تھے، اور تیز طبعی اور خوش اخلاقی کے باعث اپنے اقران میں ممتاز۔ طبیعت کی روانی کا نمونہ اشعار ذیل ہیں۔

چھٹ گئے آرام سے راحت کا سامان ہوگیا یارب اسے تو چین دے مجھکو نہ دے نہ دے کیا فہم ہے وہ اپنی شکایت سمجھتے ہیں آوے بھی وہ اگر تو نہ آوے اسے یقین اس کو ہے کیا صبا نے جہاں سے اٹھا دیا ترغیب خلد اور مجھے راغب خدا سے دور میں نے کہا سر کٹنے میں کیا کیا نہ ملے لطف	بڑھتے بڑھتے درد دل آخر کو درماں ہوگیا جلتا ہے میرے حال پہ دل غمگسار کا شکوہ اگر کروں روش روزگار کا کیا حال ہوگیا دل امیدوار کا چھوڑا نہ ایک ذرہ ہمارے غبار کا کیا کم ہے لطف خلد سے کچھ کوئے یار کا کہنے لگے لے آؤ اگر ہے کوئی سر اور

راغب **راغب**۔ جناب محمد عثمان خاں صاحب برہانپوری شاگرد مولانا فقیر الدین صاحب چشتی برہانپوری، حالات معلوم نہ ہو سکے، یہ کلام ہے

ازل سے عاشق صادق ہوں میں تو کوئے جاناں کا مہ کنعاں کے پلہ سے گراں نکلا بہت پلہ لیا بوسہ جو میں نے تو حیات جاوداں پائی	سمائے گا مری نظروں میں کیا گلزار رضواں کا جو تولا حسن میزان نظر میں حسن جاناں کا ہوا گویا دہان یار چشمہ آب حیواں کا

تری صیادلی مشہور ہے عالم میں اے ساقی
تجھے تو میری ہی سے ملجائے سند تیری دکھا کی

سفر درپیش ہے ملکِ عدم کا
کمر کی جستجو ہے اور مَیں ہوں

کوئے صنم کی دیکھ لی جس نے بہار
باغ بہشت گر گیا اپنی نگاہ سے

جادو بھرا ہوا ہے عجب چشم یار میں
دل سینکڑوں کے چھین لیے اک نگاہ سے

دونوں جہاں میں اُس کا ٹھکانا کہاں رہا
تو نے جسے گرا دیا اپنی نگاہ سے

دیکھا ہے جب سے عارضِ تابانِ یار کو
خورشید و ماہ گر گئے اپنی نگاہ سے

خواب میں آکے ذرا شکل دکھائے کوئی
میری سوتی ہوئی تقدیر جگائے کوئی

ہو کے بے پردہ اگر بام پہ آئے کوئی
جلوۂ حسن سے پھر تابِ لائے کوئی

دیکھکر آئینہ کس ناز سے فرماتے ہیں
میں بھی دیکھوں تو مرے سامنے آئے کوئی

اپنے گیسو کی درازی کا اگر دعویٰ ہے
میرے طولِ شبِ فرقت سے ملائے کوئی

نجائیگی شبِ غم بیقراری
یہی کہتا ہے درد اُٹھکر جگر سے

کئے دیتا ہے مُرغِ دل کو بسمل
کسی کا دیکھنا ترچھی نظر سے

وُہی دشمن ہوا راغب تمہارا
جسے دیکھا محبت کی نظر سے

ایک نیا شعبدہ قاتل کا عیاں ہوتا ہے
دہنِ زخم میں تیر آکے زباں ہوتا ہے

رخِ پرنور سے کس طرح جدا ہوں زلفیں
کب الگ شعلۂ آتش سے دُھواں ہوتا ہے

راغب

راغب منشی محمد یعقوب بخش ساکن بدایوں، دورِ موجودہ کے کہنے والوں میں ہیں رسالۂ نیرنگ رامپور سے کلام منتخب ہو کر نقل ہوا، بریلی کے مشاعرے میں انھیں دیکھا تھا۔ کلام درج ذیل ہے:۔

کس درجہ ہوش مجھسے بیگانہ ہو گیا ہے
دیوانگی پہ اپنی دیوانہ ہو گیا ہے

دیوانوں کا تمہارے کچھ ہے عجیب عالم
دیکھا جسے انھوں نے دیوانہ ہو گیا ہے

ساقی کی یاد میں جب بھر کئے اشکِ گلگوں
آنکھوں کا ہر پیالہ میخانہ ہو گیا ہے

تیرِ نظر کی قیمت کیا دوں اُسے الٰہی
یہ نقدِ جان و دل تو بیعانہ ہو گیا ہے

دل پلک مارنے میں سینہ سے باہر آیا
ہائے مسجد ہے یہ میخانہ نہیں اے واعظ
دلِ سوزاں تجھے کس شمعِ شبستاں کی ہے یاد
التجا یار کی پھر کیوں ہو جو قابو میں ہو دِل
تری صورت سے یوں ظاہر ترے صانع کا جلوہ ہے
مری چپ سے زمانہ بھر میں رازِ عشق افشا ہے
ترے خارِ مژہ سے رابطا تو جیتے جی کا ہے

یہ کشش تجھ میں ہے ای جنبشِ مژگاں کیسی
کیا بتاؤں تجھے ہے توبۂ رنداں کیسی
تجھ میں لو ہے یہ چراغِ تہ داماں کیسی
وہ جو بس میں ہو خوشامد تری دربان کیسی
کہ جسنے تجکو دیکھا ہے خدا کو اُسنے دیکھا ہے
خموشی ترجمانِ آرزو و شرحِ تمنا ہے
کہ ان کانٹوں سے دامن جامۂ ہستی کا اُلجھا ہے

رافت۔ شاہ رؤف احمد رافت خلف شعور احمد شیخ احمد سرہندی کی اولاد میں۔ اور جرأت کے شاگرد تھے فارسی و ریختہ دیوان اور مثنوی یوسف زلیخا ان سے یادگار ہیں سنہ ۱۲۴۷ھ میں بعمر پینسٹھ برس راہِ کعبہ میں وفات پائی، شعر گوئی میں مشاق تھے اور بڑے زبردست عالم تھے، رامپور میں پیدا ہوئے لیکن کئی مرتبہ دہلی آکر برسوں یہاں رہے خاندانِ شاہ غلام علی صاحب میں بیعت کر لی تھی

رقیبوں سے مِل مِل کے وہ نازنیں
مجھے خاک و خوں میں ملانے لگا

ہوئے جو چاہت کے اپنے چرچے تو رشک بھر آئے چشمِ تر میں
یہ کیسے مژگاں کے آہ یارب بھرے ہیں جو ہماری بر میں
وصل کی شب ہی ہی گھڑیاں کیسی بے آئین ہیں
ادا و انداز و ناز و عشوہ جو کچھ ہے اُس شوخِ فتنہ گر میں
لگا نہ جراح اسپہ مرہم کہ داغ جل وے تو جائیں مرہم
جس نے بالوں میں ترے عطر بسا دیکھا ہے
ترا مجنوں ہوں ای پیارے اگر تو رشکِ لیلی ہے

کنارہ کش ہو جو ہم سے بیٹھا تو اپنے گھر میں ہیں اپنے گھر میں
کہ مثلِ غربال پڑ گئے ہیں ہزاروں روزن دل و جگر میں
تب آیا وہ راحتِ جاں جب نہیں پہ سرِ بالیں ہیں
نہ وہ پری ہے نہ حور میں ہے نہ ہے وہ غلمان میں نے بشر میں
یہ کہتے ہیں سوختہ جگر ہم چراغ اُجڑے ہوئے نگر میں
اُس پہ آئی ہے بلا ہمنے بسا دیکھا ہے
گیا جنگل کو تنہا وہ میں نے بھی صحرا کی لی ہے

رافت

رافت

رافت۔ مولوی محمد عبدالرؤف خان رآز باشندۂ اندور ۱۹۳۴ء میں موجودہ والیۂ بھوپال نواب سُلطان جہاں بیگم کے بچوں کے اتالیق تھے اور اُنھیں ایام میں سرکار عالیہ کے پرائیوٹ سکرٹری کے خدمات بھی انجام دیتے تھے، کچھ عرصہ ریاستِ اندور میں بھی ملازم رہے، حضرتِ داغ سے شعر و سخن میں مشورہ کرتے تھے۔ پھر کچھ عرصہ پیسہ اخبار لاہور کے سب اڈیٹر رہے، اب معلوم نہیں کہاں ہیں۔ یہ چند شعر اُنکے نتائجِ افکار سے درج کئے جاتے ہیں ❖

ق

ہم جس جگہ کھڑے ہیں وہیں کے وہیں تو ہیں
اُٹھتا بھی ہے جو پاؤں تو پیچھے ہٹا ہوا

ہم سے ہماری قوم کا کیا کام بن پڑا
کیا فرض اپنے ملک کا ہم سے ادا ہوا

بغض و حسد کا حال یہ ہے جل مرے وہیں
دیکھا کسی کا باغ جو پھولا پھلا ہوا

یاں بھائی ڈوب جائے جو آنکھوں کے سامنے
دیکھا کرے گا بھائی تماشا کھڑا ہوا

کس توقع پر سنائیں حالِ دل
پھر وہی کہہ دوگے تم "ہم کیا کریں"

وہ سمجھتے ہیں اِسے بھی اک ہنسی
رو کے ہم لے چشمِ پُرنم کیا کریں

ایک تو ظلم کرو اور پشیماں بھی نہ ہو
اور پھر اُس پہ یہ طُرّہ کوئی نالاں بھی نہ ہو

خود نہیں مجھ سے طلب کرتے وہ یہ چاہتے ہیں
دل کا دل ہاتھ لگے اور کچھ احساں بھی نہ ہو

آفتیں سارے جہاں میں ہیں ہمارے دم سے
ہم زمانے میں نہ ہوں تو شبِ ہجراں بھی نہ ہو

پہلے چھپن کے دل آئے تھے مہماں بنکر
آپکی طرح کسی کا کوئی مہماں بھی نہ ہو

یا خدا اُس لئے وہ کہتے ہیں ڈرانا کیا ہے
تو سہی حشر میں تیرا کوئی پُرساں بھی نہ ہو

تو بتاتا ہی نہیں یا کہ وہ سچ مان گئے
نامہ بر سچ تو بتا ہم ترے قربان گئے

میری دعوت پہ وہ فرماتے ہیں لو اور سنو
تم نے دیکھا ہی کبھی ہم کہیں مہمان گئے

بھلے اور بُرے پر نہیں حصر کچھ
طبیعت تو ہے آگئی آگئی

یہ میری جبیں پر عرق آگیا
یہ میری ہی تو آنکھ شرما گئی

تمھیں واسطہ بھلا غیر سے — سراپا مجھی پر تو یہ چھا گئی
نہ بگڑو بہت اب بناوٹ سے تم — وہ ہونٹوں پہ دیکھو ہنسی آ گئی
تو اے شیخ یاروں سے اُلجھا اگر — سمجھ لے کہ شامت تری آ گئی

اَور کے وصل سے ظالم تری حسرت اچھی — لاکھ آرام سے اک تیری مصیبت اچھی
جب گیا میں درِ دولت پہ یہی فرمایا — اِن سے کہدو کہ نہیں آج طبیعت اچھی

رافت

رافت منشی محمد عبد الغنی خان حیدر آبادی مسکن شاگرد جناب فصیح الملک داغ دہلوی۔ یہ چند شعر انکے نتائج افکار سے درج کیے جاتے ہیں۔

بعد میرے قاصدِ خانہ خراب آیا تو کیا — کامیاب آیا تو کیا نا کامیاب آیا تو کیا
گھر خدا کا ہے نہیں اس میں اجارہ شیخ کا — کوئی مسجد میں اگر پیکر شراب آیا تو کیا

اب چھین کے پی جاتے ہیں زندانِ خرابات — ہاں ساقی بدست انھیں سر یہ چڑھا اَور

آئے تھے جب ہم تو خالی ہاتھ آئے تھے یہاں — جب یہاں سے ہم چلے تو داغِ حسرت لیچلے

برابر لگے آگ دونوں طرف سے — اگر ہے تو سوزِ محبت وہی ہے

راقب

راقب منشی امام الدین نام راقب تخلص اپریل سنہ ۱۸۷۳ء میں قصور ضلع لاہور میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی والد ماجد کا نام شیخ امیر بخش صاحب تھا۔ تعلیم معمولی ہوئی مگر حصول شاعری و زباندانی کے شوق میں اکثر دہلی و آگرہ میں رہے۔ سنہ ۱۸۹۴ء میں اپنا کلام حضرت تسنیم بھرتپوری کو دکھایا، بعدہٗ فصیح الملک بہادر نے خود مزین با صلاح کیا۔ قصائد وغیرہ اصناف سخن میں طبع آزمائی کرتے ہیں، مہاراجہ فریدکوٹ کے دربار میں کئی سال سے قصیدہ پیش کرتے ہیں اور اس ریاست سے کچھ وظیفہ بھی مقرر ہے۔ کلام کا انتخاب ملاحظہ ہو۔

گھر کیا سینے میں غم نے تو ہوئی جاں رخصت — میزباں جانتے تھے ہم جسے مہماں نکلا

لوگ کہتے تھے کہ اب تو فرشتہ ہو گئے | وہ تو دلدادۂ اندازِ حسیناں نکلا

دونوں طرف سے جان پڑی ہے عذاب میں | تھا مجھ میں دلربا ہے نہ دل اختیار کا
جھک گئیں انکی نگاہیں شرم سے سچ ہو حال | کچھ تو تھیں کچھ اور بھی بیمار آنکھیں ہو گئیں

یہ ستم دیکھو کہ کہتے ہیں سب مجھے | انکو کیوں بوسے نہ دوں جلنے سے ہے
سب بجا، سب سچ، کہ میں بدنام ہوں | یہ تو فرماؤ ہوا کن کے لیئے
بہک کے دس دس بتانے وہ لگے | ہائے کیوں بوسے نہ گن گن کے لیئے
خیال ہٹتے ہٹتے گا کسی کی اُلفت کا | مرض یہ گھٹتے گھٹتے گا بہت پرانا ہے

چھپایا تیرے رخساروں کو بڑھکر تیرے بالوں نے | غضب ہے توڑ ڈالا سورج گوروں کو کالوں نے

لے لیا ہے دل تو لیلے جان بھی | مہربانی بھی ترا احسان بھی
اِن لبوں سے ایکدن نکلی نہ ہاں | وہ گل لالہ ہیں نافرماں بھی
مرگیا تو مرمٹیں سب حسرتیں | میزباں بھی کٹ گیا مہماں بھی

سامنے بیٹھ کے دلکو جو چرالے کوئی | ایسی چوری کا پتہ خاک لگائے کوئی
وہ تو روٹھے ہی تھے لو موت بھی آنیسے رہی | اِس بُرے وقت میں کس کسکو منائے کوئی

راقم

راقم - لالہ بندرابن صاحب راقم دہلوی - اِنکے سلسلۂ شاگردی کی نسبت تذکرہ نویسوں میں اختلاف ہے، اکثر ان کو مرزا رفیع سودا کا اور بعض مرزا مظہر کا شاگرد بتاتے ہیں۔ مگر مرزا مظہر کی شاگردی کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ البتہ اوائل مشق میں انھوں نے میر صاحب سے ضرور اصلاح لی تھی جس کی بابت خود میر تقی میر اپنے تذکرہ میں اشارہ کرتے ہیں کہ "بندرابن راقم از شاہجہاں آباد وست مشقِ سخن از مرزا رفیع میکند، قبل ازین با فقیر نیز مشورتِ شعر می کرد" میر صاحب کی تحریر کی تائید قدرت اللہ خاں نے بھی اپنے تذکرہ میں کی ہے۔ راقم، فنِ سخن میں کامل دستگاہ رکھتے تھے اور شعر خوب کہتے تھے، چنانچہ میر حسن نے بھی اپنے تذکرہ میں انکی رسائی طبع کا بدین الفاظ اعتراف کیا ہے "بندرابن راقم بسیار پست قد

ولیکن بلند فکر ست" انکا اندازِ کلام خود اِس بات کا شاہد ہے، انتخاب ملاحظہ ہو ◆

نامے کا میرے اُس سے لیکر جواب پھرنا
پر واسطے خدا کے قاصد شتاب پھرنا

اک وہ بھی دن تھے راقم جو تھا ہمیں میسّر
گلشن میں ساتھ اُسکے پیتے شراب پھرنا

کہے کیا دردِ دل بلبل گلوں سے
اُڑا دیتے ہیں اُسکی بات ہنس کر

اے عشق مجھے تو اس طرح مار
تا یار کہے کہ "ہائے عاشق"

قطعہ

کام عاشقوں کا کچھ تجھے منظور ہی نہیں
کہنے کی ہی یہ بات کہ "مقدور ہی نہیں"

کہنا تھا کون یہ کہ خوشی ہی جہاں کے بیچ
اسبات کا تو یاں کہیں مذکور ہی نہیں

ای باغباں نہیں ترے گلشن سے کچھ غرض
مجھسے قسم ہے چھیڑوں اگر برگِ گل کہیں

اتنا میں چاہتا ہوں کہ ہم اور عندلیب
آپس میں دردِ دل کہیں ٹک بیٹھکر کہیں

قطعہ

مری بد ہنریوں سے کریں توبہ میگساراں
زہے وہ عمل کہ ہووے سببِ نجاتِ یاراں

سُنا کن نے حال میرا کہ جوں ابر وہ نہ رویا
رکھے ہے مگر یہ قصہ اثرِ دعائے باراں

یہانتک قبولِ خاطر کیجے تری جفا کو
تا سب کہیں کہ راقم رحمت تری وفا کو

مژگاں سے دِل کے ٹکڑے کرے ہی ابرو
یہ کہہ کے میں نے اس سے جب اپنی ادا چاہی

کہنے لگا کہ ترکش جسدم کہ ہووے خالی
تلوار گر نہ کھینچے پھر کیا کرے سپاہی

راقم

راقم۔ خلیفہ غلام محمد راقم دہلوی۔ لکھنؤ جانے سے پیشتر حکیم قدرت اللہ خان قاسم سے عربی فارسی کی انشا پردازی کے سبق لیے تھے اور شاعری میں بھی ان ہی شاگرد تھے، معلم پیشہ تھے اور طب میں دخل تھا۔ خوشنویسی میں فرد تھے، فارسی شعر کا بیشتر اور اُردو کا کمتر شوق تھا۔

فرقت میں تری جو مر گئے ہم
عشاق میں نام کر گئے ہم

بس عاشقی کر چکے میری جاں
غصہ سے ترے جو ڈر گئے ہم

ہاتھ میں اُسکے کچھ تو چمکے ہے
تیغ ہے یا کٹار ہے کیا ہے

جب میں نے کہا تمنے ملاقات اُڑا دی
تو اُسنے ہنسی میں یہ مری بات اُڑا دی

نے دیر میں کچھ ہے نہ حرم میں کچھ ہے	رباعی	نے ہستی میں کچھ ہے نہ عدم میں کچھ ہے
دنیا ہے طلسمات عجائب راقم		دم میں کچھ ہے اور ایک دم میں کچھ ہے

راقم

راقم ـ مظفر علی راقم خلف شیخ رستم علی متوطن چارکلیا ۔ ۱۲۷۴ھ میں ستر برس کی عمر میں غدر کے دوران میں انتقال کیا مولانا عبدالباقی مغفور سے زبان فارسی اور فن سخن کی اصلاح کی تھی فارسی شعر بھی کہتے تھے ۔ یہ کلام کا نمونہ ہے۔

غیر تدبیر نہیں ہیں بتِ عیار کے کار		دم نہیں دیتے ہیں ادھر ہوتے ہیں اغیار کے یار
تیغ مت کھینچ میاں ہاتھ کو پہنچے نہ ضرر		تیرِ مژگاں سے ہے خونآرا دلِ بیمار کی مار
آفریں دستِ جنوں تجھکو کہ دم کے دم میں		کر دیئے خوب مرے جامہ و دستار کے تار
اِک جہاں قتل کیا جنبشِ ابرو نے تری		کیا ستم دیکھیئے دکھلائیں گے تلوار کے وار
کچھ صحرا میں بہے دیدۂ تر سے دریا		وار کے وار رہے اور رہے پار کے پار

راقم

راقم ـ خواجہ قمرالدین خان خلفِ اکبر خواجہ بدرالدین خان عرف خواجہ امان مترجم بوستانِ خیال، حضرت غالب دہلوی مرحوم کے رشتہ میں بھتیجے ہوتے تھے، مدۃ العمر خاندانی اعزاز کے لحاظ سے گورنمنٹ انگلشیہ کے پنشن خوار رہے اور ریاستِ جیپور سے بھی مہاراجہ رام سنگھ جی کے وقت سے روزینہ دار تھے اور دہلی چھوڑ کر وہیں جا رہے تھے، فن سخن کا موروثی مذاق تھا اور بڑے مشاق اور پُرگو سخنور تھے۔ جوانی میں بڑے وجیہ، شکیل، جامہ زیب شخص تھے حضرت غالب، مومن، نیر، آزردہ، سالک، شیفتہ، ظہیر، کی صحبتیں دیکھے ہوئے تھے دیوان موسوم بہ "نغمۂ اردو" ۱۸۹۸ء میں چھپا تھا جس کا نسخہ عطیۂ مصنف راقم کے کتب خانہ میں بھی موجود ہے، درجہ دوم کے شعرا میں اعلیٰ پایہ رکھتے تھے مضمون آفرین طبیعت پائی تھی۔ زبان و بیان میں سلاست اور بندش میں چُستی، ترکیب کی استواری انکے اشعار کا خاص جوہر ہیں، ستر برس سے زیادہ عمر پا کر چھ سات برس ہوئے انتقال کیا۔

	عشق ہو گیا ہی سینہ جفاؤں سے یار کی		اب رازِ عشق ہم سے چھپایا نجائیگا	

رہنے دو زخمِ دل کو امانت ہے یار کی
احسان چارہ ساز اٹھایا نہ جائیگا

کس دل سے کہتے ہو کہ تجھے خاک میں ملائیں
تم سے تو خاک میں بھی ملایا نہ جائیگا

قدرت سے نقشہ قدِ دلدار بن گیا
اللہ سے بھی اب تو بنایا نہ جاسکے گا

کس کی بینائی دل حالِ پریشاں کہ سکا
تم چھری پھیر بھی دو چارۂ درماں کس کا

مجکو وہ یاد کرے ہوش کی بتا قاصد
جسکے لب پر نہ کبھی نام خدا کا آیا

آنکھ میں سحر ہے کافر کی کہ اُسکے گھر میں
جو تماشے کو گیا بن کے تماشا آیا

آجاؤ پھرتے چلتے کبھی غمکدہ میں تم
آنکھوں سے ہم بھی دیکھ لیں آنا بہار کا

لکھ دیتا وصلِ یار جو میرے نصیب میں
کیا اس میں کچھ بگڑتا تھا پروردگار کا

کیا پوچھتے ہو حال کبھی دل میں بیٹھکر
آنکھوں سے دیکھو لطف مرے انتظار کا

آئے تھے اگر ملنے دم بھر تو ٹھٹکے ہوتے
کچھ میری سنی ہوتی کچھ آپ کہا ہوتا

محشر کی عقوبت کا اندیشہ نہیں ہمکو
وہ ہو لیا یاں ہم پر جو روزِ جزا ہوتا

پوچھا ہے مزاج آپنے آہا مرے دل کا
مدت میں کھلا آج نصیبا مرے دل کا

کیا بہارِ عمر پہنی کیا نشاطِ زندگی
جب مدارِ زندگانی حسرتوں پر ہو گیا

پروانہ چیز کیا ہے فدا شمع پر ہوا
مرنا تمہیں دکھائیں گے جینا اگر ہوا

وہ نوجوان تھے رہتے نہیں آخر جاتے
تجکو بدنام مگر وقتِ سحر ہونا تھا

آنے دو محتسب شہر اگر آ ہی گیا
اب تو لب پر قدحِ آتشِ تر آ ہی گیا

وہ ایسے دل میں آگئے ہیں بیخبر رہا
دیدۂ دل جو نظارہ سوئے رہگذر رہا

ہم ہیں اور کشمکش مشکل و دشوار میں دل
عشق کا لطف بھی آسان میں حاصل نہ ہوا

طور پر جلوہ ہوا موسی کو جس تنویر کا
تھا وہ اک سرمایہ اپنی آہِ آتش گیر کا

عینِ شبِ وصال تھا ساماں فراق کا
کچھ شام ہی سے عالمِ صبحِ نشور تھا

واعظ کے روکے رک گئے ہیں ہم سے حریصِ مے
جنت میں جا پئیں نہ ملے یاں اگر شراب

لیک ایسا نہ ہو سمجھیں کچھ اور
دیکھکر مجھکو وہ شرمائیں آپ

کبتک لئے پھرتی مجھے جستجوئے دوست
کبتک کنوئیں جھنکائیگی اک آرزوئے دوست

قیس و فرہاد کی شہرت ہو خدا کی قدرت
جو صلہ عشق کا کس کنے کیا میرے بعد

اے دل گلہ کی یار سے اب گفتگو بھر
آزردہ اور خاطرِ آزردہ خو نہ کر

کعبہ ہو صنم خانہ ہو تفریق سی کیا بحث
سر ہمکو جھکانا درِ جاناں نہ سمجھکر

جان مٹھی میں دھری ہے کوئی تمکو دیدے
جھوٹے وعدوں پہ غلط آپکے اقراروں پر

کبھی سایہ میں کھڑا ہوں تو سرک جاتا ہے
یار کے کوچے میں دیکھے درو دیوار کے ناز

گھر بھی اپنا نہ ہوا خانۂ دلدار کے پاس
باتیں سُنتے ہی کبھی بیٹھ کے دیوار کے پاس

ہم تو اک جھانا دینگے شب وعدہ نظر کی
آنکھوں پہ بٹھا کے اُنھیں لے آئینگے گھر تک

ناخن بڑھے ہوئے ہیں اگر چارہ گر نہیں
کر لینگے اچھے زخم جگر اس دوا سے ہم

کیوں ہمکو کوئی پوچھے تعلق نہیں سبھے
اچھے ہیں یا بُرے ہیں کسی کی بلا سے ہم

اے نالہ ہائے ہجر منتیں جانتا ہوں میں
جب کلیجہ گئے ہو آگ لگا کر رہے ہو تم

جس بزم میں گئے ہیں ہنسا کر اُٹھے ہیں ہم
جب تم سے بات کی ہے رُلا کر رہے ہو تم

کل کون جئے کون مرے کسکو بھروسا
ملجاؤ بس اب وعدۂ فردا نکرو تم

اللہ رے لاغری کہ تن آسانیوں میں ہم
اتنے گھلے کہ رِل گئے روحانیوں میں ہم

وہ ملا مجکو مقدر جو مقدر میں نہیں
محفلِ یار میں ہوں گردشِ ساغر میں نہیں

کسی سے دِل لگانا ہم تو سودا اسکو کہتے ہیں
مرض بیٹھے بٹھائے مول لینا اسکو کہتے ہیں

جب ان ناکامیوں پر منحصر ہے زندگی اپنی
خدایا مرگ کیا ہو گی جو جینا اسکو کہتے ہیں

جفا کر لو، ستا لو، دیکھنا محشر کے میداں میں
کہ دامن ہاتھ میں کسکے ہے کسکا منہ گریباں میں

میں وہ ناکامِ ازل ہوں کاتبِ تقدیر نے
مجھ سے پوچھا کیا لکھوں میں نے کہا کچھ بھی نہیں

جوشِ مستی میں چلے آئے کہاں تم راقم
یہ تو مسجد ہے چلو خانۂ خمار نہیں

دیکھا ہوا ہی اپنا وہ باغ نعیم خلد
زاہد نجات کے لیئے طاعت نہیں ضرور
مفت ملجائے تو کعبہ میں پئیں یہ واعظ
کہتے ہیں پینے کو وہ دیکھئے کیا دیتے ہیں
کیا دھرا ہے نرگس بیمار میں
حسن وہ حسن جسے دیکھنے کی تاب نہیں
دہر میں عیش کے سامان ہیں مہیا سب کچھ
کیا سبک ہو گئے عریانی تن سے مرکر
ہنگام بے حجابی یہ شمع بھی بجھا دو
تیر نظر سے تیری دونوں چھدے پڑے ہیں

جز انبساط خاطر ارباب دیں نہیں
کچھ بندگی ہی ذریعہ عفو خطا نہیں
یاں حریف مے و میخانہ بنے بیٹھے ہیں
وہ بھی یاں دیتے ہیں یا روز جزا دیتے ہیں
مستیاں ہیں اور چشم یار میں
جلوہ وہ جلوہ کہ چھپتا پس جلباب نہیں
ایک تم جلوہ گر عالم اسباب نہیں
دوش پر جاتے ہیں اور رحمت احباب نہیں
رہنے نپائے کوئی بیگانہ انجمن میں
دیوانہ رہگذر میں فرزانہ انجمن میں

بھوکی اب یہ حالت ہے دل بیتاب مضطر میں
کہ گل پر رقص شبنم جلوہ خورشید انور میں

لب غیر آج تھا ساغر پہ دور آتش تر میں
کہ موج مے گریزاں ہے لب ساغر سے ساغر میں

نہیں معلوم کس کس کا لہو خنجر نے چاٹا ہے
کہ ہر جوہر برنگ گل ہے موج آب خنجر میں

تقاضا سن کے کہتے ہیں یہ صورت ہے بلانے کی
کوئی منہ پہلے بنوا لے بلائے پھر ہمیں گھر میں

ہمیں نسبت ہے صہبا سے کہ ہم ہیں نسل آدم میں
ہمارا حصہ ہے راقم شراب حوض کوثر میں

زبانی مرنیوالے سینکڑوں عیار ہوتے ہیں
محبت کرنے والے لاکھ میں دوچار ہوتے ہیں

قیامت ہے زلیخا اور یوسف کی خریداری
غضب ہے حسن کے سودے سر بازار ہوتے ہیں

دعائے وصل وہ مانگے کہ جسکے ہاتھ خالی ہوں
مرے ہاتھوں میں دامان خیال یار رہتے ہیں

خوب نکلے جستجوئے یار میں
خار دامن میں ہیں دامن خار میں

ہم تو اپنی حسرتوں کو ایک دن
دفن کر آئیں گے کوئے یار میں

کچھ ایسی بن گئی تصویر اُسکے دست قدرت سے
رہا حیراں بنا کر آپ صورت آفریں برسوں

امید وصل کی رکھیں اور آپ پر کھیں
گویا کہ عمر خضر کی ہم آرزو کریں

تم سے کہیں جو حال تو پھر کس سے کہیں ہم
یا اُسکو بتا دو کوئی تم سے جو سوا ہو

خاطر داروں میں سے تم ہو دکھاؤ کچھ وفا کر کے
اسی بیگانہ داری پر کہیں ہم - با وفا تم ہو
تمھارے گھر سے ہم نکلے خدا کے گھر سے تم نکلے
تمھیں ایمان سے کہدو کہ کافر ہم ہیں یا تم ہو
مقصد تمھارے ہاتھ ہے قسمت خدا کے ہاتھ
جو کچھ خدا سے ہو وہ تمھاری زباں سے ہو

کیا ہوگا مسیحا سے کسی اور کو لاؤ
جس نے کہ علاجِ دلِ بیمار کیا ہو
وہ کام نہیں یاں کہ بنے چارہ گروں سے
وہ درد نہیں یاں کہ مسیحا سے دوا ہو

خوشامد سے بگاڑا آپ ہم نے اُسکی عادت کو
بنایا اپنا دشمن خود جتا کر منہ سے اُلفت کو
کہتے ہیں آنے کو وہ آئیں نہ آئیں دیکھئے
شوق میں کبتک ہمیں رستہ دکھائیں دیکھئے

کام تدبیر نہ تاثیرِ دعا کرتی ہے
وہی ہوتا ہے جو تقدیر خدا کرتی ہے
آہ کو ہم سمجھے تھے تسکیں کی دوا کرتی ہے
کیسی تسکیں مری حالت کو سوا کرتی ہے

ایک دن وصل ہوا تھا یہ قیامت آئی
آجتک نیتی ہے بدلے شبِ ہجراں ہمسے
غیروں رات وہاں رہتے ہیں اب لُطف گیا
کل چھٹا آج چھٹا کوچۂ جاناں ہمسے

ایک دن ہم درِ غیر میں جائیگی ضرور
آبرو عشق کی، شرم آپکی غیرت میری
یادگاروں میں سند کی ہے یہ بندہ راقم
کیا ہوا بزمِ سخن میں بھی شہرت میری
جلتے ہیں گلہ کرنے گلہ کر نہیں سکتے
ہلتے نہیں لب شوخیٔ گفتار کے آگے
تاثیر تو ہی میری نگاہوں میں بھی لیکن
چلتی نہیں اُس شوخ فسونکار کے آگے

حسینوں سے نکر الفت دلِ ناشاد کہتے تھے
لہو رلوائیں گے کافرِ ستم ایجاد کہتے تھے

کس کا جوابِ نامہ مگر پارہ ہائے خط
اُڑتے ہوا پہ دیکھنا دو چار آئیں گے

نازِ دلدار بھی نہیں اُٹھتا
ناتوانی سے ناتوانی ہے

یاں کلک کوئی زمزمۂ دلستاں رہے
اندازِ دلفریبیٔ اہلِ زباں رہے

تم ہو ہم نا امیدی! اب جواب آنیکو ہے
مژدۂ تسکیں! ابھی قاصد کا سیا آتا ہو

لذتِ قتل کہاں پرسشِ صمصام میں ہے
عشرتِ مرگ تو کچھ عشوۂ اصنام میں ہے

ایسی ہوگی دیکھی شبِ غم کی صُورت
صبحِ محشر میں نہ ہوگا وہ مری شام میں ہے

خوب کٹتی ہے شبِ ہجر کہ بے کار نہیں
دل کسی یاد میں ہے نالہ کسی کام میں ہے

یاں بہار آئی ہے ساقی ابھی آرام میں ہے
آنکھ ساغر پہ ہے دِل بادۂ گلفام میں ہے

یار کیا صحبتِ یارانِ مے آشام میں ہے
بیقراری سے جو شب بھر دلِ ناکام میں ہے

وعدۂ یار وفا ہوگا نہ گھبرائے دِل
وہ بھی دن ہوگا اگر گردشِ ایام میں ہے

عاشقی کھیل نہیں خاک نہ سمجھے راقم
رخصتِ جان بھی آغاز کے انجام میں ہے

کہتے ہو کہ ہم غیر سے ملتے نہیں حاشا
کہدوگے قسم کھاکے یہ اغیار کے آگے

"ہو کسی سے نہیں ملتے" کہتے تھے تم تو
یہ کیا کر رہے ہو، یہ کیا ہو رہا ہے

حقیقت مری آپ کیا پوچھتے ہیں
مقدر کا پورا لکھا ہو رہا ہے

جانتا ہوں کہ اُسے دیکھ کے دم جاتا ہے
پھر اُسے دیکھنے جاتا ہوں یہ سودا کیا ہے

تیر سینے میں نہیں، پھانس کلیجے میں نہیں
پھر خلش کیسی ہے، یہ دِل میں کھٹکتا کیا ہے

تم رہو غیر رہے، تم کو مبارک عشرت
ہم چلے جائیں گے محفل سے ہمارا کیا ہے

اللہ رے خوئے شوخ اُلٹ کر نقاب آپ
لینا صبا کا نام بگڑ کر عتاب سے

ساماں نئے نئے ہوں شبِ وصلِ یار میں
مے ابر سے برستی ہو جام آفتاب سے

عیش کی رات مقدر سے اگر ہوتی ہے
بات کرنے نہیں پاتے کہ سحر ہوتی ہے

حُسنِ زیبا لاکھ نظروں سے چھپاتے جایئے
اور کھلتا جائے گا جتنا چھپاتے جایئے

تجھسے ملنے کو وہ آتے ہیں کھلے تیرے نصیب
مژدہ ہو اے دلِ بیمار قیامت آئی

اُن کو اغماض کہ پیکاں کو نہ ضائع کیجے
یاں جگر تشنۂ بیداد نشانی مانگے

ہائے راقم نہ رہے حضرتِ غالب سر پر
قدر فرزند کی ہوتی ہے پدر کے ہوتے

برسوں گذر گئے ہیں یہ سنتے کہ آؤ گے — وعدوں کی انتہا ہے نہ حد انتظار کی
وصل ہوا اور سامان کچھ نہ کچھ ہو گا ضرور — آرزوئے عاشق دلگیر کچھ کہتی تو ہے
رات سے مضطرب ہے دلِ راقم — دیکھیے آیا یہ بے قرار کسے
ڈھونڈھا کئے جہاں میں کوئی باوفا ملے — جتنے ملے ہیں وہ غرض آشنا ملے
عشق میں آج آؤ چھری سے گلا ملے — اُلفت کا امتحاں ہو جفا سے وفا ملے
اِک ہم ہیں بے نصیب کہ دشنام بھی نہیں — اک وہ ہیں جنکو بوسہ بغیر التجا ملے
ہونیکو ہے شاید کوئی سامان خدا ساز — جو شام سے ہے اور ہی رونق مرے گھر کی
واعظ ورا نہ تو ہمیں روز حساب سے — کر لینگے توبہ مرنے سے پہلے شراب سے
خضر کو دیجے یارب عمر کی کیوں رائگاں تونے — کسی عاشق کو دی ہوتی یہ عمر جاوداں تونے

رام پرشاد

رام پرشاد ۔منشی رام پرشاد کایستھ سکسینہ لکھنوی داروغہ سرکار نواب سر محسن الدولہ بہادر نواسۂ حضرت غازی الدین حیدر و داماد حضرت محمد علیشاہ ، بڑے طبّاع ، صاحب لیاقت و سلیقہ شعار اہلکار تھے ۔ اِنکے آقا کا اعتمادِ کُلّی اِن پر تھا ۔ اور جُملہ انتظام انھیں کے ہاتھ میں تھا ، حسین آباد کے امام باڑے کا بھی (چونکہ نواب صاحب اُسکے متولّی تھے) تمام نظم و نسق سالہا سال اِنکے ہی ہاتھ میں رہا ۔ اور تمام متعلقین اُنکی نیک نیتی اور حسنِ سلوک کے مدّاح رہے ۲۵ برس کے قریب ہوئے انتقال کیا ؎

ہائے اِس جہان سے ہاتھ خالی گھر چلے — بارِ عصیاں مفت ہم تو اپنے سر پر دھر چلے
غور کر کے خوب دیکھا کوئی بھی اپنا نہیں — خوابِ غفلت میں عبث ہم عمر ضائع کر چلے
گو کہ ہوتا ہے وہی لکھا ہے جو تقدیر میں — ہر بشر کو چاہئے کچھ کام اچھے کر چلے
رامؔ پرشاد اُن کو جنت میں پلا جامِ طہور — تشنہ لب جویاں سے بھر ساقیِ کوثر چلے

راوی

راوی ۔مصاحب علی خلف منشی اکرام علی ساکن قصبۂ نادون متصل بلگرام ۔ مرزا مہدی کوثر کے صاحبِ دیوان شاگرد اور وقتِ ترتیب تذکرہ سراپا سخن زندہ تھے ۔

کیونکر نہ باندھوں کھا کے بن خون جگر کمر
ملکِ عدم کو باندھ گئے ہم سفر کمر

مانی سے کھنچ سکے تری تصویر کس طرح
ہوش و حواس ہو گئے گم دیکھ کر کمر

یہ جوشِ گریہ یادِ کمر میں ہے اندنوں
رویا میں جس جگہ ہوا پانی کمر کمر

بد زیب یہ ردیف ہے راوی نہ فکر کر
ایسے ہی باندھ لائینگے اہلِ ہنر کمر

ربط **ربط** منشی دیبی پرشاد خلف منشی موہن لال کالستھ بھٹناگر، عدالتِ دیوانی ضلع مراد آباد میں ۱۸۸۰ء میں پیشکار تھے اور ملک الشعرا شیخ مہدی علی خان ذکی کے ارشد تلامذہ میں گنے جاتے تھے انکے بھائی منشی کنھیا لال بھی شاعر تھے اور ضبط تخلص کرتے تھے۔ تذکرۂ شعرائے ہنود سے کچھ کلام انتخاب کیا گیا، بڑے ذکی، فہیم، اور طباع نکتہ سنج تھے، چند اشعار ملاحظہ ہوں ❖

اجل بھی تو نہیں آتی برا ہو سخت جانی کا
الم کبتک اٹھائیں یار کی نامہربانی کا

یہی ہیں لذتیں تو ہیچ ہیں کیا کیا نہ روئینگے
اگر یاد آئیگا پیری میں عالم نوجوانی کا

نہیں وہ شہر لگیں ہر عضو کو زندید شکتے ہیں
ہوا ہے عشق انکو آپ اپنی نوجوانی کا

اٹھا کر آنکھ بھی حوروں کو جنت میں نہ دیکھیں گے
رہا دھڑکا جو ایسا ہی کسی کی بدگمانی کا

نہ پوچھ اے ربط حالِ دل غضب میں جان آئی ہے
برا ہو عشق کا یارب بھلا ہو نوجوانی کا

رباعی

ہر طرح سے آپ تو ستائیں کیا خوب
ہم شکوہ زبان پہ نہ لائیں کیا خوب

دیں گالیاں آپ ہم ہنسی میں ٹالیں
اور آپ ہنسی میں روٹھ جائیں کیا خوب

جو مصرع ایک ہی عشوہ تو غمزہ ایک مصرع ہے
تمھاری شانِ محبوبی عجب دلچسپ مطلع ہے

جہاں ہے وہ قصیدہ پڑھ رہا ہے حمدِ باری کا
ازل مطلع ہے جس کا اور ابد جس کا کہ مقطع ہے

مشابہ ہے مگر اس میں کہاں ہے یہ دل آویزی
ثریا کیا ہے جو کچھ آپ کا جھومر مرصع ہے

ادا و عشوہ و ناز و غمزہ ہیں یہ چار رکن اسکے
قدِ موزونِ جاناں بھی عجب برجستہ مصرع ہے

اسی کے ہیں یہ سب نقش و نگار اے ربط کھول آنکھیں
مصور ہے وہ ممدوحِ زمان عالم مرقع ہے

ربط **ربط** نواب مظفر علیخان صاحب برادر و تلمیذ حضرت حسان الہند نواب رضوان علی خان رضوان

رئیس مرادآباد ان کے بزرگ بڑے صاحب جاہ و ثروت تھے، انقلاب زمانہ سے وہ حالت نہیں رہی پھر بھی آسودگی سے بسر اوقات کرتے ہیں، رات دن شعر و سخن کا مشغلہ رہتا ہے۔ معمر آدمی ہیں کلام کا انتخاب حاضر ہے۔

مرادوں کے دن ہیں جوانی کی راتیں
امنگوں پہ آیا ہے جوبن کسیکا

لاکھ قرباں کریں ہم تجھ پہ دل و جاں اپنا
تو نہوگا کبھی غارتگرِ ایماں اپنا

یہ تری زلف پہ واریں گے وہ چہرہ پہ ترے
لائے ہیں نذر کو دل گبر و مسلماں اپنا

رو رو کے یاد کرتے ہیں دندانِ یار آج
ہے صبح سے بندھا ہوا اشکوں کا تار آج

لائی شمیم گیسوئے جاناں مگر صبا
کیوں کوڑیوں کے مول ہے مشکِ تتار آج

ہنس ہنس کے وار تیغ کے قاتل نے جو کیے
زخموں کی بدھی بن گئی پھولوں کا ہار آج

اٹھا نقاب تو خورشید حشر کا چمکا
جو بکھری زلف تو آئی بلا مرے سر پر

بہار آئی جنوں خیز ہے چمن کی ہوا
رگوں نے کرلیا گھر اپنا نوکِ نشتر پر

ہوا نہ رتبہ شہادت کا ہمکو ربط نصیب
گلا اٹھا کے رکھا بار بار خنجر پر

لگا دیں آگ تیرے دل میں ظالم
دکھا دیں آہِ سوزاں کا اثر ہم

چمک کر داغِ الفت ہیں یہ کہتے
چراغِ طور ہیں ہم شمس و قمر ہم

وہ بلبل ہوں رہا ہوں میں پسند باغباں برسوں
نہالِ عیش پر اپنا رہا ہے آشیاں برسوں

کسی پہلو نہ نکلا میں ترے زندانِ الفت سے
لیے قیدِ محبت نے نہ کیا کیا امتحاں برسوں

صبا نے خاک اڑائی جستجو میں تیری مدت تک
پھرا ابر باد موجِ بوئے گل کا کارواں برسوں

چین آتا ہی نہیں دم بھر فراقِ یار میں
کب تلک تڑپا کروں میں یا الٰہی کیا کروں

حلقۂ گیسوئے پرخم سے رہائی نہوئی
پیچ پر پیچ دیئے زلفِ دوتا نے ہمکو

ربط طاقت تھی رسائی کی ہمیں تا ملکوت
پھینکا اسفل کی طرف مکر و ریا نے ہمکو

اُن پر نظر کرے گی نہ رحمت اِلٰہ کی
کچھ واعظوں نے قدر نہ جانی گناہ کی

غل ہے کہ ہاتھ ہاتھ کو آتا نہیں نظر
محشر میں دھوم ہی مرے روزِ سیاہ کی

سب بیگناہ رحمتِ غفار دیکھکر
حسرت سے شکل تکتے ہیں اہلِ گناہ کی

زمیں جگر میں آتی آسماں زیر و زبر ہوتے
ہمارے نالہ ہائے دل جو کچھ بھی با اثر ہوتے

ہدف تیرِ ستمگر کے جو دونوں دل جگر ہوتے
ہجوم شوق کے ساماں ادھر ہوتے اُدھر ہوتے

ترکِ مے سے کیا بُری گت ہو گئی
توبہ کیا کی ہمنے آفت ہو گئی

جو اضطراب لیں جو سوزش جگر میں ہے
سیماب موج میں ہے نہ برق و شرر میں ہے

یوں سفت یہ شوخی نہیں پائی ہے حنا نے
سینچا ہے اسے مدتوں خونِ شہدا نے

یہ عشق وہ ظالم ہے کہ اللہ بچائے
برباد کئے اسنے گھرانے کے گھرانے

چُھپ جاؤ گے کیا غیر کے پہلو میں ہاں بھی
سُنلی کبھی عاشق کی جو محشر میں غدا نے

یا ہمنے سکھائے تھے انھیں حسن کے انداز
یا ہمکو پڑے ناز حسینوں کے اٹھانے

لو تیر و کماں ہاتھ میں دل یہ ہے جگر یہ
ہاں دیکھیں تو تم کیسے اُٹھاتے ہو نشانے

ہے کچھ تو جو بلبل سے چٹکنے لگے سب گل
کیا پھونکدیا کان میں غنچوں کے صبا نے

ابرِ نیساں کی طرح ہجر میں رُلواتی ہے
یاد تیری دلِ مضطر سے کہیں جاتی ہے

شوخیٔ خامۂ بہزاد بھی چکراتی ہے
رنگ بنکر تری تصویر اڑی جاتی ہے

جب اُلٹ جاتا ہے گیسو رُخِ نورانی سے
شب تاریک میں بجلی سی چمک جاتی ہے

ربط ربط۔ شیخ امام الدین ساکن قصبۂ کانٹ ضلع شاہجہانپور۔ کریم بخش فرقت سے سنہ ۹۴ء سے اصلاح لیتے تھے اُس زمانہ کا کلام پیامِ عاشق سے نقل ہوا۔

دہانِ زخم کو یہ آرزو ہے اے سفاک
نمک چھڑک کے تڑپ کا مزا چکھا دینا

نہ پھر جڑے گا جو ٹوٹا ہمارا شیشۂ دل
کہیں نظر سے نہ اے سنگدل گرا دینا

سُنا ہے فتنۂ محشر ہے آپکی رفتار
یہ آرزو ہے کہ چلکر ذرا دکھا دینا

لکھا اسئے تراوم ہچکیوں میں مدعا یہ ہے
اِسی باعث سے تو ای ربط انکو یاد آیا ہے

رحم

رحم - سیٹھ رحیم چند حیدرآباد دکن کے منصبدار اور باوقار رئیس ہیں شعر سخن کا بھی کافی شوق ہے مطلب بعمر ... سال کے قریب ہے بار ہا کلام اور حال منگانے کے لئے لکھا مگر جواب ندارد

تم دسنا کبھی ہیں دہ آئینہ
دلِ اُمیدوار کی باتیں

ہے لگاوٹ کا یہ نرالا ڈھنگ
ظلم کے ساتھ پیار کی باتیں

اِسی واسطے ناصحا دل بنا ہے
خطا کیا ہوئی گر کسیکو دیا ہو

رحمٰن

رحمٰن - محمد عبدالرحمٰن خاں مرحوم رحمٰن تخلص ۸ جون ۱۸۵۷ء کو فرخ آباد میں پیدا ہوئے۔ انٹرنس تک تعلیم پائی سرکاری ملازمت کے سلسلہ میں پہلے منصرم حجی خفیفہ ڈیرہ دون ہوئے پھر ۱۹۰۵ء میں ڈیرہ دون سے بعہدۂ مترجم حجی فرخ آباد کو تبادلہ ہوا۔ اور یہاں بعارضۂ تپ دق ۱۴ ستمبر ۱۹۰۶ء کو انتقال فرمایا۔ ناول نویس بھی تھے، حکام نے خوش ہو کر آپکے لئے تحصیلداری کی سفارش کی مگر حیات نے وفا نہ کی۔ فن ہنوٹ کے کامل اُستاد تھے، فقیروں سے خاص ارادت تھی ایک کتاب لطائفِ رحمانی لکھی تھی جس میں عملیات وغیرہ درج ہیں۔ اخباروں کی نامہ نگاری بھی کی آپکے دو صاحبزادے بھی موجود ہیں ایک جدت اور دوسرے فطرت تخلص کرتے ہیں۔ اُنھوں نے آپکی چند غزلیات بھیجیں جن کا انتخاب درج ذیل ہے۔

ماہِ کامل سے جبیں کو ترے اچھا دیکھا
رشکِ خورشید منور رُخِ زیبا دیکھا

رات کے آنیکو کہتا ہوں تو وہ کہتے ہیں
شب کو خورشید کہیں تمنے نکلتے دیکھا

بارِ احسان سے جرّاح کے چھوٹا صد شکر
دلِ مجروح ہیں ناسُور رہا خوب ہوا

کیسے کیسے غمزہ کے نشتر لگے ہوئے ہیں ہزاروں لہو
بہا ہی حسرت کا خون ہو کر میں غرقِ خنجر کی آب ہیں ہوں

یا الٰہی وہ رہے فرمانروائے ملکِ حُسن
کشورِ دل کی ہمارے جس سے ویرانی ہوئی

دلِ شکستہ جب کہا کچھ عرض کرنا ہے حضور
ہنسکے بولے کیا کہو گے بات ہی جانی ہوئی

ملے مسی بند ٹوٹے نیلگوں رخسار ہیں
غیر کے گھر آپ کی کیا خوب مہمانی ہوئی

آنکھیں کا سُرمہ لاکھا ہونٹوں سے اُڑا
آئینہ دیکھا تو سخت اُنکو پشیمانی ہوئی

رات کی باتوں کا جب اُن سے کیا کچھ تذکرہ	اُٹھ گئے شرما کے کچھ ایسی پشیمانی ہوئی
باغ میں پھول سے رخسار دکھا کے تم نے	گل و بلبل کا کیا خون لٹا کے تم نے
آنکھوں میں سُرمہ کا دنبالہ غضب ڈھاتا ہے	پر لگائے ہیں نئے تیر قضا کے تم نے
اچپلاہٹ میں ہی سنجیدہ گئی اہلِ شباب	ڈھنگ سیکھے نئے شوخی میں حیا کے تم نے
یاد آئی ہیں تمھیں گرمی صحبت کس کی	کس لئے کھولدیئے بند قبا کے تم نے
کاٹ دی شاخ طرب مزرعِ دل سے میرے	لُطف دیکھے نہ ذرا نشو و نما کے تم نے
دیکھئے جسکو وہ پڑھتا ہے تمھارا کلمہ	کیا سکھایا ہے یہ بندوں کو خدا کے تم نے

رحمٰن منشی ضیاء الرحمٰن شاگرد معجز بریلوی۔ قاضی محمد خلیل صاحب کے مشاعرے کی غزل سے چند شعر درج ہیں ۔ جوان آدمی ہیں اور یہ کلام ہے ۔ رحمٰن

جسے کہتے ہو تیر آہ دنیا سے نرالا ہے	یہ جسکے دل سے نکلا ہے اُسی کے دل میں پیارا ہے
نہ جاؤ اُسکی بالیں سے کوئی حسرت نہ رہجائے	تمھارے سامنے ہی دم نکلجائے تو اچھا ہے
بُرا تم جسکو کہتے ہو وہ اچھا ہو نہیں سکتا	جسے کہتے ہو تم اچھا بُرا بھی ہو تو اچھا ہے

رحمت ۔ رحمت علی رحمت قرابتدار و شاگرد امام بخش صہبائی۔ مثنوی نالۂ بلبل۔ صدائے رحمت و مثنوی شکایتِ فلک، اِن سے یادگار ہیں۔ فارسی شعر بھی کہتے تھے۔ کتب درسیہ و رسائل عروض کو بہت تحقیق و تدقیق سے پڑھا تھا۔ ۶ء صہ ہوا انتقال کیا۔ یہ چند شعر اُنکے طبعزاد ہیں۔ رحمت

دل ہی نایاب بہت شوخیٔ جاناں کی قسم	ہدفِ تیر ہے جاں کاوشِ مژگاں کی قسم
طعنے اتنک ہیں کہ رُخ کی مرے کیا قدر تھیں	ہیں نے اک روز کہیں کھائی تھی قرآں کی قسم
تھا غمزہ تیر سے سے ہُوا اور تیز تر	بُرش میں تیغ کی ہے بہت دخل آہ کو
رحمت یہ عمر اور ورع خیر ہے تجھے	بٹا تو کیوں لگائے ہے عہد شباب کو
ابر بہار کی سی مجھے چشم تر ملے	جوں برق مضطرب مجھے یارب جگر ملے
تیر ہی کچھ یہ طور نرالا جہان سے ہے	ورنہ یہ رسم ہے کہ بشر سے بشر ملے

رحمت پنڈت گنگا پرشاد ولد پنڈت موتی لال کشمیری لکھنوی شاگرد حضرت امانت ۱۲۶۹ھ میں بوقت ترتیب تذکرہ سراپا سخن انکا عالم شباب تھا عرصہ ہوا قضا کر گئے۔ کلام ملاحظہ ہو:

ہم منہ کس طرح نہ دعا دیں اُٹھا کے ہاتھ
دیتا ہے جام پینے کو ساقی بڑھا کے ہاتھ

ملتا ہوں غم سے میں کفِ افسوس راہ میں
چلتے ہیں ساتھ غیر کے جب وہ ملا کے ہاتھ

اے غیرتِ مسیح ترا عشق لے گا جان
ہے موت میری اِس مرضِ لادوا کے ہاتھ

رحمت خوشی سے پاؤں نہ پھیلاؤں کس طرح
دیکھوں گلے میں اپنے جو اُس مہ لقا کے ہاتھ

رحمت حکیم حافظ محمد رحمت اللہ رحمت باشندۂ بنارس اوائل مشق میں برسوں خلیل الدین حسن ظاہر بنارسی سے اصلاح لیتے رہے پھر جب ۱۲۹۸ھ میں حضرت داغ حضور نظام کے ہمراہ بنارس گئے اُنکی خدمت میں حاضر ہو کر شرف تلمذ حاصل کیا۔ بڑے پُرگو کہنے والے ہیں کچھ تلامذہ بھی کر لیئے ہیں، دیوانِ غیر مطبوعہ تیار ہے، شعرگوئی میں اچھی مہارت ہے صفائی مضمون اور زبان کا خیال رکھتے ہیں، بندش بھی چست ہے، تعقید سے بھی احتراز کرتے ہیں الغرض بدرجہ اوسط تمام خوبیاں انکے کلام میں موجود ہیں۔

ہے اہلِ حشر کو بھی قصد کیا لبھانے کا
کیا جو وعدہ قیامت میں مُنہ دکھانے کا

ایک ہی جلوہ میں غش کھا کے گرے تم رحمت
کونسی بات یہ تھی دل کو سنبھالا ہوتا

میرے پہلو سے وہ اُٹھ کر چلدیئے
اور کیا بیتابیِ دل سے ملا

ہائے اب دل کھو کے پچھتاتا ہوں میں
کیوں کسی زہرہ شمائل سے ملا

ہونہو اس میں بھی کوئی چال ہے
وہ نہ جانے ہمسے کس دل سے ملا

لیکے آئے داغِ حسرت دل میں ہم
خوب تمغہ اُن کی محفل سے ملا

دوست دشمن کو پرکھیئے تو سہی
کون کس دل کون کس دل سے ملا

حق کا ملنا تو بہت آسان ہے
آدمی البتہ مشکل سے ملا

جان کر دوں اُنکے قدموں پر فدا
جب وہ سمجھیں گے کہ یہ دل سے ملا

تو نہیں ملتا جو مجھ سے کیا ہوا
نیر تو تیرا مرے دل سے ملا

سب ہوفا مشہور عالم میں ہوئے
بس یہ تم کو عہدِ باطل سے ملا

اب ہے رحمت ہاتھ دل پر کس لیئے
اور آنکھیں شوخ قاتل سے ملا

تیغ کھینچکر رہ گئی خنجر نکل کر رہگیا
آج قاتل مجھپہ کیوں تیور بدل کر رہگیا

دل سے کہتے تھے نکر ضبطِ فغاں نالہ نہیں
آپ اپنی آگ میں کمبخت جل کر رہگیا

سچ بتلا اے شمعِ محفل کس لیئے روتی ہے تو
یہ پڑی ہے راکھ کس کی کون جل کر رہگیا

جب اٹھائی یار نے روئے منور سے نقاب
کوئی غش کھا کر گرا کوئی سنبھل کر رہگیا

پا گیا اچھی جگہ لیتا نہیں جانے کا نام
دل مرا مٹھی میں اس بت کی مچل کر رہگیا

وحشتِ دل! مجھے گھر جانے دے
اے جنوں چھوڑ دے داماں میرا

کیا کہوں دل کے عوض کیا یہ صنم دیتے ہیں
رنج دیتے ہیں، الم دیتے ہیں غم دیتے ہیں

ہوا ہے دامنِ دل ٹکڑے ٹکڑے
کسی سے چاک یہ کیونکر سیئے جائیں

تری تصویر گر دیکھیں تو ہو وہ بیخودی طاری
نہ آئیں ہوش میں حورانِ فردوسِ بریں سجن

وقتِ زینت چھیڑنے پر میرے ہو ہو کر خفا
ہائے یہ کہنا کسی کا بال سلجھانے بھی دو

دل جگر مائل ہیں دونوں اسکی چشمِ مست پر
لطف ہے میکش بھی دو ہیں اور پیمانے بھی دو

حیا کیا کام ہے خلوت میں تیرا
ترا اس وقت میں آنا ستم ہے

عجب حال ہے اِس دلِ مضطرب کا
یہی رہنما ہے یہی راہ زن بھی

قیامت کے اے بت ہیں انداز تیرے
فدا جنپہ ہیں شیخ بھی برہمن بھی

موسمِ گل ہے یہ حسرت ہے مجھے ای ساقی
توبہ توڑوں ترے ٹوٹے ہوئے پیمانے سے

یقیں تیری باتوں کا کیونکر نہ کیجئے
کہ برسوں سے وعدہ وفا ہو رہا ہے

سب طرح آج تم سنورتے ہو
ہیں ارادے کہاں کے جانے کے

درد سینے میں لب پہ آہ و فغاں
یہ نتیجے ہیں دل لگانے کے

بتاؤ تو میری یا مدعی کی
جو دل سے دوستی نبھی دشمنی کی
زمانے کے ہوئے ارمان پورے
کہو تو کیا یہی لازم تھا تمکو
وہ مہرو فاتحہ پڑھنے جو آیا
عدو سے حالِ دل خود کہہ رہا ہوں
سنبھالے دلکو اپنے خاک ناصح
کہو تو کیوں ہے یہ بنا سنورنا
خدا کی یاد بھی کچھ کرلو رحمت
عدو کے نام سے انکو پیام بھیجا ہے

بتو تمکو بھی الفت ہے کیسی
کوئی امید رکھے کیا کسی کی
مگر نکلی نہ حسرت میرے جی کی
ہمارے دشمنوں سے دوستی کی
چڑھی مرقد پہ چادر چاندنی کی
بری ہوتی ہے حالت بیخودی کی
طبیعت ہو جو بے تابو کسی کی
مریجاں جان لوگے کیا کسی کی
بہت تم نے بتوں کی بندگی کی
جو کر گئے تو مزا ہوگا دل لگی ہوگی

یہاں کے مرنے والے بھی مزا پاتے ہیں جینے کا
محشر کا نمونہ وہ بتِ ہوش ربا ہے
یعنی تو ہر اک شخص کی جاں اسکی ادا ہے

کہیں فردوس سے بڑھکر زمینِ کوئے قاتل ہے
انداز قیامت کے ہیں قیامت کی ادا ہے
بدنام مگر مفت زمانے میں قضا ہے

رحمت

رحمت محمد رحمت اللہ خلف حافظ محمد عبد اللہ خاص بلند شہر کے متوسط الحال باشندوں میں سے ہیں عمر تقریبًا ۲۸ سال ہے مذاقِ شعر اگرچہ جدید ہے مگر دو چار سال ہی کی کثرتِ مشق سے قریبًا پرگو کردیا ہے منشی سید محمد ناظر حسین صاحب ناظر سکندر آبادی ملازم ریاست ٹونک کے شاگرد ہیں اور مدرسۂ اسلامیہ بلند شہر میں مدرس ہیں۔ کلام درج تذکرہ ہے *

جو آئی تیرے آنیسے وہی رونق تھی محفل کی
ستمگر مجھ سے لیکر کیوں اسے پامال کر ڈالا
دلِ ناشاد کی میرے نہ سمجھی قدر کچھ تم نے
اِک نقطۂ کن سے کی ہے معمور بزم عشرت

اٹھا جو تیرے جانے سے وہی تو رنگ محفل تھا
بڑے نازوں کا پروردہ یہ مجھ ناشاد کا دل تھا
یہ گلدستہ نظر کے سامنے رکھنے کے قابل تھا
دو حرف سے ہے ظاہر سب کچھ کمال تیرا

سبزۂ خط ہو چلا آغاز کیوں حیراں ہو تم ۔۔۔ بیٹھنے والا ہے اب ہالے کے اندر آفتاب
اسکے سایہ سے بچا ناچو رہے لے باغباں ۔۔۔ صاف اُڑوا لیجائے گا رنگ گلِ تر آفتاب
ہو کے کاہیدہ دبے اندوہ سے شکلِ ہلال ۔۔۔ یار کے بدلے ہوئے تیور جو دیکھے آفتاب
ہوش و حواس کیا ہوئے عشاق سے نہ پوچھ ۔۔۔ بیخود ہوئے ہیں جلوۂ دیدار دیکھکر
دلمیں کھٹک رہا ہے سرِ خار آرزو ۔۔۔ اسکو نکال دیجیے بہت بیقرار ہوں
کہا جب آپ اپنی آفتِ جاں ہوتے جاتے ہیں ۔۔۔ تو فورًا ہنسکے فرمایا کہ ہاں ہاں ہوتے جاتے ہیں
غضب کرتے ہو تم اُبھرا ہوا جوبن دکھاتے ہو ۔۔۔ دلِ رحمت میں پیدا اور ارماں ہوتے جاتے ہیں
جوبن اُبھر کے کہتا ہے اُنکا شباب میں ۔۔۔ تم لاکھ رکھو میں نہ رہوں گا حجاب میں
کرتے ہو آج شیخ جی ہمکو نصیحتیں ۔۔۔ کیا کیا کیا نہ ہوگا تمھیں نے شباب میں
جہاں میں رسمِ سحر اُس آنکھ کے کاجل نے نکلیگی ۔۔۔ یہ عالمگیر ظلمت نور کی مشعل سے نکلیگی
یوں چاند سے تو بڑھکے ہی ہوں اُس سے سوا ہی ۔۔۔ اُس میں کوئی انداز نہیں تجھ میں ادا ہے
اقرار یہ تم وصل کا کرتے تو ہو لیکن ۔۔۔ مانع نہ ہو وہ - شرم سے بھی پوچھ لیا ہے
جب اُن سے کہا لینے دو زلفوں کی بلائیں ۔۔۔ کس ناز سے بولے کوئی دیوانہ ہوا ہے
کیا پوچھتے ہو عشق میں مشہور ہے رحمت ۔۔۔ ہاں جان بھی دیدیگا وہ - دل دے ہی دیا ہے

رحمت

رحمت تخلص نام تاریخی ظفر علی مشہور محمد رحمت اللہ خلف شیخ عبد اللہ خان نقشہ نویس میرٹھ اصلی وطن ابتدائی تعلیم و تربیت دلی میں پائی۔ عربی فارسی بقدر ضرورت مولوی شاہ محمد عبد الحکیم صاحب صدیقی المتخلص بہ جوش حکیم سے پڑھیں اور انھیں سے فن شعر میں تلمذ حاصل کیا شعر میں روزمرہ کے دلی جذبہ کا مطلب بآسانی ادا کر لیتے ہیں پہلے میونسپلٹی غازی آباد میں کلرک تھے فی الحال ایکاؤنٹنٹ آفس میرٹھ میں ہیڈ کلرک ہیں انتخاب کلام یہ ہے-

اِدھر پہلو سے وہ اُٹھا اُدھر پہلو میں درد اُٹھا ۔۔۔ جفا پیشہ جسے سمجھے تھے وہ آرامِ جاں نکلا
ہوا گھٹ گھٹ کے دلمیں خون ارمان و تمنا کا ۔۔۔ نتیجہ تجھ سے گر نکلا تو یہ ضبطِ فغاں نکلا

دن کو رو رو کے روز شام کیا
شام کا پر نہ کوئی کام کیا
حیف دو روزہ زندگی کے لیئے
ہمنے کیا کیا نہ اہتمام کیا
یہ تو کہیئے کہ آپنے رحمت
کچھ وہاں کا بھی انتظام کیا

ستارا اوج پہ ہی بخت ہے رساول کا
کہ آج پوچھتا ہے حال بے وفا دل کا
نہ تھے ملتے دہ ہینے اذیتیں شب روز
برا کیا جو کہا ہمنے کر دیا دل کا
وہ گئے بھی تو خفا بیٹھے بھی تو چین نہیں
بہار میں بھی نہ غنچہ مرا کھلا دل کا
یہ کیا خبر تھی کہ ہو جائے گا وہ ہٹیلا اور
برا کیا جو کہا اُس سے ماجرا دل کا
خدا جانے وہاں پہ ہو وہ کیا سامان دلچسپی
کہ آتا ہی نہیں واپس گیا شہر خموشاں کا

کون کہتا ہے کہ وہ دل لیگیا دل لے گیا
دل تو ہے پہلو میں پر کیا جانے کیا جاتا رہا
عشق میں اُس چشم میگوں کے بہت بہکے تھے ہم
اُتر شر وجب وہ ہوا سارا نشہ جاتا رہا

خوشبام رہیے اپنی ہستی پہ
قہقہہ سنکے رات بوتل کا
بیفائدہ کرتا ہی یہ تعریف جنانکی
واعظ نے ابھی کچھ پہ بیان نہ سمجھا

سب سے موافقت کریں اپنا یہ فرضِ عین ہے
لائے کسی کو رو برو دورِ زماں کو کیا غرض
آپکو جب مٹا دیا جیتے ہی جی۔ تو بعدِ مرگ
سنگ لحد لگائیں کیوں نام و نشاں کو کیا غرض
یار کے بزمِ عیش میں بار ملے۔ تو کس لیئے
چھوڑ کے سنگِ آستاں جائیں جناں کو کیا غرض
جبکہ بہارِ باغِ عمر رہگذرِ فنا میں ہو
نکلے چلے تباؤ کیوں بادِ خزاں کو کیا غرض
جہاں کی عارضی راحت کا کھل گیا عقدہ
ہنسی کے ساتھ جو آنسو بھر آئے آنکھوں میں
دردِ مرضِ عشق جو ٹلجائے تو جانیں
یہ پھانس کلیجے سے نکلجائے تو جانیں
دشوار ہے اُس زلف کے پھندے سے نکلنا
سر سے یہ بلا اپنے جو ٹلجائے تو جانیں
کر فصلِ بہاری میں کرم اتنا تو صیاد
لٹکا دے قفس ہی کو مرے صحنِ چمن میں

دونوں میں ایک نور کا پرتو ہی جلوہ گر
اپنے حساب ذرّہ ہو یا آفتاب ہو
مقتل میں تشنہ کامِ شہادت ہوں شوق سے
قاتل پلا دے گر ترے خنجر میں آب ہو

کہاں سے لاؤں اتنے دل خدایا	ادا ہر ایک اُسکی دلستاں ہے
بگڑنے کا سبب پوچھا تو بولے	ہمیں چاہا یہ کچھ تھوڑی خطا کی
ایک ہی پردہ کے اُٹھنے سے ہوئے بیخود کلیم	سامنے بے پردہ وہ آئے تو کیا ہونے لگے

رحمت۔ منشی محمد رحمت اللہ رحمت برادر خورد مہر نادر علی بہتر غازی پوری تناگرد رشید حضرت ظہیر دہلوی، حالات باوجود کوشش نہیں ملے مجبوراً صرف کلام درج کردیا گیا ۔ ت

آئے ہیں دن شباب کے رحمت کیواسطے	اسکو اُٹھا رکھو نہ قیامت کیواسطے
جنت سے کیا غرض ہمیں کوچہ میں آپکے	دو گز زمین مل گئی تربت کیواسطے
گل شمع کے اُدھر ہیں ادھر داغ دل مرے	اچھی بہار آئی ہے تربت کیواسطے
پورا ہوا نہ وعدہ فردا کسی طرح	کیا کیا دلائے اُنکو قیامت کیواسطے
بولے وہ عرض حال پہ جھنجھلا کے اسطرح	نہ کر رکھو اسے تو قیامت کیواسطے
یارب بتوں کو رحم بھی دینا ضرور تھا	سیرت بھی ہونی چاہیئے صورت کیواسطے
رحمت کسی کے نقش قدم کو نہ چھوڑنا	تعویذ کوئی چاہیئے تربت کیواسطے

رحمت۔ مولوی رحمت علی صاحب فرسٹ اورنیٹل ٹیچر مدرسہ سرکاری ڈیرہ غازیخان دَور موجودہ کے شاعر اور بڑے زود فکر اور پُرگو ہیں ابتدائی چند غزلیں حضرت داغ مرحوم کو دکھائی تھیں مگر ہنوز مشق سخن پختگی کو نہ پہونچی تھی کہ اُنکا انتقال ہوگیا۔ اُس وقت سے بطور خود کہتے ہیں زیادہ تر طرز جدید میں طبع آزمائی کرتے ہیں، کلام رسالوں میں شائع ہوتا رہتا ہے چالیس پچاس برس کا سن ہے، ایک ضخیم مثنوی موسومہ ''وفائے رحمت'' بطور تاریخ ہندوستان و انگلستان جشن تاجپوشی کی تہنیت میں شائع کرا چکے ہیں اُس سے اُنکی کثرت مشق کا اندازہ ہوسکتا ہے شعر کا مذاق بھی بُرا نہیں۔ جو کلام ہم پہنچا اُس کا انتخاب درج ذیل ہے۔ ت

ہندوستاں کے ہم ہیں ہندوستاں ہمارا	کہنے کی بات ہی یہ ہے یہ کہاں ہمارا
رہتے ہیں دیس میں یوں پردیس میں ہیں گویا	ہے یہ زمیں ہماری نے آسمان ہمارا

جو زندگی میں اپنی آیا نہ کام یارو! | کیا قبر پر وہ ہوگا پھر نوحہ خواں ہمارا
ہوتی منافرت کم جو اک زبان ہوتی | شاید بنے وسیلہ اُردو زباں ہمارا
ہم جان جانتے ہیں تم غیر جانتے ہو | حالانکہ جانتا ہے تم کو جہاں ہمارا

قطعہ

ایک کے ہیں تو ایک ہو جائیں | ایک ہی کے جہاں ہیں دونوں
نہ سہی رشتہ یہ تو رشتہ ہے | ایک گھر میہمان ہیں دونوں
رستے دو ہیں الگ مکینوں کے | اک گلی میں مکان ہیں دونوں
وہ ہمارے نشانِ ہم گویا | بیکسی کے نشان ہیں دونوں
کر کے باہم لڑائیاں جھگڑے | ہو گئے ناتواں ہیں دونوں
پیس ڈالیں گے پاٹ چکی کے | یہ زمیں آسماں ہیں دونوں
گو رہیں دور راز تو اک ہو | جیسے دل اور زباں ہیں دونوں
آئیں آپس میں فیصلہ کرلیں | مفت کیوں دیتے جاں ہیں دونوں
مل کے ہم دونوں یکجاں ہوں اگر | پھر تو اپنے جہان ہیں دونوں

رحمتی

رحمتی۔ کنور سکھراج بہادر رئیس اعظم و میونسپل کمشنر عظیم آباد و پٹنہ۔ کنور صاحب موصوف کنور ہیرالال صاحب ضمیر مرحوم خلف الصدق راجہ پیارے لال اُلفتی دہلوی کے فرزند رشید تھے شعر و سخن سے طبیعت کو لگاؤ تھا آپنے ۱۸۷۰ء متعدد مشاعرہ پٹنہ میں کیئے۔ ذی مروت صاحب اخلاق اور لئیق رئیس تھے اور شعرا کے بڑے قدردان تھے، اُردو و فارسی دونوں زبانوں میں مشق سخن کرتے تھے۔ کنور صاحب موصوف کے دادا راجہ پیارے لال جو قوم کے کایستھ تھے شاہ عالم ثانی کے عہد میں دہلی چھوڑکر عظیم آباد میں قیام پذیر ہوئے تھے، عرصہ ہوا انتقال کر گئے، اِسکے کلام کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

جب آپ ہی کو پاس نہیں رسم و راہ کا | کیا فائدہ جو ہو بھی ارادہ نباہ کا
جب سلسلہ جنباں یہ تری زلفِ سیاہ ہو | عاشق ترا کس طرح نہ زنجیر بپا ہو

ملکا کر گئے ہیں جیسا اپنی زلفِ شبگوں کو — بلائیں آرہی ہیں میرے سر پر دیکھتے جاؤ
کرنے کے لیئے دعائے قاتل — زخموں کا کھلا دہن ہمیشہ

رحیم — مرزا رحیم بیگ رحیم شاہ جہاں آبادی الاصل ولد میرزا امیر بیگ، امروہے میں رہتے تھے حکیم بو علی خاں کے مطب میں اور محمد بخش نادان کے شعر و سخن میں شاگرد تھے پہلے شرر تخلص تھا ۱۲۹۸ ہجری میں حسب فرمایش حکیم احسن اللہ خاں قصص الانبیاء کو نظم کیا تھا ۱۲۹۹ میں حیات تھے شعر و سخن کا مذاق شستہ تھا فارسی شعر بھی خوب کہتے تھے۔ چند غزلوں کا انتخاب حسبِ ذیل ہے

دو دل ہیں کس کسکو کہ اک جان کے خواہاں ہیں بہت — غم جدا، فکر جدا، درد جدا، یار جدا
خدا جانے کہ وقتِ ذبح کیا اندازِ قاتل تھا — کہ نعرہ ہے لب ہر زخم سے اللہ اکبر کا
جو لکھتا ہوں بیاں اپنے دلِ بیتاب و مضطر کا — تڑپتا ہے برنگِ نبضِ عاشق تار مسطر کا
بل بے گرمی آبلوں کی آب کیا تیزاب تھا — پاؤں پڑتے ہی مرا خارِ بیاباں جل گیا
کہنے ہی کی بات ہے کہنے دو لاکھ تو کوئی — مجھسا عاشق دیکھکر، معشوق تجسا دیکھکر
پسِ مردن بھی ہم بار ندامت ہیں چلے سر پر — کہ اُڑکے خون کے چھینٹے پڑے داماں قاتل پر
ابتک تو ہجر میں ہیں فقط تن پہ کھائے گل — تقدیر دیکھیں آگے کو کیا کیا کھلائے گل
ایک سینہ ہے رو کے کس کسکو — تیر کو، تیغ کو، کہ خنجر، کو

رحیم — محمد عبد الرحیم خاں رحیم باشندہ پٹنہ حضرت داغ دہلوی سے اصلاح لیتے تھے اور پندرہ سولہ سال ہوئے اجمیر کے آڈٹ آفس میں اکونٹنٹ تھے، اُسکے بعد کا کچھ حال معلوم نہ ہوا۔

پڑ گیا شاید کچھ اُسپر میری قسمت کا اثر — ہے دگرگوں رنگ ہر دم عالم ایجاد کا
آج پھر وعدہ کیا ہے وصل کا کل کیطرح — دیکھئے اللہ مالک اب ہی انکی یاد کا
شاعری کو فخر حاصل ہے جناب داغ سے — مدعی پڑھنے لگے کلمہ مرے استاد کا
انکو جب مجھسے کچھ نہیں مطلب — پھر وہ کیوں امتحان لیتے ہیں
انکا اک کھیل ہے اعجاز مسیحا کیسا — بات کی بات میں مُردے کو جلا دیتے ہیں

نیک بندے ہیں خدا کے آپ تو — شیخ صاحب آپکی کیا بات ہے
مگر یہ تیر لگانا جتا جتا کے مجھے — ستم کے لطف بتیں آئیں یہ جفا کے مجھے
تمام عمر اُٹھاؤں نہ میں جبین نیاز — ملیں نشان اگر تیرے نقش پا کے مجھے
نہیں بیوجہ وہ مجھسے کھینچے ہیں — عدو نے کچھ نہ کچھ اُن سے جڑی ہے

رحیم منشی بگو خان خلفِ باری خاں زمیندار مرزا پور ضلع قنوج ۱۸۸۶ء میں قصبۂ قنوج سے انھوں نے ایک شعر و سخن کا گلدستہ پیام عاشق نامی جاری کیا جس میں گرد و نواح کے شعرا کے علاوہ کبھی کبھی اُستادوں کا کلام بھی درج ہوتا تھا عطر کا کارخانہ بھی اُسکے ساتھ تھا۔ دس بارہ برس جاری رہکر وہ رسالہ بند ہوگیا۔ طبیعت دار شخص تھے زیادہ حال معلوم نہ ہوسکا۔ کلام یہ ہے

اگر پاکباز آئینہ ہے تو کیا ہے — ترے پاس مطلب ہی کیا ہے کسی کا
تم اپنے ہاتھوں سے بدنام خود ہی ہوتے ہو — یہ کیا کہ نام مرا سُن کے سر جھکا دینا
ہماری موت کو بھی ہائے نیند سمجھے ہیں — وہ بھولے پن سے یہ بولے اسے جگا دینا
لال غصہ میں جو اسکے رخ جاناں کب تھا — چاند تھا چودھویں کا مہرِ درخشاں کب تھا
آتے آتے رہگیا وہ مہ جبیں بالائے بام — کیا چمک کر رہگیا اختر مری تقدیر کا
ایک بوسہ کا ہوں طالب لفکا ہوں شیفتہ — سمجھے اب مطلب مری اُلجھی ہوئی تقریر کا
دل بہلنے کا نہیں حوران جنت میں رحیم — مرگئے پر بھی تصور ہے بتِ بے پیر کا
نگہ پھیرو نہ تم لعنت کو بڑھا کر — گلا کاٹو نہ یوں ملکر کسی کا
ایک کروٹ بھی نہ بدلی صبح تک اللہ ری نیند — آپ کا سونا مگر میرا مقدر ہوگیا

ضعف سے جان بھی اپنی ہی گرانبار مجھے — بوجھ ہے سینکڑوں من کا بدن زار مجھے
آنکھ کمبخت سے ڈر رہتا ہے ہر بار مجھے — کہیں رسوا نکرے حسرتِ دیدار مجھے
تو مری جان ہے اور جان ہے ہر اک کو عزیز — کوسنا اب نہ خبردار خبردار مجھے
جب کہا میں نے اُٹھا کے نہیں جلتے ہیں ستم — بولے جھنجھلا کے تو پھر کرتے ہو کیوں پیار مجھے

وہ مجھ سے کہتے ہیں غصہ میں جان جائے تری
میں کہہ رہا ہوں مگر جان تو بچے تو میری

روٹھ کر چل تو دیئے ہیں مگر اب حال یہ ہے
راہ تکتے ہیں کہ پھر ہم کو بلا لے کوئی

رحیم — منشی رحیم بخش ٹھیکہ دار انار کلی لاہور۔ آپ کو حضرت بیان ویزدانی رئیس میرٹھ کے فیض صحبت سے شعر و سخن کا شوق ہوا، اور اُنھیں کی خدمت میں زانوئے تلمذ تہ کیا۔ ۱۸۹۹ء میں لاہور کے مشاعروں میں شریک ہوا کرتے تھے۔ یہ کلام کا خلاصہ ہے۔

پروانہ میرے جلنے کی اُس شمع رو نے کی
کیا موم دل تھی شمع دل اُس کا پگھل گیا

گلزار آگ کیسے ہوئی تھی خلیل پر
دل اپنا کیسے آتشِ ہجراں سے جل گیا

بہارستانِ داغِ دل ہے موسم تیر باراں کا
گلِ داغِ جگر پھر کھل رہا ہے غنچہ پیکاں کا

نہ سیکھا ڈھنگ اب تک نالہائے گرم کا میرے
سبق گو میں نے بلبل کو دیا برسوں گلستاں کا

ہوں وہ عاصی کہ ہے فیض ایک جہاں پر اپنا
ابر رحمت ہوا دامن جو ہوا تر اپنا

گو ترے عشق میں غارت ہوا برباد ہوا
نہ ہوا پر نہ ہوا دل میں ترے گھر اپنا

خوف ہے گرمیِ خورشید قیامت کا کسے
تیرے دیوار کے سایہ میں ہے بستر اپنا

زندگی بھر جہاں میں ہے بشر کی ایسی
بلبلا پانی میں جس طرح اُٹھا بیٹھ گیا

پھول نقشِ پا ہوئے جب وہ خراماں ہو گیا
جس روش پر وہ چلا رستہ گلستاں ہو گیا

داغِ دل گل بن گئے سینہ گلستاں ہو گیا
شاخ ناوک ہو گیا اور غنچہ پیکاں ہو گیا

مر گئے ہیں ہم خیالِ دیدۂ مخمور میں
چاہیئے تربت ہماری سایۂ انگور میں

ایک موسیٰ تھا وہاں یاں سینکڑوں غش ہو گئے
ہے تفاوت شمع رُو میں اور چراغِ طور میں

میں ہوں یا زاہد ہو دونوں ایک ہی سے ہیں تباہ
میں فراقِ یار میں اور وہ فراقِ حور میں

رحیم — مولوی سید محمد عبد الرحیم شاہ خلف مولوی سید حبیب اللہ شاہ نام کنجپورہ وطن بتقاضائے شوقِ طبعی صاحبِ دیوان اور کلام میں جا بجا مذاقِ سلیم کی جھلک پائی جاتی ہے، چند اشعار ہدیۂ ناظرین ہیں ❖

رحیم

رحیم

رتبہ اپنا اب زمیں پر آسماں سے کم نہیں — دل میں نقشہ کھنچ گیا ہے چاند سی تصویر کا
شبِ ہجراں کو موت آئے تو روزِ وصل پیدا ہو — الم نکلے تو رستہ ہو خوشی کے دل میں آنیکا

بام پر سے منہ رخِ یار کا جلوہ دیکھا — سحر آنکھوں کا نگاہوں کا کرشمہ دیکھا
چشم تر، خاک بسر، چاک گریباں دلِ زار — عشق کا ہم نے یہ دنیا میں نتیجہ دیکھا
اب جو مٹھائی سے مکرنے کا نتیجہ کیا ہے — دلکو مٹھی میں چھپا رکھا ہے دیکھا دیکھا
وصل کی شب میں ترقی ہوئی ارمانوں کی — حوصلے بڑھ گئے جب یار کو تنہا دیکھا
افسوس کہ بالیں پہ اجل آ ہی پکاری — آیا نہ عیادت کو مگر یار ہمارا
کل تلک داغ کلیجہ پہ نظر آتا تھا — آج اُس داغ میں ناسور ہوا خوب ہوا
مجھ مریضِ عشق کو تو نے اگر اچھا کیا — نام تیرا بھی مسیحائے زماں ہو جائیگا
ترک کروں تاجِ شاہی سر پہ میں اُسکے مقابل میں — اگر مجھکو میسر آئے تکیہ اُسکے زانو کا
سر سے عدو کے رشک کے شعلے نکل گئے — مہندی لگا کے پاؤں میں نکلے جو گھر سے آپ
فرقتِ یار میں مر جائیں گلا کاٹ کے ہم — ملک الموت کا دیکھا کریں رستہ کب تک
آنکھ کا لگنا برا ہوتا ہے دیکھا تو نے — اب بھلا رات کو ہم رہتے ہیں بیدار کہ تو

رخشاں

رخشاں۔ عالیجناب نواب ضیاء الدین احمد خان بہادر مرحوم جاگیردار ریاستِ لوہارو خلف اصغر فخر الدولہ نواب احمد بخش خان والی ریاستِ فیروزپور۔ نواب احمد بخش خان نے اپنے حینِ حیات بڑے لڑکے شمس الدین احمد خاں کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا اور پرگنہ لوہارو جو مہاراجہ الور نے بطور انعام دیا تھا اپنے چھوٹے صاحبزادوں امین الدین احمد خان اور ضیاء الدین احمد خان کو بطور مددِ معاش دیدیا تھا۔ چند سال بعد نواب شمس الدین احمد خان کی حرکاتِ زبوں کے باعث ریاستِ فیروزپور ضبط سرکار ہوئی مگر ریاستِ لوہارو بحال رہی نواب صاحب ممدوح نواب اسد اللہ خاں غالب سے علاوہ قرابتِ قریبہ کے سلسلۂ تلمذ رکھتے اور اُنکے خلیفہ اول تھے، انتظامِ ریاست شروع سے نواب امین الدین خاں کے سپرد رہا اور

انکی وفات کے بعد آپکے بلند نام صاحبزادے نواب علاؤ الدین خان مسند نشین ہوئے اور نواب ضیاءالدین خان صرف جاگیروار نسلاً بعد نسلٍ تصور کیئے گئے، نواب صاحب کو روساء شاہجہاں آباد میں نہایت ذی اقتدار اور بارسوخ تھے۔ انکی اعلیٰ خاندانی ذاتی شرافت اور علم و فضل کیوجہ سے حکام وقت اِن پر خاص توجہ مبذول فرماتے تھے نواب صاحب اعلیٰ درجے کے سخن سنج اور سخن فہم اور تاریخی معلومات کا سرچشمہ مانے جاتے تھے۔ اور بڑے غیور اور پابند وضع رئیس تھے۔ بلوۂ غدر کے بعد انکی ذات والا صفات دہلی میں غنیمت سمجھی جاتی تھی، چنانچہ جو شخص کسی فن کا ماہر یا کامل دہلی آتا تھا تو آپکے فیض صحبت سے ضرور مستفید ہوتا تھا، علم تاریخ سے نہایت ذوق رکھتے تھے چنانچہ جس وقت الیٹ صاحب سکرٹری گورنمنٹ ہندنے اپنی ضخیم تاریخ ہند مرتب کی تو فراہمی حالات و تواریخ قدیم میں نواب صاحب نے بڑی امداد کی، فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں گاہ گاہ فکر سخن فرماتے تھے، اردو میں رخشاں اور فارسی میں نیّر تخلص کرتے تھے ۱۳۰۲ھ میں انتقال فرمایا اور درگاہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رح واقعۂ مہرولی میں دفن ہوئے تاریخ وفات مولوی رضی الدین خان دہلوی نے جو سلسلۂ حضرت امیر پنجہ کش خوشنویس میں ایک بے بدل خوشنویس تھے صوری ومعنوی تاریخ کہی ہے اور بہتل مادہ ہے جس پر مصرع مولانا حالی نے لگائے ہیں وہو ہذا

چون ضیاءالدین احمد خان رشید	رخت از دنیا سوئے دارالسلام
گفت ہاتف بارضی سال وفات	روز شنبہ سیزدہ شہر صیام

۱۳۰۲ھ

حضرت نیر رخشاں کا کلام متانت سے پر۔ عالمانہ مذاق سے معمور ہے اپنے استاد والاقدر کے تلمیذ رشید تھے، چنانچہ کلام میں بھی انھیں کی طرز کا اتباع ہے اِنکی اور اِنکے خاندان کی زبان دہلی میں مستند مانی جاتی ہے۔ پاکیزہ اور نازک خیالات کی بندش خاص انھیں کا حصہ ہے کاش نواب احمد سعید خان صاحب طالب کہ خود بھی اعلیٰ درجے کے شاعر ہیں اپنے والد مغفور کا کلام چھپوادیں تاکہ نواب صاحب مرحوم کی پُرفیض زندگی کی معنوی یادگار

ہوا اے گئے کہ جیسے صاحبزادے نواب شہاب الدین احمد خاں کا انتقال آپکی حیات ہی میں
ہو گیا [illegible] بیٹے جناب سائل دور موجودہ کے مشہور کہنے والوں میں ہیں۔

مشغول نہیں ہے برق و سموم کوشرار کا — رکھتا ہے حکم جلنے میں عاشق چنار کا
جب اپنے شغل سے دلِ خونیں نہ باز آئے — پھر کیا گناہ دیدۂ خونابہ بار کا
آنکھوں میں بوالہوس کی کھٹکتا ہوں شاخِ خار — احسان ہے یہ مجھپہ مرے جسمِ زار کا

سر پیٹے، سینہ کوٹے، کہ فہوس میں سطے
عاشق کو ہاتھ چاہئیں ناچار چار چار

زہے سربلندی شہیدِ وفا کی
گر اس در پہ سر ہو چڑھانے کے قابل

جب چاہو آؤ دل میں کہ ہی آپکا مکان
یہاں خوفِ شحنہ و خطرِ پاسبان نہیں

گر انتہا نہیں ستم و جورِ یار کی +
شوقِ زیادہ جو کو مرے بھی گراں نہیں

حیرت میں ہوں کہ نوکِ مژہ نیشتر مثال
کھبتی ہے گر جگر میں تو کیوں خونچکاں نہیں

ہر دو ست صدق دشمن و دشمن دروغ دوست
کیا رشک صلح جس میں صفا درمیاں نہیں

نکلے آنکھوں سے وہیں جذب ہوئے دامن میں
بجز اشکوں کے کوئی گوہرِ نایاب نہیں

جتنے ہو نغمہ سرا اُتنے ہی خونریز بھی ہو
چھیڑ نشتر کی چلی جائے جو مضراب نہیں

کعبے کو دیر سے چلے سنکر شراب ہیں
مستوں کو کیا تمیز عذاب و ثواب میں

دار القضا کہاں رہی میخانہ بن گیا
ہیں مست جمع محکمۂ احتساب میں

پیری و مفلسی میں نہ لو نام مے کہ اب
لطفِ ارتکاب میں نہ اجرِ اجتناب میں

پیکے گرنے کا ہے خیال ہمیں
ساقیا لیجیو سنبھال ہمیں

شب نہ آئے جو اپنے وعدے پر
گزرے کیا کیا نہ احتمال ہمیں

تیرے غصے نے ایک دم میں کیا
مُردۂ صد ہزارہ سال ہمیں

دل میں مضمر ہیں سینے باقی
کسی صورت نہیں زوال ہمیں

طالع بد سے نیّرِ رخشان
اپنے ہی گھر میں ہے وبال ہمیں

کیا پہنچے تو فرشتہ کا جس جا گذر نہ ہو
بیت الصنم ہے شیخ خدا کا یہ گھر نہ ہو

چل کر خرامِ ناز سے برپا کرے وہ حشر
گر با زپرس کا اُسے خوف و خطر نہ ہو

رخشاں جو آتے آتے ابھی رُک گئے ہیں اشک
آنکھوں میں آ گیا کوئی لختِ جگر نہ ہو

کرکے نومید ہمیں قتل سے پہلے یکسر
خون رُلوا چکے کیا خون کا دعویٰ کیجے

بعد اک عمر جو آئے تو خجل ہوں کیونکر
آنکھیں پتھرائی ہوئی اُنکی تہِ پا کیجے

ہے تصور مرا اُس خاطرِ نازک پہ گراں
جتنا ہو اپنے کو ہر غم سے گھُلایا کیجے

نقش بر سنگ ہے وحشیان اپنا تمھارے دل پر
خوش ہوں مٹنے کا نہیں لاکھ مٹایا کیجے

بوالہوس اور بھی مرنے کی کرینگے خواہش
لیکے گل قبر پہ رخشاں کی نہ آیا کیجے

چاک یکسر مرا گریباں ہے
دل کا محضر مرا گریباں ہے

لاغری میں بریدہ ناخن سے
مختصر تر مرا گریباں ہے

رات سینہ سے سینہ کس کا ملا
کہ معطر مرا گریباں ہے

سینہ کا چاک کرنا سکھلایا
میرا رہبر مرا گریباں ہے

رخشاں منشی خیرات علی خاں رخشاں باشندۂ فرخ آباد ۱۲۶۹ھ میں تذکرہ سراپا سخن کی ترتیب کیوقت حیات تھے، غالباً منیر شکوہ آبادی سے تلمذ تھا۔ اں

گردش میں ایسے آ گئے مجھ بیوطن کے پاؤں
پھرنے سے باز رہ گئے چرخِ کہن کے پاؤں

عکسِ شفق ہے پائے بلوریں میں اے پری
مہندی لگی نہیں ہیں عقیقِ یمن کے پاؤں

کیونکر اُٹھائیں رنگِ حنا کے وہ بار کو
نازک زیادہ گل سے ہیں اُس گلبدن کے پاؤں

ہے بعد مرگ بھی یہی رخشاں کو بے کلی
اندر کفن کے ہاتھ ہیں باہر کفن کے پاؤں

رخشاں ۔ محمد عزیز الدین صاحب رخشاں آپ قاضی محمد حسام الدین آزردہ ساکن قدیم قصبہ چیور ضلع بلند شہر کی اولاد میں سے ہیں۔ کارخانۂ تجارتِ نیل کی بدولت قاضی محمد رفیع الدین انکے جدِ امجد نے خاصا نام پایا ۱۸۸۲ء سال پیدایش ہے، اپنے ماموں حکیم منشی فضل احمد ان

سکونت ٹونک ہے۔ فارسی انگریزی شروع کی، فارسی کی تحصیل تو معمولی تکمیل کو پہنچ گئی۔ سترہ برس کی عمر میں اردو میں مڈل پاس کر کے آپ نے شعر و سخن کا شوق کیا۔ اِس زمانے میں ارمغان نام ایک گلدستہ حضرت احسان شاہجہاں پوری کے زیر اہتمام نکلتا تھا چنانچہ آپ حضرت احسان شاہجہانپوری کے شاگرد ہو گئے۔ پہلے رسوا تخلص تھا پھر بہ تجویز استاد رخشاں تبدیل کر لیا۔ ۱۹۱۰ء میں عدالت جمی گوالیار میں مولانا مقصود حسن حیرت کے نائب مترجم پندرہ بیس غزلوں کا جو ارسال کی تھیں مندرجۂ ذیل خلاصہ ہے۔

لے لیا جو بوسہ میں نے بندہ پرور کیا ہوا
پیار میں لب رکھ دیئے پیارے لبوں پر کیا ہوا

پہلے جس پر اک نظر پڑتی تھی ہوتا تھا نثار
وہ کرشمہ تیرا اے چشمِ فسونگر کیا ہوا

حضرتِ موسیٰ نے غش کھایا تھا جسکو دیکھکر
اے صنم وہ جلوۂ روئے منوّر کیا ہوا

یہ مریضِ عشق سے کہنا کسی کا وقتِ نزع
زندگی کیوں ہو رہی ہے تمکو دوبھر کیا ہوا

لیکے دل جب آپ نے عشاق کو بوسے دیئے
آپ کا احسان پھر کہیئے کسی پر کیا ہوا

دیکھ لی اپنے سے بڑھکر مہِ کنعاں کی شبیہ
اب حسینوں میں کبھی نام نہ لینا اپنا

اے شہِ حسن فقیروں کو بھی خیرات ملے
دیدے اک بوسۂ رخسار ہی صدقہ اپنا

تمنے خوش ہو کے دیا تھا تو لیا تھا ہمنے
دیکھے ناخوش ہو تو اب پھیر لو بوسہ اپنا

قیامت کو دکھاوے گا اثر جب سوزِ پنہاں کا
جہنم کو جلا دیگا شرارہ آہِ سوزاں کا

خیال آتا نہیں یارب وفائے عہدِ پیماں کا
بُت کافر پہ سایہ پڑ گیا کس نامسلماں کا

عبادت میں بھی رہتا ہے تصوّر حور و غلماں کا
خدا ہی ہے نگہباں شیخ تیرے دین و ایماں کا

خموش اے واعظِ ناداں یہاں جنت ہے نظروں میں
تصوّر نے میرے کھینچا ہے نقشہ بزمِ جاناں کا

عزیز الدین ہوں رخشاں تخلص ہے وطن جیور
سخن گوئی میں ہوں شاگرد احسانِ سخنداں کا

رزاق ـ حاجی محمد عبد الرزاق خاں مرحوم خلف اسحٰق خاں، خاندان حافظ الملک رحمت خاں سے تھے، دیوان گلشنِ نعت اِنکی تصنیف سے شائع ہو چکا ہے ۱۸۸۲ء میں انتقال کیا

لیاقت علمی خاصی تھی۔ خوشنویسی سے بسر اوقات کرتے تھے یہ چند شعر نعتیہ کلام سے منتخب ہوئے

اس ذات کو آتا نہ اگر جوش محبت	ظاہر ہے کہ ہوتا نہ ظہور ارض و سما کا
آدم کو جو سجدہ نہ کیا حکم خدا سے	ابلیس ہوا کبر سے پابند بلا کا
رزاق سے رزاق کی ہر دم ہے تمنا	کر مجکو سلامی نہ کسی شاہ و گدا کا

رزم

رزم۔ مہاراج بینی مادھو قنوجیہ متوطن بیج راجپور۔ زخمی کاکوروی کے تلمذ سے بہرہ ور ہیں۔ پیام عاشق سنہ ۸ء سے یہ چند شعر منتخب ہوئے۔

آئینہ کو دیکھا نگہ غور سے ہم نے	صاف اس سے زیادہ ترا زانو نظر آیا
میں شمع منور کہوں اسکو تو بجا ہے	سانچے میں ڈھلا یار کا بازو نظر آیا
اے رزم میں سمجھا کہ ہے تقدیر کا کچھ بل	برہم جو مجھے یار کا گیسو نظر آیا

رزم

رزم۔ سید محمد حنیف رضوی بلگرامی، آپ کو اوائل سن شعور سے شاعری کا شوق ہے حضرت محمد بلگرامی کے خرمن فیض سے بہرہ ور ہیں۔ کلام بہم رسیدہ کا انتخاب یہ ہے۔

جور و ستم کا کیوں نہ کروں شکوہ کیا سبب	کچھ آپکا اجارہ ہے میری زبان پر
تڑپا رہے ہو کس لیئے بیمار ہجر کو	یہ ظلم کیا روا ہے کسی ناتواں پر
بدلی گھری ہوئی ہے شرابی ٹوٹے ہیں خوب	میلا ہے آج پیر مغاں کی دکان پر
دامن میں توڑ توڑ کے پھولوں کو بھر لیا	بلبل کا صبر بھی نہ پڑا باغباں پر

رزم

رزم۔ صاحبزادہ محمد محمود علی خان نائب تحصیلدار رامپور۔ جناب بزم اکبرآبادی سے مشورہ سخن کرتے ہیں سنہ ۱۸۹۹ء میں زندہ و سلامت موجود تھے۔

غیر سے لکھوا کے بھیجا ہی مرے خط کا جواب	کیا کہوں اے ہمدمو لکھا مری تقدیر کا
پھر اب یہ لطف دنیا کی کسی شے میں نہیں	کیوں نہ کھائیں شوق سے عشاق پھل شمشیر کا
صبح ہوتے ہی چلے گئے جگر تھامے حضور	یہ اثر ہے عاشقوں کے نالۂ شبگیر کا
پھر ترحم کی نظر سے دیکھتے ہیں وہ مجھے	ہے چمکنے کو ستارہ رزم کی تقدیر کا

ہر ایک بات کا میری انکو یقین تھا	ڈرتے تھے مجھ سے یوں بدگماں اول اول

رزم

رزم۔ شیخ خورشید حسن قدوائی لکھنوی، باوجود تلاش حالات دستیاب نہ ہوسکے۔ چند شعر پیش کرتے ہیں۔

کیا گلہ گر وہ آشنا نہ ہوا	اپنی قسمت میں جو نہ تھا نہ ہوا
اسی حیلہ سے ہوتی پا بوسی	وائے تقدیر میں حنا نہ ہوا
نہ سہی وصل دید تو ہوتے	یہ بھی اے بخت نارسا نہ ہوا
تم جو کہتے ہو میں ہوا بدنام	کیا مراد ذکر جابجا نہ ہوا

رسا

رسا۔ مرزا کریم الدین رسا گورگانی شاگرد حافظ غلام رسول شوق پرانے سخن سنج تھے، اسّی برس کی عمر پاکر غدر سے پیشتر انتقال کیا انکے بڑے صاحبزادے میرزا رحیم الدین حیا بڑے نامی شاعر گذرے ہیں انکا مفصل ذکر جلد دوم میں چھپ چکا ہے، رسا صاحب دیوان تھے مگر کلام غدر کی لوٹ کی نذر ہوا۔ یہ چند شعر ملے درج کیئے جاتے ہیں ؞

بیوفاؤں سے اے رسا تمنے	سچ کہو دل لگا کے کیا پایا
پریشاں حالوں کی جب قدر جانو	جو اس طرح ہو دل پریشاں تمہارا
دل و دین و قرار و ہوش تک تو دیدیا تم کو	سوا اسکے وہ کیا تھا اور جو ہمنے چھپا رکھا
تم کہو دل لیکے دکھلاؤں نہ اپنی شکل میں	ہم کہیں دیکھا کریں صورت تمھاری رات دن
باز آ ستا تو ہمکو بہت عشوہ گر نہیں	کرتا کسی پہ ظلم کوئی اسقدر نہیں

رسا

رسا۔ سرآمد اذکیا میر احمد علی رسا ابن میر امام الدین رامپوری شاگرد رشید علی بخش بیمار۔ اسکے بزرگ رامپور میں ملتان سے آئے تھے، خوش فکر، رنگین طبع وارستہ مزاج شخص تھے ۱۸۵۶ء میں ۵۶ سال کی عمر تھی، لیاقت علمی بہت اچھی تھی اور مدام مشغلۂ سخن رہتا تھا مگر وارستگی مزاج کے باعث کلام کے فراہم کرنے کی نوبت نہ آئی ورنہ کافی ذخیرہ چھوڑا تھا کلام میں متانت اور پختگی بندش کے علاوہ استادانہ رنگ کی جھلک موجود

مولٰنا عبد العلی مدراسی فروغ تخلص انکے رشید شاگرد تھے بالآخر ۱۰ شوال ۱۲۹۲ھ میں بمقام لکھنؤ سفر آخرت اختیار کیا ؎

تاریخ او نوشت فروغ از سر الم — احمد علی چہ صاحب فضل و کمال بود

منشی محمد امیر اللہ صاحب تسلیم مرحوم نے بجواب عریضہ ۷ محرم ۱۳۰۹ھ سال وفات تحریر فرمایا تھا رامپور میں انکے بیسیوں شاگرد تھے صاحبزادے اوج تخلص کرتے ہیں۔

ہائے نیچی وہ شرمگیں آنکھیں — اور حیرت سے دیکھنا میرا

رنگ لائیگی دراندازی خدنگ ناز کی — دل جگر کا، اور جگر دل کا عدو ہو جائیگا

کوئی شکل پھر تسکین دل بدگماں نکلتی — مجھے بات کا کسی کی اگر اعتبار ہوتا

کبھی فرش راہ دل ہے کبھی سوئے در ہیں آنکھیں — نہ وہ مجھ سے وعدہ کرتے نہ یہ انتظار ہوتا

قسمت اُس کان ملاحت سے جُدا کرتی ہے — کون اب زخم جگر پر نمک افشاں ہوگا

رہگئی شرم فرشتوں کے اُٹھائے نہ اُٹھا — یہ گرانبار مرا نامۂ اعمال ہوا

ارمان وصل دل سے نکلنا محال ہے — آنسو نہیں کہ دیدۂ تر سے نکل گیا

سنیگے وہ مختصر میرے درد دل کا افسانہ — جگر تھامے ہوئے بیٹھے ہیں اہل انجمن اپنا

ملا یا خاک میں تُو نے سپہر خانہ خراب — وہ دل مرا جو تمنائے یار کا گھر تھا

کیوں اس عتاب کا میں سزاوار ہوگیا — کیا تیری بندگی سے گنہگار ہوگیا

المدد اے نگاہ ہوش ربا — جوش ہے شکوۂ تغافل کا

نہ تھا وہ میں کہ مجھے تاب ناز بیجا ہو — یہ کیا ہوا کہ ترا میں نیازمند ہوا

بہار عشق میں چہرے سے اُڑ گئی رنگت — یہ فصل گل میں نیا موسم خزاں دیکھا

وہ ہوئے رخصت سحر آئی قیامت لیکے ساتھ — صُور کا نالہ ہوا اللہ اکبر کا جواب

بہکے ہوئے کلام ہیں مرتا ہوں غم سے میں — آتی نہیں خیال میں پیغامبر کی بات

نہ انتظار کی تکلیف پوچھئے مجھ سے — گذر گئی جو گذرنی تھی جان مضطر پر

... سے جلا جاتا ہے دیتا ہوں میں
کیا کہوں اُن سے کہ در اس انجمن میں کچھ نہیں

نقش کب مٹیں دلِ خانہ خراب کی
پوچھیں نشاں کس سے کہاں جستجو کریں

یا سبزہ دل ہو جوشِ ہوس خاک میں سے
کب تک ہر ایک بات کی ہم آرزو کریں

تیرِ نگاہِ یار سے دونوں کو عشق ہے
دل سامنے کریں کہ جگر رو برو کریں

اس کو خبر کہ وہ خلوت میں کسی کا کہنا
لیکے آئے ہو رسا آج کہاں تم مجھکو

گزری کسی کے دل میں جہاں وہ نگاہِ ناز
پہنچی وہیں اجل بھی برابر لگی ہوئی

کھلا ہے آسے رسا بابِ اجابت
مگر فرصت نہیں مجھکو دعا کی

فسردہ دل چمنِ روزگار میں آئے
خزاں کو ساتھ لیے ہم بہار میں آئے

اُف اُف رے سوزِ عشق یہ آتش فشانیاں
اک آگ سی جہاں میں ہے گھر گھر لگی ہوئی

شکستہ رنگ پہ اپنے نثار ہوتا ہوں
یہ میرے پاس نشانی ہے اُنکی محفل کی

اس لیے اُس کا تصور بھی نہیں کرسکتا
وہ پریشاں نہ کہیں خاطرِ برہم میں رہے

رسا — رسا قاضی عوض علی باشندۂ مارہرہ مرزا حاتم علی مہر کے شاگرد ہیں یہ چند شعر اُنکی یادگار ہیں۔

جاں نثار آپکے دم آپکا بھرنیوالے
شکوۂ رنج و مصیبت نہیں کرنیوالے

لاکھ سکھلائیں اُنھیں ہم روشِ مہر و وفا
وہ قدم بھی نہیں اِس راہ میں دھرنیوالے

دق ہو وصل ہو غمِ اُلفت ہو شبِ فرقت ہو
ڈھونڈ لیتے ہیں بہانہ کوئی مرنیوالے

رسا — رسا حکیم عبد اللہ خان صاحب دہلوی۔ غدر سے پہلے دہلی میں زندہ تھے یہ دو شعر اُنکے ہیں

ہے دیدہ فرشِ راہ کہ آتا ہے کوئی بُت
دلکو ہے انتظار کہ ہوں پائمال کب

اطلاق ہو شراب کا دونوں پہ زاہدا!
یہ ہے اگر حرام تو وہ ہے حلال کب

رسا — رسا صاحبزادۂ محمد ابراہیم شاہ رسا خاندان ٹیپو سلطان میسور سے تھے اور کلکتہ میں رہتے تھے مولوی سید علی حیدر، حیدر سے تلمذ تھا ۱۸۸۰ء میں ۳۰ برس کی عمر تھی کلام کا رنگ اشعار ذیل سے ظاہر ہے۔

تجکو ہے ناز اپنی صورت پر ڈلکرکیا پڑا ا سبُ آلٹا	ہکو ہے ناز اپنی اُلفت پہ وہ بگڑنے لگے ٹھکا ہے یہ
جاسعا ئے نسے آزردہ رہا تو میرے الفت نرگس فتاں کا تماشا دیکھو	دیکھے تسکین ہو پونچھ کبھی آنسو میرے دشتِ وحشت میں تمہدے ہیں آ ہو میرے

رسا۔ میر حاجبین خلف اصغر جناب میر وزیر علی صبا لکھنوی، آپ کو حضرت آتش لکھنوی سے تلمذ ہے جو جناب صبا کے خلف اکبر اور انکے برادر بزرگ ہیں، حالات کے لیئے بارہا لکھنؤ لکھا گیا مگر جواب بجز سکوت نہ ملا۔ اشعار ذیل اُسکے ہیں ؞

تُونے جسے ظالم نگہ قہر سے تاکا حیراں ہوا ششدر رہا بیتاب ہوا وہ ہوتے صفت آئینہ حیراں وہ رم زینت واقف ہی جہانمیں حج قناعت کے مزے سے	فی الفور نشانہ وہ ہوا تیر قضا کا تمنے جسے دیکھا جسے جھانکا جسے تاکا انداز اگر دیکھتے تم اپنی آدا کا بس بھیک کا کاسہ ہو اُسے ہاتھ دعا کا

رسا۔ نواب مرزا شبیر علیخاں لکھنوی، آپ لکھنؤ کے ایک موقر خاندان کے رکن تھے اور نواب بندہ علیخاں زیبا مرحوم سے تلمذ تھا۔ شوخ اور چلبلی طبیعت پائی تھی۔ استعداد علمی کے ساتھ ساتھ شعر کا مذاق بھی اچھا تھا، مشاقی اور پختہ کلامی بھی تھی۔ تین چار برس کا عرصہ ہوا الطرق بمقام پورنیہ بنگال گئے ہوئے تھے وہاں کسی دشمن نے بضرب گولی انکا کام تمام کردیا۔ برس کے قریب عمر پائی، دو صاحبزادے یادگار چھوڑے مگر باوجود دس بارہ مرتبہ استفسار حال کرنے کے مفصل حالات نہ ملے۔ اب کلام ملاحظہ ہو۔

جفائیں کرکے تنہا کس لیئے بدنام ہوتے ہو مکر جانا، نہ تم اقرار ہی کرنا قیامت میں مشکل کہیں خدا سے بتو نکی تھی بندگی ایجان حسن و عشق کا سارا فتور تھا	ستم کرنے لگے جب آسماں تم بھی ستا... ہماری موت کا جب ذکر آئے سر جھکا ... دیکھا جو بتکدہ کو حرم سے بھی دو... میرا قصور تھا نہ تمہارا قصور ...

بھول گئی معاف وہ غیروں کی تھی خطا ✤ بخش گیا وہ جرم وہ ہمارا قصور تھا
مشہور ہے جو عشق وہ تھا میرا اختیار ✤ کہتے ہیں جسکو حسن تمہارا غرور تھا

اُن سے جو عمر سے کیا ہمکو وہ بیداد کریں ✤ جی میں آتا ہے کبھی سے تری فریاد کریں
رابطے واسطے رکھتے ہیں خداوند سے ✤ ایک گر ظلم کرے ایک سے فریاد کریں
دشمنِ غیر کی ہے کہنے کو تو رکھیں دل میں ✤ یہ ہو کیونکر کہ اُسی سے تجھے پھر یاد کریں

نہ ہوگا خلد میں جا کر شباب کا احساں ✤ یہ بات خوب ہے مرنے میں نوجواں کے لیئے
جو دل کو کھاؤ تو آہیں بھی ہمکو کرنے دو ✤ ستم کرو تو اجازت بھی دو فغاں کے لیئے
نہ آئی گھر مرے کیا جانے کیا سمجھ کے قضا ✤ یہاں تو جان بھی حاضر ہے میہماں کے لیئے
دیکھئے دیکھئے پھر آپ چلے جاتے ہیں ✤ اب نہ دیکھے گا مرے دل سے سنبھلنے کیلیئے
وہ بھی کم سن ہیں ابھی دل بھی ہو میرا ناداں ✤ ایک سے ایک زیادہ ہے مچلنے کے لیئے
جفائیں کیں جو مجھے طالبِ وفا دیکھا ✤ وفائیں کیں جو مجھے خوگرِ جفا سمجھے

عداوت جو مجھ زار سے آگئی ✤ فلک نے مٹایا زمیں کھا گئی
ملانا تھا دونوں کو اک عمر سے ✤ وہ ابتک نہ آئے اجل آگئی
یہ کیوں ناامیدی سے بدلی امید ✤ الٰہی مرے دل میں کیا آگئی
مرے پھول اچھی طرح ہو گئے ✤ کسی کو سوم میں ہنسی آگئی

دیکھا تڑپ تڑپ کے دلِ مضطرب خبر ✤ مجھسے چھپا چھپا کے نہ مہمان جائیے
ٹھہرو مجھے منہ سے ہی کبھی آپ کہیں ✤ اُنکا یہ ہم اُٹھا لینگے احسان جائیے
میرے تو قتل میں بھی بر آئے گی آرزو ✤ کہنا رقیب ہی کا کہیں مان جائیے
ہم عاشقوں کے خون سے گرداہیں آپکو ✤ محشر میں اس طرح نہ پریشان جائیے
کہتا ہے دل کہ کچھ تو ہو تسکین ہجر میں ✤ جھوٹے ہی اُنکے وعدہ کو سچ جان جائیے

جو چاہتے ہیں وہ کرتے ہیں بُت زمانے میں ✤ فلک بھی مفت میں بدنام ہے مقدر بھی

رسا — رسا۔ منشی رحیم بخش رسا دہلوی مترجم نظارت مقیم گورکھپور چند شعر نتائج افکار سے منتخب ہیں ۔

ہمت کرتا ہے نبتا نہیں کچھ کام رسا — گو کہ ہے فکر رسا میں رسا نام رسا

محفل ہو ہمانی کی آج ہے آفت کا اہتمام — وہ آپ کر رہے ہیں قیامت کا اہتمام

بجلیاں دیکھنے والوں پہ گراتے آئے — تم جدہر آئے اُدھر آگ لگاتے آئے

ہزار اُن سے محبت کا میں کروں اظہار — وہ میری بات کا لیکن نہیں یقین کرتے

وصل کی شب دیکھنا دشمن کی باتوں کا اثر — بات بھی وہ کی جو دشمن کی سکھلائی ہوئی

رسا — رسا منشی غلام محی الدین شاگرد ڈاکٹر احمد حسین خاں مائل۔ دکن کے خوش مذاق لوگوں میں ہیں، اشعار ملاحظہ ہوں ✤

دکن کی جان ہندوستان کا دل — نظام الملک آصف جاہ عادل

تڑپ کر یار کو تڑپائے گا دل — شرارت میں ہے بجلی سے سوا دل

اک آفت تھی بلا تھی روگ تھا دل — بہت اچھا ہوا جاتا رہا دل

ہزار رگ رگ میں درد عشق کا ہے — کہ ہر ہر عضو میرا بن گیا دل

مزا جب ہے کہ یوں کایا پلٹ ہو — مرا تجکو ملے تجکو میرا دل

نظر تو مل گئی لیکن ہے جب لطف — کہ دل سے بھی ملے یوں ہی ترا دل

رسا — رسا۔ محمد وجیہ الدین خان باشندہ حیدر آباد دکن خلف بہار الدین خان سنہ ۱۸۸۶ء میں چوبیس پچیس برس کا سن تھا اُس وقت سے برابر شعر وسخن کا مشغلہ ہے، علمی استعداد اور معلومات اچھی ہیں۔ ذکی اور قابل شخص ہیں طبیعت شوخ اور بچپن پائی ہے اور اسکی جھلک کلام میں بھی صاف مترشح ہے، صفائی روزمرّہ، چستی بندش، اسلوب بیان اچھا ہے، ہر شعر میں مضمون پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، دکن کے موجودہ شعرا میں سب طرح اچھے ہیں اپنے استاد ڈاکٹر مائل کے ارشد تلامذہ میں انکا شمار ہے، اکثر رسالوں میں انکا کلام نظر سے گذرا کچھ اشعار ضیافت طبع شائقین کے لیئے درج کیئے جاتے ہیں ✤

وقت آرایش نظر پڑتے ہی مضطر ہو گیا — خود تڑپ کر عکس آئینہ سے باہر ہو گیا

اہل جگر جو اضطرار کرتے ہیں — بیٹھ کر لالہ زار کرتے ہیں
آ کے شیشہ دیکھ کر بہت ہی کم سن — عکس کو اپنے پیار کرتے ہیں

نگاہیں لیتی ہے سدرہ کر تمہاری یاد میں — تیری ہی شوخی سے کہ ہیں انداز تیری یاد میں
بوسے لیکر لب زخم جگر نے لے لیا — تھا مزہ جو کچھ زبانِ خنجر جلاد میں
ضعف سے یوں بھی کوئی ناتواں نہ ہو — روؤں تو میری آنکھ سے آنسو رواں نہ ہو
جاں ہو کے سینے میں پیکانِ یار رہو — صدقہ ہو دل، جگر ہو فدا جاں نثار ہو
پہلے تو دل کو لیتے ہیں نیچی نگاہ سے — پھر وہ پوچھتے ہیں کس لئے تم بیقرار ہو
انگڑائیاں وہ لیتے ہیں تن تن کے بار بار — کیونکر نہ جوشِ حسرت بوس و کنار ہو
دل ستمکش ہے مرا گر تم ستم ایجاد ہو — ہاں ستم پر ہو ستم، بیداد پر بیداد ہو
ہاتھ میں تصویر تیری جیب میں تیری مثال — آنکھ میں تیرا تصور دل میں تیری یاد ہو
دل میں گر شیخ و برہمن کے نہ تیری یاد ہو — کیوں اذاں کا شوق ہو ناقوس کی فریاد ہو
پائے ساقی پر گرائے نشۂ صہبائے عشق — میکدے میں حسن کے یوں مست کی افتاد ہو
دولت دیدار تم کو مل گئی کیا اے رسا — آج خوش خوش ہو بہت بشاش ہو دلشاد ہو

کوئے دلبر میں نجانا چاہیے — دل کے کہنے میں نہ آنا چاہیے
وقت یہ تیوری چڑھانے کا نہیں — پھول مرقد پر چڑھانا چاہیے
دیکھنا ہے صورتِ دلبر اگر — دل کو آئینہ بنانا چاہیے

میری جاں کیا کہوں فرقت میں نالہ کیوں نکلتا ہے — خیال آکر ترا سینہ میں دل چٹکی سے ملتا ہے
ترا غنچہ بھی تیری طرح ہے مجھ سے خفا قاتل — گلے سے جب لگا لیتا ہوں میں [illegible] کے کھلتا ہے
اگر بزمِ مغاں کا یہ نہیں اجارہ لے ساقی — تو میخانے میں ساغر کیا سبب بے پاؤں چلتا ہے
بجز تیری شراکت اے دلِ پروانہ کیوں تڑپا — سمجھ ناداں پرائی آگ میں کوئی بھی جلتا ہے
کڑی ہے عشق کی منزل سمجھ کر رکھ قدم اے دل — کہ اس رستے میں رہرو ٹھوکریں کھا کر سنبھلتا ہے

کرتے ہیں کبھی ہم جو دعا ہاتھ اٹھا کر
وہ کہتے ہیں منظورِ خدا کو ہی کچھ سے ہے

وہ تاب کہاں صاعقہ طور میں موسٰی
برقِ نگہِ ہوش رُبا اور ہی کچھ ہے

مرنے کو مرے جان کے غش دیتے ہیں چھینٹے
سمجھے ہوئے کچھ ہیں وہ مُدعا اور ہی کچھ ہے

مرنے جو لگا آکے وہ بولے سرِ بالیں
کہتے ہیں جسے شرطِ وفا اور ہی کچھ ہے

کچھ اور ہی شکوا تھا ملے تھے جو سرِ شام
اب صبحِ شبِ وصل گِلا اور ہی کچھ ہے

عشق کا داغ مرے خانۂ دل کا ہے چراغ
روشن اِس شمع سے ہے بزمِ محبت انکی

چٹکیاں لیتے ہیں وہ نیچی نظر سے دل میں
شرم کے پردے میں رہتی ہے شرارت انکی

کیوں گُل داغِ عشق ہو نہ عزیز
آتی ہے اِس چمن سے بو تیری

رسا۔ میر علی احمد رسا شاگرد میر علی اوسط رشک جہاں تک تحقیق ہوا رامپور کے رہنے والے تھے

جگر ہے خشک تو ہے چشم ابر تر کی طرح
ہمارا ظاہر و باطن ہے بحر و بر کی طرح

کس آب و تاب کی ناف و کمر تمھاری ہے
کوئی گہر ہے کوئی رشتۂ گہر کیطرح

گلے وہ عید کو آکر ملے خفا بھی ہوئے
بڑھا گھٹا میں اِسی چاند میں قمر کیطرح

یہ کیسے بد رہو دم بھر کو آئے گھر میرے
اڑھائی دن تو رہو ایک جا قمر کی طرح

عیاں نہاں ہو تم ای یار دوست دشمن سے
صفا ہو شیشہ میں پتھر میں ہو شرر کیطرح

تمھارے جھانکنے سے دل کبھی نہیں بھرتا
سمائے دیدۂ روزن میں ہو نظر کی طرح

وہ باتیں چھانٹتے ہیں پاتا ہو نہیں نشو و نما
رسا عداوتِ احباب ہے تبر کیطرح

رسا۔ بلبل شاخسارِ معانی عندلیب گلشنِ خوش بیانی منشی حیات بخش رسا مصطفےٰ آباد ضلع بلند شہر کے رہنے والے ہیں استعدادِ علمی رہی مگر ذہانتِ طباعی نے اُس کمی کو جیسا کہ چاہیئے پورا کر دیا ہے کلام میں انتہائی گرمی اور معاملہ بندی کا پیرایہ بیمثل ہے ۴۰-۴۲ سال کی عمر ہے، حضرت داغ کی وفات کے بعد سے انکے کلام میں پختگی اور رنگینی کی ایک خاص شان پیدا ہو گئی ہے اور اب مشہور کہنے والوں میں انکا شمار ہے، بات پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، دہلی کے مشاعرے میں

[illegible] ہوئی تھی مگر کثرتِ عمل رہتے ہیں نقالی کی وجہ سے چھاپنا [illegible]
[illegible] اساتذہ میں [illegible] بھی ہے مگر طبیعت کی شوخی کلام میں رنگ جھلکتی جاتی ہے
[illegible] طبیعت اچھا اور دلکش ہو عاشقانہ مضامین بہت اچھے اسلوب سے باندھتے ہیں
بندش چست اور روزمرہ بہت صاف ہے۔ مشاق بھی اعلیٰ درجہ کے ہیں اور فی البدیہہ بھی خوب
کہتے ہیں۔ نواب فصیح الملک داغ مرحوم کے تلامذہ میں حضرت بیخود دہلوی اور رسا ئل سے کہے جاتے ہیں۔ اکثر
اشعار حضرت داغ کے رنگ میں ایسے ملتے ہیں کہ اُن پر حضرت داغ کے کلام کا دھوکا ہوتا ہے [illegible]
کو نظرثانی تذکرہ کے ایام میں انتقال کرگئے۔ ۴۸-۴۹ برس کی عمر پائی۔ کلام ملاحظہ ہو +

اُنکی خدمت میں رسا بھی ہوگا	کبھی یوں حکمِ خدا بھی ہوگا
مجھ پہ جو تُو نے ستم ڈھایا ہے	کہیں دنیا میں ہُوا بھی ہوگا
آپ سا کوئی نہیں دُنیا میں	آپ نے یہ تو سُنا ہی ہوگا
رازِ اُلفت کا چھپانے ہے عبث	یہ چھپائے سے چھپا بھی ہوگا
صبر والوں کا بھی دن آئیگا	ایک دن روزِ جزا بھی ہوگا
محفلِ شعر میں ہو آئیں چلو!	آج سنتے ہیں رسا بھی ہوگا

ساقی جھڑکئیے جائے یہ کہکر کہ پئے جا	تو ئیں بھی سہے جاؤں یہ کہکر کہ دئیے جا
جلنے کی جو ضد ہے تو مجھے زہر دئیے جا	اتنا تو کہا مان لے اتنا تو کئیے جا
کچھ اور نکر مجھ پہ جفائیں تو کئیے جا	کچھ اور نہ لے میری دعائیں تو لئیے جا
گستاخ نہ ہو وصل میں ای دستِ تمنا	کچھ دیر ابھی اُنکی بلائیں تو لئیے جا
آتا ہے کسی شوخ کا مجھ سے یہ لڑکپن	ارمان کئیے جا ابھی ارمان کئیے جا
کیا لذتِ تعزیر نے مجبور کیا ہے	آتا ہے یہی جی میں کہ تقصیر کئیے جا
کمبخت رسا تیری رسائی نہیں اُن تک	تو خوب سا اس نام کو بدنام کئیے جا
آہ ہوتی مرے لب پر نہ یہ نالا ہوتا	ایک بھی تُو نے جو ارمان نکالا ہوتا

[illegible] سے مری سینکڑوں تیرے عاشق
میں نہ ہوتا تو کوئی چاہنے [illegible]

کیا [illegible] کسی کے دلِ بیتاب کو تم
اپنے ابھرے ہوئے جوبن کو [illegible]

اپنی محفل سے مجھے تم نے نکالا تو کیا
کوئی ارمان مرے دل کا نکالا [illegible]

شکر ہے دیکھے انہیں دل کوئی جھگڑا نہ ہوا
میرا تیرا نہ ہوا، اپنا پرایا نہ ہوا

خواب میں بھی تو نظر بھر کے نہ دیکھا انکو
یہ بھی آدابِ محبت کو گوارا نہ ہوا

غیر نے بات تو کی بات تو پوچھی میری
خیر سے تم کو تو اتنا بھی سلیقہ نہ ہوا

محو حیرت ہیں تو دونوں ہیں تری محفل میں
بے پروا ہوا آئینہ سے پیدا نہ ہوا

انکی یہ خوبیٔ اخلاق کہ وعدہ تو کیا
میری یہ شومیٔ تقدیر کہ ایفا نہ ہوا

ہمسے ای پیرِ مغاں عظمتِ میخانہ نہ پوچھ
تو سلامت ہے تو کعبہ ہے یہ میخواروں کا

نگہِ یاس سے ہر ایک کا منہ تکتے ہیں
حال دیکھا نہیں جاتا ترے بیماروں کا

اسکو جنت بھی عطا ہو تو جہنم سمجھے
جسپہ سایہ ہے ترے کوچہ کی دیواروں کا

حشر کے روز بھی اپنا نہیں کوئی افسوس
کیا ٹھکانا ہے رسا اُنکے طرفداروں کا

آیا نہ رحم سُنکے تجھے ماجرائے دل
پہلو میں تیرے دل ہے کہ پتھر بجائے دل

حیران ہو کے رہ گئے وصفِ عدو سے ہم
تصویر بن گئے ہیں تری گفتگو سے ہم

تو قتل گر کرے تو مریں آبرو سے ہم
ہوں تجھسے سرخرو جو نہائیں لہو سے ہم

ساقی ہمارے صبر کی ہے شرم تیرے ہاتھ
بیٹھے ہیں دور ساغر و جام و سبو سے ہم

جب ڈھونڈنے پہ گئے تو کعبہ ہے کتنی دور
کیوں تھک کے بیٹھ جائیں تری جستجو سے ہم

انکو جفا سے کام ہے ہمکو وفا سے کام
لاچار اپنی خو سے ہیں وہ اپنی خو سے ہم

مایوس ہو کے وصل سے اس بت کے ای رسا
کرتے ہیں التجائے سفارش عدو سے ہم

ایک دل ناز تھا جسپر وہ کیا نذرِ بتاں
ہائے اب کس کا سہارا ہے جو فریاد کریں

ہمسے دیکھا نہیں جاتا کہ ستم ہو اسپر
میرے آگے وہ مرے دل پہ نہ بیداد کریں

ہم بتائیں کسکو ہمدم کیا کریں — ہم سے برگشتہ ہے عالم کیا کریں
وہ بھی ڈھک سکتے ہیں اپنے حسن سے — مر رہا ہے ایک عالم کیا کریں
آگ لگ جاتی ہے دونی چارہ گر — زخم دل پر رکھکے مرہم کیا کریں

مری فریاد پہ انجان بنکر مسکراتے ہیں — قیامت میں وہ اس انداز سے جھوٹا بناتے ہیں
قیامت سے نہیں کچھ کم خرام ناز بھی اُن کا — قدم لیتے ہوئے آتے ہیں فتنے جب وہ آتے ہیں
کدورت مرنے والے سے نہیں رکھتا ہے کوئی بھی — مری ہستی مٹاکر کیوں وہ تربت کو مٹاتے ہیں
گھڑی بھر کے لیئے تو اپنے دل کو میں تسلی دوں — ذرا اے بیخودی دم لے تصور میں وہ آتے ہیں
نہ کیونکر رشک آئے ہمکو اُن لوگوں کی قسمت پر — وہاں جنکی رسائی ہے وہاں جو آتے جاتے ہیں

نخوت بھی ان بتوں کی عجب دل پسند ہے — اُتنا ہی پیار آتا ہے جتنا غرور ہو
کوچہ تمہارا چھوڑ کے جنت میں جائے کیوں — تم ہو تو کیا کسیکو تمنائے حور ہو
جی چاہا جدھر چھوڑ دیا تیر ادا کو — ٹھگی ہیں اُڑائے ہوئے پھرتے ہیں قضا کو
سجدوں کا بھی موقع نہ رہا اہل وفا کو — پھر پھر کے مٹاتے ہیں وہ نقش کف پا کو
یوں ہمنے چھپائی ہے ترے وصل کی حسرت — جس طرح چھپاتا ہے خطاوار خطا کو
اب چھوڑ رسا عشق بتاں دیکھ کہا مان — کمبخت تجھے منہ بھی دکھانا ہے خدا کو
کہتے ہیں لاکھ بار تصور میں آئیں ہم — کوئی ہمارا دل سے طلبگار بھی تو ہو
بہر عیادت آئے وہ میری تو یہ کہا — دیکھیں کسی کو کیا کوئی بیمار بھی تو ہو

اشک سے یارب مرے طوفاں بپا کیوں نہ ہو — قطرۂ ناچیز تو چاہے تو دریا کیوں نہ ہو
شام ہی سے وصل کی شب کا سویرا کیوں نہ ہو — آپ جس گھر میں ہوں اُس گھر میں اُجالا کیوں نہ ہو
دل کی خواہش پر ہمارا اُن کا جھگڑا کیوں نہ ہو — جب اُنہیں پیارا ہے دل پھر ہمکو پیارا کیوں نہ ہو
دن ہے کم اور داستان غم ہماری ہے بہت — روز محشر اپنے جی میں تھوڑا تھوڑا کیوں نہ ہو

نیچی نظروں سے نہ دیکھو سر محشر دیکھو — داد خواہوں کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھو

ہو کے شمشیر بکف سیر گھڑی بھر دیکھیو — مرنے والوں کی وفا تیغ کے جوہر دیکھیو
سنگدل تم تھے تو دل تم سے لگانا ہی نہ تھا — پڑ گئے ہائے مری عقل پہ پتھر دیکھیو
جی میں پچھتاؤ گے برباد اگر مجھکو کیا — ہو گا پھر چاہنے والا نہ میسر دیکھیو
وعدۂ حشر ہے پھر وہ بھی زمانے بھر سے — کوئی دامن نہ پکڑ لے سرِ محشر دیکھیو
دیکھو شکوں سے جو لذت ہے تو پردا نکارو — اے رسا تم بھی کسی اور پہ مر کر دیکھیو

رخ سے پہ دو نہ تماشا دیکھ ہزار رہنے دے — لٹ پری ہوش زمانے کے بجا رہنے دے
تیر کھینچا ہے تو پیکاں تہِ سفاک نہ کھینچ — اسکو تو میرے کلیجے سے لگا رہنے دے
دل کو پامال نہ کر روح کو بے چین نہ کر — ایسی بیداد نہ کر ایسی جفا رہنے دے
ان تک تو رسائی نہیں کہنے کو رسا ہے — کمبخت نے یہ نام بھی بدنام کیا ہے
ہو شکوۂ بیداد رسا کی ہے یہ طاقت؟ — یہ اس سے مری جان نہ ہوگا نہ ہوا ہے
عدو کے گھر نہیں آتی بلائے ناگہاں کوئی — وہاں کیا یا الٰہی دوسرا ہے آسماں کوئی
ستانے کا نتیجہ اس ستمگر کو بھی مل جائے — ملے اس آسماں کو بھی الٰہی آسماں کوئی
نہ تھے بیداد گر تم کس طرح ہم حشر میں کہہ دیں — عدالت ہے یہاں کیونکر ملائے ہاں میں ہاں کوئی
کسی کا دل چرا لو تم تو یہ کیسی قیامت ہے — تمہارے بھولے پن پر کر نہیں سکتا گماں کوئی
ذرا دیکھے تو ہم سے جاں نثاروں کی وفاداری — ذرا خنجر تلے بیٹھے تو بیٹھے امتحاں کوئی
مجھے دشمن سے ملنے کا کسی سے ہو یہی ڈر نا — کہیں رسوا نہ ہو جائے نصیبِ دشمناں کوئی
رسا کی داستانِ غم کا سننا کوئی آساں ہے — سنانے کے لئے نوکر تو رکھ لو قصہ خواں کوئی
نصیحت اپنی رہنے دے رہِ الفت میں اے ناصح — پڑی ہے تجھکو سمجھانے کی اپنا دم نکلتا ہے
دو قدم چلکے دکھا دو تو قیامت کا مزا — حشر سے پہلے ہی اک محشر بپا ہونے لگے
حشر میں بولے انھیں دیکھ کے مرنے والے — وہ چلے آتے ہیں دل لیکے تمہارے والے
وہ عالی ظرف ہے یا ہم ہیں کھلے گا ہم بھر دیں — ہمیں زاہد پلا دیکھے ہمارے ساتھ پی دیکھے

مری تصویر لیکے ہاتھ میں کس ناز سے بولے — خدا سمجھے بری نیت سے گر ہمکو کوئی دیکھے

ابھی کس کی آمد ہے سرِ بالیں دمِ آخر / یہ کس کی پیشوائی کو مری جانِ حزیں نکلی

ساقی ترے کرم سے کیا لطف آ رہا ہے / کوئی تو پی رہا ہے کوئی پلا رہا ہے

آئینہ خودنمائی انکو سکھا رہا ہے / کیا ظلم کر رہا ہے کیا قہر ڈھا رہا ہے

چوری گیا گیا دل لیکن غضب تو یہ ہے / دل کا چرانیوالا آنکھیں چرا رہا ہے

آنسو بہا رہا ہے وہ سوزِ دل پہ میرے / خود ہی لگا کے ظالم خود ہی بجھا رہا ہے

انکو تو ہمنے چاہا وہ یوں ستا رہے ہیں / اے چرخِ کینہ پرور تو کیوں ستا رہا ہے

کوچے میں دشمنوں کے ہم جو سجدہ کرتے / نقشِ قدم کسی کا سر کو جھکا رہا ہے

آزردہ غیر سے ہیں لینا ہو میں بلائیں / روٹھے ہیں وہ کسی سے کوئی منا رہا ہے

آئے تھے کرنے کہنے انکے ستم کا قصہ / اس کا علاج کیا ہے اب پیار آ رہا ہے

یہ کم سنی یہ باتیں یہ سادگی یہ گھاتیں / کوئی سکھانیوالا ان کو سکھا رہا ہے

کوچے میں ان بتوں نے آنے دیا نہ شاید / سنتے ہیں اب حیا بھی کعبہ کو جا رہا ہے

یہ دیکھا ہے بُری قسمت کا رونا لوگ روتے ہیں / مجھے تقدیر روتی ہے مری تقدیر ایسی ہے

بلا سے غیر کے در پر کرینگے ہم جبیں سائی / اگر مرضی تری اے کاتبِ تقدیر ایسی ہے

عجب حیرت میں ڈالا ہے اس اندازِ خموشی نے / کیا تصویر ہمکو بھی تری تصویر ایسی ہے

بوقتِ ذبح قاتل کا بڑھایا دل یہ کہہ کہکر / کہ تو قاتل ہے ایسا اور تری شمشیر ایسی ہے

کسی کی ادا گر کوئی بھا گئی	غضب آ گیا اک بلا آ گئی	خزاں چل بسی فصلِ گل آ گئی	چلو میکشو وہ گھٹا چھا گئی

مدت سے اپنی جان پہ کھیلے ہوئے ہیں ہم / یہ سر جدا ہے جسم سے یا تم رقیب سے

وفا کرتے ہیں ہم پھر بھی ہمیں تم سے ندامت ہے / اسے کہتے ہیں الفت بندہ پرور یہ محبت ہے

کسی دن دیکھیو تیرے ہی قدموں پر یہ سر ہوگا / جو قاتل ہم سلامت ہیں جو قاتل تو سلامت ہے

سو بار صدقہ ہو کے یہی چاہتا ہے جی / سو بار اور آپکے قربان جائیے

سب سنکے عرضِ تمنا پہ یہ کہا / بس ہو گیا دماغ پریشان جائیے

آپ سے حورِ جناں بھی مات ہے
روز و شب فرقت کے دونوں ہیں بلا

آپ کی کیا بات ہے کیا بات ہے
رات دن ہے دن سے بدتر رات ہے

انداز دلفریب ہیں شوخی بلا کی ہے
جسپر مٹا اُسی نے مٹایا غریب کو
یہ حال اب تو ہے نہ رہے بیمار ہجر کا
یارب جو تو بھی اُن کا طرفدار ہو گیا
ہر دم ہیں دم تو راہ پہ لاوینگے ہم سمجھے
زاہد جو تجھ سے اُلجھے کسی روز مے پرست
ہاتھ ملتا ہوں کہ کیوں حشر میں کی تھی فریاد
آ گیا ہجر میں کوئی تو ذرا دل ٹھیرا
جب تھے سامنے میرے تو پریشانی تھی
عاشق کو تیرے لاکھ کوئی رہنما ملے
تم مجھ سے آملے کبھی دشمن سے جا ملے
جب دیر میں یہ دیکھا کہ اپنا گذر نہیں
زاہد سے ہے تو ہی بندۂ اللہ ہم نہیں؟
دیکھو رسا چلے تو ہو تم توبہ توڑنے

ہر بات لاجواب مرے دلربا کی ہے
تقدیر ہی خراب دلِ مبتلا کی ہے
کہتے ہیں چاؤ گر بھی کہ مرضی خدا کی ہے
ہم اور کسکو اور محشر بنائیں گے
زندہ رہے تو دل میں ترے گھر بنائیں گے
ظرفِ وضو کو توڑ کے ساغر بنائیں گے
آنکھ نیچی ہے نظر مجکو پشیمانی ہے
پھر وہی میں ہوں وہی میری پریشانی ہے
اب جو وہ سامنے آئے ہیں تو حیرانی ہے
تیرا پتہ ملا ہے نہ تیرا پتہ ملے
جب یہ مزاج ہے تو کوئی بنتے کیا ملے
کعبے کے جانیوالوں میں مجبور جا ملے
کوئی حدیث ہے کہ تجھی کو خدا ملے
در پر نہ میکدے کے کوئی پارسا ملے

بے بات وہاں ظلم ہے بے جرم سزا ہے
پرائے دل کا ستانا روا ہے کب تمکو
مجھے کچھ اور بھی کمبخت کے سوا کہیئے
ہمیشہ کی ہے درِ یار پر جبیں سائی
یہیں جو فیصلہ کرنا ہے ہمسے فیصلہ کر لو

ایسے سے نباہے بھی تو کیا کوئی نباہے
یہ کس حدیث میں آیا ہے کس کتاب میں ہے
کہ یہ تو لفظ ازل سے مرے خطاب میں ہے
یہ بندگی بھی الٰہی کسی حساب میں ہے
قیامت پر نہ رہنے دو قیامت پھر قیامت ہے

آنکے نظر میں مری سو فتنہ گر کئے
تجسا نظر آیا ہے نہ تجسا نظر آئے

کرتا ہوں دعائیں تو یہ آتی ہیں ندائیں
تو ہو کسی قابل تو دعا میں اثر آئے

کرتا ہو وہی دل میں رسا کے جو ٹھنی ہے
سمجھانیکو سمجھاتے ہیں سب اپنے پرائے

ترے بیمار میں کہنے کو جانِ زار باقی ہے
نہ ہونے کے برابر نبض میں رفتار باقی ہے

کہیں گے غیر دردِ محبت کو دل میں کیا
یہ تو رسا کے دل میں رسا کے جگر میں ہے

بدلی ادھر نظر تو ادھر بھی بدل گئی +
انکی ہماری آنکھوں ہی آنکھوں میں چل گئی

مجرم سے اور پرسشِ اعمال حشر میں
کیونکر کہوں کہ شانِ کریمی بدل گئی

دونوں کو سوزِ عشق نے آخر کیا تمام
پروانہ پہلے جل گیا پھر شمع جل گئی

پہلے تو اسنے دل کو مرے چاک کر دیا
پھر کہہ دیا کہ جا تری حسرت نکل گئی

دگھڑی کے لئے انسان کو خواب آتا ہے
بند ہو جاتی ہیں آنکھیں جو شباب آتا ہے

محبت یہ ہے آدابِ محبت نام اِس کا ہے
کہ لب تک لا نہیں سکتا ہوں جو دل میں تمنا ہے

نہ پھرنا اپنے وعدوں سے سمجھ کر حشر کو اپنا
وہاں کا اور عالم ہے وہاں کی اور دنیا ہے

ترے اقرار سے دل کی جلن میں پڑ گئی ٹھنڈک
ترا حرفِ تسلی مرہمِ داغِ تمنا ہے

نوشتہ میری قسمت کا کہاں سے اُسکے ہاتھ آیا
کہ جو کچھ خط میں لکھا ہے مری قسمت کا لکھا ہے

تمہیں جو مانگنا ہو اے رسا اللہ سے مانگو
بڑی سرکار ہے اُسکی بڑا وہ دینے والا ہے

گیا ہی بن سنور کر غیر کے گھر میہماں کوئی
اب ایسے میں نہیں آتی بلائے ناگہاں کوئی

وہ دم بھر کو سہی لیکن تسلی ہو تو جائے گی
وہ جھوٹی ہی سہی لیکن کرے تو مجھسے ہاں کوئی

کریں اقرار وہ پورا ہمیں باور نہیں آتا
ہم ایسے ہیں ہمارے حال پر ہو مہرباں کوئی

حالِ دل کہنے میں کیسے وہ خفا ہونے لگے
عرض مطلب پر نہیں معلوم کیا ہونے لگے

عشق کا چرچا کہیں ہے حسن کا چرچا کہیں
تذکرے میرے تمہارے جا بجا ہونے لگے

خط لکھا تھا میں نے میرے نامہ بر کی کیا خطا
آپ کیوں بگڑے وہ پھر کیوں خفا ہونے لگے

مجھ سے لاغر کی شب غم کیا کہوں کیونکر کٹی
جو شکن بستر پہ تھی تلوار ہو کر رہ گئی

غیر کا مذکور بھی کوئی پیام وصل تھا
کس لئے نیچی نگاہ یار ہو کر رہ گئی

ای رسا کبھی رہی سب دادخواہی حشر میں
جب وہاں نیچی نگاہ یار ہو کر رہ گئی

پی کے کر لیتا ہوں توبہ جب سے یہ دستور ہے
دل بھی روشن ہے مرا منہ پر بھی میرے نور ہے

غیر سے ملنے کے شکوہ پر قیامت ڈھا گیا
اسکا یہ کہنا کہ دل سے آدمی مجبور ہے

میں سوال وصل کر کے اس ادا پر مٹ گیا
ہنس کے فرمایا کہ یہ درخواست نامنظور ہے

حشر میں اللہ سے فریاد اُن کے ظلم کی
اے رسا یہ بات تو شرط وفا سے دور ہے

دل میں کسیکو رکھو دل میں رہو کسی کے
سیکھو ابھی طریقے کچھ روز دلبری کے

فرقت میں شکل حسرت ہم کیا بنا رہے ہیں
تقدیر رو رہی ہے پڑے ہیں بیکسی کے

آئے اگر قیامت تو دھجیاں اُڑا دیں
پھرتے ہیں جستجو میں فتنے تری گلی کے

دیکر مجھے تسلی بے چین کر رہے ہو
ہنستے ہو وعدہ کر کے قربان اس ہنسی کے

یہ حضرت رسا بھی دیوانے ہو گئے ہیں
چکر لگا رہے ہیں اک شوخ کی گلی کے

عدو سے اُسنے اگر کچھ ملال ہو جائے
رسا کی پھر تو نہ پوچھو نہال ہو جائے

بڑی ہی دھوم سے دعوت ہو پھر تو زاہد کی
یہ مے جو چار گھڑی کو حلال ہو جائے

ہجوم حشر میں کیا ہم سے حالت ہو بیاں دلکی
بھری محفل میں کیونکر کوئی کہدے داستاں دلکی

وہ مجھ سے اُسنے اَن بن ہی سہی شکوہ نہیں اسکا
مگر شامت ہی میری اور اُنکے درمیاں دلکی

سنایا حال دل اُنکو تو یوں منہ پھیر کر بولے
کسی نے منہ لگایا چھیڑ بیٹھے داستاں دلکی

فرصت ملے تو آنکھ ملے مجھ غریب سے
آئینہ دور ہو کہیں اُنکے قریب سے

بیٹھیں وہ اُسکے سوگ میں اور میرے سامنے
اللہ موت دے مجھے پہلے رقیب سے

محشر میں اُسنے شرم سے نیچی نگاہ کی
ترکی تمام کی مری فریاد و آہ کی

ہم بوند بھر شراب کو ساقی ترس گئے
یہ دن بہار کے یوہیں ابکے برس گئے

کرتے سدا کو سیرِ چمن کو ترس گئے / صیاد تیرے عہد کے اسیرِ قفس گئے
مٹنے کہاں دیا نقشِ قدم کی طرح سے ہم / اب تیرے ہو رہے ترے کوچہ میں بس گئے
منت ہوئی ہے خانہ خرابی سے اور ہم / سمجھا وطن اسی کو جہاں رات بس گئے
نقشِ قدم نے آپ کے مجبور کر دیا / ہم کوچۂ رقیب میں کیا اپنے بس گئے
دیکھیں نہ آنکھ اٹھا کے بھی حورِ بہشت کو / ایسے کسی کے جلوے ان آنکھوں میں بس گئے
کنجِ قفس میں رہنے کی عادت سی پڑ گئی / آزاد ہو کے بھی نہ اسیرِ قفس گئے

رسا کو دل میں رکھتے ہیں رسا کے جاننے والے / وفا کی قدر کرتے ہیں وفا کے جاننے والے
یہ وہ کافر ہیں بت ایمان اپنے لے ہی آتے ہیں / خدا کو ماننے والے خدا کو جاننے والے
جفائی آزمایش کا سلیقہ تو ذرا سیکھو / بتوں کو آشنا، نا آشنا کے جاننے والے
ترا کوچہ ہے ظالم اور مریضانِ محبت ہیں / کہاں جاتے ہیں اِس دار الشفا کے جاننے والے
کیا ذکرِ وفا میں نے تو یوں منہ پھیر کر بولے / زمانے سے مٹے رسمِ وفا کے جاننے والے
بتوں کے جاننے والے خدا کو جان جاتے ہیں / بتوں کو جانتے ہیں کیا خدا کے جاننے والے
خدا کا جاننا بس تھا تو کیوں دنیا میں آئے تھے / خدا کے پاس ہی رہتے خدا کے جاننے والے
رسا کو سب نے سمجھایا مگر سمجھا نہ کچھ ظالم / ہوئے مجبور اس مردِ خدا کے جاننے والے
ہوا ہے زرد مرجھان پھول سا چہرہ / عدو سے مل کے یہ کیا اپنا حال کر بیٹھے

رسا رسا۔ سید احمد حسین رسا لکھنوی، جگت پور ضلع رائے بریلی میں سنہ ۱۹۰۱ء میں قیام تھا، حالات باوجود تلاش بہم نہ پہنچے، اشعار ملاحظہ ہوں۔

تمہاری چال کا مارا نہ ہے ناز کا کشتہ / مسیحا کے جلانے سے بھی اچھا ہو نہیں سکتا
ستا لو جتنا جی چاہے زباں سے اف نہ نکلے گی / مرے منہ سے کبھی شکوہ تمہارا ہو نہیں سکتا
دمِ رحلت وہ آئیں یا نہ آئیں سب برابر ہے / کسی صورت سے اب بیمار اچھا ہو نہیں سکتا

ر رسا۔ جناب سید ابو الحسن صاحب خلفِ راجہ میر محمد حسین صاحب شاگرد جناب شہیر [illegible]

میں حیات تھے اِس سے زیادہ حال معلوم نہ ہوا۔ چند اشعار درج ہیں۔

مرد پتا ہے سسکتا ہے تمہاری آشنائی میں ۔۔۔ نہ مرتا ہے نہ جیتا ہے دلِ مضطر جدائی میں
میں روتا ہوں جو نام اُس بت کا لیکر تو وہ کہتا ہے ۔۔۔ رسا رسوا کرو گے تم ہمیں ساری خدائی میں
شوقِ دیدار میں بس موت کا چلتا ہی نہیں ۔۔۔ دم مری آنکھوں میں اٹکا ہے نکلتا ہی نہیں
کس طرح ضبط کروں دل نہو جب قابو میں ۔۔۔ یہ تو کمبخت سنبھالے سے سنبھلتا ہی نہیں
دعوتِ ناوکِ دلدار کروں خاک رسا ۔۔۔ دل سے اک خون کا قطرہ تو نکلتا ہی نہیں

رسا سید محمد سمعیل باشندہ گیا، انکا بیان ہے کہ انکے بزرگ ہمدان سے آئے تھے، نئی طرز میں اکثر طبع آزمائی کرتے ہیں رسالوں میں انکا کلام بھی اکثر چھپتا رہتا ہے، زبان اور مضمون دونوں کا خیال رکھتے ہیں طبیعت کا رنگ ملاحظہ ہو۔ رسا

وہ فصد کر رہے ہیں اگر لالہ زار کا ۔۔۔ آئین کھلا ہے باغ دلِ داغدار کا
زلفیں ہیں یہ گھٹا ہیں چھائی ہی باغ پر ۔۔۔ مُوباف کھل گیا ہے عروسِ بہار کا
ناصح خیالِ توبہ ہی لیکن میں کیا کروں ۔۔۔ مجبور ہوں کہ ہے ابھی موسم بہار کا
ہل چل یہ میکدے میں نہیں آج بے سبب ۔۔۔ تقوی ہے ٹوٹتا کسی پرہیزگار کا
اپنے حنائی ہاتھوں کی مٹھی کو کھول دے ۔۔۔ کچھ کچھ پتا چلا ہے دلِ بے قرار کا
تختے کھلے ہوئے نہیں پھولوں کے باغ میں ۔۔۔ جوبن نکھر رہا ہے عروسِ بہار کا
کس چشمِ سرمگیں کا ہیں کشتہ ہوں اے رسا ۔۔۔ آہو طواف کرتے ہیں میرے مزار کا

کیا دھواں دھار گھٹا اٹھی ہے میخانے سے ۔۔۔ ساقیا نور کا منہ برسے گا پیمانے سے
حلق پر تیغ دو دم رکھ کے بھی پھیر لی گئی ۔۔۔ کیا ملا تجکو ستمگر مرے تڑپانے سے
رہے ہر حال میں تقدیر پہ شاکر انسان ۔۔۔ سب بنے کام بگڑ جاتے ہیں گھبرانے سے
قتل کے بعد ہے یہ حسرت و افسوس عبث ۔۔۔ جی نہ اٹھونگا میں ظالم ترے پچتانے سے

حمدِ خالق میں ہیں عندلیبِ قلم ۔۔۔ حمد ۔۔۔ گلفشاں ہے زہے نصیبِ قلم

[illegible] — وصف لا شریک ہے وہ خدا
[illegible] — تھا چھپا گوہر صنعت کا
[illegible] جب یہ ارادہ — سو قمری میں کیوں ہو لرزہ پیدا
[illegible] و جا بجا بلبل — گل تر پہ ہے کیوں نغمۂ بلبل
ہے کیے میں سب کیے پیدا — نازنیں مہ جبیں سے کیے پیدا
باغ عالم کو زیب و زینت دی — لوٹ ہو جائیں دل وہ صورت دی
دیکھ کر جلوہ اُس کی قدرت کا — ہے فرشتوں میں شور صلِّ علیٰ
حمد کرتے ہیں اُسکی جن و بشر — اُسکے اوصاف ہیں زبانوں پر
ایسی آنکھیں کہاں سے لائیں ہم — اُسکی قدرت کو دیکھ پائیں ہم
ذاتِ باری کو کوئی کیا جانے — آپ اپنے کو وہ خدا جانے

رسا، منشی سید شاہ عبدالعزیز بہاری شاگرد مولانا عبدالاحد شمشاد لکھنوی سنہ ۱۹۲۳ء سے مشق سخن کرتے ہیں اور اپنے استاد کے تلامذہ میں ممتاز ہیں۔ اشعار ملاحظہ ہوں۔

بہشت میں بھی نہ چھوٹے گی بیکسی مجھ سے — وہاں بھی ہاتھ میں بوتل شراب کی ہوگی
کلیم کو جو جھلک طور پر دکھائی دی — نقاب چہرے سے اُس شوخ کے ہٹی ہوگی
تمھارے حسن میں بے شک زوال آئیگا — ہمارے عشق میں ہرگز نہ کچھ کمی ہوگی

رسا، مرزا غلام مصطفےٰ صاحب مددگار ناظمِ اُمور مذہبی ریاست حیدرآباد دکن، پہلے شاید رسوا تخلص تھا اور مہاراجہ پیشکار مدار المہام کی سرکار میں ملازم تھے، حضرت داغ کے کہنہ تلامذہ میں صاف اور اچھا کہنے والوں میں ہیں، حالات کے لیئے متواتر خط بھیجے مگر جواب نہ ملا مجبوراً اندراج کلام پر اکتفا کیا گیا +

قسمت پہ اپنی ناز کرے سبزہ زار ہند — آتا ہے پایہ تخت میں پھر تاجدار ہند
[illegible] پہ سبھی — لندن سے آرہا ہے شہ کامگار ہند

تھا انتظام سارے زمانے کے جمع ہیں ‏ ‏ آ کے یہیں سب آئینِ [illegible]
وہ روشنی ہے شہر میں راتوں کو آجکل ‏ ‏ جسکی ضیا سے ایک ہیں لیل و نہارِ ہند
شاہنشہا ورود سے تیرے کچھ اور ہے ‏ ‏ تزئینِ ہند و رونقِ ہند و بہارِ ہند
پہلے سے شانِ ہند کی کچھ کم نہیں مگر ‏ ‏ آنے سے تیرے اور بڑھا اعتبارِ ہند
جس شان سے سواریِ اقدس رواں ہوئی ‏ ‏ تاریخ میں رہیگی یہ اک یادگارِ ہند
شاہا جلو میں تیرے رسالوں کے وہ پرے ‏ ‏ ایک ایک جن میں رستم و اسفندیارِ ہند
جاندار بن کے چلتی ہے روز وغا سپاہ ‏ ‏ قبضے میں تیرے تیغ جو اہن نگارِ ہند
تھی خانہ جنگیوں سے نہ فرصت کبھی ‏ ‏ قطعہ ‏ ‏ کب تھا کسی زمانے میں یہ اقتدارِ ہند
کیا چین سے گذرتی ہے تیرے زمانے میں ‏ ‏ اے شہریارِ لندن و اے تاجدارِ ہند
بے انتظامیوں کا نہیں دخل اب کہیں ‏ ‏ سنجیدگی سے چلتے ہیں سب کاروبارِ ہند
اب ایک ہی ہے مشرق و مغرب کا بادشاہ ‏ ‏ کیونکر نہ دولتوں میں بڑھے اعتبارِ ہند
زندہ کیا حضور نے اکبر کے نام کو ‏ ‏ کیوں خلق آپ کو نہ کہے افتخارِ ہند
وہ جو رسا ہے بندۂ دیرینۂ نظام ‏ ‏ دیتا ہے یوں دعا تجھے اے تاجدارِ ہند
فرخندہ و مبارک و مسعود و سازوار ‏ ‏ دربار ہو یہ اے شہِ عالی تبارِ ہند
پھولے پھلے زمانہ میں گلزارِ خسروی ‏ ‏ گل پھول تا کھلائے چمن میں بہارِ ہند
آباد و شاد اسپر رو امپرس رہیں ‏ ‏ ہو جاں نثارِ شاہ ہر اک جاں نثارِ ہند
جتنے رئیس ہند ہیں سب پر ترا یہ لطف ‏ ‏ سب مانتے ہیں تجھکو کہ ہے تاجدارِ ہند
آصف سے اتحاد کا محکم ہو رابطہ ‏ ‏ ہے وہ رفیقِ دولتِ عظمت مدارِ ہند

رستم

رستم منشی رستم علیخان رستم، الہ آباد کے باشندے اور ۱۸۹۲ء میں مرزا پور میں مقیم تھے رسالۂ پیامِ عاشق سے کلام نقل ہوا۔

کٹ گئی عمر مگر تو نہ کٹی کاٹے سے ‏ ‏ طول کس درجہ ترا اے شبِ ہجراں نکلا

[illegible] ہیں [illegible] ۔۔۔ [illegible] آنکھوں میں آئی نہیں کم [illegible]
[illegible] چار [illegible] ۔۔۔ سے تجھ سے بھی رخصت ہو کے [illegible]
[illegible] نہ چھوڑا مجھے ستم ۔۔۔ تا عمر رہی ہو مری ہمدم شب فرقت

رُسوا — رُسوا [illegible] تخلص سے [illegible] رُسوا جوہری ساکن شاہجہان آباد عہدِ اکبر شاہ ثانی (۱۸۰۶-۱۸۳۷ء) و اکثر [illegible] دوں میں غزلیں پڑھتے پھرا کرتے تھے، مرتے وقت وصیت کی کہ شراب میں غسل دینا چنانچہ ایسا ہی ہوا یہاں تک کہ کپڑوں پر بھی شراب چھڑکی گئی مگر روایت ہے کہ جنازہ اٹھاتے وقت کسی کو بھی شراب کی بو نہ آئی، یہ کلام ہم رسیدہ کا خلاصہ ہے، ٭

رُسوا ہوا خراب ہوا اور بدر ہوا ۔۔۔ اِس عاشقی کے پنتھ میں جس کا گذر ہوا
مست ہو کر چلے ہیں ہر طرف [illegible] ۔۔۔ ابرِ رحمت ہے برستا یا برستی ہے شراب
[illegible] ہم اور چمن میں جائے نہیں ۔۔۔ اڑیں تو پر نہیں رکھتے چلیں تو پائے نہیں
رُسوا بھی اِس زمانے میں مجنوں سے کم نہیں ۔۔۔ کوئی جا نہیں زمیں پہ کہ اشکوں سے نم نہیں
وصل میں [illegible] اور ہجر میں بیتاب ہو ۔۔۔ اِس دیوانے دلکو رسوا کس طرح سمجھائیے

رُسوا — رُسوا [illegible] عبد الحمید رُسوا ابن شیخ امداد علی متوطنِ غازیپور مقیم آگرہ چند فارسی غزلیں مرزا نوشہ غالب کو دکھائیں تھیں۔ اردو میں مرزا مہر سے اصلاح لی تھی ۱۲۴۴ھ میں پیدا ہوئے تھے [illegible] اور کچھ حال دستیاب نہ ہو سکا۔ کلام حاضر ہے۔

اگر دل [illegible] کے [illegible] عرشِ خدا ٹھیرے ۔۔۔ بتوں نے جب انہیں چھینا تو پھر تبلاؤ کیا ٹھیرے
کہاں [illegible] ٹھیرو تو دل لے دلربا ٹھیرے ۔۔۔ کہاں اُس گیسوؤں والے نے اب کسکی بلا ٹھیرے
دلِ مضطر [illegible] سوداں میں کیا ٹھیرے ۔۔۔ کہاں سیماب و آتش دو نوباہم اکجا ٹھیرے
[illegible] کی تیری ہوئی کشتی جدا ای قاتل ۔۔۔ عجب کیا ہے جو انکی خاک بھی خاکِ شفا ٹھیرے

رُسوا — رُسوا صاحب طبع رسا منشی کفایت علی رُسوا اکبرآبادی، قاضی سید محمد ہاشم علی مغفور کے [illegible] بمقام آگرہ پیدا ہوئے ان کا خاندانی سلسلہ سید علی ہمدانی سے ملتا ہے

مولوی سید گلزار علی اور مولوی محمد بشیر سے تحصیل عربی فارسی کی [illegible]
خادم حسین صاحب رئیس اکبرآبادی سے تلمذ اختیار کیا اور اُنہیں سے [illegible]
شہیل تخلص کیا، لیکن چونکہ طبائع و مذاقِ سخن میں اختلاف تھا کچھ دنوں بعد [illegible]
داغ دہلوی کے تلمذ سے بہرہ یاب ہوئے، شوخی فکر اور طبیعت کا چلبلا پن [illegible]
ہے ۱۸۹۰ء میں گوالیار جاکر ملازم سرکار سیندھیہ ہوئے اب عدالت دیوانی [illegible]
میں اہلمد ہیں سن شریف قریب چالیس بیالیس سال کے ہے، طبیعت کا جو [illegible] مفصلہ
ذیل اشعار سے ظاہر ہے *

یہ کلیجہ ہے میرا دل ہے میرا دم ہے میرا	آپ کے تیر کو پہلو سے نکلنے نہ دیا
غم دیا رنج دیا، داغ دیا، درد دیا،	اُسنے سب کچھ دیا ارمان نکلنے نہ دیا
تیری خاطر سے رقیبوں کا بھی اپنے شکوہ	دل میں آیا تو سہی منہ سے نکلنے نہ دیا
ملے جو قسمت سے ایسا موقعہ تو لطف آئیگا زندگی کا	مزا تو جب ہے کہ وصل میں ہو زبان کیسی [illegible] کیسا
ملے تھے قسمت سے وصل کی شب مذاق کیسا یہ مجکو سوجھا	بگڑ گئے وہ شکایتوں سے نتیجہ نکلا یہ دل لگی کا
سوال ہوگا تو ادھر ہی کچھ جواب دینگے وہ اور ہی کچھ	مزا تو آئیگا حشر کے دن ہماری انکی جلی کٹی کا
یہ نا ملال ہوگا ذرا اُنھیں انفعال ہوگا	وہ چھپ کے نکلے عدو کے گھر سے یہی تو ہے وقت دل لگی کا
گلے سے اپنے لگاؤں اُنکو شکایتوں سے حصول سوا	لگا ہی قسمت سے ہاتھ یہ دن نہیں ہے موقعہ جلی کٹی کا
کون کرتا ہے الٰہی یہ شرارت مجھ سے	خط پہ خط مجکو جو گمنام چلے آتے ہیں
یہ جلانیکا نیا ڈھنگ کیا ہے ایجاد	غیر کے خط بھی مرے نام چلے آتے ہیں
کون سنتا ہے ہماری کہ کریں داد طلب	ہائے محشر سے بھی ناکام چلے آتے ہیں
ہم تجھے قتل کرینگے سرِ محشر آکر	ابتو نوٹس یہ مرے نام چلے آتے ہیں
آنکھوں آنکھوں میں اشارہ ہے کہ دو لوائے دل	پردے پردے میں وہ مطلب کی سنا دیتے ہیں
حضرت وہ دکو آنا ہے تکلف کیسا	آپ جب اُٹھتے ہیں تو مجکو بٹھا دیتے ہیں

[illegible] ہیں
[illegible] ہیں

اپنا دل [illegible] کا کہنا
[illegible] ہیں

[illegible] جہاں سے [illegible]
ہم تو اس کشتے والے کو کہا جاتے ہیں

کسی کے [illegible] کا تصور جو آ گیا ہو
جلائے سے نہ بجھا ہو [illegible]

[illegible] قیامت تک رہے باقی
نئے حسرت اگر کوئی تو پھر ارمان پیدا ہو

دل سے خالی نہیں رہتا کبھی ارمانوں سے
روز گھر اپنا بھرا رہتا ہے مہمانوں سے

پھر بھی گرم سے قائل ہوں تری شوخی کا
نہ تو اپنوں سے ملوں اور نہ بیگانوں سے

پھر امنگوں کا ظہور اس دلِ ناشاد میں ہے
کچھ ترا رحم بھی شامل تیری بیداد میں ہے

نارسائی بھی [illegible] ہے باتیں کیا کیا
یہی وجہ تو بجا دامنِ فریاد میں ہے

[illegible] ہو جاتے ہیں ہی خواہشوں سے
ایک سے ایک بھلا عالمِ ایجاد میں ہے

در بدر [illegible] سے فائدہ، حاصل مطلب
یار کا گھر تو ہمارے دلِ ناشاد میں ہے

وہ اگر ظلم بھی کرتے ہیں تو ہے عہدِ وفا
یاں گذارش بھی تو داخل مری فریاد میں ہے

آپ [illegible] یکتا ہیں مگر یہ سمجھئے +
کوئی رُسوا سا بھی اِس عالمِ ایجاد میں ہے

رُسوا — رُسوا۔ سید محمد اصغر رُسوا خلف میر وزیر علی اخگر مرحوم لکھنوی، حضرت رشید لکھنوی کے باحیثیت تلامذہ میں ہیں، خوش فکر شیریں کلام شاعر ہیں، بندش اور مضمون دونوں کا لحاظ رکھتے ہیں، یہ کلام کا نمونہ ہے +

دشمنوں سے بھی چھپ کر رہتیں ہا ہیں کیونکر
چھپ سکینگی یہ محبت کی نگاہیں کیونکر

[illegible] حسینوں کی بلائیں کیونکر
با مدا ہوتی ہیں مقبول دعائیں کیونکر

مجھ سے کیا پوچھتے ہو ناز و کرشمہ کیا ہو
قتل کی اپنے بتا دوں تمہیں راہیں کیونکر

وصل کی رات جو پہلے یہ بتا دو مجھکو
تم کسی بات پہ روٹھو تو منائیں کیونکر

[illegible] مروت بھی [illegible] کوئی سے
رسم بڑھ جائے کسی سے تو گھٹائیں کیونکر

کہتے ہیں تذکرۂ جاوید مجھے کاتبِ شعر
آب شمشیر نہیں آب بقا کہتے ہیں

عبث کھٹکا ہے چشمِ باغباں میں
کہ اب کیا تھا ہمارے آشیاں میں

قتل کا مانع نہیں اسے قاتل نہیں
پر ابھی یہ ہاتھ اس قابل نہیں

دیکھتا ہوں گو تصور میں تجھے
چاہیئے جو لطف وہ حاصل نہیں

کام کیا مجموِل شکستہ کا وہاں
شمع کشتہ لائقِ محفل نہیں

باغِ عالم میں جو سونگھا پھول پائی تیری بو
ہر ورقِ گل کا مزین تھا تری تصویر سے

برہمیِ زلف سے سب رازِ سربستہ کھلا
مدعا پایا تیرے ام ابھی ہوئی تقریر سے

ابھی تلاشِ رہِ میکدہ میں بھٹکے واعظ
تم اِس گھڑی ہیں گویا کہ خضر راہ سے

ہنسی میں بھی ہے بسر کدورت لیا ہی نوشتہ بے اجاز
مٹی ہے تقدیر کی یہ صورت ہنسا ہنسا کر رلا رہا ہے

فقط لہو کا تھا ایک قطرہ بہا وہ آنکھوں کی راہ سارا
دبا رہے ہو جو دل ہمارا تو تمہیں سمجھا ہی کیا ملا ہے

چھپایا رازِ محبت اپنا کہ پی گیا آنسوؤں کا دریا
یہ رنگِ رخ کو کہو کروں کیا یہ زرد کا کہنا رہا ہے

کچھ عبث آفت میں جانِ عاشقِ دلگیر ہے
ضعف دامنگیر ہے وحشت گریباں گیر ہے

یہ سمجھ کر مجھ سے منہ پھیرے ہوئے بیٹھے ہیں وہ
زخمِ دل کے واسطے سوزن نگہ کا تیر ہے

ہے گمان تسکین کا ہی ظلم کی بس انتہا
اس پہ پچھتاتا ہے قاتل دل میں جو تیر ہے

بیخودیِ شوقِ جوابِ خط میں دیکھے تو کوئی
ایک ہی مطلب ہے لیکن سو جگہ تحریر ہے

یاں دم آنکھوں میں ہے اور واں یہ گذرتی ہے خبر
آنکھ بیمار نے اب کھولی ہے حال اچھا ہے

یہ کہہ کے آج وہ ہمت بڑھا گیا میری
رتری وفا سے پشیماں ہوئی جفا میری

رسوا رسوا منشی سید باقر حسین صاحب لکھنوی ملازم میونسپل کمیٹی لکھنو۔ داغ دہلوی کی شاگردی کا دم بھرتے ہیں اور حسین آدمی ہیں، یہ انکا کلام ہے۔

پری ہو، حور ہو، یا آدمی ہو
تلاشِ خوبرو ہے اور میں ہوں

کیوں نہ پروانہ ہو دل شمعِ حجابِ یار کا
ہے فروغِ عشق عاشق کے لیے چراغ

[illegible] بعد [illegible] تک [illegible] ہیں	[illegible] جتنا نہیں [illegible]
بنالیے ہیں [illegible] عشق کی دیوار آئینہ	تماشا [illegible] ہم [illegible] لے
سینۂ [illegible] ہوئی ہے حالت	کس طرح [illegible] کے پہلو کو [illegible]
[illegible] سکا [illegible] تو دل میں [illegible]	تو نہ [illegible] ہیں [illegible] نہیں آتی

رسوا لیفٹنٹ [illegible] شاد صاحب تذکرہ ہنود سے کلام لیا گیا۔ ملاحظہ ہو +

ان [illegible] کہے [illegible] کیوں [illegible] تم امتحاں نہیں	پڑ گیا مجھ پر بھی کیا سایہ تری دیوار کا
[illegible] ہنگامۂ محشر پہ کیا کیا اعتراض	جب تلک دیکھا نہ تھا عالم تری رفتار کا

رسوا منشی سید امداد حسین بریلوی از سادات نومحلہ، آپ ریاست چھپور کی کونسل عالیہ میں وکالت کرتے تھے، پھر ناظم بھی ہو گئے تھے ۱۹۱۲ء میں انتقال کیا، بڑے نکتہ فہم نکتہ رس سخن سنج تھے، لیاقت علمی بہت اچھی تھی، شعر کا شوق بہت کم تھا مگر جب کہتے تھے تو خوب کہتے تھے، فی البدیہہ شعر کہنے کی اچھی مہارت تھی، قاضی محمد خلیل صاحب کی زبانی چند اشعار سُنے وہ درج کیے گئے +

بہار چھا گئی آنکھوں میں جب سُرور آیا	شراب پینے سے کافر کے مُنہ پہ نُور آیا
شراب چھوڑ کے نیت ہوئی ہے ڈانواڈول	یہ کیسی توبہ کہ ایمان میں فتور آیا
ہماری آنکھ کی اندر ہیں مستیاں بے مے	کسی حسین پہ نگہ جب پڑی سُرور آیا
لوگ کہتے ہیں کہ عالم میں بہار آئی ہے	دیکھتے ہم جو گزرتے سوئے زنداں ہو کر
اک جہاں کشتۂ نازِ خود آرائی ہے	آپ جو چاہیں کریں آپکی بن آئی ہے
ہم اتنی زیست میں تنگ آ گئے ہیں حضرتِ خضر	کہاں سے لاتے جگر عمرِ جاوداں کیلیے
نہیں یہ شرم رسوا کو ترکِ محبت سے	کہینگے خود غرض تھے چار دن کی آشنائی تھی
وہی فغاں ہے وہی آہ ہے، وہی نالہ	خدا کے فضل سے اپنا جو حال تھا سو ہے

رسوا مولانا فیض احمد صاحب بدایونی، بار بار حالات کے لیے لکھا گیا، مگر باوجود [illegible]

کچھ اطلاع نہ ملی، مکرمی ومحبی قاضی محمد خلیل صاحب کی بیاض سے [illegible]

قطعہ

بتخانوں میں دے پھرا اذانیں — ناقوس ہی کعبہ میں بجا[illegible]
لیکن نہ کسی نے یوں بھی پوچھا — بے وقت یہ راگ کس نے [illegible]

تم جسے چاہو چڑھا لو سر پر — ورنہ یوں وحش پہ کامل ٹھہرے
کوئلیں بولیں پپیہے کو کے — روز و شب شیشہ سے تعلق ٹھہرے
بد دماغی ہے فقط میرے ساتھ — کان کی بات مری غل ٹھہرے
ہم جو چپ ہوں تو سڑی کہلائیں — شیخ چپ ہوں تو توکل ٹھہرے

محفل میں اسکی دور کھڑے ہیں دبے ہم — ہیں اسکے منتظر کہ اشارہ کرے کوئی
کرتا ہوں دیر اسلیئے دینے میں جان کے — مجکو پسند ہے کہ تقاضا کرے کوئی
کہتے ہیں جسنے چھوڑی خودی وہ خدا ہوا — درگذرے ہم خدائی سے بندہ کرے کوئی

رسوا

رُسوا۔ جناب مرزا ہادی حسن صاحب رُسوا، حاجی مرزا ولی جان بیگ کے بیٹے بریلی کے باشندے اور حضرت اسیر کے شاگرد ہیں، آپنے جو تقریظ خمخانۂ جاوید پر لکھی ہے وہ جلد دوم کے آخر میں درج ہے۔ کلام کا نمونہ حاضر ہے

نظر آتی ہے جور چرخ سے ویرانی عالم — کھلی آنکھیں نظارہ کرتے ہیں خواب پریشاں کا
روتے ہیں اپنے حال شکستہ پہ صبح تک — منہ ڈھانکتے ہیں دامن چاک سحر سے ہم
آنکھوں سے لیں کھینچتے ہیں عکس رخ یار — فوٹو کا کام لیتے ہیں تار نظر سے ہم
رخ میری سمت اور نظر لطف غیر پر — اپنی نظر میں گر گئے انکی نظر سے ہم
رہا راز محبت سفر نہاں میں نہاں برسوں — کیئے اسرار دل رنگ پریشانیاں برسوں
کیسی پردہ پوشی دل سے منظور نظر رکھی — رہا طفل سرشک آغوش مژگاں میں نہاں برسوں
سوال وصل پر وہ بن گئے تصویر خاموشی — رہا رنگ حیا چشم مروت میں نہاں برسوں
بنایا جسم خاکی مرکب جاں مدتوں رُسوا — چلی ریگ رواں میں کشتی عمر رواں برسوں

بہار آئی ابھی خبر ہو دست و پا خاک کی ... کہ جوشِ جنوں میں چاک گریباں ہوتے جاتے ہیں

یقیں ہے کہ گلشن میں مشہور پا ہونیوالا ہر ... کہ خورشید قیامت داغ ہجراں ہوتے جاتے ہیں

جنوں سے نعمہ پرداز فصلِ بہاری ہے ... گل و بلبل بہم دست و گریباں ہوتے جاتے ہیں

[illegible] عشرت ملتے جاتے ہیں شبِ وصل ... نئے گلدستے زیبِ طاقِ نسیاں ہوتے جاتے ہیں

رُسوا۔ منشی سید اختصار حسین شاگرد احسان شاہجہانپوری، آجکل کے شعرا میں انکا شمار ہے قاضی خلیل کے مشاعرہ کی غزل میں سے چند شعر نقل کیے جاتے ہیں۔

دلِ مجرم محبت کا کیے جاتا ہے اقرار ... بیخوف بھی مجرم کوئی ایسا نہیں ہوتا

چمکے گی برقِ طور سے کیا عاشقوں کی آنکھ ... اس میں تجلیاں ہیں تری جلوہ گاہ کی

زبانِ غیر کی تاثیر دیدے سلق میں یارب ... کسی کے سامنے اب قصدِ اظہار تمنا ہے

ہوا سنگِ جفا سے چور لیکن اُف نکی دل نے ... ندی آواز جسنے ٹھوکر بھی یہ وہ شیشا ہے

مری آنکھوں سے دل میں بے تکلف تم چلے آؤ ... کوئی تمکو نہ دیکھے گا کہ یہ پردہ کا رستا ہے

رُسوا۔ بابو ہر کشنداس رسوا، کلرک سدرن پنجاب ریلوے مقیم دہلی شاگرد آغا شاعر قزلباش دہلوی

ساقیا مجکو وہ مخمور دکھادے آنکھیں ... ہوں ندیدہ مئے گلرنگ کے پیمانوں کا

مدتوں ہو نہ سکا جب تری ابرو کا جواب ... ٹھوکریں کھائیں ہلالِ سُمِ توسن ہو کر

نیچی نظروں سے ہوئے جاتے ہیں بسمل لاکھوں ... حشر برپا ہو اگر آنکھ اُٹھالے کوئی

یاد آتا ہے شبِ وصل کسی کا کہنا ... ہاتھ ٹوٹیں جو ہمیں ہاتھ لگائے کوئی

کردیا پامال اس صورت سے رُسوا کا مزار ... ٹھوکروں پر ٹھوکریں آتے ہوئے جاتے ہوئے

رُسوا۔ منشی شیخ محمود حمید باشندۂ ضلع سارن محرر سررشتہ رجسٹری تحصیل بانس گاؤں۔ بیس برس سے مشقِ سخن کرتے ہیں اور جناب نسیم خیرآبادی کے تلامذہ میں داخل ہیں۔ چند شعر ملاحظہ ہوں +

[illegible] ہاتھوں میں حنائے خونِ بسمل ہے ... قیامت آج جوبن پر عروسِ تیغِ قاتل ہے

ذرا دیکھو تو بیرحمی نہ دیکھا مڑ کے قاتل نے
کہ مقتل میں تڑپ جانا کہ پہلو ... میں ہے

غریقِ عشق ہیں ہمکو نہیں ہے خضر کی حاجت
ہمارا رہنما دل ہے ہمارا پیشوا دل ہے

وہ کشتہ ہوں کہ مجکو مار کر ظالم پشیماں ہیں
کٹا جاتا ہے خنجر پانی پانی میرا قاتل ہے

رشک

رشک محقق علم شعر زائر کربلائے معلّی میر علی اوسط رشک مرحوم خلف میر سلیمان باشندۂ فیض آباد مقیم لکھنؤ شاگرد رشید امام الشعرا شیخ امام بخش ناسخ مرحوم، آخر عمر میں کربلائے معلّی میں سکونت اختیار کی تھی، علم زبان کے زبردست محقق اور ایک ضخیم و مبسوط لغت اردو کے مؤلف تھے لیکن افسوس ہے کہ وہ لغت شائع نہیں ہوا جناب رشک اپنے زمانے کے مشاہیر شعرائے لکھنؤ میں شمار ہوتے تھے اور انکے شاگرد بھی بکثرت تھے، تاریخ گوئی میں اچھا ملکہ حاصل تھا انکے دو دیوان مسمیٰ بہ نظمِ مبارک و نظمِ گرامی غدر سے پیشتر چھپے تھے اب کمیاب ہیں، بڑے پرگو اور زود فکر کہنے والے تھے مگر رعایت لفظی اور ضلع جگت کے دام میں اسیر لکھنؤ کے اساتذہ میں انکا شمار ہے مگر بیشتر حصہ اشعار کا خشک کلامی اور بدمذاقی کے عیوب سے پاک نہیں کہا جا سکتا دور از قیاس تشبیہ و استعارہ برتنے کے شوقین اور اصلی مفہوم شاعری سے بےخبر تھے اس لیے اکثر مضامین عام درجہ بتذل باندھ جاتے تھے تاہم بعض بعض جگہ انکی زورِ مشق اور استعداد کامل سے اچھے شعر بھی نکل جاتے تھے، طبیعت کا رنگ ظاہر کرنے کے لیے کچھ اشعار انکے خاص رنگ کے بھی درجِ انتخاب کر دیئے ہیں گو ہمارے مذاق کے خلاف ہیں، انکے تلامذہ میں منیر شکوہ آبادی رتبۂ استادی رکھتے تھے، حضرتِ رشک نے ۱۲۸۴ھ میں بعمر ۷۰ سال انتقال فرمایا۔

دیکھیے اللہ کی یہ قدرتیں
سنگ سے بت بت سے خدا ہو گیا

یوں بھی نہ پوچھا کبھی صیاد نے
کون رہا، کون رہا ہو گیا

غمزہ نہ اٹھ سکا دلِ شیدا اٹھا لیا
کس چیز کو اٹھانے گئے کیا اٹھا لیا

کاہیدگیِ جسم اگر یونہی رہے گی
ہمکو بھی ہمارا تنِ لاغر نہ ملیگا

یا ساتھ ترے سوئینگے یا قبر میں جا کر
مدفن تو ملے گا جو ترا گھر نہ ملیگا

[illegible] لہو کا
[illegible] سے

دیکھا [illegible] مکاں [illegible]
تاروں کی کہکشاں ہے [illegible] سے

آنکھوں کا [illegible] آتا ہے [illegible]
داغ سینے کا چراغ شب ہجراں ہوگا

جگر [illegible] سے کیسا دل آئینہ
ششدر ہوں کارخانۂ [illegible] کا

جن مژہ آشوب عالم حسن چشم یار تھا
جسکو دیکھا نرگس بیمار کا بیمار تھا

دیں کو کیونکر بے نقاب آتا وہ رشک ماہتاب
پردۂ شب ہے اکثر حجاب آیا کیا

سب مشتاق [illegible] دنیا کی کھلی جس روز سے
ہر فلک چشم تصور میں حباب آیا کیا

سیب کا پوست ہے وہ جلد ذقن
جلد پستاں انار کا چھلکا

قیس کہتا حجاب ہم نہ ہوئے
کہ اٹھا دیتے پردہ محمل کا

آتش عشق نے مجھے فکر سے پاک کردیا
صورت نخل شعلہ ہوں غم نہیں برگ و بار کا

دیکھا چشم غور سے دونوں کا حال ایک ہی
گردش چشم یار کا گردش روزگار کا

اس سے دلوں کو چین ہے اس سے ہے شورش جہان
یار میں، آفتاب میں، فرق ہے نور و نار کا

دنیا میں جبتک میں خیال لطف جاناں تھا
زمانہ زندگی کا مو بمو خواب پریشاں تھا

جلایا باغ ایسا آتش رخسار جاناں نے
کہ ہر گل داغ تھا جو سرو تھا سرو چراغاں تھا

اے عشق تیری بندہ نوازی کا ہوں غلام
محمود کو غلام بنایا ایاز کا

اللہ رے موسم بہاری
ابکے ہے فلک سے تا زمیں سبز

فرش نعیم خاک ہے، بستر اگر نہیں
کنج لحد میں چین کرینگے جو گھر نہیں

اقرار کا یقین، نہ انکار کا یقین
تیری زبان پر ہے ادھر ہاں ادھر نہیں

[illegible] اس خم و چم کا کوئی گلہ نہیں
یہ خم ابرو نہیں یہ حلقۂ گیسو نہیں

[illegible] کے میدان عدم سے کتنی [illegible]
توسن عمر رواں پر کیا کوئی قابو نہیں

[illegible] کی نہایت کا نہیں [illegible]
کشتی عمر جدھر جائے ادھر جانے دو

آہیں بھرونگا تو کچھ بات سنائی دیگی
ناصح پہلے یہ آندھی تو ٹھہر جانے دو

وہ بے نصیب ہوں جو کروں قصدِ میکشی
خونِ جگر شراب بنے دل کباب ہو

جو جو عذابِ وحشتِ جنوں ہمنے جھیلے ہیں
اِن سب کا روحِ قیس کو [illegible]

سر کھا گئے بک بک کے نصیحت سے مرے دوست
طعنے ہیں جنوں میں مجھے پتھر سے زیادہ

کعبہ کی راہ لی درِ دلدار چھوڑ کر
پایا اسی سے حاجیوں کو سال بھر تباہ

اُنکا مزاج غیر جو آکر بدل گئے
کچھ کہہ کے وہ زبان برابر بدل گئے

جو دے تو حاتم بنے ہے نہ دے تو قاروں ہے
طرح طرح سے زمانے میں نام ہوتا ہے

ذرا سے پیچ میں ہمکو حلال کرتے ہو
اِسی سے کہتے ہیں غصہ حرام ہوتا ہے

کھول کر زلف کہا اژدرِ موسیٰ کیا ہے
ہاتھ چمکا کے وہ بولے یدِ بیضا کیا ہے

راستہ صبح تک اے رشکِ قمر دیکھیں گے
آج ہم شام سے آہوں کا اثر دیکھیں گے

اِک بتِ بدگماں سے ملنے پر
سارے عالم کی بدگمانی ہے

شبِ ہجراں سحر ہوئی تو کیا
کسے اُمید زندگانی ہے

اب تو باتیں بھی ہو گئیں موقوف
اَرِنی ہے نہ لن ترانی ہے

کہیں زلفوں سے دل آنکھیں نہ لے لیں
اندھیری رات ہیں چورونکا ڈر ہے

پورا ہوتا ہے چاند ایک ہی رات
ماہِ عارض ہمیشہ کامل ہے

چُپکے سنتا ہوں بات ناصح کی
کہ خموشی جوابِ جاہل ہے

بے دلیل اُسکو ہمنے پہچانا
عقل ناقص ہے فہم کامل ہے

کیا ہی جسمِ آدمی کو جلد کھا جاتا ہے غم
دشمنی ایسی نہیں دیمک کو جرمِ چوب سے

چار دن چین سے کھا سردِ ہوا کے جھونکے
گھات میں لگ رہے ہیں بادِ فنا کے جھونکے

گرمیاں اور نئی اُس بتِ کافر کی یہ ہیں
ٹھنڈی آہوں کو سمجھتا ہے وہ لُو کے جھونکے

ابر ہے، باغ ہے، دریا ہے، وہ گلفام نہیں
آج برباد ہوئے سردِ ہوا کے جھونکے

برسات پڑا لیتا ہوں — جائیں یہ جھکے جھونکے

جنبش ہے جو رخ کی تو ہم ہوئیں زلفیں — یہ سانپ سمجھ جاتے ہیں بچھو کے اشارے

فصل گل آئی بہار تو بہلے ہوجائیگی — ریش زاہد پنبۂ مینائے مے ہوجائیگی

شوق اگر یوں ہی رہا آوازِ مطرب کا مجھے — آہ جو منہ سے نکل جائیگی سے ہوجائیگی

کہاں یہ لطف چیتے نے اگر پائی کمر پتلی — تمہارے ہونٹ پتلے انکھیاں پتلی کمر پتلی

تجھے تشبیہ حیوانوں سے کیوں انسان دیتے ہیں — نہ وحشت چشم آہو میں نہ چیتے کی کمر پتلی

فقط تجھ میں عناصر نے عجب ترکیب پائی ہے — بدن شفاف شانے گول قد موزوں کمر پتلی

اچھی رفل کی گولی کا ہے تو ٹانِل میں بھی — مژگانِ یار میں ہے اگر لاگ تیر کی

مژگانِ چشمِ تر کا یہ عالم ہے ہجر میں — پھبتی ہے مو بمو رگِ ابرِ مطیر کی

ہم عشق سے بیتاب ہیں تم حسن سے مغرور — تقصیر ہماری ہے نہ تقصیر تمہاری

صبح و مہ و خورشید ہوں یا شمع شب افروز — کس کس میں نمایاں نہیں تنویر تمہاری

پھر نہ ٹھیر ینگی چمن میں بلبلیں — جس دن سے گلگوں قبا دیکھا تجھے

کہاں سے لایئے کارِ ثواب کی فرصت — غمِ فراقِ بتاں سے عذاب رہتا ہے

وہ بادہ کش جو جلائے جگر جلانے دو — کہ اتفاق شراب و کباب رہتا ہے

آیئے! جب مزاج میں آئے — خانۂ دِل حضور کا گھر ہے

چھیڑ کے لئے یہ ہنگام ملاقات نکالی — جس بات میں رنجش ہو وہی بات نکالی

اے رشک رقیبوں سے ملاقات نکالی — نظارۂ جاناں کی عجب گھات نکالی

تعظیم کے حیلے سے اٹھایوں کر نہ بیٹھا — ہم گھر میں گئے تو یہ مدارات نکالی

بے وصل جو روتا ہوں تو ہو کر متبسم — فرماتے ہیں بے فصل کی برسات نکالی

شرمندہ ہے رخِ گلِ تر روئے یار سے — شبنم کا وہم ہے عرقِ انفعال سے

یہ خونِ دل پیا کہ ہوئی زندگی حرام — جبتک جیا کیے یہی ہمکو ملال ہے

ہم بادہ خوار جانتے ہیں ایک مسئلہ
دلِ مرا کعبہ ہے تو ایمان ہے
تُو نے رکھی سان پر تلوار اگر
تن جوشِ خوں سے لال ہے داغِ اندار ہے
تیر نگاہِ یار کا پلّا نہ پُو سے چھپے

زاہد ہے جسم [illegible]
اے پری ہیں ہم [illegible]
شہر کو سن لیجیو [illegible]
سودائیان فصلِ جنون پہ بہار ہے
دیکھا تو سر طائرِ گردوں شکار ہے

رگِ جاں میں چُھپیں گے آج دن بھر تیر یا نشتر
وہاں پلکوں کی جنبش ہی یہاں کانٹے کھٹکتے ہیں

دورِ یادِ مژگاں ہے خیالِ رخنۂ جنان ہے
یہاں حال پریشاں ہو وہاں زلف پریشاں ہے

فصلِ گل آئی نہ اُٹھئے خانۂ خمار سے
خونِ خم پیتا ہے کھاتا ہے بط مے کے کباب
چھوڑیے تکلّف لڑانا اب طلوعِ حسن ہے

الحذر زہد و ورع سے توبہ استغفار سے
محتسب کے ہوش اُڑتے ہیں ترے میخوار سے
کاٹیے تیغ مہِ نو ابروئے خدار سے

بعدِ مُردن خاک کا انبار یا لوحِ مزار
جادۂ راہِ عدم کو شرطِ کامل ہے وجود
بہر پیغام اے صنم اک آدمی مختار کر
بات یہ بطنِ صدف سے خوب ہاتھ آئی ہیں
رُوح شبہائے جُدائی میں فنا ہو جائیگی
حُسن آیندہ بھویں ہونگی یہ تلوار سے تیز
ہو گئے مرغانِ فلک پڑا تنک تیرے شکار
وہ سیہ کار زمانہ ہوں کہ میرے عکس سے
بقربِ یار خواہشِ ہستی بعید ہے
کہو جو قاتل وہ جنت ہے جہاں ہیں یک قلم
صُورت اگر یہی ہے وفورِ حجاب کی

اے اجل اسکے سوا کیا خاک پتھر چاہیے
خانہ بربادی کو بھی پہلے کہیں گھر چاہیے
ہے اگر دعویٰ خدائی کا پیمبر چاہیے
لطف یہ ہے ہاتھ خالی دل تونگر چاہیے
یادِ زلفِ عنبر افشاں اژدہا ہو جائیگی
زلف سمجھے ہو جسے کالی بلا ہو جائیگی
جنبشِ موجِ ہوا زنجیرِ پا ہو جائیگی
آرسی خورشیدِ محشر کی تو ہو جائیگی
جینا مُضر ہے ہجر میں مرنا مفید ہے
خون کی نہریں بہیں پھر پھول پھل تلوار کے
ای ماہ چہرہ کیا تجھے حاجت نقاب کی

[illegible] دل کر
میں خط سے [illegible] چاہوں [illegible] کی

[illegible] کیا ہوا
دلہائے یکتاں ہیں جگہ پر خراب کی

[illegible] مارضی
دو چار روز رہتی ہے رنگت خضاب کی

ہوں اسیران بلا میں وہ گنہگار قدیم
کبھی کھلتا نہیں یکما در زنداں جسنے

جرم سفاک نہیں خون مرا اس پر ہے
تیر کھینچا ہے دل سے مع پیکاں جسنے

نہ دیکھ چشم حقارت سے ای حباب مجھے
ثبات عمر پہ آتا ہے خود حجاب مجھے

ادا ادا میں نمک زخم پر چھڑکتا ہے
جو بات بات میں کرتا ہے وہ کباب مجھے

میں ایک بات میں رکھتا ہوں لاکھ دلیں جواب
وہ ایک بات میں کرتا ہے لا جواب مجھے

ہو عرش پر تو آپ کو زیر زمیں سگنے
ہر دم کو آدمی نفس واپسیں سگنے

سینے کے داغ و ہو کے ہیں گنواؤں رات بھر
تارے خدا کرے وہ بت مہ جبیں سگنے

گنتے ہیں اے کریم ترے عفو بے حساب
اپنے گناہ ہمنے کسی دن نہیں سگنے

اٹھ گئے ہم سفر عنفواں سے پہلے
چمن اپنا ہوا پامال خزاں سے پہلے

آدمی وہ ہے جو انجام نہ بھولے اپنا
گور کی فکر ہو تعمیر مکاں سے پہلے

ہیں قد و عارض جاناں کی شبیہیں اے رشک
باغ میں سرو گل آئے ہیں کہاں سے پہلے

ہم سیہ بختوں کا سولی پر چڑھانا اور ہے
دار عیسیٰ اور ہے زلف چلیپا اور ہے

ایک موسیٰ غش ہوئے تھے اس سے لاکھوں مر گئے
جلوۂ حق اور ہے تیرا چمکڑا اور ہے

حد سے نغمۂ بلبل سے سوا ہوتا ہے
دم مرا باد بہاری سے ہوا ہوتا ہے

سب ہے تحقیق کر تقلید سے کیا ہوتا ہے
پوجنے سے کہیں پتھر بھی خدا ہوتا ہے

ایک دن عید کا دنیا میں تو غم کا عشرہ
رنج آرام سے وہ چند سوا ہوتا ہے

[illegible] ایسے تھا کہ آدمی رووے
ہنسا ہنسا کے رلانیکو کون کہتا ہے

اگر رقیب کے پیچھے [illegible] نہیں ای رشک
تو پھر پتنگ اڑانے کو کون کہتا ہے

حقیقی کو مجازی کر دیا بے امتیازی نے — تماشے کے لئے [illegible]
بڑھایا اوجِ عجزِ عاشقاں و کبرِ معشوقاں — ہماری نازبرداری [illegible] بے نیازی نے
محبت ہمنے چھوڑی جب بڑھی تکرار آپس میں — کیا کوتاہ سب جھگڑا زبانوں کی درازی نے

رشک

رشک۔ جناب بابو گنگا پرشاد صاحب بلند شہری، بیس بائیس برس ہوئے حیات تھے اور گاہ گاہ فکرِ سخن بھی کر لیا کرتے تھے۔

جب سے اُن کہ گالیوں کی خو پڑی — ہمکو بھی سُننے کی عادت ہوگئی
شب آپکی بسر ہوئی کل کسکے گھر میں ہے — چہرہ اُداس دیکھتا ہوں دردِ سر میں ہے

رشک

رشک۔ مولوی حفیظ اللہ خان رشک سابق ہیڈ مولوی اسکول تال ریاستِ جاورہ آب وکیل ہوگئے ہیں حضرت فصیح الملک مرزا داغ کے پُرانے شاگرد ہیں، خوش کلام، شیرین زبان تیز طبع شخص ہیں، اُستاد کے رنگ میں کہنے کا بہت شوق ہے، پچاس برس کے قریب عمر ہے زبان صاف اور مذاق شُستہ وسلیم ہے۔

مری نگاہوں سے پُوچھ اپنے حُسن کا عالم — کہ سادگی میں بھی اپنی تو وضعدار رہا
خدا دکھائے نہ پھر وہ گھڑی جُدائی کی — نہ پُوچھیئے جو ان آنکھوں کو انتظار رہا
اے شوخ دل بھی تیری طبیعت سے کم نہیں — رہتا نہیں کبھی کسی پہلو قرار پر
مجکو ستم کی بھی نہیں اُمید آپ سے — سینے سے دِل نکالدوں کس اعتبار پر
لیئے جاتا ہے مجکو شوق اُڑائے راہِ اُلفت میں — ہوا سے بھی ہوں آگے دو قدم اس ناتوانی پہ
پامال ہو یا ٹھوکریں کھا کھا کے سنبھل جائے — دل ڈالدیا اب تو تری راہ گذر میں
نادان تم اپنے حُسن پہ مجکو یہ ناز ہے — چھانٹا تمہیں کو میری نگہ نے ہزار میں
سناتا ہوں جو حالِ دل تو جھنجلا کر وہ کہتے ہیں — مرے جاتے ہو کیوں جلدی ہے کیا سن لینگے فرصت میں
مقدر کا نوشتہ جبہہ سائی سے کہیں مٹتا — عذابِ ہجر کیوں ٹلتا کہ یہ تھا میری قسمت میں
مجھے کچھ دین و دنیا کی خبر مُطلق نہیں سچ ہے — چھٹے کونین کے غم سے پھنسے جو دامِ اُلفت میں

[illegible] کی آگ سینے میں

[illegible] بن ہی بیٹھے ہو
[illegible] کی صاحبِ قیامت بن ہی بیٹھیا
دل کی حالت پوچھنے پر ہو گئے لتے خفا
غیر کی تعظیم ہو وہ بھی ہمارے سامنے
مجھ سے جو وعدہ کئے جائیں عدو سے ہوں وفا
رخ کے صفحے ہیں تیرے سیکڑوں محشر خرام

قیامت کی ہے گرمی سوزشِ داغِ محبت میں

دیکھ لی چشمِ مروت بن ہی بیٹھے رہو
سب اسی کا نام اُلفت بن ہی بیٹھے رہو
یہ بھی تھی کوئی شکایت بن ہی بیٹھے رہو
خوب کی قدرِ محبت بن ہی بیٹھے رہو
سن چکا ہوں حقیقت بن ہی بیٹھے رہو
کیا اٹھاؤ گے قیامت بن ہی بیٹھے رہو

اچھا ہوا نصیب کہ ملتے ہی آنکھ سے
منزل ہو دور گھات میں بیٹھے ہیں راہزن
اللہ رے تیری شانِ کریمی کہ بے طلب
ہے لائقِ دیدار ترے حسن کا جلوہ
میں نے جو کہا کیجئے کچھ دل کا مداوا
کہتے ہیں رشکِ نار کا اب غیر حال ہے
اک دم نہ یہ ہوا دلِ مہجور سے الگ
محشر میں بن گئے وہ مرے دل کے مدعی
دل کا مزاج تیری طبیعت سے کم نہیں
اے رشکِ بزمِ یار کہاں مدعی کہاں
کیوں نہ ملتا درہم داغِ جگر
سر کٹا کیوں نہیں اب سینہ زخمی ہے بسمل کے
ہیں وہ صحبت ہمارا حضرتِ زاہد مبارک ہو
بسمل کو دوں لگا ہوں کہ ندیں یہ ہو نہیں سکتا

ظالم نے برچھیوں پہ وہیں دھر لیا مجھے
پہنچا دے ساتھ خیر کے میرا خدا اب مجھے
لائق نہ تھا میں جس کے وہ تو نے دیا مجھے
پردہ ہے عجب طالبِ دیدار کے آگے
کہنے لگے رکھ دو مری تلوار کے آگے
ہونٹوں پہ دم ہے آنکھ اٹھانی محال ہے
تم سے رقیق بڑھ کے تمہارا خیال ہے
گویا انھیں کی چیز انھیں کا یہ مال ہے
گر یہ مچل گیا تو سنبھلنا محال ہے
کس وہم میں پڑے ہو تمہیں کیا خیال ہے
مستحق ہم تھے اسی انعام کے
کوئی ارمان باقی رہ گیا کیا دل میں قاتل کے
کریں گے گلشنِ فردوس میں کیا ہو کے ملکے
ذرا خنجر عنایت کیجئے ٹکڑے کروں دل کے

ابھی تو دم بہت باقی ہے قاتل تیرے بسمل میں	یہ کیوں ورک ورک کے چلتی ہو تری تلوار گردن پر

رشک

رشک۔ جناب علی اوسط صاحب فتحپوری از نبیرہ سید لطف حسین طلع مرحوم جو حضرت ناسخ لکھنوی کے شاگردوں میں تھے، پیام یار ۱۸۹۳ء سے کلام نقل ہوا۔

مری آہ و زاری نجائیگی خالی
کریگی ترے دل میں گھر دیکھ لینا

نہیں سہل کچھ دعویٔ عشق کرنا
ذرا اسکے لائق جگر دیکھ لینا

تری یاد ہیں سب ستمگار باتیں
وہ دلدوز طعنے دل آزار باتیں

تری مست آنکھوں نے ہنگامِ مستی
وہ کیں جیسے کرتے ہیں ہشیار باتیں

نہیں ضعف سے تابِ گفتار باقی
کرے تجھسے کیا تیرا بیمار باتیں

مار ڈالا جلا جلا کے مجھے
ظلم کی یار انتہا بھی ہے

جب کہا تم پہ جان دیدوں گا
بولے ایسا کہیں ہوا بھی ہے

رشک حالِ دلِ حزیں اپنا
تم نے اُس شوخ سے کہا بھی ہے

تیغِ ابرو سے کیوں نہ قتل کیا
یہ شکایت رہیگی قاتل سے

محبت میں کوئی فنا ہو رہا ہے
کوئی محوِ ناز و ادا ہو رہا ہے

جو کرتا ہوں نالے تو کہتے ہیں ہنسکر
بتاؤ تو اے رشک کیا ہو رہا ہے

غمِ دنیا و دیں سے ہوگئی کیسی سبکدوشی
لگی دل کی ہماری آبِ خنجر سے بجھی اچھی

حواسوں میں خلل ہے ناصح ناداں کو بکنے دو
نہ بنتے حور اچھی ہے نہ بنتے ہے پری اچھی

جہاں رشک کھائیے اسکو کبھی سیری نہیں ممکن تیغ کی
ترا غم اے ستمگر اسقدر لذت فزا کیوں ہے

رقیبِ رو سیہ کا کام ہے کیا کوئے جاناں میں
نکالو اسکو شیطاں ہے یہ جنت میں گھسا کیوں ہے

سبب پوچھو نہ ہمسے اُنکی رنجشہائے بیجا کا
جفائیں کل سے کہتی ہیں ہمیں تو چاہتا کیوں ہے

سوالِ وصل سنکر کس لئے گردن جھکاتے ہو
ذراسی بات ہے لو مان لو شرم و حیا کیوں ہے

رشک

رشک۔ عالیجناب مستغنی الالقاب ناصر الملک مخلص الدولہ مستعد جنگ امیر الامرا فرزند

دلبند دولت انگلشیہ کرنل ہز ہائینس نواب سر حامد علیخان بہادر جی۔ سی۔ آئی۔ سی۔ ای
ایڈیکانگ شہنشاہ معظم قیصر ہند۔ والئی رامپور۔ آپکے والد نواب مشتاق علیخان ابن نواب کلب علیخان
مرحوم کے دوسرے صاحبزادے تھے آپکی ولادت ۳۱ اگست ۱۸۷۵ء میں ہوئی اور صغر سنی میں ۲۴
فروری ۱۸۸۹ء میں اپنے والد کی وفات کے بعد مسند نشین ہوئے۔ نوابصاحب کے اجداد آخر سترھویں
صدی میں سرحدی علاقہ سوات سے وارد ہندوستان ہوئے اور کچھ عرصہ لشکر شاہی میں خدمات کرنیکے بعد
بدایوں کے متصل انھیں ایک علاقہ بطور جاگیر ملا۔ علی محمد خان نے بارہہ کے سیدوں کے برخلاف معاملات
میں بڑی ناموری حاصل کی اور نوابی کا خطاب پایا۔ احمد شاہ ابدالی کے حملہ کے ایام میں علی محمد خان
نے اپنی قوت بہت بڑھالی اور رفتہ رفتہ روہیلکھنڈ کا کثیر حصہ اُنکے قبضہ و تصرف میں آیا۔ انکی وفات
کے وقت چونکہ انکے فرزند شہنشاہ دہلی کے دربار میں بطور یرغمال نظر بند تھے اس لیئے علاقہ کا
انتظام انکے چچا حافظ رحمت خان کی سپردگی میں رہا جب دربار دہلی نے اُنھیں رہا کردیا تو کچھ ہی
تنازعات کے بعد علاقہ جملہ رشتہ داروں میں تقسیم ہوگیا۔ چنانچہ چھوٹے بیٹے نواب فیض اللہ خان کو
رامپور کٹھیر کی جاگیر ملی جسکی آمدنی اُس زمانے میں چھ لاکھ کے قریب تھی۔ مرہٹوں نے جب انکے
علاقہ پر فوجکشی کی تو انھیں نواب شجاع الدولہ سے امداد طلب کرنی پڑی۔ چنانچہ ۴۰ لاکھ روپیہ کی
ادائگی کے اقرار پر مرہٹوں نے علاقہ خالی کردیا، چونکہ نواب شجاع الدولہ کو حسب وعدہ یہ رقم ادا نہیں
کی گئی اُنھوں نے ایصال زر کے لیئے علاقہ پر جبراً قبضہ کرلیا۔ اس ہنگامہ میں نواب حافظ رحمت خان مقتول
ہوئے ۱۷۷۴ء میں پندرہ لاکھ روپیہ ادا کرنے پر نواب فیض اللہ خان رامپور کے مستقل نواب مقرر
ہوئے۔ بیس برس بعد جب انھوں نے انتقال کیا تو انکے چھوٹے بیٹے غلام محمد خان نے اپنے بڑے
بھائی محمد علیخان کو قتل کر ڈالا اور ریاست پر قبضہ کرلیا لیکن نواب وزیر نے انکو شکست دیکر نواب محمد علیخان
کے خوردسال بیٹے احمد علیخان کے حقوق تسلیم کرکے مسند نشین کردیا۔ ۱۸۰۱ء میں نواب سعادت علیخان نے یہ
تمام علاقہ سرکار انگریزی کے سپرد کردیا اور نواب احمد علیخان ظل حمایت سرکار برطانیہ میں آگئے نواب
احمد علیخان کے لاولد وفات پاجانے کے باعث نواب محمد سعید خان انکے چچازاد بھائی [illegible] اس زمانہ میں

دہلی میں ڈپٹی کلکٹر تھے حقدار ریاست تسلیم کئے گئے۔ اور انکی وفات کے بعد ۱۸۵۵ء میں جناب حال کے پردادا نواب سر یوسف علیخان مسند آبائی پر متمکن ہوئے۔ فساد غدر میں سرکار انگریزی کی خیرخواہی کے صلہ میں انھیں ایک وسیع علاقہ ایکسو پچاس مواضعات کا بطور انعام مرحمت ہوا نواب کو بڑے صلح کُل، نیک نفس، شریف پرور، عادل اور فیاض حکمران تھے اور مرزا غالب مرحوم کے شیدے مرید شاگرد تھے، اور خود بھی فن سخن کے زبردست ماہر تھے اُنکے دیوان کے ملاحظہ سے معلوم ہوسکتا ہے کہ مرزا غالب سے انھیں کسقدر عقیدت تھی اور انکے فیض تعلیم کا کسقدر اثر انکے اشعار سے ٹپکتا ہے۔ نواب یوسف علیخان نے ۱۸۶۵ء میں بعالم شباب انتقال کیا اور نواب کلب علیخان اُنکے جانشین ہوئے جنھوں نے ۱۸۸۷ء میں بائیس برس نہایت ناموری سے حکومت کرکے رحلت فرمائی۔ نواب صاحب حال کو جون ۱۸۹۶ء میں اختیارات حکومت عطا ہوئے، آپ یورپ، امریکہ۔ جاپان کی سیر اپنی نابالغی میں فرما چکے تھے، انگریزی و فارسی زبانوں میں آپکو معقول دستگاہ حاصل ہے۔ تفنن طبع کے طور پر گاہ گاہ شعر و سخن کی طرف بھی چند سال سے توجہ فرمانے لگے ہیں، اور منشی امیر مینائی کے بڑے صاحبزادے منشی محمد احمد صاحب قمر و صریر آپکی استادی سے مشرف ہیں، ہز ہائنس کی شادی نواب صاحب جاورہ کی ہمشیرہ سے ہوئی ہے افواج انگریزی میں نواب صاحب کو آنریری کرنل کا اعزاز حاصل ہے اور جی سی۔ آئی۔ ای کا بھی خطاب ملا ہے۔

کہنے کو تو میں حال دل زار کہوں گا	پر کہنے سے کیا فائدہ بیکار کہونگا
کچھ سبزہ کے آثار ہیں چہرہ پہ تمھارے	اب پھول سے رخسار کو گلزار کہونگا
خود مرنے لگا تم پہ یہ جو چاہو سزا دو	ہے دل کی خطا اسکو گنہگار کہونگا
شوخی سے کہیں آپ چھپا ئیں مرے دلکو	میں آپ کی زلفوں کا گرفتار کہونگا
دم بھر میں جو بیمار کو کر دیتی ہیں اچھا	ان نرگسی آنکھوں کو میں بیمار کہونگا
مجبور ہوں ایسیں جو وہ بگڑینگے تو بگڑیں	مطلب کی ہر اک بات اُسے سو بار کہونگا
دنیا میں جو تم یوسف ثانی ہو تو اچھا	اس دل کو تمھارا میں خریدار کہونگا
کونین میں جب کوئی کڑی رنج پہ آئی	میں آپ سے یا حیدر کرار کہونگا

[illegible]

وہ [illegible] صحت اپنا ہو نہیں سکتا
وہ بت جلاد ہے ہرگز مسیحا ہو نہیں سکتا

[illegible] محبت اب [illegible] ہے
غلط کہتے ہیں سب کعبہ کلیسا ہو نہیں سکتا

کبھی جب [illegible] مطلب کی [illegible] کہنے لگے ہنس کر
کہ سب کچھ اور ممکن ہے پر ایسا ہو نہیں سکتا

[illegible] یہ سب بیکار باتیں ہیں
محبت کا جو ہے بیمار اچھا ہو نہیں سکتا

[illegible] عشق ہیں کیسی محبت رشک نے [illegible]
مگر تم سے ذرا سا کام اس کا ہو نہیں سکتا

حسینوں میں تھے انتخاب اول اول
غضب تھا تمہارا شباب اول اول

ترے ننھے ہاتھوں کے قربان ساقی
پلائی تھی جن سے شراب اول اول

ادھر ظلم سہنے کے الفت میں خوگر
بہت تھا ہمیں اضطراب اول اول

وہ بچپن وہ بیباکیاں اب کہاں ہیں
نہ تھا آنکھ میں جب حجاب اول اول

وہ ترچھی نظر، اور بانکی وہ چتون
ادا تھی ہر اک لاجواب اول اول

سلامت رہے میکدہ تیرا ساقی
ملی جس سے ہمکو شراب اول اول

بتاؤ تو کیوں ہو گئی ہم سے نفرت
ہمارا تھا عاشق خطاب اول اول

حسینوں سے ملنے کا چسکا برا ہے
اسی سے ہوئے ہم خراب اول اول

محبت وہ کرنے لگے آخر آخر
جنہیں تھا بہت اجتناب اول اول

ابھی ابتدا ہے مگر رشک تم نے
کہی ہے غزل لاجواب اول اول

کیا کیا ستم کئے ہیں سرخی نے لب کی تیرے
یہ خون عاشقوں کے سب ایک پان پر ہیں

کیسا ہے دل لگانا پوچھے تو کوئی ہم سے
جتنے مزے اٹھائے اب تک زبان پر ہیں

بچپن ہوا ہے رخصت، آتی ہے اب جوانی
رنگت نکھر رہی ہے جوبن اٹھان پر ہیں

آنکھیں تری غضب ہیں، تیری بھویں ستم ہیں
دو تیر ہیں گویا اور دونوں سان پر ہیں

جتنے اٹھائے صدمے الفت میں رشک ہم نے
مشہور ہیں وہ قصے سب کی زبان پر ہیں

حیا سے سرنگوں ہو گئے جب وصل میں پوچھا
خطا ہم سے ہوئی ہے کیا، بتاؤ تو خفا کیوں ہو

دلِ بیمار ہے بیمار اُن بیمار آنکھوں کا
بھلا اسکی دوا کیا ہے بھلا اسکا علاج کیا ہے

آنکھیں تری دیکھ کر پی ہے محبت کی مے
عشق کا ہم کو خمار دیکھئے کب تک رہے

دل آیا تو پھر آیا، اِس آنے کو کیا کہیئے
بے موت اجل آئی مرجانے کو کیا کہیئے

زخمِ دلِ بسمل پر کیوں ہنسکے نمک چھڑکا
مارا تو اُسے مارا، تڑپانے کو کیا کہیئے

بتخانہ تو بتخانہ تھا، کعبہ بھی ہے بُت خانہ
اب کعبہ کو کیا کہیئے، بتخانے کو کیا کہیئے

کیا چیز ہے اُلفت بھی دل جس سے سُلگتا ہے
اِس آگ کو کیا کہیئے، جلجانے کو کیا کہیئے

آنکھوں سے تری ساقی آنکھوں میں خمار آیا
بے مے کے یہ مستی ہے میخانے کو کیا کہیئے

کچھ جوشِ جنوں ہے پھر کیا فصلِ بہار آئی
وحشت کی ہیں سب باتیں دیوانے کو کیا کہیئے

اے رشک مصیبت ہیں، کوئی بھی نہیں اپنا
اپنا نہیں جب اپنا، بیگانے کو کیا کہیئے

رشکی - راجہ کندن لال رشکی مخاطب بہ منشی الملوک غدر کے بعد تک زندہ تھے اور مرزا حاتم علی مہر کے دوستوں میں تھے اور شاید تلمذ بھی اُنھیں سے تھا کلام کا انتخاب صحیح ہے

ہمارے حق میں وہ کیا کچھ کہا نہیں کرتے
ہم اپنے کانوں سے کیا کچھ سنا نہیں کرتے

نہیں ہے یار سے سرگوشی اتنی بہتر زلف
پری رخوں کے بہت سر چڑھا نہیں کرتے

کسی بہانے سے کوئے صنم میں جا کر ہم
جو بیٹھتے ہیں تو پہروں اُٹھا نہیں کرتے

گلہ یہ ہے کہ رقیبوں سے ربط ہے اُسکو
ہم اور جور و جفا کا گلہ نہیں کرتے

کیا جو چاک گریباں عجب ہے کیا ناصح
کہ جوشِ عشق میں دیوانے کیا نہیں کرتے

نہیں ہے وصل مقدر تو کیا کریں ورنہ
ہم اُنکے ملنے کی تدبیر کیا نہیں کرتے

تم اہلِ دل ہو بتاؤ تو اے میاں رشکی
یہ چال دیکھ کے کب دل لیا نہیں کرتے

رشکی - عالیجناب معلی القاب آنریبل نواب محمد علیخاں صاحب مغفور متخلص بہ رشکی، آپ نواب مصطفیٰ خان صاحب شیفتہ و حسرتی کے خلف اکبر اور دہلی کے ایک قدیم اور معزز خاندان کے رکن تھے سنہ ۱۸۴۲ء سالِ ولادت تھا، آپ نے رئیس زادوں کی طرح گھر پر اپنے

علاوہ بریں فارسی عربی کی تکمیل کی اور کچھ دنوں مفتی صدرالدین خان آزردہ سے عربی کی بعض کتابیں بھی پڑھیں۔ تیس سال کی عمر میں زمانہ کی ضروریات کا لحاظ کر کے انگریزی کی طرف بھی توجہ کی اور اس زبان میں بھی فی الجملہ مہارت حاصل کر لی، مولانا خواجہ الطاف حسین صاحب حالی زیر نگرانی شیفتہ مرحوم برسوں اِنکے اتالیق رہے، اور آخر وقت تک رشکی مرحوم کے ساتھ انکے نہایت مخلصانہ اور خوشگوار تعلقات قائم رہے، شیفتہ مرحوم کی وفات کے بعد آپ انکی جاگیر اور املاک واقعہ جہانگیرآباد ضلع بلندشہر کے وارث اور مالک ہوئے اور اپنی ذاتی لیاقت اور وجاہت سے سرکاری حکام میں اچھا رسوخ پیدا کیا چنانچہ پرگنہ بلندشہر میں مجسٹریٹی کے اختیارات انھیں حاصل تھے۔ سنہ ۱۹۰۹ء میں صوبہ متحدہ کیجانب سے آپ لیجسلیٹو کی کونسل کے منجانب سرکار ممبر نامزد ہوئے اور سنہ ۱۸۹۵ء میں سرکار انگلشیہ سے خطاب خان بہادری اور نوابی انھیں عطا کیئے گئے، اسی سال میں کونسل آف ریجنسی رامپور کے ریونیو ممبر مقرر ہوئے اور دو برس تک اِس عہدہ کے فرائض عمدگی سے انجام دیتے رہے شعر و سخن کے گہوارہ میں پرورش پائی تھی یہ کیونکر ممکن تھا کہ اِس فن سے دلبستگی نہ ہو۔ اگرچہ شیفتہ کی مسلم الثبوت استادی کا درجہ انھیں حاصل نہ ہوا تاہم انھوں نے انکی شہرت کمال کو خوب سنبھالے رکھا اور اس میں بلند مرتبہ حاصل کیا، اساتذۂ ایران کے کلام کے دلدادہ تھے اور اردو میں مرزا غالب اور مومن کا رنگ مطبوع طبع تھا۔ اِسی وجہ سے انکے کلام میں آخر الذکر دونوں استادوں کے اثر کا پرتو صاف جھلکتا ہے، بہت پختہ مشق اور سلیم المذاق سخن سنج تھے متانت کے ساتھ شوخی دست گریبان ہے، ترکیب بندش اور انداز بیان میں دلپذیری اور دلکشی کے علاوہ استادانہ رنگ جھلکتا ہے راقم تذکرہ کے والد مغفور سے رشکی کے دوستانہ تعلقات تھے اور اسی وجہ سے راقم تذکرہ کی التجا پر انھوں نے سنہ ۱۸۹۷ء میں اپنے کلام کا خلاصہ جس میں پانچسو اشعار کے قریب درج ہیں عنایت فرمایا تھا جس کا انتخاب بہ ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔ مرحوم اپنے ضلع کے رؤسا میں اپنی صائب الرائی، نیک نیتی، سادگی اور ایمانداری کیوجہ سے ہر دلعزیز تھے مرحوم نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی، چنانچہ انکے چھوٹے بھائی نواب محمد اسحٰق خان انکے

بعد وارث ہوئے، زندہ دلی، مروت، اخلاق، منکسر مزاجی، الغرض اُن تمام صفات سے جو پرانے رئیسوں کے زیور سمجھے جاتے تھے موصوف تھے اور اساتذۂ سلف کی ایک عمدہ یادگار تھے، خاندانی تعلقات کے باعث اکثر دہلی آتے رہتے تھے، انجام کار ۲۰ مئی ۱۹۱۳ء کو عارضۂ ورم و دست میں عازمِ ملکِ جاودانی ہوئے اور شبِ عاشورہ کو اپنے والد کی قبر کے پہلو میں احاطہ شاہ نظام الدین اولیاء میں پیوند زمین ہوئے، مولانا حالی نے اُنکی وفات پر فارسی میں ایک قطعۂ تاریخ لکھا تھا جس سے اُنکے دلی خلوص اور رنج کا اظہار ہوتا ہے "بخشش زحق" مادۂ تاریخ وفات ہے، افسوس کہ مولانا حالی نے بھی ۳۱ دسمبر ۱۹۱۴ء کو انتقال فرمایا۔

گلشن میں کوئی دید کے قابل نہیں رہا — وہ در وخیز شورِ عنادل نہیں رہا
سینے سے ہائے یاس نے سب کچھ مٹا دیا — جس دل میں درد تھا مرے وہ دل نہیں رہا
تکلیف جاں گسل تھی بہت گرچہ نزع کی — پر میں تمہاری یاد سے غافل نہیں رہا
ہمسر کو دیکھتے ہی خود آرائی چھوڑ دی — کیوں آئینہ تمہارے مقابل نہیں رہا
قاتل کو دیکھنا ہی پڑا مڑ کے بار بار — کچھ بے اثر تو نالۂ بسمل نہیں رہا
مجنوں طبیعتوں کا فقط راہبر ہے شوق — گرچہ سُراغِ ناقہ و محمل نہیں رہا
بے اجر وہ شہید ہے جو قتل گاہ میں — ہر لحظہ محو صورتِ قاتل نہیں رہا
رشکی کی آپ چل کے زیارت تو کیجئے — یہ ہے غلط کہ اب کوئی کامل نہیں رہا

اثر صحبتِ غیر کا ہو گیا — کہ پھر سُست عہدِ وفا ہو گیا
مرا عقدۂ بخت کھلتا نہیں — ترا یہ بھی بندِ قبا ہو گیا
تری بزم میں جمع ہیں خاص و عام — اگر میں بھی آیا تو کیا ہو گیا
نشیمن ہے اُسکا ترے دام میں — قفس سے ترے جو رہا ہو گیا
مری بے خطائی ہوئی جلوہ گر — کہ ایسے کا ناوک خطا ہو گیا
وہ آئے تھے میری بھی چوری سے رات — مرا چونک پڑنا بلا ہو گیا

بھاگے ہے جس سے بیگانگی
مجنوں کو ہو رشک اور کیوں نہ ہو
سہل وفا تجھ سے کیا نہیں ہوتا
قیس کی دھوم مچ رہی ہے مگر
ہم وہ گم کردہ راہ ہیں کہ کبھی
شائبہ جور کا نہو جبتک
پھر وہ نگہ پڑی ہی نہیں
قتل میں میرے کیا تامل ہے
چھیڑ دیتے ہیں انکو ہم بھی کبھی
ایک رشکی نہیں نہیں ہوتے

حقیقت میں وہ آشنا ہو گیا
کہ رشکی غلام آپ کا ہو گیا
ایک وعدہ وفا نہیں ہوتا
عشق اس سے سوا نہیں ہوتا
خضر بھی رہنما نہیں ہوتا
لطف میں کچھ مزا نہیں ہوتا
تیر ان کا خطا نہیں ہوتا۔
عشق میں خوں بہا نہیں ہوتا
گرچہ کچھ مدعا نہیں ہوتا
ورنہ واں اور کیا نہیں ہوتا

آنکھیں ملا نہیں ہی عبث تم کو احتراز
گر ایکبار رخ سے نقاب اسکے اٹھ گیا
نبضیں چھٹی ہیں آنکھوں میں دم ہے لبوں پہ جان
انقباض بے سبب تو کسیکو نہیں پسند
رنگ شکستہ واسطہ عرض حال ہے
کیا کیا بنا کے ہم نے سنایا رقیب کو
کب ٹوٹتی ہے توبہ ہماری شراب سے
ہیں عشق کی تمام یہ نیرنگ سازیاں
رشکی ہے عید جاتے ہیں سب عیدگاہ کو
اسقدر خوف ہوا انکو مسیحا کس کا
خاکساری کی اٹھائے ہوئے ہیں جو لذت

آنکھیں ہیں دل نہیں کہ ملایا نجائیگا
پھر راز دل کسی سے چھپایا نجائیگا
آؤ کہ کوئی دم میں بلایا نجائے گا
روٹھو نہ تم کہ ہمسے منایا نجائے گا
گو مجھسے حرف شوق سنایا نجائیگا
مضمون تیرے نامۂ الفت طراز کا
لیکن ہے ڈر تری مژۂ نیم باز کا
مطلب ہے ایک اصل میں ناز و نیاز کا
حضرت بھی چل کے پڑھ لیں دوگانہ نماز کا
یہ نہ سوچے کہ ہے نالہ شرر افشاں کس کا
وہ دو عالم بھی نہ لیں تخت سلیماں کس کا

چارہ گر فکرِ علاجِ دلِ وحشی ہے غلط
مانعِ مرگ ہوا او رمصیبت دیکھو
ہمنے پایا ہے تفرّجِ گہِ دلمیں سب کچھ
لطفِ شرابِ ناب ہے زاہد جو دور تھا
کچھ خانۂ رقیب بھی ایسا نہ تھا قریب
بموجبِ انتظار اگر فرض تھا ہمیں
مجھ سے نہ کچھ بگاڑ نہ اعدا سے آشتی
شکوے ہمارے سارے غلط ہی سہی مگر
رشکی کی وضع ہمکو نہایت ہی تھی پسند
رنجش کا اگرچہ کوئی سبب درمیاں نہ تھا
مانگی تھی اُسنے جان تو غیروں پہ بھی
اِک محشرِ خیال دلِ تنگ تھا کہ کیوں
کہتے ہیں لوگ جانستاں ہیں آپ
دَیر میں ہے پتہ نہ کعبے میں
مشورے کل تو ہمسے ہوتے تھے
لائقِ قتل میں ہی ٹھیرا ہوں
اُسکو بھی رام کر لیا رشکی

کوچۂ یار ہی چھٹا گلستاں کیسا
تھا تصور مرے دل میں شبِ ہجراں کیسا
شوقِ سرگشتگیٔ دشت و بیاباں کیسا
اِس کا دماغ محوِ شرابِ طہور تھا
دولت سرا سے کعبۂ اعزاز و قدر تھا
بے وعدہ آپ کو بھی تو آنا ضرور تھا
ایسا کچھ اپنے حسن پہ اُن کو غرور تھا
تو تم ہی اب بتاؤ کہ کس کا قصور تھا
اربابِ عشق میں وہ نہایت غیور تھا
لیکن وہ آپ صلح کریں یہ گمان تھا
حالانکہ اک ہنسی تھی فقط امتحان تھا
در پر تمھارے رات کوئی پاسبان تھا
کیونکہ پھر اک جہاں کی جاں ہیں آپ
پر جہاں دیکھئے وہاں ہیں آپ
آج اعدا کے میزباں ہیں آپ
سچ تو یہ ہے کہ قدرداں ہیں آپ
کِس قیامت کے خوش بیاں ہیں آپ

کون پھر بادیہ پیما ہو خضر کی صورت
ہر قدم پر ترے آنکھیں ہی نہیں بچھتی ہیں
دل میں اٹکا ہے کوئی چیز جو چبھ جاتی ہے

جب وطن ہی میں میسر ہو سفر کی صورت
دل بھی جاتا ہے ترے ساتھ نظر کی صورت
پھر نہیں سمجھتی کچھ نفع ضرر کی صورت

گریہ بے سود ہے جسنے نہ اُٹھایا طوفان + ہے عبث آہ نہو جسمیں اثر کی صورت

کیا کہا بیخودی میں اُس بت سے
گئی برسوں کی دینداری آج

مشکل سے ہو سکے جو ہم آغوش
خاک بھی ہے اُنکے دامن پر
شمع نے دیکھکر روئے روشن سے
منانے کو آتے ہیں رشکی
شکل ظاہر کر دیا درد نہانی دیکھکر
جو کہلتی ہو ہماری سرگذشتِ عشق سے
تجھسے گھلتا نہیں داغِ غمِ ہجران تو ہی
اب بلا سے آسمانی بھی بجلی گرنے لگی
اس رسیدہ مدہوش کو کیا حالِ دلِ عزدہ لکھیں
ہو دگرگوں تبدلئے عشق میں رشکی کا حال
کوئی بتائے کہ کیا ہے نقاب میں داخل
محلِ شکوہ نہ مجکو رہا نہ اعدا کو
دہانِ زخم مرے تشنہ لب ہیں دیر نکر
ہمارے قتل کو اعدا ثواب کہتے ہیں
کچھ ایسے سوئے کہ گویا ہوئی ہے صورتِ یار
مآلِ کار ہو جو کچھ مگر خوشی یہ ہے
ہو جائیں بے خطر ستمِ آسماں سے ہم
سیکھی ہیں آسنے چرخ سے گرچہ ادائیاں
نکلے نہ آپ قابو سے اغیار سے اگر
چپکا جو ایک فلک بھی دشمن کی آنکھ سے
رشکی ترا بیان یہ جادو ہے یا فسوں

شوخیاں وہ نہیں تمہاری آج
آئی کام اپنی خاکساری آج
جل کے کاٹی ہے رات ساری آج
نبہ نہیں سکتی وضعداری آج
رحم سے نے پائی ہے قوت ناتوانی دیکھکر
قصہ خواں کہتا وہاں ایسی کہانی دیکھکر
شُکر ہے جیتے تو ہیں تیری نشانی دیکھکر
آپکے سر پر دوپٹہ آسمانی دیکھکر
جو خفا ہو ربطِ الفاظ و معانی دیکھکر
رحم آتا ہے مجھے اُسکی جوانی دیکھکر
اگر نہیں مہِ انور سحاب میں داخل
کہ شوخیاں ہیں تمہاری حجاب میں داخل
کہ آبِ تیغ بھی قاتل ہے آب میں داخل
خدا کرے کہ تمہیں ہو ثواب میں داخل
ہمارے طالعِ خفتہ کے خواب میں داخل
کہ میرا نام بھی ہے انتخاب میں داخل
تاثیر ایسی آہ میں لائیں کہاں سے ہم
طرزِ فسوں گری اڑائینگے چشمِ بتاں سے ہم
پھر کام لینگے نالۂ آتش فشاں سے ہم
دریا بہائیں گے مژۂ خونچکاں سے ہم
بے چین ہو گئے ہیں تری داستاں سے ہم

قطعہ

وہ جفا کر کے نہیں ہوتے خجل / یہاں گلہ کرتے شرمائے ہیں ہم
یا کبھی خود عشق میں تھے مبتلا / یا اب اِس قصہ سے گھبرائے ہیں ہم
یا کبھی ہم آپ تھے محتاجِ پند / آج یارِ رشکؔ کو سمجھاتے ہیں ہم

اہلِ دل سے نہ کبھی آپ سُنیں گے نالہ / چاک دل میں ہے مگر چاکِ گریباں میں نہیں
ہجر میں ہمنے تصور سے لیا ہے وہ کام / حسرت اب کوئی بھی باقی دلِ نالاں میں نہیں
غیر کو بھی ہے سرِ دشت نوردی شاید / وہ مزا اب خلشِ خارِ مغیلاں میں نہیں
عشقِ رشکؔ کا زمانے سے جُدا ہے گویا / بندۂ بُت ہی مگر فرق کچھ ایماں میں نہیں

کہیں لیجاؤ لیکن آرہونگا کوئے جاناں میں / قفس سے جب چھُٹیگی آئیگی بلبل گلستاں میں
نہ سُلجھے گی تمھاری اور دشمن کی قیامت تک / اگر اُلجھا ہمارا دل تمھاری زلفِ پیچاں میں
مرے دستِ جنوں کو باز رکھا خوب حکمت سے / رفوگر نے تری تصویر سی چاکِ گریباں میں
شکوہ کوئے جاناں جب نظر آئیگی لے رشکؔ / نصیبوں سے جو جا پہنچے کبھی تم باغِ رضواں میں

بدلی فروغِ برق کی مانع نہو سکی / حسنِ نظر فروز ہے ظاہر نقاب میں
آئے تو اُنسے حال کچھ اپنا نہ کہہ سکا / کیا جانے ہو گیا مجھے کیا اضطراب میں
ہو کر خفا عدو سے مٹاؤ نہ امتیاز / تخصیص کی اُمید ہے مجکو عتاب میں
مے پی نہیں کہ مست ہوئے بادہ کش تمام / ساقی کے رُخ کا عکس پڑا جب شراب میں
ہے قیدِ اختلافِ صور سے جسے نجات / دریا کو دیکھتا ہے وہ موج و حباب میں

اِس عنایت کے بھی قابل یہ گنہگار نہیں / سینکڑوں خون کیا کرتے ہو دو چار نہیں
مجکو اور غیر کو ہے لطف کا اُنکے دھوکا / ورنہ اُنکو تو کسی سے بھی سروکار نہیں
یار کے قول کی تکذیب سزاوار نہیں / ورنہ ظاہر میں محبت کے کچھ آثار نہیں
جو سماجت سے ہوا کام وہ ناکامی ہے / آپ آئیں تو عنایت نہیں اصرار نہیں

مسیحائی کا تیری شور ہو جائے / اگر پھیرے ترا بیمار گردن

پھر شب وصل ملا جب کوئی گیا
بر تقی کے واسطے اردو رس کہاں

جیسا تم کرو فکر امتحان ہو
ستم سے ہم کہاں ہیں تم کہاں ہو

محبت ابھی بھی غالب کہ کھل جائے
اگر ظاہر ہے میرا درد نہاں ہو

تم سے گلہ نہیں ہے ہمارا قصور ہے
اوپر اٹھائیے نگہ شرمسار کو

ہم پہلوئے رقیب میں تم دیکھنا ہے آج
رشکی تمہارے جذبۂ بے اختیار کو

مزا الفت کا جان زار سے پوچھ
یہ نکتہ واقف اسرار سے پوچھ

ہمارے عشق کا چارہ جاکے ہمدم
شمیم کاکل دلدار سے پوچھ

مرے پامال ہونے کی حقیقت
خود اپنی شوخیٔ رفتار سے پوچھ

ہمارا درد دل کچھ ہم سے سن لے
کچھ اپنی نرگس بیمار سے پوچھ

تو اپنی قدر اسے کان ملاحت
ہمارے سینۂ افگار سے پوچھ

بھلا رشکی کو قدر فصل گل کیا
یہ کیفیت کسی میخوار سے پوچھ

وہ روشنی جو آپ کے رخ کی نقاب ہے
کہتے ہیں اس سے نور رہا آفتاب ہے

لب ہائے زخم میرے بہت تشنہ کام ہیں
دیکھیں تو کسقدر ترے خنجر میں آب ہے

وقت وفائے وعدۂ دشمن اگر نہیں
پھر تیری بات بات میں کیوں اضطراب ہے

رشکی کلام کیا ترے حسن کلام میں
دیوان عشق میں ورق انتخاب ہے

تم نے سوئے غیر کیا نظر کی
کچھ کم ہے خلش مرے جگر کی

ملتی نہیں آج ہم سے کیوں آنکھ
کس شغل میں تم نے شب بسر کی

پھر گریہ اٹھائے موج طوفان
کچھ چھیڑ ہو آہ میں اثر کی

کیا اس نے دیا جواب یارب
مہمل سی ہے بات نامہ بر کی

کہتے ہیں جسے امید موہوم
تصویر وہ ہے تری کمر کی

اس شوخ نے کی مری عیادت
کچھ رہ گئی بات چارہ گر کی

بیتابیٔ دل سے تیرے رشکی — اُلفت کی کہاں کہاں خبر کی

غصہ آتا ہو پیار آتا ہے — غیر کے گھر سے یار آتا ہے
دو پلائی اگر نہیں منظور — ابر کیوں بار بار آتا ہے

ابھی بچاؤ گرو مچلیں — رفتہ رفتہ خفقان آتا ہے
کچھ نہ پوچھو وہ اجر لجب — یاد ہے انکا

نہیں معلوم گل میں کیا نہاں ہے — جو بلبل اسقدر گرمِ فغاں ہے
مرا احوال سُن کر بے تکلف — کہا کیا سچ یہ ساری داستاں ہے
مگر دیکھا نہیں اہلِ زمین کو — کواکب پر جو نازِ آسماں ہے
وعدوں پہ ٹالتے ہی رہے عمر بھر مجھے — آخر فرشتہ جانتے ہو یا بشر مجھے
مانا کہ قصد غیر کے گھر کا نہ تھا مگر — رستے سے اُلٹے پھر گئے کیوں دیکھ کر مجھے
ہر چند دل سے ہم اسکو بھلاتا رہا مگر — یاد آگیا کسی نہ کسی بات پر مجھے
ایسی کہانیاں کہیں رشکی نے درد خیز — کمبخت نے نہ سونے دیا رات بھر مجھے
کوئی واقف ہے کیا درِ نہاں سے — قلم قاصر زباں عاجز بیاں سے
کیا کیا سحر تمنے آج رشکی — عدو کا شکوہ اور انکی زباں سے
دیا ہے پنجۂ غم نے ہزار بار فشار — دلِ حزیں میں ہے لیکن ہنوز تو باقی
ہمارا جرم محبت ہے ایسی دے تعزیر — رہے نہ کوئی ترے دل میں آرزو باقی
ساقی بزمِ غیر آپ بنے — ہمکو خونِ جگر پیئے ہی بنی
وہ جو شرما گئے تو انکی خطا — اپنے ذمہ ہیں سیئے ہی بنی
تھے جو ساقی کے ناز توبہ شکن — رات رشکی کو بھی پیئے ہی بنی

یہ رشک ہے کہ نہ دیکھیں ہماری آنکھیں بھی — تمھیں رکھا ہے تصور میں بھی چھپائے ہوئے
ہزار رنگ بدلتا ہے دم میں تو لے دل — مگر کسی کے یہ انداز ہیں اڑائے ہوئے
بشانے یار میں جو جان کہیں ہوا رشکی — فرشتے دوش پہ نعش اسکی ہیں اٹھائے ہوئے

نمایاں ہے گرسے گرانی تمھاری — تو دور پردہ ہے مہربانی تمھاری

بھولیں اسے کیونکر ہم دلا چین سے ہے — سنائے کوئی گر کہانی تمہاری
تمہاری محبت کا ہے نقش دل میں — یہ کافی ہے ہمکو نشانی تمہاری

ملنت ملک کا آگ بکا اور آگ پہ اسے جا اوگر — کہیں سیماب بھی ٹھیر ہے جو دل ٹھیرے

کو جملہ ورنا وہ شمشیر کر چکے — کرنی تھی جو وصال کی تدبیر کر چکے
ملاں ہمکو جواب میں بھی ہو سنایقہ — خط کا مرے جواب وہ تحریر کر چکے
انکو ہوا ہے شکوۂ بیداد سے ملال — کیا پیش جائے عذر کہ تقصیر کر چکے
سمجھو میں انکے اور ہی عالم دکھلایئے — حیران کو تو عالم تصویر کر چکے
تدبیر کب بتانے کو احباب آئے ہیں — جب کام ہم حوالۂ تقدیر کر چکے
آیا خیال بے گنہی کا انہیں تو کب — جسوقت وہ مجھے تہ شمشیر کر چکے
رشکی وہ خود ملیں تو ملیں ورنہ انسے ہم — کرنی تھی جو وصال کی تدبیر کر چکے

خدا اس نرگس سحر آفریں سے — کہ جو فتنہ ہے اٹھتا ہے وہیں سے
وہ باتیں جو کہ تمیں ان سے چھپانی — مخاطب کر رہا ہوں میں کہیں سے
سنائے جوش وحشت میں عدو کو — ہوئے تھے مشورے جو ہمنشیں سے
رہیگا حشر تک زندہ جسے تم — کروگے قتل دست نازنیں سے
بتوں میں کیا نہیں وحدت کا جلوہ — بتادے کوئی ہمکو اہل دیں سے
ہزاروں مہر و الفت کی ادائیں — سمجھ لیتے ہیں ہم تیری نہیں سے
وہ پہنا کو یہ گو رشکی کہاں ہے — ہوئے ہیں آپ بھی اب تو ہمیں سے
نہیں ہیں سب یہ برتاؤ اسکے — مگر کچھ لاگ ہے رشکی تمہیں سے

پایا قصور غیر کا مجکو سزا ہوئی — ایسی تو ایکبار نہیں بار ہا ہوئی
تم بھی کہوگے آہ گر اپنی رسا ہوئی — وہ چرخ کیا ہوا وہ زمیں آج کیا ہوئی
پوچھو ہمیں سے عشق کے بیمار کا علاج — آخر کو موت سے ہوئی جو کچھ شفا ہوئی

[illegible]

رشید - قاضی کبیر حسن صاحب متوطن مچھلی شہر جس زمانہ میں مرزا قادر بخش صاحب بہادر صابر دہلوی دہلی سے بنارس جا کر مقیم ہوئے یہ اُنکے خرمن فیض سے بہرہ ور ہوئے۔ یہ واقعہ ۱۸۷۰ء کے قریب کا ہے عرصہ ہوا انتقال کر گئے ؀

ہوں زنگ بن کے مہر سپہر کمال کا	یعنی عروج اپنا ہے مطلع زوال کا
شاداب آب گریہ سے ہی گلشن مُراد	پانی سبب ہے تازگی ہر نہال کا
یہ زخم یادگار ہے اُس تیغ ناز کا	سمجھا تا ہے یہ مجھکو خیال اندمال کا

رشید - سخنور یکتا مرثیہ گو بے ہمتا جناب سید محمد مصطفےٰ مرزا عرف پیارے صاحب رشید لکھنوی، آپ سید احمد مرزا صابر مرحوم کے صاحبزادے ہیں جو میر انیس کے داماد تھے گویا جناب رشید میر انیس مرحوم کے نواسے ہیں، جناب رشید کے ددھیالی خاندان میں سید حسین مرزا صاحب عشق بڑے نامور مرثیہ گو تھے جو انکے والد کے چچا تھے، اسی طرح جناب تعشق مرحوم جو شعرائے لکھنؤ میں غزل گوئی میں لاجواب اور بے مثل کہے جا سکتے ہیں جناب رشید کے دوسرے چچا تھے، جناب رشید نے حضرت عشق اور تعشق سے جملہ نکات فن شاعری اور مرثیہ گوئی سبقاً سبقاً حاصل کیے، اگرچہ آپ کو فطرتی طور پر اس امر کا بڑا ناز ہے کہ میں حضرت انیس کا نواسہ اور اُنکی زبان اور کمال کے ورثہ کا حقدار ہوں مگر انکے کلام میں بجائے انیس کے رنگ کے جناب عشق اور حضرت تعشق کی تقلید، عقیدت اور پیروی کا زیادہ اثر نمایاں ہے، مرثیہ گوئی کی مشق کرنے سے پیشتر بھی جناب رشید بحیثیت ایک غزل گو کے لکھنؤ میں خاصی شہرت حاصل کر چکے تھے، جناب عشق اور تعشق کی وفات کے بعد انہیں حصولِ شہرت کے زیادہ موقعہ ملے اور مرثیہ گوئی میں اپنے خاندان میں امتیازی رکن خیال کیے جانے لگے، مرثیہ میں بھی بہاریہ رنگ برتتے ہیں اور لوگ بھی اُسے پسند کرتے ہیں تحقیق الفاظ اور صحت روایات کا بھی حتی الوسع خیال رکھتے ہیں، پندرہ برس سے نواب بہرام الدولہ بہادر رئیس حیدر آباد دکن کے ہاں محرم کی مجلسوں میں جو ۱۲ سے ۱۵ محرم تک

نہایت تزک و شان کے ساتھ منعقد ہوتی ہیں آپ طلب کیئے جاتے ہیں اور بعد اختتام مجالس عموماً ہندو و مسلم رؤسا آپ کو نذرانہ ملتا ہے، سفیر ایران متعینہ کلکتہ کے ہاں بھی گاہ گاہ ربیع الاول میں آپ تازہ تصنیف مرثیہ پڑھنے کے لیئے بلائے جاتے ہیں، خاص لکھنؤ میں بھی اکثر جلسوں میں آپکا کلام سُنا جاتا ہے خصوصاً آتوجی کی مسجد میں ہر سال ایک نیا مرثیہ پڑھتے ہیں حضرت کی پیدایش ابتدائے جلوس واجد علیشاہ میں ہوئی تھی اور اب ۶۸ سال کی عمر ہے نہایت مہذب ملنسار منکسر مزاج شخص ہیں، انکسار اور تواضع میں شاعرانہ مبالغہ کو بہت کام فرماتے ہیں۔ گفتگو بہت تکلف سے کرتے ہیں الغرض قدیم لکھنؤ کے مصنوعات اور تکلفات کی زندہ یادگار ہیں اپنی امتیازی حیثیت کو بر وقت نظر میں رکھتے ہیں۔ تلامذہ بھی خاصی تعداد میں ہیں۔ سوز، عشق، حسرت کے مضامین اچھے پیرایہ میں اکثر اِنکے کلام میں ملتے ہیں، زبان بہت صاف اور شستہ برتتے ہیں جو انکا خاندانی ورثہ ہے، بعض بعض اشعار ایسے صاف اور اعلیٰ درجہ کے کہہ جاتے ہیں کہ جن سے اِنکا کمالِ سخن مُسلم ہوتا ہے، کم و بیش پچاس غزلوں کا انتخاب درج ذیل ہے جس سے اِنکے رنگ طبیعت کا پُورا پورا اندازہ ہو سکتا ہے،

کہتے ہیں شبنم و گُل عالم نیرنگ کا حال ۔۔۔ کوئی ہنستا ہوا نکلا۔ کوئی گریاں نکلا

قیس کا دستِ تمنا کس قدر چالاک تھا ۔۔۔ محمل لیلیٰ کا پردہ سو جگہ سے چاک تھا

آج داغوں کے گلوں نے رشکِ جنت کر دیا ۔۔۔ کل یہی دل تھا کہ اک صحرائے وحشتناک تھا

مہربانی سے شریک اب تو ذرا ہو جانا ۔۔۔ دفن ہولے مرا لاشہ تو خفا ہو جانا

کہے دیتے ہیں زیادہ نہ ستاؤ ہمکو ۔۔۔ دیکھو اچھا نہیں ہے دل کا بُرا ہو جانا

دِل جو پہلو سے جُدا ہے تو عجب کیا اِسکا ۔۔۔ دیکھنا قبر میں اعضا کا جُدا ہو جانا

ہمت عبد سے معبود کی ہمت ہے بلند ۔۔۔ ہم جو مانگیں گے کہیں اُس سے سوا ملجائیگا

رباعی

کیوں کنجِ لحد کے متصل جاؤں گا ۔۔۔ کہنے کے لیئے مطلب دل جاؤنگا
پیری سے بنونگا منکسر اور رشید ۔۔۔ جُھکتے جُھکتے زمیں سے ملجاؤنگا

عجیب حال تھا جب مبتلائے الفت تھے / کہ دل پہ جبر بھی کرنے کا اختیار نہ تھا
کیا تھا گوشۂ دل تیغ نگہ نے صد پارہ / مگر ذرا بھی مرے دل کو انتشار نہ تھا

بس اب تو دن رہائی کا ہے غم دلہائے نالاں پر / وفاداروں کی روحیں رقص ہیں دروازۂ زنداں پر
اجل آئے تو ہو احسان اُس بیمارِ ہجراں پر / نشاں جسکی لحد کا ہے زمینِ کوئے جاناں پر
زلیخا جاں کی اپنے خبر دیتی تھی یوسف کو / کہ جب کی آہ گھر میں برق چمکی آکے زنداں پر
گھٹے جاتے تھے ہم چھوٹے جو تھے دامِ نظام سے پر / نہیں معلوم کیونکر رات گذری اہلِ زنداں پر

سوزِ عشق خوب بڑھا یا وفا نے دل / ہر آبلہ ہے آج سر اعتبارِ دل
دونوں نے خوب شاد کیا ہمکو دردمند / سو جان سے جگر کے تصدق نثارِ دل

دیدہ ہائے زخم خوں روتے ہیں میرے حال پر / تیغ کیسی سنگدل ہے چشم جوہر نم نہیں
اے شبِ غم صبح ہو جائے گی یا آئیگی موت / فیصلہ دم بھر میں ہے یا تو نہیں یا ہم نہیں

روانِ عدم کو ترے جاں نثار بیٹھے ہیں / دیار چھوڑتے ہیں بے دیار رہتے ہیں
بہ طاقت ہے تمہارے ناتواں میں / جو تڑپے حشر آجائے جہاں میں

سلام

ہنس ہنس کے کہہ رہا ہے جلاتا تو اب ہے / ظالم یہ میرا دل ہے چراغِ حرم نہیں
اُسنے زمانہ دیکھ کے سیکھا ہے شور و شر / تم کم سنی میں فتنۂ محشر سے کم نہیں
نکل آئیں ہیں موجیں کوثر و تسنیم سے باہر / خبر پہنچی ہے پیاسے حضرتِ شبیر آتے ہیں
گرے ہیں رن میں اکبر دوڑے ہیں ہر سمت سے اعدا / مٹانے کو رسول اللہ کی تصویر آتے ہیں
غرور اب کیا بڑھیگا خم ہوئے اُس جو پیری سے / ہم اپنے سرکو اپنے پاؤں سے ٹھوکر لگاتے ہیں

رباعی

سو رنج ہیں روز غم سے کم کھاتا ہوں / جو کوئی نہ کھا سکے وہ غم کھاتا ہوں
پیری کیطرف دیکھ کے آتی ہے شرم / جب اپنی جوانی کی قسم کھاتا ہوں

رباعی

پیری سے رہا نہ کوئی چارا ہمکو / قوت کا قویٰ کے تھا سہارا ہمکو
تنہا موت آ کے کیا بنا لیتی رشید / پیری نے شریک ہوکے مارا ہمکو

آپ کو ... کہاں ... تھے تمہارے انکو
دمبدم آنسو ٹپکتے تھے ہمارے رات کو

کہیں وہ وعدۂ وصل باتیں بڑھ گیا پھر شوق دل
ہیں وہی نکلے تھے جو ارمان ہمارے رات کو

لعنت رخ میں ہے وحشت یادِ گیسو میں بجا
دن کو صحرا میں ہیں دریا کے کنارے رات کو

دل جگر لینے پھر آئے صبح کو کہتے ہوئے
رہ گئے بستر پہ دو موتی ہمارے رات کو

آپنے پوچھا نہ جان و دل جگر نے لی خبر
درد فرقت میں نہ کس کس کو پکارے رات کو

ڈھونڈتے پھرتے ہیں انکو صبح سے آج ای رشید
دلربا تھا ایک پہلو میں ہمارے رات کو

فرماتے ہیں نہ عشق کا دعوی کرے کوئی
کیا فائدہ سہے کیوں ہیں رسوا کرے کوئی

مجنوں نے راہِ عشق میں چومے مرے قدم
الفت میں اتنی بات تو پیدا کرے کوئی

مار ڈالیگی مجھے یہ خوش بیانی آپکی
موت کا پیغام آئیگا زبانی آپ کی

زندگی کہتے ہیں کسکو موت کسکا نام ہے
مہربانی آپ کی نامہربانی آپ کی

آپسے ملکر گلے راحت سے آجاتی ہے نیند
سبزۂ خوابیدہ ہے پوشاک دھانی آپکی

مجھسے دن بھر دل کہا کرتا ہے قصہ آپکا
رات بھر میں اسے کہتا ہوں کہانی آپکی

بڑھ چکا قد بھی عروجِ حسن کی حد ہو چکی
اب تو قابل دیکھنے کے ہے جوانی آپکی

تم نے ہمسے ایسی باتیں کیں کہ رسوائی ہوئی
پھول سے چہرہ کی نگہت ہے جو سنولائی ہوئی

صاف گویا آتشِ رخ سے دھواں اٹھنے کو ہے
لو طبیعت ہاتھ سے جاتی رہی آئی ہوئی

بڑھ گئی زینت جو آئینہ مقابل آگیا
اس دوئی سے اور دونی انکی یکتائی ہوئی

قبر تک تو آگیا میں دوست تھے ساتھ ای رشید
کس طرح اب وہ نہ یاد آئے کہ تنہائی ہوئی

عطا حیاتِ ابد بھی ہو کاٹ گردن بھی
شریک آبِ خضر میں ہو آبِ آہن بھی

ہماری زندگی و موت کے ہو تم رونق
چراغ بزم بھی ہو اور چراغ مدفن بھی

دکھایا سیل کا انداز آب پیکاں نے
شکست خانۂ دل بھی ہے خانۂ تن بھی

کھلا جو ٹانکے لگانے میں حالِ زخم جگر
تو روئی خون کے اشکوں سے چشمِ سوزن بھی

عندلیبوں کی اسیری کا زمانہ آیا
آج پھر جانبِ گلشن قفس و دام چلے

بیوفا کہکے پکارا دمِ آخر تو نے
وائے تقدیر کہ ہم لیکے یہ الزام چلے

غم سے پیتے ہیں مئے خوار نہیں تیرے تا رمضان
شروع کرتے ہیں شوال کے مہینے سے

تھا یہ دلکا دھڑکنا ہی کوئی امرِ عظیم
صدائے ماتم ابھی آرہی تھی سینے سے

دکھائی دیئے عجائب تمام سے زاہد
بڑھیگا نشۂ عرفان شراب پینے سے

نقاب الٹی تھی کیا لے مہر طلعت روئے روشن سے
گلی میں تسکو دھوپ آئی تھی تیرے در کے روزن سے

انھیں تسکین دیتے جاؤ جاتے ہو جو گلشن سے
بزنگِ خار گل لپٹے ہوئے آتے ہیں دامن سے

خس و خاشاک اڑا جلکر ہوا سے گرم آہوں کی
ہزاروں بجلیاں پیدا ہوئیں میرے نشیمن سے

بہار آئی قفس میں بلبلوں کے دل دھڑکتے ہیں
کہ غنچوں کے چٹکنے کی صدا آتی ہے گلشن سے

بہت شبنم سے دھویا پر گیا ہی رنگئی رنگت
کسی صورت نہ چھوٹا خونِ بلبل گل کے دامن سے

زیادہ صرف ہوگا آج پانی تیغِ قاتل کا
شہیدانِ وفا کو غسل ہوگا آب آہن سے

رشید احباب میرا امتحاں بیکار کرتے ہیں
کہا سو مرتبہ واقف نہیں ہیں شعر کے فن سے

خاکِ حسرت لیگئے دلہائے ویراں لیگئے
آپکے دیوانے ساتھ اپنے بیاباں لیگئے

لاکھ تدبیروں سے میرے دلکی خاطر جمع کی
خوب سمجھا کے وہ گیسوئے پریشاں لیگئے

سیئے جاتے ہیں کفن آپکے دیوانوں کے
چاک دامن کے ہیں ٹکڑے ہیں گریبانوں کے

وصلتِ شمع کی شب بھر نو رہی سر میں ہوا
صبح کو بزم میں پر اڑتے ہیں پروانوں کے

دل جگر پر بنتے ہیں کلمہ ترا ملکِ تن میں
ساری بستی میں یہ دو گھر ہیں مسلمانوں کے

قہر کی آج چلی تیغ نگاہِ ساقی
چور شیشے ہوئے ٹکڑے ہوئے پیمانوں کے

نا امیدی نہ ہو کیوں آس نہ کیونکر ٹوٹے
ٹوٹ جائے دلِ مئے خوار جو ساغر ٹوٹے

خود رہا ہوگئے یوں تڑپے اسیرِ زنداں
زلزلہ آگیا، دیواریں گریں، در ٹوٹے

آپ کہتے ہیں کرو ترکِ محبت میری
رشتۂ الفت کا بتا دیجئے کیونکر ٹوٹے

سلام

رحم دل تم ہو تو عشاق پہ کیونکر ہو ظلم
تم تو نازک ہو دل ان لوگوں کے کیونکر توڑے

گو ہے ماہ رمضاں دیدے دہن کا بوسہ
کچھ نہیں خوف جو روزہ لب کوثر توڑے

ہے عرق ماتھے پہ سر خم منہ پہ زلفوں کی نقاب
ہے عیاں رفتار سے آتے ہیں شرماتے ہوئے

فتنۂ محشر صدا دیتا ہے جب چلتے ہیں آپ
ہم بھی آتے ہیں ملو ہیں ٹھوکریں کھاتے ہوئے

کھنچ کے دم آیا لبوں تک روح گھبرانے لگی
سچ بتاؤ کیا اشارہ کر گئے جاتے ہوئے

اپنی اپنی جا ہر اک مغرور ہے ای شاہِ حسن
لاکھ بل کھاتے ہیں گیسو تا کمر آئے ہوئے

جس طرح زخمی ہوا ہے دل مجھے معلوم ہے
میں نے دیکھا خود نگہ کے تیر کو آتے ہوئے

کرتے ہیں جمع اشک ہمارے ملائکہ
حوروں کے کان کے لئے گوہر بنائینگے

شہ دامن رضائے خدا کو یہ دینگے طول
اپنا کفن مزار کی چادر بنائیں گے

عقدے الفت کے سب اک رشک قمر کھولدیئے
سینہ یوں چاک کیا داغ جگر کھولدیئے

آنکھیں کھولے ہوئے سب دیکھ رہے ہیں تجکو
دل کے جانے کو یہ عشاق نے در کھولدیئے

امتحان حسرت پرواز کا منظور ہوا
ذبح کر کے مجھے صیاد نے پر کھولدیئے

شرم آئیگی مجھے لوگ سمجھ جائیں گے
بنتے گیسو مرے لاشے پہ اگر کھولدیئے

ہے مسافر نواز تیغ تری
ہمکو رخصت کیا گلے ملکے

ایک ظالم نے کسیکو آج زخمی کر دیا
یہ نہیں معلوم کس کا دل ہے کس کا تیر ہے

کرتے ہیں تن کے قفس خالی نئی تدبیر سے
مرغ جان اڑتے ہیں پر لیکر تمہارے تیر سے

کشتۂ لاغر کو اپنے دفن کر دیجے فقط
غسل میت ہو چکا آبِ دم شمشیر سے

آپ لیجائیں انھیں یا دل کے ٹکڑے جوڑ دیں
میری خاطر جمع ہو جائے کسی تدبیر سے

روح جبتک جسم میں ہے خارِ غم کی ہے کھٹک
دل سے یہ کانٹا جو نکلے گا تو نوکِ تیر سے

رباعی

نزع میں رشک مسیحا کا خیال اچھا ہے
گو برا وقت ہے لیکن مرا حال اچھا ہے

بالوں کی سیاہی آہ ہیہات گئی
کہتے ہیں جوانی جسے وہ رات گئی

پیری نے زبان کی فصاحت کھودی	رباعی	لو صبح ہوئی، رات گئی، بات گئی
طفلی نہ رہی، کہ تھی وہ جانے والی		کیا رہتی، جوانی تھی مٹنے والی
پیری کو رشید بس غنیمت سمجھو		اب فصل نہیں ہے کوئی آنے والی
آج معلوم ہوئے دل کے خیالات مجھے	سلام	تم سے حال اپنا کہا کرنے نہ دی بات مجھے
یاد آیا، کہ تھا دے لکے تڑپنے میں مزا		لطف دیتے تھے ستم آپکے دن رات مجھے
قبر میں سب سے زیادہ ہے یہ ایجاں تکلیف		تم سے جاتی رہی امید ملاقات مجھے
آستانے پہ ترے آکے یہ رتبہ پایا		کہ نظر آتے ہیں جنت کے مکانات مجھے
عشق میں کرکے فقیری بھی نہ کچھ ہاتھ آیا		نہ حسینوں سے ملی عشق کی خیرات مجھے
طالب دید سے یوں بیخبری کرتے ہیں		آپ سویا کئے آنکھوں میں کٹی رات مجھے
زیر خنجر کہتے تھے شہ اب ملا لطف حیات		یوں بسر ہو کر تو عمر جاودانی چاہیئے
جب صدا آتی ہے کیا درکار ہے کہتے ہیں شاہ		بس ترے بندے کو تیری مہربانی چاہیئے
کیا کریں کیونکر چھپائیں تشنگی شاہ غیور		ہونٹوں کی خشکی کہے دیتی ہے پانی چاہیئے
ایسا بھی نہ انقلاب دیکھا ہوگا	رباعیات	کب میری طرح شباب دیکھا ہوگا
کہتا ہوں جو میں کہ تھی جوانی میری		پیری کہتی ہے خواب دیکھا ہوگا
پیری میں غم راہ جناں کیونکر لیں	ایضاً	منزل پہ ٹھہر کے دم ذرا دم بھر لیں
لیٹے ہیں لحد میں اے فرشتو نہ اٹھاؤ		چلتے ہیں ذرا کمر تو سیدھی کر لیں
ہر چند بہت ملول و دلگیر ہوں میں	ایضاً	کیا فائدہ کیوں بیاں کروں پیر ہوں میں
دیکھو مجھے پوچھنے سے کیا حاصل ہے		پیری وہ ہے کہ جسکی تصویر ہوں میں
پیری نے حواس ہوش سب کھوئے ہیں	ایضاً	کب عہد جوانی کے لئے روئے ہیں
ہشیار شباب میں تھے پیری میں ہیں غش		شب بھر جاگے تھے صبح کو سوتے ہیں
ساعت معلوم اجل کے آنیکی نہیں	ایضاً	پھر بھی کچھ فکر یہاں سے جانیکی نہیں

پیری یہ نہیں بارِ گنہ سے خم ہوں		اب مجھکو مجال سر اٹھانیکی نہیں
پیری میں غم و ملال کب اٹھتے ہیں	ایضاً	ہوتا ہے قلق بیٹھ کے جب اٹھتے ہیں
جھکنا تھا جوانی میں گراں بہرِ رکوع		گھٹنوں پہ ہاتھ رکھکے اب اٹھتے ہیں
دنیا کے نہ رنج و درد و غم کو دیکھو	ایضاً	کس حال میں ہیں اہلِ عدم کو دیکھو
پیری کا تماشا ہو اگر مدِ نظر		یارانِ شباب آؤ ہمکو دیکھو
افسوس جوانی کی نہ کچھ غور ہوئی	ایضاً	ہونی تھی جو کیفیت بہر طور ہوئی
دانتوں نے کیا قصد جدا ہونے کا		آنکھوں کی بھی اب ہمسے نظر اور ہوئی
کب کوئی بلائے ناگہانی سے رکی	ایضاً	یک لحظہ نہ موت زندگانی سے رکی
پیری ہی کا نام گو ضعیفی ہے مگر		پر ایسی قوی ہے نہ جوانی سے رکی
مرے لہو کو ہوس ہے کہ اڑ کے جا پہنچوں		ہوائے شوق میں اڑتا ہے انکا دامن بھی
تیرے بیمار تک آنے نہیں پاتا کوئی		بیکسی دور سے کہدیتی ہے حال اچھا ہے
ذبح میں بھی کی گئیں ہم پر بہت سی تہمتیں		سیکڑوں طوفان اٹھے آبِ دمِ شمشیر سے
وقتِ آخر مری آواز سنی رحم آیا		اُسکی قدرت ہے ان آہوں کا رسا ہو جانا
نزع میں ہیں پاؤں میرے کوئے جاناں کی طرف		چاہتا ہوں وہاں پہنچ جاؤں کسی تدبیر سے

رشید۔ جناب مولوی رشید احمد صاحب رامپوری مولوی فاضل پاس ہیں رامپور کے مدرسہ میں تکمیلِ علم کرکے حضرت خلیل حسن صاحب خلیل کے فن سخن میں شاگرد ہوئے۔ ۴۰ برس کے قریب عمر ہے استعداد عالمانہ ہے اور فن سے واقف ہیں کلام کا انتخاب ملاحظہ ہو۔

شبِ وصل اپنے شادیٔ مرگ ہونے سے کھلا عقدہ		جسے ہم جان سمجھے تھے وہ تھی دلدار کی حسرت
ابھی ہو جائے مثلِ گل شگفتہ بات ہی کیا ہے		ذرا تم پوچھ لو ہنسکر دلِ بیمار کی حسرت
ترا خنجر ہو گردن پر ترا پیکاں ہو سینے میں		یہ ارمان مضطرب دل کا وہ جانِ زار کی حسرت
پیامِ قتل نے بھی روح سی اک پھونکدی تن میں		رگوں میں دوڑتی پھرتی ہے تیغِ یار کی حسرت

یارب کسی کا حشر میں ہو جائے سامنا	آئے ہیں اتنی دور بڑی آرزو سے ہم
ساقی ترے بغیر ہے یہ میکدہ کا حال	ہم سے خفا ہے جام خفا ہیں سبو سے ہم
جلنا پڑیگا یوں یہ خبر کیا تھی اے رشید	دل کیوں لگائے بیٹھے تھے اُس شعلہ وش سے ہم
کیا تو چھپتے ہو درد محبت کی لذتیں	اس رنج کو خوشی سے بدلتا نہیں ہوں میں
ہاں ہاں ضرور آؤ گے مجکو یقین ہے	کیوں بار بار کہتے ہو جھوٹا نہیں ہوں میں
جب کہا میں نے کہ میں غیر کو مرتے دیکھوں	جل کے وہ بولے کہ تم خود ہی نہ مرکو دیکھو
تمنے دنیا کے تماشے تو بہت دیکھے ہیں	کوئی دم صبر مرے دل میں بھی رہکر دیکھو
بدنام فلک تم سے زیادہ تو نہیں ہے	ہے وہ بھی ستمگر مگر اتنا تو نہیں ہے
اک طور ہے کیا جلوہ ہر اک شے میں ہے اُسکا	موسیٰ سا کوئی دیکھنے والا تو نہیں ہے
محفل میں رشید آیا تو کیا آپ کا بگڑا	چپ بیٹھا ہے کچھ آپ سے کہتا تو نہیں ہے
نام آجاتا ہے جانیکا تو ہل جاتا ہے دل	تم چلے جاؤ تو کیا جانے مرے دل پہ بنے
نہ دیکھیں ہم انھیں، دل نہیں مانتا	یہ مانا کہ ہیں دیکھے بھالے ہوئے
بتوں کی برائی رشید اسقدر	بڑے آپ اللہ والے ہوئے

رشید - مولوی حافظ رشید الرحمن نقشبندی، مولنا احسان علی خان احسان رامپوری کے تلامذہ سے ہیں اور دور موجودہ کے موزوں طبع کہنے والے ہیں چند شعر درج کئے جاتے ہیں

وہی ہے پاؤں جو ہو حلقۂ زنجیر کے قابل	وہی سر ہے جو ہو قاتل تری شمشیر کے قابل
جو شوق صید بازی ہے ادھر آ اے شکار افگن	ہمارا طائر دل ہے ترے نخچیر کے قابل
وہ ظالم کشتۂ حسرت کا لاشہ دیکھکر بولا	پھراؤ کوبکو اسکو کہ ہے تشہیر کے قابل
دل چیز کیا ہے پائیں اشارہ تو جان تک	قرباں ہزار بار کریں آپ پر سے ہم
بام پر بہر خدا اب تو دکھا دے جلوہ	ہم تری راہ سر راہ گذر دیکھتے ہیں

رضاؔ - حمید الدین چاندپوری خلف حکیم مولوی کلو، تذکرہ شرف الدین احمد میرٹھی میں انکے

یہ دو شعر میرے ہیں ؎

قطعہ
آہ کہوں سے کہ ہم ساتھ ترے ای گلرو — دو قدم صحن خیاباں میں چلے بیٹھ گئے
ہے یہ ماتم کہیں مجھ سے ترے کوچہ میں — ہیں گنہگار جو دیوار تلے بیٹھ گئے

رضا مرزا جیون شاگرد فخر الشعرا میر ممنون غدر سے پہلے قضا کر گئے،

تمام صفحۂ نداں میں یہ جسے شعر ہوتے ہیں — کہ گویا رشتۂ مضمون میں موتی پرتے ہیں
غیر سے گرم اختلاط ہے وہ — ہم بھی سنتے ہیں اور جلتے ہیں
کون سے وحشی کی اسکو اسقدر رہے یاد آہ — سنگ سے ابتک بھرا جو دامن کہسار ہے

رضا۔ مرزا محمد رضا متوطن بلدۂ لکھنو انکو مرزا رفیع السودا سے تلمذ تھا، زیادہ حال معلوم نہ ہوا ایک غزل اور چند شعر بمشکل دستیاب ہوئے درج کیے جاتے ہیں۔

سمجھتے ہو تم خوب غیروں سے ملنا — کیے پر بہت اپنے پچھتایئے گا

لائی ہے بہار ابکے برس اسقدر آتش — ہے جائے شگوفہ کے ہر اک شاخ پر آتش
یہ سوز نہانی ہے مرے سینے میں کس کا — جلتا ہے جگر پر نہیں آتی نظر آتش
وہ سوختہ جاں ہوں کہ تپ آہ سے جسکے — سلگانے کو لیتا ہے ہمیشہ سقر آتش
مینا کے چلے سینے میں کیونکر نہ پھپھولا — ہے بادۂ گلگوں کی نپٹ تیز تر آتش
دوزخ کا بھی کچھ خوف رضا ہمکو نہیں ہے — کرتی ہے دم سرد سے میرے حذر آتش

یارب یہ آرزو میری پاؤں میں رل نجائے — جبتک کہ یار آوے یہاں دم نکل نجائے
کس کس کا جور و ناز اٹھایا کرے یہ دل — چھوڑے اگر مژہ کجی آنکھوں کا بل نجائے
شام ہجراں گر نہ بیتابی کرے دل کیا کرے — دم بدم ہوتی ہے آفت سر پہ نازل کیا کرے

رضا میر محمد رضا برادرزادہ میر تقی ایک غزل انکی ایک پرانے تذکرہ میں نظر سے گذری جو خوشگوئی پر دلالت کرتی ہے زیادہ حال نہیں معلوم ہوا وہ شعر یہ ہیں۔

تم جو کہتے ہو مت نظر تو لگا — تمکو میری نظر لگی لگے

شمع گر تو نہ ہوئے جس گھر میں — پھر وہ تاریک گھر سے نہ گئے

رضا میرزا علی رضا، عاشق مزاج، مجنوں منش، از خود رفتہ بزرگ تھے، اگرچہ خود شاعری کے اظہار سے گریز کرتے تھے مگر شعر اچھا کہتے تھے، تذکرۂ گلشن بیخار ۱۲۳۳ء میں بھی دو شعر لکھے درج ہیں اور طغریٰ نویس انھیں لکھا ہے، مولوی شرف الدین میرٹھی نے میر رضا علی نام اور لکھنو وطن درج کیا ہے

رہا عالم یہ شب اپنا کہ اس بن دل جو گھبرایا — کبھی تکیے سے سر ٹپکا کبھی پتھر سے ٹکرایا

جس دل کو قلق نے آہ گھیرا ہوگا — آنکھوں میں پھر اُسکے اک اندھیرا ہوگا
کیوں گرد سے اپنے کو بچاتا ہے رضا — اس خاک میں آخر کو بسیرا ہوگا

ہدف ناز جو کل سینہ کا صندوق ہوا — تیر جو دل میں لگا سو لب معشوق ہوا
جو اکبار میں دیکھنے تجھکو پاؤں — بلائیں بھی لیلوں تصدق بھی جاؤں

مت پوچھو رضا کا کچھ حال غم تنہائی — اک دل تھا سو کھو بیٹھا اک سر ہی سو سودائی
کبھی آئے آکے خفا ہوئے جو گئے تو جاکے بلا لیا — کبھی لیٹے لیٹے مچل گئے کبھی بیٹھے بیٹھے بگڑ گئے
ستم زمانے سے مجھپہ دن برے ایکبار یہ پڑ گئے — وہ جو آشنا تھے سو مر گئے وہ جو دوست تھے سو بچھڑ گئے

رضا رامپور کے رہنے والے کوئی خوش کلام شخص تھے اور سنہ ۱۲۸۰ء کے قریب زندہ تھے،

اب کوئی لحظہ میں مجنوں پہ بلا آتی ہے — جرس ناقۂ لیلیٰ کی صدا آتی ہے

رضا مولوی غلام رضا لکھنوی۔ قاضی محمد خلیل صاحب کی بیاض سے ایک شعر نقل ہوا۔

لو مبارک ہو رضا کا مٹ گیا نام و نشان — تم بھی رسوائی سے چھوٹے غیر بھی بے غم ہوا

رضا مولوی محمد برکت اللہ، آپ لکھنوی ہونے کے علاوہ علمائے فرنگی محل سے مستفید ہیں اوائل مشق سخن میں مولوی انعام اللہ انعام لکھنوی سے تلمذ اختیار کیا پھر جب مشق بڑھی تو حضرت امیر مینائی کی خدمت میں حاضر ہو کر زانوئے تلمذ تہ کیا، عربی فارسی کی استعداد عالمانہ ہے اور ان دونوں زبانوں میں بہت سی کتابیں اور رسالے مختلف مضامین پر آپکی

تصنیف شائع ہو چکی ہیں، اب مشق سخن کو بائیس چوبیس برس کا عرصہ ہو گیا ہے۔ راجہ اشفاق علیخان تعلقدار محمدی ضلع کھیری انکے شاگرد اور قدردان ہیں، اُنھوں نے آپکا دیوان بھی سالِ گذشتہ میں شائع کرا دیا ہے، جس کا ایک نسخہ راقم تذکرہ کو بھی عنایت کیا شعر خاصہ کہتے ہیں اور پُرگو بھی معلوم ہوتے ہیں۔ زبان بھی بُری نہیں مضمون کیطرف دستا دجکم آ

ذرا آسان ہو جاتی مصیبت بس یہ مقصد تھا
نہ گئے پاس تو کیا نزع میں نکلا نہ دم میرا

یارب دعا ہے تجھ سے کہ روزِ وصال میں
ٹکڑا ملا دے کوئی شبِ انتظار کا

آگے آگے تری رحمت کے فرشتے ہونگے
ٹھاٹھ ہوگا سرِ محشر یہ گنہگاروں کا

ہمارے گنا کبھی، کبھی رونا
رات دن ہے یہ مشغلہ دل کا

کیسے بے چین نہ ہو بعدِ فنا دل میرا
بیٹھا روتا ہے سرہانے مرے قاتل میرا

کفر و ایماں میں ہیں یہ جھگڑے بکھیڑے کس لئے
ایک ہی ہوتا ہے ڈورا سبحہ و زنار کا

ہو لئے آہ مجنوں لاکھ لائے آندھیاں لیکن
نہو گا فاش پردہ حشر تک لیلیٰ کے محمل کا

مسیحا نے کہا ہر ایک سے یہ دیکھکر مجکو
خدا پر چھوڑ دو اسکو یہ اچھا ہو نہیں سکتا

جو اس شریر سے پوچھا نشان مسکن کا
بتا دیا مجھے اُس نے مکان دشمن کا

کعبہ و بتخانہ کوئی بھی خدا کا گھر نہیں
مفت کا جھگڑا ہی شیخ و برہمن میں دیکھنا

خدا بھی ہے اُسی بُت کا طرفدار
عبث ہے حشر میں فریاد کرنا

قُم باذنی سے کیا زندہ مجھے
لاش پر وہ معجزہ دکھلا گیا

ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے صیاد کے صبا
دیکھا جو اُسنے باغ میں خالی قفس پڑا

کل جو وعدے پہ نہ آپ آئیے گا
مجکو زندہ بھی پھر نہ پائیے گا

کیا کروں یارب سرِ محشر یہ کہتا ہے وہ بُت
مجکو شرمندہ نکر تو میرے خواہاں دکا

ہاتھ رکھکر مرے سینے پہ وہ فرماتے ہیں
ہم بھی دیکھیں کہ تڑپتا ہے ترا دل کیونکر

کر رخصت انکو نہ سکے ولا بیچ وصل تو
رونے کیواسطے تو پڑا ہے تمام روز

اب کے بہار میں ہے عجب جوش بیکسی
رہتا بھی ہوں تو چھپ کے میں گوشہ میں راتکو
وہ کھڑے ہیں سامنے گردن جھکائے حشر میں
بوسہ جو مانگا لب کا تو منہ پھیر کر کہا

زاہد کو بھی ہے خانۂ خمار کی تلاش
رسوائی کا ہے اسکی مجھے اسقدر لحاظ
کھولنا اب کیوں نہ مجکو لب اظہار عشق
کرتے نہیں ہیں بات کسی لالچی سے ہم

جو انکے در پہ جا کر ہم کبھی فریاد کرتے ہیں
اسیر زلف ہو کر یوں بسر ہم عمر کرتے ہیں

تو ہنسکر کہتے ہیں پوچھو تو کسکو یاد کرتے ہیں
کہ پوری جیسے قیدی قید کی میعاد کرتے ہیں

بھٹکتے پھرتے ہو ہر سو اکیلے دار فانی میں
نہ نیند آتی ہو راتوں کو نہ سکھ سے دن گزرتے ہیں
دھرا ہے سامنے آئینہ ٹھنڈی سانس بھرتے ہیں
رضا ہیں محو ایسے یاد میں ہم اُس پریرو کے
کسی کے سوز الفت سے جگر دل ایسے جلتے ہیں

خضر کیا لطف ہے ایسی حیاتِ جاودانی میں
تمہارے چاہنے والے نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں
عجب صورت ہی انکی جسکو وہ خود پیار کرتے ہیں
نہیں معلوم کسکو دل دیا ہے کس پہ مرتے ہیں
کہ سانس آتی نہیں منہ سے مرے شعلے نکلتے ہیں

ملنے کو آتے ہیں اپنے اور بیگانے سبھی
یہ بھی اک ادنیٰ اثر ہے جھوٹے وعدوں کا حضور

عید کا دن ہے گلے لگ جاؤ شرماتے ہو کیوں
آپ کا اقرارِ وصل اور وہ مجھے باور نہو

کریم اپنی کریمی کی شان دکھلادے
کسیکی تیغ کا ہے یادگار زخم جگر
جاتے ہیں خالی ہاتھ جہانِ خراب سے

وہ دے مجھے کہ کبھی حاجت سوال نہو
الٰہی حشر تلک اس کا اندمال نہو
بے توشگی ہی توشہ ہمارے سفر میں ہے

پہلے ہی ہنستا تھا دیوانوں کو اے گیسو مگر
بنے گا سینۂ پرغم نمونہ رنج و راحت کا
کسی کا خون کرنے سے تمھیں کیا فائدہ ہوگا

دیکھکر زنداں میں اب ہنستے ہیں زندانی مجھے
وہ دل پر ہاتھ رکھینگے جگر سے تیر کھینچیں گے
بھلا یہ بھی کوئی ضد ہے جگر سے تیر کھینچیں گے

مرا دل لے لیا باتیں بنا کے
وعدہ پہ نہ آنے کا سبب پوچھا تو بولے

کہاں جاتے ہو اب یہ گل کھلا کے
کیا یاد دلایا تھا مجھے آکے کسی نے

دل نہ چھوٹا کسی طرح سے بھلے کا تارو
بسر آشفتہ ہوں تیغ ابروئے محبوب کا
دھکا منزل میں ہے پیک ابھی آتے ہیں ہم
کیا کہیں ہم نے قدم باغ میں کیا رکھا ہے
پاس سکتے دیکھکر مجھکو کہا اُس شوخ نے
مرنا جینا نیک و بد کا جب ہمیں ہو اختیار
بجلیاں سنکر پلٹ آتے ہیں آہ ہوتے ہیں شرر
محتسب میں اور مینوشی غلط بالکل غلط
بوسہ لیا ہے اُس بت یکتا کے خال کا
تیرے تقوی کا میں اُسوقت ہو قائل ای شیخ
یہ پوچھتا ہے نزع میں وہ عیسیٰ زمان

ہاں کا نہم نالہ و فریاد کریں گے
خندۂ زخم جگر بھی خندۂ مستانہ ہے
واعظا وہ دو قدم پر سامنے میخانہ ہے
شور بلبل نے قیامت کا مچا رکھا ہے
آپ کو کہنا جو ہو کچھ مجھسے کہیے دور سے
کیوں گنا ہونگی ہو پرسش بندۂ مجبور سے
لطف کو پوچھو ان ہمسائے کے دل رنجور سے
مست ہوں نظارۂ چشم بت مخمور سے
اللہ بخشدے گا وہ نکتہ نواز ہے
وہ صنم پاس ہو اور تجکو خدا یاد رہے
ابتو ہم آگئے کہو جینے کی آس ہے

رضا

رضا مولوی قاضی عنایت رضا خلف شیخ غلام موسی ساکن قصبہ بدایوں سے تلمذ تھا۔ قوت حافظہ کا یہ حال تھا کہ ہزارہا شعر ازبر تھے، یہ اُن کا منتخب کلام ہے۔

کلام دو نوک ہیں مخالف کرے وہ قاتل بھی گر کا کہنا
اگر ہو یاروں سے تم مخالف موافق اغیار کے نہ رہنا
مونس ہو مرا کوئی نہ ہمدم شب فرقت
کیا کہیے کہ کیوں جیتے رہے ہم شب فرقت
ہمیں جو رہی یہ خوش کہ اُسے یاد تو رہا
گیا ہوں آپ سے میں کس کی میزبانی میں

زبان خنجر کہے ہی بس بس گلو کہے ہی کمی نکرنا
نکرنی ہو گر ہماری خاطر رقیب کی بھی خوشی نکرنا
ہاں ساتھ جو دیتا ہے تو اک غم شب فرقت
تھا پیش نظر وصل کا عالم شب فرقت
اُس شوخ سے بھی مجھکو امید ستم کہاں
الٰہی دل میں ہیں یہ مہمان کون سے آئے ہوئے

رضا

رضا جناب شیخ رضا عباس صاحب خلف شیخ علی عباس صاحب وکیل شاگرد جناب عاشق لکھنوی سنہ ۱۸۸۵ء میں لکھنؤ کے رسالہ نغمۂ بہار میں انکی غزلیں چھپا کرتی تھیں چند شعر منتخب ہیں

رند مشرب ہوں میں پابند نہیں مذہب کا
آج میخانہ میں ہوں کعبہ میں کل جانا ہے

کیوں شہید ناز کے غم میں ملے حسرت سے ہاتھ
دستِ نازک سے ترے رنگِ حنا جاتا رہا

جھیل ڈالیں سختیاں روزِ فراقِ یار کی
اب قیامت کا بھی دل سے خطر جاتا رہا

منتوں سے ایک بوسہ پر ہوا راضی وہ شوخ
سب وہ برسوں کا گلا شکوا رضا جاتا رہا

اس قدر شوقِ اسیری تھا دلِ ناشاد میں
دام سے چھٹکر پھر آیا خانہ صیاد میں

رنگ اور بہار اور فضا اور ہی کچھ ہے
ان روزوں گلستاں کی ہوا اور ہی کچھ ہے

مر کے ملجاتی ہے دنیا کے بکھیڑوں سے نجات
پاؤں پھیلائے ہوئے سوتے ہیں سونیوالے

کھلی آنکھ جب قبر میں ہم یہ سمجھے
مسافر کو راحت کی منزل یہی ہے

رضا - مرزا رضا حسین بیگ صاحب رضا بریلوی خلف مرزا فدا حسین بیگ تیس برس ادھر بریلی کے مشاعروں میں غزلخوانی کیا کرتے تھے اور حضرت حکیم نیاز احمد خان ہوش کے تلمذ سے بہرہ یاب تھے، طب میں بھی دخل تھا بیس برس ہوئے انتقال کیا ۸۰ برس کی عمر پائی

پھینکدو نگاہیں تجھے چیر کے پہلو دل
شکوۂ جورِ بتاں کچھ جو زباں پر آیا

کچھ عجب دیکھی کشاکش عشق کے بازار میں
موت بھی آتی نہیں عاشق کو ہجرِ یار میں

فاتحہ پڑھنے جو آئے قبر پر وہ سیمتن
خاک ہو جانا نہ کیوں حق میں مرے اکسیر ہو

صاحبِ حیرت ہیں دنیا کے حوادث سے پرے
قید کب دامِ قفس میں طائرِ تصویر ہو

ماند کردے چاندنی کے کھیت کو اسکی چمک
جس مرقع میں تمھاری چاند سی تصویر ہو

دورِ گردوں سے گلا ہمکو نہ شکوا یار سے
لے رضا راضی ہیں ہم جو خواہشِ تقدیر ہو

قسم لو، قول لو، بوسہ نلو نگا زلف کا میں
معاف بہر خدا اب مری خطا ہو جائے

وصالِ یار میسر ہو کس طرح مجھکو
نہ جذبِ دل میں ہے تاثیر کچھ نہ آہ میں ہے

خطا ہمسے کیا سیمبر ہو گئی
جو اب تیری ٹیڑھی نظر ہو گئی

مرادِ دلی کیوں بر آتی نہیں
مری آہ کیا بے اثر ہو گئی

رضا

سفیدی سے بالوں کی عقدہ کھُلا
کہ عمرِ دو روزہ دلبسر ہو گئی

ٹھکانا نہ تو ہم نصیروں کا پوچھ
جہاں شب کو بیٹھے سحر ہو گئی

پھکرنہ پائے گا زندہ مجھے
جو تا خیر اے نامہ بر ہو گئی

شیفتگی بے فائدہ ہے بلبل کی
چند روزہ بہار رہے گُل کی

کرنہ پامال گل کو بادِ خزان
جان جاتی رہے گی بلبل کی

رضا

رضا مُبین الرضا خان بدایونی، قمر الحسن قمر بدایونی سے تلمذ ہے، جوان آدمی ہیں، حال باوجود تلاش نہ ملا اشعار ملاحظہ ہوں:

صبا سے ہیں کہنے کو تھا حالِ دل
وہ سُننے سے پہلے ہوا ہو گئی

عجب کیا اگر دل کی چوری کھلی
گرہ زلفِ جاناں کی وا ہو گئی

بُرائی بھلائی محبت کی کیا
جو ہونے تھی وہ اے رضا ہو گئی

رضا

رضا جناب داروغہ مرزا رضا حسین صاحب تلمیذ حضرت حکیم مرحوم لکھنوی زمانہ حال کے شعرا میں ہیں حالات باوجود تلاش نہ ملے:

کیئے ہیں آپ نے قابو میں لاکھ دل کیونکر
جب ایک اپنی طبیعت پہ اختیار نہ تھا

پیادہ حشر میں سر کو جھکائے کیوں آئے
جو خون آپکے سر پر مرا سوار نہ تھا

وہ خود بخود مرے گھر بے بلائے کیوں آئے
مری طرح سے جو دل انکا بیقرار نہ تھا

میں کس امید پہ کرتا معاملہ دل کا
مجھے جب انکا انھیں میرا اعتبار نہ تھا

رضا

رضا میرزا نظیر حسین رضا، باشندہ عظیم آباد، میر حامد حسین نگہت کے شاگرد ہیں کلام کا نمونہ یہ ہے

رہتا ہے اک زمانے سے گردش میں اپنا تن
جویا یہ پیر چرخ ہے کس رشکِ ماہ کا

ہاتھوں سے دل سنبھال رہے ہو چال ہے
دیکھا اثر غریب کی فریاد و آہ کا

چارہ گر کو ہے عذر مجھ زار سے
الاماں اِس عشق کے آزار سے

خاک کر ڈالا اُسے جس پر گری
الاماں برقِ نگاہِ یار سے

رضا **رضا** نواب محمد رضا خان رضا خلف نواب حسین دوست خاں بہادر شہرت رئیس و سردار اول کنڈہ صوبہ مدراس نبیرہ نواب شمس الدولہ مبارز جنگ معروف بہ چندا صاحب والی ملک کرناٹک ۱۲۵۵ھ سالِ ولادت ہے عمر پچاس سال کے قریب ہوگی حضرت سلامت علی دبیر سے تلمذ رہا ہے۔ مرثیہ، غزل، قصیدہ، رباعی، مجملہ اصنافِ سخن میں دخل حاصل ہے چند شعر ملے وہ درج کئے جاتے ہیں۔

دوست دشمن، عدو یگانہ ہوا — کس قدر منقلب زمانہ ہوا
ہم اُسی بیوفا پہ مرتے ہیں — جس کا وعدہ کبھی وفا نہ ہوا

رباعی

دنیا میں دبیرِ سخن آرا نہ رہا — اوجِ فلکِ نظم کا تارا نہ رہا
دنیا رہی باقی تو رضا ہم کو کیا — افسوس ہے اُستاد ہمارا نہ رہا

اب سن سے بڑھی عمر، چلی فصلِ شباب — بس ہو چکا پا تراب باندھو اسباب
یہ شیخ و برہمن ہیں کیسے الٰہی — یہ کیا بت پرستی یہ کیا دینداری
یا یں سجادہ و جُبّہ زنار و ناقوس — ہماں ذوقِ نفس و ہماں بادہ خواری
سمجھے دیکھوں کیونکر ہے ضدین کا جمع — خفی تو ہیں مظاہر، تو نوری ہیں ناری

رضا **رضا** منشی شیخ رضا حسین خلفِ شیخ مہدی علی نبیرۂ شیخ مہدی علی عرف راجہ میاں متوطنِ لکھنؤ کتب درسیہ مولوی ہادی علی رشک وغیرہ اُساتذہ سے پڑھیں، فنِ سخن میں حضرت امیر مرحوم سے تلمذ رہا ۱۸۸۶ء میں حیدرآباد دکن میں وکالت کرتے تھے اور تینتیس برس کی عمر تھی یادگارِ ضیغم سے کلام منتخب ہو کر درج تذکرہ کیا گیا۔

رہی گرمی نہ باقی نام کو خورشیدِ محشر میں — قیامت کی تری تھی میکشوں کے دامنِ تر میں
خیالِ عارضِ جاناں نہیں اس دیدۂ تر میں — حریرِ شعلہ کا پیوند ہے پانی کی چادر میں
عجب ہنگام میں میخانۂ ہستی میں ہم آئے — نہ میخانہ میں ساقی ہے نہ مے باقی ہے ساغر میں
وفائے وعدۂ دیدار میں ہے خوفِ محرومی — کدھر ڈھونڈیں کدھر جائیں بڑا مجمع ہے محشر میں

رضا [illegible] کے مکان دہلی صاحب [illegible] الدین حیات کے صاحبزادے ہیں [illegible]
[illegible] گزرے ہیں، اپنے والد کی وفات کے بعد [illegible]
[illegible] سو برس کے قریب سن ہے شاعری کا شوق بھی ورثہ آیا ہے۔ کلام [illegible]

[illegible] سے پھولوں کے توڑنے سے
وہ داستان فرقت سنکر یہ کہہ رہے ہیں
بلبل پہ یہ ستم ہیں ہا باغباں پہ ہیں
دن رات جو سنے قصے تیری زبان پہ ہیں

دشمنی کر کیا چل دشمن کو خود لجائے گا
آئینہ والا ایک دن اُسکے لیے مشکل کا ہے
ہم کہیں تو کیا کہیں کوئی سُنے تو کیا سُنے
کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا جو مطلب دل کا ہے
کیا کہوں میں عشق میں کیا جو پڑی مصیبت جان پر
کیا بتاؤں میں جو بیتابی سے عالم دل کا ہے

رضا منشی علی رضا سیتاپوری شاگرد میر تحمل حسین محمد آبادی

ایک بوسہ لب شیریں کا کوئی بات نہ تھی
کالیاں سنت میں دیں تمنے ترشرو ہو کر

وصل میں اس مہ خوبی سے منور تھا جو گھر
اب برستی ہے اُداسی اسی کاشانے سے
آپکے حسن نے کیا خوب در اندازی کی
گل ہے بلبل سے جدا شمع ہے پروانے سے

رضا سید علی رضا رامپوری۔ آجکل کے کہنے والوں میں ہیں، چند شعر ملاحظہ ہوں۔

اک آپکی بدولت سو صدمے جان پر ہیں
غم کے پہاڑ ٹوٹے مجھ ناتواں پر ہیں
مہر و وفا کے قصے مشہور ہیں جہاں میں
تیری جفا کے چرچے سبکی زبان پر ہیں
وہ پیاری پیاری صورت ہر دل میں بس رہی ہے
وہ بھولی بھولی باتیں سبکی زبان پر ہیں

مجھے ڈر ہے شب فرقت میں کہیں آہ گردوں
تو نہ اُٹھ جائے سحر سے نالۂ شبگیر کے ساتھ

رضا مولوی محمد رضا صدیقی شاگرد صمیم علی شاہ صاحب صمیم بلند شہری، آپ آگرہ آباد کے
باشندے ہیں، خاندان صدیقیہ چشتیہ سے بیعت ہیں، موجودہ زمانہ کی طرز میں بھی کہتے ہیں
اور شاعرانہ رنگ میں بھی، علی گڈھ میں اکثر سکونت رہتی ہے بندش چست اور زبان صاف ہے

[illegible] آسماں تک سر سے دھواں ہمارا
پھونکے نہ ہمکو اک دن سوز فغاں ہمارا

حسرت نے راحتوں کی قوت مٹا کے چھوڑی
شمع سحر کی صورت آخر ہے دور اپنا

ہے مدعی جہاں میں ہر ناتواں ہمارا
بزم جہاں میں بگڑا گویا سماں ہمارا

یہ بہار افزا لہو کس خندۂ بسمل کا ہے
ہے یہ مرگ نامرادی یا کہ شادی مرگ ہے
یا الٰہی درد فرقت اک گھڑی بھر کو نجائے
اے اجل تو آنیوالی تھی تو پہلے کیوں نہ آئی

دامن گلزار دامن خنجر قاتل کا ہے
سر ہے میرا اور زانو رحمدل قاتل کا ہے
بس یہی تو اک سہارا عاشق بیدل کا ہے
اب تو جو احسان ہے وہ خنجر قاتل کا ہے

رضا

رضا - محمد موسیٰ رضا باشندۂ چھپرا - آپ کو جناب فہیم گورکھپوری سے تلمذ ہے بارہ چودہ برس سے مشق سخن کرتے ہیں اور خاصہ کہہ بھی لیتے ہیں -

عدو کے غم میں مرجھائے ہوئے سے پھول ہیں گویا
اثر جذب محبت میں الٰہی ہو تو اتنا ہو
تڑپ کر جان دیتے ہیں مریض عشق فرقت میں
خدا ہی کو مٹانا تھا ہمیں انکی محبت میں
دکھایا جذب الفت نے پس مردن اثر اپنا

ذرا دیکھو تو آئینہ میں رنگت اپنے گالوں کی
کہ حالت آ کے خود پوچھیں وہ اپنے خستہ جانوں کی
گھڑی بھر دیکھ جاؤ آ کے صورت مرنیوالوں کی
شکایت آسماں کی ہے نہ ہمکو انکی چالوں کی
کہ تربت پر نظر آتی ہیں شکلیں خوش جمالوں کی

رضوان

رضوان - نواب محمد واجد علی خان صاحب بہادر رضوان ٹھکاری والہ، ولد نجابت علیخان بہادر خلف ارشد نواب سید محمد خان بہادر غضنفر جنگ باون ہزاری فرمانروائے فرخ آباد بڑے خوش رو اور خوش کلام امیر تھے، اہل کمال کی نہایت قدردانی فرماتے تھے، علما، فضلا، غریب و غربا، فقیر و شعرا کی بہت خاطرداری کرتے تھے، نیکو کاری میں مصروف رہنا اپنا خاص شیوہ قرار دیا تھا، نثر و نظم اردو فارسی دونوں خوب لکھتے تھے، تحریر و تقریر کی طرز نرالی تھی، طبیعت بہت عالی پائی تھی - کلام معجز نظام منشی سید اسمٰعیل حسین منیر کو دکھاتے تھے سنہ ۱۲۹۱ھ میں انتقال فرمایا - منیر مرحوم کو بھی انکے مرنے کا بہت قلق ہوا و قطعات تاریخ انکے غم فراق میں انکے کلیات میں موجود ہیں، کلام بہم رسیدہ کا انتخاب حاضر ہے -

میری بغل سے وہ گلِ رعنا نکل گیا
دل پکڑے پھر رہا ہوں کلیجہ نکل گیا
کیوں ہو رہے ہو شرم کی گھڑی شبِ وصال
انگیا مسک گئی کہ دوپٹہ نکل گیا

ہم تم نہ ہو سکے ہی نہ جدا ہو گئے یار سے
بات اپنے بسر کے ساتھ ہو سرِ تیغ زن کیساتھ
مسند میں رکھیں آپ کہ پہلو میں بہائیں
بو عطرِ محبت کی دو لائی نہیں دیتی
بے جان لیے چھوڑ چکی شامِ جدائی
گھٹتی ہوئی یہ شام دکھائی نہیں دیتی
لے نیند کہاں رہتی ہے مجکو یہ بتا دے
آنکھوں کو تری شکل دکھائی نہیں دیتی

رضوان

رضوان سخنورِ خوش فکر میرزا شمشاد علی بیگ رضوان کہین برادر مرزا قربان علی بیگ سالک حیدرآبادی مولد دہلی مسکن مرزا نوشہ غالب کے بڑے عزیز شاگرد تھے سبقاً سبقاً مرزا صاحب سے انھوں نے فارسی پڑھی بلکہ خود مرزا صاحب کا کلام ان سے پڑھا تھا۔ نواب احمد سعید خان طالب اور منشی بہاری لال مشتاق کے ہم صحبت وہم مشق تھے شطرنج ہمیشہ کھیلتے تھے دو تین چھوٹے چھوٹے رسالے مثل "بساطِ فرنگستان" انکی تالیف سے یادگار ہیں، بڑے ملنسار حلیم، خوش طبع، خلیق، خوش فکر نوجوان تھے، چندے الور میں وکیل اور ڈپٹی مجسٹریٹ رہے تھے سنہ ۱۲۹۳ھ میں انتقال کیا، ۴۴ برس کی عمر پائی، حضرت سالک کو انکی وفات سے سخت صدمہ پہنچا۔ مندرجۂ ذیل اشعار انکے نتائج فکر سے ہیں جن سے متانت اور پختہ کلامی کی شان ہویدا ہے، طبیعت وقت پسند پائی تھی اور نازک خیالی کی طرف میلان خاطر تھا۔ بلند پروازی اور رسائی فکر کی بدولت اپنے ہمسروں میں ممتاز تھے +

اپنی نظروں میں وہاں کی ہے تجلی کہ جہاں
شعلۂ طور کو بھی حکم ہے موسائی کا

کیا خاک کوئی پائے مزا اعتدال کا
الکا ہے ایک کھیل تغیرِ خیال کا
نظارگی ہوں اسکے رخِ پُر جلال کا
پروانۂ چراغ ہوں بزمِ خیال کا
اشیار میں پہیلکر بھی وہ حیرت فزا رہا
کیا پوچھنا ہے اسکے فروغِ جمال کا
گھیرا ہے جس غبارِ الم نے جہان کو
وہ ایک ذرہ ہے مرے گردِ ملال کا

دُنیا کے اعتبار سے حاتم سخی سہی
ورنہ یہ سب ظہور ہے [illegible]

گم کردگانِ راہ کو ہو نقشِ پا دلیل
الجھائے گر نشان ترے پائمال کا

آئینہ دارِ ذات ہے آئینۂ صفات
ہے ذرہ ذرہ آئینہ اسکے جمال کا

شیریں ہو کیا جواب ترا گو خلاف ہے
مُنہ بند کر دیا ہے مکرر سوال کا

لیتے ہیں بے طلب مئے مقصد بقدرِ ظرف
شرمندہ اے کلیم ہو کیوں سوال کا

پیتا ہوں بادہ اوک سے تا خُو پڑی رہے
کوثر پہ جامِ زر نہ پیالہ سفال کا

جب وعدۂ وصال کی میعاد ہی نہیں
کیجے حساب کس لیے پھر ماہ و سال کا

آسودگانِ خاک نہ چونک اٹھیں پھر کہیں
آہستہ ذکر کیجیے اُس بُت کی چال کا

میری شبِ وصال قیامت نہیں اگر
کیوں منحصر ہے حشر پہ ہونا وصال کا

سُن لیتے ہیں عجب نہیں آ جائیں راہ پر
جمنا چلا ہے رنگ ہمارے مقال کا

صحرا ہے اور میں ہوں مرا سر ہے اور کدو
کیا پوچھتے ہو حال مجھ آشفتہ حال کا

رضوان خدا کو مان یہ ظاہر پرستیاں
کمبخت کچھ بھی خوف ہے تجھکو مآل کا

وہ تو سکتے ہیں دکھلانے اثرِ غم مجھکو
اور آتا ہے مسیحا پہ تبسّم مجھکو

غم سے بدلی ہے یہ صورت کہ نہ پہچانے کوئی
تیری اُلفت نے کیا دیر میں یوں گم مجھکو

جسنے کھایا تھا وہ پاداش کو پہنچا یارب
کیوں پچھاتی ہو مزے خواہشِ گندم مجھکو

حُسنِ اشیا کے تماشے میں ہوں محوِ وحدت
عینِ توحید ہوئی کثرتِ مردم مجھکو

نظر آتی نہیں چھپ بیٹھ کے بھی تجھ سے نجات
اب تو ناصح نہیں یارائے تکلم مجھکو

پاؤں پھیلا کے جہاں سوؤں وہاں نیند آ جائے
دامنِ دشت ہے یا بسترِ قاقم مجھکو

جب سماتا ہے تصور میں وہ پہلا نقشا
نظر آ جاتے ہو کعبہ میں مجسم مجھکو

کیوں سنوں تیری کہ سننے نہیں دیتا ہے خمار
شیخ سمجھائے تو دے پہلے کوئی خُم مجھکو

تا قیامت کے نصیبوں میں کہاں ہیں حسنات
لے اُڑی ساتھ مرے گردشِ [illegible] مجھکو

[illegible] دل غم جفا کے ساتھ
پھر جاں کہ سکے بھی تو کس [illegible] کے ساتھ

[illegible] سے [illegible] کی آس
جلسے بھی وہ کہ ضد نہیں [illegible] کے ساتھ

[illegible] بھی بلا کیا
ہو کوئی شب بھی عیش کی [illegible] کے ساتھ

[illegible] تا ہو [illegible] کو خبر
کرتے ہیں نالہ ہم تری آواز پا کے ساتھ

[illegible] کہ رسائی کی ہو امید
شاید گذر ہو کوئے صنم میں ہوا کے ساتھ

کیا [illegible] کہ جہاں دم بھی دم ہے وہاں
سب کا علاج فرض نہیں اک دوا کے ساتھ

[illegible] تدبیر سے بھی وا
وابستہ میرے کام ہیں بند قبا کے ساتھ

[illegible] سے یوں آتا نہیں نہیں
انداز لطف کا دل غم آشنا کے ساتھ

[illegible] نہ کیونکہ ہوں آئینہ دار راز
شوخی غضب ہے اسکی نگاہ حیا کے ساتھ

ہم [illegible] سے رہے ناکام بیشتر
نازک دماغیاں بھی ہیں یاں التجا کے ساتھ

[illegible] میں کہ نہیں مرگ کی ہے آس
مر جاؤنگا مسیح، دم جانفزا کے ساتھ

ہم مر گئے خوشی میں وہ یاں سے گئے اس طرح
یہ ظلم کس سے کہیے کہ مارا وفا کے ساتھ

[illegible] میں ہوں مگر آتی ہے جان سی
اب بھی بتان شوخ کی آواز پا کے ساتھ

رضواں [illegible] ہوا کہ جو کچھ تھا خیال میں
کیوں بحث کیجیے وا در روز جزا کے ساتھ

عشق کا نام دوسرا کیا ہے
مرض موت کے سوا کیا ہے

کہہ چکے آپ سن چکے ہم پھر
کہتے ہو کیجیے ماجرا کیا ہے

لٹ چکے بٹ چکے پھر اوگردوں
ہم پہ اور جور کر رہا کیا ہے

خود تماشا ہے خود تماشائی
کون جانے وہ خود نما کیا ہے

میں تو موسیٰ نہیں کہ ہوں محروم
جلوہ پردے میں اے خدا کیا ہے

آہ کو اپنی کیا کروں ضائع
چرخ کیا چرخ کی بنا کیا ہے

دل [illegible] بھولے سے رضواں
جو سمجھتا نہیں ادا کیا ہے

حسن حیرت نہیں تو پھر کیا ہے؟ | اُسکی قدرت نہیں تو پھر کیا ہے
چشم جادو ہے اور رسیلا ہے نگاہ | غمزہ آفت نہیں تو پھر کیا ہے
گر بہارِ ظہور حسبِ ظہور | عین وحدت نہیں تو پھر کیا ہے
عشق بے جذبہ و کشش بیکار | دِل میں اُلفت نہیں تو پھر کیا ہے
تیز کرتا ہے دشنہ کو دمِ قتل | یہ مروّت نہیں تو پھر کیا ہے
کوئی اُس کوچے سے نہیں پھرتا | ہاں وہ جنّت نہیں تو پھر کیا ہے
اُسکی رفتار رفتہ نزار رضوان | گر قیامت نہیں تو پھر کیا ہے

شہر دہلی کو اگر سہنا کا دل کیجئے فرض | حضرتِ قلعہ کو ٹھیرا لیئے جانِ دہلی
گر نہوں ہم تو ہو بازار میں گرمی کیونکر | ہم ہی تھے جنسِ گراں ارزوکانِ دہلی
دست یغمائے فلک سے نہ رہا کچھ باقی | ہاں مگر واسطے نالے کے زبانِ دہلی
ہے عدم کی تجھے منظور خدایا رونق | کہ اُٹھا یا اُنھیں جو لوگ تھے جانِ دہلی
انتہا گم شدگی کی ہے عدم ہو جانا | ہنسنے پایا نہ عدم میں بھی نشانِ دہلی

رضوان

رضوان جناب ابوالمظفر مولا بخش صاحب باشندۂ آرہ شاگرد جناب آتشخ مرحوم شاگرد رشید ناسخ مرحوم، جناب رضوان نے ابتدا میں کئی سال جناب مولوی حافظ عبدالحمید حمید سے اصلاح لی پھر آتشخ کے شاگرد ہوئے جس زمانہ میں حضرت داغ کلکتہ گئے ہیں آپ بھی اُن مشاعروں میں شریک ہوئے سُنتے پُرانے مشاق ہیں۔ ۵۰ برس سے زیادہ عمر ہے یہ کلام ہے

شمع رویوں کو ہمارے دلکی گو پروا نہ تھی | دل ہمارا عشق میں اُسکے مگر پروانہ تھا
دیر سے رضواں کہو کعبہ کا کرتا عزم کیا | کعبہ جسکو کہتے ہیں وہ بھی تو اک بتخانہ تھا
ملا دیا جو اُسے خاک و خوں میں خوب کیا | یہی سزا تھی دلِ بیقرار کے قابل
شبِ وصال ہو کیا پیشکش کروں اُسکی | کہ جانِ زار نہیں نذرِ یار کے قابل

کیوں جاں دے کسی کے لیئے کوئی کیوں مرے | دنیا میں جب کسیکا کوئی آشنا نہیں

ہمنشیں وصل کی فرقت میں خوشی آتی نہیں
زہر دیں بنی عنادل کی مجھے بھاتی نہیں

یہ سوال وصل کا اُسنے دیا مجکو جواب
یاد رکھو مجکو ایسی دل لگی بھاتی نہیں

تھی شب وصلت وہیں میں صبح تک سوتے تھے
ہے شب فرقت یہ جس میں موت تک آتی نہیں

نامہ بر دیتا نہیں کیوں مجکو پیغام قضا
وہ نہیں آتے نہ آئیں موت کیوں آتی نہیں

خون شہید ناز بھی لو رائگان گیا
مقتل سے وہ چلے گئے دامن سنبھال کے

سکیں دہی کے حیلے سے سینہ پہ رکھکے ہاتھ
باتوں میں لے گیا وہ مراد دل نکال کے

کیوں نہ دل عاشق کا صرف نالۂ پیہم رہے
غیر جب دن رات اُسکا مونس ہمدم رہے

راہ لے اپنی تجھے کیا کام ہمسے اے خضر
غم تجھے کیا دور منزل سے رہے تو ہم رہے

جناب شیخ بھی چپکے سے پی لیں
وہ مہ پیکر اگر دے جام بھر کے

رہیگا دونگا نشاں تک سنگ در کے
اُٹھونگا اب تو تیرے در سے مر کے

نہ نکلی ہیں نہ نکلیں گی کبھی دل سے کسی عنواں
تمنائیں، مرادیں، آرزوئیں، حسرتیں دل کی

رہیں وہ میری آنکھوں میں یہی ہے حسرت آنکھوں کو
وہ ہوں رونق فزا دل میں یہی ہے آرزو دل کی

نرالے ڈھنگ ہیں دنیا سے اُس شوخ ستمگر کے
پشیماں جور سے کیا ہو وہ نازاں ہے ستم کر کے

تڑپتے ہیں گلی میں بیوفا کی سینکڑوں زخمی
چھری کے، تیر کے، تلوار کے، برچھی کے، خنجر کے

کہا کیوں سنگدل اُنکو شب وصلت پشیماں ہوں
نہیں کچھ بولتے مُنہ سے بنے بیٹھے ہیں پتھر کے

بھرے سو جام خالی کر چکے اغیار اے ساقی
رہے ہم منتظر محفل میں تیرے ایک ساغر کے

نہیں کہتے ہوئے بدنام ہم خود مار کر اُنکو
یہ کہتے ہیں ہمیں رسوا کیا عشاق نے مر کے

پھریں آوارہ ہم برسوں رہیں وہ بزم دشمن میں
یہ گردش ہے ستاروں کی کرشمے ہیں مقدر کے

وہ آتے ہیں مگر یہ یاد رکھنا حضرت رضوان
ہماری ہی شکایت وہ کرینگے دیکھنا ہم سے

یہیں ہوں وہ کشتۂ سوز فراق شعلہ رخاں
زمین جل گئی تربت بنی جہاں میری

نہ وہ شباب نہ وہ دل نہ جوشش مستی
وہ پیشتر کی اُمنگیں گئیں کہاں میری

سا حشر میں بھی وہ محشر خرام — قیامت سے بھی [illegible]

رضوان

رضوان – عالیجناب نواب رضوان علیخان صاحب رئیس اعظم مرادآباد خلف رشید حضرت عضد الدولہ نواب محمد عظمت اللہ خان دلیر جنگ ناظم صوبہ روہیلکھنڈ زمان شاہی کے خاندان سے ہیں، عربی فارسی کی تعلیم رئیس زادوں کی طرح گھر پر ہوئی اور آپکو علوم متداولہ میں مہارت تام حاصل ہے، نعتیہ کلام کہنے کا عرصہ سے شوق ہے اور عاشقانہ شعر کی طرف توجہ کم ہے، اِس صنفِ خاص میں آپکا کلام قابلِ ستایش ہے، اور حضرت امیر نواب فصیح الملک مرزا داغ او حضرت جلال و محسن جیسے استادانِ مسلم الثبوت نے آپکی مشاقی اور خوش فکری کی داد دی ہے۔ آپ کا بیان ہے کہ مرزا غالب مرحوم سے زمانِ قیام رامپور میں آپکو نسبتِ تلمذ حاصل ہوئی تھی، نہایت پُرگو اور مشاق سخنور ہیں اور اس صنف شعرگوئی میں صدہا باذاق شاعر آپ سے فیضیاب ہیں، پچاس ساٹھ جزو کے دو دیوان اور متعدد مختلف نظمیں آپکی تصنیف سے موجود ہیں۔ جب حج کو گئے تو قصیدہ کے صلہ میں حاکمِ مکہ خالد پاشا نے آپ کو حسان الہند کا خطاب دیا تھا۔ آپکی عمر ۷۶ سال کی ہے آپکا کلیات موسوم بہ "تصویرِ خوبی" چھپ گیا ہے، بہار احمد آبادی آپکے تلامذہ میں نامور ہیں ❖

شب کو یاد آتا ہے جب وہ مہ انور اپنا — چاندنی میں میں بچھا لیتا ہوں بستر اپنا
لیگیا کون اِسے آئینہ سمجھ کر اپنا — آج پہلو میں نہیں ہے دلِ مضطر اپنا
حسرت دید میں ہم پھرتے ہیں آنکھوں کسطرح — وہ نگاہوں کا الٹ پھیر ہے چکر اپنا

اگر ہو جائے شیوہ ترکِ لذاتِ جہاں تیرا — نہ چھوڑے زندگی بھر ساتھ عیشِ جاوداں تیرا

آپ بوسے دیئے گئے ہوتے — ایک دن سب حساب ہو جاتا
شمع پروانہ بن کے اُڑ جاتی — تو اگر بے نقاب ہو جاتا

زلف کو میں نے چھُوا ہو تو مجھے سانپ ڈسیں — خود بخود تم ہوئے جاتے ہو سر سے برہم
اُنکی تصویر سے بھی میری تسلی نہوئی — اب میں بہلاؤں تجھے اے دلِ مضطر کیونکر

ہاتھ سے گل یا ہوئے پر غم سے نکلا کر کیونکر
ہاتھ میں جیتا ہوں پھیکو رخسار کا رنگ
اسکے چہرے سے باتوں سے عیاں ہوتا ہے
سمجھا ہوں کے لہو میں جو نہا کر نکلی
بھر جاناں میں نہیں پہلا ساؤ نار رضوان

تیغ سے ہوگا جدا تیغ کا جوہر کیونکر
خوب چمکا ہو مرے طالع بیدار کا رنگ
چھپ نہیں سکتا ہو ساقی کبھی میخوار کا رنگ
کسقدر شوخ ہے قاتل تری تلوار کا رنگ
اب گلابی ہے مرے دیدۂ خونبار کا رنگ

دل ہے یا کوئی مرقع ہے پریزادوں کا
ہو کوئی بات تو کچھ اس کا تدارک کیجیے
کب داغ یہ دل پر شب ہجراں میں لگے ہیں
کب داغ محبت دل حیراں میں لگے ہیں
مسندنشیں ہیں آگے بوریا نشیں
آنسو چھپک کے آنکھ سے افسوس تھم گئے
جا کے بیٹھا نہ کرے بت تو مسلمانوں میں
ساقیا جلد پلا دے کہ ابھی دیر سے مست
عید کا دن ہے گلے ملکے چھری پھیر بھی دو
سبزۂ خط میں ہے انکے لب لعلیں کی نمود

سینکڑوں شیشے مرے دل میں جسیں رہتے ہیں
خود بخود وہ تو عبث ہم سے بہیں رہتے ہیں
نایاب کنول انجمن جاں میں لگے ہیں
آئینے جلوہ خانۂ جاناں میں لگے ہیں
کیا سربلندیاں ہیں مرے انکسار میں
ابر بہار کھل کے نہ برسا بہار میں
تیری الفت خلل انداز ہے ایمانوں میں
ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں میخانوں میں
جوش تکبیر شہادت کا ہے قربانوں میں
پھول لالہ کا کھلا ہے یہ ہرے دہانوں میں

پردہ اٹھتا ہے کسی کے رخ نورانی سے
ہیں مستحق رحمت حق اہل معصیت
زلفیں ہٹیں تو وہ رخ تاباں نظر پڑے

برق چمکے تو سہی شمس و قمر دیکھیں تو
ہر بے گنہ سے کہدو گنہگار بھی تو ہو
ان بادلوں سے چاند نمودار بھی تو ہو

وہ معنی ہوں کہ مضمون فنا ہے زندگی میری
ابھی فرش زمیں پر تھا ابھی عرش بریں پر ہوں
ذقن ہے چاہ تل ہے ڈول رسی زلف پیچاں ہے

وہ مطلب ہوں کہ ہستی سے ہے بہتر نیستی میری
کہاں سے لے اڑی مجھکو کہاں تک بیخودی میری
جو پانی کھینچ سکے تو کھینچ لے تشنہ لبی میری

تم ہو جہاں کہتی ہے سب بلبلِ بیاں مجھے
ظاہر میں کہا امیر نے شب بلبلوں مجھے

واعظ ملا ہے تیغ کی کہتی زبان مجھے
پھلتی ہیں بن کے جس میں وہ جو نکالیں مجھے

سب سے عطا ملی ساقیٔ کوثر کے نام پر
ساقی بنائے اپنا جو پیرِ مغاں مجھے

سب بلبلیں بلاغت کی دم میں فنا ہو جائیں گی
جب ہوا بند میں لگی آخر زباں بلبل ناشاد کی

ایکدن بھی تجھکو رحم آیا نہ اے صیاد حیف
گو اسیرانِ قفس سنتے تھے فریاد کی

تکلیف روا رکھو نہ پر کاہ کسی کی
ہاں تیکھے ترچھے نہ کہیں آہ کسی کی

پلکیں جو نظر پڑ گئیں ناگاہ کسی کی
برماتی ہوئی دل کو چلی آہ کسی کی

نوکر بھی مجھے رکھتے نہ بو سے دیئے تنے
ہے بند کئی ماہ سے تنخواہ کسی کی

عشاق کو کہا تھا نہ ستائے بتِ ظالم
فریاد نہ سن لے کہیں اللہ کسی کی

کھل گیا زخم جگر پھر کھل گیا
بخیہ گر بخیہ پہ بخیہ چاہیئے

جو دل سے مضموں کی جو صفت بھری نکلی
بستانِ معانی میں غل تھا کہ پری نکلی

جب خنجرِ غم کھا کر آہِ سحری نکلی
زخموں میں لہو نکلا داغوں میں بھری نکلی

پروانوں نے جب چھیڑا اس رخ پہ فدا ہوکر
روتی ہوئی محفل سے شمعِ سحری نکلی

جنت میں جو گانے کو رضواں کی غزل لائیں
غلماں میں پڑا یہ غل حوروں میں پری نکلی

رضی — سیف الدولہ سید رضی خاں بہادر صلابت جنگ امیر دربار اکبر شاہ ثانی۔ ذوق مرحوم کے والد انکی سرکار میں ملازم تھے، سرکار کمپنی بہادر کی طرف سے دربار شاہی میں وکیل تھے اور ایکہزار روپیہ ماہوار مشاہرہ پاتے تھے سنہ ۱۲۵۰ھ میں انتقال کیا شعر و سخن سے بھی مانوس تھے یہ انکا کلام ہے۔ رضی

مرے قتل کرنے میں وہ خفا ہیں
میرا کام ہوگا ترا نام ہوگا

سوئے پلنگ پہ وہاں وہ تو خوشی کی دھن میں
یاں ہمنے رات کاٹی ساری کی اُٹھ بیٹھ میں

بے عشق آدمی کی ذرا شان ہی نہیں
جسکو نہووے عشق وہ انسان ہی نہیں

دیکھیں گے ... عشق کے ستانے والے	ہیں ... جلتے ہیں ... کے جلانے والے
اٹھو ... کو یہ ... اٹھاتا ہے	ہے تیرا ... بندہ خدا لگتا ہے

رضی رضی قاضی محمد حسین رضی مرحوم باشندہ نارنول علاقہ ریاست پٹیالہ، آپ نظامت خاندانی جھجر کے قصبہ سنگمانہ میں شعبان ۱۲۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ایام شباب میں مولانا سلیم الدین صاحب سلیم نارنولی سے جو بڑے مشہور شاعر اور ادیب گذرے ہیں اصلاح لینی شروع کی، انکے انتقال کے بعد کچھ روز انکے بھائی مولوی سلطان الدین مبین سے بھی مشورہ لیتے رہے محرم ۱۳۲۲ھ میں ۶۲ برس کی عمر پاکر انتقال کیا، کامل بیالیس برس ریاست جیپور میں مختلف خدمات پر مامور رہے آخر عمر میں محکمہ اپیل میں اہلمد تھے، بہت پرگو اور زود فکر شاعر تھے۔ دو تین گھنٹہ مشق سخن التزام کے ساتھ مدۃ العمر کرتے رہے، نعت اور سلام کہنے کا آخر عمر میں زیادہ شوق ہو گیا تھا ایک عاشقانہ اور نعتیہ دیوان اور ایک مجموعۂ سلام اور چند مثنویاں انکے بیٹے قاضی ممتاز حسین مدرس جیپور چاند پول سکول کے پاس انکی تالیف سے موجود ہیں، مولانا حسرت موہانی نے ایک انتخاب سلام ہارا ابھی حال میں بطور ضمیمہ اردوئے معلیٰ شائع کر دیا ہے اُس میں سے بھی چند شعر درج کئے جاتے ہیں، انکی شیریں زبانی اور خوش کلامی اور چستی ترکیب و بندش ہر شعر سے ظاہر ہے عاشقانہ اور نعتیہ دونوں طرح کا کلام ملاحظہ ہو۔

از سلام

نہ بھی کو فیوض ہائے کچھ تقریر اس شخ کی	جو تفسیر و معنی تھا کتاب آسمانی کا
کیا ہو پسند کیوں آلِ عبا پر آب واہ کو	یہ کیا برتاؤ ہے اے میزبانو میزبانی کا
اپنے جد جیسے ہوں مختارِ ما لک جن فرش عرش کے	ملے اُسکو نہ مرتے دم تک اک قطرہ بھی پانی کا
تہرا انکا دل جو کہے کہ رسالت مآب کا	زندہ رہے مگر نہ لب پر بو تراب کا
بکھرے ہوئے ہیں کلِ رسالت کے سب جو	کیوں طشتِ زر بنے نہ بیابان کربلا
آباد یہ ہوا ہے اُجڑ کر نبی کا گھر	اللہ رے نصیب بیابانِ کربلا

گردوں کو رشک ہو تو بجا ہے عجب نہیں
سینچا ہے باغبانِ شہیدوں کے خون سے
مٹ گیا جب ہر جوان آلِ احمد کا نشان

پُر ہے نجوم عرش سے دامانِ کربلا
اللہ رے بہارِ گلستانِ کربلا
تب ہوا روشن رضی نام و نشانِ کربلا

عاشقانہ

میں ہوں آشفتہ بیاں میری زباں سے نہ سنیں
جس طرح فرض ہے مومن پہ طوافِ کعبہ
اک جگہ کا نہیں پابند جو ڈھونڈے سے ملے
صبحدم کچھ بھی نہ تھا بزم میں جز شمع خموش
حسرت سے کی نظر سوئے گردوں امام نے

زلف سے پوچھ لیں حال اپنے پریشانوں کا
یوں ہی عشاق پہ ہے طوفِ صنم خانوں کا
تیرا وحشی تو بگولہ ہے بیابانوں کا
ہاں مگر ڈھیر تھا ایک سوختہ پروانوں کا
اصغر کو گود میں ہدفِ تیر دیکھ کر

بتوں سے اک حرم دیکر خدا کو
شبِ غم ہمدمو وہ ذکر چھیڑو
ہیں ہم انکے ساتھ یوں ہمرنگ سایہ

عجم سے لے لیا ہندوستاں تک
سحر ہو جائے ختم داستاں تک
وہ مجھ سے دور بھاگیں گے کہاں تک

سلام

شہ پڑھتے تھے رجز کہ امامِ زماں ہیں ہم
ایمان و کفر کا سا ہے ہم تم میں تفرقہ
تم سر بسر ہو آتشِ دوزخ کے سوختہ
شبیر صبر و شکر میں یکتا ہیں فرد ہیں
شور تھا فوجِ عدو میں جاں نثارِ حسین

مقبول بارگاہ خدائے جہاں ہیں ہم
ایذا رساں جو تم ہو تو راحت رساں ہیں ہم
صحنِ ریاضِ خلد کے سرو رواں ہیں ہم
حضرت کا ایک دل ہے مگر لاکھ درد ہیں
تیر ستے ڈرتے نہیں آبِ دمِ شمشیر میں

ماتم آرزوئے شہادت میں وفا ہو عمر و دراز [illegible]

شبیر اور بیعتِ فاسق غلط غلط
مجبور ہوں مشیّتِ پروردگار سے

ممکن نہیں کہ نور سما جائے نار میں
دونوں جہاں ہیں ورنہ مرے اختیار میں

رضی رخصت نہ تھی اہلِ حرم کو آہ و زاری کی
ہوا جب قتل سب لشکر تو شہ کو جانبِ مقتل

جو روئیں بھی تو روئیں بیبیاں آہستہ آہستہ
اجل لیکر چلی دامن کشاں آہستہ آہستہ

حریصِ حکومت نہیں ابنِ حیدر

حسن کر چکے ترک جب حکمرانی

سلام اس پہ جو سبطِ مصطفیٰ ہے ابنِ حیدر ہے　　شکیبِ جانِ زہرا قوتِ بازوئے شبر ہے
کہیں نیزوں سے گھائل ہے اور کہیں آبِ دمِ خنجر　　اسی کا نام کیا بھائی آلِ پیمبر ہے

مسلماں ستاتے ہیں آلِ نبی کو　　یہ حقِ رسالت ادا ہو رہا ہے
یہ کیا ستمِ قدرت ہے یا ضعفِ طاقت　　امام آج بیدست و پا ہو رہا ہے
فلک ٹوٹ پڑتا نہیں کیوں زمیں پر　　سرِ شاہ تن سے جدا ہو رہا ہے

اے مجرئی شبیر سے بڑھکر کوئی کیا دے　　ممکن نہیں انسان بھرے گھر کو لٹا دے
ٹھانی تھی کہ دے نہر کو اعدا سے سو لے لی　　اللہ رے عباسِ دلاور کے ارادے
اب کوئی دم میں فراقِ جسم و جاں ہونیکو ہے　　شاہ کا حق سے وصالِ جاوداں ہونیکو ہے
دفن ہونیکو ہیں مقتل میں ستارے عرش کے　　اب زمینِ کربلا بھی آسماں ہونیکو ہے
خشک ہو جائے فراتِ کوفہ کیا بہتا ہے تو　　شہ کے سوکھے حلق پر خنجر رواں ہونیکو ہے

عاشقانہ

رخِ زیبا ترا دلکش قدِ رعنا ترا دلجو　　بایں خوبی تری نا آشنایانہ ادا کیوں ہے

بے گناہی نے ہماری بھی وہ بدلے تیور　　ایک تلوار بھی قاتل سے لگائی نہ گئی
انکے آنے کی دمِ نزع مرے یاروں سے　　کوئی جھوٹی سی خبر بھی تو اڑائی نہ گئی
بن گیا میرے مقدر سے رگِ گل ہر خار　　دشت میں بھی خلشِ آبلہ پائی نہ گئی
وہ بات کہہ رہے ہو کہ جس کا نہ سر نہ پاؤں　　کس کی زبان شکوہ طرازِ جفا ہوئی
تدبیرِ چارہ گر نہ ہوئی کوئی کارگر　　آخر مریضِ عشق کو مر کر شفا ہوئی
ایکدن بھی تو نہ نکلی حسرتِ عیش و نشاط　　رفتہ رفتہ صرفِ غم ساری جوانی ہوگئی
اب تو خوش ہو جل بجھے دل اور جگر دونوں کے　　لے ترے مطلب کی اے سوزِ نہانی ہوگئی
جز تمنائے اجل اب نہیں خواہش کوئی　　جب سے امیدِ شفائے دلِ بیمار گئی
کیا برا ہے اثرِ مشقِ تغافل دیکھا　　آپ بدنام ہوئے جانِ طلبگار گئی
سہتا ہوں اس غرض سے ستم ہائے ناروا　　اس بیوفا کے گھر میں بنانا ہے گھر مجھے

دلمیں مرے رہے کہ جگر میں کہیں رہے — جاں سے عزیز تر ہے وہ تیر نظر مجھے
جز شوق کسکو ساتھ رکھوں راہِ عشق میں — ایسا کہاں ملیگا کوئی ہمسفر مجھے
یکسکی چشمِ مست کی گردش کا ہے اثر — تقویٰ پرست میکش دیرینہ ہو گئے
ناطاقتی میں بارِ گراں تھا ہمیں سو ہم — سر نذر یار کرکے سبکدوش ہو گئے
قیامت اوّلِ شامِ بلا ہے — شبِ غم کی سحر لاؤں کہاں سے
نہیں چھپتا چھپائے رنگِ وحشت — ٹپک جاتا ہے اندازِ بیاں سے

رضی سید غلام شبیر صاحب الہ آبادی منصرم توشہ خانہ رامپور شاگرد رشید منشی مہدی علیخان ذکی مرحوم، بقول گلکدۂ ریاض مراد آباد وطن تھا، انکی ایک غزل جو درج ذیل ہے بہت مشہور ہے اور اکثر جگہ گائی بھی جاتی ہے اپنی خوش فکری اور شیریں کلامی کی بدولت ہمعصروں میں ممتاز تھے، اب غالباً خانہ نشین ہیں۔ رضی

شور پیدا کیا خموشی نے — ضبط بھی اختیار کا نہ رہا
کٹ گئی ہائے رات باتوں میں — وقت اظہارِ مدعا نہ رہا

جب خدنگِ ناز ہی دلمیں نہ میرے رہ سکا — تیغ کیا ٹھیرے گی مجھ سینہ سپر کے سامنے
لے نگاہِ شوق آخر کب تلک یہ حسرتیں — لا گلِ حسنِ صنم دامن میں بھر کے سامنے
یاد میں یارانِ ہم مشرب کی آنسو گر پڑے — ساقیٔ گلرو جو لایا جام بھر کے سامنے
مزے کے دن ہیں مگر لبوں پہ ہیں وہ آہ ہوئے — اڑائے پھرتا ہے جوبن پری بنائے ہوئے
جو پاس بھی مرے بیٹھے تو کسمسائے ہوئے — بدن چرائے ہوئے اور کچھ چھپائے ہوئے
کسی کا ہائے وہ راتوں کو چھپ کے یوں آنا — چھڑے چڑھائے ہوئے پائنچے اٹھائے ہوئے
نگاہِ ناز سے بیساختہ نہ دیکھا کر — انھیں اداؤں کے ظالم ہمیں ہیں ستائے ہوئے
ہیں ایک ہم کہ ترستے ہیں انکی صورت کو — ہیں ایک وہ کہ گلے ہیں انھیں لگائے ہوئے
رضی شباب جو کھویا گیا ہے پیری میں — ہم اسکو ڈھونڈتے پھرتے ہیں سر جھکائے ہوئے

رضی رضی۔ مظفر نگر کے ایک حسین داشتہ امروہہ خلف و شاگرد ناطق الملک مؤرخ حسین صحتی گنگوہی ۔ ان
بہت بے مثل ہیں مفخر خاندان تھے ان کے والد جناب صحتی بہت مشاق اور مظفر شاعر تھے
اوائل عمر میں انتقال کر گئے تمام علوم میں ذہین اور طبیعت دار شخص ہیں کلام اچھا ہے انتخاب ملاحظہ ہو

عشق کسکو آیا کرن جلا کوہ طور سے ۔ موسیٰ کہو تو کچھ سر کہسار کیا ہوا
دولت جو ہاتھ آئے تو دل ہی کھلا رہے ۔ مٹھی رہی جو بند تو زردار کیا ہوا
واعظ خدا کو بھی تو میں بھولا ہوا نہیں ۔ بت یاد ہیں اگر تو گنہگار کیا ہوا
یوسف کو بیچ سکے نہ لیا دیکے نقد دل ۔ آئے جو غیر بن کے خریدار کیا ہوا
اسی لئے مری شمع حیات گل کی تھی ۔ کبھی چراغ بھی روشن مزار پر نہ کیا
صفیں الٹ گئیں گوشہ سے چشم کی ساقی ۔ نگاہ مست نے کس کس کو بے خبر نہ کیا
چمنے تلوا بھی ترا اے مہ تاباں دیکھا ۔ چاند سے پھر نہ رخ یوسف کنعاں دیکھا
فتنہ بیدار ہوا کیجئے موقوف خرام ۔ آپ کی چال نہیں حشر کا ساماں دیکھا
کہتے ہیں خیر ہو یارب سر سودائی کی ۔ خواب میں گیسوئے مشکیں کو پریشاں دیکھا
بیخودی شرط ہی جب تو نہیں پاسکے کوئی ۔ آپ آئیں وہ اگر آپ سے جائے کوئی
توبہ کر لی ہے تو کیا توڑ نہیں سکتے ہم ۔ اب بھی پی جائیں خوشی سے جو پلائے کوئی
دیتی ہے عاشق و معشوق کی رنجش بھی مزا ۔ کوئی روٹھا ہوا بیٹھا ہو منائے کوئی
اپنے دل پر وہ ذرا ہاتھ تو رکھکر دیکھے ۔ اے رضی دل جو دکھاتا ہے ستائے کوئی
یہ جور باغباں دیکھو کہ جس پر آشیانہ تھا ۔ وہی ڈالی مرا دل توڑنے کو توڑ ڈالی ہے

رضی رضی۔ سیّد رضی حیدر رضی۔ دور موجودہ کے کہنے والے ہیں ایک غزل کے چند شعر
رسالۂ مخزن سے درج کیے جاتے ہیں۔

دیکھا ہے رشتۂ یار پہ دامن حجاب کا ۔ گویا ہے آفتاب پہ دامن سحاب کا
مستانہ چشم جوشِ جوانی دکھا گئی ۔ نشہ چھپا نہ بادۂ حسن شباب کا

رہنے نہ دینگی شوخیاں اُنکی نگاہ کی	آنکھوں میں اب گذر نہیں کچھ حجاب کا
حیراں ہوں مجھ سے کیوں وہ خفا ہو گئے رعنیؔ	غصہ کی کوئی وجہ نہ باعث عتاب کا

رعایت

رعایت۔ سید رعایت علی رعایت لکھنوی خلف امانت علی امانت لکھنوی و برادر حضرت فصاحت لکھنوی، عرصہ ہوا انتقال کر گئے۔

باندھی ہے کیا ہمارے دلِ سرد نے ہوا	گردوں پہ دل فرشتوں کے لہرائے جاتے ہیں
بوسہ سوزِ مصحفِ رُخ کا نہیں لیا	قرآن کی وہ جھوٹی قسم کھائے جاتے ہیں
بنتی ہیں بیڑیاں ترے دیوانے کے لیے	حداد ڈھونڈ ڈھونڈ کے بلوائے جاتے ہیں
یارب کمر بتوں کی بچانا دمِ خرام	ہر ہر قدم پہ ناز سے بل کھائے جاتے ہیں

رعب

رعب۔ شیخ حکیم محمد حنیف علی رعب قریشی انصاری باشندۂ شاہ آباد آپکی کنیت ابوالصواب ہے حضرت جلال لکھنوی مرحوم سے فیض سخن پہنچا ہے، چند غزلوں کا انتخاب درجِ تذکرہ کیا جاتا ہے، جس سے معلوم ہوگا کہ ہر طرح کے مضامین نظم کرتے ہیں فی الجملہ مہارت ہے۔

حل ہوا صبح قیامت سے یہ عقدہ ورنہ	کسکو باور تھا شبِ غم کا سحر ہو جانا
جگر اُنکے کہ ترے کوچہ میں گذریں ہر روز	یاد ہمکو تو ہے اکدن وہ گذر ہو جانا
سُنتے ہیں کعبہ کی تعریف تو یاد آتا ہے	وہ صنم خانہ سے اللہ کا گھر ہو جانا
کسکے جلوے کا ہوں یارب محو دید	کس کا آئینہ ہے حیرانی مری
جو دل لگاتے ہیں دیتے ہیں جان آخر کار	اِس ابتدا کی یہی انتہا نکلتی ہے
یہ کہہ رہی ہے تری چشم شوخ خلوت میں	کہ آنیوالی ہے شوخی حیا نکلتی ہے
نشاں اثر کا سرِ عرش تک نہیں چلتا	جو ڈھونڈنے کو ہماری دعا نکلتی ہے
وہ ٹل بھی جائے یہ جاتی ہے جان ہی لیکر	قضا سے بڑھکے کسی کی ادا نکلتی ہے
جزو جزوِ تن نمونہ اضطرابِ دل کا ہے	شوق میرا حوصلہ گویا لبِ قاتل کا ہے
لذتِ ایذا سے ہو کیا کیا خجل پاسِ ادب	لیجئے قاتل کو شکوہ شوخیِ بسمل کا ہے

شوخیاں بیتاب ہیں اک جلوۂ مستور کی ۔۔۔ گو تھا بہتر طلسمِ ہستیٔ باطل کا ہے

خلش سے اُسکی ربطِ اتنا بڑھایا اے تغافل جو ۔۔۔ کہ دل کو عشق ہے اب تجھ سے بڑھکر تیرے پیکاں سے

سخنور سیکھ لیں اوبت سخن گوئی سخندانی ۔۔۔ تری چشمِ سخنگو سے مری طبعِ سخنداں سے

ترا اقرار بھی رکھتا ہو اک انکار کا پہلو ۔۔۔ نہیں سے ہے جو کچھ مطلب ہی مقصود ہے ہاں سے

نمازِ عیدِ قرباں۔ رخ بسوئے کعبۂ ابرو ۔۔۔ وضو سے طفلِ دل کر پہلے آب چشمِ گریاں سے

سوالِ بوسہ لے رعب اور وہ بھی یوں سرِ محفل ۔۔۔ نکلوائیگی اک دن ناصبوری بزمِ جاناں سے

رعب – منشی محمد علیخان خلف قلندر بخش خان مرحوم ساکن حیدرآباد دکن، آپ کو میرزا ضیا دہلوی گورگانی سے تلمذ حاصل ہے۔ یہ کلام کا نمونہ ہے۔

مستحق رحمتِ حق کا تو نہیں اے زاہد ۔۔۔ ایک دھبہ بھی نومے کا ترے دامن میں نہیں

حسرتیں خواب ہوئیں ہو گئے ارمان خیال ۔۔۔ آس کیا یاس بھی اب تو دلِ ویراں میں نہیں

حور و غلماں میں ہیں جو وصف وہ سب تجھ میں ہیں ۔۔۔ تجھ میں جو بات ہے وہ حوریں غلماں میں نہیں

میری وحشت کے لیئے چاہیئے وسعت ایسی ۔۔۔ کہیں دنیا میں نہیں حشر کے میداں میں نہیں

رعد – منشی محمد عابد علی بلگرامی مدرس دوم مدرسۂ حیدر گڈھ اودھ (۱۸۷۴ء) منشی غلام حسین قدر بلگرامی کے تلامذہ میں سے تھے۔

جس کا دل چاہیں پھنسا لیں وہ انھیں فن ہی یاد ۔۔۔ جانتے سارے زمانے کے ہیں منتر گیسو

جو بہی حال رہا اُنکے اُچکے پن کا ۔۔۔ دل کو لیجائیں گے یہ صاف اُڑا کر گیسو

روز و شب ایک جگہ جنسے نہ دیکھے ہوں کبھی ۔۔۔ دیکھ لے جا کے وہ اب رخ کے برابر گیسو

صحبتِ یار میں تعظیم و ادب سیکھ گئے ۔۔۔ سر سے کُھلتے ہیں تو گرتے ہیں قدم پر گیسو

رعد – منشی حب لال صاحب نام، رعد تخلص، قوم سے کالیستھ سریواستو ہیں اصل وطن تو موضع ہنڈیا ضلع الہ آباد ہے مگر چونکہ آپکے والد منشی گنیش پرشاد زمیندار نے انکو صرف چار برس کا چھوڑکر انتقال کیا اس لیئے منشی مادھو پرشاد انکے چچا اور رائے بہادر منشی انندی پرشاد

ممبر کونسل گوالیار نے جو پھوپا تھے انھیں اپنے کنارِ شفقت میں لیا اور پرورش و تربیت کرتے رہے اِس لیے تعلیم کا زمانہ زیادہ تر فتح پور ہسوہ میں گذرا ۱۸۹۹ء میں امتحان وکالت پاس کر کے ہنڈ میں وکالت شروع کی۔ اب تقریباً ۳۷ برس کی عمر ہے اور ریاست گوالیار کی طرف سے خاص ہنڈ میں ۱۹۰۸ء سے آنریری مجسٹریٹ ہیں۔ ضروری تعلیم سے فارغ ہیں شعر و سخن کا مذاق سلیم ہے، طبیعت میں جدت پسندی اور بندش شعر میں صفائی ہے اگرچہ کثرتِ مشاغل زیادہ گوئی کے مانع ہیں مگر جو کچھ کہتے ہیں بہت سلجھا اور عیوب سے پاک ہوتا ہے، اگر حضرت داغ کی زندگی وفا کرتی تو بلا شک انھیں ترقی کے وسائل زیادہ میسر ہوتے تاہم انکی صفائی زبان، مہارت روزمرہ، اور رسائی فکر، نفاست و چستی بندش قابل ستائش ہیں ۱۹۰۴ء میں حضرت داغ سے تلمذ اختیار کیا اُنکے انتقال کے بعد منشی حیات بخش رسا سے مشورہ کرنا شروع کیا، دیوان تقریباً بردیف و الف مکمل و زیر ترتیب ہے۔ انتخاب کلام نذر ناظرین ہے۔

مزہ تھا زندگی کا گر مسرت سے جئے ہوتے / یہ کیا جینا ہے مر مر کے جئے جب نیم جاں ہو کر
مژہ نے اور نگاہِ ناز نے دل پر ستم ڈھایا / وہ خنجر بنکے چلتی ہے وہ چھبتی ہے سناں ہو کر
بلا کی دلفریبی ہے نگاہِ نازنیں اُنکی / اشارہ پاتے ہی دل چل دیا کیا شادماں ہو کر
یہ کیا معلوم تھا حسرت نہ نکلے گی نہ نکلے گی / یہ سمجھے تھے کہ دل میں آئی ہے یہ میہماں ہو کر
مرے جاتے ہو کیوں اے رعد اب آتا ہے وہ دن بھی / کہ اُنکو تم لگاؤ گے گلے سے شادماں ہو کر

پھر ہے یہ کہنا کہ نہیں ہم سا کہیں اور / لو دیکھ لو ہے دل میں تمھارا سا حسیں اور
دل پھیر دے لیکن یہ کرے کوئی یقیں اور / چالیں نگہ ناز کرے جا کے کہیں اور
لیتے ہیں دل و جاں تو دل و جاں سے وہ جاناں / یہ کہتے ہیں وہ لینے اگر ہیں تو ہیں اور
تم چیز ہی کچھ اور ہو اک حسن پہ کیا ہے / ایسے تو زمانہ میں ہزاروں ہیں حسیں اور
بن ٹھن کے وہ بگڑے ہیں نئی ضد کوئی دیکھے / مچلے ہیں کہ آئینہ میں ہے ہم سا حسیں اور
جلوہ ترا کچھ ناز نہیں دل میں جو چھپ جائے / تو بھی یہاں کھل گیا اے پردہ نشیں اور

جلوہ رخِ انور کا دکھا دو دمِ آخر | کچھ دیر کی مہمان ہے یہ جانِ حزیں اور
حسرت ہی مرے سامنے بیٹھی ہیں کچھ دیر | ارمان دمِ نزع سوا اسکے نہیں اور
دیوانہ کے منہ حضرت ناصح نہ لگیں آپ | کیا فائدہ دو چار اگر اُسنے کہیں اور
نہ ٹلکر کہ سمجھے ہیں گلہ وسلے مقدر | میں نے تو کہا اور ہوا ذہن نشین اور
دلبر کی جگہ درد رہا کرتا ہے دل میں | گھر اور کا تھا لے ہوا اُسمیں مکیں اور
کھا کھا کے قسم وصل کا اقرار کرو لاکھ | اندازِ سخن مجکو دلاتا ہے یقین اور
کیا بات ہے اُس کوچۂ دلدار کی اے رعد | ہے آب ہوا اور وہاں کی ہے زمین اور

چاہنے والے کو اپنے تم بھی چاہو کوئی ہو | قدر کے قابل ہے جو دل سے فدا ہو کوئی ہو
میں وہ بیخود ہوں نہیں مجکو کسی سے واسطہ | دوست دشمن آشنا نا آشنا ہو کوئی ہو
وائے تنہائی یہ حسرت ہے کہ آجائے کوئی | وہ نہیں تو کوئی آفت ہو بلا ہو کوئی ہو
بحث کچھ اپنے پرائے سے نہیں اے ہمنشیں | کام آئے وقت پر درد آشنا ہو کوئی ہو
دل جب اپنا ہی نہیں تو کوئی لیجائے اسے | ناز ہو، چتون ہو، شوخی ہو ادا ہو کوئی ہو
منہ میں بھر آتا ہے پانی جامِ مے کو دیکھ کر | شیخ ہو یا متقی ہو۔ پارسا ہو کوئی ہو

یوں ہی رہا جو ربط ترے سنگِ در کے ساتھ | مٹ جائیگا نوشتۂ تقدیر سر کے ساتھ
دل تھام کر میں بیٹھ گیا اُسکی بزم میں | دیکھا تھا اُسنے ہائے مجھے کس نظر کے ساتھ
ویران کر دیا مرے دل کو مٹا دیا | یوں دشمنی کرے نکوئی اپنے گھر کے ساتھ
اُٹھتے ہی خواب ناز سے وہ گئے میرے گھر | لپٹا ہوا اثر تھا دعائے سحر کے ساتھ
دل لے گیا جہاں نہ گذر تھا خیال کا | پہنچے ہیں ہم کہاں سے کہاں نامہ بر کے ساتھ
ملتے ہیں مرکا دیکھیں ہیں تو ظاہر میں اختلاط | ایک ایک عیب اُنکا ہے سو سو ہنر کے ساتھ
اے رعد بھولتا نہیں مجکو دمِ سحر | پھر پھر کے اُنکا دیکھنا وہ چشمِ تر کے ساتھ

بڑھ گئی جب خوب حیرانی میری | مٹ گئی ساری پریشانی مری

جلوۂ جاناں کی دیکھی ہے جھلک / یہ پتہ دیتی ہے حیرانی مری
ڈھونڈتی ہے اُسکے رازِ کُنہ کو / کسقدر رہے عقل دیوانی مری
ناصحا مجکو خدا پر چھوڑ دے / تو مجھے کرنے دے من مانی مری
کیا سوالِ وصل پر اُمید ہو / بات تم نے کونسی مانی مری
یا نکالو دل کو پہلو سے مرے / یا مٹا دو یہ پریشانی مری
یہ نہ تھا معلوم ہے وہ بے وفا / دیدیا دل وائے نادانی مری
آپ سے جب آشنائی ہوگئی / دین و دنیا سے رہائی ہوگئی
کون میری سی کہے گا حشر میں / اُس طرف ساری خدائی ہوگئی
آئینہ سے چار آنکھیں جب ہوئیں / اُنکی آپس میں لڑائی ہوگئی
جب عنایت کی نظر اُنکی ہوئی / مہرباں مجھپر خدائی ہوگئی
ظلم اتنا کیوں کیا جو روزِ حشر / مدعی ساری خدائی ہوگئی
مجھسے کیا مٹتیں مری دشواریاں / غیب سے مشکل کشائی ہوگئی
اُنکو اب پردہ دری کا ہے خیال / کیوں مرے دل میں صفائی ہوگئی
آگئیں اُن میں لگاوٹ بازیاں / چتونوں میں دلربائی ہوگئی
رعدؔ سے بولے وہ ہنسکر وصل میں / تیری ظاہر پارسائی ہوگئی

نہ پوچھیں میرے ہمدم کیفیت میری مصیبت کی / شبِ غم کی گھڑی ایک ایک گذری ہے قیامت کی
الٰہی خیر کرنا آج پھر لی دل نے وحشت کی / نگاہِ شوخ نے کسکی خدا جانے عنایت کی
بہت پچتائے ہم اُس فتنہ گر سے کیوں محبت کی / یہ کیا بیٹھے بٹھائے جان پر برپا قیامت کی
ترا وہ دیکھ لینا شرمگیں چتوں سے رہ رہکر / مرے دلمیں تڑپ ہو ہو کے رہجانا قیامت کی
نگاہِ ناز نے چپکے سے آکر دل میں چٹکی لی / تمھاری آنکھ نے پھر دیکھ لو مجھسے شرارت کی
دل آیا بھی تو کس ظالم پہ اپنا ہائے دل آیا / محبت بھی جو کی تو کس ستمگر سے محبت کی

نظر آئینہ رو پر پڑتے ہی وہ بے خودی چھائی
سراپا محو ہو کر بن گیا تصویر حسرت کی

دل آیا بھی تو کس ظالم پہ اپنا ہائے دل آیا
محبت بھی جو کی تو کس ستمگر سے محبت کی

کرم اسکا ستم سے بڑھ کے دشمن جان کا نکلا
مجھے رہ رہ کے تڑپاتی ہیں باتیں وہ محبت کی

چھپایا تو بہت تھا رعد نے رازِ محبت کو
نہیں چھپتی نہیں چھپتی نظر لیکن محبت کی

جو باہر میان سے قاتل تری شمشیر ہو جاتی
قضا دانتوں میں انگلی داب کر تصویر ہو جاتی

کچھ ایسی چارہ گر میرے لیئے تدبیر ہو جاتی
کسیکی خاکپا ملتے تو وہ اکسیر ہو جاتی

کیا کیا جائے لب تک آکے تو تھم تھم گیا ورنہ
فلک تک دھوم تیری نالۂ شبگیر ہو جاتی

تھمے رہتے تمھیں ہوتے تمھیں کس سے جا آتی
تمھیں تو دیکھ کر سب انجمن تصویر ہو جاتی

اگر اتنا تو ہوتا آہ میں اے داورِ محشر
لپٹکر حشر میں اس بت کی دامنگیر ہو جاتی

بھلے کو حضرتِ ناصح نہ آئے سامنے میرے
ضرور انکی مری باہم دم تقریر ہو جاتی

ہم اٹھتے بھی تو کیا اٹھتے ترے کوچے سے ای ظالم
ہماری ناتوانی پاؤں کی زنجیر ہو جاتی

ہمیں ہم تھے اگر تم دیکھ لیتے ناز سے ہمکو
گھڑی بھر میں ہماری کیا سے کیا توقیر ہو جاتی

تجھے گیا اِس سے نامہ بر وہانتک تو گیا ہوتا
اگر آئی گئی ہوتی مری تحریر ہو جاتی

وہ روٹھے آج کیوں ہیں کیوں نہیں بنتے منالینے
مجھے معلوم بھی تو کچھ میری تقصیر ہو جاتی

پلٹنی تھی پلٹ جاتی جو پھرنی تھی تو پھر جاتی
طبیعت بھی کسیکی کیا مری تقدیر ہو جاتی

رعد رعد مولوی محمد صدیق حسن خان جونپوری، رسالۂ العصر سنہ ۱۳ء سے کلام نقل ہوا قدیم وجدید دونوں طرزوں میں طبع آزمائی کرتے ہیں طبیعت میں درد اور زبان پر خاصی قدرت ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں ؎

سنا ہے مشورے یہ ہو رہے ہیں باغبانوں میں
لگا دو آگ اب کے بلبلوں کے آشیانوں میں

جناب شیخ فرمائینگے کچھ باتیں قیامت کی
کہو رندوں سے بیٹھیں انگلیاں دیکے کانوں میں

چارۂ دردِ محبت نہیں درکار مجھے
چھوڑ دیں حال پہ میرے مرے غمخوار مجھے

یاد آئے ہیں جو وہ ابروئے خمدار مجھے
آج ہر چیز نظر آتی ہے تلوار مجھے

میں دکھاتا ہوں جو آنکو دلِ پُرداغ اپنا
وہ دکھاتے ہیں بہارِ گلِ رخسار مجھے

دل تو کیا چیز ہے میں جان بھی دیدوں تمکو
تم بناؤ تو سہی اپنا خریدار مجھے

بُت پرستی میں ہوا مجکو یہ رتبہ حاصل
برہمن بھیجتے ہیں تحفۂ زنار مجھے

اُسنے پوچھا جو مرا نام تو میں نے یہ کہا
لوگ کہتے ہیں محبت کا گنہگار مجھے

وہ دن اچھے تھے وہ اچھا تھا زمانہ اے رعد
جس زمانے میں تھا عشق کا آزار مجھے

اے حسرت تو خدارا مجکو نہ اب ستاؤ
لِلّٰہ لے اُمنگو دل میں مرے نہ آؤ

پھر خدا نہ چھیڑو بیوہ ہوں رحم کھاؤ
بس بس سنگار کی اب ترغیب مت دلاؤ

اُترا ہوا سا چہرہ کیا آرسی میں دیکھوں
مغموم شکل اپنی میں کس خوشی سے دیکھوں

[illegible] جلتے آتی ہے شرم مجکو
ساتھ اُنکے گیت گاتے آتی ہے شرم مجکو

[illegible] ہنستے آتی ہے شرم مجکو
اب اُنکو گدگداتے آتی ہے شرم مجکو

[illegible] الم میں اِک گوشہ گیر ہوں میں
کنجِ قفس میں گویا مرغِ اسیر ہوں میں

[illegible]

رعد رعد۔ حکیم میر نادر علی رعدؔ مقیم حیدر آباد دکن نبیرۂ حضرت شہید دہلوی مرحوم۔ شاہ نصیر کا دیوان انھوں نے چھپوادیا ہے اور فن تاریخ میں کتاب موسوم بہ گنجینۂ خیال خوب لکھی ہے

پیشِ نظر ہے چہرہ جو اُس بے نقاب کا
اے بخت جانتا ہوں کہ عالم ہے خواب کا

ایسا نہ ہو کہ دُور رہو یہ تشنۂ ازل
ساقی پلادے پھر کوئی ساغر شراب کا

رعنا رعنا۔ سید محمد حمید الدین باشندہ رائے بریلی وسرشتہ دار نظامت مال صدر ریاست ٹونک [illegible] ہوئے جس زمانہ میں حضرت ظہیر دکن نہیں گئے تھے اور ابھی ٹونک میں [illegible] اُن سے اصلاح لینی شروع کی۔ چند شعر ملاحظہ ہوں۔

دعوی ضبطِ محبت تھا تو کیوں فریاد کی
اے دلِ بیتاب سب محنت مری برباد کی

[illegible] نکلیں یہاں کاوشِ خارِ الم
کس کا درماں کیا ضرورت نشترِ فصاد کی

کون سا رشکِ چمن زیبِ چمن ہے ان دنوں … گل کی شاکی بلبلیں ہیں قمریاں شمشاد کی

رعنا رعنا منشی عاشق حسین صاحب لکھنوی، مشہور ناولسٹ اور ایک شوخ طبع سخنور تھے بہت ناول آپکی تصنیف سے شائع ہو چکے ہیں، عرصہ ہوا ایک رسالہ شعر و سخن موسوم بہ گلدستۂ رعنا نکالا تھا جو دو برس بعد بند ہو گیا۔ کئی برس ہوئے انتقال کر گئے، اُن کا کلام یہ ہے۔

تھامے ہوئے کلیجے کو کس کے ہوئے طلب … کیوں پھر کہو گے آہ میں تیری اثر نہیں
پہلو میں آ کے بیٹھے تھے اتنا تو ہوش ہے … دل کب وہ لے گئے مجھے مطلق خبر نہیں

رعنا رعنا منشی عبد الغفار دہلوی تلمیذ حضرت حسین

بیوفا، نا آشنا، بیباک، بدخو، خود غرض … اور بھی کہہ لو مجھے جو کچھ تمہارے دل میں ہے
عشق کی چوٹیں ہیں کھائے ہوئے برسوں ہوئے … گو نہیں ہے درد وہ لیکن کسک کچھ دل میں ہے

ٹالا نہ تو نے غیر کا ظالم کہا کبھی … منظور ہو ہماری بھی تو التجا کبھی
یہ جان لو کہ ہاتھ اُٹھانے کی دیر ہے … خالی گئی نہ جائیگی اپنی دعا کبھی
جیتے رہے ہیں ہجر میں ہم اس امید پر … ایسا بھی کیا ہے مان ہی لیجئے کہا کبھی
پھر اس نہیں نہیں کا لطف دکھا دینگے آپکو … سُن لی اگر خدا نے ہماری دعا کبھی

رعنا رعنا سید محمد ہاشم رعنا دہلوی منصبدار حیدر آباد دکن جوان آدمی ہیں سنہ ۱۹ء میں آپنے آغا شاعر دہلوی سے تلمذ اختیار کیا، اُسی زمانے کا یہ کلام ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ اُستاد کی زبان اور رنگ کی تقلید میں اچھی دستگاہ حاصل کر لی تھی، غزل میں بعض بعض شعر تو نہایت اچھا اور بلند پایہ کا نکل آتا ہے۔ اب اشعار ملاحظہ ہوں۔

وہ ہولیاں کھیلی ہیں تری تیغ زنی میں … جوبن پہ ہیں سب خون کے دھبّے کفنی میں
رہتا ہے سدا وصل میں بھی ہجر کا دھڑکا … کیا یار ہے جو ساتھ ہے بگڑی میں بنی میں
تیری دہائیاں ہیں گئے ہم جہاں کہیں … ناقوس کی صدا کہیں بانگِ اذاں کہیں
قاصد سمجھ او اُن کا نہیں ہے مکاں کہیں … اُٹھکر زمین پاؤں پکڑ لے جہاں کہیں

اک چیز ہے کہ دل میں کھٹکتی ہے بار بار / سوفار کا پتہ نہ نشانِ سناں کہیں
محشر میں بھی تڑپتی ہیں نظروں کی بجلیاں / نکلی نہ بیٹھیں تھک کے تری شوخیاں کہیں
پسِ مردن انھیں مرقد پہ آہِ نارسا لائی / یہ اب پہنچے تو کیا پہنچے یہ الٹی تو کیا لائی
نویدِ وصل ہی لائی نہ پیغامِ قضا لائی / دعائے بے اثر کیا لیکے پلٹی اور کیا لائی
وہ سب بدمستیاں تھیں زر کی اب ہی نہ پتے ہیں / ہماری مفلسی خود راہ پر ہم کو لگا لائی
مہکتے ہیں در و دیوار کیا خوشبو ہے پھولوں کی / نسیمِ صبح گلدستے کے گلدستے اڑا لائی
اب اس سے بڑھ کے آخر کیا کشش ہو گی مضامیں کی / زمیں تک طبعِ موزوں آسمانوں کو جھکا لائی
قدم رکھتا کہیں ہے اور پڑتا ہے کہیں رعنا / نگاہِ لطفِ ساقی وہ ہی ساغر میں چھپا لائی
میں بگولا بنکے کوئے یار میں پھرتا رہا / لاکھ تو نے اے صبا مٹی مری برباد کی
دیکھ تو قمری ذرا سروِ لبِ جو کی بہار / موج کی ہیں بیڑیاں قسمت میں اس آزاد کی
بارِ عصیاں سر پہ، جانا دور ہے نا دیدہ راہ / منزلیں کھوٹی نہ ہوں رعنا عدم آباد کی

رعنا

رعنا منشی سید نور احمد لکھنوی کلیم لکھنوی کے بھائی اور ۱۹۳۱ء میں بھوپال میں ملازم تھے۔ مدتوں وہیں رہے حضرت تسلیم سے کچھ دنوں اصلاح لینے کے بعد ان کے استاد بھائی راز رامپوری کے شاگرد ہو گئے۔ چند غزلوں کا انتخاب حاضر ہے۔

حاصل ہے وصل میں بھی مزا انتظار کا / پہروں مزاج ہی نہیں ملتا ہے یار کا
اندھا بنا دیا مجھے شوقِ تلاش نے / دشمن سے پوچھتا ہوں پتہ کوئے یار کا
کیسی تڑپ کہاں کی چمک کیسی بجلیاں / یہ بھی ہے ایک رنگ دلِ بیقرار کا
حسرت کی شکل پھرتی ہے آنکھوں کے سامنے / پہلو جو سوچتا ہوں کوئی وصلِ یار کا
رکھا ہوا ہے سینہ پہ خط اس نگاہ دیر سے / تعویذ بن گیا ہے دلِ بے قرار کا

پکڑے گئے ہیں پینے ہوئے مے جنابِ شیخ / میلا لگا ہے پیرِ مغاں کی دکان پر
کیا بانکپن کسی کا سمائے نگاہ میں / ہم تو مٹے ہوئے ہیں تری آن بان پر

[illegible] رقیب کی
[illegible] کہیں ہے

کیسا یہ کہا کہ مہر تجھ سے کسی کی [illegible]
تمہاری بات نہیں اعتبار کے قابل

ادائے رفتار کی شوخی جو دیکھی
غضب ہے چال جلوہ ہم ہو سرو

قیامت گر گئی میری نظر سے
کہ باہر برف اندر آگ ہے

ہنس ہنس کر آج مجھے کوس رہا ہے
ہمدردی کی امید ہے کیوں پھر ہیں دل

بجھ جائے اگر اس کا صدمہ تو اچھا ہے
دشمن بھی کسی کا کہیں غمخوار ہوا ہے

اندر سے نہ تبسم نہ یہ ہنسی ہوگی
دل آپ کا کہیں آیا تو دل لگی ہوگی

نعمی

نعمی سنہ ظہور ناٹر کے تین سال بعد بے نظیر مولوی نعیم اللہ نعمی سیدپوری شاگرد رشید شیخ ناسخ لکھنوی غازیپور زمانیہ کے روساؤں میں سے تھے انکے والد شیخ امان اللہ طوفان ناسخ مرحوم کے دلی دوست و رفیق تھے یہ خود بڑے مشاق اور صاحب تصانیف کثیرہ تھے، اوائل عمر میں الہ آباد اور لکھنو جاکر تحصیل علم کی، اسی برس سے زیادہ عمر پاکر چار پانچ سال ہوئے انتقال کیا شیخ ناسخ کے حالات شمس العلماء آزاد کو آپ ہی کی وساطت سے دستیاب ہوئے تھے، ایام ضعیفی میں بھی برابر مشغلۂ سخن کو نباہے جاتے تھے۔ نعمی تخلص سے آپکی شاعری کا ابتدائی سال نکلتا ہے۔ بڑے جہاں دیدہ، قابل، ملنسار، خلیق بزرگ تھے بڑی دقت سے چند غزلیں ہاتھ آئیں انکا انتخاب درج تذکرہ کیا جاتا ہے۔

نرگس کی طرح مجھکو نہ صحت ہوئی نصیب
ساغر کی مے کی شیشہ کی حاجت نہیں ہوئی

میں عشق چشم یار میں بیمار ہی رہا
میں عشق چشم یار سے سرشار ہی رہا

ہاتھ مہندی سے ترا غیرت مرجاں ہوتا
ہاتھ میں تیرے اگر خنجر براں ہوتا

پاؤں میں خون حنا رنگ شہیداں ہوتا
عید قرباں کا سماں آج مری جاں ہوتا

جب بنا کر وہ زلف مشکیں اپنی وہ نکھرائیں گے
قتل تو کرتے تو ہیں لیکن بہت پچھتائیں گے

سو بلا عاشق کے سر پہ آسماں سے لائینگے
عاشق جانباز ایسا پھر کہاں سے لائیں گے

لاکھ جانیں ہوں مری اسکی کھٹک پر صدقے — خارِ مژگاں کو ہے دل میں ...
خونِ عشاق نہ کر ہاتھ دکھا کر قاتل — شوخی اتنی نہ کر لے رنگِ حنا ...
وصل کی رات ہے ہنس بول ذرا گھونگٹ کھول — اب تو رعمی سے نہ کر شرم و حیا ...

جلوے دکھلا دو اپنے قامت کے — لوگ مشتاق ہیں قیامت کے
بزم میں بیٹھے مجھ سے وہ مِل کے — آج ارمان نکلے ہیں دل کے
سجکے آئے عروس تیغ اُن کی — خوب ارمان نکلیں گے دل کے

مشعلِ وادیٔ ایمن ہے فراست میری — طبع ہے طورِ تجلی ہے ہدایت میری
لطفِ معنی سے ہویدا ہے لطافت میری — بندشِ لفظ سے ظاہر ہے نزاکت میری

آئینہ دیکھ کر وہ کہتے ہیں — ہمتو عاشق ہیں ایسی صورت کے
عیش ہوویگا تلخ شیریں کا — کوہکن کا نہ وہ فسانہ سنے
ہے یہی آرزوئے دل میری — ایک شب وہ مرا فسانہ سنے

حُسن اور عشق و محبت کا تقاضا ہے یہی — ہم فراموش ہوں اور غیر تمھیں یاد رہے
دُنیا میں رہے ساتھ ولیکن پسِ مردن — چھوڑ آئے ہمیں قبر میں سب اپنے پرائے
ناسخ کے تلمذ سے مجھے فخر ہے رعمی — پھر دہر میں ویسے نہ سخنور نظر آئے
چلتی ہے رگ رگ کے گردن پر جو شرمائی ہوئی — چال ہے یہ تیغ کو قاتل کی سکھلائی ہوئی

رفاقت مرزا مکین دہلوی نام اور شیخ قلندر بخش جرأت کے تلامذہ خوش فکر میں انکا شمار تھا۔ ۲۰ برس کی عمر عین عالم شباب میں اپنے احباب اعزا کو داغِ مفارقت دیکر عالم جاودانی کو سدھارے آنکی خوش فکری کا نمونہ یہ چند شعر حاضر ہیں۔

وہاں کیونکہ رہیے کہ منادی جہاں یہ ہو — زانو پہ سر کو دھر کے نہ بیٹھا کرے کوئی
برسوں کی ایک دن میں رفاقت کو چھوڑ دے — کیا ایسی زندگی کا بھروسا کرے کوئی
کہتے ہو تم نہ گھر مرے آیا کرے کوئی — گر دل نہ رہ سکے تو بھلا کیا کرے کوئی

سے لغزش گل پہ غیر کو بٹھاؤ نہ اپنے پاس — منظور ہے کہ خاک پہ سویا کرے کوئی

رفاقت

رفاقت۔ شیخ بہادر حسین صاحب شاگرد میر آغا حسن امانت غدر کے بارہ سال بعد انتقال کیا۔ لکھنو وطن تھا، حالات کے لیئے بہت تلاش کی دستیاب نہوئے نمونۂ کلام ملاحظہ

نہیں تم کو جب ہم صنم دیکھتے ہیں — تن اپنے میں دم دم کا دم دیکھتے ہیں
طاقت نہیں ہے پھر نیکی ہیہات پاؤں نہیں — پہلو سے اپنے یار مجھے تو اٹھا نہیں
تقدیر میں لکھا تھا سوائے جان من ہوا — قسمت سے ہی گلہ ہمیں تم سے گلا نہیں
ہرگز کسی سے دل نہ رفاقت لگائیو — بھر جہاں ہیں دیکھ چکے آشنا نہیں

رفعت

رفعت۔ لالہ رام دلدرا، آپ کو مرزا رحیم الدین حیا دہلوی سے تلمذ تھا۔ تذکرہ قاضی خلیل سے کلام نقل ہوا۔ غدر کے بعد انتقال کر گئے۔

زندگی خضر و مسیحا کی نہ کیونکر ہوتی — روگ الفت کا نہ تھا عشق کا آزار نہ تھا
آفت ہے گو کہ فتنۂ روز جزا مگر — کیا سر اٹھائیگا تری ٹھوکر کے سامنے

رفعت

رفعت نواب مہدی حسن خان رفعت لکھنوی عرف منو صاحب نواب محمد سعید خان لکھنوی کے خلف متبنیٰ اور وارث ہیں حضرت جلال لکھنوی کے قدیم تلامذہ میں صاحب دیوان اور ہر طرح ممتاز ہیں ۱۲۸۵ھ سال ولادت ہے، صاحب دیوان ہیں، کہیں کہیں استاد کے کلام کا پرتوا انکے کلام میں نظر آجاتا ہے۔

بلبلیں چیختی تھیں تنکے خاک اڑاتی تھی صبا — جسکو دیکھا باغ عالم میں ترا دیوانہ تھا
کیا چیز حسن بھی ہے عجب انقلاب ہے — محمود دل کو دیکھیے غلام ایاز تھا

بچیگا یا نہ بچے گا مریض عشق مسیح — خدا کیواسطے کچھ تو جواب دیتا جا
سینے سے سینہ یار نے آکر لگا دیا — سوز جگر کو دل کی لگی کو بجھا دیا
یارب بھلا ہو اس مرے غفلت شعار کا — جو لے گیا قرار دل بے قرار کا
بیتاب جو ہیں حضرت دل جائینگے پھر کیا؟ — روٹھے ہوئے کو اپنے منا لائینگے پھر کیا

مجھ سا بھی [illegible] چمن جو لیلیٰ نے — جو مجنوں دیکھ لیتا [illegible]

پھوڑا ہوئی روح جو لیلیٰ کے بدن سے — پھر قید تھی [illegible] کی باقی [illegible]

تک جو کہتا ہوں کہ ظالم ہو بڑے تم بخدا — ہنس کے کہتے ہیں بھلا

کون معشوق زمانے میں دلِ آزار نہیں — [illegible]

کفر [illegible] نے جو سلے چرخ نہ ڈالا ہوتا — کیوں خفا مجھ سے مرا روٹھنے والا ہوتا

زانو پہ اسکے سر ہو نکل جائے اپنا دم — جو دیکھے وہ سمجھے کہ ہے [illegible]

قیامت چال، قد محشر، ستم عشوہ، نگہ خنجر — جوانی ظلم کرتی ہے شباب [illegible]

دل میں یاں چٹکی خیالِ بوسہ لے — نیل پڑ جائے وہاں رخسار پر

نکلے ادھر تو جان اُدھر بخشدے وہ جرم — بس ہے یہی کسی کے گنہگار کی [illegible]

جو نہ تڑپے ہجر میں بسمل نہیں — درد جس دل میں نہ ہو وہ دل نہیں

صراحی مے کی دستِ پارسا میں — بڑا اندھیر ہے کالی گھٹا میں

شرم کے پردے میں رہنے دو نگاہِ شوخ کو — یہ سمجھ لو جا کے آنکھوں سے حیا آتی نہیں

ہر ادا پھر خیالوں سے اشارے کر گئے — دیکھتے ہیں آج کس کی قضا آتی نہیں

چشم تر دیتی ہے پانی کسے میری لیکن — نخل امید کبھی پھولتا پھلتا نہیں

مسیحا ایک قم کہنے پہ اپنے ناز کرتے ہیں — یہاں ٹھوکر سے یہ بت سینکڑوں [illegible]

اگر سن لیں تری رفتار کی آہٹ قیامت [illegible] — تڑپ کر زندہ ہو جائیں ابھی مرقد [illegible]

دل یہ کہتا ہے چلو پاس مسیحا کے چلو — ضبط کہتا ہے ابھی درد جگر ہو [illegible]

آئینگے میری لاش اٹھانے کو وہ ضرور — کچھ وعدۂ وصال نہیں جو وفا نہ ہو

ناراض ہیں وہ بت تو منا لونگا پھر بھی ہیں — مجھ سے مگر خفا کہیں میرا خدا نہ ہو

جوشِ خوں کا ماجرا کہنا ہے اسکو لے جنوں — ڈھونڈتی ہے رگ زبانِ نشترِ فصاد کو

وہ شکل کونسی ہے جو دل کو قرار ہو — یا موت آئے یا مرے پہلو میں یار ہو

[illegible] جاں بجا ہے لیکن [illegible] عشق [illegible] شان ہے	بلبل [illegible] گل [illegible] آگئی صبح قیامت ہی شب ہجراں کے ساتھ
کتنی کشتۂ حسرت اٹھ بھی گیا سینہ دل کا پھوٹا کوئی آبلہ ترا کشتہ تڑپا کیا دیر تک	اب آئے ہو تم ہاتھ ملتے ہوئے جو آنسو نکلتے ہیں جلتے ہوئے ترا دل جو دیکھا بہلتے ہوئے
[illegible] گھٹا چھائی ہے پانی خوب برسے گا آنکھیں دکھا کے [illegible] عیسیٰ چلے گئے [illegible] سے دیکھ جاؤ تم ہیں دم نکلتا ہے اب	گنہگاروں پہ اسکی آج رحمت ہونیوالی ہے اچھے جو ہو چلے تھے وہ بیمار ہو گئے پھیرتے ہو آنکھ ناحق اک نظر کے واسطے
بلبل نہ بجھا آنسوؤں سے آتش گل کو جلنا ہے کسکا کام جو آتی تو ہوتا کچھ عذر	کیا پھونکنے کو خانۂ صیاد نہیں ہے دل ہے کیا چیز جو ہم آپسے پیار کرتے
بوجھ کیا ناتوانِ فرقت کا قتل ہو جاؤ دکھائیں خود صاحب دل لگی جانیے نہ عشق مرا	آپ لاشہ اٹھائیے تو سہی آپ بیڑا اٹھائیے تو سہی دل کسی سے لگائیے تو سہی
[illegible] دل [illegible] آنکھ ہی وہ نگاہِ لطف کدھر گئی [illegible] دل نے وہ پہلو سے مرے جب اٹھے نکلتے دیکھتے ہو تم تمہارا دل بہلتا ہے	یہ بتلائیے تو مجھے ذرا کدھر آپکی وہ نظر گئی میں بھی تیار ہوں ساتھ آپکے چلنے کے لیے بھلا ہو سخت جانی کا مرا ارمان نکلتا ہے
کس سے دوں حسن کو تیرے تشبیہ روگ نرگس کا نہیں جانے کا	ایک یوسف ہے وہ بازاری ہے الفتِ چشم کی بیماری ہے

رفعت

رفعت سخنورِ خوش فکر شاہزادہ مرزا پیارے رفعت گورگانی سنہ ۱۲۴۱ھ میں پیدا ہوئے اوائل عمر میں حافظ عبدالرحمٰن خان احسان سے اِصلاح لی تھی، بعد میں حضرت صہبائی سے تلمذ اختیار کیا، بڑے نامور اور خوش فکر شاعر تھے، اشعار انکے نہایت

شیریں اور عمدہ ہوتے ہیں، صاحبِ دیوان تھے، غدر کے بعد گوروں سے جو شاہجہاں آباد سے گرفتار ہو کر آئے اُن میں یہ بھی تھے نشانۂ تفنگِ اجل ہوئے، کلام ملاحظہ ہو

ہم خوش تھے کہ محشر میں تو دیکھینگے وہ دیدار
لیکن یہ قیامت ہے کہ محشر ہی نہیں ہوتا

کس مُنہ سے کروں دل کی شکایت کہ بُرا ہے
تجھ سے تو جدا وہ کبھی دم بھر ہی نہیں ہوتا

ہو بُرا بیتابیٔ دل کا کہ اُسکے ہاتھ سے
رازِ پنہاں ایک عالم پر نمایاں ہو گیا

یا الٰہی دردِ کس پردہ نشیں کا تھا کہ شب
دل میں اُٹھ اُٹھ کے مرے دل ہی میں پنہاں ہو گیا

مژہ کو چھیڑے تو مدت ہوئی پہ یہ ابتک
چُبھے ہے خار سا سینہ کے درمیاں کیسا

خدا نہ کردہ کرے نالہ گر ترا عاشق
تو پھر زمین ہے کیسی یہ آسمان کیسا

کچھ بھی آنکھ کا گیا نہ گیا کچھ خیال کا
مارا گیا دل اور یہی بے قصور تھا

رحم اُس کا ہو کہ نالہ کا اثر ہو کچھ ہو
نزع میں بارے وہ لینے کو خبر آہی گیا

تھا ہدفِ غیر پر اپنا جو مقدر تھا درست
غلط انداز سے وہ تیر ادھر آہی گیا

تری گلی میں ہوئے خاک بھی تو کیا حاصل
ترا ہے ڈھب وہی دامن اُٹھا کے رکھنا

ہیں ایک وہ بھی کہ اُن سے ہے تمکو راز و نیاز
اور ایک ہم ہیں کہ مُنہ تکتے ہیں زمانے کا

شبِ وصال میں دیتا ہی لطف کیا کیا کچھ
ہر ایک بات پہ عالم یہ مُنہ بنانے کا

کم ہو گئی شاید بُت و بتخانہ کی اُلفت
کچھ ان دنوں آتا ہے جو رہ رہکے خدا یاد

بیٹھ سا اے تیرِ ستمگر تو دلِ زار کے پاس
بیٹھتے یار ہیں دنیا میں سدا یار کے پاس

ہائے پانی بھی چوانے کو نہ آیا دمِ مرگ
کوئی جز گریۂ حسرت ترے بیمار کے پاس

تجکو لینی ہے تو لے ورنہ اجل لیتی ہے
جان جو کچھ کہ ہے باقی ترے بیمار کے پاس

آتشِ عشق سے جل جل کے بنا ہوں سُرمہ
کوئی دن کو تری آنکھوں میں آجاتا ہوں

لب ہیں جاں بخش یہ کیسے کہ میں اُنکی خاطر
اپنے جینے سے ہی مایوس ہوا جاتا ہوں

پونچھے اشک اُسنے گمانِ غیر میں
مر گئے ہم اُننے ہی احسان میں

بلبل کو وہ بجے اب جگر کی سلاخ — تجھ سے جو دید ہیں تجھ ایک آن ہیں

بدنامی مجھ کو تیری بدولت ہوئی تو ہو — عزت سمجھتا ہوں مجھے ذلت ہوئی تو کیا

اب اُن میں ظلم کرنے کی عادت نہیں رہی — جب ہم میں سانس لینے کی طاقت نہیں رہی

واعظ بھی کرنے چاک گریبان کو لگے — باقی جب اُن کو جائے نصیحت نہیں رہی

پہلے بھی وہ لکھے ہے کہ میں تو ہوں بیوفا — تحریر میں بھی جائے شکایت نہیں رہی

رفعت

رفعت تخلص محمد منیر الدین نام شہر گھاٹی ضلع گیا وطن خلف مولوی سید فضل حسن آزاد مرحوم و برادر زادہ سید غلام حسین فریاد شاگرد نسیم دہلوی، فارسی عربی کی خاص استعداد تھی عجز و انکسار آپکا شیوہ تھا، شاعری کی ابتدا تھی اور خواجہ عبدالرؤف صاحب عشرت لکھنوی سے تلمذ تھا کہ بتیس سال کی عمر میں بعارضۂ طاعون سنہ ۱۳۱۹ھ میں انتقال کیا انکے ایک عزیز نے سو ڈیڑھ سو شعر بھیجے جن کا انتخاب درج ذیل ہے۔

فراقِ یار میں بے چین ہو کر — پہنچ جاتے ہیں نالے آسماں تک

مئے گلگوں چڑھانا خوب رندو! — یہی پہنچائے گی حورِ جناں تک

کسی پہلو نہیں ہے چین رفعت — اُٹھاؤں صدمۂ فرقت کہاں تک

یہ نہ پوچھو کہ غذا عاشق بسمل کی ہے کیا — لختِ دل کھاتے ہیں اور خون پیا کرتے ہیں

وعدۂ وصل انھیں یاد دلائیں کیونکر — ایسی باتوں کو ذرا کم وہ سنا کرتے ہیں

اِن بتوں کو نہیں محشر کی خبر لے رفعت — ظلم اللہ کے بندوں پہ کیا کرتے ہیں

یہ ترا حسنِ خداداد ہے مشہور جہاں — شورِ یوسف کا فقط مصر کے بازار میں تھا

ترا عاشق تجھے بھولا کہاں ہے — ترا ہی نام تو وردِ زباں ہے

مجھے اُمید جینے کی کہاں ہے — لبوں پر یار کی فرقت میں جاں ہے

فلک کا جسپہ عالم کو گماں ہے — ہمارے داغِ دل کا وہ دھواں ہے

اگر صورت دکھائی ہو تو آؤ! — کہ اب بسمل تمہارا نیم جاں ہے

ادھر آؤ تو کہیں لب تمہارے ... کسی کا خون ہے [illegible]
نہ پوچھا ہولئے یار ہم سے ... کبھی ناخوش کہیں [illegible]
بسر کیونکر کریں ہم اس چمن میں ... جہاں دشمن ہمارا باغباں [illegible]

[illegible] ہے خالی ان دونوں پہلو مرا دل سے ... نکل جاتی ہے اِس ناوک کی [illegible]
ملیں گے پھر تو ایسے لوگ یہ صحبت غنیمت ہے ... کہا مانو بچاؤ تیغ جی رنبدن کی [illegible]
اٹھائی تیغ بھی مُنہ پھیر کر سفاک نے مجھ پر ... نہ نکلی حیف وقتِ قتل بھی حسرت [illegible]
[illegible] ہے ببھر نے سکے یہ باقی چشم گریاں کا ... ٹپک پڑتا ہے جو ساغر بنا لیتے ہیں [illegible]
بٹھلیا بیٹھکر پہلو میں ہمکو یار نے رفعت ... اُٹھایا اُم اُٹھکے اپنے سامنے [illegible]

رفعت سید عنایت احمد رفعت خلف حضرت فطرت موہانی سے چند شعر [illegible] ہیں

کھیل سمجھے تھے دل لگی دل کی ... قدر جانی نہ تھی ابھی دل کی
جلوۂ یار کیا قیامت تھا ... روز افزوں ہے بیکلی دل کی
شور و بیدار تھا بہت لیکن ... بیخودی سے نکل سکی دل کی
جوشِ حسرت نے کردیا مجبور ... کچھ نہ ہم کہہ سکے لگی دل کی
ہو کے مغلوبِ خرمی رفعت ... کچھ عجب کیفیت ہوئی دل کی

رفعت منشی محمد داؤد صاحب خوجہ متوطن بمبئی حضرت امیر مینائی مغفور کو کلام دکھلایا ہے اردو کا مادری زبان ہونیکے باوصف اچھا مذاق ہے اور شعر بھی خاصہ کہہ لیتے ہیں ؎

تذکرہ لکھے کوئی زلف کے دیوانوں کا ... کاش شیرازہ بندھے یونہیں پریشانوں کا
عہد میں اُس بتِ سفاک عدوئے دیں کے ... خون ارزاں ہے خدا سے بھی مسلمانوں کا
مانا حسن کو بے مثل ترے اے کافر ... ہندؤں کا ہے وہ صنم دین مسلمانوں کا
غیور بختی اسے کہتے ہیں کہ ہو کر زخمی ... دیکھنے پائے نہ ہم مُنہ بھی نمکدانوں کا
آئینہ دیکھ کے مُنہ پھیر لیا کیوں صاحب ... اِس میں نقشہ تو نہیں آپکے حیرانوں کا

رنگِ وحدت جو تصور سے — میری صورت ہے ہو بہو تیری
ہوتے رہتے ہیں بہروں رازونیاز — رکھ کے تصویر روبرو تیری
دل سے بھی داغِ دل ہیں مجکو عزیز — آتی ہے اِن گلوں سے بو تیری
اشکِ خجلت کی قدر کرلے دل — کر رہے ہیں یہ شست و شو تیری

قتل ہونے پر دوبارہ قتل کا ارمان ہے — ذبح اِس انداز سے تمنے کیا قاتل مجھے

رفعت

رفعت منشی سرفراز علیخان باشندۂ بریلی، پہلے جناب رحمت بنارسی سے اصلاح لیتے تھے جب کچھ استعداد حاصل ہوگئی تو حضرت داغ مرحوم کی خدمت میں آئے، خوش فکر موزوں طبع، شوخ خیال ہیں، زبان سے خاصہ لگاؤ ہے اکثر رسالوں میں غزلیں چھپتی رہتی ہیں

نزع میں یار ہے مہماں میرا — دم نکلتا ہے کہ ارماں میرا

ہے شہیدِ ناز کی آنکھیں کھلیں ہیں قبر میں بھی — ہے انتظار یہاں بھی کسی کے آنے کا
رہ رہ کے کھٹک ہجر کی شب ہوتی ہے ظالم — دل میں تری حسرت ہے کہ کانٹا ہے جگر میں
اب دونوں کی بر آئیں مرادیں تو مزا ہو — دل اُنکی نظر میں ہے وہ ہیں میری نظر میں
اُس دستِ حنائی نے تو اور آگ لگادی — سمجھا تھا کمی ہو گی مرے سوزِ جگر میں
بھلا راحت کہاں تقدیر میں ہم غم نصیبوں کی — اگر ہوں شاد ماں دم بھر رہیں اندوہگین سو ل
زاہد نہ چھیڑ اسکو زیادہ یہ خوف ہے — کچھ اور گھٹ نہ جائے دلِ بادہ خوار میں
بلبل نے دیکھکر ترے رخسار یہ کہا — ایسے بھی پھول ہیں چمنِ روزگار میں

الٰہی ایک مٹ جائے تو اک داغ اور پیدا ہو — چراغ خانۂ دل حشر تک میرا نہ ٹھنڈا ہو
نہیں اک بوسۂ رخ دینے میں انکار ہمیں سو سو — سمجھکر سوچکر دل میں ذرا دلکا تقاضا ہو
تری محشر خرامی اک نہ اک دن قہر ڈھائیگی — عجب کیا ہو قیامت وقت سے پہلے ہی برپا ہو
تڑپنے کا مزا یہ برق اور سیماب کیا جانیں — یہ اُسکے دل سے پوچھا چاہیئے جو تم پہ شیدا ہو
نظر سے قتل کرتے ہیں وہ ٹھوکر سے جِلاتے ہیں — جو قاتل ہو تو ایسا ہو مسیحا ہو تو ایسا ہو

یہ کیا آغازِ الفت ہی میں تم گھبرا گئے رفعت
ابھی تو دن پڑے ہیں دیکھئے انجام ہو کیا

شان و شوکت سے غرض کیا کام مینوشی سے ہے
جامِ جم مجکو مرا ٹوٹا ہوا پیمانہ ہے

جب سے میں ہوا ہوں مالکِ اقلیمِ عشق
اب مرے قبضے میں رفعت قیس کا ویرانہ ہے

کیا جانے کہاں اب دلِ دیوانہ ہے اپنا
پہلو میں نہیں یار کی محفل میں نہیں ہے

اے قیس کہاں ڈھونڈنے جاتا ہے سوئے دشت
لیلیٰ ترے دل ہی میں ہے محمل میں نہیں ہے

جو داغ مرے دل کو ملا عشق میں رفعت
لالہ میں نہیں ہے مہِ کامل میں نہیں ہے

دل پہ قابو نہ رہے ہوش ٹھکانے نہ رہیں
سامنے میرے اس انداز سے آئے کوئی

ہنستا ہے دیکھ کے بسمل کا تڑپنا قاتل
جان سے جائے کوئی لطف اٹھائے کوئی

ہوئیں پوری مرادیں مدعی کی
نہ نکلی کوئی حسرت میرے جی کی

تری آنکھوں کے جادو کے مقابل
نہیں کچھ اصل سحرِ سامری کی

وہ دو ہی باتوں میں دل لیگئے ہائے
نہ جانے کونسی افسوں گری کی

لیئے جاتی ہے دنیا سے عدم کو
تمنا شیخ جی کو حور ہی کی

وہ ملتے ہیں تو یوں ملتے ہیں مجھسے
شناسائی نہیں گویا کبھی کی

کروں میں بے وفائی یہ نہ ہو گا
برائی میرے حق میں تمنے کی کی

ہمارے حال کے پرساں وہ کیوں ہوں
انھیں ہے یاد ہر دم مدعی کی

کہا جب میں نے مرتا ہوں تو بولے
کہی یہ بات تو نے میرے جی کی

نگاہِ یار بھی ہے کیا زمانہ
کسیکی دوست ہے دشمن کسیکی

نہ آیا راہ پر وہ شوخ رفعت
کریں کیا ہمنے تو کوشش بڑی کی

اپنی تصویر ہی بھجوا دو تسلی کے لیئے
تمھیں انکار اگر ہے مرے گھر آنے سے

داستانِ غم و اندوہ کہانی ٹھیری
نیند آجاتی ہے انکو مرے افسانے سے

شہادت کے بہت خواہاں ہیں تیغِ نازِ قاتل سے
عطا اب دیکھئے کسکو یہ دولت ہونیوالی ہے

رفعت

رفعت مولنا غلام جیلانی، گیلانی۔ بیامن قاضی خلیل سے کلام لیا گیا۔

ہوں شمع اگرچہ بے زباں تھے
پر سوز تمام کہہ گئے ہم

اک شعلہ بام ہیں بغیر از دل سوزان رفعت
پیرہن صورت فانوس نظر آتا ہے

رفیع

رفیع مرزا محمد طاہر صاحب خلف و شاگرد حضرت اوج لکھنوی نبیرۂ مرزا دبیر اب ریاست رامپور میں ملازم ہیں ۴۰ سال کے قریب عمر ہے مرثیہ بھی کہتے ہیں شعر گوئی کی طرف میلان ہو جاتا ہے تو اس میں بھی قوت فکر سے دُرِ خوش آب نکال لاتے ہیں دو بار لکھنؤ میں آپ سے ملاقات ہوئی۔ کلام دینے کا وعدہ بھی کیا تھا مگر باوجود تقاضوں کے شاعرانہ تجاہل و تساہل مانع رہا۔

اسوقت وہ جلوہ گہ بزم طور تھا
کعبہ تھا نے خلیل نہ موسیٰ نہ طور تھا

سچ تو یہ ہے رقیب نے ڈالا ہے تفرقہ
ورنہ مری خطا نہ کچھ انکا قصور تھا

اب وہ تمام جسم میں ہے یادگار غم
جو دل کہ تن بدن میں بساط سرور تھا

راستہ کوچۂ قاتل کا اجل نے ندیا
ضعف نے پاؤں وہ پھیلائے کہ چلنے ندیا

منہ اندھیرے ایک بھی چلو پلا دے تو اگر
ساقیا دینگے دعائیں شام تک میخوار صبح

بام پر آیا ہے بہر سیر وہ خورشید رو
آج دونی ہو گئی ہے گرمی بازار صبح

داغ بر دل ہے قمر خورشید تفتیدہ جگر
شام کا بیمار ہے کوئی کوئی بیمار صبح

جلوہ نگار رنگ عالم کا ہے مسکن پھول میں
چشم حق بیں کو نظر آتا ہے گلشن پھول میں

یہ زر گل باغبان غنچوں کی مٹھی میں نہیں
حسرت و ارمان بلبل کا ہے مخزن پھول میں

جلوہ افگن ہے یہ کس کا روئے روشن پھول میں
کیا چمکتا ہے چراغ زیر دامن پھول میں

یہ ناز ہے کہ تیرے ہم آستان پر ہیں
جو پاؤں تھے زمین پر اب آسمان پر ہیں

آہوں سے میری نکلے الدن جیسے کچھ شرارے
بن بن کے وہ ستارے اب آسمان پر ہیں

شوق دیدار تو ہمراہ چلے گا تیرے
نامہ بر حسرت تقریر ہے تحریر کے ساتھ

واہ وا اے قدر انداز تیرا کیا کہنا
طائر دل کو اُڑایا ہے پر تیر کے ساتھ

اے خدنگ نگہِ ناز کوئی کیا جانے
دلِ مجروح سے پوچھے کوئی لذت تیری
دل یہ کہتا ہے کہ اظہارِ تمنا کیجے
عقل کہتی ہے کہیں آئی ہو شامت تیری

گئیں جوانی کے ساتھ اُمنگیں چراغ جسطرح رات کے ساتھ
نہ اب وہ شعلہ رہا ہے باقی نہ شعلہ میں وہ بھڑک رہی ہے

ہوائے گلشن سنک رہی ہے گلوں سے شبنم ٹپک رہی ہے
یہی سبب ہے کہ آتشِ گل دہک رہی ہے بھڑک رہی ہے

بہار آئی چمن میں نکھرے ہوا سحر کی سنک رہی ہے
روش پہ موتی بچھے ہوئے ہیں گلوں سے شبنم ٹپک رہی ہے

ابھی ہیں نامِ خدا وہ کمسن نیا ہے جوبن نئی جوانی
جو چاک کہنی تک آستیں ہے تو پیچھے چولی مسک رہی ہے

شہیدِ اُلفت ہے یہ مقرر لحد پہ جسکی بجائے چادر
قمر کی اُجلی سی چاندنی ہے گلابِ شبنم چھڑک رہی ہے

گرے ہیں خود طفلِ اشک ہر سو نہیں مژہ کی خطا سرِ مو
کہ دستِ شفقت سے دامن اپنا اُٹھا اُٹھا کر ٹپک رہی ہے

جان دیدی اُسنے میرے آزمانیکے لیئے
غیر خود ہی مٹ گیا میرے مٹانے کے لیئے
ہائے میں لاؤں کہاں سے تجکو اے صبحِ وصال
شامِ ہجراں آئی کالا منہ دکھانے کے لیئے
میرے سر سے خنجرِ بُراں چھوا کہتے ہیں وہ
ہمنے چھوڑا اُسکو جھوٹی قسمیں کھانے کے لیئے

رفیع ـ مسٹر رفیع الدین صاحب، ضلع ہردوئی میں چھ سات برس ہوئے انسپکٹر محکمۂ آبکاری تھے بعد کا حال اور تلمذ کی کیفیت معلوم نہیں ـ کلام ملاحظہ ہو ـ رفیع

ہو نہ خاروں کی خلش جبتک نہیں ملتا ہے گل
گلشنِ عالم میں بے رنج و الم راحت نہیں
چار ہی دن میں حیا اسقدر بھولے کہ اب
شمع روشن کرنے بھی آتے سرِ تربت نہیں

اُسکے عکس رخ سے آیا عاشقِ ناشاد پر … حب الطبا کہہ چکے بچنے کی اب صورت نہیں

رنگِ دنیا دیکھ کر گھبرا گیا اپنا تو جی … بھائی سے بھائی کو بھی اِس دور میں نفرت نہیں

لاکھ منعم جمع کرلے مال و زر لیکن رفیق … فکر و زحمت کے سوا کچھ حاصلِ دولت نہیں

رفیق

رفیق ۔ مرزا احمد بیگ دہلوی مغل خواص ابو ظفر بہادر شاہ بادشاہ شاگرد شاہ اللہ خان فراق متا ہل اور سپاہی پیشہ تھے، غدر سے پیشتر اپنے مکان میں مشاعرہ بھی کیا کرتے تھے طبیعت دار شخص تھے، فکر رسا اور زبان پاکیزہ تھی۔ یہ اُنکا کلام ہے۔

ہمدمو پوچھو ہو کیا الفت کے دیوانے کا شوق … ہے اُسے کوئے بتاں میں رات دن جانیکا شوق

چشم کے بنگلے کو جاروبِ مژہ سے جھاڑیئے … ہو اگر تم کو یہاں تشریف فرمانے کا شوق

آہِ آتشبار کے میرے شرارے دیکھئے … لامکاں سے بھی پرے رکھتا ہے یہ جانیکا شوق

ایک بوسہ اُسنے جو میں نے طلب شب کو کیا … ہنسکے بولے کچھ ہوا ہے گالیاں کھانیکا شوق

اُس کا سنگِ رہ گذر یہ دل بنا لیتا رفیق … ہے اُسے چلتے ہوئے پاؤں سے ٹھکرانیکا شوق

روشن رہے گا داغِ دلِ عاشقاں مدام … ہوگا نہ حشر تک یہ چراغِ مزار گل

بہ رہی ہے ہجر میں تیرے سدا خونبار چشم … اور تو ہم سے خفا ہے حیف ہو کر چار چشم

ہیہات گر کے ہم نہ اُٹھے پھر زمین سے … مانندِ نقشِ پا ترے کوچے میں مر مٹے

رفیق

رفیق شیخ الٰہی بخش رفیق مرحوم خلفِ سالار بخش متوطنِ میرٹھ مقیم لاہور پنجاب کے شعراء میں نامور گذرے ہیں انکا کلام مشاعرہ دارالعلوم پنجاب کے رسالوں میں اکثر شائع ہوا کرتا تھا اور فی الواقع طباع او نکتہ سنج بزرگ تھے میر مہدی حسن فراغ کو شروع میں غزل دکھاتے تھے، پھر مولانا آزاد دہلوی سے فیضیاب ہوئے، ۱۸۶۱ء سالِ پیدائش تھا ۱۹۲۸ء کے قریب انتقال کیا، تاراچند تارا انکے شاگرد نے انکا دیوان طبع کرا دیا ہے، کلام منتخب ملاحظہ ہو

فریفتہ ہیں جو مرغانِ دل نگہ پہ تری … گرا دے تیر نگہ سے شکار بیٹھے ہیں

مدتوں رہ چکے آوارہ صحرائے فنا … اب وطن چلکے ہم اے اہلِ وطن دیکھتے ہیں

خودنمائی اُنھیں منظور نظر ہے ایسی — پہروں آئینے میں آپ اپنی چھبی دیکھتے ہیں
آنکل تو بھی کبھی جانب دشت اے لیلیٰ — آکے پہروں ترے مجنوں کو ہرن دیکھتے ہیں

اٹھی اونچے وہ پھر نیچی نظر آہستہ آہستہ — جہاں ہونے لگا زیر و زبر آہستہ آہستہ
ہوا ہے مہرباں بیداد گر آہستہ آہستہ — کیا پیدا محبت نے اثر آہستہ آہستہ

رفیق

آرزو دل کی بر آتی ہے دعا سے پہلے — مینہ برستا ہے مرے گھر میں گھٹا سے پہلے
اب تو خنجر ترا اک اک کو ہے کرتا سیراب — تشنہ لب سینکڑوں مرجاتے تھے پیاسے پہلے
میں بھی گلشن میں کوئی نالہ کروں یا نہ کروں — پوچھ لوں بلبلِ بے برگ و نوا سے پہلے
پھر کوئی جان نگاہوں سے سلامت لیجائے — دِل بچا لیوے تری ناز و ادا سے پہلے
ہے دلِ زار چراغِ سحری کا عالم — خود بخود گُل ہوا جاتا ہے ہوا سے پہلے
جب دعا کی کبھی اے تیغ نگاہِ قاتل — خیر مانگی ہے ترے دم کی خدا سے پہلے
اے گلو بند نظر ہے جو لباسِ رنگیں — رنگ دے لوں اسے خونِ شہدا سے پہلے

روبرو تو اگر آئینہ صفت آ بیٹھے — بنکے تصویر ترا محو تماشا بیٹھے
شوخیٔ چشم سے کہتی ہے نگہ اُس بت کی — کوئی آرام سے بندہ نہ خدا کا بیٹھے
دیکھ آئے ہم چھپے ہیں دیکھا نہ غیر نے — کوچے میں تیرے جب گئے مثلِ صبا گئے

رفیق

رفیق منشی ابن علی صاحب رفیق خلف مولوی فرزند علی متوطنِ قصبہ ہاپوڑ ضلع میرٹھ، آپکا سنِ ولادت ۱۸۸۵ء ہے، اوائل عمری کا زمانہ اپنے بھائی منشی نصیب علی مرحوم مجسٹریٹ رامپور کے پاس رامپور میں بسر کیا اور وہیں ہوش سنبھال کر ملازمت بھی اختیار کی، ابتدائے سن شعور ہی سے مذاق سخن کا ذوق تھا، رامپور میں شعر و سخن کی گرم بازاری نے اِنکے شوق کو اور بھی چمکا دیا، جب طبیعت اِس طرف مائل ہوئی تو حضرت امیر مینائی مرحوم و مغفور کے خرمنِ کمال کی خوشہ چینی کرنے لگے اُنکے انتقال کے بعد حضرت رازؔ رامپوری کی طرف رجوع کیا۔ آپ بزمانۂ قیام رامپور ریاست کے مشاعروں میں اکثر دادِ سخن دیتے رہے اُسکے بعد امین جاکر کلا

کو دنیا کی ملازمت کی، اب ہاپوڑ میں مجسٹریٹ ضلع کے ہاں اہلمد ہیں، تھوڑا عرصہ ہوا کہ آپ نے میرٹھ میں آکر ایک اخبار جاری کیا تھا جو کچھ عرصہ چلکر بند ہو گیا یہاں کے قیام میں بزم [illegible] کے ماہواری مشاعروں میں شریک ہوتے رہے، ہاپوڑ میں اپنے اہتمام سے سالانہ ایک بزم مشاعرہ کا انعقاد کر رکھا ہے، آپکے کلام میں سادگی کے پہلو بہ پہلو شوخی بھی نمایاں ہے زبان میں چٹپٹا ہے اور روزمرہ صاف ہے، اکثر چھوٹی بحروں میں معنی خیز شعر نکال لیتے ہیں اشعار ذیل انکی رنگینی طبع پر دال ہیں۔

تسلی اسنے جو دی اور دل فگار ہوا
ہر بات میں ذکر ہے عدو کا
مکھ چاکِ جگر میں دل کے ٹکڑے
ٹوٹا نہ عصائے محتسب سے
منہ موڑ کے کیوں چلی تری تیغ
بجلی کرے شراب واعظ
دِل کو بھی ہمارے ہم سے کھویا
رحم اس بیرحم کا آخر ادا ہو گیا
کیا بگڑ بنیکو ہی نقشہ وصل کی تدبیر کا
آگئے جب وہ رفیق مبتلا کے سامنے
دیکھتے ہیں داغِ دِل خارِ تمنا چھوڑ کر
اللہ اللہ کسقدر رہے انکو پردے کا خیال
آنکھیں ملیں لحد سے محبت کے جوش میں
دنیا کے گرم و سرد سے چھوٹے نہ بعد مرگ
اٹھیں کہیں نہ تھا اک حجاب اول اول

ہمارے زخم کی قسمت میں اندمال نہ تھا
یہ ڈھنگ نیا ہے گفتگو کا
تب لطف ہے بخیہ گر رفو کا
کام آیا لیا دیا سبو کا ++
چکھنا تھا مزا مرے لہو کا
پانی اِس میں مِلا وضو کا
ہو خانہ خراب آرزو کا
دامنِ قاتل مرے زخموں کا پھاہا ہو گیا
نامرادی پوچھتی ہے گھر مری تقدیر کا
آہ بھر کر گر پڑا آنسو بہا کر رہ گیا
پھول وہ آنکھوں سے چن لیتے ہیں کانٹا چھوڑ کر
میری نظروں میں رہے آنکھوں کا پردہ چھوڑ کر
نرگس کے پھول اُس نے چڑھائے مزار پر
رہتی ہے دھوپ چھاؤں ہمارے مزار پر
پڑی بھی اٹھی بھی نقاب اول اول

رحم تجھکو مجھے موت آئے یہ ممکن ہی نہیں
بسمل ہے زمانے میں تمنائے قاتل

دیکھنے والو شہادت تمھیں دینا ہوگی
قتل کے بعد مکر جائے گا میرا قاتل

دل بھی تیرا ہے جگر بھی ترا ایں بھی تیرا
جو تجھے چاہیئے وہ شوق سے لیجا قاتل

عمر ہوگی بسر مصیبت میں
یہی لکھا ہوا ہے قسمت میں

جب توجہ ذرا ادھر ہوگی
بات دل کی زبان پر ہوگی

مر مٹیں گے جو آنکھ ادھر ہوگی
چلتا جادو تری نظر ہوگی

دشمنی ہو کہ دوستی کچھ ہو
لطف دیگی جو وقت پر ہوگی

تیری تصویر بھی ہے ہرجائی
ایک گھر کیا ہزار گھر ہوگی

کیجئے صبر دل بھی دیدیں گے
آپ کی ضد یہی اگر ہوگی

حسن کی لوٹ آئینہ سے پوچھ
ساری دولت اسی کے گھر ہوگی

بہ چلے سوزِ عشق سے آنسو
کیا دھرا ہے جو آنکھ تر ہوگی

نگہِ شوق بوسے شوق سے لے
سونے والے کو کیا خبر ہوگی

پھر لہو چشمِ تر سے جاری ہے
موجِ خون آستیں ہماری ہے

ملتی جلتی ہے ان کی شوخی سے
قابلِ قدر بے قراری ہے

آمدِ دم نزع ہے کسیکی
ہی عمرِ درازِ زندگی کی

سینے میں بجائے دل ہے پیکاں
دل لیکے یہ سینے لدی کی

گر پڑا ہاتھوں تک آکر میرے ساغر دیکھئے
بدنصیبی دیکھئے پھوٹا مقدر دیکھئے

بیٹھکر پہلو میں میرے وہ یہ کہکر اٹھ گئے
اس طرح بنتا بگڑتا ہے مقدر دیکھئے

غرض ہی کیا تھی جو کروٹ ادھر نظر لیتی
بلا میں ڈالکر اسکی بلا خبر لیتی

خوشی رقیب ہی کے پاس پاس رہتی ہے
کبھی تو آکے ادھر بھی مری خبر لیتی

اشک ہے مژگاں پہ روشن چشمِ تر کے سامنے
ہے ہماری آنکھ کا تارا نظر کے سامنے

خوشی بنکر مرے پھولوں میں آئے
گئے بو کی طرح بزمِ عزا سے

سہمے سہمے پہ سبک ابھی دہرائی ہے — آج قبضہ میں مرے جلوۂ ہرجائی ہے
آج ہاتھوں میں تری مدد کی بو آتی ہے — میں نمانوں گا کبھی چوٹ کہیں کھائی ہے
قدرداں بعد مرے گئے نہ پایا کوئی — میرے مرنے کی خوشی آپکے گھر آئی ہے
کیوں نہ آنکھوں میں جگہ دوں شب وصل آئے — مدتوں کی میری کھوئی ہوئی نیند آئی ہے
تابعِ حکم ہے چلتی ہوا اشاروں پہ مرے — جب بلایا ہے تو آنکھوں سے حیا آئی ہے

قطعہ بہ تصویر جانان

بولتی کیوں نہیں بھلا تصویر — نہیں رکھتی زبان کیا تصویر
ہنس کے تو بجلیاں گرا مجھ پر — ہاں رلا مجکو آج ہنس ہنسکر
میرے قابو میں اور یہ بیداد — نقش دیوار اور ستم ایجاد
ہاں خدا کے لیئے زباں تو کھول — میرے سر کی قسم تجھے کچھ بول
ہائے یہ خوشنما تری زلفیں — ہائے یہ دلربا تری زلفیں
نرگسیں چشم پر نثار غزال — ابروؤں پر فدا ہزار ہلال
میری باتوں کا کچھ جواب تو دے — اِس خموشی کا ماجرا تو کھلے
بے زبانی میں تیری سو باتیں — خامشی میں ہزار ہا گھاتیں۔

رفیق

رفیق۔ ابوالبرکات مولوی حبیب اللہ صاحب عرف آغا رفیق خلف حاجی مولوی احمد اللہ صاحب بلندشہر کے رہنے والے حضرت داغ دہلوی کے شاگرد، ابتدائی عربی فارسی کی تعلیم اپنے والد ماجد سے پائی۔ عربی کا سارٹیفکیٹ مدرسۂ مسجد فتحپوری دہلی سے حاصل کیا، طب کی تعلیم بھی پائی ہے، عربی میں اچھی استعداد اور لیاقت رکھتے ہیں، فلسفۂ مشرق ومغرب سے کمال شوق ہے نثر کے مضمون خوب لکھتے ہیں جو مشہور رسائل میں شائع ہوتے ہیں۔ شعرگوئی میں نیچرل رنگ زیادہ پسند ہے عشقیہ بھی کہتے ہیں اور خاصہ کہتے ہیں، اساتذہ دہلی کے بہت مداح ہیں۔ استادِ مرحوم کو بہت یاد کرتے رہتے ہیں اب ہاپوڑ میں رہتے ہیں، یہ انکا کلام ہے

غیر پر اپنا اثر پیدا کیا — جان دے کر یہ ہنر پیدا کیا

خالی نہیں رفیق کی دیوانگی کا راز	بیساختہ وہ دیکھ کے اُن سے لپٹ گیا
جو گذر جائے دم غنیمت ہے	کیا بھروسا ہے زندگانی کا
در پہ سائل کھڑے ہیں عرصہ سے	صدقہ اللہ کچھ جوانی کا
کہیں آپ سے کہیں کہ جفا آشنا ہیں آپ	بس دل ہی جانتا ہے خدا جانے کیا ہیں آپ
ہوا ہے جذبِ محبت تری الٹی تاثیر	آج کس شوق سے وہ غیر کے گھر جاتے ہیں
غضب کی سادگی ہے بانکپن ہے جس پہ لدا ہوا	خدایا خیر دل کی اُنکے ایامِ جوانی ہیں
نہ اتفاق کو چھوڑینگے ہاتھ سے ہرگز	خدا خدا نہ سہی رام رام کریں گے
متاعِ دل کا خریدار گر نہیں ملتا	ہم اُونے پونے بس اب سکے دام کریں گے
خدا کو مان بھی واعظ وہ چاند سی تصویر	ہمارے خانۂ دل سے بھلا نکلتی ہے
پاؤں پڑتا ہے جہاں مجنوں کا نوک خار پر	کہتی ہے لیلیٰ کہ یہ کانٹا بھی میرے دل میں ہے
میرا دل لیکر مکرنا رنگ لائے گا ضرور	جھوٹ بوگے وہاں بھی کیا خدا کے سامنے

رفیق - جناب شیخ ملک قادر بخش صاحب منشی دفتر انسپکٹر جنرل رجسٹریشن حیدرآباد دکن تلمیذ حضرت سلام - حالاتِ زندگی نہیں ملے، کچھ اشعار انتخاب ہوکر درج ہیں -

میں آرزوئے خنجر قاتل میں رہ گیا	ارمان دل کا ہائے مرے دل میں رہ گیا
بعدِ فنا لحد نے دی آغوش میں جگہ	لیلیٰ کی طرح قیس بھی محمل میں رہ گیا
مدِ نظر نظارۂ عالم ہے رات دن	دیکھو سمٹ کے سارا جہاں تلِ میں رہ گیا
اب خونِ بے گناہ سے مکریگا کس طرح	دھبّہ لہو کا دامنِ قاتل میں رہ گیا
ہزاروں تیر ہیں پیوست دامنِ دل میں	غضب میں پڑ گئے آنکھیں لڑا کے یار سے ہم
رہینگی خاک میں بیتابیاں نہ دل کی کبھی	مثالِ برق نکل جائینگے مزار سے ہم

رفیق صاحبزادہ محمد رفیق خان برادر نواب صاحب بہادر والیٔ ٹونک نواب صاحب کے سب سے چھوٹے حقیقی بھائی ہیں تعلیم و تربیت بنارس میں پائی تھی اپنے والد کے آخر عمر تک

کہتے اس سے عرصے سے عزلت گزیں ہیں چہ سات ہزار کی جاگیر ہی ہے۔

بہت ڈھونڈے میں ہم نے نہ دیکھا آپ سا کوئی
ہمیشہ سے ہیں ہم بھی صورت دیکھنے والے

چھپائے لاکھ دل میں پر چھپائے سے نہیں چھپتی
ذرا میں تاڑ جاتے ہیں محبت دیکھنے والے

رفیق **رفیق** مولوی عبدالمجید رامپوری نائب سررشتہ دار عدالت عینی گڈھ شاگرد آغا غمی، فارسی آغا محمد یوسف علی ایرانی سے تحصیل کی تھی اور اس زبان میں ملکہ راسخہ حاصل ہے، خوش فکر موزوں طبع شخص ہیں عمر ۵۰ سال سے متجاوز ہے۔

رخسار سے ہٹاؤگے زلفوں کے بال کب
دینگے اذان صبح کی حضرت بلال کب

ڈر ڈر کے پوچھتا ہوں میں قاتل سے اے رفیق
زخم جگر کو ہوگا میرے اندمال کب

شرم سے کرتے ہو کیوں نیچی نظر وصل کی رات
کون ہے میرے سوا کس کا ہے ڈر وصل کی رات

قتل ہو کر بھی کہاں جاتی ہے روح
خنجر قاتل سے دم پانی ہے روح

کھلا گل انگلیوں سے اسکی شمع طور کا یہ تو
کہ شعلہ کی طرح دل ہو گیا فی النار چٹکی میں

جمائی لینے سے اسکے چمن میں تازہ گل پھولے
بنا دے پھول غنچے کو وہ گل رخسار چٹکی میں

رفیق **رفیق** حافظ محمد رفیق صاحب باشندۂ صوبہ بہار شاگرد حضرت کوثر خیرآبادی جو مشاعرہ سید ظفر نواب صاحب کی کوٹھی نواب منزل گیا میں ہوا اس میں جو غزل پڑھی اُس کے چند اشعار درج ہیں ؎

تاثیر شوق طالب دیدار دیکھنا
خود دیکھنے کو آئیگا اے یار دیکھنا

زاہد خیالِ حور بھلا دے تو کیا عجب
ہنسکر کسی حسین کا اے یار دیکھنا

چھپتی نہیں نگاہِ محبت کسی طرح
رسوا کرے گا یہ مرا ہر بار دیکھنا

رقت **رقت** مرزا قاسم علی رقت انکے بزرگ عراق اور مشہد کے رہنے والے تھے اور قوم کے مغل الکابلے مولد شاہجہاں آباد تھا لیکن یہ فیض آباد میں سن تمیز کو پہنچے اور جوانی لکھنو میں گزاری صاحب دیوان تھے، پہلے حسرت اور پھر جرأت کے تلمذ سے فیضیاب ہوئے، تذکرہ شوق

میں انکا ذکر اور کلام نظر سے گزرا، یہ چند شعر انکے ہیں - ایک دوسرے تذکرہ میں

لباسِ سرخ جب سے تونے ہے اے گلبدن پہنا
ہر اک عاشق نے نقل از مرگ ... کفن پہنا

چمکتی تھی کلائی تو جبہ سے تعویذ کے پیارے
نزاکت کا یہ عالم ہے کہ تونے نورتن پہنا

اُس طرف وہ ہاتھ سے دامن چھڑا جانے لگا
اِس طرف چاکِ گریباں پاؤں پھیلانے لگا

ہوش کی اپنے خبر لے تجکو رقت کیا ہوا
اُسکے جاتے ہی تجھے کیا غش پہ غش آنے لگا

ہاتھ اُس سینہ پہ مَیں از راہِ نسیاں رکھدیا
بدگماں لوگوں نے کچھ کچھ مجھپہ بہتاں رکھدیا

گر گیا تھا آنکھ میں کچھ میری میں رونا نہ تھا
مجھپہ یہ ناحق پیارے تم نے طوفاں رکھدیا

یار کی مژگاں نے منہ پھیرا جو میرے قتل سے
اُسکے آگے تیر کا اک میں نے پیکاں رکھدیا

کہتے ہیں جدول کلام اللہ کا خط کو ترے
نام اُس کافر کا یہ کس نے مسلماں رکھدیا

خط وہ بھیجے رقیب کا لکھا
یہ بھی اپنے نصیب کا لکھا

ہمارے سامنے مت ابر بار بار برس
جو ہمسے ہو سکے تجھسے نہو ہزار برس

پھنس گیا یہ آپسے اُسنے تو لپٹایا نہیں
ہے گناہ دل عزیزو کچھ نہیں تقصیرِ زلف

بے پریشاں دل کی اپنے اب خبر رقت ذرا
بے طرح اب ہوگئی ہے اسکو کچھ تاثیرِ زلف

ہے دلِ بیتاب میرا خصم جاں زیر بغل
وہ مثل مجھ پر ہوئی دشمن کہاں زیر بغل

قطعہ

دیا اک بوسہ پنہاں اُسنے ہمسے رات لیکر دل
سو ہم بھی یہ سمجھتے ہیں حسابِ دوستاں در دل

تجھے پہلو میں پالا تھا اسی خاطر اسی خاطر
کیا رسوا مجھے تونے ستمگر او ستمگر دل

یہی کل بیٹھے بیٹھے آئی میرے جی میں اے رقت
کہ دل اٹھوں نہیں مجھسے گیا ہے آہ ملکر دل

گیا جو کوچۂ دلبر میں وہاں اور ہی تماشا تھا
پڑے تھے سینکڑوں ہی سا چاک خوں میں لپٹا

لگا کرنے تجسس میں تو دیکھا ایک گوشے میں
پڑا ہے گا بصد غربت مرا بھی زار و مضطر دل

لگا حسرت سے مجکو دیکھنے وہ اور میں اُسکو
دل من گریہ بر من کرد و من ہم گریہ با بر دل

دو آنے اُس پہ سب نادان و دانشمند ہوتے ہیں
یہ عالم اُس کا دیکھا ہے کہ رکتے بند ہوتے ہیں

میں ہی بیتاب سامنے وہ ہوا جائے کہاں — محسن آخر ہوا اُس کا پتہ جائے کہاں

یہ کس کا رقص دیکھ آیا دلا تو — کہ بیٹھا زندگی سے ہاتھ اٹھا تو

نشانی غیر کو دی ہے تو پہلے — نشانِ زندگی میرا مٹا تو

تو نہیں دیتا گلے سے مگر چھاتی پہ ہاتھ — اس لئے غم سے چلا جاؤ گا دھر چھاتی پہ ہاتھ

چھٹ جائے کسی سے نہ ملاقات کسی کی — اللہ بگاڑے نہ بنی بات کسی کی

آنکھوں میں ہی سُکے نے سرمہ نہیں دیا ہے — کہتے ہو تم جو یار و ناحق کا طوطیا ہے

دیوار گلزار کا سایہ مگر پڑا ہے — زاہد بتا تو مجھکو طوبیٰ ہیں شاخ کیا ہی

رقت — **رقت** مولوی حافظ حبیب النبی تلمیذ رحمت، تذکرۂ قاضی خلیل سے کلام لیا گیا۔

مثلِ حباب کھولتے ہی آنکھ تھی فنا — ہمکو دمِ نخست دمِ واپسیں ہوا

آئے گر رُو برو شبِ ہجراں — صبح کر دینگے داغِ روشن سے

اپنی آنکھوں سے پا نگہ سے تری — سینے میں پڑ گئے ہیں روزن سے

رقت — **رقت** مولوی حبیب الٰہی رقت مرحوم معاون مدرسۂ عالیہ کلکتہ باشندۂ رامپور سنہ ۱۲۶۱ھ میں ۵۳ برس کی عمر میں انتقال کیا۔ یہ انکی طبع موزوں کا نتیجہ ہے ٭

دوسرے کا سوگ کیجے ایک کا غم ہو چکا — اب جگر کو رویئے دل کا تو ماتم ہو چکا

ہم تو گل کھا کے موئے اور وہاں غیروں کو — جاتے ہیں اتبلک اپنے اسی معمول پہ پھول

اپنی تربت پہ نہیں مارتا پتھر کوئی — چڑھتے ہونگے کسی اللہ کے مقبول کے پھول

زندگی گر عذاب ہے تجھ بن — موت بھی تو خراب ہے تجھ بن

رقت — **رقت** سید علی محمد خلف سید غلام محمد شاگرد سید شبیر علی اسد باشندۂ جالندھر۔ اوائل عمر ہی سے مذاقِ سخن طبیعت میں ہے۔ بزرگوں اور قادر الکلاموں کی صحبت سے فیضیاب ہونیکے شوقین ہیں، نوعمر اور نومشق شاعر ہیں، تقریباً چوبیس پچیس برس کا سن ہے۔ آپ گورنمنٹ پریس شملہ میں کلرک ہیں۔ نمونۂ کلام یہ ہے۔

کیونکر نہ اشتیاق ہو ابرو کی دید کا
رمضاں کے بعد چاند یہ نکلا ہے عید کا

چھوٹی جو میں نے خواب میں اسکے نماز کی
بے کل رہی صنم کی کلائی تمام رات

جذبۂ شوق تو ہی کھینچ کے لادے انکو
ورنہ مر جائینگے ہم انکو خبر ہونے تک

قطرۂ آب تھا اللہ جو چاہے کردے
پہلے کیا تھا کوئی پوچھے یہ گہر ہونے تک

روتا ہوں یاد عارضِ گلرنگِ یار میں
لالہ کے گل پروتا ہوں اشکوں کے تار میں

نکلی ہماری روح جو فصلِ بہار میں
بوُ ہو کے رہگئی ترے پھولوں کے ہار میں

اُس شعلہ رُو کے عکس کی تاثیر دیکھنا
چھالے سے پڑ گئے کفِ آئینہ دار میں

چھپکر کدھر کو جاؤگے میدانِ حشر میں
پہچان لونگا تمکو تو سو کیا ہزار میں

شرارت کے یہ معنی ہیں شرارت اسکو کہتے ہیں
ہمارے چھیڑنے کو وہ عدو کا نام لیتے ہیں

مژدۂ فصلِ بہاری ہے صبا لائی ہوئی
پھرتی ہے بلبل جو اک اک گل پہ اترائی ہوئی

رقم حکمت مآب فضائل اکتساب صاحب پایۂ ارجمند حکیم سکھانند رقم کالیتھہ باشندۂ دہلی محلۂ دھرم پورہ میں سراؤگیوں کے بڑے مندر کے قریب رہتے تھے، فضیلت علمی کے ساتھ شعر بھی عمدہ کہتے تھے طبابت میں وحید العصر اور فن شعر میں شاہ نصیر مرحوم کی شاگردی سے بہرہ ور تھے۔ مرض کی تشخیص کا یہ عالم تھا کہ صورت دیکھکر مرض کو دریافت کر لیتے تھے آیام ضیعفی تک اپنی اوقات فارغ البالی اور مرفعہ الحالی سے بسر کرتے رہے انکو علم نجوم اور رمل میں بھی عمدہ مہارت تھی، اور اس فن کو حکیم مومن خان مرحوم سے کسب کیا تھا کتب درسیہ فارسی وعربی مختلف استادوں سے پڑھیں، اور مدت تک طالبانِ کمال کو پڑھائیں حق پسند و حق شناس تھے، سراپا کمال وجاہت ظاہری و باطنی سے بہرہ ور تھے، وضع ایسی رکھتے تھے کہ خاص و عام کی نظروں میں آداب احترام قائم کرتی تھی۔ ہمیشہ خوش پوشاک خوش لباس رہتے، اور اس میں سدا ایک ہی وضع کی پابندی کی۔ ان کمالات پر مزاج میں مسکینی وغربت بدرجۂ کمال تھی، اور حلیم الطبعی وسلیم المزاجی بعبارۂ

ملنساری و خوش اخلاقی میں یگانۂ آفاق تھے، لوگوں سے سُنا ہے کہ عنفوان شباب میں اُنکا یہ حال تھا کہ غیر ایسی صورت دیکھ نہ سکتے تھے خود بھی شکیل تھے اور حسینوں کو چشم محبت سے دیکھتے متانت کے ساتھ مزاج میں ظرافت بھی تھی اور خوش طبعی سے اہل انجمن اہل مجلس کے دلوں میں گھر کر لیتے تھے، ہر فرد بشر کے ساتھ نہایت خلوص سے پیش آتے جو لوگ انکی صحبتوں کا لطف اُٹھائے ہوئے ہیں وہ ابتک اُن کو یاد کرتے ہیں، بعد ایام غدر بسبب دل شکنی و مایوسی اُمور دنیوی سے دست بردار ہو گئے، خانہ نشینی اختیار کی تھی البتہ مطب جاری تھا، المختصر تر یسٹھ برس کئی مہینے زندگانی بسر کرکے ۱۲۸۵ھ میں انتقال کیا، فارسی اُردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے، دیوان تو غدر میں تلف ہوا مگر صدہا متفرق کاغذات پر غزلیات واقسام کلام سے شعر انکے بیٹے کے پاس موجود تھے، انکے پوتے حکیم امیر سنگھ جو مدرسہ طبیۂ دہلی کے پہلے ہندو سند یافتہ اور حکیم حاذق الملک عبد المجیدخاں کے رشید تلامذہ میں سے ہیں اب آبائی مطب کے جانشین ہیں۔ یہ چند اشعار انکے نتائج افکار سے ہیں۔

جہاں میں کونسا ہمکو ہنر نہیں آتا — لگا کے دِل کا چھڑانا مگر نہیں آتا
بجھانا آتشِ دل کا بھی کچھ حقیقت ہے — ذرا سا کام تجھے چشمِ تر نہیں آتا
عدم سے کوچۂ قاتل کی راہ ملحق ہے — گیا ادھر جو گذر پھر ادھر نہیں آتا
یہ لاغری نے سکھایا کہ جسمِ زار مرا — اجل کو بسترِ غم پر نظر نہیں آتا
ہو خاک چارہ گری اُس مریض کی تیرے — نظر میں تجھ سا کوئی چارہ گر نہیں آتا
سرِ مزارِ شہیدانِ شوخِ آہو چشم — رقم طواف کو کب شیر نر نہیں آتا
دھوکے میں ہے نظر تنِ لاغر کو دیکھکر — سو بار خالی پھر گئی بستر کو دیکھکر
رخ پر بٹھائے کان کے گوہر کو دیکھکر — حیراں ہے خلق ماہ پہ اختر کو دیکھکر
بے دیکھے دیکھتا ہوں نیا داغ دیکھنا — کیا جانے حال کیا ہو ستمگر کو دیکھکر

سیماب ہمسری کرے کیا بلکہ برق بھی
مانگے ہے الامان دلِ مضطر کو دیکھکر

کیونکر نہ سر بزانو ہوں غیرت سے رشکِ حور
زانو پہ تیرے غیر کے ہم سر کو دیکھکر

اِس تشنہ لب کو شوقِ شہادت ہے یا ملک
ترسے ہے آبداری خنجر کو دیکھکر

نہ تو زور ہے مجھ میں جو دیکھوں اُسے نہیں زر ہے جو پاس بُلاؤں اُسے
کہو کیونکہ میں راہ پہ لاؤں اُسے کوئی ملنے کی اُس سے تو راہ ہی نہیں

مرے درد کی تجکو ہو کیونکہ خبر مرے آہ کا دل پہ ہو کیونکہ اثر
تری عیش میں گذری ہے رشکِ قمر کبھی عشق سے کام پڑا ہی نہیں

کبھی گھر سے نکل مرے ماہ لقا ذرا عاشقِ زار کے پاس تو آ
مرے حال کو دیکھ ہوا ہے یہ کیا مرے مرنے میں کچھ تو رہا ہی نہیں

مری نبض کو دیکھ طبیب بہم لگے مل کے یوں کہنے برنج و الم
ناحق کو دوائیں کرو ہو قمر میاں ایسا مریض سُنا ہی نہیں

مجھے لاکھ جلا مجھے لاکھ ستا ترے در سے ہٹوں گا نہ میں بخدا
رہوں پٹ سے لپٹ کے میں تیرے کھڑا کبھی ہٹنے میں اپنی بِنا ہی نہیں

وفورِ شوق میں رُخ کے لئے وہاں کے لیئے
نہیں تمیز کہ بوسے کہاں کہاں کے لیئے

ہچکیوں نے بھی مری یاد دلائی نہ انہیں
نام سب سب کا لیا نام مرا بھول گئے

بیٹھے گئے ہمکو جو بوسے تو عجب لُطف اُٹھا
بھولنا یاد رہا یاد جو تھا بھول گئے

مدعا غیر کا چاہا تری چاہت کے سبب
مانگنی اپنے خدا سے بھی دعا بھول گئے

اپنے غش آنیکے صدقے ہوں کہ اُنسے بے مہر
ایسے گھبرائے حواس ہوش رہا بھول گئے

سچ ہے نسیان و خطا سے ہے مرکب انسان
باعثِ فکر بتاں ذکرِ خدا بھول گئے

دل کی جب یاد دلاتا ہوں تو کہتے ہیں قمر
گم ہوا، کھو گیا، یا جاتا رہا بھول گئے

رقیب منشی محمد ظہیر حسن مدرس بہیر اقصبہ ضلع فتحپور سنہ ۱۸۹۳ء کے نتائج افکار کا خلاصہ رقیب

درج ذیل ہے ؂

بنا یہ سبح وزنار میں رشتہ ہوا کیوں ہے — مرے دلکو تمنائے بتان بیوفا کیوں ہے
تصور روئے جاناں کا ہی ہر دم کعبۂ دل میں — پریشاں طائر دل صورت قبلہ نما کیوں ہے
مصلے پر تو بیٹھا ہے نظر ہے ماہرویوں پر — بتا اے زاہد مکار دل میں یہ ریا کیوں ہے
خدا کو ہمنے جب ڈھونڈا تو پایا خانۂ دل میں — پریشاں جستجو میں اسکی پھر خلق خدا کیوں ہے

زرکن ۔ منشی سید غلام نبی، منشی عابد علی کوثر خیر آبادی سے تلمذ ہے اور یہ کلام کا خلاصہ ہے

ڈھلی ہے کج ساقی کی دوکاں پر — گھٹائیں آگئی ہیں آسماں پر
امید و یاس میں جھگڑے پڑے ہیں — فقط انصاف ہے اب انکی ہاں پر
طلب آئینۂ رخ پر تصدق — عدن صدقے لب گوہر فشاں پر
اٹھے کس طرح بار زندگانی — گراں ہے جسم جان ناتواں پر
کوئی دیکھے یہ واعظ تو نہیں ہے — چھپائے منہ کھڑا ہے کی دوکاں پہ

رمز دہلوی، مرشدزادۂ آفاق صاحبعالم و عالمیاں مرزا فخرالدین فتح الملک بہادر رمز معروف بہ میرزا فخرو ولیعہد دوئم حضرت ظل سبحانی بہادر شاہ ثانی، صاحبعالم کی شادی اپنے حقیقی چچا میرزا جہانگیر کی لڑکی سے ہوئی تھی۔ مرزا ابوبکر مرحوم جو غدر میں مارے گئے انہیں کے بطن سے تھے ۱۲۶۹ھ میں ولیعہد ہوئے "چراغ دنیا" مادۂ تاریخ نواب ضیاءالدین خان نیر رخشاں نے نکالا، حضرت رمز کی اوّل تو شاہی زبان اسپر خاقانی ہند شیخ ابراہیم ذوق کی شاگردی کا طرہ خود ہی گویا ہے کہ انکا کلام کس درجہ فصیح و بلیغ ہوگا، انکے اشعار میں عجب لطف انگیز چوچلا ہے، میٹھی میٹھی باتوں سے چٹکیاں لینا اشاروں ہی اشاروں اور رمز کنایوں میں مطلب ادا کرنا انہی کا کام ہے، کیوں نہو پیدایش کہاں کی تھی، تربیت کہاں اور کن بزرگوں کے زیر نظر پائی تھی؟ اس شاہجہاں آباد کے قلعۂ معلی میں جو ہمیشہ سے زبان اردو کا مولد اور ملجا رہا تھا جہاں کی زبان ہر ایک شہر

دربار میں مستند سمجھی جاتی تھی عجب طبیعت تھی اور غضب کی رسائی تھی، خاندان تیموریہ کے چشم و چراغ اور سپہر سلطنت کے درخشاں مہتاب تھے، سرکار انگلشیہ نے آپکو ہی ولی عہدی کو تسلیم کر کے خاص عہدنامہ کر لیا تھا جس سے مشرح اور واضح طور پر یہ تعین ہوگیا تھا کہ بعد وفات بہادر شاہ یہی اُنکے جانشین قرار پائیں گے مگر مرضی پروردگار یوں نہ تھی چالیس برس کی عمر پاکر ۱۰ جولائی ۱۸۵۶ء کو مرض ہیضہ میں مبتلا ہو کر راہی ملک بقا ہوئے "کبتہ مرزا فتح الملک ولیعہد" تاریخ وفات ہے دیوان مرتب ہوگیا تھا، مگر غدر میں تباہ ہوگیا، ایک مثنوی خوب لکھی تھی جو میرے کتبخانے میں موجود تھی مگر اتفاق سے تلف ہوگئی- ایک واسوخت جو غدر سے پیشتر چھپا تھا میرے پاس ابتک موجود ہے بڑی تلاش سے چند غزلیں ملیں جو ہدیۂ ناظرین کیجاتی ہیں، مرزا خورشید عالم اور مرزا فرخندہ جمال آپکے بیٹے دہلی میں رہتے ہیں اور راقم تذکرہ سے عنایت فرماتے ہیں، مرزا خورشید عالم بہادر خود بھی فکر سخن فرماتے تھے افسوس کہ ستر برس کی عمر پاکر ۱۷ دسمبر ۱۹۱۴ء میں بمقام رامپور انتقال فرما گئے، اُنکی وفات سے گویا خاندان تیموریہ کی رہی سہی وقعت جاتی رہی-

دل مرے سینے میں یہ کوئی ستم پیدا ہوا
جب سے دل پیدا ہوا ساتھ اُسکے غم پیدا ہوا

دل میں آتی ہے نظر اپنے مجھے تصویر یار
کیا تماشا ہے کہ کعبہ میں صنم پیدا ہوا

ہے میرا سینہ کہ یارب کوئی دار الضرب عشق
داغ جو پیدا ہوا شکلِ درم پیدا ہوا

اپنی صورت آئینہ میں دیکھکر کہتا ہے وہ
کوئی دنیا میں حسین مجھسا بھی کم پیدا ہوا

مجھ سے کی پہلو تہی بیدرد نے جس روز سے
درد پہلو میں ہمارے دمبدم پیدا ہوا

دیکھتے ہیں سارے عالم کا تماشا دل میں ہم
ساغر دل اپنا رشکِ جامِ جم پیدا ہوا

میں وہ مجنوں ہوں کہ جسکے باغ جنت میں بھی گر
خار صحرائے جنوں زیر قدم پیدا ہوا

کیا قتل ظالم نے کس کس ادا سے
ملا مجھکو قسمت سے جلاد اچھا

آنکھیں تو اُسکو دیکھ کے ہوتی ہیں بیقرار
بن دیکھے دل تڑپنے لگا اسکو کیا ہوا

سب کچھ آساں ہے تجھے گردشِ دوراں کرنا
ایک مشکل مری مشکل کا ہے آسان کرنا

تھا شوقِ تماشا جب ہے تیرے روئے نیکو کا — نہیں قابو میں ہوں رُکتے نہ دل ہو کیپر قابو کا
ڈھونڈھ گے جان کو بھی محبت کی راہ میں — پھرتے ہو رمزِ دل کی ابھی جستجو میں کیا

طرزِ رفتار نے تری ظالم — رفتہ رفتہ مجھے تمام کیا
میں جو رسوائے زمانہ ہو گیا — اسکی شہرت کا بہانہ ہو گیا
جا پڑے ہم کوچۂ جاناں میں رمزؔ — ہائے اپنا بھی ٹھکانا ہو گیا

دلِ بیتاب ہو کیا تجھ سے رفاقت کی اُمید — کوئی ہوتا ہے بُرے وقت میں جو تو ہوگا

بل کچھ ایسا کاکلِ خمدار میں پیدا ہوا — پیچ و تاب اپنے دلِ بیمار میں پیدا ہوا
کٹ گئے دن رنج و غم کے بلکہ ساری عمر کے — کاٹ یہ اچھا تری تلوار میں پیدا ہوا
واہ وا کیا کیا ترے ہر گام پر محشر خرام — فتنہ تازہ اک تری رفتار میں پیدا ہوا
بل بے جوشِ گریہ لبدر کو فورِ اشکِ خوں — ایک طوفاں دیدۂ خونبار میں پیدا ہوا
کشتگانِ ناز زندہ ہو گئے اک بات میں — معجزہ اچھا لبِ دلدار میں پیدا ہوا
لکھ غزل لے رمزؔ تبدیلِ قوافی میں کوئی — اور عالم اب ترے اشعار میں پیدا ہوا
لیگئی دل جو تری کاکلِ پیچاں میرا — تا دمِ مرگ رہا حال پریشاں میرا
چھوڑوں کسطرح سے میں دامنِ صحرا کو جنوں — خارِ صحرا ہی نہیں چھوڑتے داماں میرا
رمزؔ اُس آئینہ رو کی کوئی کیا جانے ہے رمز — یا تو میں جانتا ہوں یا دلِ حیراں میرا
غم وہ کیا ہے جو جاں گزا نہوا — درد وہ کیا جو لا دوا نہوا
تیز کرتے ہیں وہ چھُری کو ابھی — قتل پر میرے اکتفا نہوا
حال کھُل جائیں غیر کو سارے — پر کروں کیا کہ تو میرا نہوا
درد کیا جس میں کچھ نہ ہو تاثیر — بات کیا جس میں کچھ مزا نہوا
وہ تو ملتا مگر دلِ کم ظرف — تجکو ملنے کا حوصلہ نہوا
مر گیا ہجر میں جو بن آئی + — شُکر منت کشِ قضا نہوا

[illegible]

شکوۂ یار اور زبانِ رقیب
کچھ بھی میرا کوئی گلا نہ ہوا

یار آیا نہ موت ہی آئی
ایک بھی رمزؔ مدعا نہ ہوا

تم رہو اور مجمعِ اغیار
میرا کیا ہے ہوا ہوا نہ ہوا

پھر تمہارے ستم اٹھانے کو
رمزؔ اچھا ہوا برا نہ ہوا

دل دیا تھا جسے دلدار سمجھ کر میں نے
رمزؔ اب وہ ہی دلِ زار ہوا ہائے نصیب

اور صورت سے کیا غرض ہے رمزؔ
ہے پسند اپنے یار کی صورت

غم کے آثار خوشی میں بھی ہیں دیکھو موجود
جو کہ ہنستے ہیں بہت اشک بہاتے ہیں بہت

حال سن سن کے عشق میں تیرا
رمزؔ کرتے ہیں خاص و عام افسوس

ذبح ہو ناحق ہیں میرے ہے حیاتِ جاوداں
آب خنجر میں ترے ہے آبِ حیواں کا خواص

جل گیا پروانہ تو یہ بھی سحر تک ہے تمام
فاصلہ اک شب کا درمیاں رکھتی ہے شمع

کیسی زمیں کہ غرق ہوا آسماں تلک
اے گریہ اب یہ جوششِ طوفاں کہاں تلک

جس میں نہ جذب ہو، نہ اثر ہو، نہ درد ہو
اُس دل کو رکھ کے سینے میں پھر کیا کرینگے ہم

بیتابیوں سے اس دلِ خانہ خراب کی
کیا کیا کیا ہے، اور نہ کیا کیا کرینگے ہم

دردِ فراق، طعنِ عدو، فکرِ دوستاں
اس ایک جان پر مری کیا کیا بلا نہیں

اے دلِ بیتاب اتنا اضطراب
صبر تجھ پر اور تو میں کیا کہوں

کیوں نہ دوں زخم کو جگہ دل میں
کیا یہ قاتل کا یادگار نہیں

ہمکو کیا غیر کے آنے کی خبر
چھلیاں نقشِ قدم کھاتے ہیں

خو کردۂ رفتار ترا بعدِ قیامت
یہ بھی تو نہ جانے کہ قیامت ہوئی کس دن

یاں یہ حالت کہ دم لبوں پر ہے
واں یہ غفلت کہ کچھ خیال نہیں

لب ہلے کیونکہ تیری مجلس میں
دیکھ کر تجکو جان ہے کس میں

نہ حرم میں جگہ نہ دیر میں جائے
ہم سگنے جائیں یا خدا کس میں

ذبح کر خواہ چھوڑ دے صیاد
آ پھنسے ہم تو اب ترے بس میں

تجھ سے لب میگوں وہم خواب لیے مُنہ میں
پی ہی تھی نہ کبھی میں نے شراب ایسے مزے میں

ساقی مری توبہ کے ٹھہرنے کے نہیں پاؤں
گر جھوم کے آئیگا سحاب ایسے مزے میں

رمز وہ مستِ ناز ہے فتنہ
اسکو سونے دو کیوں جگاتے ہو

تم نہ جتے غیر کے گھر میں شب کو
بس چلو یونہی سہی جانے دو

اُسکے آنے کی اگر کوشش میں
جاں جائے جو چلی جانے دو

مُنہ دکھانا ہے خدا کو اک دن
اسلئے بتو اتنی خودی جانے دو

ہر سخن میں یہ کجی جانے دو
ہو چکی بس خفگی جانے دو

شکر و شکوہ سے تعلق نہ رکھو
نبھ سکے جیسے تبھی جانے دو

رمز اُلفت میں جو چاہو آرام
تو یہ راحت طلبی جانے دو

تیر مارا ہے تو ظالم تو چھری بھی پھیر دے
یہ بھی حسرت رہ نجائے اس ترے نخچیر کو

پیٹوں جنوں میں سر کو کہ روکوں سرشک کو
تھاموں قلق میں دلکو کہ رکھوں جگر پہ ہاتھ

شوق کہتا ہے کہ چل اور ضعف سے
اُٹھ نہیں سکتا قدم کیا کیجئے

کیا جانئے آج دلکو مرے ہو گیا ہے کیا
پہلو میں یار اور دل سے اضطراب ہے

ہاتھوں سے ترے بچا نہ وہ بھی
اک رمز تھا جاں نثار ہے ہے

رمز ہیں صورت پہ اُسکی شیفتہ
آپ کی صورت تو دیکھا چاہیئے

کیوں نہ لب حسرت سے کاٹوں ہیں کہ غیر سامنے
بوسہ اُس لب کا لیا جام شراب ناب نے

آئی موت تو ہو گی مگر یوں ہو تو بہتر ہو
کہ سر ہو پاؤں پر قاتل کے اور سجدے میں دم نکلے

بعد مُردن بھی نہ چھوٹا ہم سے ذوقِ میکشی
خاک سے اپنی سبوئے مے بنے ساغر بنے

ہجر میں تو غمِ یار میں یوں عمر بسر کی
مر مر کے جو کی شام تو رو رو کے سحر کی

ایسا لگا وہ تیرِ نگہ تم کہ ہو بلبند
ہر زخم دل سے میرے صدا واہ واہ کی

نہو جب ضعف سے طاقت کہ آئی جان ہو لب تک — تو ہمسے ناتوانوں کا کہو کس طرح دم نکلے

دل لے تو گئے ہیں وہ ہمارا — پر دیکھیئے اِسکو کیا کرینگے
یادِ بت میں عمر گزری یہاں تو رمز — کیا کہوگے وہاں خدا کے سامنے
ہوئی صورت نہ کچھ اپنی شفا کی — دوا کی مدتوں برسوں دعا کی
ہمیں منظور آج انکو بلانا ہے بلانا ہے — بُلا کر داغِ دل اپنا دکھانا ہی دکھانا ہی
ہجوم داغِ دل کیا پوچھتے ہو میرے سینے میں — خزانہ ہے خزانہ ہی خزانہ ہے خزانہ ہے
جگر مرا تری تیغ نگہ کا ایک مدت سے — نشانہ ہے نشانہ ہی نشانہ ہی نشانہ ہے
ہنسو کیونکر نہ غیروں سے کہ منظور آپ کو میرا — رُلانا ہی رولانا ہے رولانا ہی رولانا ہے
شہادت سے مری ابتک نے بان تیغ قاتل پر — فسانہ ہی فسانہ ہی فسانہ ہی فسانہ ہے
نہ بھولے کے دلمیں آ گا اور کیوں آ لبنو جاری ہو لب — کہ شیوہ وہاں رقیبونکا لگانا اور بجھانا ہے

رمز۔ منشی محمد ابراہیم خان خلفِ مولوی محمد خان صاحب مرحوم داروغہ و ڈائرکٹر محکمۂ سائر ریاست ٹونک، نواب محمد اسد خان آسد لکھنوی کے شاگرد ہیں، چالیس پینتالیس برس کا سن ہے اور یہ کلام کا نمونہ ہے۔

وحشت میں ہم سمٹتے پھرتے ہیں جا بجا — صحرا کے خار کوہ کے پتھر چمن کے پھول
بے قدر کی نگاہ میں اے رمز ایک ہیں — صحرا کے خار ہوں کہ ریاضِ سخن کے پھول
کیوں کرتے ہو برباد اسے مفت میں دیکھو — اے رمز کبھی جا کے جوانی نہیں آتی
یہ بزم عام ہے اچھی نہیں اس جا نظر بازی — بھلا ایسا بھی کیا کر کچھ تو غیرت دیکھنے والے
حسیں پیدا کیئے اس عالمِ ایجاد میں کیا کیا — خدائی کا تماشا دیکھ قدرت دیکھنے والے
فقط ہم تم ہوں اور کوئی نہو جب لطفِ صحبت ہے — شبِ وصل اسکو جلنے دو یہ آنکھوں میں چبا کیوں ہے

رمز۔ منشی برج بہاری لال رمز مرادآبادی علمی استعداد خاصی ہے بارہ پندرہ برس سے مشق سخن کرتے ہیں اور منشی امیر اللہ تسلیم لکھنوی کے بارادت تلامذہ میں ہیں۔

اپنی قابلیت اور خوش فکری کی وجہ سے ہم مشق شعرا میں ممتاز ہیں۔ کلام ملاحظہ ہو۔

ہائے پتھرا گئیں آنکھیں مری تکتے تکتے
دم آخر بھی نہ وہ شوخ ستمگر آیا

مرگیا پاس وفا میں مجھے دیکھا تو نے
معجزہ اب تو دکھا کوئی مسیحائی کا

لے رمز تیر یار نشانی سے کم نہیں
پہلوئے دل میں رکھیے لگا کر جگر سے آپ

کب روح کو ملا ہے بدن کی فنا کے ساتھ
پستا کہاں ہے رنگ حنا کا حنا کے ساتھ

دل کی لگی بھڑکتی ہے آہ رسا کے ساتھ
اٹھتے ہیں جیسے آگ کے شعلے ہوا کے ساتھ

ہو لطف مے دوچند جو ساغر سے لب ادھر
آنکھیں ادھر ملیں کسی نازک ادا کے ساتھ

پازیب کی صدا ہے تمہاری کہ شور حشر
فتنے ہزاروں اٹھتے ہیں آواز پا کے ساتھ

رمز اب روتے ہو کیا دلکو جگر کے سامنے
کیوں گئے سینہ سپر تیر نظر کے سامنے

ہے تصور میں بھی انکے کس قیامت کی حیا
سامنے ہیں اور نہیں آتے نظر کے سامنے

اک وار میں دو ٹکڑے کئے دل کے جگر کے
قائل ہیں ہم اس جوہر شمشیر نظر کے

ممکن ہی کہیں سہم نہ جائے وہ دم قتل
اے زلف تو آجا رخ قاتل پہ بکھر کے

دیکھا نہ کبھی پیار کی آنکھوں سے ادھر حیف
مجکو نہ دیا آپنے ساغر کوئی بھر کے

رکھوں نہ کیوں کلیجے سے لگا کر
یہ داغ دل مجھے اسنے دیا ہے

رمز – مرزا جلال الدین حیدر عرف حکیم ممتاز حسین دہلوی شاگرد مضطر بنارسی ۱۸۹۹ء میں مظفر پور بہار میں مطب کرتے تھے۔ اور حال معلوم نہ ہوا یہ چند شعر انکے ہیں۔ رمز

پس پردہ جو میرے شمع رو کا نور رخ پھیلا
مجھے عالم نظر آیا چراغ زیر داماں کا

ذریعہ ہمکو بخشش کا بتاتا ہے کرم اس کا
خدا سے منفعل ہو کر تو کر اقبال عصیاں کا

شکر ہے لب پہ ترے شکوۂ فریاد آیا
خیر میں تجکو کسی طرح سے تو یاد آیا

فاتحہ پڑھنے جو وہ بانی بیداد آیا
قبر میں تجکو قرار اے دل ناشاد آیا

انکار ہے جو بوسوں کے دینے میں آپکو
ہے بھی پھر حضور رہوں خواستگار دل

داغِ جگر شگفتہ ہیں لالہ سے بھی سوا — او گلعذار دیکھ تو آکر بہارِ دل

رمز — رمزؔ منشی بلاس رائے رمزؔ شاگرد شوکتؔ باوجود دریافت کچھ حال معلوم نہ ہوا کلام مطبوعہ کا انتخاب حاضر ہے۔

کشتۂ تیغِ محبت کو جلاتے جاتے — کیا بگڑتا جو ذرا لب کو ہلاتے جاتے
کیا مزا ہوتا جو در کا ترے پتھر ہوتا — ٹھوکروں ہی میں تری ہتا میں کئے جاتے
شربتِ وصل گر تھا نہ مری قسمت میں — شربتِ مرگ ہی وہ مجکو پلاتے جاتے
رمزؔ بیچارہ ترے عشق میں مرتا ہی رہا — حال بھی تو نے نہ پوچھا کبھی آتے جاتے

قسمتِ جن و ملائک میں کہاں ہیں یہ مزے — ماہوش کیا کیا بنائے حق نے آدم کے لئے

رمز — رمزؔ میر فاضل حسین صاحب لکھنوی شاگرد مشتاقؔ لکھنوی، موجودہ شعرا میں ممتاز ہیں۔ افسوس کہ باوجود دریافت حالات میسّر نہ ہوئے۔ کلام بہم رسیدہ کا انتخاب درج کیا جاتا ہے

یہ خبر موسیٰ کو کب تھی شوق تھا دیدار کا — برق بن جائیگا ان آنکھوں میں جلوہ یار کا
ابر الطافِ خدا برسا جو ابراہیم پر — آتشِ نمرود تختہ بن گیا گلزار کا
ہے قضا قبضے میں میرے قاتلِ سفاک کے — ہے اجل کا اک طمانچہ وار اس تلوار کا
سجدے کرتے ہیں ہزاروں اشتیاقِ ذبح میں — ہے خمِ محرابِ کعبہ جسم تری تلوار کا

ہے آئینہ میں وہ رخِ گلرنگ جلوہ گر — دریا میں یا کہ عکس پڑا ہے گلاب کا
دی کیوں تڑپ کے جان عنادل نے باغ میں — کانٹا لگا زبان میں شاید گلاب کا

اٹھتے ہی آپکے سب مٹ گئے اسبابِ طرب — بزمِ عشرت نہ رہی عیش کا ساماں نہ رہا

دلچسپ ہے اس درجہ ترا حسنِ مصفا — عارض سے نگاہوں کو پھسلتے نہیں دیکھا
تا آل سبحہ و زنار کا نہیں ہے جدا — کہ ایک ہی ہے خدا شیخ اور برہمن کا
نہ بنئے آنکے رندوں میں اسقدر اے شیخ — جھکائے آپ ہیں گردن کہ ڈھل گیا منکا
جو مجھ پوچھا گھر کا نشاں اس شیر پر دشمن سے — پتا بتا دیا ہنسکر مکانِ دشمن کا

وہ دن آئیں گے شبِ وصل ہیں یہ مجکو ۔۔۔ تو ہی لے موت مرے پاس ذرا ہو جانا

کس طرح مجھ کو گیا ہے شمعِ سحر کی صورت ۔۔۔ ہنستے ہنستے جو ہوئی ہے تری محفل خاموش

خواب سے چونکی زلیخا جب تو کہتی تھی یہی ۔۔۔ چھپ گیا نظروں سے وہ میری مہِ کنعاں کہاں

طائرِ دل کو پھنسا کر دامِ گیسو میں وہ شوخ ۔۔۔ بھولے پن سے کہہ رہا ہے تمہارا دل کہاں

ایکدم بھر کو اٹھا دو رخِ روشن سے نقاب ۔۔۔ حسرتِ دیدار میں عاشق کو تڑپاتے ہو کیوں

ہے ابتدائے اُلفت ابرو میں اِنتہا ۔۔۔ عاشق کی جان جانے کے ساماں ابھی سے ہیں

مسیحا نے محبت کی نظر کی ۔۔۔ شکایت اب نہیں دردِ جگر کی

ہمیں تو یاد ہر اک وقت آپ ہی کی رہی ۔۔۔ مگر حضور ہیں دل سے ہمیں بھلائے ہوئے

آکر نہ کبھی عاشقِ مضطر کو جلایا ۔۔۔ اعجاز دکھائے نہ مسیحا کے کسی نے

ہٹا سینہ سے گر زانو تو ہوگا حشر عالم میں ۔۔۔ ترا بسمل جو تڑپے گا زمیں زیر و زبر ہوگی

رمز۔ سوامی سدانند سرسوتی عرف بہاری لال جی، آپ دکن کے باشندے اور منشی کنہولال نائب کے تلامذہ سے شاگرد ہیں، کچھ اشعار ملے اُنکا انتخاب درج ذیل ہے۔

تیرے میرے بندھ گیا رشتہ صنم تقدیر سے ۔۔۔ کھل نہیں سکتی گرہ اب یہ کسی تدبیر سے

بھوک میری کھاتے گالیاں جاتی رہی ۔۔۔ پیاس بھی ظالم بجھا آبِ دمِ شمشیر سے

پھر گئی ساری خدائی ہو گیا دشمن جہاں ۔۔۔ پھیر لیں آنکھیں جو تو نے ہائے مجھ دلگیر سے

کچھ ایسی بھول بھلیاں ہیں اُس کے کوچے میں ۔۔۔ تمام عمر جو گھومے نہ پھر بھی راہ ملے

حرم میں، دیر میں، مسجد میں، کوہ و صحرا میں ۔۔۔ کہاں کہاں مرے نالے مجھے تباہ ملے

رمز۔ منشی حافظ انوار الحق مدرس مدرسۂ غوثیہ رامپور حضرت داغ کے عقیدت مندوں میں ہیں پہلے کچھ عرصہ اُنکے شاگرد حضرت احسان رامپوری سے بھی اصلاح لی تھی۔ چند شعر منتخب کیے گئے

جب وہ چہرے سے نقاب اپنے اٹھا دیتے ہیں ۔۔۔ فرق آنکھوں میں نہیں فرق ہے بینائی میں

شیفتہ اپنا زمانے کو بنا لیتے ہیں ۔۔۔ عیب بیں عیب ہنرمند ہنر دیکھتے ہیں

ہدفِ تیرِ نظر دیکھئے کرتے ہیں کسے　　دل کبھی دیکھتے ہیں گاہ جگر دیکھتے ہیں
وابستہ تیرے لطف سے ہی میری زندگی　　مرجاؤں میں جو چشمِ عنایت و مہر نہو

رمق نجیب اللہ خاں خورجہ کے رہنے والے اور حضرت فتح خان عم ڈپٹی عبدالعلیم نصر اللہ خاں صاحب تذکرۂ گلشن ہمیشہ بہار کے عزیز اور شاگرد تھے غدر سے پیشتر کامل ۲۲ برس ان کے پاس اعظم گڈھ میں بسر اوقات کی۔ ڈپٹی صاحب موصوف الصدر سے تعلقات قلبی تھے۔ عرصہ ہوا انتقال کر گئے، کلام بہم رسیدہ کا انتخاب حاضر ہے۔ ن

جبکہ دردِ عشق سے رُخ زرد سارا ہوگیا　　رازِ پنہاں دل کا میرے آشکارا ہوگیا
لختِ دل جب آکے ٹھیرا نوکِ مژگاں پر مرے　　دار پر منصور پیدا پھر دوبارہ ہوگیا
دیکھنا اُس کا نگاہِ قہر سے عشاق کو　　قتل کرنے کا رمق ساماں دوبارا ہوگیا
دل میں ہے اب قُرب میں آئینہ ساپیدا کروں　　وہ مجھے دیکھا کرے اور میں اُسے دیکھا کروں
رُخ زرد دمِ سرد ہے چشم اشک سے تر ہے　　واللہ یہ سب تیری محبت کا اثر ہے
دل میرا تِرا گھر تھا سواب غم نے لیا چھین　　اے بیخبر اب تجکو بھی کچھ گھر کی خبر ہے

رنج خواجہ محمد نصیر محمدی رنج خلف الصدق خواجہ ناصر پرست عرف میر کلو اکبر آبادی مقیم دہلی، آپ خواجہ میر درد علیہ الرحمۃ کے نواسے اور بقول بعض نبیرہ تھے ولادت آپ کی ۱۱۸۹ھ میں ہوئی، چھٹ پن ہی میں حضرت خواجہ میر درد اپنے نانا صاحب سے مستفیض ہوئے جب انکی عمر دس بارہ برس کی ہوئی خواجہ میر درد نے وفات پائی اُسوقت سے ہمیشہ اپنے بزرگ پیر کے فراق میں دل شکستہ اور مغموم رہے آپ کو اکثر علوم خصوصًا ریاضیات میں خوب دخل تھا، علم موسیقی بھی خوب جانتے تھے اور تال اور لَے سے ایسے واقف تھے کہ بڑے بڑے استاد انکے سامنے کان پکڑتے تھے، اور خاک چاٹ کر نام لیتے تھے، اپنے ماموں خواجہ صاحب میر متخلص الم خواجہ میر درد کے فرزند ارجمند کے انتقال کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ ہر مہینے دوسری اور چوبیسویں کو ع

کلیم ابن نوازی کی آپکے زوجہ ہوا کرتی تھی ۔ آخر کو دوسری شوال روز یکشنبہ سنہ ۱۲۶۲ھ میں آپ نے وفات پائی ۔ کبھی کبھی آپ شعر بھی کہا کرتے تھے ، حکیم مومن خان مومن آپکے داماد تھے انھوں نے یہ تاریخ وفات آپکے غم مہاجرت میں موزوں کی تھی ۔

تیغ زباں شد زدہر وز پے سال وفات	تاریخ	فکر بلندم رہ جنت ماوی گرفت
گفت بہ مومن ملک خواجہ محمد نصیر		در قدم ناصر و درد تکو جا گرفت
خط دیکھکر ادھر تو مرا دم الٹ گیا		قاصد ادھر بدیدۂ پُرنم الٹ گیا
اپنا وہ تھا کہ جس سے بیگانہ رہے ناداقی سے		بیگانہ وہ تھا کہ جسکو جانتا اپنا ۔ کیا قہر کیا
یقین ہو گیا دیکھ کر اس کا قامت		کہ بیشک قیامت میں دیدار ہوگا
تیرے بِن جبتک کہ میرا دم رہا		آہ اور نالہ ہی بس ہمدم رہا
کھڑکی نکال جانب دشمن نہ بام پر		کوٹھے چڑھی جو بات کھلی خاص و عام پر
دل یہ جسکے لیئے پہلو میں تپاں رہتا ہی		یوں سنا ہے کہ اسے بھی خفقاں رہتا ہی
آنکھ سے آنکھ جب دوچار ہوئی		زندگی تلخ و ناگوار ہوئی

رنج ۔ حکیم فصیح الدین شاگرد میرزا غالب مرحوم ، قاضی خلیل کی بیاض میں ایک شعر قابلِ انتخاب نظر آیا درج ہوا ، میرٹھ میں انکی شاعری کا اچھا چرچا تھا مگر کلام باوجود تلاش نہ ملا ۔

اِک بار اور میری عیادت کو آیئے		اچھی طرح سے میں ابھی اچھا ہوا نہیں

رنج ۔ میرزا جان علی نام ابن مرزا تقی بیگ مرحوم کوتوال آگرہ ، اور خود بھی محکمۂ پولیس میں سنہ ۔۔ میں ملازم تھے ، فن سخن میں بانکے رائے فرحت سے تلمذ تھا ۔ یہ انکے کلام کا نمونہ ہے ۔

کہا کیں سے کہ میں اکثر مسیحا تمکو سنتا ہوں	ق	دوا کرتے ہیں تو کس مرض کی تم دوا میرے
گذارش اسکی سنئے دور سے جو پوچھنے آئے		سماعت اسکی کیجے جو کہ بہر التجا ٹھہرے

تو ہنسکر بولے صحت تمکو رب العالمین بخشے
مرض کیسا تبسم تم کہا زیر لب مجھ سے

مروت چیز کیا ہے ؟ ہمتو اک بید قاتل ہیں
ہماری قوم سے باہر ہے جو اہل مروت ہیں

رنج

رنج میر محمد علی صاحب تلمیذ حضرت داغ دہلوی مرحوم نبیرہ میر محمد حسین خان مرحوم ... کے برگیڈ میں کیڈٹ تھے پھر درجہ بدرجہ ترقی پاکر لفٹننٹ ہوگئے، موزونی طبع کے اقتضا سے شاعری کا بھی شوق عرصہ سے ہے اور خاصہ کہہ لیتے ہیں کوئی خاص بات قابلِ ذکر انکے کلام میں نہیں۔ چند غزلیں ہم پہنچیں انکا انتخاب درج ہے۔

رکھدو مرے مزار میں شیشہ شراب کا
بھاگے گا اُسکی بو سے فرشتہ عذاب کا

تو بہ کہاں کی اور کہاں کا بھیرا اتقا
آیا جب اپنے سامنے ساغر شراب کا

پھیر دیجے مجھے بیکار ہے لاحاصل ہے
آپکا یہ نہیں ہونے کا پرایا دل ہے

جب کہا غیر سے اب ترکِ محبت کیجے
ہنسکے فرمایا کہ یہ بات بہت مشکل ہے

اِن حسینوں کی جو باتوں میں نہ آیا ای رنج
وہی ہشیار ہے دانا ہے وہی عاقل ہے

دربدر خاک بسر چاک گریباں مضطر
رنج کا حال ذرا دیکھنے کے قابل ہے

سامنے میرے غیر سے شوخی
آنکھ میں تیرے کچھ حیا بھی ہے

وعدہ کرکے بتو نہ ہم سے پھرو
کچھ تو دل میں ڈرو خدا بھی ہے

قیامت میں ہے یہ کون آنیوالا
کہ جسکو دیکھنے خلقت کھڑی ہے

زمین پر گھس رہا ہے سر جو زاہد
یہاں کمبخت کیا دولت گڑی ہے

یہ پھبتی جولے دل ہر گھڑی ہے
مصیبت تجھپہ کیا ایسی پڑی ہے

نہ جائینگے کبھی مرکر بھی یاد رکھ ظالم
مزار ہوگا ہمارا تری گلی ہوگی

اگر درکار ہے تمکو تو لو حاضر مرا دل ہے
تم اپنے پاس رکھو چیز یہ رکھنے کے قابل ہے

وہ اک میں ہوں کہ میری عمر ساری رنج میں گزری
وگرنہ اک زمانہ یا خدا بشاش و خوشدل ہے

ترے وعدے پہ ظالم صبر کرنا سخت مشکل ہے
یہ میرا ہی کلیجہ ہے یہ مجھ کمبخت کا دل ہے

سب سے ملتا تھا جب تک نہ تھی کچھ قدر مجکو بھی — کیا جب [illegible] سے نہاں [illegible]

رنجور — شمس العلماء مولوی محمد یوسف علیم آبادی چیف مولوی بورڈ آف اکزامینرز کلکتہ، پٹنہ کے ایک معزز اور باعلم خاندان کے رکن ہونے کے علاوہ خود بھی صاحب جوہر اور باکمال ہیں۔ زبان پر حیرت انگیز قدرت حاصل ہے اور طبیعت میں شوخی اور بذلہ سنجی کا خاص مادہ ہے، پُرگو بھی جیسے ہیں اکثر رسالوں میں ہر طرح کلام چھپواتے رہتے ہیں، اخلاقی اور عشقیہ دونوں طرح کے مضامین نظم کرتے ہیں، فن سخن کی استعداد بھی عالمانہ ہے، متانت کے ساتھ جا بجا شوخی کا اظہار بھی دل پسند پیرایہ میں کلام میں موجود ہے۔

دشمن نظر بچا کے دبے پاؤں ہٹ گیا — مَیں اپنے سر پہ کھیل کے مقتل میں ڈٹ گیا

کیا کروں ذکر نوجوانی کا — بھولنا بہتر اس کہانی کا
تاب دیدار یار دیکھ سنبھل — اسکو دعوی ہے لن ترانی کا
مجکو تحقیق سے ہوا ثابت — لفظ مہمل ہے شادمانی کا
جھیل لیں جب بلائیں فرقت کی — خوف کیا مرگ ناگہانی کا

شرر عشق نے وہ آگ لگائی دل میں — گھر جلا سامنے اور ہم سے بجھایا نہ گیا
کہتے ہیں دیکھ کے مُلک دل ویراں میرا — آج تک کیوں کوئی شہر اس میں بسایا گیا
زندگی میں تو رفاقت کا بھی بھرتے تھے دم — قبر میں ساتھ کوئی اپنا پرایا نہ گیا
کسکے کام آئیگی پھر تیری مسیحائی یار — کشتہ اپنا ہی اگر تجھ سے جلایا گیا

شوق تھا چلمن اٹھانے کا کہ روکا شرم نے — مجھ پہ حسن یار آفت ڈھاتے ڈھاتے رہگیا

بولے وہ مجکو مرنے پہ تیار دیکھکر — خوش ہوگئے ابتو حور و گل دیدار دیکھکر
کرتے وہی ہیں راہ ترقی کی جلد طے — چلتے ہیں جو زمانے کی رفتار دیکھکر

کب سے دل میں مرے مہمان بنے بیٹھے ہیں — مجھ سے ابتک مگر انجان بنے بیٹھے ہیں
انتظار ان کا عبث اے دل مشتاق نہ کر — وہ کسی اور کے مہمان بنے بیٹھے ہیں

ہر ادا اُنکی مری جان لئے لیتی ہے — گو وہ ظاہر میں مری جان بنے بیٹھے ہیں
دل میں تو حسرتِ رنجور کے ہے عشقِ بتاں — گو یہ ظاہر میں مسلمان بنے بیٹھے ہیں
کیوں ہم تری تلاش کو دیر و حرم میں جائیں — وہ کونسا مکان ہے جہاں تو مکیں نہیں
کیا حور کی تلاش میں آتا ہے روز ادھر؟ — زاہد یہ کوئے یار ہے خلدِ بریں نہیں
اے دل مجھ سے کوچۂ دلبر کا قصد کر — واقع میں ہے وہ چرخِ ستمگر زمیں نہیں
مجھ لامکاں میں گھر تو نہیں ہے رقیب کا — پوچھا کہاں گئے تو وہ بولے کہیں نہیں
رنجور حالِ دل بتِ کافر سے کیا کہوں — کہتا ہے تیری بات کا مجکو یقیں نہیں
آپ اس وقت اگر غیر کے گھر جاتے ہیں — ہم بھی اب کرتے ہیں دنیا سے سفر جاتے ہیں
شیخ جی پوچھتے کیوں ہیں کہ کدھر جاتے ہیں — ہم بھی جاتے ہیں اُدھر آپ جدھر جاتے ہیں
شیخ جی! حوروں کے مسکن کی تو یہ راہ نہیں — کوچۂ یار ہے یہ، آپ کدھر جاتے ہیں
ایسے وعدوں سے ہو کیا خاک مرے دلکو خوشی — وعدہ کرتے تو ہیں پھر کرکے مکر جاتے ہیں
شیخ دوزخ سے ڈرانے کی ضرورت کیا ہے — ہمتو صورت ہی تری دیکھ کے ڈر جاتے ہیں
کوئے دلدار میں کچھ ایسی کشش ہے ناصح — لاکھ چاہیں نہ وہاں جائیں مگر جاتے ہیں

باقی دنیا سے عمر اکمان بے تخلص بیان دار سے عمری اکمان بے تخلص یقین

یوں ایک دو سے کا ہی سہارا رہ ہجر میں
گمرہانِ قوم کے کیا خاک ہو گے راہبر
سامنے تیرے اگر وہ پیاری صورت آئیگی
اُس بلائے جاں کی اُلفت میں کہاں راحت نصیب
میں وہ وحشی ہوں کہ آئے روبرو مجنوں اگر
کھو کے اُمیدوں کو وہ یاس تجھے پایا ہے

دل میرا غمگسار تو میں کھایا رہوں
خود چلو اے واعظو تم راہ پر اتنا تو ہو
پھر نہ واعظ تجکو یادِ حورِ جنت آئیگی
ایک آفت جائیگی تو ایک آفت آئیگی
میری صورت دیکھکر اُسکو بھی وحشت آئیگی
تو نجانا کہ غنیمت ہی تری ذات مجھے

بیاں کیا ہو سکے رتبہ مرے دلکا کہاں تک ہے — یہ ہے عرشِ خدا اسکی بلندی لامکاں تک ہے
ستم میں بانیٔ بیداد کا مجھ پر یہاں تک ہے — کہ اُسکو دیکھ کر جگر میں ظالم آسماں تک ہے

خدا میخانہ ڈالا اے شیخ جی تمکو مبارک ہو
رسائی ہے رندوں کی در پیرِ مغاں تک ہے

بہت تحقیق پر میں نے اگر پایا تو یہ پایا
وجود دوستی گر ہے تو یادو ہی زباں تک ہے

تجھے کیا واسطہ شوقِ حصولِ قربتِ حق سے
تری پرواز اے واعظ فقط حورِ جناں تک ہے

کروں کس منہ سے یارب شکوہ تیری مہربانی کا
کہ مجھپر مہرباں اب وہ بتِ نامہرباں تک ہے

معطر ہے دماغ حضرتِ رنجور مرقد میں
کہاں کھولے ہیں گیسو یار نے خوشبو کہاں تک ہے

مدح گوئی کا صلہ دشنام ہے
واہ کیا سرکار کیا انعام ہے

اب کہاں وہ نامۂ پیغام ہے
دوستی باقی برائے نام ہے

تھی خطا میری کہ میں نے دلدیا
آپ کا بیشک بجا الزام ہے

اُنکے بھولے پن کے صدقے جائیے
کہتے ہیں مجھ سے تمہیں کیا کام ہے

پوچھتے ہیں آ کے میری قبر پر
اب تو تم کو ہر طرح آرام ہے

اُن سے اے رنجور اُمیدِ وفا
کس طرف تیرا خیال خام ہے

پریو تمہارا اتفاق ہے اب کس شمار میں
یورپ میں ہر طرف ہیں پرستاں نئے نئے

کس کو غرض دھرم سے کسے کام دین سے
ہندو نئے نئے ہیں مسلماں نئے نئے

پڑھتے ہیں سب بجائے غزل کے بلینک ورس
اب ہیں مشاعروں میں غزلخواں نئے نئے

ماں باپ کا ادب ہے نہ اُستاد کا لحاظ
پڑھتے سبق ہیں طفلِ دبستاں نئے نئے

کیوں بیخ و بن سے اُکھڑے نہ وضعِ قدیم شرق
آتے ہیں سمتِ غرب سے طوفاں نئے نئے

مطرب نیا ہے یار نیا مے بھی ہو نئی
عیش و طرب کے ہیں سبھی ساماں نئے نئے

گناہ دھونے کو یہ التزام کر لیں گے
وضو شراب سے ہم صبح و شام کر لینگے

نماز شیخ ریائی کے پیچھے ہے مکروہ
ہم اپنے پیرِ مغاں کو امام کر لینگے

بتوں کے عشق میں اے واعظ مضائقہ کیا ہے
خدا خدا نہ سہی رام رام کر لیں گے

کبھی یہ حضرتِ دل چین سے نہ بیٹھیں گے
ہمارا کام نہ جبتک تمام کر لیں گے

میری تربت پہ وہ آتے ہی ہوا اشک فشان
جبکہ نیت پہ ہے اے شیخ مدارِ اعمال

دیکھ کر خاک مری ہو گیا چشمہ پانی
پی بھی لے مے کہیں کمبخت جھکے پانی

کیوں کہوں یہ مکان میرا ہے
چاندنی رات میں اندھیرا ہے

رات بھر کا فقط بسیرا ہے
کہ جدا مجھ سے ماہ میرا ہے

سوالِ وصل کا گر وہ ندیں جواب نہیں
سکوت سے بھی تو آدھی رضا نکلتی ہے

ادا، ناز، انداز، شوخی، کرشمہ
حسینوں کو آتے ہیں فن کیسے کیسے

وصف لکھتا ہوں اُس پریرو کا
غیر میری بدی کے درپے ہے
وہ عیادت کو آتے ہیں رنجور

شعر میرا پری نہو جائے
یہ مری بہتری نہو جائے
دلبری دلبری نہو جائے

ابھی سے اے قیس تو کھوتا ہے کیوں ہوش و حواس ٭ وصل ہی کیا پھر لیلیٰ کی رضا کے سامنے

سُنائیں کیونکہ اُسے رحلتِ عدو کی خبر
کچھ نہ پوچھو حال مستانِ شرابِ عشق کا
آسماں پر جا بجا ہیں کالی کالی بدلیاں
بدلیوں کا گھر کے آنا۔ بجلیوں کا کوندنا
شیخ! کیوں تیرے تقدس پہ ہم ایمان لائیں
آنے والا ہے عیادت کو وہ رشکِ عیسیٰ

نہ جانیں سُن کے وہ کیا اپنا حال کر بیٹھے
جھوم کر جس وقت آتی ہو گھٹا برسات کی
یا یہ ہے بکھری ہوئی زلفِ رسا برسات کی
کیا ہی دل آویز ہے ہر اک ادا برسات کی
وحی کیا آئی ہے یہ عرشِ بریں سے کوئی
مژدہ کہہ آئے یہ رنجورِ حزیں سے کوئی

رند۔ لالہ کھیم نراین رند لکھنوی نبیرۂ راجہ لچھمی نراین امیر عہد عالمگیر ثانی طلب میں معقول دستگاہ رکھتے اور مہاراجہ ٹکیت رائے دیوان آصف الدولہ کی رفاقت میں بسر اوقات کرتے تھے، فارسی شعر بیشتر کہتے تھے، آخر عمر میں کلکتہ جا رہے تھے اور ہوگلی میں مکان بنا لیا تھا، مولوی حفیظ الدین شہید انکے نامور شاگرد تھے۔

نالۂ طنبور و چنگ اے اہلِ غفلت تم سُنو!
ہے سزا اُسکی کہ روز و شب وہ پائے گوشمال

ق

گوش نہ ہوتی ہے ہر دم یہ نصیحت ساز سے
رازِ دل بے پردہ جو کہدے بلند آواز سے

[illegible] شعر کہتے [illegible]
[illegible] کی [illegible]
[illegible] طبیعت موزوں اور مناسب [illegible]
[illegible] ترتیب دیا تھا کچھ دنوں نواب [illegible] کی سرکار میں [illegible]
[illegible] نے انکی تعریف میں قصیدے لکھے ہیں۔ شرف الدین احمد لکھتے ہیں کہ
[illegible] شعر خوب کہتا تھا اور اکثر شعر اسکے بنائے ہوئے لوگ گاتے پھرتے تھے یہ چند
شعر انکے [illegible] تذکرہ کئے جاتے ہیں۔

رات کو امید ہے کہ دن کو ہو جاتا ہے کچھ	کیا کروں شکوہ ابھی گردش افلاک کا
سب وطن ہے رفیق سب اسباب	کون ایسا غریب ہووے گا
[illegible] ہی چلے دنیا سے ہم او بیوفا ظالم	نہ دیکھا مرتے دم تک آخری دیدار یا قسمت
کبھی جو [illegible] ہوں تو کہتا ہے جھنجھلا کر	تیرے ہو جانے سے بس ہے فریاد کی صورت
غنیمت ہے جس ڈھب سے کٹے زندگانی	کہاں دن کہاں غم، کہاں یاد جانی
یارب کہیں سے گرمی بازار بھیجدے	دل بیچتے ہیں کوئی خریدار بھیجدے

[illegible]	کلفت کی اک تیری نظر چاہئے	مجکو صدقے تو یار ہو دیکے	آپ [illegible]

نوٹ چند شعر انکے دیوان میں دیکھے گئے جن کی نسبت میر سوز کہتے ہیں کہ یہ انکا کلام ہے اور [illegible] مرزا رفیع السودا سے منسوب کرتے ہیں واللہ اعلم وہ اشعار یہ ہیں۔

بہار [illegible] دیکھ کر پیغام بہار آیا	جنوں نے پھر ستایا پاؤں اب [illegible]
جس کا تجھ سا رقیب ہوئے گا	اس کا عالم رقیب ہووے گا
سبھی ہیں [illegible] باتیں	سمجھتا ہوں [illegible]
[illegible]	صد آفریں [illegible]
[illegible]	[illegible]

میرے سینہ کا داغ روشن ہے	تیرے گھر کا چراغ روشن ہے
گھبراتا کہوں یا کہ قفس کی تنگی ہے یہ بھی میری جان کا دشمن	دیکھئے کیا کرے صیاد قفس کی تنگی رنداس دل کو غوار ہونے دے

رند۔ پنڈت گنگا پرشاد کشمیری لکھنوی، خلف پنڈت بشن چند۔ جوان۔ خوشرو و خجستہ خو، مشرب رندانہ رکھتے تھے، سر شتہ دار عدالتِ آگرہ رہکر تحصیلدار و افسر پولیس مقرر ہوئے اور ایک عرصہ تک میرٹھ، بریلی، بجنور، فرخ آباد، آگرہ اور متھرا میں بہ سلسلۂ ملازمت اقامت پذیر رہے گلشن ہمیشہ بہار میں لکھا ہے کہ نظیر الدین حسین شائق سے اصلاحِ سخن لیتے تھے اور مصنف کے بلا تکلف دوست تھے، بقول شیفتہ جرأت کے شاگرد تھے مگر یہ بات غلط ہے، ڈپٹی عبد العلیم الٰہی غنائی جامہ زیبی، خوش خلقی، رنگین مزاجی، ہر دلعزیزی۔ رندانہ نشی، شگفتہ طبعی کی بیحد تعریف کرتے ہیں۔ اور فی الحقیقت انکی طبیعت کا رنگ کلام سے اچھی طرح ظاہر ہے، زبان بہت صاف شیریں، روزمرّہ پاکیزہ۔ محاورات کا استعمال بہت مناسب طریقہ سے کرتے ہیں، مضامین میں تازگی اور خیالات میں جدّت اور نفاست انکا حصّہ ہے۔

سیلِ خوں تھا جو بہا آنکھوں سے دیکھ! پھر ہمکو نہ دیکھے گا تو حُسن پریوں کا سُنا کرتے ہیں نہ تو کی نالۂ شب نے تاثیر	تم نے دلکو نہ جگر کو دیکھا یار جو تو نے اُدھر کو دیکھا عشق دیکھا تو بشر میں دیکھا نہ اثر آہِ سحر میں دیکھا
اب تو چارہ کوئی باقی نہیں بے چاروں کا	آخری وقت ہے پیارے ترے بیماروں کا
دُنیا میں نہ ہو شیفتہ انسان کسی کا عشاق تو جل جل کے ہوئے سرو چراغاں	دل ہاتھ سے جاوے نہ مری جان کسی کا پروانہ ہوا شمع شبستان کسی کا
جلاتی ہے تپِ عشق آہ جیتے جی بدن میرا ملا دیکھا میں خاک میں اور دل ابھی ترے غبار	موئے پر یا الٰہی کب یہ چھوڑیگی کفن میرا جان! مجھ سے اس قدر کسنے مکدر کر دیا

بدل بھر ان دنوں وحشت میں آیا ۔۔۔ نہیں تدبیر کچھ چلتی خدایا
سیہ جاں اس کوچہ میں جا شور کر آیا ۔۔۔ یہ بھی نہ کہا اُسنے کہاں تھا کدھر آیا
بعد رشک قمر رات جو خود میرے گھر آیا ۔۔۔ شاید مرے نالوں میں ہوا اب کچھ اثر آیا
کیا خاک توقع ہو بھلا زیست کی یارو ۔۔۔ جب رشک کے ساتھ آنکھوں سے لخت جگر آیا
سچ ہے کہ جو آ بنتی ہے جی پر تو عزیزو ۔۔۔ سوجھے ہے پھر اُس وقت نہ اپنا نہ پرایا
دم توڑنے لگا ہمیں چھٹیں بیٹھے گئے وقت ۔۔۔ پس پر بھی وہ بے رحم نہ لینے خبر آیا
مارا مجھے ترسا کے جو بے ترے خدایوں ۔۔۔ کیا ہاتھ ترے او بت بیداد گر آیا
یہ حال ہے میر کہ تڑپتا ہوں شب و روز ۔۔۔ بے مہری پہ جب سے کہ وہ رشک قمر آیا

دل ہوا خوں اور جگر بھن کر کباب ۔۔۔ بہت ترے عشق کا خانہ خراب
فصل گل ہے اور ہنگام شباب ۔۔۔ ہاں مغنی نغمۂ چنگ و رباب
جرعۂ مے حضرت پیر مغاں ۔۔۔ اب ثواب اِس میں ہو صاحب یا عذاب
فصل گل میں منع مے کرتے ہو شیخ ۔۔۔ ہے خطا پر آپ کی رائے صواب
دیکھ اِس بحر فنا میں آنکھ کھول ! ۔۔۔ زندچشمک تجھپہ کرتا ہے حباب

روتا ہوں چپکے چپکے آتا ہے یاد جبدم ۔۔۔ وُہ دیکھنا کسی کا آنکھیں چُرا چُرا کر

تجھے جسنے دیکھا نگارا زمیں پر ۔۔۔ کہے ہے کہ اُترا ہے تارا زمیں پر
کوئی پھول گلشن میں تجھ سا نہ پھولا ۔۔۔ ہوا جب سے تو آشکارا زمیں پر
تری راہ میں فرش ہیں دیدہ و دل ۔۔۔ نہ رکھ پاؤں پیارے مدارا زمیں پر
زمانہ میں تیرا یہ شہرہ ہے پیارے ۔۔۔ کہ آیا دوبارہ مسیحا زمیں پر

جی میں آئے ترے مل خواہ تو مت مل آکر ۔۔۔ پر وفاداروں کے ملتے ہیں کہیں دل آکر

مانتے ہو گر مرے معشوق کہنے سے بُرا ۔۔۔ ہم تمہیں مشہور اپنا چاہنے والا کریں
آپ جب غیروں سے ہنس ہنس کے لپٹ جایا کریں ۔۔۔ روتے روتے کیوں نہ پھر آنکھیں مری آیا کریں

ق

اسکو مجلس میں لڑایا مت کرو ہر ایک سے — تم ہمیں دیکھا کرو اور ہم تمہیں دیکھا کریں
جاویں گر کوچے میں اسکے تو ہو بدنامی کا ڈر — اور نجاویں واں تو کب تک ہجر میں تڑپا کریں
سخت مشکل ہے غرض کچھ بن نہیں آتی ہو بات — یوں کریں تو کیا کریں یا وہ کریں تو کیا کریں

قطعہ

ہم اُٹھ تو چلے تری گلی سے — لیکن دلِ زار ناتواں کو
پھر دیکھئے آہ اپنی تقدیر — لیجاتی ہے یہ کہاں کہاں کو

بزمِ خوباں کو جو ساتھ اُنکے لگا ہیں چلنے — تو لگے کہنے طبیعت کہیں آئی ہوگی
خیر چلنے کو تو چل پر یہ ذرا رکھیو یاد — گر کہیں آنکھ لڑائی تو لڑائی ہوگی

بدن ہے یاسمن یا نسترن ہے — الٰہی قد ہے یا سروِ چمن ہے
خیالِ زلف میں رہنا پریشاں — ارے دل یہ ترا دیوانہ پن ہے
جہاں وہ گلبدن ہو جلوہ فرما — اگر بن ہے تو پھر وہ بھی چمن ہے
دمبدم لب پہ آہ جاری ہے — بیقراری سی بیقراری ہے
جو وہ گلرو نہیں چمن میں تو اب — بوئے گل سے دماغ بھاری ہے
دل کسی قدرداں کو دیجئے آہ — اب اگر زندگی ہماری ہے

دکھانا ہے تو آ صورت دکھا بہرِ خدا پیارے — کہ ہے جہاں کوئی دم کا اب عاشق ترا پیارے
کیا ہے اُسنے یاں آنیکا وعدہ شاید آجائے — دلا ٹک صبر کر بھائی نہ اتنا تلملا پیارے
ہمیں تو بار بھی وہاں تک نہوا اور غیر ہم صحبت — تری تقصیر کیا یہ وقت کا ہے مقتضا پیارے
عبث کیوں چھیڑتا ہے سامنے غیروں کے تو مجکو — بُرے ہیں یا بھلے ہیں پر ترے ہیں مبتلا پیارے

وہی فغاں ہے وہی آہ ہے وہی نالہ — خدا کے فضل سے اپنا جو حال ہے سو ہے
نکلا کبھی نہ گھر سے وہ بیرحم در تلک — چوکھٹ سے اُسکی مر گئے سر مار مار کے

گئے زخمِ جگر کے ہائے درماں کتنے ہی ہمنے — گئے آخر کو مرہم پر نہ کی تاثیر مرہم نے
کاش وہ ترکِ خطا کا کل پیچاں باندھے — بے خطا جاتے ہیں نت گبرو مسلماں باندھے

بہار وحشت وگرنہ کیوں مثل گل ہی نکلو آ زند
خدا کے واسطے تو دل کسی سے مت لگا پیارے
تمہیں کیا عشق کرنا زیب دیتا تھا بھلا پیارے
لگا کیا روگ تم کو سچ کہو بہرِ خدا پیارے
رواں ہیں لخت دل آنکھوں سے اور چہرے پہ زردی ہے
ہوئی کیا ہائے وہ گرمی وہ شوخی اور وہ چالاکی
گریباں چاک سر پر خاک لب خشک اور آنکھیں تر
خدا نا خواستہ بھی سے ہے اگر یہ عشق کی گرمی
عشق تو وہ بلا ہے یہاں کہ غارت ہو گیا
دیکھ کر تصویر ہی لاچار ہم بہلائیں جی
اے جزاک اللہ مدت بعد سنتے ہیں کہ زند

لئے پاؤ بہاری ہاتھ میں زنجیر پھرتی ہے
بگڑ جاوے گی یہ صورت بھلی چنگی شتاب پیارے
نہیں متشابہ یہ تو سچ ہے مت کا کہا پیارے
وگرنہ ان دنوں کیوں مضمحل ہو تم بھلا پیارے
یہ ہے کیا رنگ بے ہے اور یہ کیا گل کھلا پیارے
یہ کس کے غم میں حال ایسا تمہارا ہو گیا پیارے
زباں پر آہ اور دل یوں رہا ہے مبتلا پیارے
تو جلدی حال ہوگا زند کا سا آپ کا پیارے
قیس تیرے ہاتھ سے فرہاد تیرے ہاتھ سے
کھنچ سکے تشکل اسکی گر بہزاد تیرے ہاتھ سے
پھر ہوا ہے دشت قیس آباد تیرے ہاتھ سے

زند **زند۔** نواب احمد علی خاں بہادر زند والی رامپور ۱۸۴۰ء میں پچپن برس زندہ رہکر اور سینتالیس سال حکومت کرنے کے بعد انتقال کیا۔ ریاست انکے عہد میں بالکل تباہ ہو گئی تھی، انتظام و کاروبار ریاست کی طرف سے بالکل بے خبر رہتے تھے، امیرانہ عیش و نشاط سے زندگی بسر کرنا ہی اپنا اصول سمجھتے تھے انکے چچازاد بھائی نواب محمد سعید خاں جو اس زمانے میں دہلی میں ڈپٹی تھے اور نواب کلب علیخاں کے دادا انکے جانشین ہوئے، یہ چند شعر انکے ہیں۔

قطعہ

سیر کو جب چمن کی جاتا ہے
باغ پھولا نہیں سماتا ہے
مہر ہو یا کہ بے وفائی ہو
زند اس در سے کوئی جاتا ہے
حشر کو جب حساب مانگیں گے
الاماں شیخ و شاب مانگیں گے
اپنے ساقئ لاابالی سے
زند واں بھی شراب مانگیں گے

زند **زند۔** منشی اکرام الدین دہلوی زند برادر و ماموں زاد مولوی عبد الکریم سوز خلف مولوی امام بخش

صہبائی۔ اپنے بھائی کے شاگرد اور علم طب میں بھی دخل رکھتے تھے ایام غدر میں جاں بحق تسلیم ہو گئے۔ منتخب کلام درج ذیل ہے۔

تری زلف بکھری بکھری جو نہ دیکھتے کبھی ہم ۔۔۔ تو نہ ہوتے یوں پریشاں نہ یہ حال زار رہتا
مرے نام سے ہے ظاہر مرا حال میکشی کا ۔۔۔ مجھے رند کون کہتا جو نہ بادہ خوار رہتا

تو نے جلا جلا کے ہمیں خاک کر دیا ۔۔۔ اور خاک ہو گئے تو صبا نے اڑا دیا
تو نے ہماری یاد کو خاطر سے اپنی ہائے ۔۔۔ حرفِ غلط کی طرح سے ظالم مٹا دیا
ہم پر تو التفات نہ تھی لیک بزم میں ۔۔۔ ساقی نے رند جان کے ساغر پلا دیا
کارگر دل میں یوں ہوئے مژگاں ۔۔۔ جس طرح ناوکِ قضا بیٹھے
دل میں آنا ترے نہیں مشکل ۔۔۔ ہو گئے جب غبار آ بیٹھے

رند۔ نواب سید محمد خان خلف الرشید نواب سراج الدولہ غیاث محمد خان نیشا پوری جو نواب سعادت خاں برہان الملک صوبہ دار اودھ کے حقیقی بھانجے تھے بعہد آصف الدولہ بہادر ۱۷ ربیع الاول ۱۲۱۲ھ کو جمعہ کے دن بمقام فیض آباد پیدا ہوئے۔ چونکہ انکی دادی نواب سعادت خان برہان الملک کی حقیقی بہن تھیں خاندان شاہی سے قریبی تعلق تھا۔ اور ۲۸ سال تک زیر نگرانی جناب امۃ الزہرا بیگم عرف بہو بیگم زوجۂ نواب شجاع الدولہ مرحوم محلات شاہی میں بناز و نعمت پرورش پائی۔ جب تک فیض آباد میں مقیم رہے میر مستحسن خلیق سے جنکی صفت صرف اسقدر کافی ہے کہ وہ میر انیس کے والد بزرگوار اور استاد تھے۔ اصلاح لیا کرتے تھے اور اس زمانہ میں وفا تخلص کرتے تھے ایک دیوان بھی مرتب کر لیا تھا۔ جب بہو بیگم صاحبہ جنت نصیب ہوئیں اور استادِ موصوف بھی فیض آباد سے فرخ آباد چلے گئے تو یہ رجب ۱۲۴۰ھ میں لکھنو آئے اسوقت یہ دار السلطنت بھی علم و فضل کا مخزن، شاعری و نثاری کا معدن زبان و محاورات و فصاحت و بلاغت کی ٹکسال تھا۔ اس باکمال عہد میں فن شاعری میں کامل ہو جانا ہر شخص کے لیئے ایک ادنی توجہ سے ممکن تھا، نہ کہ رند جیسے ذہین، طباع، نکتہ رس، عاشق مزاج کے لیئے جو وارد لکھنو

چہ سالہ سے قبل ہی اپنے ہمچشموں سے کچھ بہت نیچے نہ تھا یہاں تک کہ آتش کے زمرہ حلقہ بگوشان میں داخل ہو گئے، اور سابقہ کلام تمام و کمال تلف کر دیا۔

اِن کی شاگردی رند کے لئے تو باعث شرف ضرور تھی لیکن آتش کے لئے بھی یہ کچھ کم باعث فخر نہ تھا کہ رند کا ساطباع اعتقاد الکلام استاد اُس کا شاگرد ہو، آتش کے تلامذہ میں علاوہ رند کے خلیل۔ صبا اور نسیم نے بھی بہت شہرت پائی اور استاد کا نام خوب روشن کیا لیکن باغ خلیل پر قبل از وقت خزان آ گئی۔ صبا کا کیا ٹھکانا، نکتہ چین کہتے ہیں کہ ہوا کا ایک جھونکا تھا جو اڑا ہوا آیا اور مر گیا۔ نسیم نے البتہ بقائے دوام کا خلعت پایا مگر وصرف گلزار کی بدولت لکھنؤ کے بعض سن رسیدہ بزرگوں سے سنا کہ خلیل جنا صبا رند سے بہتر اور افضل تھے۔

محاورات روزمرہ، شوخی و طراری، فصاحت و سادگی، تاثیر اور معنی آفرینی کے جوہر کو قسام ازل نے رند میں خاص طور پر ودیعت رکھا تھا۔ معاملات راز و نیاز میں کوئی جگ بیتی کہتا ہوگا مگر رند آپ بیتی کہتا تھا، اِن کا مجموعۂ غزلیات اُن تمام رندانہ، عاشقانہ مضامین کا گنجینہ ہے جو ایک مہذب زبان کے دلکش لفظوں میں ہونا چاہیئے۔ بایں ہمہ درد و غم، تصوف و معرفت، تربیت و اخلاق حکیمانہ و فلسفیانہ رنگ کی چاشنی انکے کلام میں موجود ہے، علاوہ ازیں انکی غزلیات میں ایک عجیب بات یہ ہے کہ وہ کبھی تو میر و سودا کے مقابل آتے ہیں کبھی باندازِ جرأت و مصحفی مترنم ہوتے ہیں یا مومن و غالب کا طرز بیان اختیار کرتے ہیں اور کبھی نواب مرزا شوق کی زبان بولنے لگتے ہیں۔ کلیات رند جو اس وقت رائج ہے اُس میں ایک تو دیوان گلدستہ عشق ہے جس کو ۱۲۵۰ ہجری میں شاعر نے خود مرتب کیا تھا اور دوسرا دیوان غیر مکمل ہے جو غالباً بعد کو ترتیب دیا گیا، رند نے اس منزل کو کامیابی کے ساتھ طے کر کے ثابت کر دیا کہ وہ اگرچہ اودھ کا ایک نواب زادہ ہے لیکن اُسکی نظر صرف معاملات دنیا اور معشوقان بازاری کے ناز و انداز ہی کی طرف نہیں ہے بلکہ وہ نیچر کے ہر ایک حسن اور دلکشی سے بہرہ اندوز ہوتا اور اُس سے ایک مفید سبق حاصل کرتا ہے اور دوسروں کو مستفیض کرتا ہے۔

رنگیں پرائیوٹ زندگی کی بابت یہی کہنا کافی ہے کہ لکھنؤ کا ایک نوجوان حسین عاشق مزاج اور دولتمند رئیس زادہ بادشاہ نصیر الدین حیدر کے عہد میں جس حال کو وصال کا چسکا تھا ویسے ہی حضرت رند بھی تھے مگر "محتسب را درونِ خانہ چہ کار" وہ آخر عمر میں تمام معاصی ملاہی اور منہیات سے تائب ہو گئے بلکہ استاد کے مرنے کے بعد شاعری بھی رفتہ رفتہ بالکل ترک کردی، دربار اودھ کی سازشوں اور فتنہ پردازیوں سے برداشتہ خاطر ہو کر غدر سے کچھ دنوں قبل ہجرت کی نیت کی اور بغرضِ حج و زیارت کربلا و نجف اپنے عزیز وطن اور پیارے اختر نگر (لکھنؤ) کو ہمیشہ کے لیئے الوداع کی اور نظم آرزو نے بڑی حسرت و بیکسی سے انکو یہ کہکر رخصت کیا کہ (ع) "تم آپ چلے مجکو کیا کس کے حوالے" انسان کیا چاہتا ہے اور کیا ہوتا ہے۔ چونکہ حج و زیارات کی سعادت انکی قسمت میں نہ تھی اِس لیئے بمبئی میں پہنچتے ہی بیمار ہو گئے، اول تو پیرانہ سالی اُس پر شدتِ مرض تابِ طاقت نے جواب دیا اور چارپائی پر ایسا گرا یا کہ چار ہی کے کاندھے پر اُٹھے۔

تو گرفتاری ہیں چندے یادِ گلشن کی رہی
ضبط کرتے کرتے مُرغانِ قفس تنگ آگئے ہیں

اب قفس سے چُھٹ کے گھر یاد آئیگا میلو کا
اب رہائی اُنکی ہو یا حکم ہو فریاد کا

صیّاد تیرے دام سے آسان تھا چھوٹنا
مشکل یہ ہے کہ تجھ سے مرا دل اٹک گیا

مطلب ہیں صفا ہو یہ تکلف ہے زباں کا
مے پیکے جواں دیتے ہیں ساقی کو دعائیں

دِقت ہوئی معنی میں تو کیا لطف بیاں کا
تا دورِ فلک دور رہے پیرِ مغاں کا

ہو گیا آبِ دمِ تیغ سے بسمل ٹھنڈا
کیوں؟ ہوا اب تو کلیجہ ترا قاتل ٹھنڈا

ہوا کیا چاہ سے حاصل نہ چاہو گے تو کیا ہوگا
تو نے محبت، مسجد ہی، مسمار تبخانہ ہوا
زلفیں چھوڑی ہیں کہ چھوڑا اُلٹے جوڑا سانپ کا
دونوں زلفیں یار کی ملتی ہیں نالوں پر مرے

کیا یہ کچھ محبت میں خفا ہو گے تو کیا ہوگا
جب تو اک صورت بھی تھی انصاف وہ لگا تھا
دیکھئے کس کس کو ڈستا ہے یہ جوڑا سانپ کا
وجد کرتا ہے صدائے نے پہ جوڑا سانپ کا

پائی خبر جو آمدِ فصلِ بہار کی — کیا پھر پھڑا کے مُرغ گرفتار رہگیا
پھینک دونگا میں لِیسے چیر کے پہلو اپنا — تجھپہ قابو نہیں دلپہ تو ہے قابو اپنا
کب مِٹا عشق کا نشاں دل سے — زخم اچھا ہُوا تو داغ رہا
ناز بیجا اُٹھائیے کس کے — اب نہ وہ دل نہ وہ دماغ رہا

مُسافر تھے عدم کے سیر کرنے یاں بھی آئے تھے — رہے یاں جبتلک قسمت میں یا نکا آب و دانہ تھا

میں بھلا کیونکر کہوں تمکو بُرا — آپنے جو کچھ کیا اچھا کیا
عشق میں حالِ جہاں نوعِ دگر ہونے لگا — سلسلے پری دیوانہ تجھپر ہر بشر ہونے لگا

بُتانِ سنگدل سے بے سبب کیوں دل لگا بیٹھے — یہ شیشہ دیدہ و دانستہ کیوں پتھر پہ دے پٹکا

خاک چھنوائی اُس کے کوچے کی — بیٹھے بٹھلائے دِل اُٹھا لایا
تاب نظارۂ دیدار نہ لاؤ گے کلیم — پردے پڑ جائینگے آنکھوں پہ جو پردہ اُٹھا
ضعف اسے کہتے ہیں سینے سے لبوں تک آتے — سو جگہ راہ میں نالہ مرا بیٹھا اُٹھا
بن پڑا کچھ نہ علاجِ تپِ فرقت اس سے — ہاتھ ملکر مری بالیں سے مسیحا اُٹھا
حور پر آنکھ نہ ڈالے کبھی شیدا تیرا — سب سے بیگانہ ہے ملے دوست شناسا تیرا
کوہ فرہاد سے مجنوں سے بیاباں جیتا — وحشتِ دل ترے اقبال سے میداں جیتا
چلئے اب عرض کرو حضرتِ آتش سے زبیر — معرکہ آپکا یہ طفلِ دبستان جیتا
کُھلی ہے کُنجِ قفس میں مری زبان صیّاد — میں ماجرائے چمن کیا کروں بیان صیّاد
دِکھایا کُنجِ قفس مجھکو آب و دانے نے — وگرنہ دام کہاں میں کہاں، کہاں صیّاد
اُداس دیکھ کے مجکو چمن دکھاتا ہے — بہت دنوں میں ہوا ہے مزاجداں صیّاد
پروں کو کھول دے ظالم جو بند کرتا ہے — قفس کو لیکے میں اُڑجاؤنگا کہاں صیّاد
الٰہی دیکھئے کیونکر نباہ ہوتا ہے — زباں دراز ہوں میں اور بدزبان صیّاد
پھر لہو سُرخ ہوا جسم میں کالا ہوکر — رہگیا ایکے برس بھی مجھے سودا ہوکر

اگری کا ہے گماں شک ہے ملاگیری کا
رنگ لایا ہے دوپٹہ ترا میلا ہو کر

جب پیا پانی دعا ساقی کو دی
ہچکی آئی تو کہا یادش بخیر

عاشق صادق ہے تیرا رند دل اسکا نہ توڑ
شیشہ بن سکتا ہے دل بنتا نہیں پھر ٹوٹ کر

تو بھی چل اپنے ذرا طالب دیدار کے پاس
سب عیادت کے لیے جاتے ہیں بیمار کے پاس

آ عندلیب مل کے کریں آہ و زاریاں
تو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے دل

بدبوگل کے تجھے پڑ جائینگے لالے بلبل
اڑ گئی گر کسی صیاد کے پالے بلبل

پھر وہی کنج قفس ہے وہی صیاد کا گھر
چار دن اور ہوا باغ کی کھالے بلبل

اسکو آزردہ کریں کس لیے فریاد سے ہم
ہمسے صیاد رضامند ہے صیاد سے ہم

تیلیاں ٹوٹیں قفس کی جو ابھی پر ماریں
رشتہ بر پا ہیں فقط الفت صیاد سے ہم

دلکو پھر کاکل میں الجھاتے ہیں ہم
سر پہ پھر روز سیاہ لاتے ہیں ہم

اے اجل آ چک خدا کے واسطے
زندگی سے اتنو گھبراتے ہیں ہم

کل کہہ آئے تھے نہ آوینگے کبھی
بن بلائے آج پھر جاتے ہیں ہم

ہمپہ بہتاں اور کی الفت کا ہے
لے ترے سر کی قسم کھاتے ہیں ہم

رند جب ملتے ہیں وہ تنہا کبھی
دوڑ کر انسے لپٹ جاتے ہیں ہم

مسکرا کر کہتے ہیں وہ ناز سے
بس انھیں باتوں سے گھبراتے ہیں ہم ق

تمہارے ہاتھ سے تنگ آئے ہیں خون اپنا کرتے ہیں
بمجبوری گلے کو کاٹتے ہیں تم پہ مرتے ہیں

مہ و خور جائے قرص سیم و زر قربان ہوتے ہیں
نظر انکو ہوئی ہے رات دن صدقے اترتے ہیں

عاشق کی اور فقیر کی صورت سوال ہے
مطلب سمجھ لیں آپ تو روشن ضمیر ہیں

خوبرو جتنے زمانے میں ہیں سب عیار ہیں
آشنا اپنی غرض کے ہیں یہ کس کے یار ہیں

گلے لگائیں، بلائیں لیں، تم کو پیار کریں
جو بات مانو، تو منت ہزار بار کریں

ڈھونڈ لینگے تجھسے بہتر اے ستمگر سیکڑوں
دل سلامت ہے اگر اپنا تو دلبر سیکڑوں

کھودوں بتخانہ کو کیوں؟ کسلیئے مسجد ڈھاؤں
مجکو کیا ہے جو دل گبر و مسلماں توڑوں

رُخ کو پوشیدہ عبث ماہِ لقا کرتے ہیں
اچھی صُورت کو چھپاتے ہیں بُرا کرتے ہیں

ایکدن ہچکی بھی غربت میں نہ آئی افسوس
مجھکو بھولے ہوئے یارانِ وطن بیٹھے ہیں

برسے فلک سے آگ جو پانی کی ہو تلاش
دوزخ ملے بہشت کی گر آرزو کریں

نہ ستاو ہمیں پڑا رہنے دو کیا لیتے ہیں
اے شہ حُسن فقیروں کی دُعا لیتے ہیں

عیب سے پاک و مبرا ہے کلام اُنکا رند
جو غزل حضرتِ آتش کو دکھا لیتے ہیں

میں کیا جانوں چمن کہتے ہیں کسکو آشیاں کیسا
کھلیں آنکھیں تو میری آنکر صیاد کے گھر میں

یا صنم دل میں ہے لب پر یا صمد بہرِ ریا
کُفر اس ایماں سے بہتر جیسے اب پندار ہیں

فصلِ گل میں کیا آزاد قفس سے مجھکو
بھولنے کا کبھی احسان ترا صیّاد نہیں

رُو بدیوارِ چمن کرکے اُڑانا مجھکو
راستہ باغ کا صیّاد مجھے یاد نہیں

عمر گذری ہے مجھے مشقِ خموشی کرکے
ہُوں وہ بلبل جسے اندازِ فغاں یاد نہیں

کعبہ و بتخانہ میں شیخ و برہمن شاد ہیں
دونوں گھر یُمنِ قدم سے عشق کے آباد ہیں

رہا شباب تلک تاک جھانک کا لپکا
وہی ہیں آنکھیں تو لیکن وہ دیکھ بھال نہیں

تنہا میں کس کے ساتھ کروں نغمہ سنجیاں
میں باغ میں قفس میں مرے ہمصفیر ہیں

ہوش میں آؤ پریزادو تم
مجھکو دیوانہ بنایا نہ کرو

ق

آب و دانہ نے کیا بند قفس میں لاکر
چھوڑا و حسرتِ پروازِ گلستاں مجکو

ہوکے بیزار عبث گھر کو نہ جاؤ آؤ؟
تھوڑے سے رنج کو اتنا نہ بڑھاؤ آؤ

دل نہیں دیتا میں اسبات پہ آزردہ ہو؟
رُوٹھے جاتے ہو اسی بات پہ آؤ آؤ

نگہِ یاس سے دیکھوں تو یہ کہتا ہے وہ شوخ
پھر بُری آنکھ سے اِسنے مجھے دیکھا دیکھو

یار آیا ہے احوالِ دلِ زار دکھاؤ
عیسیٰ کو ذرا حالتِ بیمار دکھاؤ

فردلئے قیامت کا نہ اقرار کر ایجاں
لو حشر سہی آج ہی دیدار دکھاؤ

وہ دیوانہ تھا میں جس کا ہوا غم اہلِ عالم کو
پری زادوں نے اپنے بال کھولے میرے ماتم کو

اب شیفتہ کسی کا دلِ زار تو نہ ہو
پہلو میں رہ کے جان کا میری عدو نہ ہو

کس طرح سے نہ فنِ شعر میں کامل ہو رند
دس برس دیکھی ہو آتش سے صحبت شاعری کی آنکھ

اچھا نہیں ہر وقت اسیروں کا ستانا
پڑ جائے کہیں آہ نہ صیاد ہماری

قدر میری تجھے نہ تھی صیاد
ہاتھ ملتا ہے کیوں رہا کر کے

گل کو بھڑکاتی ہے بلبل کو خفا کرتی ہے
تو در اندازیاں لے بادِ صبا کرتی ہے

باغباں دشمنِ جاں گھات میں ہر دم صیاد
بلبل اس باغ میں کیوں رہتی ہے کیا کرتی ہے

سیر کی خوب پھرے پھول چنے شاد رہے
باغباں جاتے ہیں گلشن ترا آباد رہے

پر آبلہ ہے سوزِ جدائی سے سراپا
دیکھے تو کلیجے کے دکھاؤں تجھے چھالے

دل سینے میں بیتاب ہے جاں آ گئی ہے لب پر
اب جان کو رو کے کوئی یا دل کو سنبھالے

کیا کہتا ہے ہر بار تجھے قتل کروں گا
اک جان ہے میری اسے تو لے کہ خدا لے

او دل ہدفِ تیرِ نگہ پھر کیا تو نے
اگلے ہی مرے زخمِ جگر تھے ابھی آلے

کیا خستگیٔ حال پہ عاشق کی ہو خندان
توبہ کرو اللہ مصیبت میں نہ ڈالے

آنکھیں تری مدہوش ہیں تنہا ہے مرا دل
دو مست نہ سنبھلیں گے اکیلے کے سنبھالے

ڈرتا ہوں لہو دیکھ کے غش آئے نہ تجھکو
تلوار لگا شوق سے پر منہ کو پھرا لے

بس اب آپ تشریف لیجائیے
جو گذرے گی مجھ پر گذر جائے گی

طبیعت کو ہوگا قلق چند روز
ٹھہرتے ٹھہرتے ٹھہر جائے گی

ق

سنیو یہ ماجرا بھی ہے یارو شنیدنی
لے لیکے خط جو میرے کئی نامہ بر گئے

کہتا ہے کیا وہ شوخ کہ جیتے ہیں رند کیا
مدت ہوئی کہ میں نے سنا تھا کہ مر گئے

بت کریں آرزو خدائی کی
شان ہے تیری کبریائی کی

موت آ جائے قید میں صیاد
آرزو ہو اگر رہائی کی

سانس دیکھا تنِ بسمل میں جو آتے جاتے
اور چرکا دیا جلاد نے جاتے جاتے

خاک ہو کر ہی ہم اُٹھیں تو اُٹھیں
اب تو در پر تمھارے آ بیٹھے

داغ فرقت دل پہ جانی دیجئے
چلتے چلتے یہ نشانی دیجئے

گھر بلا کر خاطریں کیا خوب کی مہمان کی
لاکھ نکتوڑوں سے دی ہے اک گلوری پان کی

آئینہ اُن کا چھٹ گیا میرے ہاتھ سے
اب کوئی منہ دکھانے کی صورت نہیں رہی

چھری کس لطف سے پھیری گلے پر اپنے بسمل کے
جو بس ہوتا مرا تو چوم لیتا ہاتھ قاتل کے

ہوا آگاہ وہ اپنے حسن سے تو دیکھیں کیا ہوئے
دکھایا جس نے آئینہ تجھے اُس کا بُرا ہوئے

جلوۂ حسنِ خدا داد ذرا دکھلا دے
منکروں کو بھی صنم شانِ خدا دکھلا دے

جاری ہے نیا مملکتِ عشق میں آئین
مجرم کو سزا ملتی ہے تقصیر سے آگے

شعلۂ رُخ دکھا دیا کس نے
سر سے پا تک جلا دیا کس نے

پاسِ دیں کفر میں رہا ملحوظ
بُت کو بُو جا خدا کر کے

میں دل کو رو چکوں کہ یہ دل مجکو رو چکے
یارب جو کچھ نصیب میں ہونا ہے ہو چکے

دل لگی ہجر میں ہے آٹھ پہر نالوں سے
اب بسر ہوتی ہے اے رند بُرے حالوں سے

ق

اب تک وہ ایک ایک سے کرتے ہیں تذکرہ
ہر چند ترکِ عشق کو برسوں گذر گئے

واللہ رند سے یہ توقع نہ تھی مجھے
کیا کیا کہا نہ کرتے تھے پر کچھ نہ کر گئے

وعدے پہ تم نہ آئے تو کچھ ہم نہ مر گئے
کہنے کو بات رہ گئی اور دن گزر گئے

یہ قول تھا کہ تجھ سے جُدائی ہوئی اگر
ایجان مر ہی جائیں گے تو اب نہ مر گئے

برسوں میں مری یار کی لیکر خبر آئی
مدت میں تو او بادِ صبا راہ پہ آئی

طبیعت کا میری کرو تم نہ دھیان
کسی اور سے اب بہل جائیگی

نہیں رہنے کا بعد چندے یہ حال
سنبھالتے سنبھلتے سنبھل جائیگی

رنگ — سیٹھ لسپٹن جی فرام جی متخلص بہ رنگ و پروین، پارسی اور بخیل وکٹوریہ کمپنی

کے مالک تھے یہ ۱۸۶۵ء کا ذکر ہے۔ منشی نواب علی نفیس سے اس فن میں تلمذ تھا۔ یہ عہد شباب انکے طبعزاد ہیں اور اس امر کی دلیل ہو سکتے ہیں کہ غیر زبان والے بھی اُردو کی حلاوت سے ناآشنا نہیں رہے۔

سنگدل سے بھی نکلتا ہے کسی کا مطلب	وصل کی آرزو تجھ سے ثبت ہے پیر عبث
سخت جانی مری کب مانے گی اُس کا لوہا	تم دکھاتے ہو مجھے کھینچ کے شمشیر عبث

رنگ۔ لالہ کنشیو داس رنگ خلف رائے بہادر لالہ مہیا مل مرحوم۔ دہلی محلہ چھیپی واڑہ کے ساکن اور ۱۸۸۴ء میں بعالم شباب کلکتہ میں بسبب مشغلۂ تجارت بود و باش رکھتے تھے اُنہی ایام میں گاہ گاہ شعر بھی کہہ لیتے تھے۔

ہے نصیب کار اپنا جب وحید دو جہاں	لاکھ کوہِ غم اگر سر پر ہوں نازل کیا ہوا
ماہ رو تجھسا زمانے میں نہ دیکھا اے شوخ	چاندنی کو بھی کیا حُسن سے شیدا اے شوخ

رنگ لالہ لکھپت رائے رنگ ساکن جسین پور کلاں ضلع مظفر نگر۔ علمی استعداد رسمی ہے پندرہ بیس برس سے شعر کہتے ہیں اور کچھ حال باوجود دریافت معلوم نہ ہوا۔

قتل عشاق کا بیڑا تو اُٹھا بیٹھے وہ	دستِ نازک سے مگر تیغ اُٹھائیں کیونکر

بتوں کو حضرتِ شیخ آپ کیا سمجھتے ہیں	سمجھ ہے جنکو وہ انکو خدا سمجھتے ہیں
جلا کے چرخ کو یہ ایک دم میں خاک کرے	وہ نالۂ دلِ عاشق کو کیا سمجھتے ہیں
خدا نے جن کو سمجھ دی ہے حضرتِ زاہد	بتوں کے حسن کو نورِ خدا سمجھتے ہیں
دل کی تڑپ کا بعدِ فنا بھی یہ حال ہے	تربت میں بھی ہمارا ٹھہرنا محال ہے
چوٹی کیا ناگنی ہے کچھ نہیں کھلتا عقدہ	رات دن یہ ترے پیچھے جو لگی رہتی ہے
پس مردن مری تربت پہ لالہ رنگ لایا ہے	دلِ پُرداغ کا جوہر ہے نکلا خاک میں ملکے
آپ بھی ہے دلِ بیتاب گرفتارِ بلا	مجکو بھی ایسی مصیبت میں پھنسا رکھا ہے

رنگ۔ حاجی محمد وزیر خان صاحب حیدرآبادی تلمیذ حضرت ظہیر دہلوی۔ دکن کے

طبیعت دار اور خوش فکر کہنے والوں میں ہیں۔ شوخی، آمد، مضمون آفرینی کے جوہر کے ساتھ زبان کا لطف بھی کلام میں موجود ہے۔ اپنے استاد مرحوم سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ کربلا مشہد اور کعبہ ہو آئے ہیں۔

رنج و خوشی سے ہو گئی ایکدن مجھے نجات
جسدن میں جاکے قبر کے گوشہ میں سو گیا

وہ آئے بھی گئے بھی خبر تک نہیں ہوئی
کچھ ایسا انکو دیکھنے میں محو ہو گیا

خدا ہی جانے کہ کیسی ہے سرزمین عدم
گیا ادھر کو جو وہ پھر ادھر نہیں آتا

پہروں قاتل محو نظارہ رہا
لطف ایسا رقص بسمل سے ملا

زندگانی حباب کی صورت
دم کی دم میہمان ہے گویا

کہنے کو یوں تو کہدیں سب ہے جہاں ہمارا
مانے بھی کوئی سلے دل آخر بیاں ہمارا

خلاقِ دو جہاں ہو جب مہرباں ہمارا
پھر کیا کرے گا ہوکر دشمن جہاں ہمارا

کیا پوچھتے ہو ہمسے نام و نشاں ہمارا
ہندوستاں کے ہم ہیں ہندوستاں ہمارا

جام و سبو بھی اپنے ہیں میکدہ بھی اپنا
جب مہرباں ہے ہمپر پیر مغاں ہمارا

رہنے دے یہ نشانی گلشن میں اب ہماری
برباد کر نہ گلچیں تو آشیاں ہمارا

ایک سے اک خوبتر پیدا کیا
تمسا کب رشک قمر پیدا کیا

وصل میں چھیڑا تو فرمانے لگے
دیکھئے پھر فتنہ شر پیدا کیا

رنگ ہم کسکو کہیں اچھا برا
جب خدا نے خیر و شر پیدا کیا

بلا سے دو گھڑی کیواسطے تسکین ہو جاتی
تمھارا خواب ہی میں گر مجھے دیدار ہو جاتا

دکھا دیتا نکل کر اپنی صورت تو جو پردے سے
ترا نقصان کیا اس میں بت عیار ہو جاتا

اگر جاتا ہے تو اُس بت کی بزم ناز میں اے دل
کسی سے پہلے مل جلکر وہاں پہچان پیدا کر

نازک ہو بل نہ آئے کلائی میں آپکی
چھوٹی سی لینا ہاتھ میں تلوار دیکھکر

کوئی شریک حال نہیں وقت کا نہیں
آتی نہیں ہے موت بھی بیمار دیکھکر

نفریں کرو جہاں کے سب کاروبار پر
اپنے شہیدِ ناز کو دفنا کے جایئے
دیئے جاتا ہے کیوں چرکے پہ چرکے مضمحل ہو کر

قائم رہو ارادۂ پروردگار پر
احسان اتنا اَور رہو اس خاکسار پر
خدا کیواسطے بیداد گر کر رحم بسمل پر

دو دن کی زندگی پہ نہ اتنا اُچھل کے چل
محفل میں مجکو دیکھتے ہی آگ ہو گئے
تمہارے عشق نے کچھ ایسا کر دیا بے خود
نہ ایرانی نہ تورانی، نہ رومی، اصفہانی ہیں
ابھی تم دیکھنا ہے کیا لے بو الہوس راہِ محبت میں
ہمارے جیب و دامن آستیں پر ہی نہیں موقوف
کہاں ہیں سنتے کہو تم رنگ کو بھی پیار کرتے ہو
ایسا کیا ملکِ عدم میں ہے تماشا یا رب
بہت کم ایسے ہوتے ہیں محبت والے دُنیا میں
جنھیں باور نہ ہو وہ جا کے امریکہ میں دیکھ آئیں
زہے نصیب زہے بخت اے خدا تیرے
فغاں سے آہ سے فریاد سے شیون سے نالوں سے
خدا کے واسطے بس بند کر منقار نوا اپنی
حباب آسا کسی سیلاب میں بہتا نظر آئے
ملی جو لذتِ صحرا نوردی دشتِ غربت میں
کسیکی نکہتِ گیسو اُڑا کر کیا صبا لائی
سرِ مقتل کسی کا بھی کسی پر کچھ نہیں احسان

دنیا ہے چل چلاؤ کا رستہ سنبھل کے چل
کہنے لگے رقیب سے غصہ میں جل کے چل
کہاں ہوں، کون ہوں کس جا ہوں کچھ خیال نہیں
یہاں کے جتنے باشندے ہیں سب ہندوستانی ہیں
ہزاروں لاکھوں سر پر آفتیں تجکو اٹھانی ہیں
ابھی تو دھجیاں دامانِ صحرا کی اڑانی ہیں
تو حسن کے بوسے کسکو یاد یہ باتیں پرانی ہیں
پھر پلٹ کر نہیں آتے جو اُدھر جاتے ہیں
جسے وہ چاہتے ہیں آپ بِک کر مول لیتے ہیں
بتانِ سیم تن کے بوسے اکثر مول لیتے ہیں
چمن جو چھوٹ گیا دست نازنیں میں رہی
فلک کو چھید ڈالوں گا انہی تیر ونکے بھالوں سے
جگر ٹکڑے ٹکڑے ہوا جاتا ہے بلبل تیرے نالوں سے
جو پڑ جائے کبھی پالا فلک کو رونیوالوں سے
مزا اسکا کوئی پوچھے مرے تلووں کے چھالوں سے
اسیرِ زلف کے سر پر بلا پر ہے بلا لائی
مجھے میری قضا لائی اُسے اُسکی جفا لائی

[illegible]

بٹھا کے سامنے بت کو سلام کرینگے
خدا خدا نہ سہی رام رام کرینگے

آرزوئے خلد ہے کچھ اور شے — حسرتِ دُنیائے فانی اور ہے

طالبِ دید بہت حضرت موسیٰ تھے مگر — دیکھتے ہی اُسے پھر ہوش سنبھالے نہ گئے

پیچ سے ہم نے بہت کرکے بچایا لیکن — ہے غضب دلکو ترے زلف کے کالے لے گئے

دردِ سر کا کبھی حیلہ ہے کبھی عذرِ حنا — مہرباں آپکے یہ حیلہ حوالے ہو گئے

گر برا دنگ تھا جو روٹھ کے بیٹھا گھر میں — تم بھلے تھے تو نہ آ کے منالے گئے

رنگ

رنگ- حریف خاں صاحب عرف میرزا نگیلے، استعداد علمی کمی ہے، تفنن طبع کے طور پر شعر کہہ لیتے ہیں جس میں منشیانہ ظرافت کا پہلو نظر آتا ہے۔ چند شعر درج کیے جاتے ہیں۔

سکونِ اختلاجِ دل ہوا جسنے سے پھانکا — سفوفِ عاشقی ہے نام خاکِ کوئے جاناں کا

چالان ترا کیوں ستم ایجاد نہ ہوگا — کیا خون کا دعویٰ ستم ایجاد نہ ہوگا

وارنٹ میں ہو جائیگا آخر کو گرفتار — حاضر جو عدالت میں تو جلاد نہ ہوگا

بند آنکھیں ہیں تمہاری او نگھتے ہو راتدن — یہ بتلاؤ کہ افیوں سفر کھاتے ہو کیوں

کمر جیسے دیدۂ زاغ کی تری سب کو ہو نصیب — قد بڑھے کے گھنٹہ گھر کی برابر جو یار ہو

ہمارا یار ہمکو آج تلشکری چٹائے گا — سُنا ہے یہ کہ تل رخسار کا لب کی شکر ہوگی

نہ پوچھو مفلسی کے عقد کا سامان قاضی جی — کنوئیں کا اُنکے پانی ہوگا اور میری شکر ہوگی

رنگین

رنگین میرزا سعادت یار خان نام رنگین تخلص، انکے والد مرزا طہماسپ بیگ خان ساٹھ برس کی عمر میں روم سے ہندوستان میں آئے تھے، لاہور میں نواب حسین الملک معروف بہ میر منو خلف الصدق وزیر الممالک اعتماد الدولہ کے ہاں ملازم رہے اور اُنکے بعد نواب نجیب الدولہ ضابطہ خان اور ذو الفقار الدولہ کی ملازمت میں نوبت بہ نوبت آسودگی کے ساتھ زندگی بسر کی، اُنھیں ایام میں بارگاہ سلطانی سے خطاب محکم الدولہ خان بہادر اعتضاد جنگ حاصل کیا، رنگین کی پیدایش قصبۂ سرہند میں ہوئی لیکن انہوں نے نشو و نما دہلی میں پائی اور بچپن سے دمِ واپسیں تک یہیں رہے، سپاہی کے بیٹے تھے

اسلئے جملہ فنون سپہگری میں معقول دستگاہ رکھتے تھے، سیر و سیاحت کا بھی شوق رہا، اکثر امرا کے ساتھ بھی رہے خصوصًا میرزا سلیمان شکوہ بہادر برادر اکبر شاہ ثانی کی مصاحبت کا فخر حاصل رہا، کبھی تجارت بھی کر لیتے تھے چنانچہ اسی سلسلے میں نواب آصف الدولہ و سعادت علیخان کے عہد میں ایرانی گھوڑے لیکر لکھنؤ کے کئی سفر کیئے لیکن آخر عمر میں ترکِ تجارت و ملازمت کر کے گوشہ نشین ہو گئے تھے، فن شعر کا شوق عنفوانِ شباب ہی میں ہو گیا تھا اور شاہ حاتم کے ممتاز شاگردوں میں گنے جاتے تھے آپ وجاہت ذاتی و خاندانی کے باعث جس صحبت میں جا بیٹھتے تھے وہاں ہاتھوں ہاتھ لیئے جاتے تھے، رنگین میں بحیثیت ایک شاعر ہونیکے متعدد صفات کا مجموعہ پایا جاتا ہے، شوخی و بذلہ سنجی کے علاوہ ایجاد پسند طبیعت پائی تھی چنانچہ ریختی کا ایجاد انھوں نے ہی کیا جس کا سب سے اول تتبع سید انشا نے کیا، کہیں عاشقانہ دردمندی کی زبان میں پند و نصائح کی حکایات لکھتے ہیں اور ایسا لکھتے ہیں کہ خواص و عوام کو اپنا گرویدہ رنگین کلامی اور دلدادہ شگفتہ بیانی بنا لیتے ہیں۔ جو عام رائے انکے متعلق قائم ہے کہ وہ ریختی گو اور ظریف شاعر تھے یہ ناواقفیت پر مبنی ہے، قسامِ ازل نے رنگین کو عجیب پرلطف اور ہمہ گیر مذاق ودیعت کیا تھا، ریختی ہی پر کیا موقوف ہے، وہ کونسا رنگ ہے جس میں رنگین نے اپنے نیرنگ فکر سے پھول نہیں کھلائے اور باغ سخن میں وہ کونسی روش ہے جس میں رنگین کی قلم نے گلکاریاں نہیں کیں، حقیقت میں انکا کلام عطر مجموعہ ہے جس میں ہر قسم اور ہر پایہ کا اعلیٰ سے ادنیٰ تک کلام موجود ہے غرضکہ رنگین نے ہمہ داں طبیعت اور ہمہ گیر مذاق پایا تھا، رنگین نے حقیقت میں یہ کمال کر دکھایا کہ ریختی کی ایجاد کے ساتھ ریختہ کو بھی ہاتھ سے نہ دیا اور نہ صرف ریختہ ہی پر حاکم رہا بلکہ عشق عاشقی کے افسانوں سے گذر کر پند و نصیحت کی دشوار گزار منازل سخن کو بھی بخوش اسلوبی تمام طے کیا۔ زبان کے معاملہ میں رنگین اپنا آپ ہی جواب ہے، اور چونکہ رنگین ریختی کا موجد ہے اس لیئے سخن سنجی کے قاعدہ کلیہ کے مطابق اُسکی ریختی کی ابتدائی حالت میں کچھ سادگی کے جوہر باقی ہیں اور وہ جان صاحب کی ریختی کی طرح سرتاسر فحش نہیں ہے۔ نورتن یعنی کُلیات رنگین میں چار اردو دیوان موسوم بہ ریختہ، بیختہ، آمیختہ، انگیختہ کے علاوہ پانچ اور بھی کتابیں ہیں۔ مثنوی ایجاد رنگین، فرسنامہ، رنگین نامہ (محمود نامہ کے جواب میں)

مجالس رنگین ایک نسخہ نثر ہے جس میں تمام شعرا کی خبر لی ہے اور سب سے آخر میں ان کی بہترین تصنیف مثنوی دلپذیر ہے اور ان سب کا مجموعہ نورتن کے نام سے موسوم ہے رنگین کے ثبوت کمال کے دلائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انکی مثنوی دلپذیر اپنے زمانہ کی تمام اردو مثنویوں سے بہتر ہے، زبان اسکی نہایت صاف اور ستھری ہے اور نہایت ہی دلچسپ ہے، اور ترکیب و بندش ایسی بے تکلف کہ اس زمانے کے بڑے بڑے شعرا نے متفق ہوکر اسکی تعریف کی ہے چنانچہ نامور معصر شعرا مثل نثار اللہ خان فراق بھمہ یکجان آشفتہ شاگرد میر محمدی مائل بسنت سنگھ نشاط مرزا قتیل مصحفی انشا سجاد علی بیگ راغب شاگرد رنگین اور جرأت سب کے تعریفی قطعات تاریخ آخر میں درج ہیں۔ چنانچہ جرأت کا مصرعہ تاریخ ہے سہ "ہے یہ بے نظیر سے بہتر" ہر صنف شعر میں کم و بیش طبع آزمائی کی ہے اور مختلف قسم کے اخلاقی اور اور تخیل نظمیں بھی انکے ہاں ملتی ہیں اور شاید یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ انکی رنگین مزاجی اور شگفتہ بیانی کے خاص و عام اس عہد میں گرویدہ تھے، تیسرا دیوان ہزلیات سے پر ہے جس میں ایک قصیدہ شیطان کی مدح میں بھی لکھا ہے، چوتھا دیوان ریختی کا ہے، شاعری کے علاوہ رنگین اپنے عہد میں ایک لاجواب شہسوار اور گھوڑے کے ماہر اور اسکے خواص اور معالجات کی تدبیروں میں بے نظیر سمجھے جاتے تھے بالآخر رنگین نے جمادی الثانی ۱۲۵۱ھ میں کامل اسی برس تک مشاہدہ نیرنگ عالم کرکے انتقال کیا، انکے چاروں دیوان نہایت خوشخط اور مطلا میرے کتب خانہ میں موجود ہیں اور مثنویات وغیرہ کا بھی مکمل مجموعہ موجود ہے، رنگین کے کلام میں اگر نقص ہے تو یہی کہ انکے کلام کی سادگی اکثر اوقات حد سے گذر جاتی ہے اور لطف سخن کو نقصان پہنچاتی ہے، پھر بھی اس ابتدائی زبان اردو کے زمانے میں آپ کی یہ سادہ بیانی ہزاروں قدردانیوں کی مستحق ہے۔ کلکتہ کی بھی سیر کی تھی۔ آپکے کلام کا انتخاب ہدیہ ناظرین ہے۔

کیا کرے تھے ہو ناصح تم نصیحت رات دن مجھکو
گئے بھی ایک دن تم جا کے سمجھاتے تو کیا ہوتا

بوسہ تو ہمکو دیکے ثابت گناہ کرے
گر قتل تجھکو قاتل منظور ہے ہمارا

کر اپنے دل میں تو انصاف میں وٹھا ہوں کیونکر
گلے میں ڈالکر باہیں منانا تیرا یاد آیا

تھی شعلہ یا وہ برق کہ جی میرا جل گیا
ایسی کی اک نگاہ کہ بس دم نکل گیا

تا حشر رہے یہ داغ دل کا
یارب نہ بجھے چراغ دل کا

رباعی

اے موجب عیش و شادمانی پھر آ
اے باعث لطف زندگانی پھر آ

میں ہوں بن تیرے چشم خوباں بن لیں
پھر آ تو اب اے میری جوانی پھر آ

رہروان عدم ذرا ٹھیرو
ہم بھی چلتے ہیں ساتھ دم لیکر

اُن سے کر خوف تیری محفل سے
اُٹھ گئے جو کہ چشم نم لیکر

عاشق اُس مست کے ہیں جو نرگس
کیا کرینگے وہ جام جم لیکر

بازگشتی تیرے پھر کر یہ تیرا دیکھنا
صدقہ تیرے اِس ادا پر سے مجھے قربان کر

زاہد بتا کہ کعبہ میں کیا دیکھتا ہے تُو
جاتے ہیں دیر میں تو صنم دیکھتے ہیں ہم

تُو نہ گذرے گا جفا سے تو یار
جان سے اپنی گذر جائیں گے ہم

دیکھتے ہی اُنکو ہو جاتے ہیں شادی مرگ ہم
اُنکو پاتے ہیں تو پھر ہم آپ کو پاتے نہیں

دست قدرت نے عجب تیری بنائیں آنکھیں
مر گیا جن کو ذرا تُو نے دکھائیں آنکھیں

ہاتھ میں ہاتھ ہے پر بوسہ نہیں لے سکتے
دسترس اتنی بھی ہرگز ہمیں ہیہات نہیں

اب ظلم کی ہم اُنکے جاکس سے داد چاہیں
اقلیم دل میں پھرتی جن کی دہائیاں ہوں

شب ہونے آئی لیکن ابتک نہیں وہ آیا
ایسا نہ ہو کہ قسمیں جھوٹی ہی کھائیاں ہوں

کچھ جھوٹ سچ کسی نے باتیں لگائیاں ہیں
جو آج تمنے پیارے آنکھیں چڑھائیاں ہیں

کس مست کی نگہ کی یہ بدشرابیاں ہیں
اوندھے پڑے ہیں ساغر ٹوٹی گلابیاں ہیں

نرگس سرشک چشم اب کیونکر نہ سُرخ نکلے
ہمکو وہ فندق پا اب یاد آئیاں ہیں

دل تھا جو بساط اپنی سو گذران چکے ہیں
جی نذر کریں جی میں یہ اب ٹھان چکے ہیں

میں نے کہا جو چاہا کہ چاہتے ہو مجھے مجھ کو تم چاہتے ہو کتنا کچھ	ق	سن کے وہ بولے یوں ادھر دیکھو اپنی چھاتی پہ ہاتھ دھر دیکھو
نشۂ حسن سے جس وقت وہ مخمور ہوئے		ہاتھ سے اسکے کئی شیشۂ دل چور ہوئے
حوروں کے عوض مجھے الٰہی ! کب مجھکو بہشت کی ہے خواہش دل کو کوئی کس طرح سنبھالے روح نے جسم پر گرانی کی	قطعہ	دنیا میں تو ایک نازنیں دے جو کچھ دینا ہے سو یہیں دے یاں جان کے پڑ رہے ہیں لالے اب یہ حالت ہے ناتوانی کی
ست چھالو پھولوں کو کچھ دشمنوں کو ہو بجائے دم آیا ناک میں اس آہ اور زاری کے جینے سے		میرا جی ڈرتا ہے نازک ہے کلائی آپکی طبیبو موت ہی بہتر ہے اس زاری کے جینے سے
یہی رونا جو ہے تو تم رنگین		اسکے کوچے سے آج کل نکلے
وہ نہ آئے تو تو ہی چل رنگیں قیامت پر رہا موقوف پھر تو دیکھنا اسکا لپٹنے کی بات دل میں کھٹکتی ہے رات دن		اس میں کیا تیری شان جاتی ہے اگر اک دم کے دم آئینہ وہ تاخیر کرتا ہے کب دل یہ بار ہوئے ہی بیگانہ کچھ کہے
جب اپنی والیوں پر عشق آتا ہے تب لے رنگیں		اگر پتھر کا دل ہو اس میں بھی تاثیر کرتا ہے

رنگین - لالہ بلاس رائے برادر خورد مہاراجہ بہادر قدرت اللہ شوق لکھتے ہیں جوان خوبصورت خوش سیرت صاحب اقتدار بریلی کے رئیس اعظم تھے، اگرچہ دیوان مرتب کیا تھا لیکن اسکے اشعار میں مزا نہیں۔ چند شعر درج ہیں۔

میں تیرے ظلم کو دیکھے ہوئے کہتا ہوں اے ظالم	جو بر تقدیر تو میرا خدا ہوتا تو کیا ہوتا
پہچان لیجو مشہدِ رنگیں کو اے صبا	اٹھتا ہے اسکی خاک سے اب تک غبار سرخ
غیروں کے پاس جانا ہمسے کبھی نہ ملنا	افسوس ہے تو یہ ہے ارمان ہے تو یہ ہے

رنگا

رنگین - منشی موہن لال کائستھ ساکن دہلی، افسوس کہ بجز اس شعر کے نہ کلام ملا

نہ حال معلوم ہوا۔

رنگین نہیں ہے قطرۂ شبنم یہ باغ میں — بادِ صبا نے مے سے بھرا ہے ایاغِ گل

رنگین - میر اکبر علی مرحوم عرف میر سنگی، لکھنؤ کے باشندے تھے چنانچہ انکے نام کا ایک محلہ اس وقت تک لکھنؤ میں موجود ہے، جس زمانے میں کہ مرزا سودا نے اپنی عمر کے آخری دس سال نوابانِ اودہ کے دامنِ دولت سے وابستہ ہوکر بسر کیئے، میر رنگین نے بھی انہی ایام میں مرزا صاحب موصوف کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا۔ انکے کلام میں لکھنؤ کا رنگ غالب معلوم ہوتا ہے، یہ چند اشعار ہدیہ ناظرین ہیں - ن

نئی ہے مردمک کی جلوہ گر تصویر آنکھوں میں — رہا کرتا ہے ہردم وہ بُتِ بے پیر آنکھوں میں
بہ رنگِ طائرِ بسمل نہ کیونکر ہر گھڑی تڑپے — ہو جب تیرِ مژہ سے مرغِ دل نخچیر آنکھوں میں
تری آنکھوں نے یہ دورے نہیں ہیں شرحِ اقاتل — مگر لکھی ہی میرے قتل کی تحریر آنکھوں میں
دکھا جا آنکر صورت خدا کیواسطے اپنی — ترے عاشق کا دم آیا بت بے پیر آنکھوں میں
تصور میں زیارت جب ہوئی حاصل ہمیں رنگیں — لگائی ہمنے خاکِ مرقدِ شبیر آنکھوں میں

رنگین - منشی انور علی باشندہ فتحپور ملازم محکمۂ تعمیرات ریاست بھوپال، حضرت صفا رئیس بھوپال کے تلامذہ میں سے ہیں زیادہ حال معلوم نہ ہوا یہ کلام کا انتخاب ہے۔ ن

اس بھولی بھولی شکل پہ دل لوٹ کیوں نجائے — کہتا ہے پپہا کہ زمانہ ہے پیار کا
اللہ رے نازکی جو تصور میں بھی چھُوا — پژمردہ ہوگیا گلِ رخسار یار کا
جوشِ شباب کہتا ہے ارمان نکال لو — دیکھو رہے گا پھر نہ زمانہ بہار کا

میرا فسانہ اور عدو کی زبان پر — اللہ صدقے تیری کریمی کی شان پر
آئی بہار چھائی گھٹا آسمان پر — پی آئیں چلکے پیرِ مغاں کی دکان پر
کہتے ہیں ہمنشیں سے مجھے غش ہیں دیکھکر — آسیب کا خلل تو نہیں اس جوان پر
کہنے کو تو فسانۂ غم اُن سے کہدیا — مطلب کا کوئی حرف نہ آیا زبان پر

رنگین

رنگین۔ منشی ناصر حسین خان بھوپالی شاگرد حضرت افسوں، بھوپال میں ملازم ہیں۔ یہ کلام ہے

پھولا پھلا ہے باغ دلِ داغدار کا — زخمِ جگر دکھاتے ہیں عالم بہار کا
عمرو ہی جنابِ عشق نے رتبہ کیا بلند — خود ہاں ہوا تھا کب سرِ منصور دار کا
کس شوخ کے خیال نے بیتاب کر دیا — طاقت نہ ضبط کی ہے نہ یارا قرار کا
ترکوں سے کیا مقابلہ رنگیں بقولِ داغ — دل ایک ہاتھ کا ہے جگر ایک وار کا

رنگین

رنگین۔ منشی محمد ایوب حال مقیم حیدرآباد نسیم دکن سے کلام منتخب ہو کر درج ہوا۔

شوخی کہیں عیاں ہے تم ہو نہاں کہیں — محمل کا اُسکے پردہ نہ ہو آسماں کہیں
اچھا نہیں ہے شیخ و برہمن کا کوئی فرق — کعبہ سے بڑھ نہ جائے ترا آستاں کہیں
مقتل میں تم بھی آؤ تماشے کے واسطے — بسمل تڑپ رہے ہیں کہیں نیم جاں کہیں

رنگین

رنگین۔ عالیجناب سری راجہ ہری دت صاحب دوبے بہادر رنگین راجہ جونپور اودھ کے تعلقہ دار ہیں اِنکے بزرگ بڑے صاحب اقتدار امیر گذرے ہیں پچیس برس سے فنِ شعر کا شوق ہے حضرت وسیم برادر حضرت ریاض خیرآبادی اِنکے اُستاد ہیں۔ کلام ہم رشید کا انتخاب ہے

دمِ نزع و دیدار آکر دکھاؤ — دم آنکھوں میں اٹکا ہوا ہے کسی کا
ادائیں غضب شوخیاں ہیں قیامت — شبِ وصل کیا پوچھنا ہے کسی کا
تڑپتا ہے دل کی طرح اپنے کوئی — کسی پر جو دل آگیا ہے کسی کا
اثر تو فلک سے اُتر آ خدارا — بلند آج دستِ دعا ہے کسی کا

گھبرائی ہوئی پھرتی ہے گردوں پہ پریشان — فریاد ہماری، دلِ مضطر سے نکل کر

کیا گت بنی ہے شیخ فضیلت مآب کی — رندوں نے مے سے ریش رنگی ہے جناب کی
تیری نگاہِ شوخ کی شوخی نے بزم میں — تصویر کھینچ دی ہے مرے اضطراب کی
دستِ نازک سے ہے اِس کا پھیرنا مشکل اگر — آپ یوں ہی حلق پر تلوار رہنے دیجئے

اِس ظلم کا تجھ پر فلکِ پیر پڑے صبر — کیا مفت جوانی ہوئی برباد کسی کی

سینے سے میں کیا داغِ محبت کو مٹاؤں	یہ تو ہے نشانی دلِ ناشاد کسی کی
زاہد کی جب سے دخترِ رز آشنا ہوئی	حوروں سے چاہ آپ کو اسکی سوا ہوئی
رندوں کو دختِ رز جو لگاتی نہیں ہے مُنہ	صحبت میں رہکے شیخ کی یہ پارسا ہوئی
کہتا ہے لیکے دلکو مرے چھیڑ سے وہ شوخ	پھر مجکو دیجئے وہ مری چیز کیا ہوئی
مرنیوالوں سے تمھارا یہ سوال اچھا ہے	وصلِ حور اچھا ہے یا میرا وصال اچھا ہے
کہتے ہیں مجکو سُنا کر کہ یہ مال اچھا ہے	دل کے لینے کو یہ اندازِ سوال اچھا ہے
بعدِ مُردن بھی وہی چھیڑ چلی جاتی ہے	قبر پر پوچھتے ہیں آکے یہ حال اچھا ہے
کبھی آتا تو ہے تو اُسکی عیادت کے لیے	یہ بُرا بھی ترے بیمار کا حال اچھا ہے
پیتے ہی ایک جام کے مدہوش ہو گئے	دُنیا کے رنج ہم کو فراموش ہو گئے
قفس لیچل مرا گلشن میں صیاد	دکھادے سیر مجکو بوستاں کی

رواں

رواں۔ بلبلِ شاخسار معانی، گُلِ نو دمیدۂ چمنستان سخندانی، سخنورِ رنگین بیان منشی جگت موہن لال رواں تخلص، وطن قصبہ موراوان ضلع اناؤ، مولد اناؤ، خاص تاریخ ولادت ۱۴ جنوری ۱۸۸۹ء فارسی و عربی کی تعلیم اناؤ کے مکتب میں مولوی سبحان خاں سے پائی مشکل تعلیم شروع ہوئی تھی کہ ۱۸۹۸ء میں آپکے والد منشی گنگا پرشاد صاحب وکیل کا انتقال ہوگیا اور اسکے بعد ایک عرصہ تک اوقات پریشانی میں کٹی، انٹرنس تک کی کتب مکان ہی پر خارجی طور سے پڑھیں ۱۹۰۷ء میں موراوان ہائی اسکول ضلع اناؤ میں داخل ہوکر انٹرنس درجۂ اول میں پاس کیا، ۱۹۰۹ء میں ایف اے کیننگ کالج لکھنؤ سے پاس کیا اور اپنے کالج میں اول نمبر ملا جسکے صلہ میں کالج کا نقرئی تمغہ عطا ہوا ۱۹۱۱ء میں بی اے اُسی کالج سے پاس کیا اور اس امتحان میں بھی کالج میں اول نمبر رہا جسکے صلہ میں تمغہ طلائی عطا ہوا ۱۹۱۳ء میں ایم اے اور ۱۹۱۴ء میں اول سال ایل ایل بی پاس کیا۔

شاعری کا شوق بچپن سے ہے، الف بے شروع کرنے سے پہلے شعر کہنے لگے، لکھنؤ

میر کو شرف تلمذ حاصل ہے شاعر زاده حاصل کیا اور جناب فضل خلف جناب اسیر مرحوم و جناب مرزا محمد ہادی صاحب عزیز سے تلمذ حاصل کیا ۔ اردو میں غالب اور فارسی میں حافظ کے کلام سے دلی انس ہے ۔ قریب قریب تمام ہندوستان کی سیر کر چکے ہیں، تاریخی واقعات اور قدیم عمارتوں کے دیکھنے کا خاص شوق ہے اور فرصت کا بیشتر وقت اسی سیر میں گذرتا ہے گویا یہی زندگی کا اصول ہے سیر کرو، خواہ سیر کتب، خواہ سیر دنیا، آپ نوجوان، نومشق اگرچہ مطبوع اصناف میں سمجھے جاتے ہیں، تین چار سال اُدھر کیننگ کالج کے مشاعروں میں انہیں کا نمبر اول رہتا تھا، نیچرل نظمیں بھی خوب لکھتے ہیں، غزل گوئی کیطرف البتہ میلان کم ہے، مشاہدات نیچر خوب نظم کرتے ہیں، دل میں درد اور زبان میں تاثیر پائی جاتی ہے۔ تلاش مضامین کے ساتھ ساتھ ترکیبیں ستھری دلنشین اور الفاظ موزوں اچھی بندش میں سلک نظم میں پروتے ہیں ۔ آپکے کلام کا بیشتر حصہ تاریخی معلومات، علمی قابلیت اور قدرتی مناظر کی دلکش تصاویر سے مملو ہے، نشستِ الفاظ قابلِ تعریف ہے اور تخیل کی بلند پروازی قابل داد۔ الغرض آپ ایک ہونہار سخنور ہیں اور امید ہے کہ استدلالِ زمانہ کے ساتھ ساتھ آپکا کمال روز بروز ترقی حاصل کرے گا

وحشتِ دل ہم نے گیسو میں یونہی کچھ کم نہ تھی
اور سودا بڑھ گیا سیر بیاباں دیکھکر

ہونیوالا ہے کسی بیکس کا ان ہاتھوں سے خوں
یہ بتاتا ہے برہمن دستِ جاناں دیکھکر

ہو گیا اُن پر اثر اندازِ میرا ضبطِ عشق
آپ حیراں ہو گئے وہ مجھکو حیراں دیکھکر

یہ نہ پوچھ کاٹتا ہوں قید میں دن کسطرح
سقفِ زنداں دیکھکر دیوارِ زنداں دیکھکر

گو نشانِ اپنی ہستی موہوم یاد آتی نہیں
دل بھر آتا ہے مگر گورِ غریباں دیکھکر

دستِ بستہ سر سے جب باندھے کفن پہنچا ہوں میں
قتل ہی کرنا پڑا اُن کو پشیماں دیکھکر

بتوں کا ذکر کرتے ہیں خدا کی یاد کرتے ہیں
فرشتے بھی نہیں کرتے جو آدم زاد کرتے ہیں

ہماری آخری ہچکی پہ وہ ارشاد کرتے ہیں
انہیں کو ضبط کا دعوی تھا جو فریاد کرتے ہیں

[illegible] غم کا آج شاید وقت نازک ہے
کہ سارے چارہ جو بیٹھے خدا کو یاد کرتے ہیں

یہ حالت دیدنی ہے تیرے بیمارانِ الفت کی
کہ اہلِ درد چپ ہیں چارہ گر [illegible]

تلون کا اثر تیرے ترے عشاق تک پہنچا
کبھی آہیں، کبھی نالے کبھی [illegible]

رواں کے نزع کا عالم کسی نے اُنکو لکھا تھا
جواب آیا، کہ بسم اللہ ہم بھی [illegible]

دکھیلائے ناخدائے بحرِ اُلفت دیکھنا
دل کی کشتی سنگِ عصیاں سے کہیں [illegible]

کیا غضب ہی ہوں تو آنکھیں دیکھنے کیولسطے
اور ہم چاہیں کہ کچھ دیکھیں مگر دیکھا نجائے

اُف رے کمزوریٔ دل، اللہ رے کارِ زبردست
اپنا ہی چاکِ جگر دیکھیں ہم اور دیکھا نجائے

پھونک ڈالا سوزِ غم نے جسم و جاں کیسے سرشک
یہ قیامت ہے کہ ہم روئیں مگر رویا نہ جائے

کھینچی ہے اُنکو ہر دل کی کشش اپنی طرف
اپنے گھر سے وہ جو نکلیں بھی تو اب [illegible] نجائے

کردیا ہے کام میرا ختم جب فریاد نے
آسماں تک اب نہیں جاتی تو خیر اچھا نجائے

پھونک دے جسم و جگر کیا یہ بھی امکان میں نہیں
آسماں تک آہِ سوزاں ہمنے یہ مانا نجائے

اپنی قسمت ہی وگرنہ ای دلِ وحشت سرشت
اپنے گھر میں وہ بلائیں ہمکو اور جایا نجائے

ایک ہی دریائے بے پایاں کے قطرہ ہم ہیں سب
حیف ہی گر ہم میں کوئی جانبِ دریا نجائے

آنکھیں کھل جائینگی اس بے مایگی کو دیکھ کر
خیر اسی میں ہے کہ قطرہ جانبِ دریا نجائے

ضعف کا تو جب مزہ ہے ای خیالِ روئے دوست
ورنہ ہم چاہیں کہ کچھ بولیں مگر بولا نجائے

منزلِ راہِ عدم میں جابجا لکھا ہے یہ
لوٹنا ہو جس کو وہ اِس راہ سے اصلا نجائے

اب نفس کے ساتھ آنے لگے ہیں لختِ دل
حال بہتر ہے مریضِ غم کا کچھ پوچھا نجائے

غرض رہبر سے کیا مجکو گلہ ہے جذبِ کامل سے
کہ جتنا بڑھ رہا ہوں ہٹ رہا ہوں دور منزل سے

حصولِ آرزو کی کیا توقع ایسے غافل سے
جو دل میں رہکے بھی واقف نہیں بیتابیٔ دل سے

سکوتِ بیمحل تقریرِ بے موقع کی تہمت کیوں
اُٹھانا ہو تو یوں ہمکو اُٹھا دو اپنی محفل سے

یہ ارمانِ ترقی آج ہے دعویٰ خدائی کا
اُسی دل کو جو کل تک تھا لہو کی بوند مشکل سے

گل و لالہ پہ آخر کر رہا ہے غور کیا گلچیں
یہ وہ خوں ہے جو ٹپکا تھا کبھی چشمِ عنادل سے

شب جا [illegible] اور یہ سنّاٹا ۔۔۔ تھیں اس ساز پہ ہم گوش [illegible] دل سے
نہیں یہ [illegible] سے ہم آئیں گی ۔۔۔ نہیں یہ ضد کہ تمکو کھینچ لیتے جذبِ کامل سے
غضب ہو [illegible] آئی بزم میں کہنا ۔۔۔ سدا آں یا یوں فدا ہو جاؤ یا اٹھ جاؤ محفل سے

شاعری

مرحبا طائرِ زلفِ مضامینِ بلند ۔۔۔ رہبرِ راہِ خدا ۔ ہادیٔ جانِ دردمند
راز دارِ [illegible] پردہ دارِ رازِ نفس ۔۔۔ کاشفِ اسرارِ باطن عکسِ سوز و سازِ نفس
اے بہارِ [illegible] آفتابِ لازوال ۔۔۔ کر نہیں سکتا تجھے جورِ زمانہ پائمال
اے نشانِ زندگاں ۔ اے رنگِ خونابِ جگر ۔۔۔ نورِ قلبِ باصفا ۔ تعبیرِ جذبِ پُر اثر
جسپہ سو جاں سے ہو دل صدقے ترا وہ نادرہ ۔۔۔ جسنے عالم کو کیا بسمل ترا انداز ہے
خونِ دل کھا کر بھی جسکو تیری لذت لگ گئی ۔۔۔ صدمۂ جانکاہ تنہائی سے فرصت لگ گئی
عاشقِ شیدا ہو ہر بلبل ترا وہ گل ہے تو ۔۔۔ شاہدِ رعنا ترا ہر گل ہو وہ بلبل ہے تو
اے رئیسِ گوشۂ عزلت گزینانِ الم ۔۔۔ اے شریکِ حالِ زارِ مبتلایانِ درد و غم
اے زبانِ عندلیبِ نیچر کی سچی ترجمان ۔۔۔ تیرا افلاک شہرت یادگارِ جاودان
جی لبھاتی ہے تپش جسکی وہ دردِ جاں ہے تو ۔۔۔ دل کو بھاتی ہے خلش جسکی وہی [illegible]
تو وہ سودا ہے کہ لیں ہم رفعت جہاں کے عوض ۔۔۔ تو وہ سودا ہے نہ دیں ہم [illegible] کے عوض
کب تری معراج کی ہمسر ہے معراجِ شہی ۔۔۔ تیرے قدموں پر نچھاور سینکڑوں تاجِ شہی

پپیہا

وہی تان پھر سنا [illegible] مرے خوشنوا پپیہے ۔۔۔ مرے دلربا پپیہے مرے خوش ادا پپیہے
اسی دردمند دل سے اُسی صوتِ مضمحل سے ۔۔۔ ترے عشق کے تصدق وہی راگ گا پپیہے
مری نیند اچٹ گئی ہے تری صوتِ جانفزا سے ۔۔۔ دلِ مضطرب ہے بیکل ارے تو سُلا پپیہے
یہ گستاخی کمالی کمالی یہ ہوا کے سرد جھونکے ۔۔۔ کوئی تان اونچے سُر میں وہی پھر لگا پپیہے
تجھے جس طرح ہے حاصل یہ کمالِ عشق بینیاں ۔۔۔ وہی راہ و رسمِ اُلفت مجھے بھی سکھا پپیہے
یہ وصل ہے [illegible] یہ کھلا ہے باعثِ حسرت ۔۔۔ جسے پھر کبھی نہ بھولوں وہ سبق پڑھا پپیہے

تجھے روئے گل دکھادوں تجھے سرو سے ملا دوں — تری بیکلی کا آخر ہے علاج کیا
ترا صبر اور توکل، ترا ضبط اور قناعت — تجھے آفریں پپیہے، تجھے مرحبا
یہ غضب کی آہ و زاری یہ بلا کی بیقراری — تجھے کس کا ہے تصور رہیں کچھ بتا

[illegible]

آہ اے نووارد بزم رباطِ روزگار — آہ اے تازہ اسیر گردشِ لیل و نہار
آہ اے دیباچہ شرحِ کتاب دردِ دل — آہ اے عنوان بابِ اضطراب جانگسل
آہ اے سرنامہ افسانہائے جانگداز — آہ اے سرخی مضمونِ نوائے سوز و ساز
آہ اے نوبت نواز باجرائے حسن و عشق — آہ اے افشائے رازِ انتہائے حسن و عشق
آہ اے تازہ بیان داستانِ وصل و ہجر — آہ او زندہ نشانِ ترجمانِ وصل و ہجر
آہ اے پرفن سراغ نامہائے اشتیاق — آہ اے روشن چراغ کلبۂ تارِ فراق
آہ اے تعبیر خوابِ مست ایامِ شباب — آہ اے تعبیر کیف بادۂ جامِ شباب
آہ اے زنجیر پائے نازکِ وہم و گمان — آہ اے تصویرِ احساساتِ جذباتِ نہاں
آہ اے خمیازۂ سرمستیٔ اندازِ حسن — آہ اے آوازۂ جاں بخشیٔ اعجازِ حسن
آہ اے آوازۂ خاموشیٔ شبہائے تار — آہ اے نقارۂ روپوشیٔ دورِ دیار
۲ سچ بتا بچے ترا وارث ترا والی ہے کون — پھول ہے تو کس چمن کا اور ترا مالی ہے کون
سچ بتا وہ دل کہاں ہے جسکا اِک ٹکڑہ ہے تو — آہ او وہ آنکھیں کہاں ہیں جنکا اک تارا ہے تو
زینتِ آغوش ہے تو جسکا وہ مادر ہے کون — نور ہے جس گھر کا تو بچے بتا وہ گھر ہے کون
اختصارِ طولِ آزارِ نہانی سچ بتا — اے خمارِ بادۂ جوشِ جوانی سچ بتا
سچ بتا بچے تجھے اپنے وطن کا واسطہ — پھول ہے تو جس چمن کا اس چمن کا واسطہ
سچ بتا بچے مجھے کس باپ کا پیارا ہے تو — سچ بتا کس حسن کا ٹوٹا ہوا تارا ہے تو
کیا اُڑا لائی کسی گلزار سے تجھکو ہوا — پھول ہوتے ہیں جہاں آیا ہے پیدا ہو کے تو
یا عناصر میں ہوئی ترتیب پیدا اسقدر — خود مرکب ہوگئے اور بنگئے شکلِ بشر

کہیں جلوۂ انوارِ ازلی تو نہیں؟
پھول خودرو تو کسی خلد شجر کا تو نہیں؟

تو کوئی مسطورِ پنہانی کا دفتر تو نہیں؟
تو کسی میخانۂ معنی کا ساغر تو نہیں؟

کہیں آئینۂ رمزِ حقیقت تو نہیں؟
تو کوئی گنجینۂ اسرارِ قدرت تو نہیں

ماہ وش ہم جانتے ہیں عالمِ صغریٰ ہے تو
یہ بھی کچھ سمجھیں کہاں کس لئے آیا ہے تو

گر نہیں لائی صبا تزئینِ گلشن کے لئے
لائے ہونگے ورنہ ہم سب روشن کے لئے

(۳) آہ کیا میں مان لوں دنیا کے لگ کو بھی دلیل
تجھ کو سمجھوں فخرِ کمزوریِ نفسِ ذلیل

آہ یہ تیری ادا، حسنِ تحیر زا ترا
رو کے پھر لطفِ تبسم آہ یہ رونا ترا

یہ ترا ننھا سا قد اور ننھے ننھے ہاتھ پاؤں
یہ ترا بھولا سا مکھڑا گورے گورے ہاتھ پاؤں

دل نہیں کہتا کہ بدکاری کا ہے انجام تو
ہو رہا ہے گرچہ دنیا میں یونہی بدنام تو

(۴) حیف ہے لیکن اگر لوگوں کا کہنا ٹھیک ہو
حیف ہے گر آدمی کی عقل یوں تاریک ہو

آہ کیا انساں کا ہو سکتا ہے یوں بھی خون سفید
ڈالدے گھورے پہ اپنا مرکزِ جذبِ امید

توبہ توبہ حضرتِ انساں کی یہ کمزوریاں
اشرف المخلوق ہونیکا ہے دعویٰ پھر بھی ہاں

(۵) پال لینا کچھ ترا ماں کو تری مشکل نہ تھا
سنگریزہ تھا مگر پہلو میں اسکے دل نہ تھا

یوں مکرتی ورنہ ماں اپنا فشارِ آرزو
یوں بناتی خود نہ ماں اپنا مزارِ آرزو

حسن کا برباد ہو جانا ہمیں بھاتا نہیں
میرے مولا یہ سمجھ میں راز کچھ آتا نہیں

باپ ماں سے نفسِ سرکش کی کہانی ہائے ہائے
اے معاذ اللہ بچے کی زبانی ہائے ہائے

خود غرض انسان تیری خود پرستی الاماں
یہ تری ناعاقبت اندیش مستی الاماں

(۶) تیرہ جو کچھ بھی تھا، ماں باپ ہی کا فعل تھا
اہلِ دنیا کو خلش معصوم بچے سے ہی کیا

آہ اے معصوم اے رمزِ حقیقت کی شبیہ
آہ اے مظلوم اے اسرارِ قدرت کی شبیہ

نااتفاقی کی ابھی تو نے ہوا کھائی نہیں
تجھ میں نا معصومیت بد باطنی آئی نہیں

[illegible] ہوگا جب عالم میں ترا سن دراز
پیش آئینگے تجھے دنیا کے پستی و فراز

یا خوشی ہو جائیگی تیری مدارِ آرزو
یا کرے گا آسماں تیرا انتشارِ آرزو

ہمکو لیکن یہ نہیں امید پڑتی زینہار
دیکھیے زندہ رہے تو اپنی جوانی کی بہار

چند روزہ عالمِ فانی کا ہے مہمان تو
جائیگا دنیا سے لیکر حسرت و ارمان تو

منظرِ عالم سے تو کرے گا جبدم آنکھ بند
یوں کھینچیگے سانس ٹھنڈی بجھکے تیرے دردمند

پھول تو کھلکر بہارِ جانفزا دکھلا گئے
حسرت اُن غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

لطف تو جب ہے کہ ہمکو کچھ بھی تیرا غم نہ ہو
اور تو سب روئیں لیکن آنکھ اپنی نم نہ ہو

ہمسے گر کوئی رواں پوچھے کہ یہ کیا ہوگیا
ہم کہیں دریا سے قطرہ ملکے دریا ہوگیا

یوں تو ہو جاتا ہے مایوسی میں ہر دل بیقرار
ہے مریضِ غم کا لیکن سخت ابتر حالِ زار

ضعف سے بیکار سب اعضا سراسر ہوگئے
لاغری سے ہیں تنِ محزوں کی رگ رگ [illegible]

جسم میں اب فرطِ غم سے خون اتنا بھی نہیں
جسکو کر دے قلبِ مضطر نذرِ چشمِ اشکبار

منظرِ عالم سے ساری خوبیاں جاتی رہیں
اب کہاں لطف ہو لئے باغ و سیر کوہسار

بار ہے آنکھوں کو پلکوں کا اٹھانا اف رے ضعف
ایک دفتر ہے نگاہِ لاغرِ بیمار زار

اب کہاں ہے آرزوئے دلکی وہ بیباکیاں
اب کہاں ہے شوق کا وہ جذبۂ بے اختیار

ایک محشر ہے بپا اسکے تخیل میں مگر
کشمکش میں ہے مریضِ مضطرب کی جانِ زار

اک طرف متمنیٔ عالم ہے جانِ دردمند
اک طرف دامن کشاں بچوں کا اخلاص و پیار

اک طرف مایوسیٔ دل مقتضائے ترکِ حرص
اک طرف ہے خوف بربادیٔ جملہ کاروبار

اک طرف ہے بند غم سے رستگاری کی امید
اک طرف دل میں خیالِ مہ جبینِ غمگسار

جانِ بیمارِ حزیں کو چین کرے کسطرح
مبتلا ہے سخت حیرانی میں عقلِ سادہ کار

رفتہ رفتہ پھر تخیل اس سے جاتا ہے گذر
دل پہ چھا جاتا ہے یادِ عمرِ رفتہ کا غبار

پھرتا ہے نظروں میں اسکی پھر لڑکپن کا سماں
پھرتی ہے آنکھوں میں اسکی پھر جوانی کی بہار

دیکھتا ہے ہر طرف حسرت بھرے انداز سے
یاد آتے ہیں اسے سب ہمنشین و غمگسار

یاد آتے ہیں جب اپنے اعمال مجھے — دل ہی دل میں اپنے ہوتا ہوں خجالت سے ملال
غور کرتا ہے کہ ہو اس کی تلافی کچھ مگر — یہ خیال آتا ہے آخر ہے حیاتِ مستعار
دل بہت مضطر ہوتا ہوں اپنے پشیماں مع مرض — بازگشتِ عمر کی کرتا ہوں خواہش بار بار
پھر اسی حالت میں جلتا ہوں غالب ضعف قلب — اور ہو جاتا ہوں آنکھوں سے رواں اشک بے قرار

روحؔ محمد غیاث الدین تلمیذ حضرت وطنؔ حیدرآبادی، رسالہ محبوب الکلام میں انکی بہت سی غزلیں نظر سے گذریں ان میں سے چند شعر انتخاب کرکے درج ذیل کیے جاتے ہیں۔ دورِ موجودہ کے نومشق کہنے والوں میں ہیں

روزِ محشر نہ ہوگا اتنا دراز — جتنا ہوتا ہے دن جدائی کا
ایک مدت سے ہیں اسیرِ قفس — مٹ گیا دھیان بھی رہائی کا
کھلے کیونکر دہن کا بھید اُنکے — نکتہ ہے سرِ کبریائی کا
مچھے پیتا ہے شیخ شب کو مے — کھل گیا حال پارسائی کا
اگر زنگِ خودی سے ہو صفا دل — تو ہے حسنِ ازل کا آئینہ دل

بے وصل ہی مرجانا تھا تقدیر میں اپنی — تدبیر کا کیا دخل ہے امرِ شدنی میں
لے منعم کب تک طلبِ جاہ میں کوشش — مرجاؤگے اک دن غمِ دنیائے دنی میں
نہ دل سیر ہوتا ہے ہوگا نہ ہرگز — تمھارے ستم میں کچھ ایسا مزا ہے

طاعتِ حق تم نہیں کرتے ہو حق کے واسطے — شیخ صاحب حور کی خواہش تمھارے دل میں تھی
تعجب کیا جو وقتِ دید آنکھ اپنی جھپک جاتی — تمھارے رخ میں کیا خورشید انور سے ضیا کم تھی
ضرورت کیا تھی ہمکو ہم جو کرتے سیرِ گلشن کی — چمن سے کیا دلِ پُرداغ میں اپنے فضا کم تھی

روحیؔ۔ حافظ غلام یٰسین صاحب حیدرآبادی عرف یٰسین بادشاہ تلمیذ حضرت سکیشؔ تھانوی، دو تین غزلیں ایک دوست نے دکن سے ارسال کی تھیں مگر حالات باوجود دریافت معلوم نہ ہوسکے، نمونہ کلام یہ ہے ؎

جاکے سہر اگریبانِ تار تار سے ہم
تم اپنے ناز سے پوچھو باعث
شبِ وصال وہ شرما کے ناز سے بولے
عجب طرح کی ہے یہ بیخودی شوقِ وصال
وہ دن بھی یاد ہیں جھجک کر کبھی نہ ملتے تھے

مراد لینے کو جاتے ہیں نوکِ ملک سے ہم
کہ مضطرب ہیں کیوں کیوں [illegible]
معاف کیجئے باز آئے ایسے پیار سے ہم
کہ یار ہی کا پتہ پوچھتے ہیں یار سے ہم
غرورِ حسن سے تم غیرت وقار سے ہم

روشن میر حسین علی خلفِ میر خلیل باشندۂ فیض آباد نواب نظام الدولہ رئیس لکھنؤ جہد غازی الدین حیدر کی سرکار میں داروغہ تھے اور مولوی محمد بخش شہید کے شاگردوں میں ممتاز

نہ کیوں ہو داغِ جگر کی بہار پہلو میں
نہیں انہیں کوئی ہجر یار میں اپنا
فقط اثر ہے یہ اس گل کے خارِ مژگاں کا
جو شب کو دہ نہ ہو گھر میں ہمارے یارِ روشن

کھلا ہوا ہے عجب لالہ زار پہلو میں
دلِ حزیں ہے فقط غمگسار پہلو میں
کھٹک رہا ہے جو دل مثلِ خار پہلو میں
تو سانپ سوتا ہے رکھکر کٹار پہلو میں

جب وہ دکھلاتے ہیں آکر سرِ بازار آنکھیں
اسکی آنکھوں سے بھلا کرتی ہیں کیا ہمچشمی
باغ میں جبکہ چلے ناز سے وہ سروِ رواں
تو وہ بت ہے کہ اگر دیر و حرم میں جائے
پھرتی ہے نظروں میں کسکے دُرِ دنداں کی شبیہ
اور کچھ جرم نہیں اسکے سوا اُن سے ہوا
صورتِ قبلہ نما ہیں تری جانب اوبت

مانگتے پھرتے ہیں یوسف کے خریدار آنکھیں
جاکے بنوائیں کہیں نرگسِ بیمار آنکھیں
کبک و طاؤس بچھاویں دمِ رفتار آنکھیں
تیرے تلووں سے ملیں کافر و دیندار آنکھیں
مثلِ نیساں ہیں ہماری جو گہربار آنکھیں
ہاں فقط ایک نظر کی ہیں گنہگار آنکھیں
نہیں پھرنے کی روشن کی کبھی زنہار آنکھیں

روشن — روشن شاہ باشندۂ بریلی غدر سے چند سال پیشتر میرٹھ میں آرہے تھے بڑے خوش فکر موزوں طبع، حاضر جواب بزرگ تھے ۱۸۷۵ء تک زندہ تھے، درویشانہ لباس کرتے تھے، میرٹھ میں قیام کے زمانہ میں شیخ غلام محی الدین عشق سے بہت ارتباط تھا۔ اردو

فارسی دونوں زبانوں میں شعر اچھا کہتے تھے۔

دیکھ کے مجکو منہ کو چھپایا اور حیا کا نام کیا
واہ رے تیری دانشمندی اسمیں بھی اک کام کیا

نہ دنیا کا رہا میں اور نہ دیں کا
نہ چھوڑا عشق نے مجکو کہیں کا
پھپھولے پڑ گئے سینے پہ میرے
جو تو نے ہار پہنایا یاسمیں کا

کھینچ اے ابر و فشاں سے اپنے بال جوڑے کا
وہاں جانِ عاشق تو تیرا ہر بال جوڑے کا
پھرا لیتا ہوں منہ اسکی طرف سے رشکِ مہ اپنا
سدا رہتا ہوں اس باعث پریشاں حال جوڑے کا

قاصد جو اُسکے آنے کا لایا پیام رات
آنکھوں میں میری نیند نہ آئی تمام رات
جانے کو اُسکے پاس کے بے اختیار تھا
میں نے رکھا ہے دل کو بہت تھام تھام رات

یہ بات خوب نہیں ہم تو رات دن تم کو
دعا کیا کریں اور گالیاں سناویں آپ

رکھ لیے سر پہ جو اس بت نے کہیں چھو کے پھول
پیرہن میں نہ سمائے بخدا پھول کے پھول

آپ کہتے ہیں ہاں ہزار نہیں
ہم کو ہاں کا بھی اعتبار نہیں
تجھ سے ہو وصلِ یار کی باتیں
ہیں یہ پروردگار کی باتیں

کوچے میں ترے بیٹھ گئے جبکہ ہم اے یار
جوں نقشِ قدم پھر نہیں اُٹھنے کے زمیں سے
آنکھوں میں ذرا ٹھیر ہو تا دیکھ لیں اُسکو
اقرار یہ ٹھیرا ہے دمِ باز پسیں سے
پردہ وہم دل پر سے اٹھا اپنے دوئی کا
در پردہ جو باتیں ہوئیں اُس پردہ نشیں سے

سامنے تیرے اے کماں ابرو
ترکِ عالم کے بانکپن سے گئے
تیرے کوچے کے اشتیاق میں یار
گھر سے ویراں ہوئے وطن سے گئے

ہم اپنے جی سے تری جستجو میں جانے لگے
نہ پایا تیرا ٹھکانا وہم ٹھکانے لگے
ہم اپنے دل کی جو کلفت انھیں سنانے لگے
تو آپ ہنسنے لگے اور ہمیں رلانے لگے
جہاں کے باغ میں جو گلبدن کہاتے تھے
وہ خود تمہارے لیے گل چمن پہ کھانے لگے
اثر کیا مرے نالے نے ہائے کچھ روشن
جو اُس طرف سے سلام و پیام آنے لگے

نظر سے شفقت کی دیکھیے یار کہ فقط بندے ہیں ہم تمہارے
خدا پہ روشن ہے بندہ پرور ہیں جیسے تم تمہارے

روشن یہ خراب ہمنے ہستی دیکھی	رباعی	جو کچھ تھا بلند اُسکو پستی دیکھی	
جب جیتے تھے نیستی نظر آتی تھی		اب نیست ہوئے تو ہمنے ہستی دیکھی	

گر آنکھ ہمسے اپنی وہ لاکھ بار بدلے	دل ایک ہو رہا ہے آنکھیں ہزار بدلے
دلکی طپش سے گرمیٔ خورشید سرد ہے	سینہ اگر یہی ہے تو دوزخ بھی گرد ہے
کونسی جا ہے کہ جس جا نہ گزر اُس کا ہے	مثلِ خورشید جہاں دیکھئے گھر اُس کا ہے
منحصر ہے قاصد و پیغام خط پر دوستی	سو نہیں منظور اُسکو اس نمط پر دوستی
بھولنا آتا ہی یاد اب اُس فراموشکار کا	کی غلط بد عہد کے عہد غلط پر دوستی

روشن ۔ مرزا جہاں شرف روشن ولد جہانگیر شرف گورگانی ساکن دہلی آپ کو تلمذ مولانا سید وحید الدین صاحب بیخود سے تھا ہیں برس کی عمر سے شعر و سخن کا شوق رہا اور سب سے زیادہ تعجب خیز یہ بات ہے کہ بالکل نا خواندہ تھے بلکہ جو کچھ کہتے تھے دوسروں سے لکھوا لیتے تھے اپنی عقل و طبع کی جدت سے شعر و سخن کا چرچا مدام ہمدم رہا۔ دہلی میں کم اور لاہور وغیرہ مقامات میں زیادہ قیام رہا تقریباً دو تین برس کا عرصہ ہوا کہ راہیٔ ملک بقا ہوئے تیس بتیس برس کی عمر پائی۔ یہ اُن کا کلام ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔

اُسکی قدرت یہ اُسی کی شان ہے	خاک میں گویائی پیدا ہو گئی
خاک کے پتلے میں بھر دیں شوخیاں	شان خالق کی تماشا ہو گئی
قدِ آدم ڈھل گئی تصویر یار	آنکھ کی پتلی بھی سانچا ہو گئی
کیوں نہیں ملتا ہے مجھ سے تو بتا	بیوفا ایسی خطا کیا ہو گئی
اُسکے لب ہلتے ہی روشن جی اُٹھے	بات کافر کی مسیحا ہو گئی
تڑپ تڑپ کے گزاری ہے رات بھر ہمنے	وہ کہہ گئے تھے کہ آئینگے ہم چراغ جلے
دکھائے جلوہ جو داغِ جگر پس مردن	ہماری قبر پہ آٹھوں پہر چراغ جلے
سنائیں سوزشِ فرقت کا حال کیا روشن	وہ آگ بھڑکی کہ سارے جگر کے داغ جلے

تیری چشمک بھی خوشی کے ساتھ ہے
دل لگی دل لگی کے ساتھ ہے

دردِ دل جاتا ہے کوئی چارہ گر
یہ ہماری زندگی کے ساتھ ہے

روٹھ جاتے ہو کہاں روشن سے تم
لطف جانیکا خوشی کے ساتھ ہے

روشن بابو منی لال روشن شاہجہانپور کے متوطن پہلے حضرت جوہر سے اصلاح لیتے تھے پھر حضرت احسان سے تلمذ اختیار کیا قاضی محمد خلیل کے مشاعرہ میں بریلی میں انکو دیکھا ہے، ذہین اور طبیعت دار شخص ہیں، شوخیِ طبعی کا اثر کلام میں موجود ہے۔ ملاحظہ ہو۔

کوہکن کو کوہ اور مجنوں کو صحرا دیدیا
خاک اُڑانے کو مجھے اُس بت کا کوچہ دیدیا

عاشقوں میں آپنے اچھی مری توقیر کی
داغِ دل کیسا مجھے اُلفت کا تمغا دیدیا

تیرا غم مہماں ہوا تو یہ تواضع میں نے کی
خونِ دل پینے کو کھانے کو کلیجا دیدیا

کھیلتے پھرتے ہیں ہاتھوں میں لئے شوخی کیساتھ
میں نے انکو دل دیا، گویا کھلونا دیدیا

آج وہ سہم گیا دیکھ کے حسرت کا ہجوم
وسعتِ دل کو مرے حشر کا داماں سمجھا

کس ناز سے کہتا ہے قیامت میں وہ قاتل
کیوں آج یہاں خون کا دعویٰ نہیں ہوتا

تمہارے نہیں عاشق تو تم عاشق سہی میرے
یہ کوئی بات بھی ہے کس لئے جامہ سے باہر ہو

حسین خلق ہوئے ہیں ہنسی خوشی کے لئے
بنے ہیں عاشقِ ناشاد بیکلی کے لئے

نہ دم لیا کہیں اکدم نہ چین سے بیٹھے
تمام عمر بھٹکتے پھرے کسی کے لئے

او وعدہ فراموش کدھر بھول پڑا آج
تقدیر ہماری جو یہ صورت نظر آئی

مجبور ہوں معذور ہوں اے ناصحِ مشفق
اب تو یہ طبیعت جدھر آئی اُدھر آئی

آنکھوں میں پھر آگئی تھی پہلے مگر اب تو
تصویر کسی شوخ کی دل میں اُتر آئی

حسینوں کا بھی یہ انداز عالم سے نرالا ہے
جفاکاری کا شیوہ ہے وفاداری کا دعویٰ ہے

خدا جانے کہ کیا ہم بیخودی میں کہہ گئے اُن سے
نہ اب کچھ بات بنتی ہے نہ اب کچھ عذر چلتا ہے

محبت اُٹھ گئی دنیا سے ایسی وائے بیدردی
کسی کی جان جاتی ہے کوئی محوِ تماشا ہے

جو مجھے بدنام کرتے تھے وہ رسوا ہو گئے ۔۔۔ تو وہ جھوٹا کہکے مجکو آپ ہی جھوٹا ہوا

ن **روشن** منشی اکرام اللہ خان روشن ہیڈ محرر تھانہ نصیر آباد ضلع بارہ بنکی میارے کلام یہ ہے

کیا اثر ڈالے مری تقدیر دیکھا چاہیئے ۔۔۔ اے دہاں تجھ میں ہے کیا تاثیر دیکھا چاہیئے
سامنے آئینہ رکھنے سے جسے آئے حیا ۔۔۔ کس طرح کھنچوائے وہ تصویر دیکھا چاہیئے
گھِس گئے سب ناخنِ تدبیر ہے کوشش کی حد ۔۔۔ حل ہو کیونکر عقدہ تقدیر دیکھا چاہیئے
بل دیئے جاتے ہیں زلفوں میں الٰہی خیر ہو ۔۔۔ پاؤں پڑنے کو ہے کیا زنجیر دیکھا چاہیئے

روشن **روشن** منشی دیوان روشن لال صاحب متخلص بہ طالب و روشن ابن منشی دیوان منا لال صاحب کایستھ دہلوی حضرت غالب مرحوم سے تلمذ کا دعویٰ ہے مگر ظاہر اسکی کوئی اصلیت معلوم نہیں ہوتی، انکے بعض احباب انھیں مرزا دولھا اور بعض صرف استاد کہتے ہیں اور فی الحقیقت انھیں دعوی کمال ہے، باشندہ ترسٹھ برس کی عمر ہے انکے بیٹے نے کچھ کلام انتخاب کرکے بھیجا تھا اُس میں سے چند شعر درج ہیں

کاوشِ مژگانِ جاناں کی دلا دیتا ہے یاد ۔۔۔ پاؤں میں چُبھ چُبھ کے ہر دم ٹوٹ جانا خار کا
کرم ہو یا ستم اُلفت میں ہمکو سب برابر ہے ۔۔۔ خوشی ہے وصل کی اچھی نہ فرقت کا ہی غم اچھا
روشن میں نبھاتا ہوں اُنھیں شعر سنا کر ۔۔۔ وہ مُنہ بھی لگاتے نہیں مجھ ہرزہ سرا کو
الٰہی کیا فسوں دل پر کیا ہے چشم میگوں نے ۔۔۔ کہ ہم کعبہ سے پھر کر ہو گئے رہ گیر میخانہ
یہی گردو رہ دورہ میکشی کا ہے زمانہ میں ۔۔۔ تو کعبہ سے کہیں بڑھ جائیگی توقیر میخانہ

رونق **رونق** ۔ شاعر نازک خیال ظہوری نظیری نظیر نواب احمد علیخاں بہادر رونق رئیس ٹونک شاگرد رشید نواب مرزا ظہیر دہلوی و سید امراؤ مرزا انور مرحوم آپ بانئ ریاست ٹونک کے ساتویں صاحبزادے اور رموز فن سخن سے خوب واقف تھے، جب ۱۲۵۰ھ میں نواب امیر خاں نے انتقال کیا اور نواب وزیر الدولہ مسند نشین ہوئے بیس ہزار روپیہ سالانہ وظیفہ انکا مقرر ہوا، رونق مرحوم وسیع المشرب، خندہ پیشانی، خوش اخلاق، مہمان نواز سیر چشم رئیس تھے اوائل مشق میں نوازش حسین خاں تنویر دہلوی سے اصلاح لیتے رہے

لیکن صغر سنی کی عمر میں سید امراؤ مرزا انور سے تلمذ اختیار کیا اور سابقہ کلام ضائع کر دیا۔ انکی توجہ سے بہت جلد عمدہ اچھا کہنے لگے، مہاراجہ رام سنگھ بہادر والیٔ جےپور سے دوستانہ مراسم تھے اسی تقریب سے سالہا سال جےپور میں بطور انکے مہمان کے قیام پذیر رہے اجمیر میں بھی کئی برس بسر کیے، چند سال بعد جب حضرت انور کا انتقال ہو گیا اور حضرت ظہیر بھی مہاراجہ رام سنگھ کے سرگباش ہونیکے بعد خانہ نشین ہو گئے تو انھوں نے انھیں اپنے پاس بلا لیا اور کلام میں ان سے مشورہ لیتے رہے بعض بعض غزلیں انکے دیوان میں ایسی ہیں کہ اچھے اچھے استادوں کے کلام سے ٹکر کھاتی ہیں، مشکل زمینوں میں بالخصوص بہت خوب کہتے تھے اور روزمرۂ اہل زبان پر اچھا عبور تھا۔ ایک دیوان مطبوعہ دوسرا غیر مطبوعہ ان سے یادگار ہے آخر ۱۹۱۰ء میں بعالم ضعیفی انتقال کیا، حضرت ظہیر انکے بڑے ثناخوان اور رئیسانہ دلنوازی اور حسن سلوک کے بڑے مداح تھے اور بڑی محبت اور احترام سے انکا ذکر راقم تذکرہ سے کیا کرتے تھے انکے شاگردوں میں علی محمد خاں ضیا عبدالقادر خان ضمیر انکے صاحبزادے چھیتر لال مجبور نظام شمس الدین خان شمس مشہور ہوئے

ہے یہی فکر یوں نہ ہو یوں ہو
ان ہوسہائے خام نے مارا

آبِ خنجر سے تر ہوا نہ گلو
سر بہت تشنہ کام نے مارا

دل زمانے سے ہٹ گیا اپنا
ہم بھلے اور گھر بھلا اپنا

دل ہی کہاں جو مانگتے ہیں آپ بار بار
سو بار سینہ چیر کے تمکو دکھا دیا

خیالِ وصل کہاں اور کہاں وہ خلوتِ ناز
کہ جس میں وہم و گماں کا گذر نہیں ہوتا

میرا سوال کیا ہے تمہارا جواب کیا
کیا ہو پی کے گھر سے عدو کے شراب کیا

بچ گئے ہم صدمہائے ہجر سے
موت کا اچھا بہانہ مل گیا

تجھ سے نہ یہ گماں تھا کہ باتیں تغافل
غیروں کے واسطے ہو ہمپر عتاب اتنا

اک وار میں شمشیر کے ہوتے ہیں سبکدوش
سن لیجئے قصہ ہے بہت مختصر اپنا

سر جائے محبت میں کہ ایمان پہ بن جائے — ہو جائے کسی طرح وہ کافر مگر اپنا
سمجھتے تھے اُسے ناداں مگر وہ تو بلا نکلا — کہ دشمن بن گیا نامِ محبت منہ سے کہلا
یوں گراں ہے نفس نفس شبِ ہجر — جیسے بیمار پہ ہے بھاری رات
آئے تھے کس لیئے چلے اب کیوں — حیف اِس کا نہ کچھ کھلا باعث
عیسیٰ سے ہو سکا نہ ترے زار کا علاج — مشکل بہت ہے عشق کے بیمار کا علاج
پھر بڑھے ہیں ناخنِ دستِ جنوں — کچھ ہمارے داغ پر آیا کھرنڈ
حضرتِ دل ہے اگر لطف اُٹھانا منظور — کیجئے زہرِ غمِ عشق کا کھانا منظور
دلِ بیتاب تو سو بار ہدف ہو جائے — ناوکِ یار کو ہو بھی مگر آنا منظور
اِس طرح واعظ بیاں کرتا ہو واں کا حال کچھ — آسماں سے جیسے آیا ہو خدا کو دیکھ کر
خدنگِ نیمکش اُسکے کہیں سینے سے رکتے ہیں — نگاہیں پار ہوتی ہیں جگر میں تیر بن بنکر

یکساں ہیں اہلِ دل کے لیئے دونوں صورتیں — جو مشکلِ بیخودی ہے وہی ماجرائے ہوش
قتلِ خنجر سے نکر یہاں سے یاروں کی ایک — ہے نگاہِ ناز تیری لاکھ تلواروں کی ایک

وہاں ہے انتظامِ غیر بیاں تک — کہ ہم کیا جا نہیں سکتا گماں تک
تغافل سے ترے غفلت یہ چھائی — کہ غافل سو رہے ہیں پاسباں تک
دوئی جب مٹ گئی پھر بحث کس سے — یہ سب جھگڑے ہیں رونق اپنی آن تک

کہتے ہیں مرے اشکِ مژہ سے کہ چلے ہم — پیدا ہوئے جب سے ترے سایہ میں پلے ہم
گھر آئے مرے شکوہ وہ اِس شرط سے رونق — واں چلنے کو چلتے ہیں نہ ٹھیرینگے وہ لے ہم
لیجائے وہ ناوک جگر و دل کو تو اچھا — یونہی میرے سینے میں یہ بیکار پڑے ہیں
تشہیر کا یا حکم ہو یا دفن کا ان کے — قاتل ترے کشتے سرِ بازار پڑے ہیں
ہے سبکو گماں دامنِ قاتل میں کہ گل ہیں — چھینٹے جو مرے خوں کے دو چار پڑے ہیں
رونق ہے غضب جوش ہیں دریائے محبت — گرداب میں لاکھوں ہی ہوسکار پڑے ہیں

تیرے سوا ان سے ہرگز نہیں بہتر
ہم ہی کوئی آفت ہیں کہ پھر ہے طلب دل
دیکھنے سے تیرے ناصح کی یہ حالت بگڑی
کس طرح ہم انھیں رندو یہ نظر سے کہیں
پھر وہ بار و گلشنے حالِ زار ہم کیونکر کہیں
دل تو کیا امیدِ دل شلِ رگِ جان قطع کی
سایۂ لطفِ خدا ہے سایۂ دیوارِ یار
کیا دخل مہرباں جو کسیکو خبر بھی ہو
دیوار و در سے سر کو نہ پھوڑیں تو کیا کریں
کچھ زخم الم دل میں ہیں کچھ داغ جگر میں

ہم طلب میں گلزارِ ارم دیکھ چکے ہیں
رفتہ کے ابھی باغ والم دیکھ چکے ہیں
خود کہیں ہم کو کہیں جبہ و دستار کہیں
خوف ہی یہ کہ نہو جائیں گنہگار کہیں
کہہ دیا اک بار سو سو بار ہم کیونکر کہیں
وہ نگہ کچھ اور ہے تلوار ہم کیونکر کہیں
تو لق اس کو سایۂ دیوار ہم کیونکر کہیں
پر ہے دوستی بتقیں تہِ نظر بھی ہو
کافر کسی طرح سے شبِ غم بسر بھی ہو
یہ پھول ملے ہیں چمن دہر سے مجھ کو

شرمِ عصیاں میں ہم ایک ایک سے ہیں چھپتے پھرتے
تصدق اس زباں کے اس پیام ناز کے قرباں

ڈھونڈتی پھرتی ہے اللہ کی رحمت مجھ کو
کہ اپنا حالِ دل کاغذ یہ لکھکر بھیجدو ہمکو

دل سے اپنی یاد پر قربان ہوں
دل تک ہو چاک تیغ جو سر پر لگائیے
نسخہ میں طبیبوں نے لکھا اور ہی کچھ ہے
اعدا کی ملاقات سے انکار مسلم
اب اس مقام پہ ہیں بیخودانِ جلوۂ دوست
نشاط پرسشِ احوال میں جھلک اٹھی
جو ربطِ خسرو و شیریں کا ذکر میں نے کیا
کہا جو میں نے کہ ذوق سے رم ہی کیوں تو کہا
ایک جلوہ میں مٹا دی وہ پریشان نظری

بیخودی میں بھی مجھے ہے یاد تو
عاشق ہوں ہاتھ سوچ سمجھ کر لگائیے
بیمارِ محبت کی دوا اور ہی کچھ ہے
کیا کہیے مگر ہمنے سنا اور ہی کچھ ہے
کہ آزمایش دار و رسن لگے کرنے
ہم ان سے شکوۂ رنج و محن لگے کرنے
وہ شرح جانکنیٔ کوہکن لگے کرنے
یہ خوف ہے کہ نہ دیوانہ پن لگے کرنے
خوب بگڑے ہوئے عاشق کو سنوار دینے

دیکھ کر مجکو جو دامن سے کیا تنے حجاب
لب پہ اک ایک کے کیا کیا سخن دار ...

نہ باتیں کیں نہ تسکیں دی نہ پہلو میں ذرا ٹھیرے
جو تم آئے تو کیا آئے جو تم ٹھیرے تو کیا ٹھیرے

سر اٹھا کر تیغ براں سے وہ یوں کہنے لگے
کیوں ہمارے ہاتھ کی دیکھی صفائی آپنے

جلوہ اپنے حسن کا دکھلا کے ہر ہر رنگ میں
کافر و مومن میں ڈالی ہے لڑائی آپنے

جوہر تیغ نگاہ ہے رونق
پھر گئی جس طرف صفائی ہے

عشق کے فیض و لطف سے ہم بھی لشکر شاہی کہتے ہیں
دستہ دستہ یاس و الم ہے حسرت لشکر ہے

دنیا کچھ آیا ہی زمانہ جسکو دیکھو وہ ہے حزیں
کوچہ بکوچہ رنج کی فوجیں غم کا گھر گھر لشکر ہے

تری تکرار بیجا سے ہمارا دل الجھتا ہے
تو اپنا وار کر کس واسطے قاتل الجھتا ہے

صباحت رو و دلربا سے نزاکتیں مٹ گئیں سمن کی
شمیم گیسو کے جانفزا سے آڑی ہے بو نافہ ختن کی

نہ باز آنا کبھی کجی سے اگرچہ دشمن بھی جائے جی سے
نظر جو سیدھی ہوئی کسی سے تو مٹ گئی بات بانکپن کی

مرتا ہوں کہا میں نے تو جھنجلا کے یہ بولے
مرنے پہ جو مرتے ہو تو مر کیوں نہیں جاتے

خبر لیجے کہ اک عالم ہے بیخود
شمیم گیسوئے عنبر فشاں سے

غلط ہے کہ دل کا لگانا برا ہے
محبت کا لیکن جتانا برا ہے

کہاں رہ گئی لب پہ جاں آتے آتے
کہ رک رک گئیں ہچکیاں آتے آتے

گل و لالہ سے میکدہ بھر گیا ہے
جُمعاں کے لیئے ارمغاں آتے آتے

نہ آساں سمجھ قصۂ غم کو رونق
کہ آئیگی یہ داستاں آتے آتے

غیر کا نام لیا ہو تو زباں ہی جل جائے
بیجا آپکی مجھپر خفگی ہوتی ہے

آپ کیا بزم میں خوش ہیں مری رسوائی سے
دلمیں سمجھو تو ذرا آپکی ہنسی ہوتی ہے

رونق - لالہ رام سہائے کایستھ ولد حکیم شتالال راجہ جھاؤ لال لکھنوی کے عزیزوں میں تھے اور شیخ ناسخ کے شاگرد، فارسی شعر کہنے کا شوق بہت تھا، گاہ گاہ اردو بھی کہہ لیتے تھے امجد علیشاہ اور واجد علیشاہ کا زمانہ پایا تھا، یہ کلام کا خلاصہ ہے ❖ رونق

[illegible] تن ... کی
ہے موت عجیب دشمنِ جانی مرے جی کی

[illegible] سے ہم گرد ہیں
میکدے جو سحاب اشک فشانی مرے جی کی

[illegible] نہیں
قاصد یہ اُسے کہیو زبانی مرے جی کی

[illegible] کہتا ہے فرہاد کا قصہ
رونق ہے وہ مشہور کہانی مرے جی کی

رونق۔ منشی حافظ محمد جان صاحب رونق باشندۂ رامپور تلمیذ مولانا احمد حسن شوکت میرٹھی، علمی استعداد اور اس فن کی مشق خاصی ہے، پندرہ بیس برس سے مشقِ سخن کرتے ہیں۔ طبیعت کے رنگ کا یہ نمونہ ہے۔ ۷

کبھی کچھ پوچھتا تھا میکدہ کا حال رونق سے
مگر جب اپنے ملتے ہیں نشے میں چور پاتے ہیں

خاک میں ملکے انہیں خاک ملیگا آرام
فکرِ آرام میں اک دم جنہیں آرام نہیں

کمر سے نازنینوں کی کہاں نسبت ہے اے بلبل
یہ مانا ملتے ہیں ہم رگِ گل کو نزاکت میں

دلِ مضطر کا اپنے چارہ گر اللہ حافظ ہے
وہی ہے وصل میں حالت کہ جو حالت تھی فرقت میں

نہیں ہے غیرت و ناموس و عقل و ہوش کا کیسہ
فقط اک سود و سودا کا ہے بازارِ محبت میں

دنیا عجب مکان ہے کہ جس کا ہر اک مکیں
راہِ فنا میں چلنے کو پا در رکاب ہے

اگر منظور ہے سیرِ فضائے لامکاں پہلے
مٹا دے چار ارکانِ عناصر کا نشاں پہلے

رسائی درگہِ معرفت تک کہاں کو سوں ہے
مٹے جب تک نہ لوحِ دل سے نقشِ این و آں پہلے

کیا رسوا عالم میں خرقہ و دستار نے مجکو
نہ چھوٹا داغ لغزش ہر چند دھویا آبِ زمزم سے

رونق۔ لالہ لچھمی نراین صاحب رونق خلف لالہ بالکشن صاحب دھون کھتری، بزرگوں کا اصل وطن آگرہ تھا لیکن ابتدائی تسلط سرکار انگلشیہ میں ملازمت کی وجہ سے آپکے بزرگوں نے لکھنؤ میں بود و باش اختیار کی، آپکے حقیقی چچا لالہ رام نراین چیف کمشنر اودھ کے میر منشی تھے، رونق صاحب نے انگریزی میں یونیورسٹی الہ آباد کا امتحان ایف اے ۱۸۹۳ء میں پاس کیا، اب گورنمنٹ جوبلی ہائی سکول لکھنؤ میں مدرس ہیں، فارغ البالی کے زمانے میں

شاعری کا اکثر مشغلہ رہتا تھا، افکارِ خانگی کی وجہ سے آجکل تائب ہیں، چالیس پچاس ... ایک دوست لالہ ہیرویال لکھنوی نے ارسال کی تھیں اُن میں سے یہ چند شعر ...

کچھ نہ پوچھو حال کیا میرا شبِ دیجور تھا ۔ بے طرح بے چین پہلو میں مرا دل ...

کوئی لاکھ ڈہر لئے سینہ پہ آنچل ۔ چھپائے سے جوبن چھپا ہے کسی کا

ہر آئینہ سے نہ دعوے کرو صفائی کا ۔ پھسل نجائے کہیں پاؤں خود نمائی کا

بنا کر تو نے آئینہ حسینوں کو کیا خود بیں ۔ تجھے پہلے ہی سنہ اپنا سکندر دیکھ لینا تھا

بکھرنے کو ہے عنبریں زلفِ رخ پر ۔ گھٹا میں چھپے گا قمر دیکھ لینا

جلوۂ طور سے روشن ہوں ہماری آنکھیں ۔ بام پر آپ کا دیدار جو ہوا آجکل رات

پھیر دو خنجر گلے پر تم اگر ملتے نہیں ۔ گر وفا آتی نہیں تو کیا جفا آتی نہیں

عدو کو پان بنا کر کھلائے جاتے ہیں ۔ کہ میرے قتل کے بیڑے اٹھائے جاتے ہیں

کچھ نہیں دیکھتے جز جلوۂ جاناں رونق ۔ جس طرف عاشقِ جانباز نظر کرتے ہیں

جن کو دل اور جگر شوق سے ہم دیتے ہیں ۔ وہ ہمیں ساری خدائی کا الم دیتے ہیں

فدائے حسنِ ازل سے ہے عشق سوختہ جاں ۔ پتنگ شمع کے شعلہ پہ کیوں نثار نہو

مثل سرمہ کے ہیں چھپا لوں گا ۔ میری آنکھوں میں تو سما دیکھو

باتوں باتوں میں اُس پری رو نے ۔ دل ہمارا اُڑا لیا دیکھو

تقدیر کا گلہ نہ شکایت فلک کی ہے ۔ رہنی ہیں ہم اسی میں جو تیری رضا ہوئی

مانگتا ہوں یہ دعا میں شبِ تنہائی میں ۔ موت آئے پہ کسی پردہ طبیعت آئے

عبث ہے بخت واژوں کی شکایت ۔ زمانے کی خوشی میں غم ملا ہے

اُسنے پیدا ہیں کہاں دل کے ستانیوالے ۔ ہمسے دنیا میں کہاں ناز اٹھانیوالے

جام مئے طہور پلا ساقیا الغیاث ۔ آتے ہیں شیخ ساغر و مینا لیے ہوئے

چادر گل کی نہیں کچھ احتیاج ۔ بیکسی تربت پہ ہے سایہ کیے

[illegible] آئینہ و نہ دار	ہر گھر جہاں میں آپکی صورت پسند ہے

رونق ۔ محمد شمیم زادہ سہاسی کے والد منشی عفنیال صاحب مرحوم بھکری بانواں مصنّف ہار ١
کے باشندے اور حضرت اکبر دانا پوری کے شاگرد ہیں، فارسی میں کافی دستگاہ ہے اکثر
رسائل میں آپ کا کلام شائع ہوتا رہا ہے ۔ یہ چند شعر اچھے ہیں۔

مولوی میر ہی صاحب کی توجہ چاہیئے	دیکھئے دل خاکساروں کے ہیں غلطاں پریا
اور دل سے میاں ہی سمجھیں تو لطف ہو ورنہ	کہا جو عاشقِ شیدا خطاب کب ہوگا
یاد میں جہاں سے جب گرِشق دل میں صد	میں سراپا غم کا پتلا ہو گیا
مقصد پہ درد ہے رونق بیان عندلیب	ہوش اڑ جاتے ہیں سن سنکر بیانِ عندلیب
ٹوٹنا ہے جہاں کے لیے شکلِ حباب	ہستی دو نیستی ہے اپنی خبر کی مانند

رونق ۔ متاقیخ محمد عبدالباری خلف مولوی محمد عبدالرحمن صاحب مرحوم و نواسہ حکیم
محمد خاں تاثیر مولد و مسکن بنارس ہے تیس اکتیس برس کی عمر ہے، آپکے والد بھی شاعر تھے
اور جاناں تخلص کرتے تھے، حضرت رونق کو عرصہ دس گیارہ سال سے شعر گوئی کا شوق
ہے اور اس فن میں حضرت فریاد ندروی شاگرد حضرتِ تسلیم لکھنوی سے اصلاح لیتے ہیں
نو مشق شاعر ہیں کلام میں کوئی بات قابلِ ذکر نہیں ۔ انتخاب یہ ہے ۔

الفت ہے چشم میں اس طرح ہو مجھ زار کا رنگ	زرد جس طرح سے ہو نرگسِ بیمار کا رنگ
سے آواز مری کہتے ہیں	کون اللہ سے فریادی ہے
یوں فرقتِ حبیب میں حالت تباہ کی	آ گئے اگر تو رو دیئے بیٹھے تو آہ کی
داغوں میں منہ ہے آہ دلِ بیقرار سے	گھر میں جلے چراغ نسیمِ بہار سے
کھلیں چشم تر سے داغ جگر کے نہوں ہرے	سرسبز کھیت ہوتے ہیں ابرِ بہار سے
ہر قدم پر جو ناتواں دل ہے	ایک منزل ہزار منزل ہے

رونق ۔ محمود میاں رونق، کئی تھیٹریکل کمپنیوں میں ڈراما نویس رہے اور متعدد ناٹک ٧

[illegible] انگریزی سے ترجمہ کئے اور چند خود بھی بنائے ۱۲۹۶ھ کے قریب [illegible] تھے اب عرصہ سے کچھ حال معلوم نہیں یہ چند شعر انکے ہیں

گردشِ تقدیر سے اپنے ہی ہو جاتے ہیں غیر
تیشۂ فرہاد دشمن ہو گیا [illegible]

کس قدر تھا تشنہ کام آبِ خنجر الحفیظ
ہر لبِ زخمِ جگر پر شکر ہے [illegible]

تھیر اے شوقِ شہادت دمِ ذبح اے ذوقِ طپش
ہاتھ قبضے پر ذرا جمنے تو دے [illegible]

نو اسیرِ زلف ہوں کیا جانوں رسمِ راہِ عشق
رفتہ رفتہ آئیگا ڈھب نالہ و فریاد کا

بھر کے ساقی نے شبِ مہ میں جو ساغر رکھدیا
زاہدوں نے طاق پر سب [illegible]

عاشقوں کو امتیازِ دیر و کعبہ کچھ نہیں
اسکا نقشِ پا جہاں دیکھا وہاں [illegible]

جنوں میں ہوش ہی ان کا نہ غم ہے کچھ گریباں کا
نہ یہ معلوم کیوں آ دھڑا دیا [illegible]

سر جائے تو کچھ غم نہیں مطلب تو بر آئے
وہ قتل ہی کو آئے بلا سے مگر آئے

عاشق کو حور و خلد سے کیا کام واعظا
اُجرت ہے یہ تو آپ سے مزدور [illegible]

رونق

رونق منشی رادہا موہن لال اہلمد راج ریاست ترواضلع فرخ آباد ۱۲۹۳ھ کے پیامِ عشق سے چند شعر درج ہوئے —

ملبوس بظاہر ہے فقیرانہ ہمارا
پر حوصلۂ دل تو ہے شاہانہ ہمارا

اُلجھاتے ہو دل گیسوئے پرپیچ میں لیکن
اے آئینہ رو ٹوٹے نہ یہ شانہ ہمارا

ہر اک کو فراموش ہوا قصۂ مجنوں
اب وردِ زباں سب کے ہے افسانہ ہمارا

مے پیکے نظر آئے ہیں اسرارِ نہانی
کم ساغرِ جم سے نہیں پیمانہ ہمارا

دیکھا جو مئے عشق سے مخمور تو بولے
کیا جھومتا آتا ہے وہ مستانہ ہمارا

قیس ہر دم یہی کہتا ہے بیابانوں میں
ہم بھی ہوتے کہیں لیلیٰ کے شتربانوں میں

کچھ بھی اے غیرتِ یوسف نہیں انکار مجھے
بیچ لے شوق سے چلکر سرِ بازار مجھے

رونق

رونق منشی پیارے لال صاحب دہلوی تلمیذ رشید حضرت [illegible] مرحوم خلف منشی [illegible]

[illegible] ... برس کی عمر [illegible] نہ گویا اور عقل
[illegible] ... مریض کرتے ہیں جس ہوں سے پیدا ہو سم [illegible]
[illegible] ... مرتبہ میں معرفت کا ملکہ ہے کہل وجہ
ہے مضمون کا انتخاب بیاں میں ہے سب سے پہلے جب آپ نے غزل کہی تو ضروع تع
صاحب اصلاح کے لیے دکن بھیجی، جب پر انھوں نے اصلاح دیکر ہدایت کی کہ مولانا آرزو کو دہلی
میں بتلایا کرو، چنانچہ آپ انکے شاگرد ہو گئے، انھیں ایام میں مولانا آرزو سے عنوان
دہلی کا ایک رسالہ جاری کیا، انکے مشاعروں کا اہتمام انھیں کے متعلق رہا، چنانچہ استاد کے
تلامذہ میں شاعر سمجھے جاتے ہیں، زبان، بندش، مضمون، سب باتوں کا خیال رکھتے
ہیں، رسالہ "کمال" جو تین برس تک دہلی سے شائع ہوتا رہا اس رسالہ کے آپ ہی ایڈیٹر تھے
منشی ہری کرشن صاحب فروغ کے مکان پر برسوں مشاعرہ انکے اہتمام سے ہوتا رہا، بڑے
محنتی، جفاکش، خلیق، بامروت انسان ہیں، بیرونجات کے شعرا جو دہلی آتے ہیں وہ انکے خلق
کے اکثر مداح پائے گئے، اب کچھ عرصہ سے ظروف کی تجارت کا مشغلہ ہے، اور کارخانہ نیلام بھی
جاری کر دیا ہے، دس بارہ شاگرد بھی کر لیے ہیں، منشی تصیر، شیدا، فروغ کے ہم مشق و ہم صحبت ہیں

کچھ نہیں اور یہاں جلوۂ وحدت کے سوا
کیا نظر آئے نگاہوں کو حقیقت کے سوا

نور آنکھوں میں رہا تیرا تصور دل میں
ہم نے جلوت میں بھی دیکھا تجھے خلوت کے سوا

ہم جہیں چاہیں جہاں میں تو بہت اے زاہد
تجھکو حوریں نہ ملینگی کہیں جنت کے سوا

صدمۂ غم رنج و الم حسرت و یاس و حرمان
اور الفت میں دھرا کیا ہے مصیبت کے سوا

کچھ سبب نیند کے ماتے ہیں یہ سونیوالے
ایسے سوئے ہیں نہ اٹھینگے قیامت کے سوا

پی کے کھل جاتے ہیں اسرار نہانی و حق
اور کیا شغل ہو جام مئے وحدت کے سوا

خود نقاب توڑ گئی شوخی نظر
جو پردۂ حجاب تھا حائل نہیں رہا

مری ندامتی کا حشر میں ڈھک جائیگا پردہ
جو آیا جوش پہ دریا کہیں اشک ندامت کا

جبینِ نازِ قاتل میں نشاں ہیں میری ہستی کے
بنی ہے جبینِ پیشانی نوشتۂ [illegible]

بوسہ لیکر جب کہا میں نے کہ یہ کیا ہو گیا
ہنس کے فرمانے لگے تیرا [illegible]

دل چاہتا نہ تھا کہ محبت کسی سے ہو
میں کیا کروں مجھے ترا انداز بھا گیا

دیوانے تیری زلف کے پھرتے ہیں کو بکو
وحشت اگر یہی ہے تو اب شہر بن گیا

تم نے گھونگٹ منہ سے جب سرکا دیا
آفتابِ حشر کو شرما دیا

جام کے بدلے دکھائی مجھکو آنکھ
واہ اچھا یار نے چھلکا دیا

آپ کیوں رونق سے برہم ہو گئے
کچھ خطا تقصیر! اُسنے کیا کیا؟

جہاں میں بت نہیں ملتے خدا نہیں ملتا
نگاہ ڈھونڈنے والی ہو کیا نہیں ملتا

اُسکے غم میں ہو گئیں آنکھیں سفید
جسنے ان آنکھوں میں گھر پیدا کیا

ٹھوکروں سے یار کی یہ خاک نے پایا عروج
تھا زمیں پر پہلے مگر اب آسماں پر ہو گیا

سرور رنگِ مے بنکر لہو آنکھوں میں چھلکا ہے
تماشا ہو گیا ساغر میں بھرنا چار چلو کا

شوقِ نظارہ نے چھپنے نہ دیا پردہ میں
دل میں رہ کر بھی نگاہوں سے وہ پنہاں نہ ہوا

کسی کا نقشِ قدم بن گئی مری ہستی
مٹا مٹا سا نشانِ سرِ مزار رہا

کسی کے دیدۂ میگوں نے وہ پلائی مجھے
کہ حشر تک مری آنکھوں میں اک خمار رہا

جل گیا آہِ شرربار سے بلبل کا چمن
ہر طرف گل کی جگہ ڈھیر ہے انگاروں کا

روز پیتے ہیں روز توبہ سے
کوئی رونق سا پارسا نہ ملا

اکھڑے نہ راہِ شوق میں پائے طلب کبھی
ثابت قدم میں کب سرِ منزل نہیں ملا

فانوسِ دل میں جب سے نہاں ہے وہ شمعِ حسن
پروانۂ نظر سرِ محفل نہیں ملا

جسنے مٹا دیا ہے وہ تھی آرزوئے یار
رونق مجھے کچھ اب گلۂ دل نہیں رہا

رکھنا ذرا تصورِ مژگاں سنبھل کے پاؤں
ٹوٹے کہیں نہ آبلہ پائے خیال کا

چھوڑیں وہ ٹھکرا رہے ہیں نعش مری
مرنیوالے میں جان ہے گویا

وصل میں بھی ہم ہی کی یاس پیش نظر
ہماری صبح تمنا میں رنگ شام رہا

... نشانہ پلک ... دل پر
نگاہ ناز کا ہر وقت یہ ہی کام رہا

... نے مہر ... شکر خدا
امام عشق زنداں میں بھی امام رہا

ہیں اشک ندامت ہوں امتد دنگ
اگر ڈوبی رہتی ہے غرور صاحب مطلب

تیغ قاتل سے نکلا ہو کہا ہوں کیا کہیں
خندۂ زخم جگر ہے خندۂ گل کا جواب

یاں نہ آ بیٹھ جائیے بگڑے ہوئے تیور دیکھ
لگ ملنے دیکھے تُو سے بریں کبھی سکھ کے

اُف رے آسودگیٔ وحشت کہ بھلا ہوں چمن
ایک مدت ہوئی دیکھی نہیں گھر کی صورت

سیکھ سکتا ہے کوئی آنکھ چرانے کی ادا
ٹھیکری سکتے ہیں اس طرح بشر آنکھوں پر

وہ لڑ کے سے بگڑتے سب ناحق ناحق
اور وہ ناز اٹھاتا رہا سر آنکھوں پر

ایمان آپ کا جو کہا جائیں سیکھے آپ
ہم نے تو دل دیا ہے خطا اعتبار پر

مرتے ہیں تابش دُرِ دندان یار پر
چادر ہو موتیوں کی ہمارے مزار پر

نرالی آن نکلے حسن میں تو وہ شان پیدا کر
ادائیں شوخیاں ہوں، شوخیوں میں جان پیدا کر

ہیں گلشن جہاں میں کہیں ہوں کہیں نہیں
دھوکا سایہ ہے گل کا ہے مجھ ناتواں کو

دل لگائے کوئی کیا اس سے چمن میں رہ کر
بے وطن ہوتا ہے اک روز وطن میں رہ کر

صورتِ نکہتِ گل ہے یہ جہاں کی ہستی
رنگ سب دیکھ لیے ہم نے چمن میں رہ کر

چشمِ بلبل میں کھٹکنے کو ملا پہلوئے گل
آبرو پائی یہ کانٹوں نے چمن میں رہ کر

بادِ صرصر کا ہو اندیشہ کبھی خوفِ خزاں
اپنی اک حال سے گزری ہے چمن میں رہ کر

تھا وہ اک رنگِ طلسماتِ جہانِ فانی
جو کرشمہ نظر آیا ہے چمن میں رہ کر

کبھی مژگاں پہ نظر ہے کبھی رخساروں پر
کبھی کانٹوں پہ رہے ہم کبھی انگاروں پر

بیٹھا ہی جاتا ہے دل ابروئے ستمگر پر
جیتے ہی دیتا ہے کمبخت جان خنجر پر

ہیں صورتِ عنقا جو دلِ زار کے انداز
پھرتے ہیں نظر میں کمرِ یار کے انداز

کس شوق سے لیتی ہیں تمہیں موج نگاہیں
انکی نگاہ پھرتے ہی ہم ذبح ہو گئے
چھیڑیں سوالِ وصل پہ گویا زباں نہیں

دیکھئے تو کوئی چشمِ خریدار کے [illegible]
لو آج ذبح ہو گئے انکی [illegible]
بُت بن گئے جب آپ تو چپ [illegible]

کہیں کیا کس مصیبت سے بسر اوقات کرتے ہیں
کہ روتے رات کٹتی ہے تڑپتے دن [illegible]

رونق بہارِ باغ جوانی گذر گئی
تم جس ہوا کو ڈھونڈھتے ہو وہ ہوا نہیں

ہر نہیں کے ساتھ ہاں ہے اور ہر ہاں میں نہیں
محبت کا طوق اسکو کہتے ہیں رونق
شوخی سے اڑے پھرتے ہیں اللہ رے چل بل

نام کو بھی استواری تیرے پیماں میں نہیں
کہ باہیں گلے میں وہ ڈالے ہوئے ہیں
دم بھر میں یہاں ہیں ابھی دم بھر میں نہیں ہیں

دل نگہ کو جان دیدی آپ کو
دو ہی باتیں تھیں مرے امکان میں

قیامت کی بھری ہے کج ادائی چشمِ پُرفن میں
مزہ ہے موت آئی ہے خیالِ رُخ ہے روشن میں
سمٹکر رنگ لائیگی مری کاہیدگی اکدن
ذرا اے شورِ محشر کچھ تو ہاں پاسِ مروت بھی

مری تقدیر کا بل آگیا ہے انکی چتون میں
عجب کیا تا قیامت نور برسے میرے مدفن میں
سما جاؤنگا تل بنکر نگاہِ سامری فن میں
تھکے ہارے مسافر چین سے سوتے ہیں مدفن میں

دیکھکر ناز و ادا جی سے گذر جاتے ہیں
اِس تلون کا بھی کیا ٹھیک ہے اللہ اللہ
فلک کے پاس بھی رُخ کا ترے جواب نہیں
کہا تھا خواب میں کس بیوفا نے آنیکو

مرنیوالے تری ہر آن پہ مرجاتے ہیں
منہ سے اقرار نگاہوں سے مُکر جاتے ہیں
اِس آفتاب کا ثانی وہ آفتاب نہیں
کہ چشم خواب میں بھی دیکھنے کو خواب نہیں

اٹھ گئیں آنکھیں جدھر لاکھوں کلیجے چھد گئے
بھویں تنتی ہیں جب وہ چیں بجبیں ہوکر نکلتے ہیں

سیدھی نظریں بھی تمہاری ناوکِ مژگاں ہوگئیں
ادھر کھنچتی ہیں تلواریں اُدھر خنجر نکلتے ہیں

کسکو دل بیخودی میں دے بیٹھے
دیکھ کر انکو پھر غشی چھائی

ہائے یہ بھی نہیں خیال ہمیں
بیخودی لے چلے سنبھال ہمیں

کس صورت ہائی نقشہ / خواب بھی ہو گیا خیال نہیں
ایسا بھی کیا سبب ہی سکتے ہو جاتا چہرہ / اے صبا رنگ کوئی دل کو بہل جانے دو

مٹا دیتے ہیں خورشید قیامت ذرہ ذرہ کو / اٹھا دیتے ہیں جس دم وہ نقاب روئے روشن کو
ٹھہری تو بھلا کس کی تیغ و خنجر جانتا ہوں میں / نگہ کو، ناز کو، انداز کو، شوخی کو، چتون کو
بیٹھے بھی کیا کوئی وہ رفتہ خوابیدہ سمجھے ہیں / لگا جانے ہیں ٹھوکر چلتے چلتے تیر سے مدفن کو
ذرا بیٹھے پائے گا جب آئے ہمکو گلشن میں / ہوا ہو، ابر ہو، برسات ہو، ساقی ہو، صہبا ہو
ذوق کے نام سے تو نہ سمجھا مجھے وہ شوخ / شرما کے پھر کہا اجی تم پیارے لال ہو
یہ اتصال حسن تھا منائے شوق ہے / ڈھونڈے جسے نگاہ وہ دل میں ضرور ہو
مزہ فریاد کا جب ہے خدا بھی سننے والا ہو / نہ ہو محشر میں اپنا کوئی تیری ساری دنیا ہو
بوجھ غم میں آجائے تصور اسکی مژگاں کا / غنیمت ڈوبنے والیکو تنکے کا سہارا ہو
کیٹیں ہر ہر قدم غیرت سے عاشق کوئے دشمن میں / جواب خنجر ہے ان ترا نقش کف پا ہو
وہاں غش ایک موسیٰ تھے یہاں بیہوش لاکھوں ہیں / وہ برق طور سینا تھی، یہ ہے تنویر میخانہ
گلے سے جب اترتی ہے جگر تک کاٹ کرتی ہے / یہ ہے موج مئے سرجوش یا شمشیر میخانہ
جو گھر سے بن سنور کر وہ بت کافر ادا نکلے / اڑا دے ہوش عالم کے پری بنکر قضا نکلے
ملکر لبوں سے نکلے جو وہ حرف پیار کے / بوسے مری زباں نے لیے نطق یار کے
دیا شباب رنگ دن آئے نکھار کے / گل باغ آرزو میں کھلے ہیں بہار کے
شعلے زمین پر ہیں تڑپ آسمان پر / نالوں میں میرے رنگ ہیں برق و شرار کے
ٹھکرا کے تم نے خاک کا رتبہ بڑھا دیا / گردوں پہ اب دماغ ہیں مشت غبار کے

جب اٹھے وہ صورت محشر اٹھے / جب چلے تیغ قضا بن کر چلے
کھینچتے ہو زلف یار کو روز تو / کام کرتے ہو مار کھانے کے

کے گئے ہیں واہ وا کس لطف سے کٹکر سر دکھے / دہان زخم سے ہیں چوم تو گاہا تمہ قاتل کے

جس قیامت کا زمانہ میں ہے شہرہ ہر سو
آگ سی شوق شہادت نے لگا رکھی ہے
غمزہ و ناز و ادا، عشوہ و، کرشمہ، شوخی
دم ہے یہاں لبوں پہ ہاں وا ہے چشم شوق
ہم جن کو جان دیتے ہیں ہم جن پہ مٹ گئے

ٹھوکروں میں تھی ہر وقت پڑی [illegible]
آب خنجر سے مری پیاس بجھا [illegible]
سب بنے وہ پیچھے چھڑانے میں [illegible]
تیر ادھر، قضا کا ادھر انتظار ہے
اللہ رے نصیب انھیں ہم سے [illegible]

وہ اٹھا ابر چلو بادہ کشو میخانے
امید وفا جن سے تھی آرزو وہ پس مرگ
جذبۂ شوق شہادت کے الٰہی قربان
کیا تلون ہے خوشامد سے بگڑ جاتا ہے
ساغر میں کس کا عکس رخ بے حجاب ہے
شوخی میں ناز، ناز میں کچھ کچھ حجاب ہے
پامال کر کے کہتے ہیں رونق وہ نعش کو
نہ دل ہے عشق میں بس کا نہ قابو کا جگر میرے
تیرہ بختی کو مری اور بڑھانے آئے

وہ برستی ہوئی اللہ کی رحمت آئی
دو آنسو بھی آئے نہ جنازے پہ بہانے
تیغ قاتل سے رگ جاں کو ملا رکھا ہے
غدر کا نام بھی ظالم نے خطا رکھا ہے
پیدا اک آفتاب میں اور آفتاب ہے
واللہ یہ ادا بھی تری انتخاب ہے
یوں دل لگانے والوں کی مٹی خراب ہے
کسے تھاموں کسے روکوں الٰہی سخت مشکل ہے
بال کھولے ہوئے تربت کے سرہانے آئے

وہ جتنا مجھ سے کھنچتے ہیں میں اتنا ان سے ملتا ہوں
بلا کی ہے کشش ان میں غضب کی مجھ میں [illegible]

ساقی کی چشم مست کہیں کام کر گئی
اس ناز کی پہ قتل کی دھمکی خدا کی شان
جو آج غم کی ہے، کل وہ گھڑی نہیں رہتی

بوئے شراب ناب جو خون جگر میں ہے
دیکھے ہوئے ہیں ہم جو تمھاری کمر میں ہے
ہمیشہ یار کسی کی اڑی نہیں رہتی

کسی کے حسن میں ہے راز الفت اپنا پوشیدہ
دکھاتا ہے ہمیشہ سرکشوں کو آسماں نیچا
رہے جو حشر تک دل میں وہ حسرت ہے مری حسرت

حجاب روئے روشن پردۂ چشم تمنا ہے
حبابوں کے لیے زنجیر پا ہر موج دریا ہے
نہ نکلے جو کبھی مر کر تمنا وہ تمنا ہے

[illegible] تمنا کر — کر تیغ سے مدتوں زخم جگر سے اسکو سینا ہے
[illegible] حکایت تمنائی ہے — ماہ جبیں مجنوں نے وہ ہی خدائی ہے
بن گئی کیا [illegible] رخسار حیرانی مری — آپ کی صورت سے بنتی ہے پریشانی مری
[illegible] ہو گئی نعش اٹھائی نہ گئی — سیری ملی بھی ٹھکانے سے لگائی نہ گئی
[illegible] تھی لیپ مرگ ٹالی نہ گئی — خاک بھی کمبخت مری قبر پہ ڈالی نہ گئی
دیکھی محشر خرامی آپ کی — آ گئی صاحب قیامت آ گئی

رؤف — **رؤف** بابو رؤف الدین باشندۂ ناگپور صوبۂ متوسط وکیل درجہ اول ریاست بھوپال تغرضاً کبھی کبھی فکر سخن کا بھی اتفاق ہو جاتا ہے، یہ چند شعر انکے طبعزاد ہیں۔

جدا ت کو کوئی [illegible] قمر نظر آیا — گماں ہوا کہ زمیں پر قمر اتر آیا
رؤف بھر گئے آ بکے تو آپ سے باہر — جنوں کا زور انہیں اتنا پار سال نہ تھا
سپنے کو مل گئی ہے جگہ کوئے یار میں — پھر کیوں نہ ہو دماغ مرا آسمان پر
کچھ دن تو نہیں رہیں جو تمہاری رکھایاں — اک روز کھیل جائینگے ہم اپنی جان پر
سرمہ نہیں لگایا ہے آنکھوں میں وقت قتل — تلوار کو چڑھایا ہے قاتل نے سان پر

رئیس — **رئیس** ۔ نواب محمد عمر علیخاں بہادر رئیس مخاطب بہ فیروز جنگ والئی ریاست باوڑہ صوبہ [illegible] کے قریب بطریق سیر شمالی ہندوستان کے اکثر شہروں کی سیر کی اور ہر مقام کے نامور اور باکمال لوگوں سے ملاقی ہوئے، سفرنامہ بھی لکھکر شائع کیا تھا۔ اپنے وقت کے روشن خیال، تجربہ کار ذی استعداد اور باکمال رئیس سمجھے جاتے تھے۔ ۵۲ - ۵۰ برس کی عمر پائی، موزونی طبع کبھی شعر و سخن کی بھی محرک ہو جاتی تھی، چھ سات غزلیں نظر سے گذریں اُنکا انتخاب حسب ذیل ہے

کثرت گل یہ ہوئی اللہ رے شان بہار — بن گئی ساری زمیں گویا گلستان بہار
[illegible] ہیں جس طرف دیکھو ادھر پھولوں کے ڈھیر — گلفشاں ہے ان دنوں شاید کہ داماں بہار
[illegible] ہو مینا ہو، مے ہو، ساقی گلفام ہو — اور کیا ہیں بس یہی دو چار سامان بہار

دیر کیا ہے کشتی بادہ ہو ساقی ناخدا
تنکے دل کو کیا ضلِ تمرانے پائمال
جو دکھاتا ہے وہ سب کچھ دیکھتے ہیں نیک و بد
نہ جب بس چل سکا تو مر مٹے ہم
سوزش وہی ہے لیک شرارے نہیں عیاں
عمر آخر ہوئی افسوس نہ پھولا نہ پھلا
ٹکے دل ہی میں ہے دھوئیں میرے جانب سے غبار
خاک کب میری کو بہ کو نہ گئی
چھٹ گئے سارے مونس و ہمدم

موج زن ہے بحرِ [illegible]
رنگیا بس دل ہی دل میں آج [illegible]
اب خزاں کا رنج ہے دل میں [illegible]
رسائی تھی رئیس اپنی یہیں تک
جلتا ہوں سوزِ عشق سے لیکن دھواں نہیں
نخل امید کا لائیگا ثمر کون سے دن
کام آؤگے تم اے دیدۂ تر کون سے دن
مٹ گئے اسکی جستجو نہ گئی
آفریں بیکسی کہ تو نہ گئی

رئیس

رئیس مرزا خادم حسین صاحب رئیس اکبر آبادی انکے شاگرد سید سخاوت علی شوخ اکبرآبادی نے جو حالات ارسال کیئے انکا خلاصہ یہ ہے کہ آپکے آبا و اجداد صاحب جاگیر و مناصب تھے آپ کو بھی خاصی جائداد ترکہ میں ملی تھی لیکن اس کا کثیر حصہ تلف ہو گیا تا ہم سرکار انگلشیہ کے دربار میں کرسی عطا ہوتی ہے، مرزا صاحب موصوف کو فن شعر میں کما حقہ دخل ہے۔ باوجود اسقدر باکمال ہونے کے مرزا صاحب نے زانوے تلمذ کسی استاد کے سامنے نہیں جھکایا جو کچھ استعداد ہے خداداد ہے، ہر چند زبانِ عربی و فارسی میں کامل مہارت حاصل ہے لیکن اشعارِ اردو نہایت صاف اور عام فہم کہتے ہیں، اس وقت تک مرزا صاحب کے شاگردوں کا نمبر دو سو تک پہنچ چکا ہے جس میں اکثر اچھا کہنے والوں میں ہیں، شوخی اور بذلہ سنجی کے ساتھ ساتھ پختہ کلامی آپکے کلام سے ظاہر ہے، موجودہ مذاق کی اچھی تقلید کرتے ہیں۔ انکی اکثر غزلیں آگرہ میں زبان زدِ خاص و عام ہیں عمر اب ساٹھ سال کے قریب ہے، نازک خیالی اور مضمون پیدا کرنے کی بہ نسبت زبان کی صفائی محاورہ کی پابندی اور مضمون کی شوخی کی طرف توجہ زیادہ ہے، دو تین دیوان آپکے مرتب ہو چکے ہیں مگر چھپنے کی نوبت نہیں آئی۔

۵۸۵

...ہے •

...ے بہت ... سکن ضو دیکا
دِل سے بہت قریب تھا آنکھوں سے دور تھا

...ے ... مرغ پر یک قلم
روشن تمام کو جیسے عین الشطور تھا

رحم مجھکو نہ کبھی او ستم ایجاد آیا
اور آیا بھی تو اک ظلم نیا یاد آیا

کیا نہ محشر میں ہو داور محشر کے حضور
میں ہوں وتو ہو مرا ہاتھ گریباں تیرا

بیمار محبت کو سنبھلتے نہیں دیکھا
آئی کو کسی کی کبھی ٹلتے نہیں دیکھا

تصویر میں اتنا نہ فروغ رخ روشن
سانچے میں کبھی دھوپ کو ڈھلتے نہیں دیکھا

ہم خاک نشینوں سے ہے ان جو کدورت
مٹی کا انہیں عطر بھی ملتے نہیں دیکھا

جس طرح نکل جاتی ہیں آہیں شب فرقت
یوں وصل میں ارماں کو نکلتے نہیں دیکھا

ظالم کو بھی ہوتا ہے کسی شے کا سہارا
بتیا کو بے ہاتھ کے چلتے نہیں دیکھا

ہم کہتے ہیں رو کو نگہ شوخ کو روکو!
تسکین دل مضطر کو مچلتے نہیں دیکھا

... سے شوخ اور ہوا زنگ سنہرا
اس سونے کو تیزاب میں گلتے نہیں دیکھا

نہیں شریک خدا کا جو کبریائی میں
ترا جواب بھی اے بت نہیں خدائی میں

وہ گل جو اوڑھ کے سویا تھا وصل میں اک دن
وہ بھینی بو رہی برسوں بسی دولائی میں

بزنگ آئینہ منہ پر کچھ اور پشت پہ اور
تمہیں بتاؤ صفائی ہے یہ صفائی میں

شراب وصل میں کافی ہے رات بھر کے لیئے
پیالہ زہر کا رکھا ہے اک سحر کے لیئے

اٹھا کسی کا نہ احسان داغ نازک سے
زبان پر بھی نہ آئی دعا اثر کے لیئے

کنگنے باندھی جو کمر میرے ستانیکے لیئے
آسماں ساتھ ہوا ہاتھ بٹانیکے لیئے

چشم پرنم میں نظر آتی ہے تیری تصویر
یا پری اتری ہے دریا میں نہانیکے لیئے

لطف ہے بادہ کشی کا رمضان میں زاہد
اک مہینہ ہے یہی پینے پلانیکے لیئے

وہ ستم کرتے ہیں دل داد ستم دیتا ہے
ہاں میں ہاں اور یہ آیا ہے ملانیکے لیئے

... کی رہی دیدۂ مردم میں جگہ	... سکے سرمہ ہوئے آنکھوں میں ...
ہو پڑا تو ملک الموت سے جھگڑا آخر	نزع میں کسنے کہا تھا کہ تمہیں آنیکے لیے
کوسنے کھائے، وہ تھپڑے، لاتیں کھائیں	ہاتھ رکھا تھا کہیں پاؤں دبانیکے لیے
کبھی پی لیتے ہیں منت سے کسی کی زاہد	مینہ برستے میں لگی دل کی بجھانیکے لیے
رد نہ کر دعوتِ مے پیرِ مغاں کی زاہد	اب خدا آئیگا کیا تجھکو پلانیکے لیے
غمزہ بیجا نہ اُٹھائینگے کہ ہم بھی ہیں رئیس	ڈھونڈ لو اور کوئی ناز اُٹھانیکے لیے
ظلم پر ظلم حضور آپ تو کرتے ہی رہے	جاں نثار آپکے دم آپکا بھرتے ہی رہے
آرزو آئی، کبھی دل میں تمنا آئی	روز مہماں نئے اِس گھر میں اُترتے ہی رہے
آج یہ دُکھ ہوا، کل دوسرا آزار ہوا	جب سے ہم آپ پہ مرنے لگے مرتے ہی رہے
ناتوانی نے نگاہوں پہ بھی چڑھنے ندیا	ہم سے لاغر تری نظروں سے اُترتے ہی رہے
بحرِ عالم میں ہی ہستی بشر شکل حباب	ہم فنا ہونیکو دنیا میں اُبھرتے ہی رہے
وہ بھی لاکر مری تربت پہ چڑھائے نہ کبھی	ہار باسی تری چوٹی کے اُترتے ہی رہے
حسرتِ دید میں یاں مر گئے آخر مشتاق	آپ بیٹھے ہوئے واں گھر میں نکھرتے ہی رہے
مجلسِ وعظ میں میں پی گیا بوتل غٹ غٹ	لوگ ہاں ہاں بہت ہر سمت سے کرتے ہی رہے
سبزہ رنگوں کی نگاہوں کا جو کشتہ ہوں رہا	سبزہ تربت کا ہرا دشت کے چرتے ہی رہے

رہا - غلام محمد خاں رہا اکبرآبادی شاگرد اسیر لیسپر نظیر، بزرگ اِنکے ریاست بھرتپور میں فوجی عہدوں پر مامور تھے اور یہ خود بھی اسی ریاست میں ملازم تھے، غدر کے قریب قریب زمانہ میں انتقال کیا، یہ فکرِ سخن کا نمونہ ہے۔

کہنا مرا ہماری سر آنکھوں پہ ناصحا	پر کیا کریں جو دل ہی نہو اختیار میں
کی آخر کو رو رو جگہ اُسکے دل میں	رہا ہم تری چشم تر پر فدا ہیں
اُسے غیر کی بزم سے کھینچ لایا	ہم آہِ جگر کے اثر پر فدا ہیں

بوئے گیسوئے مشکیں نسیمِ عنبریں سے آتی
وہ بوئے عطر بیز جو بادِ سحر میں ہے
پھول ... سینے میں دیکھا
کہنے لگے کہ مفت گیا تیر یا شست

رسا میر علی اوسط صاحب عرف میر مغل فیض آباد کے اصلی باشندے اور کانپور میں سکونت اوسکے قریب رہتے تھے ، حضرت ناسخ کے شاگرد رشید جناب رشک کے تلامذہ میں سے تھے ، باکمال اور مشاق کہنے والے تھے -

آسمان ... ہوتی نہیں اصلا آنکھیں
دیدۂ روزنِ دیوار ہیں گویا آنکھیں
دیدۂ آبلہ و دیدۂ داغِ سودا
میرے اللہ نے دی ہیں مجھے کیا کیا آنکھیں
بولتی مجھسے نہیں باتیں شناور نہیں ہیں
لئے خاموش ہوئے ہو گئیں گویا آنکھیں
فرقتِ گل میں غم کھا کے کہیں افیون بلبل
چارسُو رکھتا ہے اسواسطے لالا آنکھیں
شکلِ طاؤس مرے تن پہ ہیں داغِ حسرت
دید کو تیری بنا ہوں میں سراپا آنکھیں
ہے تصور میں جو اک پردہ نشیں کی آمد
روشنی دُور ہوئی کرتی ہیں پردا آنکھیں
آنکھیں موسیٰ کی کہاں پاؤں جو دیکھوں اسکو
شجرِ طور ہے قامت یدِ بیضا آنکھیں
آرزو ہے کہ رہا وادیٔ ایمن دیکھے
عاریت اسکو عنایت کرو موسیٰ آنکھیں

رہائی - ڈاکٹر شیخ عبداللہ خلف شیخ فقیر محمد متوطن رانگوپور پرگنہ عظیم آباد پٹنہ ، انگریزی تعلیم پاکر غدر سے پیشتر ڈاکٹری کا امتحان پاس کر کے سرکاری ملازمت اختیار کی تھی - شاعری کا بھی شوق تھا - چند شعر نتائج طبع سے درج ہوئے ، عبداللہ خاں مہر لکھنوی سے اِس فن میں استفادہ کیا تھا -

تیری گلی پکڑتی ہے مجھ خستہ تن کے پاؤں
جنبش ہی جانتے نہیں دیوارِ بن کے پاؤں
باہر ہے چشمِ شوخ سے دنبالۂ دراز
کچھ حد سے بڑھ چلے ہیں غزالِ ختن کے پاؤں
مجھ پا شکستہ کے لیے کیا احتیاجِ قید
قابل نہ بیڑیوں کے نہ لائق رسن کے پاؤں
باغِ جہاں میں کاش میں ہوتا حنا کا رنگ
لیتا کنارِ شوق میں اُس گلبدن کے پاؤں

اقی ہیں آج تک وہی شعلہ مزاجیاں	رکھتے نہیں مزار پہ مارسے جلن

رہبر۔ نواب مصطفیٰ علی خان رہبر خلف و شاگرد نواب ہادی حسن خان بریلوی ارشاد
حافظ الملک بہادر خاندانی وظیفہ سرکار انگلشیہ سے پاتے ہیں ۸۰ سال کی عمر ہے عنفوان
شباب میں اکثر شعر گوئی کا چرچا رہتا تھا اب بہت کم کہتے ہیں۔

خاکساری نے مری رام کیا اُس بت کو	زور آیا نہ کبھی کام نہ کچھ زر آیا
گھر ہمارے بھی کسی روز کرم فرماؤ	منتیں تیری ہم لے رشک قمر کرتے ہیں
دیر ہو جاتی ہے آنے میں جو عدو سے اُن کیں	وہم کیا کیا دل رہبر میں گذر کرتے ہیں
وہ پریشاں خواب ہے وابستگان زلف کا	جسکی مشکل سے بیاں یوسف سے کچھ تعبیر ہو
زور کا بل ہے نہ زر کا زور مجھنا کام کو	پھر ترے ملنے کی اے خود کام کیا تدبیر ہو
کام جادو سے نکلتا ہے نہ کچھ تعویذ سے	کس عمل سے یا الٰہی وہ پری تسخیر ہو
وہ تو لے رہبر خوش و خرم ہی بزم غیر میں	تم عبث مغموم ہو بے فائدہ دلگیر ہو

رہبر۔ منشی محمد مہدی رہبر۔ آپ کو حضرت داغ سے تلمذ رہا ہے، کئی برس ہوئے آپ
بھوپال میں تھے اُسکے بعد کچھ حال معلوم نہ ہوا۔

یارب یہ برق ہے کہ دل بیقرار ہے	یہ مہر جلوہ گر ہے کہ چہرہ ہے یار کا
پھر کس پہ مشق جور و جفا کی کروگے تم	دیکھو نشاں مٹاؤ نہ میرے مزار کا
میں تو کبھی نہ بوسۂ رخسار مانگتا	سارا قصور تھا یہ دل بے قرار کا

ریاست۔ شیخ ریاست علی صاحب ریاست لکھنوی شاگرد جناب مرحمت الدولہ بہادر ملک
سید غضنفر علیخان بہادر صولت جنگ المتخلص بہ حکیم، انکے والد میر ہادی علی بیخود خواجہ وزیر
کے نامی شاگردوں میں تھے، یہ خود انقلاب سلطنت اودھ کے زمانہ کی پیدائش ہیں، چند شعر
نتائج افکار سے درج کیے جاتے ہیں۔

نہیں کہتا نظر مجھ پر کرے وہ شادماں ہوکر	توقع تو ہو غیروں ہی کو دیکھے مہرباں ہوکر

[illegible] سے کھیل | شوخی [illegible] میں [illegible]
[illegible] | [illegible] سکتی [illegible] ہے [illegible]
[illegible] سے [illegible] کی | [illegible] اپنے زخم دل زخم [illegible] ہو کر
[illegible] محبوب کے [illegible] کو | [illegible] کی فلک [illegible]
[illegible] سے | زمیں بھی [illegible] کی [illegible] گی [illegible]

ریاض

ریاض ۔ شاعر بے نظیر نگار سخن جادو طراز استاد مسلم الثبوت منشی سید ریاض احمد صاحب ریاض خیرآبادی فخر تلامذہ و سرمایۂ نازش حضرت منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی، آپکے والد منشی سید طفیل احمد صاحب مجسٹریٹ عالم اور خیرآباد کے موقر لوگوں میں سے تھے منشی ریاض کی ابتدائی تعلیم خیرآباد کے مدرسۂ عربیہ میں ہوئی مگر ابھی فارغ التحصیل نہیں ہوئے تھے کہ شاعری کا چسکا پڑ گیا۔ اس زمانہ میں منشی تدبیر الدولہ اسیر کا بڑا شہرہ تھا، آپنے اُن سے تلمذ اختیار کیا اور انکی خدمت میں حاضر ہونے کو لکھنؤ گئے، اسکے چند ہی روز بعد خیرآباد سے اردو شعر و سخن کا ایک رسالہ مشتمل کردہ "ریاض" نامی جاری کیا جسنے حضرت اسیر و امیر کی قدر افزائی کی بدولت بہت شہرت حاصل کی تھوڑے عرصہ بعد ۱۲۹۶ھ میں خیرآباد سے ریاض الاخبار نکالا لیکن چونکہ ہمیشہ سے لکھنؤ کی صحبت پسند تھی دفتر یہاں اُٹھا لائے، مگر کئی برس بعد اخراجات نہ چلنے کے باعث اخبار گورکھپور منتقل کرنا پڑا، گورکھپور میں حکام اور روٗسا نے انکی اچھی مدارات کی اور ریاض الاخبار پندرہ سولہ برس تک نہایت کامیابی سے جاری رہا اور حضرت ریاض کو انکی شوخی طبع اور خداداد ذہانت کی خوب داد ملی، اِس عرصہ میں منشی ریاض نے سرکاری ملازمت کرلی، سپرنٹنڈنٹ پولیس گورکھپور کے سررشتہ دار ہو گئے [illegible] میں نواب کلب علیخاں مرحوم نے انکی تیزی طبع اور خوش فکری کی شہرت سنکر انہیں [illegible] طلب کیا اور خلعت خاص اور انعام سے سرفراز فرمایا، مگر ریاض نے کچھ زیادہ عرصہ [illegible] نہ کیا [illegible] اخبار کے ساتھ ساتھ ایک چھوٹا سا ضمیمہ "فتنہ" و "عطر فتنہ" [illegible]

[illegible] میں نکلنے لگا جس میں چلبلے مضامین اور چولی کے اشعار ہوتے [illegible]

[illegible] ریاض خلیق ملنسار، زندہ دل شخص ہیں، گو رکھپور میں پندرہ برس [illegible] گذار لینے کے بعد ریاض کو پھر لکھنؤ کی یاد نے گدگدایا، اور اگرچہ رہایش [illegible] اور اخبار کے دفتر اُٹھانے میں سخت خسارہ ہوا تاہم اپنے شوق کی خاطر اُسے [illegible] لکھنؤ چلے آئے، چنانچہ کہتے ہیں ؎

ریاض تھی جو مقدر میں بازگشتِ شباب	جوان ہوئے کو پیری میں لکھنؤ [illegible]

اب ریاض کی عمر چھپن برس کی ہے اور دس سال سے راجہ صاحب محمود آباد کی سر[illegible] ریاض کی زباندانی مسلّم ہے، اغلاط سے کلام پاک ہوتا ہے اور ایک طرز خاص [illegible] جاتے ہیں، آپکا ہر ایک شعر قبولِ عام کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے اور شوخی و بے [illegible] خاص جوہر ہیں، اِنکے اکثر اشعار ضرب الامثال کے طور پر لوگوں کی زبانوں پر چڑھے ہوئے ہیں اور اُنکے سننے کے وقت یہ خیال بھی نہیں گذرتا کہ انکا مصنف زندہ و سلامت موجود ہے پہلے ریاض کو مشاعروں میں شریک ہونیکا بڑا شوق تھا اب وہ جوش باقی نہیں رہا، طبیعت میں لااُبالی پن اور وارفتگی جو رندانہ مزاجی کا لازمہ ہے زیادہ ہے، اِنکے اندازِ بیان کی چُستی، مضمون کی شوخی، اور بے چینی، زبان کی صفائی اور فصاحتِ روزمرہ اس امر کو ثابت کرتی ہیں کہ مبدءِ فیاض سے اُنھیں شاعری کی نعمت عطا ہوئی ہے، یہ ضرور ہے کہ سچے عشق کی تصویریں اُنکے ہاں کم ملتی ہیں، بلکہ اُسکے برخلاف بعض بعض شعر غزل میں ایسے ہوتے ہیں کہ جنکو بداخلاقی کا محرک کہنا نازیبا نہیں اور یہ بات اُصولِ شاعری کے خلاف ہے شاعر کے دماغ سے اگر ایسے مضامین اُتریں کہ جن سے روحانی جذبات کو ترقی ہو تو وہ نہایت قابلِ تحسین امر ہے، معاملہ بندی، ہنسی ٹھٹھول، جلی کٹی، واعظوں پر پھبتی، رندانہ بے [illegible] کے مضامین جا بجا انکے کلام میں بڑے دلکش پیرایہ میں ملتے ہیں، ساتھ ہی یہ [illegible] ذکر ہے کہ تصوف اور اخلاق کے رنگ کی بھی جھلک کہیں کہیں نظر آجاتی ہے [illegible]

[illegible] جہاں سے کسی [illegible] ہے اور کہانی کی بھی کی ہیں [illegible] بعض بعض شعر ایسے بلند پایہ کے نکل جاتے ہیں کہ ان [illegible] چند اشعار حسن پرستی، معاملہ اور رندی کا پہلو لیے ہوئے ہیں لیکن انھوں میں بالعموم چند جگہ ہیں اور یہ انکی تمام اصلاحی اور مشاقی فن کا اعلیٰ ثبوت ہے، حضرت ریاض نے چند ناولوں کے اردو میں ترجمے بھی کیے ہیں، مگر وہ چیز جس سے ہمیشہ اردو کی تاریخ میں انکا نام زندہ رہیگا وہ ناول نہیں ہیں بلکہ صدہا مضامین جو ریاض الاخبار اور اودھ پنچ کی پرانی جلدوں میں بکثرت ملتے ہیں اور وہ غزلیں جنکو پسند عام کے اعتبار سے حضرت داغ کے کلام کے قریب قریب ہم پایہ ہونیکی عزت حاصل ہے۔ حضرت دلگیر کی تحریر سے یہ معلوم ہوسکا کہ حضرت ریاض چند سال سے مختلف مصائب اور پریشانیوں کے آماجگاہ بنے ہوئے ہیں سخت افسوس ہوا، منجملہ دیگر حوادث کے اُنکی عمر بھر کی کمائی یعنی دیوان غیر مطبوعہ بھی جاتا رہا۔ ہمیں افسوس ہے کہ انکے سوانح زندگی بالتفصیل باوجود کوشش بلیغ ہمیں نہ مل سکے۔

نذر اُس بت کی ہو ایمان یہ کچھ دور نہ تھا — اپنے اللہ کے صدقے اُسے منظور نہ تھا
میں بھلا تا ہوں ترا چاہنے والا اے دوست — وہ بھی جلوے مری آنکھوں میں ہیں جو طور نہ تھا
شوق سے میں نے رہِ عشق کے کانٹے ہیں چنے — کوہکن ہو تو ہو میں تو کوئی مزدور نہ تھا
بیٹھ کر کیا دلِ مرحوم کو روتے ہو ریاض — بگڑی بن جائے یہ اللہ کو منظور نہ تھا

نہ آیا ہمیں عشق کرنا نہ آیا — مرے عمر بھر اور مرنا نہ آیا
کئے ہونگے تنے نمکدان خالی — نمک تمکو زخموں میں بھرنا نہ آیا
تمنا کرو وہ کہتے ہیں کس کے بھیجے — ہمیں وعدہ کر کے مکرنا نہ آیا
ریاض ایسی دیوانگی روزِ محشر — ارے چھوڑ کمبخت دامن کسیکا
سے مجھ لانے میں سر زمیں ہی یہ طلی کیا — ہم آتا طلے سبو کر ج ارحا کیا

جایئے جایئے ہم حشر میں سُننے کے نہیں — آیئے آیئے اب وعدۂ فردا کیسا

حشر کے روز تماشہ آئی پہونچی دنیا ساری — دیکھنا یہ ہے کہ ہوتا ہے تماشا کیسا!

چلمن اُٹھی کسی کمرے کی قیامت بنکر — ہو رہا ہے سرِ بازار تماشا کیسا!

قرض لایا ہے کوئی حسین لنکر شاید — میفروشوں کا ہجوم غضب سے تقاضا کیسا

جب یہ ملجائیں کلیجے سے لگالے اُنکو — اِن حسینوں سے کسی بات کا شکوا کیسا

پڑنے والو ہے یہ خواہش کہ اُٹھائیں نہ وہ — اُٹھ گیا آنکھ سے اب لوگوں کی چہرہ کیسا

تو نے چٹکی سے جو توڑا گُلِ رنگیں الشیخ — ہل گیا دیکھ کے بلبل کا کلیجا کیسا

کعبہ سُنتے ہیں کہ گھر ہے بڑے داتا کا ریاضؔ — زندگی ہے تو فقیروں کا بھی پھیرا ہوگا

نازسے اِترا کے چلنا قہر تھا — ٹکڑے ٹکڑے ہوکر دامنِ محشر گرا

روگ تھا، آزار تھا، اچھا ہوا جاتا رہا — ایسے دل کا رنج کیا جاتا رہا جاتا رہا

صدقے تھی صبحِ وصل کے شکوا مرا جاتا رہا — اُنکا شکوہ رہ گیا میرا گلہ جاتا رہا

صبح ہوتے تعجب کہا ہیں نے کہ کچھ ہی التماس — ہنسکے بولے وقتِ عرضِ مدعا جاتا رہا

اِس طرح بیچین دلکو ڈھونڈنے نکلے ہیں ہم — پوچھتا ہے ہر حسیں گھبرا کے کیا جاتا رہا

ختم ہی صبحِ شبِ وصل اور بھی دونی مگر — شام کو جو تھا وہ اندازِ حیا جاتا رہا

میری صورت پر ترس کیوں دشمنوں کو آگیا — تیرے صدقے کیوں وہ اندازِ حیا جاتا رہا

دستِ شفقت اسطرح اک رندنے پھیرا ریاضؔ — بیٹھکر یادِ خدا میں جھومنا جاتا رہا

یہ سُن کے لیں بلائیں جو سو بار کیا ہوا — ہے ہے بلائے جاں یہ ہوا پیار کیا ہوا

میں دستِ شوق پیار سے گردن میں ڈالدوں — کہتے ہیں وہ گلے کا مرے ہار کیا ہوا

مجکو ادب حجاب تھیں پھر یہ کون تھا — آنکھوں سے جسنے شرم کا پردہ اُٹھا دیا

ساغر دیا کسی نے مگر کس ادا کے ساتھ — یہ کہکے ہمنے زہر ہی اس میں ملا دیا

شوخی سے ہر شگوفے کے ٹکڑے اڑا دیئے — جس غنچہ پر نگاہ پڑی دل بنا دیا

[illegible]
کھینچکی [illegible] دل [illegible]

[illegible]
یا [illegible] ہو نہیں سکتا

[illegible]
ہم سمجھتے تھے کہ محشر میں تماشا ہوگا

بڑھاپا ختم ہونے سے ہے عالم اُنکے جوبن کا
جوانی میں ابھی کچھ طور باقی ہے لڑکپن کا

[illegible] ہوکر رہیگا وہ جو ہونا ہے
الٹے جھوٹے پڑے اب قول و قسم سے ہو نہیں سکتا

بچ جائے جو دنیا میں جوانی کی ہوا سے
ہوتا ہے فرشتہ کوئی انسان نہیں ہوتا

عالم وحشت میں میر اگھر کوئی گھر رہگیا
سر جدھر ٹکرا دیا دیوار کا در رہگیا

ایسی ضد ہے تو اُنہیں کون منائے یارب
اِس پہ مچلے ہیں کہ کوئی مجھے کیوں یاد آیا

صدقے ہونٹوں کے جنہیں نازِ مسیحائی ہے
صدقے باتوں کے جنہیں شیوہ جلانا آیا

کیا کہا پھر تو کہو بھول گئے ہم کسکو
صدقے اُسکے جو نہیں مجھکے یوں یاد آیا

چھپکے راتوں کو کہیں آپ نہ آئے نہ گئے
بے سبب نام ہوا آپ کا روشن کیسا

اب صفر لعل نے بہار آتی ہے اس میں کہ نہیں
میر سے دم سے کبھی آباد تھا گلشن کیسا

ہنسنے دیکھے ہیں مقامات تجلی اُنکے
طور کہتے ہیں کسے وادیٔ ایمن کیسا

کئے ہیں داغ نیا دینے وہ مجھکو پس مرگ
آج پھیلا ہے اُجالا سرِ مدفن کیسا

باغباں کام ہمیں کیا ہے وہ اُجڑے کہ رہے
جب ہمیں باغ سے نکلے تو نشیمن کیسا

ہنگام نزع گریہ یہاں سب بے کسی کا تھا
تم ہنس پڑے یہ وقت بھلا کیا ہنسی کا تھا

مردے کو میرے دفن اُسی خاک میں کیا
دل میں بھرا غبار جو اُنکے کبھی کا تھا

اُٹھے نہ میری گور سے پھر وہ بھی بیٹھکر
کیا عالم آج ہائے میری بیکسی کا تھا

دل نے مجھے خراب کیا کوئے یار میں
دشمن پہ اعتبار مجھے دوستی کا تھا

بے مہین کر کسی سے جو پیتے تو تھی خطا
جب دام دیکھے پی تو گنہ کیا کسی کا تھا

صحرا میں پھرتے ہے تھے سلیماں بنے ہوئے
یعنی جنوں میں بھی ہمیں سایہ پری کا تھا

بیہودہ وضع اور یہ دشنام مے فروش
سنکر جو پی گئے یہ مزا متقی کا تھا

دنیا کی کاہشوں سے ہمیشہ رہا اداس
پر آدمی ریاضؔ عجب دل لگی کا تھا

ہوش کس کو کون روکے جام مے
ساقیا لے ہم چلے ساغر گرا

پھیرتے ہیں بہت آہستہ گلے پر خنجر
ڈر یہ ہے ٹوٹ نجائے کہیں خنجر میرا

دے خدا عقل تو دیوانہ بنے
کہ جنوں کام ہے دانائی کا

خمِ قد ہے خمِ مینا سوئے جام
موج مے ہاتھ ہے انگڑائی کا

جائے بھی میرے سیہ خانے سے
مُنہ ہو کالا شبِ تنہائی کا

مستِ مینا ہوں پیا ہے میں نے
جام امیر احمد مینائی کا

ساتھ ہے قیس سے صحرائی کا
کیا ٹھکانا ترے سودائی کا

دلِ پُر داغ ہیں گلدستوں میں
شوق ہے انجمن آرائی کا

پہلو سے یوں کوئی سرِ محفل نکل گیا
معلوم یہ ہوا کہ مرا دل نکل گیا

سینے میں دیکھیے تو کوئی زخم بھی نہیں
تیرِ نگاہ لیکے مرا دل نکل گیا

چُن چُن کے آج شیخ نے انگور کھا لیئے
اب کیا کھچیگی تاک کا حاصل نکل گیا

لائیگا رنگ حشر میں کل خونِ بیگناہ
دامن بچا کے آج تو قاتل نکل گیا

وہ بھی تھا بیقرار بہت اسے نگاہِ شوخ
تو لیگئی نکال کے یا دل نکل گیا

شاید گلوں کے دامنِ رنگیں میں ہو تو ہو
بن بنکے اشک خونِ غا دل نکل گیا

وحشت زدہ ریاضؔ نہ زنداں میں رہ سکا
لیکر وہ سب کے طوق و سلاسل نکل گیا

کچھ عجب لطف سے مِل جل کے رہا ایک سے ایک
غم ترا جان مری رنج ترا دل میرا

جو کھِلا پھول بنا زخم مرے دل کا ریاضؔ
جو کلی رہ گئی کھِلنے سے بنی دل میرا

میرے گھر شل تبرک کے یہ ساماں نکلا
آستیں قیس کی فرہاد کا داماں نکلا

شفقِ شام بنی لالہ رخوں کا دامن
مہِ نو بن کے حسینوں کا گریباں نکلا

[illegible] برسنا [illegible]
آئے نئے برسات کی رت [illegible] برسات [illegible]

ہیں [illegible] کس ادا سے کہا
پھر سنو گے مری زباں سے آج

[illegible] نے آبرو رکھ لی
قرض پی آئے اک دکان سے آج

بیٹھے ہر وقت [illegible] کریں ہی کھا کھا کر
وہیں جمے رہے ہم سنگِ آستاں کی طرح

ہمیں ہے گھر سے تعلق اب اس قدر باقی
کبھی جو گئے تو دو دن کو میہماں کی طرح

شریکِ درد تو کیا باعثِ اذیت ہیں
وہ لوگ جن سے روابط تھے جسم و جاں کی طرح

ترا شان ترقی کرے قیامت کی
ترا شباب بڑھے عمرِ جاوداں کی طرح

ریاض موت ہو اس شرط پر ہمیں منظور
زمیں ستائے نہ مرنے پر آسماں کی طرح

رہے ہم آشیاں میں بھی تو برقِ آشیاں ہو کر
لگا دی آگ اپنے گھر میں سرگرمِ فغاں ہو کر

نہ اپنے غمزدوں کو خوش کرو اب مہرباں ہو کر
بتو تم خوش رہو ہم کیا کریں گے شادماں ہو کر

چلے ہو گل بداماں کچھ تو کہتے جا ماں سے بھی
کہ تم سے کہہ ہی ہیں کچھ عنادل ہمزباں ہو کر

جواں ہونے نہ پائے تھے کہ دل آیا حسینوں پر
اجل یہ کہتی آئی کیا کرو گے تم جواں ہو کر

ملایا خاک ہو کر حسرتوں کو ہم نے مٹی میں
چھپایا کارواں کو ہم نے گردِ کارواں ہو کر

ترے کوچے میں پیسا ہے اسی نے ہم ضعیفوں کو
گرا ہے سایۂ دیوار ہم پر آسماں ہو کر

کوئی منہ چوم لے گا اِس نہیں پر
شکن رہ جائے گی یونہیں جبیں پر

لہو بیکس کا مقتل کی زمیں پر
نہ دامن پر نہ اُن کی آستیں پر

اُڑا لے خاک دَورِ آسماں تک
پھر آخر گردشِ قسمت کہاں تک

گلہ بھی کیا کسی کا تھا کوئی راز
کہ آ کر رہ گیا میری زباں تک

وہ خوگر نالۂ دشمن کا ہو جائے
نہ سنتا ہو جو میری داستاں تک

یہ تیرہ بختی شبِ تنہائی ہجر
نہ نکلے گھر سے اپنے پاسباں تک

آ گیا ایسا ہی اب کافر زمانہ کیا کہیں
ولی لے پھرتے ہیں بغل میں لوگ ایماں آج کل

کو روزہ عید شب کو ہے عجب شغلِ ریاض
محشر میں حوریں جام بکف پائیں زاہدِ
ضد آپ کو دعا سے اثر کو دعا سے لاگ
جو آج وصل میں اس طرح چُھو سے جلاتے ہیں
رہے گی یاد اُنھیں بھی مجھے بھی وصل کی رات
جنابِ شیخ نے جب پی تو منہ بنا کے کہا
سحر بھی ہوتی ہے چلتے ہیں ای اجل ہم بھی
رخا لگا کے پہنچتے ہیں گل رخوں میں ریاض
ادھر ہے بیخودیِ شوق اُدھر ہے نشۂ حسن
یہ حشر ہے کہ ابھی کوئی عدالتِ ناز
یہ اُلجھے ہیں رندوں سے کیوں شیخ صاحب
جب میں کہتا ہوں کہ تھوڑا زہر ہی دیجے مجھے
اُلٹے پیامِ وصل خود اُنکی زباں سے ہیں
راتیں خدا جو دے تو کسی کے وصال کی
تیوریں تیغِ یار کی سب ہیں کھچا وٹیں
سر پہ زمینِ حشر اُٹھائیں گے ڈر نہیں
میں بھی مرا رقیب بھی دونوں ہیں خلد میں
لطف جی بھر کے اُٹھا لیتے ہیں بیباکی کا
کسقدر گورِ غریباں کے ہیں افسردہ چراغ
وہ خوش کہ فریب اسکو دیا ہمکو تسلی
اُلٹے کبھی گھبرا کے تو منہ چھپانے کو ہو آئے

رات بھر پیتا ہے یہ مردِ مسلماں [illegible]
اچھے رہے یہاں بھی تمہاری [illegible]
فرمایئے تو ہاتھ اُٹھا لیں دعا سے [illegible]
انھیں لبوں سے سُنی ہے ہزار بار نہیں
کہ اُن سا شوخ نہیں مجھ سا بے تمیز نہیں
مزا بھی تلخ ہے کچھ بُو بھی خوشگوار نہیں
اب اُنکے آنے کا ہمکو بھی انتظار نہیں
کچھ اُنکی ریشِ مبارک کا اعتبار نہیں
شبِ وصال ہے اور کوئی ہوشیار نہیں
کھڑے ہیں دیر سے اب تک ہوئی پکار نہیں
بڑھاپے میں کیوں ڈاڑھی رنگواتے ہیں
ہنسکے کہتے ہیں کہ منہ مانگی قضا آتی نہیں
حیراں ہوں ایسے دوست وہ میرے کہاں [illegible]
پھر صبح ہو تو لطف بھی خوابِ گراں کے ہیں
کس بل شباب ہی اجلِ ناگہاں کے ہیں
جس کا جنوں میں پاس تھا وہ رنگ [illegible]
جنت اگر یہی ہے تو اپنا گذر نہیں
ہم تصور میں ترے اور مزا پاتے ہیں
جسقدر تیز کرو اور نچھے جاتے ہیں
دونوں کو مزے آتے ہیں پیمانِ وفا میں
پی آئے تو پھر بیٹھ رہے [illegible]

دامن کش فلک کے ہم منہ پہ چلے ہیں — اُڑتی ہے بہت خاک سُنا راہ فنا میں
آنکھ نہیں ... کہ ... نہیں ... — شوخی ہے کہ ہیں سب ہے آغوش حیا میں
... گو رضا تجھ میں اثر دے — ہیں پھول جو سرِ آتی تو دامانِ صبا میں

ہماری قبر پہ اب خاک اڑا سے جاتے ہیں — ... ہوں کا وہ خشک وشا سے جاتے ہیں
کلیم جا کے جہاں اپنے ہوش کھو آئے — وہاں تو روز ہم ان کیں لڑانے جاتے ہیں
ستم ستم ہے نہ کچھ لطف لطف نزع کے وقت — ہماری یاد سے سارے فسانے جاتے ہیں
ب اضطراب ہے ہم میں نہ صبر ہے نہ سکون — نئے رفیق ملے تیرا پہلے جاتے ہیں
نیلے ... بجھانے دو شمع تربت کو — کسی کی دل لگی ... بجھانے جاتے ہیں
نظر بچائے بغل میں دبائے شیشہ ہے — کہیں ریاض بھی پینے پلانے جاتے ہیں

ہم سے وفا کریں کہ وہ ہم پہ جفا کریں — پائیں خدا سے ہم جو بتوں سے وفا کریں
صیاد اڑا دیا مجھے سر سے اتار کر — صدقے ترے ہما ترے سر پر ... کریں
بھاتے تو بیچ جا کے انہیں ہی نگاہ یاس — اب کوسنے کا وقت نہیں ہے دعا کریں
رکھ لیں ہم آپ لاؤ دلِ بے قرار ہیں — ایسا نہ ہو کہ تیر تمہارے خطا کریں
وہ دن کہاں ریاض وہ راتیں کہاں ریاض — بیٹھے ہوئے کسی کی بلائیں لیا کریں

اک ٹیپ ماری زور سے زاہد کے لے ریاض — اب ہاتھ مل رہے ہیں کہ اچھی پڑی نہیں

ریاض اک چلبلا سا دل ہو ہم ہوں — حسینوں کی بھری محفل ہو ہم ہوں
کھٹکتے ہیں نگاہِ باغباں میں — جو ہیں دو چار تنکے آشیاں میں

بوتل کا کاگ زور میں تو یہ کو سے اڑا — ہم گلچلوں کے ہاتھ کی گولی رکی نہیں

ہم جانتے ہیں لطف تقاضائے میفروش — وہ نقد میں کہاں جو مزا ہے ادھار میں
دل تجھے کیوں نہ کرے پیار مری جان ہے تو — دل کو میں کیوں نہ کروں پیار کہ تو ہے دل میں
تمہارے کوچے میں آئیں یہیں قیامت ہے — کہاں یہ لوگ نکل کر لحد سے جاتے ہیں

کرینگے کیا نہ کرینگے جو مے سے ہم توبہ
کہ اب دوکان سے ملتی ہے [illegible]

شب وصل اٹھے یہ باہم مرے
نزع میں یار سے پیمانِ وفا کرتے ہیں

نہ وہ ہوش ہیں نہ ہیں وہ [illegible]
اس دغا باز سے ہم آج دغا کرتے ہیں

یہ مجھ پر کیسے آج پیار آگیا
سجدہ کرتے تھے تو ہم کو کبھی نذرانہ دیا

یہ کون آگیا [illegible]
اب تو ہم [illegible]

یہ بھی اک موج تھی وحشت کی ہیں بے زنجیر
ایسے جکڑے ہوئے کچھ طوق و سلاسل میں نہیں

آنکھ کی سوئی نکالی ارے قاتل تو نے
جان اٹکی ہوئی اب دیدۂ بسمل میں نہیں

بت اپنے آپ کو کیا جانے کیا سمجھتے ہیں
خدا کی مار سمجھ پر خدا سمجھتے ہیں

دل جلوں سے دل لگی اچھی نہیں
رونے والوں سے ہنسی اچھی نہیں

کبھی پی لی تو پی لی اب نہیں آتی بھی کچھ پرا
الگ گوشے میں ہم بیٹھے خدا کی یاد کرتے ہیں

کیا قیامت ہے مری قبر پہ وہ آتے ہیں
اپنے سایہ کو جو چلتے ہوئے ٹھکراتے ہیں

شرم سے کچھ سحر وصل کو کہتے تو نہیں
کروٹیں لیتے ہیں بیتاب ہیں جھنجھلاتے ہیں

ہائے سبزی ہیں وہ سبز بوتل
کبھی ایسی گھٹا اٹھی ہی نہیں

شیخ صاحب کیا چھپا کر لے چلے رومال میں
کچھ نہ کچھ حصہ رہے یاروں کا بھی اس مال میں

ساتھ ہی سرکار کے جانا تھا مجکو بھی ریاض
ماہیٔ بے آب کو رہنا تھا نینی تال میں

دل کی ہے قدر تو کچھ حسن کی سرکاروں میں
یہ وہ سودا نہیں بکجائے جو بازاروں میں

تیشہ بردوش نظر آتی ہے شب کو اک شکل
روحِ فرہاد پھرا کرتی ہے کوہساروں میں

اس لئے میں نے ترے جرم کیے دانستہ
میری گنتی بھی رہے تیرے گنہگاروں میں

مے ریاض آپ بھی پیتے ہیں ہاں ریش سفید
ہائے یہ نور کی شکل اور سیہ کاروں میں

دلکو ہونے دے ہدف ممکن نہیں دل کی تڑپ
یہ اڑاتی ہے ہمیشہ چٹکیوں میں تیر کو

کیوں ہوا ناوک خطا ہے شرم سے نیچی نگاہ
لاؤ ہم رکھ لیں کلیجے میں تمھارے تیر کو

ناوک افگن دیکھ لے آکر ذرا تو دل کی پھانس
یہ ذراسی پھانس تو شرما رہی ہے تیر کو

ہم بند کیے آنکھ تصور میں پڑے ہیں
ایسے میں کوئی چھم سے جو آجائے تو کیا ہو

پھر گردشیں یاد دلاتے ہیں کسیکو
منہ پھیرے ہوئے کوئی نہیں کوس رہا ہو
کیا جام دیا ہے کسے کیا جام دیا ہے
ساقی کا بھلا ہو مرے ساقی کا بھلا ہو

ڈر ہے کہ اسنے خون کسی کا کیا نہ ہو
اتنا بھی شوخ ہاتھ کا رنگِ حنا نہ ہو
بجلی آشیاں کو لگا آگ نشیمن کی شاخ سے
صیاد کوئی اور نیا گل کھلا نہ ہو
وہ بھی یہ چاہتے ہیں ٹھہر جائے دل ذرا
ہم بھی یہ چاہتے ہیں کہ ناوک خطا نہ ہو
چلتی ہوئی ہے تیغ رواں انکی کسقدر
اسکی بھی جان جلتی ہے جسکی قضا نہ ہو
تمکو جو نیند آسے تو دشمن کو موت آئے
افسانہ وہ سناؤں جو تمنے سنا نہ ہو
ہمنے بھی ان حسینوں کو چھیڑا ہے اسقدر
ایسا بھی کوئی ہے جو ہمیں کوستا نہ ہو
اللہ حسن سے تو حیا بھی ضرور ہے
کس کام کی وہ آنکھ کہ جس میں حیا نہ ہو
کافر حسیں بلا سے خفا ہیں ہوا کریں
ہمسے خفا ریاض ہمارا خدا نہ ہو

رکھا ترے دامن میں ہے کیسے گلِ تر کو
رکھ آنکھ میں لے قبر مرے نورِ نظر کو
ہے آگ لگی آگ لگے اسکے اثر کو
جاتا ہے کہاں نالۂ دل پھونک کے گھر کو
پہلو میں ہمارے غضب اک پھانس چبھی ہے
رہ رہ کے بڑھاتی ہے وہی درد جگر کو
یکساں ہے مرے گھر میں شب و روز کا عالم
پھرتے ہیں مہ و مہر لیئے شام و سحر کو
جب خاک سے بچتے نہیں پروردۂ دامن
کیا لیکے کریں لالہ و گل لعل و گہر کو
شب گورِ غریباں میں بسر کرتے ہیں اک موت
ہم شام کو جا رہتے ہیں آتے ہیں سحر کو
مقبول دعائیں نہیں ہوتیں نہیں ہوتیں
قسمت میں ترسنا ہے ترستے ہیں اثر کو
پتوں میں نشیمن ہیں کبھی چھپتے تھے ڈر سے
خوش ہوتے ہیں اب دیکھ کے ہم برق و شرر کو
کربلا ہیں ریاض آپ غمِ مرگ میں کسکے
درپیش یہی راہ ہے ہر فرد بشر کو

داد خواہوں میں دمِ حشر جو دیکھا ہے ریاض
پیار سے پوچھتے ہیں بھول گئے تم مجکو
پچھلے گناہ کیسے انھیں سے ملے نجات
محشر میں جو کیئے ہیں انھیں کا حساب ہو

[illegible]

اے شیخ تو چھپ کے پیے جب کبھی پیے
تیری طرح کسی کی نہ نیت خراب ہو

لاکھوں حسیں ہیں حشر میں جی چاہتا ہے یہ
اس میں سے کوئی اپنے لیئے انتخاب ہو

چلتے ہیں جب ریاض تو کچھ جھومتے ہوئے
جیسے پیے ہوئے کوئی مست شراب ہو

خداوندا یہی سے ام اسکو شہد و شیر جنت ہو
جو رند صاف باطن ہو جو رند پاک طینت ہو

قیامت کو کہیں کیا وہ لگے چلتے لینے جاتا ہے
تم اس فتنہ کو ٹھکراؤ یہی فتنہ قیامت ہو

ہمیں کیا بھرے پیے ہوں کوٹکر مرنی جو قدرت نے
ہمارے کام کی وہ آنکھ ہے جس میں قیامت ہو

نہ اس میں دھوپ آتی ہے نہ شب کی اوس گرتی ہے
مرے گھر کا وہ عالم بیکسوں کی جیسے تربت ہو

مے میں ڈوبا نامۂ اعمال کا ہر حرف ہو
رنگ وہ ہے کہ صدقے سرخی شنجرف ہو

پاک طینت رند پیکر مجھکو پہنچائیں ثواب
میری پونجی نیک کاموں میں الٰہی صرف ہو

[illegible]

سج کے آیا چاند سی صورت لیئے ہر آئینہ
چوٹ پڑتی چوٹ لوٹا آئینہ پر آئینہ

شکل عبرت بن کے بیٹھا ہے سر منبر آئینہ
پھر واعظ چاہیئے ہے پیش منبر آئینہ

کیسوں بلائیں لیکے منہ چوما [illegible] آئینہ
اٹھ گئے وہ پھینک کر شانہ پٹک کر آئینہ

دل میں چھپ جائے وہ کانٹا چاہیئے
دل میں بس جائے وہ صحرا چاہیئے

حشر کے دن ہمیں سوجھی یہ شرارت اچھی
لیگئے دیکھ کے ہم حشر میں صورت اچھی

نہ بنے کام تو کس کام کی نازک شکلیں
نازک اچھے نہ حسینوں کی نزاکت اچھی

وہ بری لاکھ ہیں اٹھے جو لب واعظ سے
تیری ٹھوکر سے جو اٹھے وہ قیامت اچھی

مرا دل نازپرور وہ تھا کیسا کیا ہوا اس کو؟
بہت غمگیں بہت محزوں، بہت مجبور رہتا ہے

زمانے میں بہت اللہ کے بندے ہیں ایسے بھی
کہ جھکے پاؤں پر تاج سر فغفور رہتا ہے

نہ اس کافر کے گیسو میں نہ مجھ بیکس کے پہلو میں
خدا جانے کہاں میرا دل رنجور رہتا ہے

ادب سے واعظ کی صحبت میں ہم وہ شے نہیں پیتے
ہمارے جام میں افشردۂ انگور رہتا ہے

تمہارا سر لو وہ آنکھوں پر ہزاروں میکدے قرباں
وہ کافر بے پیے بھی رات دن مخمور رہتا ہے

عدو پر شمع سے بڑھ کر ہے دو شمع کا جوبن — وہ جگر چور تو یہ بن کے زلف چور رہتا ہے
ریاض احباب کو کچھ اکثر یاد آتے ہیں — زباں پر میری اکثر ذکر گور کھپور رہتا ہے

جاتا ہوں تاکتی ہے یہی جلوت سے آواز — ہم دیکھنے والوں کو سنبھلنے نہیں دیتے
یہ ایک لطف لا کہ ستم کا جواب ہے — محشر میں نہ کہہ گئے کچھ داد خواہ سے
پیری ہوئی نہ لذتِ عصیاں سے عمر بھر — کیا کچھ کیا مگر نہ بھرا جی گناہ سے
جاتے ہیں اب ریاض کہاں سوئے میکدہ — مسجد میں آ رہے جو اٹھے خانقاہ سے
بالوں میں اپنے بیٹھ کے موتی پروئیے — آنسو نہ پونچھئے کسی آشفتہ حال کے
شبِ غم کی سحر نہیں ہوتی — ہو بھی تو میرے گھر نہیں ہوتی
یادِ پیری میں ادھر آئی ادھر بھول گئے — اے جوانی تیری ہم شام و سحر بھول گئے
روؤں کیا بیٹھ کے میں اپنے مصائب کو ریاض — اب تو رونا بھی سرِ دیدۂ تر بھول گئے
اٹھ گئے تھے جس میں نخل امیدِ وصال کے — کیا ہو گئے وہ باغ طلسمِ خیال کے
اٹھواؤ میز سے مَے و ساغر ریاض جلد — آتے ہیں اک بزرگ پرانے خیال کے
انھیں کے کام الٰہی مرا لہو آئے — رنگیں جو ہاتھ لہو میں حنا کی بو آئے
دبی زبان سے میرا بھی ذکر کر دینا — کلیم طور پہ اُن سے جو گفتگو آئے
نہ جھوٹ بول کہ ہم شام سے کل آئیں گے — دکھا قسم ارے جھوٹے کبھی جو تو آئے
کھلے جو کوئی تو کھل کر کسی سے باتیں ہوں — اٹھے حجاب تو کچھ لطفِ گفتگو آئے
دلائے یاد جو عدو سے تو بوسے جھنجھلا کر — یہ اور حشر میں لینے کو آبرو آئے
لگائے باغ کہاں داغ آرزو آئے — جہاں نہ پھول نہ پھولوں میں رنگ و بو آئے
چمن سے شیخ بھی اٹھ کر کنارِ جو آئے — ہم آ گئے پینے کو مے وہ پئے وضو کئے
کھلیں نہ قبر میں جنت کی کھڑکیاں رندو — دماغ میں جو بسی ہے اسی کی بو آئے
مری نگاہ میں بھی کوئی بجلیاں بھر دے — کوئی چمک کے ذرا میرے روبرو آئے

لگائی ہمنے لب جو قطار مینا کی
لگا نے سرو نئے ہم کنار جو آئے

یہ ہوس کہنے کو ہم بے کہے سنگئے و غلط
حرم کو جاتے ہوئے منہ بتوں کا چھپ گئے

ریاض آئے تو لوگوں نے میکدہ میں کہا
کہاں یہ آج بزرگ فرشتہ خو آئے

مرے دل کے ارمان مر کر نہ نکلے
جو دل میں چبھے تھے وہ نشتر نہ نکلے

کلیم آئے تو کھل کے جلوہ دکھایا
ہم آئے تو پردے سے باہر نہ نکلے

ہماری نظر حشر میں شیخ پر تھی
وہ سر پر لئے حوض کوثر نہ نکلے

رہا ہے جو اس دل میں ہنگامہ آرا
وہی بزم آرائے محشر نہ نکلے

لٹ گئے فتنہ محشر سے ترے نقش قدم
اک قیامت ترے کوچہ میں بپا اور ہوئی

چلی ہے آج ستانے انھیں فغاں میری
ارے ضرور یہ کٹوائے گی زباں میری

تم اپنے بام سے فریاد کی اجازت دو
یہاں سے تو نہیں سنتا ہے آسماں میری

کہے کہے نہ کہے کوئی مجھکو کیا اس سے
سنیں سنیں نہ سنیں آپ داستاں میری

وہ بوئے ابرو و مژگاں کو کیا ہوا شب وصل
دھرے ہے یونہی ناوک مرے کماں میری

اٹھاؤں عفو کی لذت بھی لطف عصیاں بھی
مرے کریم یہ تقدیر ہے کہاں میری

ستانیوالوں کو کچھ قدر ہو ستانے کی
انھیں ستائے یہ مانے جو آسماں میری

وہ میں ہوں آج زمانے کو ناز ہے جسپر
ریاض دھوم ہے جسکی وہ ہے زباں میری

ابھی چپ ہوں محشر میں افشا کروں گا
حسینوں کے راز نہاں کیسے کیسے

بڑی کوئی نٹ کھٹ ہے یارب قضا بھی
چھٹے بانکے ترچھے جواں کیسے کیسے

ہمیں چاٹ کوثر کی دی واعظوں نے
ملے ہمکو پیر مغاں کیسے کیسے

جھکا ہوا خیال ہے عقبیٰ کہیں جسے
بھولا ہوا سا خواب ہے دنیا کہیں جسے

دیکھے شب فراق میں کوئی تو ہم دکھائیں
دلکا وہ داغ چاند کا ٹکڑا کہیں جسے

ظالم کی آرزو نے جگہ لی ہے اس طرح
دل میں چبھا ہوا کوئی کانٹا کہیں جسے

ہیں الٹی سمجھنے والوں کو کیا پرکھ
اچھا ہے وہ حسین ہم اچھا کہیں جسے

گلزارِ دہر میں وہ گل ہے جس کا ہر نام ہے
زاہد وہ سروِ باغ ہے مینا کہیں جسے

واقف نہیں وہ روزِ قیامت کے طول سے
وعدہ کیا ہے وعدۂ فردا کہیں جسے

حاصل اگر ہوئی بھی تو حاصل نہیں ہے کچھ
بے اعتبار چیز ہے دنیا کہیں جسے

اتنی تو ہو بیان میں واعظ شگفتگی
ہم رند حسن کے قلقلِ مینا کہیں جسے

اہلِ حرم میں جا کے بنا آج شیخِ وقت
کافر بنا تھا پیرِ کلیسا کہیں جسے

اٹھے ہوئے میخانے چلے آتے ہیں لاکھوں
اٹھتی ہوئی ساون کی گھٹا اور ہی کچھ ہے

کیا لطف کہ اٹھے ہاتھ اٹھا بیٹھے دعا سے
اٹھ جائے تو ہاں دستِ دعا اور ہی کچھ ہے

نشتر سے چلے کام تو سو بار چبھو لوں
اے دردِ جگر تیری دوا اور ہی کچھ ہے

دردِ فرقت کی اذیت کا نہ پوچھو کچھ حال
آج گھبرا کے کئی بار قضا بھی آئی

حشر کے دن بھی رہی بات وہی آنکھ وہی
جھوٹے وعدوں سے تجھے شرم ذرا بھی آئی

گئے میخانے میں جب مسجدِ جامع سے ریاض
ساتھ ہی آپ کے قبلہ سے گھٹا بھی آئی

عمر کیا ہے ابھی کم سن ہیں نہ تنہا لیٹیں
سو رہیں پاس مرے خواب میں ڈرنے والے

رحم مسجد میں ہے آب بھریں جاڑوں میں
ٹھنڈے پانی سے وضو کر کے ٹھٹھرنے والے

پھرتے ہیں کیسے حشر میں وہ ہنستے کھیلتے
کچھ داد گر سے کام نہ کچھ داد خواہ سے

مرنے والے اسی قابل تھے کہ بے موت مریں
بات کیا ہے جو پشیمان قضا ہوتی ہے

واعظا انگور میں ہے دخترِ رز رو بہ نقاب
آنکھیں پھوٹیں جو ادھر تاک لگائے کوئی

بیکسی کہتی ہے یہ دیکھ کے تربت کا چراغ
آپ بجھ جائیگا اسکو نہ بجھائے کوئی

بھرے سے خم ہم کیا کرتے تھے خالی اب وہی ہم ہیں
بھری محفل میں خالی ہو کے ہم تک جام آتا ہے

ہمارا عیب کھلتا ہے نہ کھلتی ہے چھپی بوتل
ہمارے کام کیا کیا جامۂ احرام آتا ہے

ہائیں تو لے حسینوں تمکو رلا کے چھوڑیں
ہیں یہ ریاض ایسے انکو ترس نہ آئے

بنائیں آشیاں کیونکر لدی پھولوں سے ڈالی ہے — بمشکل پاؤں رکھنے کی جگہ ہے [illegible]
ریاض اک چیز تھے انساں اگر ہوتے قرینے کے — مزے کے شخص ہیں لیکن طبیعت لاابالی ہے

ضعف یہ ہے کہ آنکھ اوپر کو — کم سے کم دو پہر میں اٹھتی ہے

اس طرح کہ گھنگرو کوئی چھاگل کا نہ بولے — جب چھم سے چلیں گود میں چپکے سے اٹھا لے
عادت وہ بری شے ہے جو کھائے کو بلا بھی — بے مے کے مرے حلق سے اترے نہ نوالے
برسات کی رت اور یہ گھنگھور گھٹائیں — اب ہم ہیں ریاض اور حسیں گیسوؤں والے
بے موت مری موت کہاں مر رہی جا کر — ہم آئے تو وہ کوچۂ قاتل میں نہیں ہے
دل نہ مانا حضرتِ واعظ کو آتے دیکھ کر — کچھ یونہیں تھوڑی سی پی لی دل لگی کے واسطے

گود میں جھپٹ سے بس اٹھا لیجے — چھم سے گھر میں جو کوئی آ جائے
جان لو کچھ گذر گئی اس پر — منہ چھپائے جو کوستا جائے

مجھے تو ہائے حسینوں پہ رحم آتا ہے — کبھی نہ چین سے راتوں کو اپنے گھر میں رہے
سب بھول گئے اسکو ترے عہدِ ستم میں — اب شکوۂ گردوں کوئی کرتا ہی نہیں ہے
دیوانہ ریاض اوروں سے کیا بات کریگا — معشوقوں سے تو بات وہ کرتا ہی نہیں ہے

اے دلِ ناداں بہت ناداں نہ بن — جان دیتا ہے ارے کن کے لیئے
دل کسی طرح چین پا جائے — غیر کی آئی ہمکو آ جائے
دیدہ و دل ہیں کام کے دونوں — وقت پر جو مزا دکھا جائے
شیخ صاحب برائیاں مے کی — اور جو کوئی چپت کی آ جائے
ہے ریاض اک جوانِ مست خرام — نہ پیئے اور جھومتا جائے

جو اپنے گھر سے آیا ہے تو یہ رنگِ حیا کیوں ہے — ترے صدقے یہ شرمائی ہوئی تیری ادا کیوں ہے
عدو کی خیر کسکے غم میں یہ حالت بنائی ہے — پریشاں کیوں ہیں گیسو چاک دامان قبا کیوں ہے

حسینوں کا عالم نیا ہو رہا ہے — کہ جس بت کو دیکھو خدا ہو رہا ہے

یہ زاہد توں کے ستائے ہوئے ہیں
آنچل ڈھلا ہوا ہے مستِ شباب کا
چلے آتے ہیں خوش خوش کسی گھر سے
مزے کی چیز ہے یہ مجمعِ حشر
ہمیں تو جیتے جی کوثر کی پلوا
ذرا چلکر تمہیں اسکو چھڑا دو

کہ جب دیکھو ذکرِ خدا ہو رہا ہے
اوڑھا گیا کبھی نہ دوپٹہ سنبھال کے
وہ ہنسنے کھیلتے بادِ سحر سے
حسیں کیا کیا گذرتے ہیں نظر سے
خدایا چھوڑ دی ہے تیر سے ڈر سے
کسی کی آہ میں ابھی ہیں اثر سے

کاتبِ اعمال نکلے کام کے
ایک مت تمہارا کو سنا
پڑ و ڈالا مجھ سراپا جرم پر
قیامت ہو کسی کی اٹھائی ہوئی
نہیں آتشِ طور دل کی لگی

لکھے دو دو شریک الزام کے
مر گئے وہ سب ہمارے کام کے
صدقے اپنے جامۂ احرام کے
بلا آفت ہے سب کی لائی ہوئی
بجھیگی نہ اسکی لگائی ہوئی

تم پہ ختم اف ہے تیری نیاز
آ بتا دیں ہم تجھے منہ چوم کر
وہاں سیکشی سی ہے پرستی ہے
دکھاؤ نگہ کی جو تم شوخیاں
آنکھوں نے تو دیوانہ ہمکو بنایا

چھوٹتے ہیں کب اسیرانِ دام کے
کس طرح ٹوٹے مزے دشنام کے
یہاں عمر بھر غلط مستی رہی
پھرے برق ہی تلملائی ہوئی
وہی اب کرینگے پاسبانی ہماری

یہ ساقی نے ساغر میں کیا چیز دیدی
کہ توبہ ہوئی پانی پانی ہماری

پاک صاف ایسی ہے جسنے پی فرشتہ بن گیا
قحط تھا کیسے مزے کا حسن ارزاں بک گیا

زاہدو یہ حور کے دامن میں ہی چھپائی ہوئی
اس گرانی میں مزے آئے یہ ارزانی ہوئی

غم مجھے دیتے ہو غیروں کی خوشی کیواسطے
حشر میں او کاتبِ اعمال کچھ تو ہو شریک
ہجر سے بڑھکر مصیبت کوئی آنیکی نہیں
پاسِ آدابِ بزرگی ہے باین وضعِ جنوں
یہ سمجھ کر کم نہیں یہ دل دکھانے کے لیئے
ساتھ انکے ہے ہزاروں عندلیبوں کا ہجوم
حشر کے دن وعدہ کس کا کون کرتا ہے نباہ
نزع کیسی موت کسکی اب مرے دشمن مریں

کیوں مجھ سے بنتے ہو ناحق تم کسی کیواسطے
ساتھ رکھا تھا تمھیں نیکی بدی کیواسطے
موت کو رکھ چھوڑیئے کس زندگی کیواسطے
جب چلے ناصح جھکے ہم بندگی کیواسطے
دل مجھے دیتے گئے میرے ستانیکے لیئے
آئے ہیں دو پھول تربت پر چڑھانیکے لیئے
ہیں یہ باتیں ہمکو دیوانہ بنانے کے لیئے
پاس آ بیٹھے ہیں وہ باتیں بنانیکے لیئے

کوثر و تسنیم، حور و خلد کے ہوتے ہوئے
جائینگے ہم آگ دوزخ میں لگانے کے لیے

آستانِ یار سے کوئی اُٹھائے کیوں ہمیں
ہم بھی آ بیٹھے ہیں قسمت آزمانے کے لیے

چھیڑ کیسی بات کہتے روٹھے جاتے ہیں ریاض
اک حسیں ہر وقت ہو انکے منانے کے لیے

بیمار کی بالیں سے یہ کہتے ہوئے گذرے
دیکھی نہیں جاتی ہے مصیبت ہو کسی کی

دیدے دیدے مرے ساقی ترے صدقے دیدے
دستِ رنگیں سے چھلکتے ہوئے پیمانے سے

جہاں ہم خشتِ خم رکھدیں بنا کعبہ کی پڑتی ہے
جہاں ساغر ٹپک دیں چشمۂ زمزم نکلتا ہے

تمھیں کیونکر بتائیں دلبر اپنے کیا گذرتی ہے
تمھیں کیونکر دکھائیں تم میں کیا عالم نکلتا ہے

اتنی تو پتے کی ہے کہ بہکے ہوئے ہم تھے
مُجرم ہیں جو واعظ کی کہیں سے خبر آئے

چوسکر کسنے چھڑائی ہے مسی ہونٹوں کی
سامنے منہ تو کریں بات نہ کرنے والے

ہے زمانے میں محبت کی نظر کی تعریف
صدقے ان آنکھوں کے یہ تیز نگاہی کیسی

ہنسے جو محفلِ ماتم میں تم ہنسی ہوگی
پکارتا ہے تبسم مری ہنسی ہوگی

غلط ہے آپ نہ تھے ہمکلام خلوت میں
عدو سے آپکی تصویر بولتی ہوگی

نہ شیشہ پنبہ دہن ہے نہ خم ہے بے منہ کا
کھلے جو حضرتِ واعظ تو دل لگی ہوگی

جھجک جھجک کے لیا ہوگا ہاتھ میں ساغر
جو پی بھی ہوگی تو ڈر ڈر کے ہچکے پی ہوگی

اُتر گئی سرِ بازار شیخ کی پگڑی
گرہ میں دام نہ ہونگے اُدھار پی ہوگی

ہجوم دیکھ کے سمجھے یہ صبحِ محشر ہم
کھلی دُکان کسی میفروش کی ہوگی

شریک مے میں کیا ہوگا آب زمزم بھی
ریاض نے بس توبہ جو پی کبھی ہوگی

اذاں کا کام چلجائے جو ناقوسِ برہمن سے
ایہ بوجھ اُترے ای مؤذن تیری گردن سے

مسل دو دلکو چٹکی سے اگر چھیڑے کبھی تم کو
یہ جب اُبھرے ذرا اسکو دبا دو اُٹھتے جوبن سے

جگایا ہے بہت جادو جگا کر ان حسینوں کو
بہت کچھ سحر سیکھا ہے اُنھیں کی چشم پرفن سے

بُرا ہو خانقہ کا چار دن میں کیا ہوئی صورت
یہ عالم ہے کہ گویا اُٹھکے ہم آئے ہیں مدفن سے

شبِ غم کا یہ عالم ہے چراغ اس طرح جلتا ہو — اٹھا لائے ہیں گویا ہم کسی بیکس کے مدفن سے
گلے ملنے سے کیا یہ کافر حسینوں سے یہی ... — جوانی جب گلے ملتی ہو آ آ کر لڑکپن سے

داورِ حشر طرف دار ہمارا ہو تو ہو — اہلِ محشر تو طرفدار تمہارے نکلے
میکدہ بھی ہے مقاماتِ ادب سے شاید — جو ادھر نکلے وہ دستار اتارے نکلے
شیخ جی گر گئے تھے حوض میں میخانے کے — ڈوب کر چشمۂ کوثر کے کنارے نکلے
بانس پر میکدہ میں تجکو چڑھایا ای شیخ — پھر بھی اونچے تری مسجد کے منارے نکلے
نہ جائے گی میرے دل کو قرار — نہ تسلی وفا سے ہوتی ہے
شمع محفل کھیلے گی پروانے سے آج — کچھ سینگی یہ سبب گلگیر سے
ملتی جلتی ہے مری فردِ عمل — کاتب تقدیر کی تحریر سے
آ گرے آنے کا حاصل تھا یہی — دل گرفتہ دل لئے دلگیر سے

بھولی بھولی شکل دیکھی کس کی گھبرائی ہوئی — پھر گئی گھر سے مرے کیوں شامِ وصل آئی ہوئی
جوشِ سبزہ اور سبزہ زاروں میں گھٹا چھائی ہوئی — بات یہی ہے کہ تو بہ بھی ہے للچائی ہوئی
ہائے وہ دن ہم سے یوں زاہد لبِ کوثر کہے — پیجئے تو کس تکلف کی ہے کھچوائی ہوئی
ہائے کیا جھٹ پٹ قفس میں بال و پر پیدا کیے — جب سنا ہم نے کہ جاتی ہے بہار آئی ہوئی
کیا پڑے ہو گوشۂ مسجد میں اٹھو زاہدو! — پھوٹی آنکھوں سے ذرا دیکھو گھٹا چھائی ہوئی
ساتھ شوخی کے کچھ آنکھوں میں حیا رہنے دے — یہ بھی اک چیز ہے او فتنہ ادا رہنے دے
ان جفاؤں پہ یہی حشر میں کام آئے گی — اپنی آنکھوں میں مروت بھی ذرا رہنے دے
مجکو ارمان منائے کوئی میرے دل کو — اسکو یہ ہٹ کہ خفا ہے تو خفا رہنے دے
درِ میخانہ نہیں ہے یہ درِ کعبہ ہے — ہر جگہ چھیڑ یہ اے لغزشِ پا رہنے دے
رحم آتا ہے مجھے اپنی غریبی پہ ریاض — اپنے در پر کوئی مجکو بھی پڑا رہنے دے

وہیں آ بیٹھنا اٹھ کر ادھر سے — ملا ہے گھر مرا دشمن کے گھر سے

ہمارے پاس دل سی چیز رہتی؟
بچائے رکھتے ہیں وہ انکی نظر سے

ہوا پر ہے مزاج ابرِ کرم کا
پیو رندو! وہ برسے یا نہ برسے

رات دن بزم میں دورِ مئے گلفام چلے
زور تجھ سے جو اگر گردشِ ایام چلے

سنگ تبخانوں سے میخانوں سے شیشے آئے
طرفِ کعبہ جو ہم پیروِ اسلام چلے

کوئی دیکھے تو خوشی غیر کے گھر جانے کی
شام سے پہلے وہ بنکر شفقِ شام چلے

یہی کثرت ہے اسیروں کی تو میرا تو تم
اے صیاد جو دو دن بھی ترا دام چلے

کاٹے کٹتی نہیں مجھ مست سے برسات کی رت
میکدے والی چلے آج تو کچھ کام چلے

دام اس انداز سے پھیلائے چمن میں صیاد
ہیں سرِ شاخ چلوں سایۂ تہِ دام چلے

طلب کئے کبھی ہمنے اگر پس توبہ
بہت بھرے ہوئے ہمسے خم و سبو آئے

اترنے والے ابھی تک نہ بام سے اترے
تڑپنے والے تڑپکر فلک کو چھو آئے

شمار وصل کی راتیں ہیں یک ساعت پر
ہم انتظار میں تیرے ہوں اور تو آئے

خدا یہ کہتی ہے لو بے زبان پا کے مجھے
جب آپ آئے گئے چوریاں لگا کے مجھے

خدا یہ کہتی ہے اُن سے سنا سنا کے مجھے
نہیں شہیدوں میں ملنا لہو لگا کے مجھے

ذرا سے درد نے ڈھائی ہیں آفتیں کیا کیا
پٹک دیا ہے زمیں پر اٹھا اٹھا کے مجھے

میں اپنے خون کا بیڑا اٹھاؤں خود کیونکر
وہ پان دیتے ہیں شوخی سے مسکرا کے مجھے

یہ کیا مذاق فرشتوں کو آج سوجھا ہے
ہجوم حشر میں لے آئے ہیں بلا کے مجھے

ستانے والو قیامت بھی کئے جاتی ہے
جفا کے لطف تمھیں آئینگے وفا کے مجھے

کہاں وہ نور کی صورت وہ نور کی آواز
ریاض کون سنائے غزل یہ گا کے مجھے

مری آہِ رسا چنچل بڑی ہے
یہ بجلی بن کے کانوں میں پڑی ہے

مزے لوٹو کلیم اب بن پڑی ہے
بڑی اونچی جگہ قسمت لڑی ہے

توبہ کرنے سے شرم آئی
اعمال پہ اپنے جب نظر کی

آہ کیا بے اثر ہی جائیگی
کچھ نہ کچھ کام کر ہی جائیگی

حال کہہ کر ہی تو اپنی جاں
وقت سے پیشتر ہی جائیگی

میرے گھر میں اگر بلا آئی
ڈر ہی جائے گی مر ہی جائیگی

شمع تربت صبا کو آئے نظر
کچھ نہ کچھ گل کتر ہی جائیگی

تیری رحمت ہے تو گنہ کیا ہیں؟
سر سے گٹھڑی اُتر ہی جائیگی

ہمتو کیا جائیں گے وطن کو ریاض
اب ہماری خبر ہی جائیگی

چھیڑ کر مجمع زہاد کو ڈرتا ہوں ریاض
کہنہ مسجد کے عوض ہو نہ مرمت میری

کیا ٹھکانا ہے بات کا اسکی
دل میں کچھ ہے زبان پر کچھ ہے

چشم تر کی اشک باری آپنے دیکھی نہیں
یہ اگر طوفاں اُٹھاتی سینکڑوں گھر بیٹھتے

بارش ابر کرم نے اور لت پت کر دیا
حشر میں ہم کیا سکھانے دامن تر بیٹھتے

بزم محشر میں نہ رکھتی اُسکی رحمت امتیاز
لطف ہوتا رند و زاہد سب برابر بیٹھتے

میکدے میں جائے ممبر حرم تو تمہارے میکشو
میرے گھر واعظ جو آتے میرے ممبر بیٹھتے

ہو گی وہ دل میں جو ٹھانی جائیگی
کیا کسی کی بات مانی جائیگی

آگ بنکر آئی کیا تیغ پُر آب
آئی ہے تو ہو کے پانی جائیگی

تیغ ہی کیا ہاتھ میں قاتل کے تھی
اے خنا تو بھی تو سانی جائیگی

خدمت میخانہ کر لے ورنہ شیخ
رائگاں یہ زندگانی جائیگی

آگ بنکر جام میں آئیگی مے
زمزمی میں ہو کے پانی جائیگی

موت سے بد تر بڑھاپا آئے گا
جان سے اچھی جوانی جائیگی

شیخ نے مانگی ہے اپنی عمر کی
میکدے سے اب پرانی جائیگی

عرش پر ہے خوش جمالوں کا مزاج
کیونکر ان کی لنترانی جائیگی

جل چکے ہیں آپ کل دشمن کے گھر
آج مرگ ناگہانی جائیگی

ساتھ لائے ہیں قفس سے ناتواں | جاتے جاتے ناتوانی جائیگی
لینے آتے ہیں فرشتہ خور ریاض | حور کے دامن میں چھانی جائیگی

ناپائدار زندگی مستعار ہے | آئے نہ آئے سانس کا کیا اعتبار ہے
ساقی ہمیں چھکا دے کہ رخصت ہے فصل گل | برسا دے آج پھول کہ جاتی بہار ہے
قربان اپنی کثرت عصیاں کے لاکھ بار | محشر میں سب سے پہلے ہماری پکار ہے
پی لی تھی کچھ کہ چین سے گذری شب لحد | دن ڈھل چکا ہے حشر کا ابتک خمار ہے

پہنچ جائے کسی کے بام تک یارب فغاں میری | لگی لپٹی گئی ہے ساتھ جان ناتواں میری
بتوں کے بام سے مجھپر یہ کیوں پتھر برستے ہیں | گرے اس طور پر بجلی لڑی قسمت کہاں میری
وہ کیا دن تھے کہ رہتیں اس طرح باہم گذرتی تھیں | دہن میرا زباں انکی دہن انکا زباں میری
کیا یہ رنگ پیدا مدتوں رہکر کلیسا میں | حرم میں نغمۂ ناقوس بنتی ہے اذاں میری
کہیں ایسا نہ ہو پھینکیں فلک سے بام پر انکے | کہاں لیجا کے پٹکیں گی مجھے بیتابیاں میری
دم آخر جو آئیں بھی تو یارب اس طرح آئیں | مزا دیں قلقل مینا کا مجکو ہچکیاں میری
ریاض اک عمر گذری دیر میں آئے مگر ابتک | حرم میں گونجتی پھرتی ہے راتوں کو اذاں میری

ریاض۔ سردار مرزا ریاض لکھنوی مقیم مٹیا برج کلکتہ شاگرد تعیش الدولہ عیش بعد وفات سلطان عالم واجد علیشاہ وطن چلے گئے اسکے بعد کا حال معلوم نہوا یہ چند شعر انکے منتخب ہوکر درج ہوئے

سبزہ رنگوں میں چلے گر جھوم کر جام شراب | رقص طاؤسی دکھائے سر بسر جام شراب
جگمگاتا حوروں کا ہو مجھ بادہ کش کی بزم میں | جام کوثر کا دکھاتا ہے اثر جام شراب
ہائے کہہ کر دل پکڑ لیں بادہ کش میخانہ میں | طرز رفتار صنم سیکھے اگر جام شراب
نشۂ دولت میں عاقل ہے تو رکھ فکر خمار | پیتے ہیں مثل دوا اہل ہنر جام شراب

ریاض۔ سید رضا حسین عرف منے صاحب لکھنوی شاگرد جناب آغا مظہر لکھنوی آپ لکھنؤ کے دور موجودہ کے خوش فکر کہنے والوں میں ہیں کلام کا انتخاب ملاحظہ ہو۔

قصدِ اُٹھنے کا وہ کرتے ہیں مرے پہلو سے … ہاں ذرا مردِ جگر اور مسیحا ہو جانا

اُٹھا شورِ قیامت ہم جو اُٹھے … زمیں بیٹھی اگر بیٹھے زمیں پر

آنکھیں تلووں سے ملو گا بام سے بکتے ہو صبح … آنکھ بھر کر تم اگر دیکھو گے دہاں کی طرف

ہر دم تڑپ تڑپ کے گذرتی ہے ہجر میں … یہ کون آ کے لے گیا صبر و قرارِ دل
دل اب کہاں کہ ہو گئی مدت مٹے ہوئے … اک داغ میرے سینے میں ہے یادگارِ دل

دوشِ صبا پہ گل جو روانہ چمن سے ہیں … جنگل میں آج پھول کسی بے وطن کے ہیں
عبرت کی ہے جگہ جنہیں کل تک عروج تھا … محتاج آج حیف وہ گور و کفن کے ہیں
جب میں کہتا ہوں کہ تھوڑا زہر ہی دیجے مجھے … ہنس کے کہتے ہیں کہ منہ مانگی قضا آتی نہیں

جگر میں آ گئی دل سے گذر کے … تصدق آپ کی ترچھی نظر کے
مرا سینہ ہے اے گل لائقِ دید … کھلے ہیں پھول کیا داغِ جگر کے
گھٹا چھائی ہوئی ہے آسماں پر … ارے ساقی ادھر لا جام بھر کے
یہ کہنا ناز سے اُس کا شبِ وصل … ترے مہماں ہیں ہم رات بھر کے

یہ انتہا ہے کہ سر رکھ دیا ہے قدموں پر … کسی طرح نہیں سنتا ہے پاسباں میری

ریاض - نواب سید جعفر مرزا خان عرف مُنّے صاحب لکھنوی سنہ ۱۹۱۰ء تک زندہ تھے اِس سے زیادہ حال معلوم نہ ہو سکا، محشر لکھتے ہیں کہ اچھا کہنے والوں میں تھے باوجود تلاش زیادہ کلام دستیاب نہ ہو سکا +

بولی بیتابیٔ دل وہ جو اُٹھے پہلو سے … کیا کروں ہجر میں اتنا تو بتاتے جاؤ
اپنے وحشی کو مری جان دکھا دو گیسو … اور دیوانہ کو دیوانہ بناتے جاؤ
وقتِ رخصت کے ستمگر نے یہ ٹھانی جی میں … دلِ بیتاب کو کچھ اور جتاتے جاؤ

خوب ہیں مے کشوں کی صحبت میں شیخ صاحب … بیشک یہ باتیں زیبا حضرت کی شان پر ہیں
اظہار کر رہا ہے اُڑ اُڑ کے رنگ رخ کا … دردِ جگر کے صدمے جو جو کہ جان پر ہیں

تربت مٹی ہوئی کیوں ڈھنڈوائی جا رہی ہے — وہ مہربان یا رب کس بے نشاں پر ہے

ریاض منشی محمد یعقوب صاحب ریاض سب جسٹرار و بیراؤتی مدراس شاگرد شوکت میرٹھی سن
سنہ ۹ کے قریب رسالہ "پروانہ" میں انکا کلام شائع ہوا کرتا تھا، تعجب ہے کہ صوبہ مدراس جیسے دور افتادہ مقام میں انھیں اردو میں شعر کہنے کا شوق پیدا ہوا، اکثر اخلاقی مضامین نظم کرتے ہیں، زبان اور بندش بھی بری نہیں ٭

شاخ گل پر کرتی ہے بلبل بیاں توحید کا — شیخ ممبر پر پڑھے جس طرح خطبہ عید کا
گوشۂ دل میں نہاں ہے جلوہ تیرا جانجان — بوالہوس دل منتظر پھرتا ہے پھر بھی دید کا
پھرتے ہیں جسکو ڈھونڈتے دیر و حرم میں ہم — کیا وہ ہمارے کعبۂ دل میں مکیں نہیں
بہار آئی چمن میں پھر ہوا جوشِ جنوں سر میں — مزا ہے نشترِ فصاد کا خارِ گلِ تر میں
لکھے جو کاتبِ تقدیر انسان کے مقدر میں — وہی پیش آئے ہر پھر کر اُسے دنیا کے دفتر میں
نیچر کے سارے کام تصور سے دور ہیں — فہم و خرد کو اس میں چناں و چنیں ہے
حق کے کوچے میں غنی کا ہو بھلا کیونکر گذر — اس سفر میں بے سر و ساماں گدا ہی چاہیے
قضا جب آئی لیکر ہاتھ میں فرمان رحلت کا — تو جام آب حیواں ساغر زہر ہلاہل ہے

ریاض منشی ریاض الدین احمد صاحب ریاض دہلوی، کلام رسالہ "زبان" جلد ۲ سے نقل ہوا، نومشق کہنے والوں میں ہیں۔ اشعار ملاحظہ ہوں۔ سن

بہاتے ہیں جو آنسو نعش پر وہ دیدۂ تر سے — ہمارا غسلِ میت ہو رہا ہے آب گوہر سے
مزہ ہو گر وہ بگڑیں آسمانِ فتنہ پرور سے — تماشا ہو چلیں چوٹیں ستمگر کی ستمگر سے
جوانی میں غضب کے ہو گئے ہو چلبلے چنچل — بپا ہوتا ہے محشر ابتو کافر تیری ٹھوکر سے
ہنسی بھی دل لگی تھی کھیل تھا کیا اے دلِ ناداں — ہدف ہو ہو کے بچ جانا نگاہِ شوخ دلبر سے
اگر دشمن سے ملنا ہے تو پھر مجھ سے بھی مل ظالم — یہ کون انصاف ہے قاتل کوئی خوش ہو کوئی تر سے
ریاض اس چرخ نے عشاق کو کب چین سے رکھا — نہ بر آئی کسی کی آرزو اس کینہ پرور سے

ریاض۔ مولوی ریاض الدین احمد ریاض عدالتِ منصفی متھرا میں وکالت کرتے ہیں شعر میں مضمون پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ معلوم نہ ہوا کہ تلمذ کس سے ہے کلام درج ذیل ہے۔

وجہ کیا کیوں نہ تحیر ہو ہمیں دنیا میں — آئینہ خانے میں جو آئے وہ حیراں بھی نہ ہو
کیا کروں حضرتِ عیسیٰ تپِ فرقت کا بیاں — وہ مرض ہے کہ حضور آپ سے درماں بھی نہ ہو

ایک آفت ہو تو کہیئے ای ریاض — دِل ہمارا مورد آفات ہے
بیدبافی حق نے جو دی ہیں ہمیں — لے بتو اس میں بھی کوئی بات ہے

دیر و حرم میں ایک سا جلوہ ہے زاہدؔ — حق میں اگر ہو آنکھ تو پہچان چاہیئے

میں سمجھوں شہسوار اُسکو جو روکے — عناں اس توسنِ عمرِ رواں کی
جو برسات میں اُنکی یاد آگئی — تو گھنگھور غم کی گھٹا چھا گئی
غیروں کے گھر نہ راتوں کو ریحان جائیے — کہنا مِرا خدا کے لیئے مان جائیے

ریحان۔ ماہرِ رموزِ سخن شاعرِ شیریں زبان دیوان دیا کرشن ریحان لکھنوی، خلف منشی گنگا کشن عزیز راجہ صاحب رام، قوم کے سری باستب کائستھ اور شاہ آباد کے متوطن تھے مگر عرصہ سے لکھنؤ میں اقامت گزیں تھے، منشی موجی رام موجی سے جو حضرت مصحفی کے نامور تلامذہ میں تھے اِس فن میں استفادہ کیا تھا اور پھر منشی جواہر سنگھ جوہر سے بھی مشورہ رہا، عاشقانہ شعر خوب کہتے تھے، بڑے شیریں کلام، نازک خیال معنی آفریں سخنور تھے، اِنکا دیوان مسمّیٰ بہ "باغِ ریحاں" چھپ گیا ہے، سلطان عالم واجد علیشاہ کے عہد میں بخشی الممالک راجہ اُلفت رائے کے سررشتہ دار رہے، بعد انتزاعِ سلطنت پنڈت شیو دین وکیل کے ملازم رہے، بڑے نازک مزاج، وضعدار، خوش تقریر شخص تھے، استعدادِ علمی بہت معقول تھی، خاندانی شخص تھے، مگر تباہی سلطنت کے بعد آسودگی اور فراغبالی نصیب نہ ہوئی، ہمیشہ بادشاہ کی استردادِ سلطنت کے لیئے دست بدعا رہے، سرد و گرم زمانے سے بخوبی آگاہ تھے، بڑے بڑے باکمالوں اور مشہور استادوں کی صحبت پائی تھی، اور فن شعر کے رموز

وہ فائق پر پوری طرح عبور رکھتا، طبیعت عاشقانہ پائی تھی معاملہ بندی کا مذاق بہت اچھا تھا، کلام بہت پاکیزہ صاف اور اکثر اشعار اخلاقی مضامین سے مملو ہیں، تعجب ہے کہ شیخ ناسخ کی خشک بیانی اور بے تاثیر رنگ سے جو لکھنو کی آب و گل میں اس زمانہ میں سرایت کر چکا تھا، کس طرح انھوں نے اپنے آپ کو بچایا، کلام میں آورد بہت کم اور بول چال صاف و شستہ ہے، اکثر غزلیں انکی زندگی ہی میں رائج ہو گئی تھیں اور عام و خاص میں اچھی شہرت حاصل کر لی تھی، انکا دیوان قابل دید ہے اور اس میں ہر مذاق کے شائق کی تفریح اور دلبستگی کا کافی مصالحہ موجود ہے، اکثر غزلوں سے انکی قادر الکلامی اور مشاقی فن کا ثبوت ملتا ہے، اپنے وقت کے مشاہیر شعرا میں انکا شمار تھا اور فی الواقع یہ اسکے اہل تھے ۱۲۸۵ھ کے قریب پیرانہ سالی میں انتقال کیا۔

پہلے خیالِ زلف ہو پھر شغل آہ کا — لام و الف ہے تاج سرِ لا الٰہ کا

تہمت ہے تیغِ تیز پہ خنجر پہ اتہام — قاتل میں کشتہ ہوں تری ترچھی نگاہ کا

کسقدر فضل اے خداوند جہاں پرور کیا — تو نے مجھ گمنام کو دنیا میں نام آور کیا

روزِ پیدایش سے مجکو رزق بے منت دیا — اپنی خواہش سے زیادہ میں نے صرف زر کیا

بے خیالِ بندگی بابِ عنایت کھل گیا — رنج میں میں نے رجوعِ قلب جب دم بھر کیا

دمِ آخر بھی یہاں سے خدا نے سرخرو رکھا — مرے خوں سے ہوا پاں خوردہ لب قاتل کے خنجر کا

ملے ملکِ اودھ واجد علی سلطاں کو ای ریحان — خدا چمکائے پھر اک دن ستارہ میرے اختر کا

قناعت نے ہمیں گنجِ فراغت جب سے دکھلایا — نہ شادی کی رہی شادی نہ غم دل میں رہا غم کا

خدا کے ہاتھ ہے انصاف ای بتِ بیرحم — ہمارے صبر کا اور تیرے دل کے کھانے کا

ہمیشہ رہتے ہیں چالاک آفتوں سے بری — سمندِ چرخ کو کب ڈر ہے تازیانے کا

عقدہ کھلتا ہی نہیں تقدیر کا — گھس گیا ناخن مری تدبیر کا

نوکِ مژگاں کی خطا اس میں نہیں — خود بنا عاشق نشانہ تیر کا

جب دیا حور نے مجھ رند کو جام کوثر
کچھ دام کا قصور نہ دانے کی ہے خطا

رشکِ زاہد کو ہوا میری گنہگاری کا
صیاد تیرے گھر میں مرا آب و دانہ تھا

نگاہِ غور سے ہمنے تماشائے جہاں دیکھا
نہیں معلوم کیسے وقت بدمیں باغ سے نکلے
قسمت سے یا وہ کبھی حاصل نہیں ہوتا
سے سرو کرنہ یار کے قامت کا سامنا

کسیکو بھی نہ اپنا بروقتِ تنہا دیکھا
کہ جیتے جی نہ پھر بلبل نے روئے آشیاں دیکھا
جو صابر و شاکر ہے وہ سائل نہیں ہوتا
قامت کیا سامنا ہے قیامت کا سامنا

نہ کچھ جینے کی راحت ہے نہ کچھ مرنیکا ہے کھٹکا
علاقہ اٹھ گیا دونوں سے جب سے دل کہیں اٹکا

ہے صنم جی سے گذرنا ہی بھلا
علم عاشق پہ بے سبب دیکھا
ناتواں حال ہے کس فلک کے سامنے

ایسے جینے سے تو مرنا ہی بھلا
نہ سنا تھا کبھی جواب دیکھا
وہ نہ بھی دیگا جسنے دیئے ہیں گلدستہ

شیخ جی کعبے میں ہیں پھر
دیا دیری نسبت عالی کو آب
کھلجائیگا کبھی مری تیرہ دہنی کا

کہو کعبہ میں تمنے کیا دیکھا
جی کھوکے عاشقی کا تماشا دیکھا
حسن لیجیو چراغ جہنم بجھا دیا

اُلفت پہ جسکی ناز تھا وہ بیوفا ہوا
کیا اپنے دلمیں سمجھے تھے ہم ہائے کیا ہوا

موجی سے مجکو کیوں نہ ہو ریحاں خصوصیت
میں اُسکی روح ہوں جو وہ ہے مصحفی کی روح

جائے جو چاہے سوئے دیر و حرم
رشکِ جم ہیں دہر میں روشن ضمیر

ہم تو بیٹھے ہیں درِ دلدار پر
ناز دل پر انکو اُسکو جام پر

مریضِ عشق مرجائے کہیں ہو زندگی اُسکی
کعبۂ روئے صنم کی دید سے کافر ہوئے
کھائیگا ٹھیں کیا کمیلا جو کوئی جی پر
کب رشک چاہتا تھا ہو نامہ بر کبوتر
کھل پڑی زلفِ مسلسل جو تری شانوں پر
کیا عجب جبہ و دستار جو ہوں رہنِ شراب
دیکھکر اُسکو کسیکا نہیں رہتا ایماں

شفا کو مانگتا ہے کون خواہانِ شفا ہو کر
رکھدیا ایمان طاقِ ابروئے خمدار پر
واجب ہے رحم کرنا عاشق کی بیکسی پر
عاشق ہی اُلٹکے جاتا رکھتا جو پر پیچ
کیا بلا آئی خدا جانے پریشانوں پر
شیخ جی چڑھ گئے رندوں کے اگر قابو پر
ہے مسلماں پہ موقوف نہ کچھ ہندو پر

خوش آئی کسے سیر چمن بے رخ رنگیں
ہے گرم نسیم سحری لو کی برابر

دیکھیں تو وہ موزوں ہے کہ بوٹا سا قیامت
ہو جاؤ کھڑے سرو گلستاں کی برابر

رہیں پوشیدہ ریحاں بات جو منصور پر گذری
نکالے حرف منہ سے کوئی کیونکر راز عشق کر

خواب میں بھی نہ کبھی ہجر کی شب دیکھی تھی
یہ بلا سر پہ مرے ہو گئی نازل کیونکر

چاہیئے اسکے لیئے ذہن رسائے ریحاں
گفتگو عشق کی سمجھے کوئی جاہل کیونکر

محبت میں بہ سینہ اختلاف دیں نہیں باقی
مسلماں دیتے ہیں ہندو پہ جاں ہندو مسلماں پہ

حسیں پر دل نہ ہو مائل کسی کا ہم نجانینگے
کوئی گنگا اٹھائے خواہ رکھے ہاتھ قرآں پر

زباں اردو کی غالب آگئی ہے یہ فارس کے
چڑھائی کرتے ہیں ہندوستانی ملک ایراں پر

دشمن کسی کا ہو کے کوئی کیا بنائیگا
انساں کا اختیار نہیں اپنی جان پر

پھر رخ الفت کی طرف اے دل ناشاد نکر
آبرو جتنی ہے باقی اسے برباد نکر

کیا کہوں بھول گیا ورنہ خدا سے کہتا
مجھکو دیوانہ نکر عشق کو برباد نکر

کہیگا کیا زمانہ مٹ کے شکوہ ظلم کا ریحاں
بھلا کہتے تھے جنکو اب کہیں انکو برا کیونکر

خاک میں تم نے ملایا دل جلا عمر بھر
شمع کو تربت پہ میری اب جلانا کیا ضرور

دی ہے جنے اپنی جان خط سبز یار پر
اگتا ہے بعد مرگ کے سبزہ مزار پر

رند و زاہد کی لڑائی کو نجانے کم کوئی
خون کی ندی بہے گی خلد میں کوثر کے پاس

رکھتا نہیں دنیا میں وہ آرام کی خواہش
جس شخص کو ہوتی ہے فقط نام کی خواہش

سخت مشکل ہوئی جسدم قفس تن چھوٹا
طائر جاں کو ہوئی وقت رہائی تکلیف

زلفوں میں دل رہیگا گرفتار کب تلک
چھوٹے گا قید سے یہ گنہگار کب تلک

مصروف عیش یار ہے گھر میں سنیگا کون
نالے کریگا دل پس دیوار کب تلک

رندوں کی بزم میں وہ اگر روز آئے گا
ریحاں بچے گی شیخ کی دستار کب تلک

نہ آج کھلا تو کل کھلیگا رہیگا منہ پر نقاب کب تک
جو پاس رہتا ہے ہر گھڑی کا تو اٹھ سکیگا حجاب کب تک

قسم نہیں مرے سر کی کمائی کہ ہو نہ آپس میں پھر صفائی
نگاہ ترچھی رہے گی کب تک لڑائی کب تک عتاب کب تک

اور جینے کی آرزو کیا ہو؟
کیا نبایا اگر جئے اب تک

کیا پاس دوستی جو رہا جانِ زار تک
تم فاتحہ بھی پڑھنے نہ آئے مزار تک

اتنا غبار سادہ دلوں سے بچا چاہیئے
کیوں لے نسیم آئی نہ مجھ خاکسار تک

صبحِ فراق کیوں نہ کروں انتظارِ مرگ
تھا زندگی کا لطف شبِ وصلِ یار تک

بشر کی صورت و سیرت کا دیکھنے والا
نظر پڑا ہمیں لاکھوں میں کوئی انساں ایک

گراں تھا چتر کا بھی جن کو سایہ
ہے اُنکے سر پہ اب بے انتہا خاک

نہ چھوٹے مر کے بھی آوارگی سے
پریشاں پھرتی ہے اب جا بجا خاک

اگر ہے ایک خوش قسمت سے اپنی
حسد سے جلتے ہو کیوں دوسرا خاک

اہلِ دنیا کی مروت کا بھروسا کب
جز خدا کوئی بھی ہوتا نہیں ہر بار شریک

فرق ایماں میں ہے صورتِ انساں میں نہیں
بات سچ کہیئے تو ہوتے ہیں ابھی برہم لوگ

خنجر کا نہ پیکان کا نہ تلوار کا گھائل
ہے عاشقِ شیدا نگہ یار کا گھائل

مرے بس میں کبھی اے دلربا اپنا نہ آیا دل
وہ کیسے ہیں جو کر لیتے ہیں قابو میں پرایا دل

خضر پیتا کبھی نہ آبِ بقا
ہوتی گر لذتِ فنا معلوم

دل کے آئینہ کی جلا مشکل
جب غبار آ گیا صفا معلوم

سچ ہے کہ نردبانِ حقیقت مجاز ہے
ملتا نہیں خدا جو نہ ہوں راہ پر صنم

بتخانے میں کبھی، کبھی بیت الحرام میں
پھرتے ہیں ڈھونڈنے تجھے ہم دربدر صنم

زندگی کس طرح سے اے ریحاں کٹے
عاشقی سے جی کو بہلاتے ہیں ہم

آتشیں رو کا تصور ہے دلِ بیتاب میں
ہے چمک برقِ تجلی کی چہ سیماب میں

یوسف کو دیکھا دیدۂ بیدار نے تو کیا
ہے جسکی چاہ وہ نظر آیا نہ خواب میں

عاشقی کا تری کچھ لطفِ دلِ زار نہیں
یار اغیار کا ہے یار ترا یار نہیں

صدائے صور سے کمتر نہیں کچھ ڈنکے نالے ہیں
تب ہی تک خیر ہے جبتک طبیعت کو سنبھالے ہیں

عاشق شب وصال میں گھبرائے جاتے ہیں
پچھلے سے جان مرغ سحر کھائے جاتے ہیں

لائینگے آفتاب کو وہ اپنے جال میں
زلفوں کے بال دھوپ میں سکھلائے جاتے ہیں

تمکو قسم خدا کی خدا کے رسول کی
ہمسے چھپا کے خط کسے بھجوائے جاتے ہیں

آنکھوں پہ اختیار ہے اچھا نہ روؤں گا
کچھ آپ میرے دلکو بھی سمجھائے جاتے ہیں

ریحان نقیں خدا کی قسم سچ بیاں کرو
کس گلبدن کیواسطے گل کھائے جاتے ہیں

عاشقی کا تری کچھ لطف دل آرا نہیں
یار اغیار کا ہے یار ترا یار نہیں

جو ہوا اُس سے ستم اپنے مقدر سے ہوا
شکوہ تقدیر سے ہی یار سے زنہار نہیں

تیرے لب کو نبات کہتے ہیں
ہم بھی کیا میٹھی بات کہتے ہیں

خواہ ثابت ہوں خواہ سیّارے
سبکو ہم بے ثبات کہتے ہیں

یہی اُسکی سزا ہے جو ہوا آوارہ اُلفت کا
صدائے روح مجنوں آجتک ہے یہ بیاباں میں

خبر دی آہ نے کیا یوسف گم گشتۂ دل کی
نسیم مصر بوئے پیرہن لے آئی کنعاں میں

میسر وصل رشک گل نہ آیا جیتے جی ہمکو
گل حرماں لیئے جاتے ہیں اس گلشن سے داماں میں

خوش ہوں بلبل کہ بہار آئی ہے پھر گلشن میں
پھول جن جن کے حسینوں نے بھرے دامن میں

جن میں فن دلبری کے ہوتے ہیں
آشنا کب کسی کے ہوتے ہیں

یاد بھی کرتا ہے نیکی اپنے ساتھ
جبکہ دن بہتری کے ہوتے ہیں

مُنہ کفن میں جو چھپائے ہوئے ہم جاتے ہیں
ملک ہستی سے خجل سوئے عدم جاتے ہیں

کوچۂ یار سے کب اُٹھا ہوں
توڑ کے اپنا پاؤں بیٹھا ہوں

بیمار عشق دونوں ہیں تدبیر کیا کریں
میں چشم کا علاج کہ دلکی دوا کروں

اے چشم پرنم اے دل پر زخم کیا کروں
رویا کروں کہ حال پہ اپنے ہنسا کروں

یہ بھی اُسی کی اے بت بے رحم شان ہے
بندہ خدا کا ہو کے تئیں سجدہ ترا کروں

حق دوستی کا کس پہ ہے اور دوست کون ہے
کہہ منصفی سے تو ہی میں کس کا گِلا کروں

سوال کرتے نہیں گو زبان رکھتے ہیں
کہ اے عشق بھی کیا آن و بان رکھتے ہیں

کسی کے حسد سے نہیں ہوا نقصان
بھلا اُنکا ہو جو بُرا چاہتے ہیں

زباں سے مشق کرنے میں سخن بہتر نکلتے ہیں
جو ہو صیقل زیادہ تیغ کے جوہر نکلتے ہیں

مصر سے کنعاں میں بوئے پیرہن آئی نہیں
مدتوں سے اپنے یوسف کی خبر آئی نہیں

مجکو کہتے ہو بُرا کوئی بھلا کہتا نہیں
تم ہی رسوا ہوتے ہو میری یہ رسوائی نہیں

بچ گئی جانِ حزیں اب کے خدا لے خیر کی
دل پھر اپنا دوں تمھیں ایسا میں سودائی نہیں

نہیں کوئی احسان کو مانتا
مروت کے قابل زمانا نہیں

سُنا ہے ہمنے کانوں سے عنقا کا نام
وفادار آنکھوں سے دیکھا نہیں

دوستی اُنسے نبھے یا نہ نبھے
دب کے رہنا ہمیں منظور نہیں

کیا مرض ہے دردِ دل جسکی دوا ہوتی نہیں
جب تلک مرتا نہیں کوئی شفا ہوتی نہیں

تونے اے عشق جان کو ڈالا
کس اذیت میں کس مصیبت میں

یار سے جب فریب یار کریں
کہیئے پھر کس کا اعتبار کریں

کسنے وعدہ کیا ہے سچ بولو
کرتے ہو اضطراب کی باتیں

دوستی میں نفاق کی باتیں
یہ بھی ہیں اتفاق کی باتیں

صحبت کا لطف ای دل آپس میں تب عیاں ہے
معشوق قدرداں ہو عاشق فداجاں ہو

دیکھیں رقیب سے ہو یا ہمسے جاں نثاری
تیغ ستم کا تیری دونوں پہ امتحاں ہو

اب بھی ہمسے غبار باقی ہے
قبر کو پائمال کرتے ہو

کہیئے کس طرح سے بہلے گی طبیعت میری
آپ بھی جاتے ہو دل کو بھی لئے جاتے ہو

کدورت نا روا ہے دوستی جبتک رہے قائم
غبار کیجئے تو جیتے جی صفائی کا نہ ساماں ہو

دلِ پُر درد کیا سمجھے ہجومِ صدمۂ غم کو
ضرر کچھ سنگِ باراں سے نہیں ہے نخلِ ماتم کو

نہیں قابل سماعت کے ہے بڑ کا نا رقیبوں کو
یہ ناحق گرم کرتے ہیں ادھر ہم کو ادھر تم کو

نہیں اک بوسۂ لب دین و دنیا سے زیادہ ہے
اگر تم مول لو ہم بیچتے ہیں دونوں عالم کو

بنایا دل کو صحرا میں بنا کر کعبہ اے زاہد
خدا رکھے سلامت عاشقوں کے ناخنِ غم کو

جال میں تو پھانسنے آیا ہے مجھ دلگیر کو
کیا سنوں ناصح تری الجھی ہوئی تقریر کو

ہے نگاہِ ناز بے پروا ادا و ناز سے
کیا پر و پیکاں کی حاجت ہے قضا کے تیر کو

ہر طرح کے کام میں تائیدِ خالق چاہیئے
ہم مقدم سمجھے ہیں تدبیر پر تقدیر کو

نہ لکھا کاتبِ قدرت نے تیرے صفحۂ دل پر
محبت کو، وفا کو، مہر کو، الفت کو، احساں کو

بھلایا اُس بتِ بدعہد نے کیا دفعتاً دل سے
قسم کو، قول کو، اقرار کو، وعدے کو، پیماں کو

محبت کا نتیجہ سلے دل و جاں دیکھتے جاؤ
زیاں پر اک زیاں نقصاں پہ نقصاں دیکھتے جاؤ

ہجوم درد و رنج و یاس و حرماں دیکھتے جاؤ
ہماری لاش کے اٹھنے کا ساماں دیکھتے جاؤ

بغل میں ہے بتِ پندار نفرت بت پرستی سے
بڑا دیندار ہے زاہد کا ایماں دیکھتے جاؤ

شہرۂ آفاق ہیں رنگیں بیاں اِس شہر کے
بلبلِ شیراز کرتا ہے ثنائے لکھنؤ

مجنوں کے آبِ اشک سے تر ہے تمام دشت
پھسلے نہ پاؤں ناقہ کا لے ساربان دیکھ

بوسے اسی طرح سے دیجئے جائیے اگر
واللہ ناگوار نہ ہوں گالیاں مجھے

جو بات آدمی نہ سنے کیوں سنائیے
ناصح نہیں پسند تیری داستاں مجھے

اب کہتے ہیں جواں مجھے طفلانِ خورسال
تھوڑے دنوں میں پیر کہیں گے جوان مجھے

اتنی کڑی تو ضعف میں جھیلی نہ جائے گی
ہوں ناتواں ہنساتے ہو کیوں بیڑیاں مجھے

کہتا ہے یار میری طرف دیکھ دیکھ کے
اوروں کو ہے معاف نہ دیکھے فلاں مجھے

دلِ رنجیدہ کہتا ہے نہ بولوں یار سے لیکن
جب آنکھیں چار ہوتی ہیں مروت آ ہی جاتی ہے

چھپائے سے نہیں چھپتا ہے ریحان نشۂ الفت
ضرور آنکھوں میں کچھ اس مے کی رنگت آ ہی جاتی ہے

اب کہاں ساقی کہاں شیشہ کہاں پیمانہ ہے
ہجر میں کیفیت وصل صنم افسانہ ہے

بڑی تکلیف تیرے ہجر میں او بے وفا پائی — خدا شاہد ہے ہمنے دل لگانیکی سزا پائی
ہم آزادوں کے دلکو شوقِ آسایش پسندی ہے — وہیں کچھ دیر ٹھیرے جس جگہ ٹھنڈی ہوا پائی
بے وصالِ جانِ جاں آرام دل دشوار ہے — جان کو راحت نہیں تو زندگی بیکار ہے

زیادہ اِس سے بھی کیا شر کرے خدا جانے — اگر بشر کہیں جینے کی انتہا جانے
جو میرے دل پہ گذرتی ہے غیر کیا جانے — خبر ہے یا کہ نہیں یار کو خدا جانے
پس کس خیال میں کس دھن میں ہیں خدا جانے — کوئی کسی کی طبیعت کا حال کیا جانے
جہان آگئی ہے آمدِ فصلِ بہار سے — سوکھے ہوئے درخت دوبارہ ہرے ہوئے

کوئی دل اپنا دیتا ہے، کوئی ایمان دیتا ہے — تمہارے واسطے ہر ایک اپنی جان دیتا ہے
اے بے خبر حیات کا کیا اعتبار ہے — ہر وقت موت سر پہ بشر کے سوار ہے
کی وفا ہرچند ترک اُسنے جفا کاری نہ کی — دشمنی کی جسقدر خونریز نے یاری نہ کی
اے صنم جو کچھ گذرتی ہے خدا آگاہ ہے — یہ نہ کہیے لیجے دل ہمنے دل آزاری نہ کی
واہ رے شرطِ محبت واہ رے رسمِ کرم — ہمنے دِل تمکو دیا اور تم نے دلداری نہ کی
دل کسیکو دیجئے کیا عشق سے دِل پھر گیا — جس سے کی ہمنے وفا اُسنے وفاداری نہ کی
گھبرایئے نہ حضرتِ دل طعنِ خلق سے — وہ کیجئے جو جی میں ہو سنیئے ہزار کی
محمود اُسکے پھندے سے نکلا نہ عمر بھر — دامِ بلا تھی زلف نہیں تھی ایاز کی
پیامِ وصلِ دلبر لیکے جب قاصد پھرا میرا — پلٹ کر لب سے پھر سینہ میں جانِ بیقرار آئی
دونوں عالم کو نہ لوں ایسا غنی دل ہو جائے — بے نیازی تری رحمت سے جو حاصل ہو جائے

جو مہلت قضائے الٰہی کرے گی — تمام آپ کی کم نگاہی کرے گی
دغا ہے محبت کا انجام اے دل — بھلائی میں بھی یہ بُرائی کرے گی
علاجِ تپِ عشق کیا جانے عیسیٰ — دوا اِس مرض کی قضا ہی کرے گی
محبت مجھے سبز فاموں کی ریحاں — نہ معلوم تھا زنگ کاہی کرے گی

خرد کہتی ہے کیا ناقدرداں سے ملکے پاؤگے
محبت کہتی ہے دیکھوں میں تم کیونکر نجاؤگے

مرب کعبہ دل عتے نہ ہوگا صاف بندے کا
قسم اللہ کی مسجد میں بھی چلکے جو کھاؤگے

اک جان پر ہزار طرح کی کڑی سہی
تھوڑی سی زندگی میں مصیبت بڑی سہی

عشق جی کا وبال رہتا ہے
زندگی بھر ملال رہتا ہے

مال کے دستیاب ہونے پر
کسکو خوف مآل رہتا ہے

ریحانی منشی محمد سجاد حسین مرحوم خلف منشی سید احمد حسن فرغانی متخلص بہ شاکی مرحوم رئیس میرٹھ مالک و مہتمم اخبار طوطی ہند اپنے والد مرحوم کے جو بڑے ذی لیاقت شاعر تھے شاگرد تھے ۱۲۶۸ھ سال پیدایش تھا، سنہ ۱۳..ھ میں انتقال کیا، بڑے جید فاضل اور ذی استعداد سخنور تھے، انکے بھائی منشی کرار حسین روحانی سے بارہا کلام طلب کیا مگر باوجود اقرار وقت کے ہنگام طبع تک ترسیل کی فرصت نہوئی، مجبوراً ایک غزل جو مسودہ میں پہلے سے موجود تھی درج کی گئی

اُنکی زلفیں میرے ماتم میں پریشاں ہوگئیں
مشکلیں جو جو پڑی تھیں مجھپہ آساں ہوگئیں

سب اُمیدیں جو رسائی کی تھیں زائل ہوگئیں
میرے آہیں جب سے زیب طاق نسیاں ہوگئیں

زور پر تھا بحر گریہ پر بہ اچھا ہوگیا
دونوں آنکھیں میری کشتیہائے طوفاں ہوگئیں

دعوی حسن خود آرائی زلیخا مٹ گیا
کیوں زنان مصر محو ماہ کنعاں ہوگئیں

آرزو میں کچھ نہیں جن کا لقب ہے کامیاب
مشکلیں کیا خاک ہونگی وہ کہ آساں ہوگئیں

ردیف زائے منقوطہ

زار زار منشی برہان الدین خان زار شاہجہاں آبادی شاعرِ دربار اکبر شاہ ثانی فارسی و اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے، خطِ شکستہ لکھنے میں کمال حاصل تھا پہلے اکبر شاہ کے خواصوں کے زمرے میں منسلک تھے پھر شعرا میں داخل ہو گئے۔

کیونکہ اُس بُت کو یہ حالِ دلِ بدنام لکھوں	کب وہ دیکھے ہے خدا کا بھی اگر نام لکھوں
چشمِ طوفاں خیز بھی اب گریہ پر تیار ہے	جسکے آگے اے سیہ گرداب تو بیکار ہے
چرخ کے کیسے انقلاب ہوئے	پر کبھی ہم نہ کامیاب ہوئے

زار زار لالہ بیندھولال زار بلگرامی خلف لالہ چندی لال شاگرد منشی طوطا رام عاصی، شاعرِ نامور ہندی فارسی میں صاحبِ دیوان تھے اور انکے شاگرد بھی بہت تھے، انکی انشاء موسوم بہ گلزارِ فصاحت درسی کتب میں تھی، غازی الدین حیدر کے زمانے میں زندہ موجود تھے۔

گھر سے اُسے نکالا خدا کا بھی ڈر نہ تھا	دلِ قصہ خوانِ عشق تھا قصہ کا گھر نہ تھا
باندھے وہ آج ہی نہیں پھرتا ہی نیمچہ	کس دن ہمارے قتل پہ باندھے کمر نہ تھا
تھا شود نذر کرتا تمھاری وہ نقد جان	گر تم بُلاتے زار کو گھر میں ضرر نہ تھا
جسدم دھواں اُٹھا دلِ پُر اضطراب کا	گُل ہو گیا فلک پہ چراغ آفتاب کا

کون کرتا میکشوں کی گور پر روشن چراغ	ہمکو چشمِ غول ہے گویا سرِ مدفن چراغ
کام کیا ہے شمع کافوری سے اور فانوس سے	گو ہے فانوس داغِ دل ہمارے روغن چراغ
یار کے آنے میں کیا ہے شمع کافوری ضرور	ہونگے اُسکے نور سے دیوار و در کے روشن چراغ
اشک اگر جاری نہوں سوزاں ہو کیا سینہ کا داغ	عمر بھر جلتے نہیں دیکھا ہے بے روغن چراغ
جان سے گذرے جو عاشق غم نہو معشوق کو	موت پر پروانے کی کرتا نہیں شیون چراغ
اُسنے زلفیں کھولدیں یاں داغِ غم کم ہو گیا	زار سچ ہے سانپ کے آگے نہ ہو روشن چراغ

یہ آتشِ غمِ یار کی محفل سے لگی ہے
اے شمع ترے سر سے مرے دل سے لگی ہے

آنکھ اپنی بتِ حور شمائل سے لگی ہے
بُت بن گئے جنت کی ہوا دل سے لگی ہے

لیلی رگِ جاں غیبس کی کھنچ آئی ہے شاید
ڈوری یہ نہیں پردۂ محمل سے لگی ہے

تلوار بنانا ہے مری خاک کے بارے
مٹی تو ٹھکانے کفِ قاتل سے لگی ہے

آوینگے مرے پاس پئے قتل وہ کیونکر
مہندی کفِ پائے بُتِ قاتل سے لگی ہے

زار - لالہ دھنپت رائے زار خلفِ لالہ شنکر لال برادر ماموں زاد راجہ کندن لال رئیس بریلی مقیم لکھنؤ، خواجہ وزیر لکھنوی کے تلانذہ میں بڑے استعداد و جوہر کامل تھے، فارسی زبان کے زبردست ماہر تھے، اُردو کی طرف بہت کم توجہ تھی، فارسی میں صاحب تصانیف بھی تھے الغرض ذی لیاقت، ذی مُروت شخص تھے، غدر کے بعد انتقال کیا۔

میری طرح کسی پہ تمہارا جو آئے دِل
سینہ پہ ہاتھ رکھکے کہو ہائے ہائے دل

کیونکر تمھارے روئے مُصفا تک آئے دِل
اِس درجہ ہے صفا کہ پھسلتا ہے پائے دل

داغوں پہ داغ صدموں پہ صدمے اُٹھا چکے
دیکھیں ابھی یہ اور نہ کیا کیا دکھائے دل

ہیں گرمیاں کروں جو بھریں آپ آہ سرد
کیا خوش ہوں گر کسی پہ تمہارا ابھی آئے دل

صبح عذار و گیسوئے شبگوں دکھائیے
صدمے یہ رات دن کے کہاں تک اُٹھائے دل

زار - حافظ امام بخش لکھنوی بیاض مرتبۂ قاضی محمد خلیل سے ایک شعر نقل کیا جاتا ہے۔

آشنا ہوتی ہے اُس لب سے جو دشنام تو ہم
دل میں کہتے ہیں کہ دشنام ہمیں کیوں نہوئے

زار - مرزا مظفر علی سرکار محمد علیخان شوکت جنگ میں ملازم تھے، غدر سے کم و بیش پچیس ۲۵ سال پیشتر انتقال کیا، کبھی کبھی شعر بھی کہہ لیتے تھے یہ اُنکا کلام ہے شرف الدین احمد نے انکا نام مظہر علی لکھا ہے

فصلِ گل کی کچھ ہوئی آمد کہ اس دل کے تئیں
شور و غل طفلوں کا اور دشتِ جنوں بھانے لگا

ایک تجھکو زار کے احوال پر آیا نہ رحم
ورنہ ہر اک حال اُس کا دیکھ غم کھانے لگا

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی پر تم کہیں اور ہم کہیں

ایک دن لگ گئے ہی دنیا سے اٹھانا ہمکو　　یا الٰہی شبِ فرقت نہ دکھانا ہمکو
اب رہائی اسنے کیا اور پریشاں مجکو　　خوب تھا اس سے وہی گوشۂ زندان مجکو
اگر کچھ بس بھی ہوا اپنا تو کاہیکو یہ خواری ہو　　نچاہیں اسکو لے ناصح جو الفت اختیاری ہو

ز　**زار** - منشی احمد حسین زار غدر سے پیشتر دہلی میں موجود تھے - اور کچھ حال معلوم نہ ہوا -

تو کرلے امتحاں میری وفا کو　　خوشی سے آزما تیغِ جفا کو
تجھے کیونکر کوئی ڈھونڈے کہ جس جا　　نہ ہو یارا پرِ مرغِ صبا کو
لب جاں بخش کے تیرے مقابل　　نہیں کچھ آبرو آبِ بقا کو
تڑپتا مجکو چھوڑا نیم بسمل　　نہ آیا رحم کچھ اس بیوفا کو
مجھے رکھ قبر میں ای زار وہ شوخ　　چلا کہکر تجھے سونپا خدا کو

ز　**زار** - میر امداد علی زار حیدرآبادی نبیرہ نواب مکرم جنگ بہادر شاگرد میر بادشاہ علی صاحب ضیا لکھنوی

وصل کی رات نیا عیش کا ساماں ہوتا　　دلِ پُر داغ مرا سروِ چراغاں ہوتا
کیا غرض تھی جو چڑھا جاتا لحد پر دو پھول　　کیوں گذر تیرا سوئے گورِ غریباں ہوتا
نہ دخترِ رز کا ہونا محرموں میں زاہد ذکر　　تو اس کا نام بھی جب لے تو با وضو ہوکر
غمِ جدائی دلدار ایک مدت سے　　مقیمِ خانۂ دل میں ہے آرزو ہوکر
کب نہ بلبل کا دل خزاں سے جلا　　کب بے گل وہ نوحہ گر نہ ہوئی

زا　**زار** - میر محمد ہادی زار لکھنوی شاگرد عشق مرحوم داماد میر واجد علی داروغہ تعلقدار انکے والد میر عابد علی فوجِ شاہی میں کمیدان تھے، ۱۸۶۵ء سالِ پیدایش ہے *

بھیجا اسد رجہ بھی ارمان غم و حسرت کی　　پاس میرے ملک الموت کو آنے ندیا
لطف ملتا تھا جو آفاق میں غم کھانے سے　　وہ مزا گلشنِ جنت کی غذا نے ندیا
مثلِ شمعِ سحری کچھ بھی نہ تھا دم بھر میں　　اخترِ بخت جو چمکا بھی تو جگنو ہوکر

ل گلشنِ ہمیشہ بہار میں یہ شعر میر حیون کشمیری دہلوی شوریدہ کے نام سے درج ہے -

دلکی فریاد و فغاں سے ہے قیامت برپا — کب پتہ چلتا ہے پہلو میں جگر ہے کہ نہیں
دم رخصت جو کہا میں نے نشانی کچھ دو — ہنسکے فرمانے لگے درد جگر ہے کہ نہیں
رکھکے تربت میں چلے جاتے ہیں سارے احباب — بیکسی تو ہی ٹھہر پاس کہ تنہا ہوں میں
اُفتادہ تیرے پہنچیں گے کیا قتل گاہ میں — ہر گام پر ہے ضعف قدمبوس راہ میں
سُرمے کے پھیلجانے کی کیا وجہ کیا سبب — برچھیاں ہیں تھی کیا ترے تیر نگاہ میں
باغوں میں تیرے عارض و خط کی بہار ہے — سُرخی جو پھول میں ہے تو سبزی گیاہ میں
دُنیا اُلٹ گئی جو ذرا آنکھ پھیر لی — عالم کے انقلاب ہیں اُنکی نگاہ میں
تہ و بالا زمانے کو کرے گا بیقراری سے — کہاں ہیں عرش کے حامل ذرا روکیں مرے دلکو
برپا کیا وہ حشر کہ دُنیا تباہ کی — دِل تھام کر جو عاشقِ مضطر نے آہ کی
قاتل کی ترچھی نظروں سے دِل زیر تیغ تھا — برچھی چلی جگر پہ جو سیدھی نگاہ کی
اچھا کیا جو قبر کو روندا پس فنا — یہ بھی تو آرزو تھی ترے بے گناہ کی

زار - منشی رحم الہیٰ خلف مولوی غلام دستگیر ساکن مارہرہ ضلع ایٹہ ۱۲۶۷ھ ہجری میں پیدا ہوئے معمولی فارسی تعلیم کے بعد الہ آباد وغیرہ میں بسلسلۂ ملازمت گورنمنٹ مقیم رہے، ذہین اور خوش مزاج آدمی ہیں، اور نہایت نحیف و زار ہیں، شوق سخن ابتدائے عمر سے رہا، اپنا کلام احسن مارہروی کو دکھا لیتے ہیں ٭

وہ باتوں میں ہرگز نہیں آنے والے — اُنھیں کیا سمجھتے ہیں سمجھانیوالے
بھلا ہم کہیں ترکِ اُلفت کرینگے — نہ بہکائیں اب ہمکو بہکانیوالے
یہی جھوٹی سچی لگاتے ہیں باتیں — اِدھر آنیوالے اُدھر جانیوالے

زار - سید حسن عسکری صاحب خلفِ جناب منشی علی حسن صاحب مرحوم شاگرد جناب شہیر رئیس مچھلی شہر نواح جونپور ۱۸۸۸ء میں جوان تھے اور زیادہ حال معلوم نہوا ٭

رہنے کو سر تھا پائے صنم پر وہ رہگیا — جانے کو دم تھا چشم زدن میں نکل گیا

باغ میں آئی ہے بہار افسوس | قید ہے عندلیب زار افسوس
توڑتے ہم کبھی نہ توبہ کو | کیا کریں آگئی بہار افسوس
خود ہی کرتے ہو ظلم عاشق پر | خود ہی کرتے ہو بار بار افسوس
کیوں دیا ہے وفا کو دل صد حیف | کیوں کیا ہم نے اُسکو پیار افسوس
ہم رہا بھی ہوئے نہ تھے صیاد | چل بسی باغ سے بہار افسوس
دل ہی جب ہو نہ اپنے قابو میں | کیا کسی پر ہو اختیار افسوس

میرے مرنے سے مسرت دشمنوں کو تھی تو تھی | دوست تھے تم تمکو اس درجہ خوشی کاہیکو تھی
سر جھکا کر چلتی تھی مقتل میں آپ تیری تیغ کیوں | بسملوں سے اسقدر شرمندگی کاہیکو تھی
ہر گھڑی زندگیٔ رفتہ کے ماتم میں رہے | جب سے ہوش آیا ہمیں تب سے اسی غم میں رہے
عمر بھر اُن کی پریشانی خاطر نہ گئی | قید ہو کر جو ترے گیسوئے پُرخم میں رہے
داغ کا نام جو سنتا ہوں تو یہ کہتا ہوں | یا تو لالے میں رہے یا دلِ پرغم میں رہے

زار۔ محمد عبد القادر صاحب خلف اکبر مولانا حکیم فیاض علی صاحب مرحوم متوطن عظیم آباد پٹنہ تحصیل علم فارسی و عربی اپنے نانا سید شاہ ابو تراب کے چھوٹے بھائی مولانا حکیم سید شاہ محمد واعظ عظیم آبادی سے کی تھی اکیس سال کی عمر میں تحصیل علم سے فارغ ہو کر کسب معاش کی طرف متوجہ ہوئے، وکالت کا امتحان پاس کیا، بارہ برس وکالت کرنے کے بعد ہزارہا روپیہ کی املاک پیدا کرکے دفعۃً آپ کو خیال آخرت پیدا ہوا اور وکالت ترک کردی، جناب حضرت سید شاہ میاں جان رحمۃ اللہ علیہ سے بمقام دہلی بیعت حاصل کی اور وہیں سے حج کعبہ کو چلے گئے، آپ نہایت منکسر، سیر چشم، خوش وضع، خوش تقریر، عالی خاندان شخص تھے، پندرہ جمادی الاول ۱۳۲۵ھ بمقام پٹنہ عالم جاودانی کی طرف راہی ہوئے کلام کا انتخاب درج ذیل ہے

ہے نہ کچھ شیریں کلامی اور نہ ایسا بانمک | ہاں کلام زار محزوں ہے مگر پھیکا نمک
حسن پر پس پس گیا ہو اُسکے سرتا پا نمک | دستِ قدرت نے اُسے کیا کیا نہیں بخشا نمک

حُسنِ انسانی نہیں انساں کا جز حُسنِ خلق	ہے غرور اُس کا تواضع حسنِ خلق اُس کا نمک

ہے کمالِ ظہور سے مخفی
اِس خفا کو ظہور کہتے ہیں
ذکر اللہ کا ہو جس دِل میں
اُسکو دار السرور کہتے ہیں
میرے کہنے پہ کیوں بگڑتے ہو
کیا غلط ہے جو حور کہتے ہیں
اور کچھ ہم تمہیں کہیں نہ کہیں
بے وفا تو ضرور کہتے ہیں

شوقِ نظارہ میں ٹھہری ہے لبوں تک آکر	جان جاتی بھی نہیں اور وہ آتے بھی نہیں
ہے اُنکے تصور سے مرے دل میں جو تصویر	دل اپنا کہیں اس سے بہلجائے تو جانیں
بلبل یہ کہہ رہی ہے گلوں سے پکار کے	کچھ اب کے سال رنگ نئے ہیں بہار کے
کس رشکِ آفتاب کا اُسپر قدم پڑا	ذرے چمک رہے ہیں ہمارے غبار کے
اِن دنوں زور ناتوانی ہے	میری پیری کی اب جوانی ہے

زار۔ مولوی احسان الحق زار لکھنوی وظیفہ خوار دولتِ آصفیہ حیدرآباد حکیم نیاز احمد خان ہوش بریلوی کے تلامذہ میں سے تھے اِس سے زیادہ حال معلوم نہیں +

بلبلوں سایہ پڑا عکسِ گلِ رخسار کا	رنگ آتا ہے نظر بدلا ہوا گلزار کا
کیا اطبا دم بخود کیوں ہوں نہ عیسیٰ بھی یہاں	ہو نہ جب ممکن علاج اِس عشق کے بیمار کا
گرمیِ بازار یوسف کی کہاں تھی اِس قدر	اک جہاں دل دیکے طالب ہے ترے دیدار کا
ڈالے چادر کی جگہ یار جو دامن اپنا	پھیلے یہ چاندنی پُر نور ہو مدفن اپنا
جان دی یادِ رخِ یار میں کیا دور ہے یہ	دے کفن کے لیئے خورشید جو دامن اپنا

زار۔ پنڈت نربھوں ناتھ صاحب زار کشمیری دہلوی خلف الرشید پنڈت پرتھی ناتھ صاحب رتنشی مرحوم ناظم محکمہ حفظانِ صحت ریاست پٹیالہ، پرورش تعلیم و تربیت لاہور میں پائی اور ایام طالب علمی ہی میں حضرت داغ دہلوی کے تلمذ سے بہرہ ور ہوئے، طرز گفتار پر لطف ہے، مضامین خوب الفاظ مرغوب، بندش چُست، خوش بیانی میں فرد ہیں سنہ ۱۸۷۱ء

[illegible] فارسی اُردو دونوں زبانوں میں استعداد علمی معقول ہے پہلے کئی
برس [illegible] اکثر نقش و ابجد میں کمال رکھتے ہیں اب اکثر نشست ہے، اوائل میں شمیم
تخلص کرتے تھے بعد ازاں تخلص انیس کیا طرز گوئی کا اب آٹھ دس برس سے کم اتفاق
ہوتا ہے مدام [illegible] کے [illegible] کے ہمدرس تھے، اُسی زمانے کی فکر کے کچھ مسودے اُن کے
دیکھنے [illegible] سے تذکرے کے قابل ہیں چھپے تھے، بہنگام نظرثانی انکا انتخاب بھی کیا

سر کو سودائے لبِ جاں بخش جاناں ہی رہا
دل ہمارا آشنائے کعبۂ جیواں ہی رہا

دل ہمارا قیدِ دامِ زلفِ پیچاں ہی رہا
عشق میں بھی قائلِ توحیدِ یزداں ہی رہا

[illegible] سے گیسو کا اور تب تل کا خیال
کعبۂ دل اپنا دائم کافرستاں ہی رہا

اُٹھا جو روئے صنم سے نقاب محمل کا
فلک پہ پھیکا پڑا رنگ ماہِ کامل کا

خلش جگر میں وہ پیکاں کی درد وہ دل کا
وہ لب پہ آہ و فغاں وہ تڑپنا بسمل کا

جگر پہ، سینہ پہ، پہلو پہ، دل پہ، وار کرو
نکالو خوب مری جان حوصلہ دل کا

ہے دل میں جلوہ فگن اپنے وہ شہِ خوباں
بہت بلند ہے رتبہ اس اُجڑی منزل کا

الٰہی خیر کہوں ایک دل کو کس کس جا
نگہ کا، دید کا، مژگاں کا، زلف کا، تل کا

ملے تھے زار سے ہم، اب تو مر گیا ہوگا
تڑپ رہا تھا پہ تھا نام لب پہ قاتل کا

جہاں سے سوزِ شِ الٰہی تمہاری بزم سے ہم
کچھ ایسے نکلے کہ کوئی کبھی نہیں نکلا

مے سے لبریز ہے ایاغ اپنا
ساقیا دل ہے باغ باغ اپنا

کہاں جواہر کہوں سلے زار تو ہی ٹھیک
بجا نہیں دعوی ہے کسے پیمبری کا

[illegible] جو پہنکدی بیجہ تو نے فتح
کم ظرف یہ بتا تو سہی تجکو کب ملا

جی بھر کے ستانے مجھے سلے راحتِ جاں کو اور
مجھ جیسا ترے ظلم کو دنیا میں کہاں اور

[illegible] ہو سے صاحب ہیں قیامت کے نشاں اور
سینے پہ ابھرنے لگے دو دشمن جان اور

[illegible] چاہنے والے تو بہت تم کو ملیں گے
دنیا میں مگر زار سا شیدائی کہاں اور

ایک بوسہ کے طلبگار ہیں ہم
اور مانگیں تو گنہگار ہیں ہم

بادۂ عشق سے سرشار ہیں ہم	دامِ گیسو سے گرفتار ہیں ہم
بے وفا طرزِ وفا بھول گیا دل ہمیں چھوڑ کے اِس طرح گیا	با وفا جیسے کبھی تھا ہی نہیں جیسے پہلو میں کبھی تھا ہی نہیں
خدا جانے سوالِ وصل پر کیا رنگ لائینگے گیا جب آپکے گھر طنزاً مجھے کہتا ہے کیوں آئے نہ پوچھو ہمنشینو حالِ دور از عیش ہجراں میں	ہوئے جاتے ہیں ٹیڑھے میں کہ اک بوسہ کا سائل ہوں وہی جلاد ہوں خونخوار ہوں ظالم ہوں قاتل ہوں حزیں ہوں نیم جاں ہوں زار ہوں بسمل ہوں گھائل ہوں
پہلو میں میرے دیکھ کے اُس گلعذار کو مَیں جانتا ہوں آپکے قول و قرار کو	گل کھائے سینکڑوں نے حسد سے ہزار کو سمجھاؤں کہہ کے کیا مَیں دلِ بیقرار کو
بے پردہ اگر حشر میں وہ فتنہ گر آئے بل کھا کے اگر زلف تری تا کمر آئے یادِ رخِ محبوب میں پھر اشک بھر آئے سینہ ترا جب دیدۂ مشتاق سے دیکھا	خورشیدِ قیامت کو حقیقت نظر آئے ظلمات کا رستہ ہمیں سیدھا نظر آئے پھر نوکِ مژہ پر مرے لختِ جگر آئے اُٹھتے ہوئے دو فتنے برابر نظر آئے
دم لیتا ہے رُک رُک کے مرے ذبح میں قاتل کچھ ایسا مزہ ملتا ہے اُس بت کے ستم میں شوخی میں تغافل ہے رکاوٹ میں لگاوٹ	اِس وقت بھی ظالم کی نزاکت نہیں جاتی مر مر گئے پر جینے کی حسرت نہیں جاتی تیری نگہِ یار شرارت نہیں جاتی
ماہرو وہ نظر آئے ہیں کہ جی جانتا ہے فتنہ پرداز، ستمگار، جفاجو، قاتل چھیڑ کر زخمِ جگر ناوکِ مژگاں میرا جاں بلب ہوں مر رہا ہوں عشق کا آزار ہے کیا کہوں نوکِ مژہ جب سے جگر کے پار ہے ہے نسیمِ صبح، یا بادِ صبا، یا بوئے گل شعلہ ہے، مشعل ہے، یا ہے شمع یا ہے آفتاب	داغ بھی ایسے اٹھائے ہیں کہ جی جانتا ہے تُو نے وہ فتنے اٹھائے ہیں کہ جی جانتا ہے تو نے وہ تیر لگائے ہیں کہ جی جانتا ہے رنج مونس، یاس ہمدم، غم گلے کا ہار ہے دم بھی اٹھتا ہے تو میٹھا عجب آزار ہے برقِ خرمن سوز یا ظالم تری رفتار ہے ہے تجلی طور کی یا جلوۂ رخسار ہے

دل [illegible] اس بتِ عیار کو — جیتا ہے رنج وادا سے کہ بیکار رہے

[illegible] کہ ہمکو محبت نہیں رہی — اچھا تو کب وہ ہمکو محبت نہیں رہی

[illegible] ہو سے بھری جاں نکلے — حوصلے دل کے نہ جی بھر کے ارماں نکلے

آپ کی بزم سے ہم با دلِ بریاں نکلے — آ پکے کوچہ سے با دیدۂ گریاں نکلے

[illegible] ہے جو کہتا ہوں تو کہتا ہے وہ شوخ — دیکھیں ہم بھی تو تماشا یہ ذرا ہاں سے نکلے

سوزِ دل، دردِ جگر، کاہشِ جاں، رنجِ فراق — سینکڑوں عشق میں یا رب غمِ پنہاں نکلے

جس طرف دیکھ لیا تو نے بھری مجلس میں — کچھ تڑپتے ہوئے نکلے کئی بیجاں نکلے

میں کہیں دل کہیں، اور جام کہیں ہوش کہیں — ہم تری بزم سے کیا بے سر و ساماں نکلے

دعویٰ عاشقی ہوئی اے زار کسی مہوش سے — ورنہ کیا معنے کہ داماں و گریباں نکلے

دیکھکر جلوے تمہارے بام کے — رہ گئے دھک سے کلیجا تھام کے

روزِ وعدہ، دیکھنا ذوقِ وصال — صبح سے ہم منتظر ہیں شام کے

ہائے کب اے آسمانِ فتنہ ساز — دن پھرینگے عاشقِ ناکام کے

مرگیا گھل گھل کے زارِ نیمجان — عشق میں افسوس اک خودکام کے

زار — **زار** منشی بانکے لال باشندۂ بدایوں ۱۸۸۳ء میں چھاتہ میں مقیم تھے اور نیاز خیرآبادی سے اصلاح لیتے تھے ۱۸۸۶ء میں امیر مینائی سے اصلاح لینے لگے پھر ۱۸۸۹ء میں گورکھپور گئے

وعدہ جو کچھ کیا بھی تو تیور بدل لیے — اقرار سے عیاں ترے انکار ہی رہا

عیسیٰ بھی سر پٹک کے فلک پر چلے گئے — بیمار تیرے عشق کا بیمار ہی رہا

زاہد تجھے قسم ہے ذرا چکھ کے دیکھ لے — کیسی کھنچی ہوئی یہ مئے خوشگوار ہے

کیا خاک آئے مجمعِ محشر نگاہ میں — دیکھے ہیں ہم نے رنگ تری جلوہ گاہ کے

کہتے ہیں آج موت سے میری جھڑک کے وہ — ہٹ، آ نہ پاس بسملِ تیغِ نگاہ کے

جھرمٹ میں نازنیں وہ حسینوں کے اس طرح — گویا ستارے گرد چمکتے ہیں ماہ کے

حشر برپا ہے آج پہلو میں — طور بے طور [illegible]
کہاں اُتری ہے دستارِ فضیلت — کہو اے شیخ [illegible]
جو دیکھا اپنے بسمل کو تڑپتا — تو آنکھیں بند کرلیں اُس نے [illegible]

زار۔ مرزا ضیاء الدین گورگانی، علیگڈھ کالج میں ایف اے تک تعلیم پاکر دہلی [illegible] اور اب کئی برس سے میونسپل کمیٹی دہلی میں انسپکٹر چونگی ہیں، مرزا ثریا جاہ رئیس [illegible] دہلی کی دوسری لڑکی سے انکا نکاح ہوگیا ہے، اِس سلسلہ میں دوسو روپیہ ماہوار [illegible] ملتی ہے، اپنے چچا مرزا خورشید عالم بہادر سے مشورہ کیا کرتے تھے اب بطور خود کہتے ہیں بتیس چونتیس برس کی عمر اور یہ کلام کا نمونہ ہے ؀

آگیا یاد شبِ ہجر میں جلنا دل کا — شمعِ گورِ غریباں کو جو جلتے دیکھا
مانع مدعا ہوئے بیخودی وو فورِ غم — اپنی جسے خبر نہ ہو وہ کرے عرضِ حال کیا
میری اُلفت کا یقیں انکو ہوا میرے بعد — ہوئی مقبول مگر میری دعا میرے بعد
دفترِ عشق کے برہم ہوئے سارے اوراق — اُٹھ گئی پردۂ دنیا سے وفا میرے بعد
ہاتھ جب دیکھے میرے یار نے بچپن کیا — رنگ لایا ہی نیا رنگِ حنا میرے بعد
میں کہا غیر کہا اُس سے اُلجھنا کیسا؟ — منہ کی کھائے نہ کہیں تیغ ادا میرے بعد
کِسکو ہر بار چلائیں گے کرشمے تیرے — ہر ادا پر کسے آئیگی قضا میرے بعد

جو دیکھ لیتا نگاہ بھر کر تو اپنے بسمل کو اے ستمگر — نہ کرتی بچپن نوکِ نشتر کھٹک کھٹک کر [illegible]

کہا داستانِ غمِ ہجر سُنکر — یہ قصہ ہے سُننے سنانے کے قابل
غیر سے ہے سازگاری آج کل — کون سنتا ہے ہماری آج کل
بادل آرائے و مینائے بدست — خوب کٹتی ہے ہماری آج کل
مدتیں گذریں یہی سُنتے ہوئے — ختم بھی ہوگی تمہاری آج کل

موہوم ہے خود اپنے گماں میں مری ہستی — عنقا تری تصویر کا خاکہ تو نہیں تک
میں زیر بار منتِ ساقی نہیں ہوا — وہ رند ہوں کہ مست ہوں بیخبر [illegible]

[illegible] ہمارے کہتے ہیں — بیٹھے ہی دم رکے ہیں آندلے کہتے ہیں
بہر دشنام نہیں ہمکو دیے قیامت کا — سب مشروں ایک تھرتھرا رہے کہتے ہیں
تم کو مسیحا ہو جب کر نہ سکے اچھا — موت آئی عیادت کو ہمارے کہتے ہیں

تم ابھی آئے ابھی جاتے ہو — ایسا کیا کام کرنا تھا تمہیں
کہ عیادت کو نہ آئے وہ بھی — میری میت پہ تو آنا تھا تمہیں

حیرت ہے مری چشم تصور کو کچھ ایسی — کچھ ہچکی نہ ہو سامنے تم پیشِ نظر ہو
زاہد کو عبادت پہ گھمنڈ ہمکو خدا پر — تم اپنی کہو حضرتِ ناصح کہ کدھر ہو

ابرِ رحمت گھرا ہے چو طرفہ — ساقیا آج تو نکر صرفہ

آئینہ کو بھی چھیڑے ہے اُن سے — منہ پہ کہہ کہہ کے منہ کی کھاتا ہے

میں تجھے بھولکر نہیں بھولا — تو مجھے جان کر بھلاتا ہے
کوئی پہلو سے گیا دل کو — آپ پر بھی گمان جاتا ہے

وہ آ جاتے کسر رہتی کوئی دم کی — قضا جانے کہاں سے آن دھمکی
نویدِ وصل پر غش کیوں نہ آتا — یہ برقِ طور تھی جو دل میں چمکی
ہوئے آباد ویرانے تھے جتنے — یہ برکت ہے ہمارے دم قدم کی
حالِ دل سنکر وہ فرمانے لگے — جھوٹا قصہ ہے مگر پُر درد ہے

دم نزع نہ جا منہ پھیر کر پہلو سے بسمل کے — نکلنے دے ذرا تو حوصلے حسرت بھرے دل کے
بہارِ بیخزاں حاصل ہے یادِ چشم میگوں میں — تڑپنے سے بھرے ہو جاتے ہیں ساغر چھلک چھلک کے

کر سکے اظہار بے کلی دل کی — بات کھو دی رہی سہی دل کی
ہے تصور میں کوئی غنچہ دہن — جا نہیں سکتی بے کلی دل کی
وقتِ رخصت نہ کہہ سکا کچھ بھی — دل ہی میں ہائے رہ گئی دل کی
سانس کے ساتھ نکلیں ہیں نالے زار — حالت ایسی کبھی نہ تھی دل کی

شوخی تیری ہی بن کر مجھے گھائل کیا — نالہائے نارسا کا ستم تو جانے لگے

زائر۔ منشی سید علی حسین زائر کلرک دفتر کمسریٹ لاہور [illegible] اُس زمانہ میں لاہور میں مشاعرے ہوا کرتے تھے اُن میں شریک ہو کر غزل خوانی کیا کرتے تھے۔ یہ چند شعر اُنکے نتائج افکار سے ہیں۔

جمع کس طرح سے اِس خستہ کا دیوان ہوگا
جس کا مجموعۂ خاطر بھی پریشان ہوگا

کھائیگا دانتوں پہ ہیرے کی کنی دُرِ عدن
لبِ شرمندہ ترے لعلِ بدخشان ہوگا

پنجۂ دستِ جنوں بڑھنے تو دے اے وحشی
جیب ہوگی تری دامن نہ گریبان ہوگا

لے اجل یوں تو تجھے آنا ہی اک روز ضرور
ہجرِ جاناں میں جو آجائیگی احسان ہوگا

فرقتِ گلزارِ خوبی نے کھلائے خوب گُل
سینہ داغوں سے مرا رشکِ گلستان ہوگیا

کیفیت ہے آج بیہوشی کی بزمِ حور میں
دے مئے گلرنگ ساقی ساغرِ بلور میں

ہیں توام البتہ نیش و نوش عالم میں ولا
قند ہوتا ہے ہمیشہ خانۂ زنبور میں

زاہد۔ شاہزادہ میرزا زاہد الدین زاہد ابن میرزا کام بخش خلف میرزا سلیمان شکوہ شاگرد خواجہ آتش، لکھنؤ میں جو دہلی کے شاہزادوں کا خاندان رہتا تھا اُسکے ایک رُکن تھے بہت عرصہ ہوا انتقال کیا۔ کلام ملاحظہ ہو

چھٹ جائے جانِ زلفِ شبِ غم کے دام سے
اپنی کشش سے اُسکو اگر کھینچ لائے دل

اُس برق وش کے ہجر میں کیا جان کھوئیے
ہر دم جو بات بات میں اپنا جلائے دل

بے وجہ تیرے دامِ محبت میں اے پری
دیوانہ ہے جو بیٹھے بٹھائے پھنسائے دل

زاہد۔ برہمچاری پرم آنند جی دہلوی ہنشی دیبی پرشاد بشاش ملازم ریاست جودھپور مؤلف تذکرۂ شعرائے ہنود کے گرو تھے، علم تصوف و باطن سے خوب ماہر تھے، سنسکرت کے علاوہ اردو فارسی میں بہت اچھا دخل حاصل تھا، فارسی اُردو زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ کلکتہ بنارس۔ راجپوتانہ کی اچھی طرح سیر کی تھی۔

تلاشی کیوں نہ لی بادِ صبا نے باغبانِ گل کی
گیا ہے دل ترے گلزار سے چوری عنادل کی

ہوں گے ہمارے سب یوں بہکے نشہ | اگر کل تمہارے کر آپ جو آیا

زاہد — زاہد میرزا مصطفےٰ حسین، منشی عباس حسن فصاحت کے تلامذہ میں ہیں اور منشی نولکشور کے مطبع میں مصدری کرتے ہیں۔ چند شعر درج کیے جاتے ہیں۔

ایک جلوہ میں تو کیا طور پہ روشنی کو غش
دیکھیں گے وہ کیا رخِ پُر نور جاناں کی طرف

شیخ جی کا آج عمامہ اُچھالا جائے گا
شامت آئی ہے چلے ہیں بزمِ رنداں کی طرف

کیوں ہنس کے دیکھتے ہو رے دلفگار دل
کیا اپنے اچھے پھول تمہارے چمن کے ہیں

کپڑے بدلے غیر کے گھر وہ گئے اُدھر
سامان اس طرف مرے گور و کفن کے ہیں

بھلا کیونکر وہ پہنے پھولوں کے ہار
کہ خود جسکی رگِ گل سی کمر ہو

تڑپ کر جان بھی دیدوں جو زاہد
نہ میری بےخبر کو کچھ خبر ہو

زاہد — زاہد منشی ولایت حسین اکبرآبادی شاگرد اعظم مرحوم، بیاض قاضی خلیل سے کلام نقل ہوا۔

خدا کے واسطے فرقت زدوں کو مت چھیڑو
نہ پوچھو یہ کہ کٹی کس طرح تمہاری رات

قضا پکار رہی ہے یہ لاشِ زاہد پر
وہ لب ہلائیں تو آجائے جسمِ زار میں رُوح

زاہد — زاہد جناب سید عابد حسین صاحب تحصیلدار علاقہ نواب حامد علیخان ضلع نیپال گنج ہمشیرزادہ و شاگرد جناب عزیز لکھنوی ١٨٩٦ء کے مشاعروں کا کلام ہے۔

اب کیا کہوں جو ہجر میں حال اے حضور تھا
بیتاب مجھ سے بڑھکے دلِ ناصبور تھا

نازاں تھے اپنی شوخ نگاہی پہ وہ اگر
بینا ہوں یہ دلکی مجھے بھی غرور تھا

زاہد — زاہد سخنور شوخ طبع سید زاہد حسین زاہد ابن سید علی حسین مرحوم سادات موسوی اثنا عشری اور عمائدِ سہارنپور سے ہیں آپنے جو حالات لکھکر بھیجے اُنکا یہ خلاصہ ہے کہ انکے جدِ اعلیٰ سید عبدالہادی عرف شاہ چراغ سلطان محمود غزنوی کے ہمراہ ہندوستان آئے، حضرت زاہد کے دادا حاجی سید اکبر علی مرحوم پہلے مالیر کوٹلہ کی ریاست میں ملازم رہے، پھر بہادر شاہ بادشاہ کی سرکار میں معتمدی و وکالت کے عہدہ پر ممتاز ہوئے اور اُسی زمانہ میں لارڈ ڈلکمبر سر کمانڈر انچیف ہند کے میر منشی کے عہدۂ جلیلہ پر بھی فائز رہے، حضرت زاہد کے والد ڈیرہ دون میں وکالت

کرتے تھے لیکن اُنکا انتقال انکی صغر سنی میں ہو گیا اِس لیئے جو کچھ قابلیت انہوں نے [illegible]
اُسے اپنے دلی شوق اور رغبت کا نتیجہ کہنا چاہیئے - فارسی کی درسی اور عربی کی ابتدائی کتب
قاضی محمد غلام عباس منیر شاگرد خواجہ آتش و حضرت دبیر سے اور بعض کتب معانی و [illegible]
شاگرد مولانا صہبائی سے پڑھیں اور انٹرنس کے درجے تک انگریزی مدرسہ میں بھی پڑھا [illegible]
خداداد ذہانت اور ذوقِ سلیم کی امداد سے اچھی استعداد اور قابلیت حاصل کر لی [illegible]
بینی کے شوق سے اُسے درجہ بدرجہ ترقی ہوتی چلی گئی - فنِ شعر کا مذاق فطرتاً طبیعت میں [illegible]
تھا اور شفیق استاد کی فیضِ صحبت اور توجہ سے اُس میں فی الجملہ اچھی استعداد بہم پہنچالی [illegible]
سے حضرت امیر کے دم آخر تک تخمیناً سترہ اٹھارہ برس اُنسے اصلاح کا سلسلہ جاری رہا [illegible]
زبان کی تحقیق و چھان بین کا بید شوق رہا، اپنے استاد کے عقیدت مند تلامذہ میں رہے
اور اُنکی خدمت بھی کرتے رہے، چنانچہ امیر اللغات کی ترتیب میں بھی حصہ لیا شعر گوئی
بطور تفنن طبع کے ہے ورنہ اِس سے صلہ و شہرت کے طالب نہیں ہوئے، کلام میں کثرتِ
مشق سے روانی اور پختگی اور بندش میں چستی اور زبان میں شیرینی اور گھلاوٹ پیدا ہو گئی
ہے تخلص کے برعکس انکے اکثر اشعار میں معاملہ بندی، رنگینی خیال، اور شوخی کے مضامین
پائے جاتے ہیں، زبان میں صفائی اور مضمون میں جدت کا زیادہ لحاظ رکھتے ہیں خوشنویس
بھی ہیں - خلیق - متواضع، پُر گو اور آزاد منش شخص ہیں - اب تینتالیس چالیس برس کا سن
ہو گا، مکتوبات امیر مینائی میں اکثر خطوط آپکے نام کے چھپے ہیں - دیوان مرتب ہو گیا ہے
مگر شائع نہیں کیا - حالات اور کلام مرسلہ کا انتخاب درج تذکرہ کیا گیا -

حشر کے دن قدِ آدم آفتاب آ ہی گیا — تو بھری محفل کے اندر بے نقاب آ ہی گیا

وعظ کی محفل سے ہم چھپکر کھسکنے ہی کو تھے — جھٹ سے واعظ لیکے اتنے میں کتاب آ ہی گیا

ہم رہے سرمستِ غفلت صبح پیری آگئی — پڑکے ایسے سوئے سر پر آفتاب آ ہی گیا

ہے پیامِ مرگ پیری اب تو کر فکرِ سفر — زندگانی کی طرف سے تو جواب آ ہی گیا

دیکھ کر محفل میں وہ آنکھیں لڑاتے تو رہے — پھر بھی وہ معشوق تھے آخر حجاب آ ہی گیا

ہو جیا اس دل کا دکھ کا عمر بھر خانہ خراب
جسکو دیکھا اُسکے یہ خانہ خراب آ ہی گیا

شوق پابوسی میں جو حق سے دیکھا او شہسوار
لاکھ زخمی تھا تڑپ کر تا رکاب آ ہی گیا

ہم پہ پستوں بکرم ہے جب لگا یانے سے جام
جھومتا منہ سے مستانہ سحاب آ ہی گیا

صحبت رنداں سے زاہد مدتوں بچتا پھرا
میکدے میں ہو کے آخر کو خراب آ ہی گیا

کرتے کرتے انتظار آخر کو میں مر ہی گیا
سے اب آ، چاہے نہ آ تو، میں تو اے ساقی گیا

میرے امر ناحسن کے بسلسلے چلا اچھا ہوا
مر گیا، اُسکو نہ کہیے وہ تو صاحب جی گیا

لوگ جب لانے لگے اُنکو مری میت کے پاس
ہنس کے بولے "واہ صاحب ور اگر یہ جی گیا"

اِس دھج سے وہ آیا کہ خدا ہی نظر آیا
کافر نے مرا آج تو ایمان لیا تھا

ہر بار نئی آن نئی شان تھی لیکن
ہم نے تجھے ہر رنگ میں پہچان لیا تھا

پہلو میں عبث ڈھونڈتی ہیں دل کو نگاہیں
تیروں نے تو پہلے ہی یہ گھر چھان لیا تھا

کچھ کھل ہی گئی اُنپہ بدی غیر کی ورنہ
کمبخت نے ساتھ اپنے مجھے سان لیا تھا

اظہار عبودیت اُدھر سے جو نہ ہوتا
بندوں نے یداللہ کو خدا مان لیا تھا

جب یہ کہتا ہوں بھلا دل دوں تمہیں کیا دیکھکر
ناز سے کہتے ہیں وہ "اپنا کلیجا دیکھکر"

بے خبر سوتے تھے تم تو اب میں تم سے کیا کہوں
لطف اُٹھائے رات اِن آنکھوں نے کیا کیا دیکھکر

ظاہرا تسکیں تو بیماری میں دیتے ہیں مگر
یار گھبرائے ہوئے ہیں حال میرا دیکھکر

تیغ ناحق تو لیتے ہو دم ہی بسمل میں نہیں
ہاتھ روکو، کیا ستم کرتے ہو۔ ہاہا دیکھکر

نہ رنج رفتگاں کر رفتہ رفتہ
پہنچ جائے گا تو بھی کارواں تک

احباب کا دنیا سے سفر دیکھ رہے ہیں
دیکھا نہیں جاتا ہے مگر دیکھ رہے ہیں

دیا ہے دل تمہیں یہ بات رنج کی تو نہیں
ہمیں نے دی ہے کوئی چیز تمسے لی تو نہیں

وصال میں جو ذرا حد سے بڑھ چلی شوخی
کہا حیا نے یہ کیا؟ میں کہیں گئی تو نہیں

ازل میں دیکھ کے دل دے چکے تھے ہم جسکو
تجھے قسم ہے بتا دے کہ تو وہی تو نہیں

یہ کون چھپکے ابھی میکدے سے نکلا ہے
یہ کون چور سا جاتا ہے؟ "شیخ جی تو نہیں"

جان دیں ہم وہ ہوں دشمن جان کے　　کیا کریں قسمت ہی سے لینا نہیں

چلے جاتا ٹھہرنے دو میرے اشکوں کے طوفاں کو　　معاذ اللہ یہ جلدی ہے برس لینے دو باراں کو

چبھے ہیں اسقدر کانٹے کہ تلوے ہوگئے چھلنی　　بہت اچھی طرح چھانیں گے اب ریگِ بیاباں کو

پھکتا ہے تپِ غم سے پڑا دل بھی جگر بھی　　بھڑکی ہوئی اک آگ ادھر بھی ہے ادھر بھی

کچھ آبلۂ دل ہی نہیں پھوڑا ہے جگر بھی　　ناسُور سے بہتے ہیں پڑے دیدۂ تر بھی

او بانکے سپاہی تری تلوار کے صدقے　　مشتاق ہیں ہم، بڑھکے کوئی وار ادھر بھی

ساماں ہیں نئے دیکھئے کیا ہو کے رہیگا　　وہ بھی ہیں اُمنگوں پہ جوانی ہے ادھر بھی

دھڑکا شبِ تاریک لحد ہی کا نہیں ہے　　سُنتے ہیں کہ اس شب کی قیامت ہے سحر بھی

گو خوش ہیں یہ سُنکر "وہ ہمیں ملنے بھی ہیں الفت"　　نشتر سے سوا کر گئی ہے کام "وہ مگر بھی"

کیوں بھری محفل میں یاں کیئے کہ رسوائی ہوئی　　بال بکھرے، مستی چھوٹی، آنکھ شرمائی ہوئی

میں نے جھک جھک کر بھڑا دی جب نگاہوں سے نگاہ　　پشتِ پا سے تب ہٹی وہ آنکھ شرمائی ہوئی

ہائے وہ غش کھا کے گر پڑنا مرا رخصت کیوقت　　اُسکا وہ کہنا کہ "لو یہ اور رسوائی ہوئی"

حشر میں فریاد کیسی خود ہی ہیں گھبرا گیا　　اُسکی صورت دیکھکر گھبرائی گھبرائی ہوئی

کیا کہا کیا گھر سے آنیکی یہی ہوتی ہے شکل　　ہونٹ سوکھے، سانس پھولی، بات گھبرائی ہوئی

دل نہ مانے گا مرا کہنا کہ اُسکا ہو چکا　　بس چلے پھر اُسپہ کیا جو چیز بیگانی ہوئی

زبیر ـ صاحب عالم میرزا محمد رئیس بخت عرف مرزا محمد زبیر الدین گورگانی ـ صاحب عالم مرزا محمد دارا بخت میران شاہ بہادر ولیعہد اول حضرت ابو ظفر بہادر شاہ غازی خاتم خانوادۂ تیمور کے بیٹے تھے غدر کے بعد کچھ عرصہ جودھپور میں رہے پھر بیس پچیس برس تک ریاست دربھنگہ میں ایکسو پچاس روپیہ ماہوار کے وظیفہ خوار رہے ـ مہاراجہ صاحب مرحوم اور اُنکے جانشین والئی حال اسنے بہت مانوس تھے ـ علمی استعداد بہت معمولی تھی مگر تصنیف و تالیف کا شوق تھا چنانچہ مہاراجہ دربھنگہ کی فرمایش سے تاریخ موج سلطانی لکھی دیوان و تاریخ چھپ چکے ہیں، چند رسالے بھی شائع کئے تھے ـ کلام کچھ اعلیٰ درجہ کا نہیں ہے مگر طرز بیان

صاف ہے اور کہیں کہیں اشعار میں شوخی کے ساتھ بلند پروازی بھی پائی جاتی ہے دیوان میں سے کچھ اشعار منتخب ہو کر صحیح ہوئے۔ شوق نیموی سے تلمذ تھا۔ کبھی کبھی دہلی بھی آتے رہتے تھے۔ چھ سات برس ہوئے ساٹھ سال سے زائد عمر پاکر دربھنگہ میں انتقال کیا ◆

اشکوں کو بہنے روکا تو چہرے کے رنگ نے
آہ آہ اُس کے ہائے رازِ دلِ زار کہدیا

کچھ ایسا میں طریقِ عشق میں مدہوش و غافل تھا
اُسے بھی کھو دیا ہاتھوں سے پہلو میں جو اک دل تھا

جھکی جاتی سی گردن آپ ہی ذوقِ شہادت میں
کچھ ایسا دلفریب سلے ہمدمو اندازِ قاتل تھا

کعبہ ہو کہ بتخانہ زبیر آنکھ اگر ہو
اُس شوخ کا نظارہ کہاں ہو نہیں سکتا

ارض و سما کو چشمِ بصیرت سے دیکھئے
جلوہ ہے ذرہ ذرہ میں اُس خوشجمال کا

کچھ تو باعث زبیر ہے اس کا
دشمنِ جان ہر اک بشر جو بنا

عشق کی ہمسر جو روز افزوں عنایت تو پھر
دردِ دل چھوٹا اگر دردِ جگر ہو جائیگا

عشق خوبانِ ماہرو نہ گیا
ہائے اے داغِ دل سے تو نہ گیا

خود لپٹ جائیگا خنجر سے گلا اے قاتل
جب ترے دستِ حنائی میں یہ عریاں ہوگا

وصل کا اُن سے کہ وہ پیغام یہی کہتے ہیں
کھا گئے جان ہماری اجی ہاں ہاں ہوگا

سامنے رُخ کے ترے زلفوں نے میرا دل لیا
کیا غضب ہے دن دہاڑے مجھپہ یہ شبخوں ہوا

زباں پہ ذکرِ خدا دل میں حور کی خواہش
بتاؤ حضرتِ واعظ کی پارسائی کیا

کھٹک جو آج میرے دلمیں ہوتی ہے عجب
نگاہِ یار نے برچھی سی پھر لگائی کیا ؟

جبہہ سائی بتوں کے در پر کی
پھر بھی لکھا مٹا نہ قسمت کا

کیسا رسوائے خلق مجکو کیا
یا خدا ہو بُرا محبت کا

لڑتے ہیں وہ ہوا سے یہ حیلہ نکال کے
کمبخت تجھ سے پھولوں کا زیور بکھر گیا

میں نے پنہا کے ہار جو بوسہ طلب کیا
وہ گلبدن گلے کا مرے ہار ہوگیا

اور ہونگے جن کو ہوگا اپنی طاعت پر گھمنڈ
ہم گنہگاروں کو ہے اک اُسکی رحمت پر گھمنڈ

بعد مُردن جز کفن کیا خاک لیجاؤ گے ساتھ
منعمو اُنکو عبث ہے مال و دولت پر گھمنڈ

وصالِ قیمت ہیں نے قاصد کی زبانی یہ سُنا
پڑھ کے خط کچھ چپ ہوئے اور پھر کہا ہنسکر کہ ہیں

تفرقہ باہم پڑے گا بعد مُردن زیرِ خاک
روح کوئے یار میں رہ جائیگی تن زیرِ خاک

رنگ و بوئے بلغِ عالم پر کروں کیا اعتماد
لگئے آنکھوں کے آگے کتنے گلشن زیرِ خاک

تیرے عارض ہیں یا گلاب کے پھول
کسنے دیکھے اس آب و تاب کے پھول

تجھ سا نازک بدن جو تولا جائے
کلیاں گنتی کی ہوں حساب کے پھول

نہ کیوں روئے روشن پہ پروانہ دل ہو
کہ یہ شمع ہے لو لگانے کے قابل

یہ ٹھکرا کے کہتا ہے قدموں سے قاتل
نہیں سر یہ اس آستانے کے قابل

تا عمر رہے ہم شجرِ خشک کی صورت
اِس باغِ جہاں میں کبھی پھولے نہ پھلے ہم

اشکوں سے بھی ٹھنڈی نہ ہوئی آتشِ پنہاں
سوزِ غمِ دلدار میں رہ رہ کے جلے ہم

قتل سے پہلے ہو چکے ہیں قتل
کشتۂ غمزہ و ادا ہیں ہم

اچھا یوں ہی سہی چکے جھگڑا
بیوفا ہم ہیں باوفا ہو تم

بھلائیں دل سے اُسے کسطرح ہم بھلے ناصح
رہی جو شکل تصور میں روبرو برسوں

باوفا ہم سا پُر جفا تم سا
ڈھونڈ لاؤ تو ہم سلام کریں

رکھنے دیتی قدم زمین بھی نہیں
اب ٹھکانا مرا کہیں بھی نہیں

اُس فسونگر کے تلوّن کا ٹھکانا کچھ ہے
ہاں جو کہتا ہے کسی وقت تو دم بھر میں نہیں

کر لیا ایک زمانے کو دکھا کر انداز
بخدا آپکے لے ماہ لقا مٹھی میں

کوچۂ زلف کی دل سیر کریگا کیونکر
خضر سے راہبر اس راہ میں تجھکے لکھوں

میرے اشکوں سے لگی دل کی نہیں بجھنے کی
آبِ خنجر سے وہی آگ بجھا کر دیکھیں

قتل کرنے کو تو ہیں خنجرِ ابرو کافی
آپ کیوں ہاتھ میں شمشیر لیے پھرتے ہیں

یہ ضد یہ ہٹ کوئی اُس قاتلِ بیرحم کی دیکھے
کہ شوخی سے وہ کہتا ہے گلا تلوار پر رکھو

تھی پہلے رہزنِ دل شوخیٔ نگاہِ ادا
ہوئی ہے دشمنِ جان آنچل حیا دیکھو

مجھے مرنے کی خبر میری کہا یوں ہنسکر
کیا کریں سُن تو لیا مرگئے مرجانے دو

بہ بہ جاتے ہیں کہیں دل دم رفتار لے ظالم
ٹھوکر کے واسطے رکھ تو قدم آہستہ آہستہ

اشکوں سے بجھی نہ آتش عشق
سینہ میں رہی جلن ہمیشہ

جبو سے ہے کوئی سفر میں دل سے
ہے پیش نظر وطن ہمیشہ

زخم دل بے سبب ہیں کیوں خندان
کیا کوئی اور گل کھلائیں گے

اُسکے وعدے کا ہے یقیں کسکو
دیر لگتی ہے کیا مکر جاتے

نہ چھری میں ہے نہ خنجر میں نہ تلوار میں ہے
کاٹ کچھ اور تری ابروکے خمدار میں ہے

صد شکر اُن کو یاد رہا بعد مرگ میں
ٹھوکر سے آکے وہ مری تربت مٹا گئے

کیا اک جنبشِ ابرو میں تو نے قتل عالم کو
غضب کی باڑ رکھتی ہے تری شمشیر چھوٹی سی

رقیبوں سے وہ کہتے ہیں بلا کر شاد بسمل
جو ہیں جانباز الفت اُنکی حالت ایسی ہوتی ہے

لذت فزا ہیں تیرے ستم ورنہ سلے صنم
دلدارا اور بھی ہیں، دل آزارا اور بھی

چھوڑو بھی اے زبیر کہیں ذکرِ غیر تم
ورنہ بڑھے گی دیکھنا تکرار اور بھی

شب وصال ہے اور رنگ فق ابھی سے ہے
سحر کے ہونے کا دل کو قلق ابھی سے ہے

کچھ حیا کے ساتھ شوخی کا اثر آنکھوں میں ہے
کیا ہی اندازِ جفا و فتنہ گر آنکھوں میں ہے

کس طرح دیکھے تجھے گو تیرا گھر آنکھوں میں ہے
رات دن تو اے پری شکل نظر آنکھوں میں ہے

اِن بتوں سے دل بچائے کوئی یہ ممکن نہیں
موہنی باتوں میں جادو کا اثر آنکھوں میں ہے

جب سے کہ بسا دل میں تصور ہے کسی کا
ہر وقت ہے اک صورت زیبا مرے آگے

رُخ پہ گیسو ہیں پڑے اور چڑھی ہے چتون
نہیں معلوم کہ آج آئیگی شامت کسکی

بوسۂ رخ جو لیا بولے وہ ہنسکر یہ زبیر
دیکھئے اب ہوئی آغاز شرارت کسکی

زبیر۔ شیخ بلاقی زر۔ لاہوری سادہ کار ابن شیخ سعد اللہ مقیم اکبرآباد شاگرد حاتم علی مہر استعداد علمی بہت کم تھی ١٨١٢ء میں پیدا ہوئے ساٹھ سال سے زیادہ عمر پائی۔

دل ہیں جگر ہیں سینے میں یکساں ہیں ورآج کبک و طوطی ہیں کچھ کمال نہیں سنگدل پر رحم بھی اتنا نہ ہو	اے چارہ گر بتاؤں کیا مرہم کدھر بہت ان میں تیری سی بول چال نہیں کوئی مرجائے تجھے پروا نہ ہو
پھنسی ہے موبمو جانِ حزیں زلفوں کے پھندے میں کون سی صورت ہے ملنے کی بتوں سے یہ بتا	اسیرانِ خم وکاکل گرفتار بلا ٹھیرے وہ تو طالب زر کے ہیں امریانِ اکا نام ہے

زخم ۔ حکیم ابوالفیض فتح محمد خان لسبوی مقیم کانپور۔ جناب اثر کانپوری سے مشورہ سخن کرتے ہیں

عالم اک حسرت و عبرت کا نظر آتا ہے بہت دیدیئے صدمے ہوش نہو تو شب غم میں کوئی ہمدم نہیں اور	جب نظر بھر کے سوئے گورِ غریباں کیا فلک اک روز تو ہے اور میں ہوں اک انکی آرزو ہے اور میں ہوں

زخمی ۔ منشی راج بہادر زخمی کایستھ سری باستب ساکن کاکوری۔ آپ کو جناب طالب ہرسوہانی سے تلمذ رہا ہے۔ ایک رسالہ موسوم بہ نالۂ زخمی" ۱۸۸۶ء میں نکالنا شروع کیا تھا جو چند سال بعد بند ہوگیا۔ ۱۸۸۴ء میں کانپور میں رہتے تھے بزرگ انکے کاکوری کے قانون گو تھے نعتیہ کلام بھی اکثر کہتے تھے۔

کیا ہوائے نفس پر غالب ہوا انسانِ ضعیف دوستو دفن میں کسواسطے یہ عجلت ہے کہدو یہ طبیبوں سے عبث لکھتے ہیں نسخے جگر نوحہ کناں ہے دل کفِ افسوس ملتا ہے	کچھ ہوا سے زور چل سکتا نہیں ہے کاہ کا میرے مرنے کی انھیں بھی تو خبر ہو نیند بیماریٔ الفت کی دوا اور ہی کچھ ہے ہزاروں حسرتوں کے ساتھ میرا دم نکلتا ہے

زخمی ۔ منشی محمد شرف الدین زخمی اہلمد عدالت سلطانپور ابن منشی یقین اللہ ساکن قصبہ جالیس ضلع رائے بریلی، سرکاری ملازمت اختیار کرنے کے پیشتر ضلع پرتاب گڈھ کے رئیس بابو مہیش بخش تعلقہ دار کے ہاں مختار رہے، جبتک پرتاب گڈھ رہے حیدر علیشاہ صغیر سے اصلاح لیتے رہے، لکھنؤ آئے تو سید غلام حسین قدر بلگرامی سے تلمذ اختیار کیا۔ پہلے بسمل تخلص کرتے تھے۔ حضرت قدر نے زخمی تخلص عنایت کیا۔ ۱۸۹۰ء میں کم بیش پچاس

برس کا سن تھا۔ جسکا حال باوجود تلاش دستیاب نہ ہو سکا۔

دل کسی روز نہ ٹھنڈا ہوا اصلا میرا / ٹھنک رہا ہے تپ فرقت سے کلیجا میرا
خبر آمدِ دلدار سُنی ہے جب سے / دل پھڑکتا ہے اُچھلتا ہے کلیجا میرا
اُٹھ گئے روٹھ کے پہلو سے مرے وہ زخمی / کر گئے اور بھی مجروح کلیجا میرا
دیکھ کر شوخ نے دیوانۂ گیسو کو کہا / سر سے ٹلتی یہ بلا میرے تو اچھا ہوتا

نئے انداز سے حلقے وہ زلفوں کے بناتے ہیں / کسی کے طائرِ دل دام کے پھندے میں لاتے ہیں
بجائے اشک آنکھوں سے نہ کیونکر خونِ دل ٹپکے / غضب ہے غیر اُنکے پاؤں میں مہندی لگاتے ہیں

ہو چکے غمزے بس اب آؤ گلے سے لپٹو / مانع وصل نہیں شرم و حیا ہوتی ہے

ناتوانی ہجر میں ایسی بڑھی / لب تک آنا آہ کا دشوار ہے
قد بالا ہے نمونہ حشر کا / فتنۂ محشر تری رفتار ہے

زعم

زعم۔ سید غلام محمد زعم عرف احمد الدین کنیت ابوالفخر۔ حیدرآباد دکن کے باشندے ہیں اور حضرت فصیح الملک داغ کے خرمن کے خوشہ چین ہیں، بیس برس سے مشقِ سخن کرتے ہیں طبیعت موزوں پائی ہے اور مشق بھی خاصی ہے۔

بوسہ لب و رخسار کا مانگا تو وہ بولے / میں ایک ہوں اور آپکے ارمان بہت ہیں
ہمسا نہ ملے گا کوئی جانبازِ محبت / گو چاہنے والے ترے ایجان بہت ہیں
اس دل کے عوض اور کوئی دل مجھے دیدے / بندوں پہ الٰہی ترے احسان بہت ہیں

ہوتا نہیں نوشتۂ قسمت کو انقلاب / ٹلتا نہیں لکھا ہوا تقدیر کا کبھی
یا میرے گھر میں وعدہ فراموش آ کبھی / یا اپنی بزمِ ناز میں مجھکو بلا کبھی
کیا واقعی وہ آئیں گے یا طنز سے کہا / قاصد نے ایسا مژدہ سنایا نہ تھا کبھی

فتنہ پردازی تو معشوقوں کی آب و گل میں ہے / اِسکو تاکا اُسکو مارا رات دن یہ دل میں ہے
قیس سے نالہ اگر مُنہ سے نکالا ہی نہیں / اِتنی پھر بے چین لیلیٰ کس لیے محمل میں ہے
کیا بتائیں ہم کہاں ہیں آپکی مژگاں کے تیر / ایک پہلو میں ہے اک سینہ میں ہے اک دل میں ہے

چاندسی صورت پہ تیری غیر کیوں دیتا ہے جان	یہ تو میری آنکھ میں ہے [illegible]
یا مرے پاس جفاکار کو لائے کوئی	یا مرا قصۂ غم اسکو سنائے کوئی
زہر کس ناز سے وہ رات کو فرماتے ہیں	نیند آتی ہے نہیں اب نہ ستائے کوئی

زکی

زکی - مرزا محمد خان زکی لکھنوی نبیرۂ نواب تفضل حسین خان بہادر مغفور صاحب مشیر نواب سعادت علیخان والئ اودھ شاگرد مولوی محمد محسن صاحب شہید و حضرت انیس سلطان عالم واجد علیشاہ کے زمانہ سلطنت کے شاعروں میں تھے، عرصہ ہوا انتقال کیا، خمسہ اچھا کہتے تھے جو بخوفِ طوالت نظرانداز کئے گئے - کلام کا انتخاب حاضر ہے

ہم غم سے جاں بلب تھے اور درد تھا جگر میں	منہ پھیر کر سدھارے ہنستے ہوئے وہ گھر میں
لب پہ ہے نام تیرا ہے تو ہی تو نظر میں	سینے میں تو کبھی ہے اور ہے کبھی جگر میں
دیوانہ جانکر وہ کرتے ہیں ہوشیاری	دل چھین کر بھی میرا کہتے ہیں جاؤ گھر میں
ایسی کچھ اسکو سوجھی لگ جائے خود گلے سے	تاثیر دے الٰہی اس آہ بے اثر میں
دھیان اسکی ابروؤں کا ہے کعبہ کی زیارت	معبود کا ہے جلوہ ہر دم مری نظر میں
ہم تیرے قد کے شیدا قمری کو سرو کا غم	ہوتا ہے فرق اتنا انساں میں جانور میں
ناسازئ مسیحا جانباز کی قضا سے	تاریک ہے زمانہ اندھیر ہے نظر میں
قاتل سے بل نہ نکلا سر رشتہ جنوں کا	سر کٹ گیا ہے لیکن باقی ہے درد سر میں
ملکِ عدم کا جانا بارِ گناہ سر پر	گذرے گی اے زکی کیا اس راہ پر خطر میں

زکی

زکی - سید محمد زکی خلف غلام رضا بلگرامی شاگرد جناب دبیر لکھنوی، انکے نسب کا سلسلہ زید شہید سے ملتا ہے بڑے طباع اور قابل بزرگ تھے - ریاستِ رامپور میں ملازم تھے مرثیہ اور قصیدہ کہنے میں اچھی مشق تھی اور مرثیہ خوانی میں بھی کمال حاصل تھا ۱۲۹۸ھ میں پچاس سال کی عمر میں وفات پائی - منشی افضل حسین ثابت لکھنوی سال وفات کے بارہ میں ۱۸۸۱ء تحریر کرتے ہیں - انکے شاگردوں میں نواب بنے صاحب مشاق لکھنوی بڑے طبیعت دار خوش مذاق مشاق شاعر تھے انکا بھی ۸-۷ برس ہوئے انتقال

[illegible] کلام کا نمونہ ہے

تصور [illegible] میں کس قتالِ دوراں کا
رگیں گردن کی دم بھرنے لگیں شمشیرِ براں کا

وہ آنکھیں ترک ہیں چتون ہے خونریزی ٹپکتی ہے
چلینگی برچھیاں پیا ہے یہ تحریکِ مژگاں کا

[illegible] بہار کا لطف نظر میں ہے
لالے کی طرح داغ ہمارے جگر میں ہے

کیونکر جواب خط ابھی قاصد پھرا نہیں
اے چشم تر نہ رو کہ مسافر سفر میں ہے

اللہ رے اسیرئ بلبل کا اہتمام
صیاد بات کونسی اِس مُشتِ پر میں ہے

عاشق کی جانِ زار بھی قاصد کے ساتھ ہے
دل ہے کہ خطِ شوق کفِ نامہ بر میں ہے

زکی **زکی**۔ افسرِ اقلیمِ نازکخیالی سرِ دفترِ فصحائے زمان حافظ سید محمد زکریا خاں صاحب زکی دہلوی سابق ڈپٹی انسپکٹر مدارس ممالک مغربی وشمالی۔ دہلی کے ایک موقر خاندان سادات کے رکن تھے اور شاعری انکی میراث آبائی تھی۔ انکے بزرگ نواب مختار الملک مجد الدولہ عبدالاحد خان وزیر شاہ عالم ثانی کے قریبی رشتہ دار تھے، انکے والد سید محمود خان مرحوم صاحب دیوان اور انکے نانا (جو دادا کے بھائی بھی تھے) نواب اعظم الدولہ میر محمد خان صاحب سرور صاحبِ دیوان ومصنف تذکرہ شعرائے اردو تھے۔ انکی پیدائش ۱۸۳۹ء میں شاہجہاں آباد میں ہوئی "زینت باڑی" میں انکے بزرگوں کے مکان تھے، یہ خود نواب اسد اللہ خان بہادر غالب مغفور کے شاگرد رشید بڑے نازکخیال اور ذکی الطبع شاعر تھے علم عروض وقوافی پر عبور کامل اور فن سخن میں ملکہ راسخہ حاصل تھا، حق یہ ہے کہ میرزا غالب کے شاگردوں میں حضرت زکی سے زیادہ کسی نے انکا رنگ نہیں برتا اور ان سے زیادہ کوئی انکے رنگ کی تقلید میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ میرزائے مرحوم بھی ان سے بہت خوش تھے۔ چنانچہ چند سطور بطور سندِ شاعری انہیں لکھکر عنایت کی تھیں جسکی نقل دیوان زکی کے دیباچہ میں بھی مندرج ہے۔ آپ اِس سارٹیفکیٹ کو نہایت فخر کے ساتھ اپنے احباب کو دکھایا کرتے تھے میں نے بھی یہ سارٹیفکیٹ انکے پاس دیکھا تھا۔ راقم تذکرہ کی بھی کئی بار آپ سے دہلی میں

ملاقات ہوئی تھی، آپ وجیہ، مہذب، ذی لیاقت، متین، اور بڑے جہاندیدہ [illegible]
تھے۔ غدر سے پیشتر ہی پنڈت رام کشن بسمل، مرزا غالب و شیخ امام بخش صہبائی کے
فیضِ تعلیم سے فارسی، عربی، منطق و ریاضی میں بہرہ ور ہو چکے تھے، فنِ طب میں بھی کامل
تھا اور ماسوا اردو شاعری کے فارسی نظم و نثر میں بھی قدرت رکھتے تھے، ہنگامۂ غدر کی
اشراف گردی کے زمانے میں دلی سے قدم باہر نکالا، اُس وقت اُنیس بیس برس کی عمر
تھی اور بسبیل روزگار میرٹھ، گورکھپور، بریلی، الہ آباد اور بدایوں میں مقیم رہے۔ آپکی عمر کا آخری
حصہ بدایوں میں بسر ہوا جہاں آپ عہدۂ ڈپٹی انسپکٹری مدارس سے پنشن لیکر جا رہے تھے اور
۱۹۰۳ء میں تخمیناً ساٹھ سال کی عمر پاکر اس جہانِ فانی کو خیرباد کہکر راہیِ ملکِ بقا ہوئے
حصولِ پنشن کے بعد وہاں سب جبڑا ربھی ہو گئے تھے، آپ فنِ شاعری کے اصول و نکات
سے ماہر اور جملہ اصنافِ سخن پر قادر تھے آپکے کلام بلاغت نظام میں خیالات کی تازگی۔
مضمون آفرینی، نازک خیالی، اور طرزِ ادا کی نفاست، خاص طور پر قابلِ داد ہیں، فارسی تراکیب
بھی موقعہ بموقعہ بکمال صفائی نظم کی ہیں، کوئی شعر معنی خیز لطافت سے خالی نہیں، دشوار
پسندی کے باوصف آپکا کلام بلحاظِ فصاحتِ زبان نہایت مستند ہے، دیوان میں ایسی
غزلیات کم ہیں جن میں ایک یا دو شعر کم از کم مرزا غالب کی یاد دلانے والے نہ ہوں۔ آپکے
دورانِ حیات ہی میں ایک دیوانِ غزلیات موسومہ دیوان زکی شائع ہو کر مقبولِ عام ہو چکا
تھا۔ اسکے علاوہ غیر مطبوعہ کلام جس میں غزلیات، قصائد، رباعیات وغیرہ شامل ہیں آپکے
عزیزوں کے پاس موجود ہے، کلام غیر مطبوعہ ہمیں انکے حقیقی برادر زادے سید محمود حسین صاحب
ثاقب وکیل کوٹہ کی مہربانی سے دستیاب ہوا جس کا شکریہ ادا کرنا ہمارا فرض ہے۔ سید زکی
مرحوم کثیر العیال شخص تھے، جائداد آبائی باقی نہ رہی تھی اِس لئے فکرِ معیشت سے کبھی فارغ
البال نہ ہو سکے اُنکے انتقال کے بعد ایک صاحبزادے کی شادی نواب نور الحسن خاں رئیس
بھوپال کی دختر سے ہوئی اور اب وہ لکھنؤ میں قیام پذیر ہیں بقیہ بھائی سب دہلی میں رہتے ہیں
نواب زکی قدیم تہذیب کے ایک دلپسند نمونہ تھے، پابندیِ وضع، انکسار، خلق، کم سخنی سے

شست ہوئے انکے علاوہ نکتہ سنج اور زود فہم بھی تھے ۔ آپکو نئے مضامین پیدا کرنیکا خیال ہر وقت رہتا تھا اور اس میں کچھ کلام نہیں کرانے ماننے والے کے مسلم الثبوت اساتذہ میں آپکا شمار تھا قصبوں سے بہت عقیدت تھی ۔ شعر وسخن سے طبیعت کو استقدر لگاؤ تھا کہ جہاں جاتے تھے وہاں انکے دم سے شعر وسخن کا چرچا ضرور ہو جاتا تھا اور مشاعرے بھی ہوتے رہتے تھے مولوی حشمت اللہ حشمت ایم ، اے کلکٹر صوبجات متحدہ ۔ پنڈت جواہر ناتھ کول ساقی دہلوی اختر صدیقی ، اسیر بدایونی ۔ انکے نامور شاگرد ہیں ، انکے کلام میں ایک خاص بات یہ ہے کہ جن مضامین سے طبیعت کو لگاؤ نہ تھا انکو خواہ مخواہ اپنے اشعار میں داخل نہ کرتے تھے ۔ چنانچہ رندانہ بول چال ، زہد کی مذمت ، شراب کی تعریف ، درد و سوز کے مضامین کم ہیں الغرض آپکی وفات سے دنیائے شاعری کا ایک زبردست رکن جاتا رہا ۔ شائقین کی دلچسپی کے لیے آپکے کلام مطبوعہ و غیر مطبوعہ کا انتخاب درج کیا جاتا ہے

ساتھ ساتھ اہل تماشا کا وہ ششدر جانا — اللہ اللہ ترا جانب محشر جانا
لیکے دل پوچھتے ہیں تو نے ہمیں کیا سمجھا — ابھی آفت ہو اگر کہیئے کہ دلبر جانا
شرم پر اسکی مٹا ہوں کہ نظر کو جھکی — تنگ ہے پردہ مژگاں سے بھی باہر جانا
کھل گیا عاشق دیوانہ کا دانا ہونا — خاک اڑانے کو ترے کوچہ میں اکثر جانا
ٹوٹ کر جس سے صدا نکلے وہ کیا نازک ہے — شیشہ جانا جو مرے دلکو تو پتھر جانا
غیر کے حق میں نہ کہیو دل ناداں کوئی حرف — وہی بہتر ہے جسے یار نے بہتر جانا
خاموش ہوں میں دیکھکے انداز خامشی — جو بات لاجواب ہو اسکا جواب کیا
سو رنج سو الم ہیں یہاں ہر نفس کے ساتھ — دم کا نہیں شمار تو غم کا حساب کیا
ہم ہر ادا میں رہتے ہیں محو لقائے دوست — انداز مہر کیا ہے نگاہ عتاب کیا
رو رو کے میں نے اپنا بیاباں بنا لیا — زنداں ہوا خراب تو آباد گھر ہوا
حسرت یہی رہی کہ حسینوں کو دیکھئے — میں خاک بھی ہوا تو غبار نظر ہوا

کیا برباد سعیٔ ناخدا کو میری قسمت نے
ہر اک کام ہو مشکل تو کیا کرے انسان

کہاں جا کر ڈبویا جب کنارے پہ سفینہ تھا
مجھے تو جا لگا دینا بھی وصلِ یار سا تھا

عجب کیا ہے وہاں رحمت سے ہو زاہد کی آمرزش
خرسند تیرے جلوہ سے ہی جانِ ناتوان
او چشمِ بے نیاز ذرا دیکھ تو سہی

عذاب اسپر یہاں کچھ کم نہ تھا زودپشیمانی کا
تجھ سے ہی رابطہ ہے دلِ بیقرار کا
کیا حال ہو گیا ترے امیدوار کا

داغِ بے کسی اللہ اکبر کیسا عالی ہے
شبِ غم مرتے ہی آخر ہوئی یعنی برابر ہے

کہ ملکر خاک و خوں میں قصدِ ہے ارمانِ دل کا
نکلنا جان کا، آسان ہونا ایک مشکل کا

پیکانِ پُر آب سے کارِ سینہ میں صد نشکر
لبوں سے جان ہی نکلے تو حرفِ مدعا نکلے
سکونِ دل سرورِ چشمِ انگار زنگ حاصل ہے
مٹا کر ہائے غمخواروں نے تزئینِ فا کھوئی
غضب ہے اب تغافل مجھ سے میں وہ ہوں کہ میرا دل
وہ دیکھتے ہیں بزم میں یہ دیکھتا ہے کیوں

یہ قطرہ ہے باعث مرے تسکینِ جگر کا
کلیم آسان نہیں اہلِ وفا کا ہمزباں ہونا
ترا دیدار ہے نظارۂ باغِ جنان ہونا
خراشِ تیرِ جاناں خاتمِ دل کا نگینہ تھا
فریبِ مہر دیکر آپ کی آنکھوں نے چھینا تھا
بارے ہوا مجھے بھی سزاوار دیکھنا

لگا دل میں وقتِ جگر ہو گیا
تری راہ کس نے بتائی نہ پوچھ
ہمنے بھی آنکھ نیم نگہ کا دیا جواب

ترا تیر تیری نظر ہو گیا
دلِ مضطرب راہ بر ہو گیا
کی تھی آنکھوں نے نیم نگہ نیمجاں ہوا

وہ گرمِ خواب ہونگے اس آہ و بکا میں کیا
گل کی طرح ہیں جیب تا دل ہزار چاک
ایسا ہوں محوِ آرزوئے انتقام میں
ہم جان و دل تو نذرِ غمِ عشق کر چکے
کیوں گل فشانیاں ہیں میانِ زمین و چرخ

دردِ شکستِ دل نہیں میری صدا میں کیا
پنہاں رہیگا داغِ تمنا قبا میں کیا
دشمن سے پوچھتا ہوں کہ مانگوں دعا میں کیا
حیراں ہیں اب لٹائینگے راہِ وفا میں کیا
خونِ جگر نہیں تو ہے آورسا میں کیا

قطعہ
اُڑے جاتے ہیں مگر شوق میں اربابِ جفا، راہ میں ورنہ کہیں نقشِ کفِ پا ہونا ✤ تری وضعِ تغافل میں ہلاکِ بیکساں مخفی ✤ تری طرزِ تبسم سے عیاں آرامِ جاں ہونا ✤

انداز شوخ اسکے ہیں کیا سب یہ فریب
دلکش ادا میں کیا نگہ جاں فزا میں کیا

قد سے ہیں بے قرار تو اختر ہیں چرخ پر
جلوے ترے سمائے ہیں ارض و سما میں کیا

لم ہے تو کیوں نکل نہیں جاتا سرشک میں
یارب بھرا ہے اس دل سودا آشنا میں کیا

آلودہ کدورت باطن ہے ہر نفس
منہ اے ذکی دکھاؤگے بزم صفا میں کیا

دیوانگی سے چھوٹ کے اسیر بلا ہوا
دل آشنا ہوا بھی تو غم آشنا ہوا

جب دل ہی محو لذت درد وفا ہوا
کیا کیجئے ستم کی شکایت ہوا ہوا

گویا بہار رفتہ چمن میں پھر آگئی
اچھا ہوا کہ زخم جگر پھر ہرا ہوا

محروم سازگاری طالع ازل سے ہوں
ہونا جو کچھ نہ تھا وہ مرا مدعا ہوا

نیرنگ کائنات میں بازی دلفریب
کرتا ہے کوئی شوخ تماشا چھپا ہوا

جب درمیاں حجاب تعین نہیں رہا
ذرہ سے تا بمہر خدا ہی خدا ہوا

تو وہ کہ تیری خاک قدم سرمۂ نظر
میں وہ کہ میرا سجدہ ترا نقش پا ہوا

دل فرط غم سے خستہ ہے ذوق فغاں کہاں
سچ ہے جو شیشہ ٹوٹ گیا بے صدا ہوا

اسکے سوا کہ شاہد و مشہود ایک تھا
میں کیا کہوں کہ عالم حیرت میں کیا ہوا

قیامت میں کیوں اسنے ملنا نہ ہوگا
کہ اس دن تو کچھ عذر فردا نہ ہوگا

مقرر ہے اثبات نفی مکرر
کہو وصل ہرگز نہ ہوگا نہ ہوگا

مریض وفا کا مداوا ہے مرنا
یہ اچھا بھی ہوگا تو اچھا نہ ہوگا

کہتے تھے اور دی نکلی اسکو جان حیف
کرتا ہے آدمی کو ذکی شرمسار جھوٹ

دنیا ہیں جب خدا ہی بتوں کو بنا چکا
کرتا ہے اور فکر ستم آسمان عبث

ٹھکراتے ہیں وہ مارکے خنجر بری طرح
جاتی ہے جان عاشق مضطر بری طرح

وفا پرست ہوں اہل وفا بنائیں گے
تبرکاً مرے خاک مزار کی تسبیح

تمہاری آرزوئے وصل شغل جان حزیں
تمہارا ذکر دل بیقرار کی تسبیح

عشق کا وہم ہے زمانے پر
کیا بگڑتے ہیں وہ فسانے پر

میری قسمت میں تھا کہ اشک پیوں
مُہر ہوتی ہے وا سے وانے پر

مردِ شوق سے پہنچتا ہوں
تیر سے پہلے میں نشانے پر

وہ داغ خستہ ہوں دُکھ جاتا ہے دل اندوہ و دشمن پر
رولایا بیکسی نے طالعِ ناکام رہزن پر

نصیبوں سے مرے ہوتا ہے سب پہلے ہی خاکستر
پشیماں برق ہوجاتی ہے جب گرتی ہے خرمن پر

کتنے رہرو تھے کہ راہ میں ہے
کاروان کا روان غبار ہنوز

بارہا مر کے ہم جیے شبِ ہجر
ہو گیا عمر کا حساب غلط

بھرنے میں زخم کے وہ گل افشانیاں کہاں
جی میں ہے دلکو چھیڑ دیں پھر نشتر سے ہم

ہے شبِ غم کسقدر ذوقِ تماشائے بلا
بند ہونا دیدۂ بیدار کا اچھا نہیں

تمکو ستمگر کہیں اور بُرا کیا کریں
اسکے سوا کیا کہیں اسکے سوا کیا کریں

حقِ محبت عزیز ادا کیا کریں
آپ ہیں بیمارِ غم میری دوا کیا کریں

اُنکو مذاقِ ستم عذرِ جفا کیا کریں
خو ہمیں تسلیم کی اس کا گلہ کیا کریں

بزم کو بیخود کیا جلوے نہ اب دیکھئے
چشم و نگہ کیا کریں ناز و ادا کیا کریں

یہ شرمگیں نگہ یہ تبسم نقاب میں
کیا بے حجابیاں ہیں تمھارے حجاب میں

لیلیٰ کے نام میں بھی تھی مقصود ایک شان
ذوقِ خیالِ یار سے ہوں محوِ خواب میں

کیوں آؤں ہوش میں کہ ہو پھر حسرتِ فراق
ذوقِ خیالِ یار سے ہوں محوِ خواب میں

آوارگی تھی فطرتِ آدم کہ خلد سے
آباد ہونے آئے جہانِ خراب میں

محرومِ انبساط ہوں رنجورِ بے کسی
پیتا ہوں خونِ دل قدحِ مشکبو کہاں

اُس ہو ہی یگانہ کو دل میں کرو تلاش
پھرتے ہو جستجو میں ذکی کو بکو کہاں

ہو گئے جذبِ محبت سے یہ دونوں کیا ایک
کیوں دلِ تنگ میں یا رب خلشِ تیر نہیں

یہ مٹ نجائے کہیں نقشِ آب کی مانند
کہ تابِ موجِ نفس جسمِ ناتواں میں کہیں

دہن سے اُنکے کھلا مجکو راز بیم و اُمید
وہ بات کرتے نہیں ایسی کہ نکلے ہاں میں نہیں

[illegible] تارِ عشق کو چھوڑ دیجیے آپ ہم
باقی ہے ایک جان ذرا اسکو ہار لیں

کہاں ہے حسرتِ ذوقِ طپیدن
دلِ بسمل وہ خنجر آزما ہیں
جڑا ذوقِ اسیری جب انھوں نے
کہا کہدو کباب سے یہ رہا ہیں

مچ رہا ہجومِ تپش سے خاطرِ قاتل کہیں
ہو چکے ٹھنڈا نگاہِ ناز کا بسمل کہیں
کہہ نہ بیٹھیں عاشقانِ مضطرِ غافل کہیں
یوں نہ دیکھیے قابلِ تسکیں نپایا دل کہیں

ہر بات میں حوالہ ہے ہر بحث میں سند
ناصح کو ملتے ہیں ہم اہلِ کتاب ہیں

وہی سبزہ، وہی وحشت، وہی ویرانی ہے
اور کیا دشت میں ہوگا جو مرے گھر میں نہیں
پاسباں غیر وہ مغرور، رسائی معلوم
بیکسی عرضِ وفا کی کوئی تدبیر نہیں
کہتے ہیں سرزنشِ غیر سے مرتے کیوں ہو
بیوفا لفظ ہے، خنجر نہیں، تلوار نہیں

فروغِ شعلۂ داغِ جگر سے محوِ حیرت ہوں
فروزاں ہو گئی گویا کہ شمعِ طور سینے میں
ہمنے کاٹی ہر شبِ غم نالہ و فریاد میں
وائے گر ہوں یہ نفس بھی زیست کی تعداد میں

کیوں نگاہِ قہر کرتے ہو دلِ رنجور پر
بیکسوں پر کھینچنا تلوار کا اچھا نہیں
وہ لے لیں دل تو چھٹ جاؤں میں غم سے
کمال مصلحت ہے اِس زیاں میں
جان و دل سازگار ہیں دونوں
یعنی تم پر نثار ہیں دونوں
آفریں تم کو - ایک ناوک میں
جگر و دل فگار ہیں دونوں

میسر جو نہو صہبا پئیں گے خونِ دل اپنا
یہ ہمنے تاک رکھی ہے مے انگور سینے میں

غیر مطبوعہ

یار سے غیرِ فنا وصلِ حقیقی ہے محال
بیخودی خواب بھی خواب کی تعبیر کہاں
سینہ میدانِ قیامت نہیں دم صور نہیں
حسرتِ مردہ عجب کیا ہے جو محشور نہیں
روبرو جلوہ فزا ہے چمنستانِ شہود
نگہِ شوق کبھی دید میں معذور نہیں
مئے پندار سے کیوں پُر ہو مرا جامِ سفال
جامِ جمشید نہیں یہ سرِ فغفور نہیں
کردیا خوئے خموشی کو وفا میں داخل
بیقراری میں بھی فریاد کا مقدور نہیں
ہوگیا پردہ براندازِ انا الحق کہنا
بزمِ توحید میں گنجایش منصور نہیں

اشکِ خوں کی یہ تراوش ہے تو کیونکر مانوں
جگر و دل میں جراحت نہیں ناسور نہیں

غیر مطبوعہ

نہ محرومِ تماشا ہیں نہ ہم نظارہ کرتے ہیں
پڑے ہیں بزم میں بیخود نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں

ہوائے دولتِ فانی میں غافل کیا ابھرتے ہیں
حبابِ بحر ہیں گویا کہ سبکی سے گذرتے ہیں

تری آنکھوں کے آگے فق ہے رنگت سبزہ رنگوں کی
یہی سفاک آہو سبزۂ فردوس چرتے ہیں

ترے گیسو بھی نیرنگِ جہانِ بے بقا نکلے
سنورتے ہیں بگڑتے ہیں بگڑتے ہیں سنورتے ہیں

ترے طرزِ تغافل سے میں کیوں طرزِ وفا چھوڑوں
بہت عاشق ہوا ہوں میں بہت معشوق بنتے ہیں

تماشا ہے امید و بیم کا یہ گو مگو اُن کی
نہ ہے اقرارِ وصل اُنکو نہ وہ انکار کرتے ہیں

ازل ہی جو کہا اُس پر رہیں گے تا ابد قائم
ترے عاشق کہیں عہدِ وفا کر کے مکرتے ہیں

مایوس ہوں اثر سے تو فریاد کیا کروں
شیریں کا رنج ماتمِ فرہاد کیا کروں

غم کا یہ ہے ہجوم کہ ہے تلخ زندگی
وہ سنتے ہی نہیں دلِ ناشاد کیا کروں

حیرت سے شش جہت نگراں خموش ہوں
ہر دم جو سامنے ہو اُسے یاد کیا کروں

نہ پہنچے کیوں ترے قدموں سے تا سرِ دامن
مرا غبار مری آہِ نارسا تو نہیں

نگاہِ بیخودیٔ شوق بھی تماشا ہے
حجابِ چشم و دل اندازِ ماسوا تو نہیں

عبث ہے وسعت درازیٔ کفن سے دستِ جنوں
لباسِ مردہ ہے یہ زندگی قبا تو نہیں

نمودِ عشق ہے بیگانگی کے پردے میں
وہ مجھ سے اور میں اُس شوخ سے جدا تو نہیں

ہو گیا غرق مرے گریہ سے بن پانی میں
تیرتے پھرتے ہیں مچھلی سے ہرن پانی میں

شدتِ گریہ میں وہ کیا مری فریاد سنیں
قابلِ فہم نہیں صوت و سخن پانی میں

خستہ ہے کشمکشِ دہر سے ہر ایک وجود
موج کے نام سے پڑتے ہیں شکن پانی میں

ہو گیا خاک مگر جوشِ صفائے دل سے
صورتِ آئینہ ہوں میں ہمہ تن پانی میں

عرقِ شرم سے تر ہیں گلِ عارض اُنکے
جلوہ گر آب چمن میں ہے چمن پانی میں

نہیں گلشن نہ سہی زخمِ جگر دیکھتے ہیں
ہم خزاں میں بھی بہارِ گلِ تر دیکھتے ہیں

پھولے نہ سمائیں جہاں یار وہ تابِ گل ہیں
انکو ہر رنگ میں اربابِ نظر دیکھتے ہیں

استعمال بزم ہیں مجھ سے ملے مگر داری کا
دلِ بیتاب سنبل جا وہ اِدھر دیکھتے ہیں

ہوش پہ بیری وہ حسرت ہیں شکلِ تصویر
بسلئے کچھ نہیں حیرت سے مگر دیکھتے ہیں

بس اسی پر ہے مدارِ انجمن
شمعِ کشتہ یادگارِ انجمن

شکلِ گل آنکھوں نے پائی تازگی
تیرا جلوہ ہے بہارِ انجمن

یار مہماں شوق وارماں میزباں
اور دل ہے پردہ دارِ انجمن

ولے حسرت دل میں نقشہ رہگیا
مٹ گئے نقش و نگارِ انجمن

بزم سے جانا ہے شکل برہمی
اُسکا آنا ہے قرارِ انجمن

تم مضطرب ایسے ہوئے جاتے ہو کہوں کیا
آئی ہے عدو کی خبر ایسی کہ نہ پوچھو

یوں تم نہ کبھی لطفِ نوازش سے محروم رہیں
اسقدر رنجو دئی شوق نہ کر تم مجکو

جوشِ وحشت سے رہا میں تمھارے گلمیں
کیا گلہ تمسے اگر بھول گئے تم مجکو

کھینچو نہ مرے سینے سے یوں تیر کو دیکھو
بیدل نہ کرو بسملِ دلگیر کو دیکھو!

ہاں ذبح کرو شوق سے گھبراؤ نہ اتنا
زانو پہ نہ رکھو سرِ نخچیر کو دیکھو!

بدگمانی یار کے حق میں دلِ مہجور حیف
وہ خدا نا کردہ کیوں اغیار کی محفل میں ہو

کیا اِس سے غزوں خوبیِ جنت کا گماں ہو
یا باغ ہو، یا میکدہ یا کوئے بتاں ہو

یہیں ملجاؤنگا میں خاک میں نقشِ قدم ہو کر
نچھوڑا ہے نچھوڑونگا تمہارے آستانے کو

یہ اربابِ طلب کیا بیخبر ہیں ذوقِ وحدت سے
معاذ اللہ بیگانہ سمجھتے ہیں یگانے کو

ادائے شوخ جب دل چھین کر آزردہ کرتی ہے
نگاہِ صلح جو اٹھتی ہے عاشق کے منانے کو

ڈوبتا ہے سفینۂ امید
ناخدا کون ہے خدا اسے کہو

آرزو ہے کہ اپنا کہہ لیجے
گو کسی لفظ نا روا سے کہو

تم سے کیا خوش ہو کوئی عرضِ تمنا کر کے
حسرتیں خاک میں ملجاتی ہیں انکار کے ساتھ

مٹا جو تیری بزم سے کے عدم گیا	مطلع مصرعہ	عاشق کو دیکھ ادھر چراغ سحر گیا

کیوں شوے بوالہوس یہ نگاہیں ہیں متصل
اسیری میں تباہی رونق کا شانہ ہو جائے
تغافل سازگار درد اہل شوق کیا ہوگا
فغاں کرتے ہوئے جا پہنچو اسکی بزم عشرت میں
کہو وہاں سے کوئی کیا مراد دل پائے
چلے ہیں عرض وفا کو ہم اور سے کہتے ہیں
زکی ہم اپنے داغ دیں کسیکو کیوں دیتے
رہائی میں مجھے بیجا نہیں حسرت اسیری کی
ثبات وضع پر اہل وفا بھی مرتے ہیں
نپوچھو مجمع اعدا میں کون ہے جانباز
تمہارا ذکر نہ ہو روئداد شوق نہ ہو
جنون عشق بھی ہے علم حکمت ورنہ کیا معنی
نفس نفس ہے نسیم وفا محرک شوق
چاک داماں کیجئے ٹکڑے گریباں کیجئے
انکا ہر شیوہ زبس ہوش ربا ہوتا ہے
چشم ظاہر میں تو دل آبلہ سا ہوتا ہے
قتل ہو کر بھی تو رہتے ہیں پریشاں عشاق
دم گھٹا جاتا ہے کب تک سہے کوئی یہ عذاب
کیا محبت ہے اس بخت کو کیا کہتے ہیں یارب
تیر نگہ یار کی ادھر سے شوخی

ہوتا ہوں میں نثار ذرا آکر دیکھو تو کہہ
قفس ہی نالوں سے جلکر چراغ خانہ ہو جائے
ادا سے وہ فریب ایسا کہ دل نہ دیوانہ ہو جائے
کبھی تو لے زکی یہ شوخی رندانہ ہو جائے
جہاں زباں نہ ہلے عرض مدعا کے لیئے
گرہ میں ایک دل اس کا کل دوتا کے لیئے
بتوں نے حسن کے جلوے دکھا دکھا کے لیئے
سمجھ لیتے اگر اپنا تو وہ آزاد کیوں کرتے
نیاز عشق رہے جاں کا زیاں ہو جائے
ہمیں نہ کھینچ لو خنجر کہ امتحاں ہو جائے
تو یہ ہی کیوں نہ کہو کوئی بے زباں ہو جائے
جو دیوانہ ترا ہو جائے وہ فرزانہ ہو جائے
یہ وہ مزا ہے جسے ذوق جاوداں کہئے
کچھ تو آخر چارۂ طبع پریشاں چاہیئے
ناز بیجا بھی حسینوں کا بجا ہوتا ہے
جزو کل راز جہاں اس میں چھپا ہوتا ہے
سر جھکا، ہاتھ بندھا، پاؤں تھما ہوتا ہے
جل بھی چک لے دل نہ پر سوز ہوا ہوتا
نالہ بھی ہے لب پہ لے ہے محروم اثر سے
بیٹھا ہی تھا دل میں کہ ہوا پار جگر سے

ہر جلوہ حسن کی ہے داغِ جگر مہر — گر محبت بھی عطائے سندی ہے

نے فائدہ کیا ضبط آہ سے — شمع کی طرح برستی ہے حسرت نگاہ سے

جو دل میں تھا وہی منصور نے کہا — گویا یہ بازگشت صدا کی ہے چاہ سے

دل گیا جو خاک میں افسوس کیا کریں — ہم اور ڈھونڈھیے تری جلوہ گاہ سے

محشر میں جاؤں کیا کہ بتایا نہ جائیگا — قاتل کا نام پوچھتے ہیں دادخواہ سے

از روئے فطرت ایک ہیں فانی و منعم — دل داغ سے الگ نہ جدا دم ہے آہ سے

وہی تھی حیرت تو ہمیں آئینہ پیدا کرتے — کہ انہیں دیکھتے ہم وہ ہمیں دیکھا کرتے

یہ کیا ننگ ہے اپنا کہتے ہیں محبت میں — وہ اظہارِ وفا کیا جس میں شکوہ یار کا نکلے

دل ہے آ پیرا نہیں توڑ کے کیا یاد رہے — یہ تو شیشہ بھی نہیں ہے کہ صدا یاد رہے

باغ میں بلبل نے پھر تنکے لیے — خانماں برباد کے دن کے لیے

یار سے ہوتا ہے دوری میں بھی وصل — قرب ہے یہ اہلِ باطن کے لیے

بت وہ کافر ہیں کہ انکا جلوہ ہے — نورِ ایماں قلب مومن کے لیے

کہا سچ ہے سرِ مغرور پامال — تمہاری زلف قدموں پر پڑی ہے

وہ کیونکر آرام سے رہیگا جنا نہیں کیا خاک جی لگیگا — نظر میں جسکی سمائی ہوگی بہارِ نقش و نگارِ دہلی

آہو کی دل کھولکر کس دل گرفتہ سے کہ وہ — بندیوں کھوئے ہوئے پھرتے ہیں گھبرائے ہوئے

راضی رہے جورِ دوست پر بھی — عاشق نہ تھے ہم گویا ولی تھے

وصفِ دہن و کمر نہ پوچھو — صانع کے یہ نکتہ خفی تھے

صد شکر قتیل دوستی تھے — ورنہ ہم ننگِ زندگی تھے

حاصلِ عمر وہ دم ہے جس میں — دیکھ لیں صورتِ زیبا کوئی

اللہ رے نازِ حسن تری خود ستائیاں — جاں [illegible] تبسم مگر نہ لی

کاہشِ انتظار میں جینا! — ایک وعدے نے جانفزائی کی

تماشا عام ہوگا اور کیفِ بیخودی ارزاں — عجب کیا ہے قیامت [illegible]

ہم پہ کسی اور سے دل شاد کرینگے — جو کچھ نہ کیا تھا ستم ایجاد کرینگے
میں دل میں نہیں ہوں تو بھلاتے ہیں کسکو — ہے یاد مری جب تمہیں کیا یاد کرینگے
کر دیکھیں گے نالہ بھی وہ آئیں کہ نہ آئیں — تیر مطلع — تیر ابھی کہاں اے دل ناشاد کرینگے

جلنے کو شمع غیر کی محفل میں آگئی — اے خانماں خراب یہ کیا دل میں آگئی
شوخی کی خو جو قاتلِ سفاک تجھ میں تھی — بنکر وہی تپش وہی ترے بسمل میں آگئی
راہِ وفا کے کرب کو کیا جانے کوہکن — اسکو تو موت پہلی ہی منزل میں آگئی
محرومیوں نے ذوقِ تمنا مٹا دیا — جو آرزو تھی حسرتِ حاصل میں آگئی
خانہ خراب عشق کا اللہ رے جذبِ شوق — لیلیٰ بھی سیرِ دشت کو محمل میں آگئی
جاتے ہو خوار ہونیکو پھر اسکے کوچے میں — بیٹھے بٹھائے کیا یہ زکی دل میں آگئی

مرا نام و نشاں قائم ترے نام و نشاں تک ہے — وہ عمر جاوداں ہے تو یہ عمر جاوداں تک ہے
ہمیشہ سے نظر افروزِ عرش و لامکاں تک ہے — خدا جانے کہ اسکا جلوہ کب سے ہے کہاں تک ہے
بہار باغ ہستی وقفہ ہے رنگ تغیر کا — شب آرایشِ بزم چمن صبح خزاں تک ہے
ٹھہرنا کیسا محمل کا؟ کہاں دیدار لیلیٰ کا — یہ سب سودائے مجنوں التفاتِ ساربان تک ہے
پہنچنے کے نہیں آثار گم ہے جادۂ منزل — اسیر دامِ حیرانی غبارِ کارواں تک ہے
خموشی میری ہمدم ہے کہا کسنے سنا کسنے — ترا رازِ محبت بدگماں میری زباں تک ہے
ہماری آرزوؤں کا انکی جب کچھ نہیں پایاں — تو کیا پوچھیں کہ حد اسکے تغافل کی کہاں تک ہے

دلکش انداز خموشی اور ادا تقریر کی — واہ کیا بات آپکی اور آپ کی تصویر کی
ذوقِ قاتل سے بڑھا شوقِ شہیدانِ وفا — مرحبا میں گم ہوئی یارب صدا تکبیر کی
آفرینش اسکی دمسازِ شکستِ رنگ تھی — بنتے بنتے اڑ گئی رنگت مری تصویر کی
وصل دشمن کیوں نہ ہو ہوکر رہے گا جو کہا — اسکی ضد تحریر ہے گویا مری تقدیر کی

دشمن [illegible] بسمل ہوا قطع حیات
آنکھ دستے عمل میں بُرش تھی تری شمشیر کی

بانکے معشوقوں سے [illegible] حسن سلوک
اِنکو آمرزش کی عادت ہمکو خو تقصیر کی

حسن یوسف کو کیا شوقِ زلیخا نے عزیز
خواب سے وقعت زیادہ ہو گئی تعبیر کی

جبکہ دیکھا ہمنے طرز نقش اُس کا کرلیا
بے نیازی سے اُسے حاجت نہیں تسخیر کی

زکی - مولوی سید زکی حسین صاحب ملازم محکمۂ کلکٹری ضلع رائے بریلی - صاف شستہ عاشقانہ شعر کہتے ہیں، بندش اور نشست الفاظ بھی درست ہے اِس فن سے خاصہ لگاؤ معلوم ہوتا ہے حالات باوجود تجسس دستیاب نہو سکے - چند غزلوں کا انتخاب درج کیا جاتا ہے -

شکوہ کریں ہم کسکا کہ خود والنس ہمارا
صیاد کے پنجے سے نکلنے نہیں دیتا

صیاد ذکرِ باغ نہ آئے زبان پر
بن جائیگی قفس میں اسیروں کی جان پر

رخصت ہوئی بہار کے ہمراہ دختِ رز
خاک اُڑ رہی ہے پیرِ مغان کی دکان پر

جھانک کر دیکھ تو مجنوں نہ کہیں ہو لیلی
دوڑتا آتا ہے کوئی پسِ محمل خاموش

شوق سے کیجئے باتیں میں کہیں جاتا ہوں
کیوں رہے میرے سبب آپکی محفل خاموش

مدتِ قیدِ نہ کم ہوگی تمہارے غل سے
بس خدا کے لیئے اے طوق و سلاسل خاموش

جشن کرلو شمود نیا میں چاہو جسقدر
قبر میں پھر یہ سرو یا عیش کی محفل کہاں

شبِ فرقت میں بھلا نیند کا آنا کیسا؟
موت ہی بن کے اب آئیگی اگر آئی بھی

صحبتیں جن سے تھیں دن رات کی یکجائی بھی
اب وہ کہتے نہیں اقرارِ شناسائی بھی

زاہد بھی مرے ساتھ ہوا حشر میں رسوا
وہ آگ لگائی مرے دامن کی تری نے

گلشن میں بہار آئی ہے پرواہ ہے قسمت
رکھا ہے قفس میں ہمیں بے بال و پری نے

بے وجہ نہیں گل ہیں عنادل سے مکدر
کچھ کان میں پھونکا ہے نسیمِ سحری نے

بجھوادی سرِ قبر مری آکے کسی نے
گر شمع جلائی بھی ترس کھا کے کسی نے

جا پہنچے گئے سیکڑوں ہی قافلے لیکن
دی ملکِ عدم کی نہ خبر آکے کسی نے

منظور جو اس پردے میں تھا میرا جلانا
بھڑکا لیا ہے شعلۂ حسرت کو کسی کی

اتنا جو سنا بوسۂ لب اسکی ہے قیمت
دل پھینکدیا ہاتھ سے بیتابی نے کسی کی

کیا حال ہے جیتے ہو کہ مرتے ہو زکی تم
اتنا بھی تو پوچھا نہ کبھی آکے کسی نے

زکی - جناب میرن صاحب زکی، میرزا سلیمان قدر مرحوم کے مشاعرہ ۱۳۱۲ھ کی ایک غزل کا انتخاب درج ذیل ہے -

کبھی ہوگی کسیکی آرزوئے دل کہیں نکلی
نہ اپنی ایک بھی حسرت تہ چرخ بریں نکلی

نہ مُردے کو بھی تیرے دور میں دو گز زمیں نکلی
ابھی حسرت تری لے چرخ نکلی یا نہیں نکلی

وہ آئے دیکھنے کو جبکہ اپنا دم نکلتا تھا
ہماری حسرت دیدار وقت واپسیں نکلی

زکی - منشی عبدالغفور خان متوطن گیا مئی ملازم لشکر نہایت معمولی شاعر ہیں مگر یوں شاعر کہلاتے ہیں

خلق میں ایک ہوا ایک سے بڑھ کر پیدا
نہوا پر مرے محبوب کا ہمسر پیدا

عشاق سینکڑوں ہیں جہاں میں مگر زکی
عاشق مزاج مثل کہاں مجھ سا سر پھرا

بوسے کے بدلے ہمنے بہت کھائیں گالیاں
ادنیٰ سی بات پر ہوئی تکرار بے سبب

اِک نگاہِ کرم ادھر کیجے
میں ہوں دم بھر کا میہماں افسوس

زندہ - منشی محمد یحییٰ ساکن گلاؤٹھی ضلع بلند شہر تلمذ کا حال معلوم نہ ہوا یہ چند شعر انکے ہیں

ظلم حدِ ظلم سے بھی بڑھ گیا
اب تو انکو رحم کھانا چاہیے

فصلِ گل ہے اور گھٹا چھائی ہوئی
آج کل پینا پلانا چاہیے

یوں کیا زندہ کو زندہ دیکھکر
خاک میں انکو ملانا چاہیے

زندہ - منشی زین الدین اورنگ آبادی تلمیذ حضرت ثاقب بدایونی چند شعر حاضر ہیں

کہاں میں اور کہاں ہنگامۂ روزِ جزا لیکن
محبت ان بتوں کی کھینچکر پیش خدا لائی

رہیگا ایک بھی تختہ نہ ثابت اپنے مدفن کا
ہماری بیقراری رنگ گر بعدِ فنا لائی

اٹھا خنجر، لگا اک ہاتھ کر دے فیصلہ قاتل
کہ ہے مرمر کے جینے میں مصیبت مبتلا ئی

زکا — جناب سید ... حسین صاحب الہ آبادی تلمیذ جناب ظہیر دہلوی۔ پہلے جیبی میں ملازم تھے ... خانہ حیدرآباد دکن میں ہی رہتے ہیں۔ کلام کا نمونہ حسب ذیل ہے۔

ہماری آنکھوں میں رہکو ہمیں سے پردہ ہے — رقیب سامنے آئے تو کچھ حجاب نہیں

سوال بوسۂ لب پہ وہ ہنس کے کہتے ہیں — یہ وہ سوال ہے جسکا کوئی جواب نہیں

گرے جو طور پہ موسیٰ تو طور خاک ہوا — سنبھال برقِ تجلی کہ مجھ میں تاب نہیں

انہیں سے لونگا فصاحت کی داد ملے نہ زکا — جو کہہ رہے ہیں کہ میری زبان ہے اُردو

کل تو یہ مشہور تھا مہندی لگی ہے پاؤں میں — آج سنتا ہوں انہیں میرا لہو درکار ہے

زور — منشی میر تراب علی زور صیغہ دار دفتر خزانہ حیدرآباد۔ حضرت جلال لکھنوی سے تلمذ تھا۔ زبان فصیح اور طرز بیان شگفتہ ہے۔ غزلیات بہم رسیدہ کا انتخاب درج ذیل ہے

زلفوں کے اُلجھنے سے پریشان بہت ہیں — آئینہ جو چوری گیا حیران بہت ہیں

گردن سے ملا بوجھ سبکدوش ہوا میں — جانباز کے سر پر ترے احسان بہت ہیں

نہیں جچتے رات اپنے گھر میں تم نظریں چراتے ہو — ہمارے چور اندر دیدۂ روشن کے بیٹھے ہیں

حیا و شرم کا پردہ اُٹھا کر دیکھ تو ظالم — وہ باندھے ٹکٹکی کب سے تری چتوں کے بیٹھے ہیں

شبِ وصال نے آنکھوں میں کھینچ لی تصویر — کسی کے ناز سے دامن اُٹھا کے آنے کی

گئی نہ یاد شہیدانِ ناز کی دل سے — وہ قتل کو ترے دامن اُٹھا کے آنے کی

لگی ہیں خاک نشینوں کی آنکھیں سوئے فلک — خبر ہے بام پہ اس مہ لقا کے آنے کی

لا زبانِ جناب جلال تک اسے زور — کمال دل میں تمنا ہے جا کے آنے کی

ہے مجکو شب و روز عبث یاد کسیکی — پرواہ بھی ہے اسکو دلِ ناشاد کسیکی

وہ بام پہ فرماتے ہیں نالہ ہے اسے سنکر — لو عرش پہ آنے لگی فریاد کسیکی

زہیر — مولوی آغا حسین صاحب کو ماٹکپوری شاگرد مشتاق لکھنوی۔ علمی استعداد خاصی ہے اور مشق بھی بُری نہیں ہے۔ چند شعر انکے نتائج افکار سے درج کیے جاتے ہیں۔

عاشق نہیں اُسکو ایمان ہو گئی شاہی نصیب
فصل وہ برسات کی وہ بادہ نوشی کی بہار
ہے سراسیمہ تلاشِ یوسفِ گم گشتہ میں

جسکو دم بھر مل گیا سلسلہ تری صیاد کا
گھر کے وہ آنا چمن پر لپکے صیاد کا
لو زلیخا کو نیا سودا ہوا بازار کا

کیا تھا پرزے پرزے اسنے جو دامن گریباں کا
جنوں کے جوش میں مینے نظر کی جب سوئے گردوں
آجکل مہماں مرا وہ حور وش جانانہ ہے
اس طرح آیا ہے زاہد محفلِ رنداں میں آج
بلبلیں عاشق ہیں اس گل پر تو گلچیں ہے نثار
خوانِ بخشش پر ترے موعود ہیں جن و بشر

پڑا لپکا اسی سے ہاتھ کو چاک گریباں کا
تو مجکو کہکشاں پر شک ہوا چاک گریباں کا
غیرتِ فردوس رونق میں مرا کاشانہ ہے
شیشۂ مے ہے بغل میں ہاتھ میں پیمانہ ہے
غیر اس گلزار میں اک سبزۂ بیگانہ ہے
یہاں سبھی مہمان ہیں اک تو ہی صاحبخانہ ہے

زہیر — قاضی عبدالحق صاحب بریلی کے اک خوش فکر سخن گو ہیں حالات کے لیئے بار بار لکھا مگر دستیاب نہو سکے کچھ کلام ملا اُس کا انتخاب درج کیا جاتا ہے۔

آپ بن ٹھن کے جو پھر گھر سے چلے ہیں باہر
آپنے دوست جو دشمن کو سمجھ رکھا ہے
میں کسی اور سے اور آپ کا شکوہ کرتا
کھائے جا رنج زہیر اور پیئے جا آنسو
عنایت تو ہمیشہ ہی زیادہ اُسپہ ہوتی تھی
ہماری آنکھ سے باندھا تو ہی ہر اُسنے لیکن
ہماری یاد بھی اے ہمنشیں اُنکو دلا دینا

آج کیا حشر بپا کرنے کی پھر ٹھانی ہے
مہرباں یہ بھی تو اک آپ کی نادانی ہے
بندہ پرور یہ فقط غیر کی لسانی ہے
تیری قسمت کا یہی دانہ یہی پانی ہے
جفا بھی آج اُسنے میرے اوپر غیر سے کم کی
دھوئیں اُڑ جائینگے جسوقت بجلی آہ کی چمکی
اگر مہلت ملی غیروں کی باتوں سے کوئی دم کی

زہیر — سید قلندر پیران مدرس مدرسۂ چنیاپٹن علاقہ ریاست میسور میسور جیسے دور اُفتادہ مقام پر کسی کا اُردو شعر گوئی کیطرف ملتفت ہونا بھی بڑی بات ہے۔ چند غزلیں نظر سے گزریں جو کثرت سے زبان کی غلطیوں سے مملو تھیں صرف یہ چند شعر قابل درج ہیں

شعلے بھڑک رہے ہیں مرے جسم زار میں
آتش لگی ہوئی ہے دلِ بیقرار میں

چہرہ نظر جو آیا کبھی زلفِ یار میں
بجلی تڑپ کے رہ گئی ابر بہار میں

اے باغ دل کو سیر چمن کی ہوس نہیں
وہ پھول ہیں کھلے جگر داغدار میں

وہ شمع رو جو قبر پہ آنسو بہا گیا
لاکھوں چراغ ہو گئے روشن مزار میں

زیب

زیب - مرزا جمال الدین عرف میرزا کلن زیب، اولادِ امجاد عالمگیر ثانی۔ شاگرد ذوق مرحوم۔ دارِ فانی سے رحلت کئے عرصہ ہوا۔ چند شعر یادگار ہیں۔

لہو میں بھر کے جو دامن کو اپنے یار آیا
یقین ہے آج کسی بیگنہ کو مار آیا

بعد اک عمر لگی آنکھ ذرا سونے دے
نکر اے شورِ قیامت ابھی بیدار مجھے

زندگی دیکھئے سو ہاتھ سے دے کیونکر
لے کے آتے ہیں نظر اور ہی تلوار مجھے

زیب

زیب - عالیجناب راجہ چھنولال بہادر زیب مرحوم حیدر آباد کے نامی امیر راجہ راجان راجہ شیوراج بہادر کے اعزائے قریبہ میں سے تھے اور خود بھی عرصے تک دفتر بخشی گری دکن میں سر رشتہ دار رہے کچھ دنوں نواب اقتدار جنگ بہادر اور نواب نصرت جنگ بہادر کی سرکار میں مختار بھی رہے تھے، فنِ سخن کے دلدادہ اور سخنوروں کے بڑے قدردان تھے۔ آپکا دیوان رائے سوامی پرشاد نے چھپوادیا ہے اِس کا انتخاب حیطۂ تحریر میں آیا۔ کوئی خاص بات قابلِ ذکر انکے کلام میں نہیں +

کیا حلاوت اٹھائی شیریں نے
عشق میں کوہکن نے کیا دیکھا

رہا زیب تا صبح اختر شمار
سرِ شام ٹھیرا تھا آنا ترا

خستہ و آشفتہ و آوارہ و رسوا کیا
حضرتِ عشق آپنے جو کچھ کیا اچھا کیا

گھر کیا کرتے تھے ہر اک دل میں تصویر بتاں
آئینہ نے اب تمہارے دل میں گھر پیدا کیا

تیغ کے ہیں جگر پہ وار بہت
تیر دل کے ہوئے ہیں پار بہت

دیدہ و دل کی آبیاری سے
نخلِ غم اپنے لایا بار بہت

کم ملے گا مگر کوئی مجھ سا　　گرچہ تم کو ملیں گے یار بہت
حُسن پر اپنے خود ہوئے مفتوں　　آئینہ سے ہو تم دوچار بہت
کیا کروں تدبیر اب ملے ہمنشیں　　یار روٹھا ہے مناؤں کس طرح
بندۂ محبت بنا دیا ہمکو　　ہے نرالی تری خدائی عشق
تیرے دامن سے آلگا ہے غریب　　زیب کی کرنہ جگ ہنسائی عشق
نوکِ مژگاں پہ تُل رہے ہیں اشک　　اب ہے انکا سنبھالنا مشکل
اپنے بخت زبوں کو کیا کیجے　　شک نہیں انکی مہربانی میں
زلفِ پرخم پہ دل و جاں سے فدا ہونا ہوا　　جانکر آپ گرفتار بلا ہوتا ہوں

زیبا

زیبا۔ مرزا بندہ علیخاں زیبا لکھنوی۔ نواب اشرف الدولہ شریف الملک نواب رضوان علیخان کے پوتے اور نواب ذارش علیخاں کے بیٹے تھے خان علامہ نواب تفضل حسین خان اجداد میں تھے سنہ ۱۸۴۱ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور صغرسنی میں ہی کربلا و نجف کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ ابھی تحصیل علمی کی تکمیل نہوئی تھی کہ انقلاب سلطنت اودھ ہوگیا اور دجمعی اطمینان کا سلسلہ منقطع۔ پھر بھی اپنے دلی شوق سے عربی۔ فارسی اور رمل وغیرہ میں خاصی استعداد فراہم کرلی اور خواجہ آتش کے شاگرد نواب محمد حسن خان شیدا سے فن سخن میں بہرہ ور ہوئے نہایت شریف اور خلیق صاف دل پاک طینت انسان تھے کبر و غرور ظلم کو نتھا مشاعروں میں اکثر ہم طرح غزلیں پڑھا کرتے تھے عیوبِ شاعری سے انکا کلام پاک ہے۔ فکرِ معاش سے بدرجۂ اوسط فارغ البال تھے پچاس برس سے کچھ زیادہ عمر پاکر سنہ ۱۸۹۲ء میں انتقال کیا۔ حضرت جلال نے تاریخ وفات لکھی ؎ زیبا شد زیب بہشت برین۔ زبان صاف شستہ، بندشِ الفاظ و طرز بیان دلکش و پسندیدہ، اپنے ہمعصر شعرا میں وقعت و اعزاز کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔ سید عاشق حسین عاشق اُنکے شاگرد نے دیوان موسوم بہ "مرقع زیبا" مرتب کرکے چھپوا دیا ہے

جب تک اُسنے زلف میں شانہ کیا　　آئینہ حیرت سے مُنہ دیکھا کیے

مر گئے ہم عشق کا آزار اچھا ہو گیا
ہائے ابرو سے تمہاری کم نہ تھا قاتل کوئی
نزاکت سے اک جبین گوری کے ملا
جب مے لینے کہتا ہوں اچھا کیا تھا مجھے
مایہ حال ایمان طوق دیدہ بوسۂ لب میں
کسے کہیں دیکھا تو نہیں اے نگہ ناز
جسکو نیاز تم سے ہوا بے نیاز تھا
انداز سینہ آستے جو آتا نہ دل مرا
آپ کا بیمار الفت ہو گیا وقف قضا
تسکین کیسی اور وہ بے تاب کر گئے
آج کسے پھر مراد میان اور دل ناشاد آیا
طفل کب ہے یہی ہنگام ولادت رونا
بیمار محبت کو سنبھلتے نہیں دیکھا
عمر سے ہیں ترے بس میں مرے فرق ہی تنہا
کس ناز سے چلتے ہو لبھاتے ہوئے دلکو
سکھے دیتی ہے چال اٹکھیلیوں کی
ہوئے ہونگے برہم ضرور آئینہ سے
وہ دن لائے خالق میں اسد کے قربان
امید وصل پر انکے ستم کیا کیا اٹھائے ہیں
بہت ملتے در اِن ترچھی نظر والوں سے اے زیبا
ہجر میں لاکے خیال رخ جاناں دل ہیں

بچے آج آپ کا بیمار اچھا ہو گیا
جسم نیلا ہو گیا سب آسمانِ پیر کا
کفن چاہیے مجکو آب رواں کا
تو جس کے کہتے ہیں جو کچھ کیا خدا نے کیا
کبھی آنکھوں میں دم آیا کبھی منہ کو جگر آیا
تدرتے سے ہمارا دل مضطر نہیں ملتا
جسنے جھکایا پاؤں پہ سر سرفراز تھا
کسدن ادا یہ آپ میں تھی کب یہ ناز تھا
لے مسیحا بس یہی اپنی ادا پر ناز تھا
مجھ کو دلاسے دیکے بنجانے تو خوب تھا
لے مبارک ہو کوئی اور ستم یاد آیا
ہائے میں کیوں طرفِ عالمِ ایجاد آیا
بے جان لیے موت کو ٹلتے نہیں دیکھا
چلجاتا ہے وہ اور استے چلنے نہیں دیکھا
اِس طرح تو جادو کو بھی چلتے نہیں دیکھا
لیئے جاتا ہے دل وہ دلبر کسی کا
نہ توڑا مگر دل سمجھکر کسی کا
مرا حلق ہو اور خنجر کسی کا
مقدر آزمائی ہے محبت آزمائی میں
کہیں یہ راست بازی مل نجائے کج ادائی میں
شامِ غم کو شب وصلت کی سحر کرتے ہیں

اپنی خاموشی نے کھلوائیں زبانیں خلق کی ۔۔۔ میرے چپ رہنے کے چرچے جا بجا ہونے لگے

آپ سے دل پھیر لینگے ہم سمجھیے تو ذرا ۔۔۔ دل لگی میں آپ تو صاحب خفا ہونے لگے

بھی غیرت تمھیں آتی نہیں ای رشک مسیح ۔۔۔ جاں بلب عاشق صادق ہو تمھارے ہوتے

ہوں وہ بے جرم اگر قتل کروگے مجکو ۔۔۔ تیغ بھی دیکھ کے رہجائیگی صورت میری

دم وصل صنم فرط خوشی سے دم نکلتا ہے ۔۔۔ زمانے میں کسیکا یوں بھی ارماں کم نکلتا ہے

مسرت سے کبھی ہوتا ہے تو بھی آپ سے باہر ۔۔۔ کبھی تیرا بھی ارمان اے دل پر غم نکلتا ہے

کوئے جاناں سے کیا جب قصد جانیکے لیئے ۔۔۔ ہوک اک اٹھی کلیجے میں بٹھانے کے لیئے

منکر رحمت سزاوار سقر ہے زاہد ! ۔۔۔ ہم نجائیں گے تو پھر باغ جناں کس کے لیئے

ہم تو اے سفاک کشتہ ابرو و مژگاں کے ہیں ۔۔۔ تیغ کسکے واسطے ہے اور سناں کس کے لیئے

جو تیر ناز کسی کا کبھی ادہر کو چلے ۔۔۔ یہ آرزو ہے کہ لیتا ہوا جگر کو چلے

تھا کوئی نہ پس دفن فاتحہ پڑھ کے ۔۔۔ اکیلا چھوڑ کے سب اپنے اپنے گھر کو چلے

کسی کے دلمیں نہ پائی جگہ جو نالوں نے ۔۔۔ تو آسماں کیطرف ڈھونڈنے اثر کو چلے

کھینچیے انصاف سے مرجانے کی جا ہو کہ نہیں ۔۔۔ قتل کا حکم ہوا اوروں کو ہمارے آگے

عشق جاناں سے ہے قدر آپکی اے حضرت دل ۔۔۔ جان سے بڑھ کے کبھی آپ نہ پیارے ہوتے

چشم مخمور کسیکی مجھے یاد آتی ہے ۔۔۔ خود بخود آنکھ مری بند ہوئی جاتی ہے

شب وعدہ یہ رہا کرتی ہیں باتیں دل سے ۔۔۔ دیکھیں یار آتا ہے پہلے کہ قضا آتی ہے

غیر کے ہاتھ نہ بھیجیں طلب دل کا پیام ۔۔۔ مجھ سے خود کہتے ہوئے کیا انھیں شرم آتی ہے

کشش مرگ کی اچھی یہ زبردستی ہے ۔۔۔ کوئے قاتل ہیں مجھے کھینچے لیئے جاتی ہے

کیا جو عہد وفا اُن سے زندگی بھر کا ۔۔۔ تو ہنسکے بولے اگر زندگی وفا نکرے

وہ مجھ کو دیکھکے ترچھی نگہ سے کہتے ہیں ۔۔۔ یہ تیر وہ ہے نشانہ پہ جو خطا نہ کرے

دل سے اس نرگس فتاں کے اشارے ہیں یہی ۔۔۔ جو ہماری طرف آئے وہ سمجھ کر آئے

بے وصل کے بوسے کا تقاضا نہیں کرتے
ہم بات کوئی آپ سے بیجا نہیں کرتے

زیبا منشی محمد قاسم زیبا دہلوی دبستان گو خلف میر کاظم علی دبستان گو تلمیذ آسغ دہلوی ۲۸-۲۹ برس کی عمر اور حیدر آباد میں سکونت پذیر ہیں - چند شعر ملاحظہ ہوں -

پاؤں پر پیر حرم کے بسمل نے جب سر رکھ دیا
جلیے قسمت ہاتھ سے قاتل نے خنجر رکھ دیا

ڈھنگ سیکھا برق سے آہِ دلِ ناشاد کا
رنگ اڑا یا شورِ محشر نے مری فریاد کا

اشک گو لختِ جگر نورِ بصر ہیں لیکن
بری اولاد کو نظروں سے گرا دیتے ہیں

ہے نمک پاش مرے زخموں پہ اور کہتا ہے
آج الفت کا مزا تجکو چکھا دیتے ہیں

کریں ہم اس خلش کا درد کا کس سے گلہ یارب
کہ اپنا دل ہی جب پہلو میں کانٹا سا کھٹکتا ہو

بہت بیباک ہیں سفاک ہیں انکو نہ پروا ہو
کسی کی جان جائے یا کسی کا دم نکلتا ہو

اللہ رے پردہ کہ مری نعش پہ بیٹھے ہے
رونے کو بھی وہ تئے تو منہ ڈھانپ کر آئے

زیبا منشی عبدالمجید خان زیبا انکے والد سوہاؤلی ضلع بندیل کھنڈ میں وکیل تھے وہیں نومبر ۱۸۸۱ء میں یہ پیدا ہوئے - ۱۹۰۰ء میں علیگڈھ کالج سے بی - اے کا امتحان پاس کیا - کوٹ فتح پور ہسوہ کے رہنے والے ہیں - غضب کے ذہین ہیں آجکل سشن جج رائے بریلی کی عدالت میں سررشتہ دار ہیں - احسن مارہروی کی صلاح سے چند غزلیں مضطر خیر آبادی کو دکھائیں پھر حضرت شوق لکھنوی اور آخر میں حضرت شبیر مچھلی شہری سے تلمذ اختیار کیا بڑے پر گو اور موزوں طبع ہیں عرصہ ہوا کچھ کلام بھیجا تھا اُس کا انتخاب درج ذیل ہے -

خمیدار اسکے ہو نگے تیرے عاشق بیچکر دل کو
گراں ہر گز تری اُلفت کا سودا ہو نہیں سکتا

ابھی دیکھو ابھی دیکھا کہاں ہے
نتیجہ دشمنوں کی دوستی کا

خیالِ یار پر سو بار صدقے
کہ یہ ساتھی ہے میری بیکسی کا

سب کچھ ملا جو بوسۂ رخسار ملگیا
دنیا ملی جو وصل کا اقرار ہوگیا

وہ بوسہ مانگنے پہ مجھے دیتے ہیں سزا
فرماتے ہیں کہ جرم کا اقرار ہوگیا

گھٹ گئی ہے اسقدر تاب و توانِ اہلِ درد　　ساتھ ہی منہ کے نکل جاتی ہے جانِ اہلِ درد

لب جاں بخش سے کیوں کوستے ہو　　جئیں مر مر کے ہم آخر کہاں تک

نہ کچھ مسیح سے مطلب نہ کچھ طبیب سے کام　　مرض تمہیں کو تمہیں کو دوا سمجھتے ہیں

جاؤں گلی سے اُٹھ کے تمہاری میں کس لیے　　جنت میں کیا دھرا ہے وہاں جب تمہیں نہیں

شکوۂ ظلم نہیں جور کہ بیداد کریں　　اپنے بھولے کو کسی طرح تو وہ یاد کریں

عشق میں دل گیا، ایمان گیا، جان گئی　　کسے روئیں کسے پیٹیں کسے ہم یاد کریں

ایفاءِ وعدہ تم نہ کرو اسکا غم نہیں　　جھوٹی قسم ہی میری تسلی کو کم نہیں

ایذائے کوئے یار ہر ایک کو کہاں نصیب　　زاہد! یہ عیش و راحتِ باغِ ارم نہیں

مجھ سے پردہ ہے تو کیوں پھرتے ہو نظروں میں مری　　مجھ سے نفرت ہے تو کیوں گھر ہے تمہارا دل میں

نہوا پر نہوا وصل کسی بُت کا نصیب　　ہائے افسوس رہی دل کی تمنا دل میں

اسقدر پاس تھا اُس پردہ نشین کا دل میں　　اپنی آنکھوں سے بھی پنہاں اُسے رکھا دل میں

بیخود ایسا بھی نہ ہوگا کوئی جیسا میں ہوں　　آج تک مجکو نہ معلوم ہوا کیا میں ہوں

چھیڑ دیکھو کہ مری نعش پہ آئے تو کہا　　بیمروت کہو اب کون ہے تم یا میں ہوں

ہائے بیمارِ محبت سے یہ کہنا اُن کا　　تجکو کیا خوفِ اجل تیرا مسیحا میں ہوں

دل سے میرے ہے لڑی اُنکی نگاہ　　دیکھیے دل کر یہ باہم کیا کریں

عشق کا امتحان لیتے ہیں　　اِس بہانے سے جان لیتے ہیں

رہروو تم سیر دیکھے جاؤ کچھ پوچھو نہ حال　　کیوں گرے قدموں پہ ہم وہ سر کو ٹھکراتے ہیں کیوں

جراحت ہائے پنہاں کی سُنے تب داستاں کوئی　　دہانِ زخم میں جب تیغ کی رکھدے زباں کوئی

حرم میں، دیر میں، مسجد میں، دلمیں، چشمِ عاشق میں　　کہاں رہتے ہو بتلاؤ تمہیں ڈھونڈے کہاں کوئی

سند تو عشق کی ہم جان دیکے پا چکے زیبا　　اُسے بھی پاس کر لیں اور اگر ہو امتحاں کوئی

زیبا۔ مولوی عبدالغنی ساکن بدایوں۔ صاف صاف عاشقانہ شعر خاصہ کہہ لیتے ہیں۔

[illegible] اپنے اُستاد حضرت مضطر خیرآبادی کے پاس لشکر گوالیار میں مقیم تھے۔

ہم اگر روز تصور میں نہ آیا کرتے	جینا پھر طالب دیدار کا مشکل ہوتا
دل جان بوجھ کر تمہیں دینے سے فائدہ	دانستہ کوئی جان سے بیزار ہو تو کیا
لاکھ الفت جتائیں ہم ان سے	وہ کہاں اعتبار کرتے ہیں
کوئی وعدہ وفا نہیں ہوتا	آپ وعدے ہزار کرتے ہیں
ہمیں کہو کہ گذر نامہ بر کا کیونکر ہو	تمہارے کوچے سے بچکر چیا نکلتی ہے
جلوہ ترا اے پردہ نشیں تو ہی بتا دے	آنکھوں میں نہیں ہے کہ مرے دل میں نہیں ہے
جز حسرت دیدار نہیں آنکھ میں کچھ بھی	جز خواہش وصل اور ہوس دل میں نہیں ہے
آئیے بے پردہ اُسکی لاش پر	مُنہ چھپانا کیا شہیدِ ناز سے
ظلم اپنے طالبِ دیدار پر!	شرم اپنے عاشقِ جانباز سے؟
دل کو میں لوں تو جگر کی لے خبر	کہتی ہے شوخی نگاہِ ناز سے
دل لیا زیبا کا تم نے جس طرح	جان بھی لیلو اسی انداز سے
بڑھے میکشی کیوں نہ برسات میں	گناہوں کا پردہ گھٹا ہو گئی
یہ کہکر منایا اُنھیں وصل میں	چلو ہو گئی۔ جو خطا ہو گئی
یہ نشانی ہے ترے تیرِ نظر کی ظالم	اِس لیئے درد کو سینے سے لگا رکھا ہے

ز زیبا۔ رائے اجودھیا پرشاد زیبا رئیس شاہجہانپور شاگرد جناب احسان مرحوم پرانے مشاق ہیں عمر پچاس پچپن کے قریب ہے، یہ چند شعر اُنکے ہیں۔

ترچھی نظریں بھی حسینوں کی غضب ہیں زیبا	چوٹ کھا کر کبھی دل کو نہ سنبھلتے دیکھا
زیبا نگہ چشم حقیقت سے جو دیکھا	بتخانوں میں قدرت کے تماشے نظر آئے
ہجر میں کیوں ہو قصہ خوانی غم	جسکو وہ نسبت تو کیا زمانہ سے چھٹنے
شکر ہے آج آبلے دل کے	روئے تلوار سے گلے ملکے

زیبا۔ مرزا عبدالرحمن بیگ تلمیذ حضرت فصیح الملک داغ دہلوی دکن کے باشندے ہیں۔ نمونۂ کلام یہ ہے

کیا کروں شکوہ بیوفائی کا | دوست وہ بت ہے اک ادائی کا
ہاتھ اوچھا لگایا کیسا قاتل | دیکھتا بھی تماشائی کا
خود تو ملتے نہیں یہ پھر کیسا | مجھ پہ الزام بیوفائی کا

زیبا۔ سید احمد زید بلگرامی خلف سید محمد حافظ مولد و منشا بلگرام اودھ آپکے دو دیوان غیر مطبوعہ ہیں اور فی الحال ریاست نظام میں کسی ضلع کے ناظم ہیں اُنکی بدو شعور کی چند غزلیات کا انتخاب درج تذکرہ کیا جاتا ہے جس سے موجودہ مشق سخن کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

جو کاکل و روئے یار دیکھا تو سنبل و لالہ زار دیکھا
عجیب لیل و نہار دیکھے قرین حلب کے تتار دیکھا

پھر سبہت و دیر میں حرم میں چمن چمن کو ہزار دیکھا
مگر جہاں میں ترا مقابل نہ ہمسر پروردگار دیکھا

خزاں جو آئی تو باغباں نے چمن میں پھر کر ہزار دیکھا
نہ تخم دیکھے نہ پھول دیکھا نہ برگ دیکھا نہ بار دیکھا

مثال طفلی چلی جوانی وہ آئی پیری ہوئے وہ فانی
یہ عمر کی ہے سبک روانی نہ ایسا یک تیز سوار دیکھا

شباب پیری میں یاد آیا تو دل نے کیا کیا مزے اُٹھائے
خدا کی قدرت سے زید ہمنے خزاں میں لطف بہار دیکھا

مجھ سے فرماتے ہیں کیا عشق کے بیمار ہیں آپ
کسقدر زار ہیں کیا جان سے بیزار ہیں آپ

جان بلب کر کے ہمیں جانے پہ تیار ہیں آپ
حال دل سنتے نہیں کتنے دل آزار ہیں آپ

کیا خطا، کون سبب، جرم ہے کیا، کون قصور
کس لیئے ہمسے بتا دیجئے بیزار ہیں آپ

چشم مخمور کے بوسوں پہ مرا ہیں تو کہا
کیا تنگ ظرف ہیں دو جام میں سرشار ہیں آپ

اُٹھا ہے شور جو سینے سے میرے ماتم کا
یقیں ہے حضرت دل انتقال کرتے ہیں

چمن میں چلکے دکھا دیجئے قد موزوں
کہ یاد باغ میں سب نونہال کرتے ہیں

نگاہ ناز سے خود ہو چکا ہے زید شہید
اب آپ غصہ سے کیوں چہرہ لال کرتے ہیں

سر چڑھا کر انھیں خود دار کیا خود تو نے
بل کی لینے لگے مجھسے بھی ستمگر گیسو

رُخ ترا سورۂ والشمس ہے از سرتا پا
ہو گئے سورۂ واللیل سراسر گیسو

کفر و اسلام میں کچھ فرق نہیں رہتا ہے
جب قریں ہوتے ہیں رخسار کے آکر گیسو

زیدی۔ منشی سید نورالدین صاحب ساکن ظفرآباد نواح جون پور۔ عدالت میں پیشکار اور حضرت جلال کے باعقیدت تلامذہ میں ہیں۔ دس بارہ برس سے فکر سخن کرتے ہیں۔

خدا کو منہ بھی دکھانا ہے ایک دن زیدی ‌‌ ‌‌ تم آخرت کے لئے کچھ تو کام کر لیتے
دنیا کی نعمتوں سے کبھی دل بھرا نہیں ‌‌ ‌‌ اللہ ری ہوس تری کچھ انتہا نہیں
مدت ہوئی کہ آنکھیں ترستی ہیں دید کو ‌‌ ‌‌ اُس پر وہ کہہ رہے ہیں کہ میں بیوفا نہیں
ہستی صورت پہ نچاول کے لگانیوالے ‌‌ ‌‌ یہ گل اندام ہیں جنس کے جلانیوالے
تنکے چنواتی ہے انساں سے ہوس دنیا کی ‌‌ ‌‌ چھانتے خاک ہیں اکسیر بنانیوالے

زیرک۔ حافظ مولوی قلندر بخش صاحب باشندہ پانی پت شاگرد منشی کرامت علی مرحوم شہیدی تحصیل علمی دہلی و لکھنؤ میں کی۔ اپنی طبیعت پر بڑا ناز تھا۔ قطعہ غزل بھی کہتے تھے۔ یہ ان کے کلام کا نمونہ ہے۔

زیرک کل ایک طرف کو میں نکلا خستہ دل ‌‌ ‌‌ جاتا تھا ناگہاں وہ پری رو ملا مجھے
فی الفور دیکھتے ہی بہا اسکو میں عرض کی ‌‌ ‌‌ کب تک رکھے گا رنج میں تو مبتلا مجھے؟
سنتے ہی در جواب یہ بولا وہ تند خو ‌‌ ‌‌ صحبت سے تری رنج نہیں ہے ذرا مجھے
لیکن یہ ڈر ہے اپنی محبت کے واسطے ‌‌ ‌‌ ایسا نہ ہو سکھائے تو مہر و وفا مجھے
زیرک شباب ہی میں ہے کچھ لطف زندگی ‌‌ ‌‌ یہ عیش پھر کہاں جو جوانی گذر گئی

مفصلہ ذیل کلام ترتیب حصہ سوم کے بعد موصول ہوا لہذا آخر میں درج کیا گیا۔

خاطر۔ منشی ظفر حسن مندرجہ صفحہ ۳۰۴ حصہ سوم

چٹکیاں اور بھی لیں دل میں جھجکی جب وہ نگہ ‌‌ ‌‌ اپنی شوخی سے نہ باز آئی جو شرمائی بھی
یاد گلشن میں بڑھی اور اسیروں کی تڑپ ‌‌ ‌‌ نکہت گل جو صبا تا بہ قفس لائی بھی
دیکھ کر پھیری ہیں ہمچشموں نے نظریں کیا کیا ‌‌ ‌‌ بار خاطر تھی مصیبت میں شناسائی بھی

امید اُس کے وصل کی جب جیتے جی نہ ہو
مرنے کی آپ نے کس لئے ہمکو خوشی نہ ہو

ہے موت ہجر عاشق و معشوق بعد وصل
ملکو ہم جُدا نہ ہوں یا وصل ہی نہ ہو

تم چھوڑ دو جو دیکھنا چشم عتاب سے
اِتنا بھی اپنا پوچھنے والا کوئی نہ ہو

شوخی کسیکی دیکھ کے ہوتا ہے شک کلیم
جو طور پر گری تھی وہ بجلی یہی نہ ہو

خرو

خرد - بقیہ کلام حکیم انور آغا صاحب خرد لکھنوی مندرجہ صفحہ ۴ - ۱۳

پامال ہم کئے ہوئے اُس جان جاں کے ہیں
انداز جسکی چال میں عمر رواں کے ہیں

کچھ یار کا قصور نہ اغیار کی خطا
سارے فساد میرے دل بدگماں کے ہیں

رخسارِ یار دیکھ کے کہتی ہیں بلبلیں
گل کس چمن کے پھول یہ کسی بوستاں کے ہیں

زاہد ہی ایک راندۂ درگاہ ہو تو ہو
لاکھوں مرید حضرت پیر مغاں کے ہیں

شاہد ہے ضبط معنی یہ سوزِ نہاں کے ہیں
مُہر سکوتِ لب مجھے چھالے زباں کے ہیں

بربادیٔ چمن کی لکھی ہیں حکایتیں
برگِ خزاں رسیدہ ورق بوستاں کے ہیں

خلش

خلش - خواجہ کرامت علی اجمیری مرحوم مندرجہ صفحہ ۹ - ۲۸

رموز عاشق و معشوق کو اغیار کیا سمجھیں
بھلا دشمن بتا تو وے کہ وہ مجھ پر خفا کیوں ہے

تمھیں چاہا کئے دشمن کو اُسنے کب تمھیں چاہا
تمھیں ہو مبتلا اُسپر وہ تم پر مبتلا کیوں ہے

وہ کہتے ہیں یہی دو چار باتیں تجکو آتی ہیں
کرم کیوں تھا ستم کیوں ہے وفا کیوں تھی جفا کیوں ہے

وہ بگڑے ہیں تو بگڑیں حال ابتر کیوں بگڑتا ہے
وہ رُوٹھے ہیں تو روٹھیں خیر میرا دم خفا کیوں ہے

حیا کا یہ تقاضا ہیں ہی ہیں ہوں انکی آنکھوں ہیں
اودھر شوخی یہ کہتی ہے جہاں میں ہوں حیا کیوں ہے

خلش کے نام پر مرتی ہو کیوں باتیں بتاتی ہو
ہتیں اُلفت نہیں اُس سے تو پھر وہ تذکرہ کیوں ہے

خلیل

خلیل - نواب صاحب ٹونک مندرجہ صفحہ ۲ - ۵۱

دلِ ناداں محبت میں پشیمانی سے کیا حاصل
جو ہونی تھی ہوئی اب سوچنا اچھا بُرا کیوں ہے

بتاؤ تو کھنچے کیوں ہو بتاؤ تو خفا کیوں ہو
یہ کھنچنا بے سبب کیسا یہ غصہ بے خطا کیوں ہے

جو کہتا ہوں جفا کا تمکو ارماں اسقدر کیوں ہے
تو کہتے ہیں تمہیں چاہت کا ایسا وصل کیوں ہے

وہ کہتے ہیں کہ کہتے کیوں نہیں جو تمکو شکوہ ہے
کہونگا تو کہیں گے کیوں جی یہ میرا گلہ کیوں ہے

خورشید۔ منشی خوشرفت علیخاں خلف داؤد خاں مندرجہ صفو ا ے

بہت بیجا رنہ تم نے سنی میری فریاد
خدا کے ہاتھ ہے خورشید فیصلہ دل کا

وہ صبح وصل کس کس نازسے ہمکو جگاتے ہیں
سدا ہاری رات اٹھو صبح محشر سر پہ آئی ہے

خیال۔ مولانا فیض الحسن صاحب خیال۔ سہارنپور کے باشندے۔ بڑے جید اوستاد اور فاضل دھر مانے جاتے تھے اورنیٹل کالج لاہور میں پندرہ بیس برس تک علوم مشرقی کے پروفیسر رہے اور صدہا شاگردوں نے آپ سے فیض پایا۔ پروفیسر آزاد کے ہمعصر تھے سُنا ہے کہ خود مولانا مرحوم حضرت صہبائی کے نامور تلامذہ تھے چند شعر بڑی کوشش سے ہاتھ آئے بطور یادگار درج تذکرہ کئے گئے۔ مولانا شبلی کو بھی مرحوم سے تلمذ تھا۔

اِس جفا پر بھی کی وفا ہم نے
کیا کیا تم نے کیا کیا ہم نے

کہتے ہیں زہر سے علاجِ فراق
خوب سوچی ہے یہ دوا ہم نے

چھیڑ کر اُن کو بزمِ دشمن میں
جو نہ سننا تھا وہ سُنا ہم نے

کہتے ہیں جور بھی غنیمت ہے
جب کیا شکوۂ جفا ہم نے

ملا جو خاک میں کوئی تو قبر یہ بولی
کہ اتنے روز رہے آپ اے جناب کہاں

رونے میں نتھا جو تری آنکھوں کا تصور
آئے گُلِ نرگس مرے دامن میں کہاں سے

کِسنے لیا اس چاند سے رخسار کا بوسہ
یہ داغ لگا یار رُخِ روشن میں کہاں سے

اُڑتی تھی ابھی خاک گلستاں میں خدایا
اکبار یہ پھول آ گئے گلشن میں کہاں سے

تقاریظ و قطعات تاریخ خمخانۂ جاوید جلد سوم

تقریظ بچہیدۂ کلک جواہر سلک فضیلت مآب کمالات اکتساب جامع صفات صوری و معنوی فخر اطبائے ہندوستان حاذق زمان شفیقی حکیم غلام کبریا خان صاحب دہلوی

"خمخانۂ جاوید" کو میں نے جستہ جستہ پڑھا، زمانہ حال کے شعراء کا اتنا مبسوط تذکرہ لکھنا درحقیقت میرے دوست لالہ سری رام صاحب جیسے باہمت، اور سخن شناس ہی کا کام تھا، جو انھوں نے نہایت جانکاہی، اور عرقریزی کے ساتھ پورا کیا، میرے خیال میں دنیائے اُردو کی یہ بڑی مہم تھی جو اُردو کے "اِس بہادر سپاہی" کے ہاتھوں سر ہوئی اُردو میں بہت کم پڑھنے کے لائق کتابیں چھپی ہیں، خیرہ مذاقی کا یہ عالم ہے، کہ محض سطحی مذاق کی چیزیں ڈھونڈی جاتی ہیں، ادنی درجے کے ناول بار بار چھپتے ہیں، اور ایسی کتابیں جن سے پڑھنے والوں کے علم، قابلیت، میں کوئی مفید اضافہ نہیں ہوتا، مقبول بازار ہیں، عوام کے اِس مذاق نے لکھنے والوں کو اپنی طرف کھینچ لیا ہے اور بہت کم اُردو میں ایسی کتابیں چھپتی ہیں، جو لٹریچر کی کسی واقعی ضرورت کو پورا کرتی ہوں، اور اگر کوئی ایسی کتاب شائع بھی ہوتی ہے، تو قبولِ عام سے دُور رہتی ہے

اِس حبیثہ مذاقی نے اُردو ادب کے سرمایہ کو محدود کر دیا ہے، نہ اور نجیل کتابیں اس تعداد میں پیدا ہوتی ہیں، جو اُردو کی وسعت، اور وقعت، کے مناسب ہو، نہ غیر زبانوں کی اچھی اور سود مند کتابیں ترجمہ ہوتی ہیں، اگر ترجمے بھی ہوتے ہیں تو محض معمولی ناولوں کے، جن کو پڑھکر نہ دل، نہ دماغ، میں روشنی پیدا ہوتی ہے، نہ اخلاق پر کوئی اچھا اثر پڑتا ہے، نہ تشنہ کام ذوقِ علمی سیراب ہوتا ہے۔

جس زمانہ میں عام طور پر لکھنے والوں کی ہمت کا یہ حال ہو، اور جس زمانے میں تصنیف و تالیف کا معیار بلندی کی طرف اتنا کم اُبھرتا ہو، اُس زمانے میں یہ حیرت انگیز مثال ہے، کہ لالہ سری رام صاحب نے ایسی کتاب لکھی، اور اس کتاب کے لکھنے میں سالہا سال تک اتنی بڑی محنت و کاوش گوارا کی !!!

سچے جذبۂ علم دوستی کے بغیر چند گھنٹے بھی کوئی شخص اتنی محنت نہیں کرسکتا، جتنی محنت کہ انھوں نے مسلسل کئی برس تک کی ہے، انھوں نے ہزاروں اشعار کو پڑھ اور سمجھ کر، اور نقد، و تنقیح کے سانچے میں ڈھال کر "خمخانۂ جاوید کی شکل میں پیش کیا ہے، اور " دورِ جدید" کے صدہا شعراء کے حالاتِ زندگی بہم پہنچانے میں جسقدر محنت، اور کوفت اُٹھانے کی ضرورت تھی اُسے اِس لیئے گوارا کی ہے، کہ اُردو شاعری کی تاریخ " آبحیات" کے بعد ختم نہو جائے، اِنکے اِس عزمِ راسخ کی بدولت یہ صدہا تذکرے اور ہزاروں اشعار، آج اِس خوبصورت کتاب کی صورت میں ہمارے سامنے ہیں، جس کا نام خمخانۂ جاوید ہے ؎

میں اپنے دوست کو جو اس بڑی علمی مہم کے فاتح ہیں، اِس مہتم بالشان فتح پر مبارکباد دیتا ہوں جو اُنھوں نے اُردو شاعری کے " دورِ جدید" کو زندگی، اور موت، کی کشمکش سے بچانے، اور " دورِ جدید" کے لیئے " حیاتِ جاوید" بہم پہنچانے کی صورت میں حاصل کرلی ہے، اُردو شاعری، کے اِس دور کی یہ حیاتِ جاوید ہے، جو لالہ سری رام صاحب

کے عقدِ ہمت نے حاصل کر لی ہے، جس کی ٹھیک ٹھیک، قدر، وقعت، اِس زمانے میں کیا ہو سکتی ہے؟ آیندہ زمانے میں ہوگی، جبکہ لوگ اُردو شاعری کے اِس پچاس سال کا تذکرہ ڈھونڈیں گے، اور اس دَور کی خصوصیات کو سمجھنے کے لیئے خمخانۂ جاوید مشعلِ راہ ہو کر اُنکے سامنے آئیگی ✤

غلام کبریا خان - ۲۴ ۲/۱۵ ۶

قطعہ تاریخ از فکرِ ارجمند و سادہ نشین ریاست نونہالِ گلشن امارت منشی سید التفات رسول صاحب ہاشمی تعلقہ دار سندیلہ نبیرہ و جانشین حضرت واسطی مرحوم

سخن شناس سرِ ایام صاحبِ ہمت — جہاں کو جنکی بہارِ ریاض ہے مرغوب
ادا شناس کی ہوتی ہے قدر دلبر کو — حبیب بن کے ہوئے وہ ہر ایک کو محبوب
لکھا وہ تذکرۂ شاعرانِ ماضی و حال — کہ جسکے شوق میں طالب بنا ہے ہر مطلوب
جو کوئی دن کو کہے رات اور رات کو دن — تو اِس سے بڑھکے نہیں کوئی بات بھی معیوب
نظر میں کیوں نہ ہو خمخانۂ سخن کا وقار — ہے اہلِ دل کے لیئے باعثِ سرورِ قلوب
یہ ہاشمی نے لکھا سالِ طبعِ ثانی کا — سخنوروں کی ہوئی یادگار بھی کیا خوب

۱۵ ۱۹ ع

تقریظ از نتائج افکارِ گہر بار فخرِ شعرائ زمان ناثرِ رنگین بیان سخن طراز جادو نگار مشاقِ طرزِ قدیم و نوی صاحبِ تصنیف کثیر منشی احمد علی صاحب شوق قدوائی لکھنوی از ارشد تلامذہ منشی تدبیر الدولہ امیر لکھنوی

خمخانۂ جاوید کی دو جلدیں میں نے دیکھیں، اب تیسری کا انتظار ہے، یہ کیا چیز ہے؟ اس سوال کا جواب اِس سبب سے مشکل ہے کہ قلم دل نہیں بن سکتا -

اِس تذکرے نے اِدھر تو ہمیشہ کے لئے مُردوں کو زندہ کیا، اور اُدھر ہمیشہ کے لئے زندوں کو زندگی دی پچھلے شعرا، جو گمنامی کے گورستان میں پڑے ہوئے تھے، وہ زندہ ہو گئے اور حال کے شعرا، جن کو گمنامی ڈھونڈ رہی تھی وہ اُس سے بچ کے ناموری کی بلندی پر پہنچ گئے لوگ کہتے ہیں کہ اُردو اور اُسکی شاعری زوال کیجانب جا رہی ہے، اور میں کہتا ہوں کہ وہ ترقی کے زینے پر چڑھ رہی ہے۔ ایک "خمخانہ جاوید" میرے دعوے کی ایسی دلیل ہے کہ جو رد نہیں ہو سکتی ✤

اُردو کی خدمت کا دعویٰ جتنا آسان ہے اُتنا ہی اُس کا پُورا کر دکھانا مشکل ہے، اِس مشکل کو خدا جانے کتنی مشکلوں کے ساتھ دیوان سری رام صاحب ایم۔ اے۔ نے آسان کیا قابلیت، ہمت، دولت، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اُردو کی محبت میں اُنھوں نے اپنی صحت تک صرف کر دی ✤

اِس تذکرے میں صرف اِتنا ہی نہیں ہے کہ شعرا کے نام جمع کر دیئے گئے ہوں، بلکہ مناسب حد تک، یا یُوں کہو کہ جسقدر مِل سکی اُسقدر ہر شاعر کی لائف بھی موجود ہے یہ ایک ایسی بات ہے جسکی قدر شاعری کی حیثیت سے نہیں بلکہ تاریخی حیثیت سے بھی کیجائے گی اولاد سے تو وہی تین پشتوں تک نام چلتا ہے، اور یہ تذکرہ اُس وقت تک ناموں کو روشن رکھے گا، جبتک علم کی ٹکسال میں حرفوں کے سکّے چلتے رہیں گے، اِس صورت میں یہ کہنا صحیح ہے کہ جس کا نام "خمخانہ جاوید" میں داخل ہوا، اُسکے خاندان پر حضرت مؤلف کا احسان رہا، جب چاہو اپنے باپ دادا کو اُسکے صفحوں پر دیکھ لو ✤

یہ آواز بھی ملک میں گونج رہی ہے کہ اُردو شاعری کا رنگ بدل گیا، اسکو میں تسلیم کرتا ہوں

(۱) زمانے کی رفتار نے بہت سے دماغوں کو فطری مذاق کا رستا بتا دیا۔

(۲) تغزّل کا رنگ بدل گیا۔

پہلی بات سے میں بحث نکروں گا، اِس لئے کہ وہ ایسی خوبی ہے جو اُردو کی شاعری

میں نہیں تھی اور اب آ گئی۔

دوسری بات کو میں بحث کے قابل پاتا ہوں، لیکن یہ وسیع بحث کا محل نہیں ہے مجھے اس موقع پر صرف اتنا ہی کہنا کافی ہے، کہ "خمخانۂ جاوید" میں جذبات انسانی کے نقشے بھی موجود ہیں اور اتوعائی شاعری کے بھی، فہم سلیم دونوں کا موازنہ خود کر سکتا ہے۔ اور اگر میرا فیصلہ کوئی چاہے تو میں یہ کہوں گا کہ جذبات پر دل سے آہ نکلتی ہے، اور اتوعا پر صرف ہونٹوں سے واہ، دل اور ہونٹوں میں جو فرق ہے اُس سے دونوں شاعریوں کا فرق سمجھ لیا جائے، اگر سخن سنج میں فہم سلیم کا مادہ موجود ہے تو وہ اس تذکرے کے ورقوں سے ایسا سبق لے سکتا ہے جو اُسے صرف نام کا شاعر نہیں بلکہ کام کا شاعر بنا دے۔

انتخاب پر قلم کا اُٹھانا کچھ مناسب نہیں ہے "خمخانۂ جاوید" کا پھیلاؤ اتنا ہے کہ میں اسکو انتخاب کے دامن میں نہیں سمیٹ سکتا، صرف اتنا کہنا کافی ہوگا کہ اس میں ہر مذاق کے اشعار موجود ہیں، اور اس سے میں یہ عمدہ نتیجہ نکالتا ہوں کہ حضرت مؤلف نے ہمہ گیر مذاق سے کام لیا ہے، میں اسکی مثال ایک ایسے آراستہ باغ سے دونگا جس میں مختلف رنگوں کے بیشمار پھول کھلے ہوں۔ اگر ایک ہی رنگ ہوتا تو ایک ہی مذاق والے کی دلچسپی ہوتی اور اب ہر مذاق والا اپنی پسند کے پھول چُن سکتا ہے۔

لوگ سخن فہمی کو سخن وری سے زیادہ مشکل کہتے ہیں۔ یہ ہے بھی صحیح، سخن ور اپنے مذاق کے موافق کہہ لیتا ہے، مگر سخن فہم کو ہر مذاق کی خوبیاں اور باریکیاں فہم رسا کی اُنگلیوں سے ٹٹولنا پڑتی ہیں، حاصل یہ کہ سخنوری کے لئے ایک ہی مذاق کی ضرورت ہے، اور سخن فہمی کے لیئے ہزار مذاقوں کی، میں دیکھتا ہوں کہ حضرت مؤلف نے قلم و سخن فہمی پر اپنا ایسا سکہ بٹھا دیا ہے کہ اس کا انکار علم ادب کی عدالت میں ایک جُرم قرار پا سکتا ہے، لوگ تو ایک ہی غزل کے انتخاب میں چکرا جاتے ہیں، اور اُنھوں نے ہزارہا انباروں کو چھان ڈالا، گویا عالم اُردو کے سمندروں کو پھیر پھیر کر موتی نکالے ہیں۔

ایک بڑا لطف یہ بھی ہے کہ عبارت سلیس، فصیح، متین اور سنجیدہ تحریر فرمائی جس سے مذاقِ نظم کے ساتھ مذاق نثر کو بڑہا کے حُسنِ سخن کو دوبالا کر دیا، اور پھر کتاب کو چھپوایا بھی ایسے عمدہ کاغذ پر اسقدر خوشخط کہ آنکھوں میں کُھبی جاتی ہے، گویا خمخانہ جاوید، ایک ایسے معشوق کا نام ہے جو حسین بھی ہے اور نیز تکلفِ لباس اور جواہر کے زیوروں سے آراستہ بھی ہے، مَیں حضرت مؤلف کو جتنی داد کا مستحق سمجھتا ہوں اُتنی داد کے لیئے مجھے الفاظ نہیں ملتے، آخر میں یہ دعا مانگتا ہوں کہ خدا لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے کی عمر میں برکت دے اور اُنکو ایسا تندرست رکھے کہ "خمخانہ کی ابتدا اپنی انتہا کو پہنچے، اور اسکے بعد پھر وہ اُردو کے خزانے کو اور جواہر سے بھرتے رہیں ۔ احمد علی شوق، قدوائی۔ اپریل ۱۹۱۵ء

اقتباس از نامہ عنبریں شمامہ چکیدہ خامہ جواہر سلک فخر شعراء دورِ جدید افتخار عرفی و طالب پیرو مرزا غالب مولانا میرزا رضا علی صاحب وحشت رئیس کلکتہ

مخدومی و محترمی ۔ تسلیم و نیاز، گرامی نامہ شرفِ صدور لایا، اِس ذرّہ نوازی کے لیئے ہمہ تن زبان شکر گذار ہُوں، اگرچہ جناب کی زیارت ابتک میسر نہیں آئی ہے لیکن آپکے غائبانہ مداحوں میں ہوں، اُردو لٹریچر کی جو خدمت جناب نے تذکرہ خمخانہ جاوید لکھکر فرمائی ہے وہ محتاجِ بیان نہیں ہے، زمانہ جانتا ہے اور مانتا ہے، مَیں اپنے دیوان کا ایک نسخہ خدمتِ عالی میں روانہ کرتا ہُوں اُمید ہے کہ آپ اسکو قبول فرمائیں گے، خمخانہ کی تیسری جلد کے لیئے قطعہ تاریخ انشاء اللہ بہت جلد لکھ کر بھیجوں گا۔

آپنے جو الفاظ اس حقیر کی شاعری کے متعلق تحریر فرمائے ہیں اگرچہ مَیں اپنے کو ان کا مستحق نہیں سمجھتا پھر بھی شکریہ ادا کیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اِس خبر کو دریافت کر کے کہ جناب علیل ہیں بہت افسوس ہوا، دعا کرتا ہوں کہ خدا

آپکو جلد صحت کامل عطا کرے کیونکہ آپکی ذات بابرکات سے بہی خواہان زبان اُردو کی اُمیدیں وابستہ ہیں +　　　نیاز مند رضا علی وحشت، ۲۲ ستمبر ۱۹۱۶ء

اقتباس از تحریر منشی سید محمد نوح صاحب نوح ناروی شاگرد رشید حضرت فصیح الملک مرزا داغ مغفور

خمخانہ جاوید کی تیسری جلد کا حال معلوم کرکے نہایت خوشی ہوئی، آپ باوجودیکہ اسقدر عدیم الفرصت ہیں لیکن پھر بھی جس مستعدی سے اُردو زبان کی خدمت کیے جاتے ہیں وہ ہر طرح قابلِ قدر ہے لوگوں کے کہنے سننے پر نہ جایئے، اپنا کام کیے جایئے

محمد نوح، ۹ جولائی سنہ ۱۹۱۳ء

اقتباس از تحریر منشی علی محمد خان صاحب برق شاہجہانپوری

شہرہ سنا ہے جس سے ترا شوقِ دید ہے　　　پوری یہ آرزو ہو مری کیا بعید ہے

آپنے شعرائے ماضی وحال پر وہ احسان کیا ہے کہ زندہ تو زبانِ حال سے شکرگزار ہیں اور گذرے ہوؤں کا ذکر لوگ تذکرہ پڑھکر شکرگزار ہیں، محمد حسن ۱۶ نومبر

اقتباس از عنایت نامہ مسٹر محمد حیات خان ڈپٹی پولٹیکل سکرٹری ہز ہائنس مہاراجہ صاحب سیندھیہ گوالیار

آپکی مرتبہ کتاب موسوم بہ "خمخانۂ جاوید" کی پہلی، دوسری جلد نظر سے گذری۔ واقعی آپنے بیحد کاوش سے اِس تذکرہ میں حالات شعرائے ماضی وحال اور اُنکے کلام کے نمونے جمع کیے ہیں۔ آپ کی اِس بیش بہا خدمت کا جب تک کہ اُردو وادب زندہ ہے زمانہ مرہون منت رہے گا۔

محمد حیات خان دہلوی - ۱۵ فروری سنہ ۱۹۱۵ء

اقتباس از تحریر مولوی محمد یونس خان صاحب بی اے زمیندار آرہ

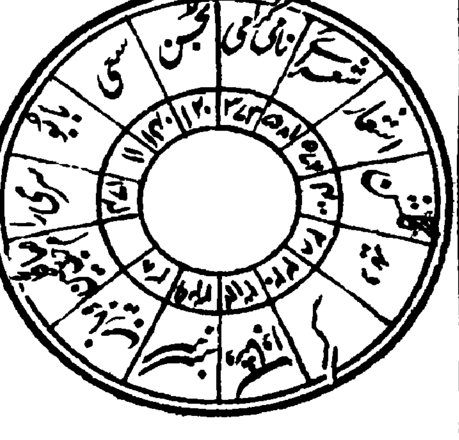
جناب من تسلیم عرض ہے، اتفاق زمانہ دیکھئے کہ جلد اول خمخانہ جاوید ۱۹۰۸ء میں شائع ہوا ابھی تک اِس سے فیضیاب نہو سکا تھا، اب مجھے اس سے فیض حاصل کرنیکا موقع

ملا ہو، واقعی حضرت مؤلف نے سرشاران بادۂ سخن کو باخود ہا انٹروڈیوس کرانے اور انکے اشعار کے انتخاب اور انکی نسبت رائے قائم کرنے میں جو داد انصاف دی ہے اسکی شکرگزاری سے سبکدوش ہونا کوئی آسان بات نہیں ہے وہ جہان ہے جسکے صلے میں حضرات شعرا کی جماعت کو زندگی بھر جناب مؤلف کیلئے دربار خداوندی میں دست بدعا رہنا ہے

قطعہ تاریخ از نتائج افکار گہربار محقق کامل فن مشاق قدیم سخنور ماہر منشی ام پرشاد صاحب طاہر دہلوی وکیل گوالیار شاگرد رشید مرزا صابر گورگانی مرحوم

چھپا خمخانۂ جاوید جس دم		پئے تاریخ پھر تو میں نے سوچا
ندائے غیب دان نے لکھدے ظاہر		چہ زیبا ہے بہارستان شعرا
لکھی تاریخ دیگر فکر کرکے	دیگر	نسیم گلشن اشعار عقلا ۱۳۳۳
بصد آب و تاب و بکوشش تمام		یہ خمخانہ جاوید جس دم چھپا
لکھی میں نے تاریخ فی الفور ظاہر	دیگر	گل تازہ اشعار فرحت فزا ۱۹۱۵ء
چھپا جب تذکرہ خمخانہ جاوید		بصد آب و بصد تاب مُسجّل
سن عیسیٰ میں ظاہر نے یہ لکھا		گلستان مسرت خیز بادل

ولا این گلشن شعار نادر (سنہ ۱۳۳۳ف)	باغنچۂ اشعار مصفا اعلی (سنہ ۱۹۱۵ء)	مکمل مصفا باغ شعرا (سنہ ۱۹۱۵ء) ۱۹۱۵
مخزن اشعار بین (سنہ ۱۳۳۳ھ)	خوشا این باغ (سمت ۱۹۷۱)	چہا این نادرہ باغ (سنہ ۱۳۳۳ھ)
گلستان شعرائے فایق "	مُوبمو باغ سخن سنجان "	غنچۂ نادر زیبا (سنہ ۱۳۳۳ھ)



کسی خانہ کو مبدء قائم کرکے اُس کے اعداد لیجئے اور ایک خانہ چھوڑ کر دوسرے کے اعداد لئے جاویں اِس طرح ایک ایک خانہ چھوڑ کر سات خانہ کے اعداد جمع کئے جائیں سنہ ۱۹۱۵ء برآمد ہونگے۔

[illegible] نظر بہار پنڈت کامتا پرشاد صاحب مسرور ڈپٹی کلکٹر بجنور

بہ کہا لالہ سریرام نے تالیف	ہر مطلع پُر نور ہے غیرت دہِ خورشید
مسرور نے تاریخ دعائی یہ رقم کی	آباد ہمیشہ رہے خمخانہ جاوید

[illegible]

در [illegible] نگار گہر بار منشی کنور بہادر فصیح لکھنوی تلمیذ منشی فدا احمد صاحب آتش لکھنوی

ہذا خمخانہ جاوید را ترتیب داد	برحقِ تالیف میگویم مؤلف را سلام
نامِ آں عالی خیال و پاک طینت برزباں	آیہ از ترتیب لفظی از سری زلفظ لم
ساکن دہلی کہ شہرے ست رشکِ باغ خلد	پُر بہار و دلکش و دلچسپ و مرغوب انام
جلد ثالث ہم بجز ا امدو ریا یاں رسید	بہرِ اثباتِ تواریخش چنین شد انتظام
در حروف معجمہ گفتہ بزبر و بینات	شد عجب این یادگارِ شاعران خوش کلام
بود سال بکرمی آن و عیسوی سالست ایں	واقعاتِ شاعراں بہرِ وقوفِ خاص و عام
سالِ ہجری ہاتفِ غیب از فصیح لکھنوی	گفت دراں نامہ حالات ہنرمنداں تمام

[illegible] ۱۳۳۲ھ

تصریحات حروف معجمہ بزبر و بینات

شد عجب این یادگار شاعران خوش کلام — بکرمی

نام حروف	تعداد حروف	اعدادی حرف	جملہ اعداد
شین	۳	۳۶۰	۱۰۸۰
جیم	۱	۵۳	۵۳
با	۱	۳	۳
یا	۲	۱۱	۲۲
نون	۲	۱۰۶	۲۱۲
خا	۱	۶۰۱	۶۰۱

۱۹۷۱

واقعاتِ شاعران بہر وقوف خاص و عام — عیسوی

نام حروف	تعداد حروف	اعدادی حرف	جملہ اعداد
قاف	۲	۱۸۱	۳۶۲
تا	۱	۴۰۱	۴۰۱
شین	۱	۳۶۰	۳۶۰
نون	۱	۱۰۶	۱۰۶
با	۱	۳	۳
حا	۱	۸۱	۸۱
خا	۱	۶۰۱	۶۰۱

۱۹۱۴

گفت دران نامہ حالات ہنرمندان تمام — ہجری

نام حروف	تعداد حروف	اعدادی حرف	جملہ اعداد
نون	۵	۱۰۶	۵۳۰
تا	۲	۴۰۱	۸۰۲

۱۳۳۲

قطعہ تاریخ از نتائج افکار شاعر فصیح حکیم محمد اسمعیل خان صاحب ذبیح دہلوی

ہاں ذبیح مضطرب منشین خموش و زود خیز
در مسیحی دوریابی کیف این آتشکدہ

شا یقین تذکرہ را گو بگنجینہ و در بریز
طبع شد جلد سوم خمخانۂ جاوید نیز
۱۹۱۵ع

قطعہ تاریخ از نتیجہ فکر گرامی واقف رموز شیریں بیانی سخنور یکتا صاحب طبع سلیم منشی سید صمیم علی شاہ صاحب صمیم بلند شہری

کیا ساغر جم ذوق حیات ابدی ہے
پیمان سخن ہے یہی پیمانۂ جاوید

ولدادۂ ذکر شعراء یوسف جان ہے
بازار میں ہے نظم کے بیعانۂ جاوید

کسریٰ کا کہاں طاق کہاں قصر فریدوں
یہ دائرہ علم ہے کاشانۂ جاوید

آنکھوں سے چھپا طور کے جلوہ کا ثبات آب
ہے صبح مضامین جلوخانۂ جاوید

کیونکر ہو زوال اپنے سلک سخن کو
نقطہ ہے ہر اک گوہر یکدانۂ جاوید

ہے وحشت دیوان سخن سر میں ازل سے
ایسا نہ صمیم اور رہے دیوانۂ جاوید

ایمان ہے اپنا تو یہی مصرعۂ تاریخ
واللہ کہ بے مثل ہے خمخانۂ جاوید

نثر و قطعہ تاریخ چکیدۂ خامۂ عنبرین شمامہ شاعر خوش بیان سخنور نکتہ دان منشی مظفر حسین مظفر سلیمانی شاہ آبادی مؤلف حیات مسیح و دیگر تصانیف کثیرہ

چونکہ جناب نے احسان کرکے دوسروں کے نام زندہ کرنیکا بیڑا اٹھایا ہے اس لئے اور بھی آپکی زندگی و صحت کیلئے بارگاہ احدیت میں دست بدعا ہیں اور یقین خاطر کمترین ہے کہ یہ دعا درجۂ اجابت کو پہنچیگی مظفر حسین ۱۵ اکتوبر ۱۹۱۴ع (اقتباس از نامہ مرقومہ ۲۲ ستمبر ۱۹۱۴ء) جناب کی علالت مزاجی کا حال معلوم ہو کر دل کو سخت افسوس ہوا و تردد ہوا شافی مطلق جلد جناب کو صحت و شفائے کلی عطا فرمائے اور راقم کمال محبت سے بطور مبارکبادی غسل صحت کا قطعہ لکھے، فی زمانہ آپکا دم مایۂ ناز ہے آپنے وہ کام کیا جس سے علمی بنا زندہ ہو رہی ہے، خداوند کریم آپکو زندہ رکھے اور آپکے ذریعہ اہل کمال کا نام روشن کرائے مظفر حسین سلیمانی، ۲۲ ستمبر ۱۹۱۴ء

پیمانہ چوں پر شد جلدِ سوم از بزم خمخانہ مظفر بجست چوں تاریخ بہر سال تالیفش		برائے دہر از تصنیف دلکش زیب تازہ شد ندا آمد بجلد بوستان عشق تازہ شد

بیدم صاحب کی تاریخیں | بحلی ختم پیمانہ جلد سوم | ایضاً | مظفر اس حصہ کی تاریخ لکھ | خداوند نعمت جلد سوم

ایسے ساقی کو خداوند سلامت رکھے
تذکرہ ایسا خوش اسلوب مرصع لکھا
تیسری جلد ہوئی شل پری کے تیار
جسکو دیکھو وہ ہے سرمست کہ میں بھی دیکھوں
بادہ نوشانِ سخن ہیں یہ دعائیں دیتے
غسلِ صحت ہو مؤلف کو الٰہی حاصل
فکر تاریخ مظفر ہے اگر یہ لکھدے

ایضاً

ذات سے جسکی کھلا باب ہے خمخانہ کا
رنگ پھیکا کیا جسنے ہر اک افسانہ کا
دور چلنے لگا اب تیسرے پیمانہ کا
ایک عالم کو ہوا شوق ہے یارانہ کا
بانی زندہ رہے یارب مرے خمخانہ کا
لطف قائم ہے اسی ذات سے کاشانہ کا
تیسرا دور ہوا عطر ہے میخانہ کا
۱۹۱۴ء

اقتباس از عنایت نامہ وقطعۂ تاریخ نتیجۂ طبع وقاد ناشر باکمال ناظمِ شیریں مقال طوطیٔ شکرستانِ فن ڈراما نویسی منشی دیناناتھ صاحب طالب بنارسی شاگرد جناب داغ مرحوم

آپکے تذکرہ کی پہلی جلد میرے پاس ہے اسکو بار بار پڑھا کرتا ہوں، آپنے کچھ ایسی مٹھاس اسکی تحریر میں ڈالدی ہے کہ سو دفعہ پڑھکر بھی نیت نہیں بھرتی، سچ تو یہ ہے کہ یہ تذکرہ لکھکر آپنے وہ کارنمایاں کیا ہے جسپر ہم ہندو جسقدر فخر کریں بجا ہے خدا ایسے فخر ملک وقوم کو سلامت باکرامت رکھے، براہ مہربانی مطلع فرمائیں کہ حرف ط کی نوبت کب آئیگی، ابتو بقیہ جلدیں بھی نکل جائیں تو بہتر ہے کہ ہم لوگ اپنی زندگی میں درشن کرلیں۔ طالب بنارسی ۲۶ مئی ۱۹۱۳ء از بمبئی

عالیجاہا، تذکرہ جلد دوم شرف صدور لایا، ممتاز فرمایا، سبحان اللہ کیا خوب لکھا ہے اور کمال کیا ہے، آپنے جسکو خونِ جگر کہا یا ہے، آنکھوں کے تیل سے یہ غیرتِ طور چراغ جلایا ہے ہماری ہندو قوم کے تاجِ افتخار میں ایک نیا اور قابلِ اعزاز طرہ لگایا ہے خدا آپکو سلامت باکرامت رکھے اور تمام وکمال تذکرہ شائع کرادے، آپکی علالت سے دلکو سخت رنج ہے کیونکہ آپ مالی اور جسمانی

تکلیف اٹھا کر ایک بڑا مفید کام کر رہے ہیں جس پر آپنے اپنی ذاتی منفعت قربان کردی ہے۔ خدائے حقیقی آپ کو صحتِ تامہ عطا کرے۔ طالب بنارسی ۲۰ اکتوبر ۱۹۱۴ء

جب ہوا سلطانِ شرق اسپِ فلک پر سوار — آکے نقیبِ سحر ہوگیا خدمت گذار
مخزنِ گل شاخسار، مستِ ترنم ہزار — لائی صبا روبکار۔ آئی چمن میں بہار
لال مئی لالہ رنگ سُرخ رُخِ مے گسار — موج میں دستاں سرا، دہر میں ہر آبشار
شعبدہ گرِ چرخ نے پھونک کے سحرِ سحر — کردیا ساد و سفید سقفِ جواہر نگار
آنکھ کھلی میری جب دیکھا تماشا عجب — طرفہ دو رنگی تمام دہر میں ہے آشکار
کوئی ہے آشفتہ حال کوئی پریشاں خیال — کوئی شکارِ خسار۔ کوئی ہے دولت مدار
عالمِ ناسوت یہ عالمِ مبہوت ہے — آدمی کیواسطے آفتوں کا ہے حصار
دام میں ہے ایک کے طائرِ عیش و نشاط — ایک جفا دیدہ ہے شیرِ الم کا شکار
کوئی غمِ ہجر میں جان سے مایوس ہے — کوئی ہے دلدار کے وصل کا امیدوار
ایک جو سر دار ہے۔ ایک سرِ دار ہے — ایک کو تحقیر ہے ایک کو ہے افتخار
اشرفِ مخلوق ہے آدمی اس دہر میں — لیکن اسے بھی نہیں دارِ فنا میں قرار
روز ملالِ حیات۔ روز خیالِ ممات — زیست ہے مثلِ حباب، جان مثالِ شرار
ایک نفس کے لیئے آفتیں ہیں لاکھ لاکھ — ایک بشر کے لیئے عارضے ہیں اک ہزار
سبزِ خطِ یار سے، زینتِ لب یار سے — سبزۂ بیگانہ سے، آج چمن میں بہار
اسکی شہادت کو صاف باغ جہاں ہے عیاں — ہمسرِ انگشت ہے سرو لبِ جوئبار
شاہدِ معنی ہے آج جلوہ نما یا کہ ہے — ناقۂ انشا پہ لیلیٔ محمل سوار
نقدِ گلِ نظم سے، گلشنِ ایجاد میں — دامنِ دولت ہے آج دامنِ ہر گلعذار
ساقیٔ گلفام نے دی مے مئی لالہ رنگ — کیفِ دلاویز سے مست ہوئے بادہ خوار
پاکے الم سے فراغ۔ ہوگیا دل باغ باغ — روضۂ امکاں میں آج، آئی نرالی بہار

چھاپ کے اک تذکرہ لالہ سری رام سے نے
آدھوئی آب و تاب ، بن گئی مثلِ گلاب
ایک نئے چاند کا بن گیا عالم چکور
بن گئے موتی وہ آج آ کے سرِ شاخِ گل
لالہ سری رام کے اس گلِ شاداب پر
کون سری رام؟ وہ منصفِ والا حشم
منصفِ علم و کمال منصفِ شعر و کلام
کرم بہاں مرح میں جسکے امیر و غریب
نقدِ دل ، ومند نذر کو لائیں یہاں
اسکے طلبگار ہیں عالم و اطراف میں
دولت و دنیا سے محنتِ بسیار سے
جلد ہی کچھ کم نہیں جلدِ گلِ اندام سے
شاعروں کے ہیں کلام حسن و معجز نظام
خط کی کتابت تمام مثلِ خطِ مہوشش
حسن ہے بہر انتخاب صف میں ہے لاجواب
کھائیں مٹھائی تو ہے وجع مفاصل کا ڈر
ایک سے صفرا کا ڈر ، ایک سے سودا کا خوف
چین کسی طرح سے ، وہر میں دل کو نہیں
زال ہو دنیائے دوں ، حسن ہی اسکا فسوں
قسمتِ انسان نہیں ، جب گلِ باغِ نشاط
بار سے پھولوں کے ہیں زیبِ چمن جو نہال

نسخۂ اعجاز کا ، چھاپ دیا اشتہار
سینچ کے فرحت کا باغ اسکو کیا آبدار
ایک گلِ سرخ کے بن گئے بلبل ہزار
قطرۂ شبنم سے چرخ گرچہ ہوا اشکبار
رشک سے گلزار میں لالہ بھی ہے داغدار
کون سری رام وہ صاحبِ عالی وقار
آپکے اجلاس سے ظلم و دغا پیشکار
طِب لسان صف میں جسکے منغا و کبار
بیٹھے ہیں انشا و پر لوگ جو کھانے اودہار
مفلس و محتاج سے تا بہ سلیمان وقار
ڈالی مؤلف نے طرح تذکرہ خوشگوار
نقطۂ حرفِ کلام ، خستہ جلوہ شعار
باغِ شگفتہ ہے ایک روح فزا پُر بہار
کاغذِ شفاف و صاف چہرۂ سیمیں عذار
ہے یہ دل آرا کتاب ایسی جواہر نگار
کھائیں کھٹائی تو ہے ضعف سے حالت نزار
ایک سے خوں کو ضرر ، ایک سے بلغم کو عار
کونسی امید پر ، جان کو آئے قرار
کون ہوا سیر نثار ، کون کرے اسکو پیار
بلبلِ دل کے لیئے ، دام ہے سر مرغزار
پڑتے ہیں گلچیں کے ہاتھ ان پہ یہاں بار بار

تارِ گُل ہے اگر تارِ رگِ عندلیب
دامنِ گُل ہے تار آفتوں سے تار تار

حوضِ چمن ہے اگر ہمسرِ چشمِ پُر آب
قامتِ شمشاد ہے واسطے قمری کے خار

دارِ فنا ہے سرا، آج رہا کل گیا
طالبِ دُنیا نہ ہو کوئی یہاں پائیدار

(۲) سُنئے صدائے ناگہاں، طالبِ سینہ فگار
کھو نہ عبث جان زار ہو نہ عبث سوگوار

خانۂ قدرت میں دیکھ آئینہ روزگار
سعدی کی گفتار کو یاد رکھ اے غمگسار

برگِ درختانِ سبز، در نظرِ ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار"

کوئی دم اندھیر ہے، کوئی گھڑی روشنی
مظہرِ اسرار ہیں روز کے لیل و نہار

حیرتوں سے انتسابِ دہر کا ہے انقلاب
ہوش ہوا ہے یہاں صبر و خرد ہیں فرار

مردِ بہادر مگر، مرتے ہیں ایک ہی دفعہ
بزدلوں کو موت ہے آئے دن اور بار بار

آپ سے آتا ہے کون آپ سے جاتا ہے کون
ہے اجل و زیست پر کسکو یہاں اختیار

لائی ہے سبکو حیات، آئی ہے سبکو اجل
ہے کبھی آغوشِ یار، ہے کبھی کنجِ مزار

ہے وہ بشر نیک مرد، ہے وہ شرافت میں فرد
جو رہِ تسلیم میں جا کے رہے بُرد بار

دیکھ نئے آب کے ایک گلوں کا چمن
دیکھ نئے رنگ کے لالہ و گل کی بہار

نظم کی پیچیدہ زلف دیکھ سبھی دیکھ کر
سنبل و ریحاں کی زلف کو بھی ہوا انتشار

آیا ہے وہ شوخ چشم گلشنِ عالم میں آج
دیدۂ نرگس کو بھی جس کا رہا انتظار

طالبِ دلِ خستہ کی ہے یہ دُعائے دلی
دہر میں یہ تذکرہ ہو سندِ روزگار

تاریخ

جب چھپی جلدِ سوم "خمخانۂ جاوید" کی
چھپنے کی تاریخ کی تفتیش سن کر حال طبع

غیب سے پیدا ہوئی ناگاہ ہاتف کی ندا
تذکرہ بتعمیم ۱۵ ۱۹ء سے نکلے گا طالب سالِ طبع

ہے یہ "ہزار داستان"، کیا ہی عجیب تذکرہ
مونس ہر فریق ہے، غم زدوں کا رفیق ہے

طبع رواں مری ہوئی، طالب سالِ طبع جب
آئی ندائے ہاتفی، تذکرۂ عتیق ہے

تقریظ و تاریخ ریختۂ کلک جواہر سلک شاعر یکتا ناثر بے ہمتا محقق والا نظر سخن گستر

معدن صدق و صفا منبع فہم و ذکا تحقیقی منشی نراین پرشاد صاحب مہر شاگرد رشید نواب فصیح الملک مرزا داغ، منصرم محکمۂ تعلیمات ریاست گوالیار

ہر بات جہاں میں شعرا کی ہے نرالی
ہو واقعہ کوئی کہ ہو مضمون خیالی

جادو کا اثر رکھتی ہے تقریر دل آویز
انکا کوئی مضموں نہیں تاثیر سے خالی

ٹکسال ہے یا انکی طبیعت ہے الٰہی
سانچے میں ڈھلی نکلی ہے جو منہ سے نکالی

وہ مال ہے انکے سخن نغز کی پونجی
جس کا بجز انکے کوئی وارث ہے نہ والی

آزردہ کسی حال میں انکو نہیں دیکھا
سر پر جو پڑی انکے وہ خوش ہو کے اٹھا لی

ہر وقت رہا کرتے ہیں خوش فکر سخن میں
جاتی نہیں انکے کبھی چہرہ کی بحالی

چپ بیٹھے تو لب پر ہوئی قربان خموشی
کی بات تو ہر بات میں اک بات نکالی

اس طرح چہکتے ہیں یہ گلزار سخن میں
گویا روش بلبل خوش لہجہ اڑا لی

سیکھے کوئی ان لوگوں سے انداز تکلم
رندوں سے اگر بات کی تو شیخ پہ ڈھالی

جو بات یہ کہہ دینگے پھر اس سے نہ ہٹینگے
ہٹ جائیں اگر قطب جنوبی و شمالی

ہر پھول سے یہ گوندھتے ہیں ہار سخن کے
ہے انکی طبیعت چمن نظم کی مالی

تشبیہ اگر ڈھونڈھتے ہیں سرخی لب کی
گلشن سے یہ پھولوں کی اڑا لاتے ہیں لالی

ہر چشم گہربار کے اشکوں سے بنا کر
موتی کی پہنا دیتے ہیں یہ کان میں بالی

مر جاتے ہیں یہ دیکھ کے انداز خموشی
جی جاتے ہیں سنکر لب جاں بخش سے گالی

اللہ رے نزاکت نہ دہن ہے نہ کمر ہے
دنیا سے الگ انکا ہے معشوق خیالی

دیکھو تو انھیں پیار کی باتوں میں انھوں نے
کس پیار سے اردو کی زباں تھی کبھی پالی

جس طرح سے چاہیں یہ کریں صرف زر نظم
قدرت نے انھیں سونپی ہے اس گنج کی تالی

جی چاہا تو جاگی ہوئی قسمت کو سلایا
بن آئی تو بگڑی ہوئی تقدیر بنالی

دل میں جو سمایا کوئی انداز جنوں کا
مجنوں کی طرح سر پہ ہے خاک اڑالی

صحرا میں لگی پیاس تو اشکوں سے بجھا لی
جنگل میں لگی بھوک تو ٹھوکر کوئی کھا لی

زاہد کی مذمت سے کیا ہی کبھی جی خوش
میخانے کی تعریف سے رندوں کی دعا لی

یا ہجر کی شب بند کیے دل میں سب ارمان
یا وصل کی شب حسرتِ دل خوب نکالی

یا دل ہی میں اک شوخ کو مہمان بلا کر
آئی ہوئی سر پر سے گھڑی ہجر کی ٹالی

جنت میں بھی دنیا کے حسیں یاد رہے ہیں
اللہ رے اِن لوگوں کی آشفتہ خیالی

عشق ان کا مگر پاک ہے عاشق ہیں یہ اسیر
ہے ان کے مرقعہ میں جو تصویر خیالی

لاتے نہیں چھپ چھپ کے یہ میخانے سے بوتل
واعظ کی پڑی آنکھ تو داماں میں چھپا لی

یہ رند سیہ مست ہیں صہبائے سخن کے
ان کے لیے آتی ہے گھٹا جھوم کے کالی

پیتے ہیں یہ ہر وقت مئے ناب سخن کی
خالی کبھی رہتی ہی نہیں ان کی پیالی

خمخانۂ جاوید سے مے اِن کو پلا کر
ساقیٔ ازل نے کیے خم سیکڑوں خالی

دنیا میں بھی ان کے لیے اک بحرِ کرم نے
خمخانۂ جاوید کی بنیاد ہے ڈالی

اب اِس میں یہ سب زندۂ جاوید رہیں گے
صورت یہ نئی ان کی بقا کی ہے نکالی

خمخانۂ جاوید ہے یا بزمِ سخن ہے
ہیں اس میں ہزاروں شعرا ماضی و حالی

یہ تذکرہ وہ تذکرہ ہے جس کے سخنور
رکھتے ہیں یہ رتبہ جو ہے اعلیٰ سے بھی عالی

اِس تذکرہ میں اب وہ نظر آتے ہیں ہم کو
جن لوگوں کی صورت نہ کبھی دیکھی نہ بھالی

اِن کے لیے دیکھے ہیں کئی ہند کے قصبے
اِن کے لیے چھانے ہیں بہت شہر و حوالی

اس کام میں دولت بھی مصیبت بھی اٹھائی
جب جا کے ملے یہ دُرِ مضمونِ خیالی

مشہور سخنگویوں کے لکھے ہیں فسانے
کم ناموں کی گمنامی پہ اک روشنی ڈالی

شاعر جو گرے جاتے تھے پھر اُن کو اُبھارا
بیقدری نے جو بات بگاڑی تھی بنائی

ہر ایک کے اِس طرح کیے منتخب اشعار
جس طرح پرکھتا ہے کوئی لعل و لآلی

کلیاں چُنیں ہر طرز کی ہر باغِ سخن سے
ہر رنگ کے پھولوں سے بنائی ہے یہ ڈالی

حلاوت دل آویز ہیں اشعار ہیں دلکش
کانٹے بھی کسی کے نہ اٹھائے سے جہاں میں
مٹنے سے بچایا ہے فنِ شعر و سخن کو
ہیں نیک دل و نیک منش نیک طبیعت
ہیں صاحبِ جود و کرم و دولت و ثروت
فاضل نہیں، ہیں ورثۂ افضال کے وارث
ہے شوق لڑکپن سے انھیں شعر و سخن کا
اس کام کا کیا کہنا یہ وہ کام ہے جس نے
دیدیئے روپے سینکڑوں دیوان لئے ہیں
ان لوگوں کے دیوان بھی چھپوائے انھوں نے
بالیں پہ گئے انکی جو دم توڑ رہے تھے
تلچھٹ سے کیا صاف ہر اک جامِ سخن کو
ہر طرح سے چمکایا غرض اہلِ سخن کو
ہندو کی، مسلمان کی تفریق نہیں کچھ
یہ تذکرہ مجموعہ ہے اشعار کا نادر
دو جلدیں اسی تذکرہ کی پہلے چھپی ہیں
اس جلد میں جتنے شعرا جلوہ نما ہیں
یوں انکی چمکتی ہے سفیدی و سیاہی
ہے خوب لکھائی تو چھپائی بھی ہے مرغوب
کیا آب ہے کیا تاب ہے اس جلد کی واللہ
ہے دیکھ کے اسکو یہ دعا قیصر کے لب پر

دیکھے انھیں اب آنکھ جو ہو دیکھنے والی
یہ پوٹ جو احسان کی ہے باندھ کے ڈالی
یہ لالہ سری رام کی ہے ہمت عالی
دل انکا ہے نقش و حسد و رشک سے خالی
اللہ نے بخشا ہے انھیں رتبۂ عالی
عالم ہی نہیں، ہیں مملکتِ علم کے والی
اس کام کی بنیاد اسی شوق نے ڈالی
مردوں کو کیا زندہ تو زندوں سے کمالی
ایسوں سے جنھوں نے یہ گراں جنس چھپا لی
شہرت کو سمجھتے تھے جو اک خام خیالی
دب جاتی جو ساتھ انکے وہ دولت بھی نکالی
ہر اک کی پیالی یونہیں آنکھوں سے لگا لی
حالت شعرا کی بخدا خوب سنبھالی
ہے قابلِ تعریف یہ آزاد منیالی
تاریخ سخن ہے یہ زمانے سے نرالی
اب تیسری جلد اسکی یہ چھپوا کے نکالی
ہے مرتبہ انکا مری تعریف سے عالی
جس طرح کوئی رات ہو اجلی کوئی کالی
ہر طرح سے یہ نور کے سانچے میں ہے ڈھالی
حساد نے بھی دیکھ کے جاں اپنی جلا لی
اللہ کرے اور بڑھے ہمتِ عالی۔

قطعۂ تاریخ از رشحاتِ قلم جادو نگار شاعرِ نکتہ پرور سخن گستر منشی کاظم حسین صاحب محشرؔ لکھنوی

یہ شاعروں کا تذکرہ یا جام ہے جمشید کا
جی چاہے جس سے ملنے کو ملِ کر ہیں جو دب

جانکاہیوں پر آفریں، واہ اے مصنف واہ وا
تحریر میں حالات کے کیا کیا اٹھائے ہیں تعب

زندہ ہیں جس سے زندہ دل مردوں پہ احسان کر گئے
تاریخ اہلِ فن لکھی محنت اٹھائی روز و شب

دفتر یہ نظم و نثر کا لکھا گیا ہے بے نظیر
جسکے تمام اوراق ہیں سو سو ترقی کے سبب

محشرؔ نے سالِ طبع کو یوں خاتمہ پر لکھدیا
خمخانۂ جاوید ہے نسخۂ حسنِ ادب
۱۹۱۵ء

قطعۂ تاریخ از تراوشِ خامۂ جادو نگار مجموعۂ فصاحت و بلاغت گلدستۂ ذہانت و ذکاوت شاہدِ نازِ رعنائی خیال شاعرِ باکمال پروفیسر مولانا حامد حسین صاحب قادری ساکن بچھرایوں پروفیسر آگرہ کالج

تذکرہ مطبوع شد "خمخانۂ جاوید" نام
ہست این کانِ سخن جانِ سخن شانِ سخن

حامد اگر فکر داری سالِ ترتیبش بگو
میکدہ گویا کشادہ بہارستانِ سخن
۱۹۱۴ء

ایضاً

دنگ ہیں سارے حسینانِ جہاں
تذکرہ میں ہے وہ شانِ دلبری

چھپ کے جب نکلا تو دل نے یہ کہا
آج نکلا تذکرہ بن کر پری
۱۹۱۴ء

ایضاً

کیفیتیں درج تذکرہ ہیں
سب فنِ سخن کے ماہروں کی

حامد لکھو سالِ جلدِ ثالث
تاریخ ہے یہ بھی شاعروں کی

ایضاً

گلِ اشعارِ سخن سنجاں سے
ہوا آراستہ کاشانۂ نظم

کہدو تاریخ اشاعت حامد
یہ بھی اچھا ہے پریخانۂ نظم
۱۹۱۵

ایضاً

اسی تذکرہ سے ہے رونق سخن کی
کیا اس نے احسان سب شاعروں پر

کہی اسکی تاریخ حامد نے فوراً
یہی بادۂ شاعری کا ہے ساغر
۱۹۱۵

ایضاً

حوریں ہیں جس میں نثر کی جنت یہی ہے وہ
پریاں ہیں جس میں نظم کی وہ قاف ہے یہی

تاریخ ایک مصرعۂ روشن سے ہے عیاں
آئینۂ عروسِ سخن صاف ہے یہی
۱۳[illegible]

ایضاً

شائقِ فنِ سخن کے واسطے
کہہ دو حامد تذکرہ کا سالِ طبع

کچھ عجب دلچسپ مجموعہ ہے یہ
ظاہر و باطن ہیں دونو زیب دہ

ایضاً

یہ تذکرہ ہزار دستان
جلوہ گستر ہیں تذکرے میں
ہیں صاحبِ تذکرہ سیر برام
وہ رشکِ مصورانِ چیں ہیں
دو سال ہیں ایک مصرعے میں

فائق ہوا با ہزار تزئین
اہلِ سخن پسین و پیشیں
بیشک ہیں وہ مستحقِ تحسین
یہ رشکِ نگارخانۂ چیں
(باغ نیرنگ) و (باغِ رنگیں)

صاحبِ تذکرہ ہیں خود ساقی بادۂ سخن
ساغرِ بادہ ہیں وہ سب شعر جو تذکرہ میں ہیں
سال کی فکر تھی مجھے ہاتفِ غیب بول اٹھا

ساقی بادۂ عنب آپ سا ذی کرم نہیں
جن کے مقابلے میں کچھ قیمتِ جامِ جم نہیں
میکشِ شاعری کو بھی میکدے سے یہ کم نہیں

ایضاً

واہ کیا باغِ سخن آج نظر آیا ہے
شعرا اسکے ہیں مالک تو مولف اسکا
جو غزل اسمیں ہے گلبن ہے نہیں شان میں کم
بوئے گل سے ہیں سوا روح فزا معنیٔ شعر
دیکھی یہ شان تو حامد نے یہ تاریخ کہی

شاد ہر شاعرِ اردو کا دلِ غمگیں ہے
باغباں اسکا ہے اور لائقِ صد تحسیں ہے
تذکرہ کا جو خریدار ہے وہ گلچیں ہے
شاخِ گل شعر ہے ہر لفظ گلِ رنگیں ہے
واہ یہ تذکرہ اک گلشنِ نو آئیں ہے

قطعاتِ تاریخ تراویدۂ خامۂ جادو طراز شاعرِ بے نظیر سخنورِ پُر تاثیر منشی گوری شنکر صاحب قیصر انسپکٹر چونگی شاگردِ حضرت ظہیر مغفور و برادرِ سخنورِ باکمال منشی بہاریلال مشتاق

جلوہ گر یہ کونسا تجلتِ دہ مہتاب ہے
کہہ رہا ہے آج کچھ عقدِ ثریا کا نکھار
دل میں اتری ہے کبھی جاتی ہے آنکھوں میں بہار
چاندنی چٹکی ہوئی پھیلی ہوئی ہے بوئے گل

آج ہے اللہ کیسا نور افشاں آسماں
کر رہے ہیں کہکشاں سے کچھ ستارے شوخیاں
رنگِ عارض کیا حسینوں کا شفق میں ہے عیاں
باغِ عالم بن گیا ہے رشکِ گلزارِ جناں

کونسا ہے شاہدِ رنگیں ادا جلوہ نما
چھوٹتی مہتاب کے رُخ پر بھی ہیں مہتابیاں

فرطِ عشرت سے ہر طرف وہ نور برسانے لگا
کر دیا ہے چار جانب ایک نورانی سماں

یک بیک مغرب کی جانب سے اٹھی کالی گھٹا
بجلیاں سی جسکی رگ رگ میں نظر آئیں طپاں

دور سے پانی کی لہریں صاف آتی ہیں نظر
اسقدر لبریز ہے ابرِ سیہ دامن فشاں

آ رہی ہیں کیا ہوائیں عطر افشاں سرد سرد
ہو گیا جس سے مشامِ جاں بھی رشکِ بوستاں

عطر افشاں ہے صبا تو ابر گوہر ریز ہے
پڑ رہی ہیں آسماں سے ننھی ننھی بوندیاں

ہو گیا ہے صاف اب گرد و کدورت سے چمن
بن گیا صحنِ گلستاں مثلِ قلبِ صوفیاں

کھل رہے ہیں پھول ہر سو بوئے خوش ہے ہر طرف
ہو گئی ہے کیا دو چنداں زیبِ گلزارِ جہاں

شاخِ گل مستی سے آتی ہے نظر ساغر بدست
مست ہو کر اس طرح کچھ جھومتی ہیں ڈالیاں

اک فقط گل ہی نظر آتا نہیں رنگیں قبا
باندھ لیں کلیوں نے بھی سر پر گلابی پگڑیاں

پھر رہی ہیں آج اترائی ہوئی کیا بلبلیں
نغمہ سنجی میں ہے جنکی اک مسرت کا نشاں

سبزۂ بیگانہ بھی اپنو یگانہ بن گیا
سبزہ رنگوں کی طرح ہے سبز سارا گلستاں

دل میں کہتا تھا یہ میں اللہ ہے کیسی خوشی
کیوں مسرت ریز ہر سو ہو گیا سارا جہاں

اب نہیں عشاق کے لب پر کہیں آہ و بکا
بیوفائی چھوڑ بیٹھے ہیں حسینانِ زمان

ابروؤں کے بانکپن میں اب نہیں اندازِ ظلم
اب نہیں ہے تیغِ جوہر دار وہ موئے میاں

مطلعِ مہر و وفا کا صاف ہے آنکھوں میں رنگ
مصرعۂ برجستہ گویا بن گیا قدِ بتاں

اب نہیں ترچھی نظر میں تیر کے انداز وہ
اب نہیں لیتی ہے بل کی کاکلِ عنبر فشاں

اُٹھ گیا جور و ستم کا اب زمانے سے رواج
بن گئے ہیں اب جہاں میں عیب سارے خوبیاں

شاہدِ رنگیں ادا نے سحر کچھ ایسا کیا
سبکو یکساں کر دیا ہے اے **ضمیرِ** نکتہ داں

کچھ خبر بھی ہے تجھے غفلت تری یہ تا کجا
ہو گیا عالم میں اک ناز آفریں جلوہ کناں

چھپ گئی جلد سوم خمخانۂ جاوید کی
جس میں لکھا ہے کلامِ نغز گویانِ جہاں

واہ رے لالہ سیر رام اے سخن پیرائے دہر
کر دیا مخمور اک عالم کو وہ ساغر دیئے
ہے یہ مے اک آتشہ، دو آتشہ، سہ آتشہ
چھانٹ کر شائع کیا ہے وہ کلام دلپسند
ہے سکندر کا یہ آئینہ کہ جامِ جم کہوں
چھپ چکا جب تذکرہ لالہ سیر رام آپکا
اسکے چھپ جانیکا سمت تو یہ لکھدے ای قصیر

واہ رے خمخانۂ جاوید کے پیرِ مغاں
ہو گئے پُر کیف اس مے کے جو ہیں لذت چشاں
حال و ماضی کی ہے اس مینا میں رنگت بیگماں
جسپہ شیدا ہو گئے ہیں کل حسینانِ جہاں
لکھ نہیں سکتا جو لکھے کوئی اسکی خوبیاں
دی ندا یہ ہاتفِ غیبی نے مجکو ناگہاں
ہو گیا خمخانۂ جاوید مشہورِ جہاں

لوگ قربان ہو کے کہتے ہیں
آنکھیں دنیا کی ہو گئیں روشن
شعلۂ خوشاعرونکا لکھا ہے حال
سالِ تاریخ ہے قصیر یہی

۱۹ ے ۲
غیرتِ حور تذکرہ یہ ہے
واہ کیا نور تذکرہ یہ ہے
رو کشِ طور تذکرہ یہ ہے
چشمِ بد دور تذکرہ یہ ہے
۱۴ ۱۹ء

دیگر

سیر رام صد آفریں آپ کو
زبانوں پہ دنیا کی ہے اس کا نام
مجھے اسکی تاریخ کی فکر تھی
ندا غیب سے آئی لکھدے قصیر

بہ محنت سے لکھا ہے کیا تذکرہ
اسی کا ہے اب جا بجا تذکرہ
یہی دوستوں میں ہوا تذکرہ
عجب شان کا جاں فزا تذکرہ

دیگر

عیاں تذکرہ کی ہوئیں خوبیاں
قصیر اسکی تاریخِ ترتیب لکھ
لکھا کیا تذکرہ لالہ سیر رام
قصیر اس کا لکھو تم سالِ ہجری

کھلا آج جوہر سیر رام کا
کہ نامی ہے دفتر سیر رام کا
۱۳ ۲ ۲
کھلا ہے وہ ہر ہیں گو یا چمن یہ
چھپا ہے اک گلستانِ سخن یہ
۱۳ ۳۲ء

دیگر

نہ کیوں فیضیاب اس سے ہو اک جہاں
کہی اسکی تاریخ میں نے قصیر

چھپا تذکرہ یہ بڑے کام کا
عجب ارمغاں ہے سیر رام کا
۱۴ ۱۹ء

لکھا ہے جامع یہ تذکرہ کیا سخنوروں کا ہے حال سارا
جہاں میں ثانی نہیں ہے جس کا دکھائے اِس کا جواب کوئی

کوئی جو خوش ہے تو کوئی غمگیں جہاں میں لاکھوں ہیں دوست دشمن
ہوا ہے مسرور کوئی اِس سے بنا ہے جلکر کباب کوئی

کلام سارے سخنوروں کا لکھا ہے کُل حال شاعروں کا
سُنی نہ دیکھی کبھی کسی نے جہاں میں ایسی کتاب کوئی

چمک یہ کس کی ہے نور کس کا زمانہ جس سے ہے جگمگایا
اُتر کر آیا ہے آسماں سے زمیں پہ کیا آفتاب کوئی

یہ اس کا ہر شعر کہہ رہا ہے کہ منتخب ہوں زمانے بھر کا
ورق ہے یا عارضِ حسیں ہے دکھائے ایسا شباب کوئی

مہک ہے اِسکی وہ روح پرور مشامِ جاں جس سے ہو معطّر
کِھلا دیا اِک چمن سراسر کرے گا کیا انتخاب کوئی

چمک گئے گوہر مضامیں، ہیں شعر سب نبجۂ نگاریں
کہ مانندہوں جس سے ماہ و پرویں دکھائے کیا آب و تاب کوئی

کہیں فروزاں دماغ رنگیں، کہیں نمایاں ریاضِ گلچیں
پیا ہے خونِ جگر کسی نے ہوا کہیں فیض یاب کوئی

دماغ کے ساتھ صرفِ زر ہے یہ ہے سیر رام ہی کا حصّہ
کبھی جہاں میں کہیں ہوا ہے قصیر یوں کامیاب کوئی

یہ کسکی ہمت تھی اِس طرح سے کہ تذکرہ شاعروں کا لکھے
پلائے آبِ حیات سکو جہاں میں لے یوں ثواب کوئی

خیالِ عالی کو ہے یہ شایاں کہ ناز و تمکیں رہے نمایاں

جواب بنجائے آسماں کا جو سر اٹھائے حباب کوئی
دُرِ مجمّعِ گُہرِ نکتہ پرور کہ پھول انکے ہیں منتخب تر
نہ ایسی رنگت نہ ایسی خوشبو ہزار دیکھے گلاب کوئی
کیا ہے اے دل کمال کیسا کہ عطر کا عطر کھینچ لائے
دُرِ سخن منتخب کیا ہے گہر فشاں ہے سحاب کوئی
جہاں میں اہلِ کرم بہت ہیں مگر یہ ہمت کہاں کسی میں
کھپائے یوں جان زار کوئی لٹائے زر جیاب کوئی
کہاں ہیں اب ایسے قدر افزا ہر اک ہے نام آوری کا جویا
کسی کو عہدے کی ہے تمنا تو مانگتا ہے خطاب کوئی
بنایا خمخانہ نگاریں سبیل اس میں ہے رشکِ کوثر
سرور ہے جس کا روح پرور نہ ایسی دیکھی شراب کوئی
بھرا ہے رنگیں وہ اس میں بادہ سہ آتشہ سے بھی ہے زیادہ
دکھائے ایسی کتاب کوئی پلائے ایسی شراب کوئی
ہے رشکِ صد غنچہ مصرعہ مصرعہ بیان رنگین ہیں سراپا
چمن ہیں یا شعر ہیں یہ رنگیں کھلا گلستاں کا باب کوئی
کہا یہ ہاتف نے عیسوی ہو **قصیر** تاریخ طبع اسکی
چھپا ہے کیا تذکرہ یہ نادر نہیں ہے جس کا جواب کوئی

قطعہ تاریخ از تصنیف منیف منشی بنائک پرشاد صاحب شریف ساکن نواح بنارس

بہر تاریخ غنچۂ جاوید	فکر تھی کوئی مختصر کیجیے		آئی اتنے میں یہ صدا غیبا	اسکو منظوم یادگار کیجیے
تاریخ ہزار داستان شد	از غیب ہاتف شریف مسموع	دیگر	کز فیض مکرمی سریرام	کتب نایاب گشت مطبوع

تذکرہ نظمِ عالم آرا ہے	کہ لکھو یوں شریف سال ہے	دیگر	چشمِ ہاتف کا یوں اشارا ہے		ہے تاریخ تحفۂ جاوید

قطعات تاریخ از نتائج فکر نخلبند گلزار معانی طوطی شکرستان خوش بیانی، سخنور نازک خیال منشی پیارے لال رونق دہلوی تلمیذ رشید حضرت راسخ دہلوی صاحبِ دیوان رونقِ سخن

پھر بنا ابر سایۂ رحمت
پھر ہے ہر سمت بارشِ عشرت

پھر بہارِ نشاط آئی ہے
پھر کھلے باغ میں گلِ راحت

پھر بچھا فرش سبز مخمل کا
بدلی صحنِ چمن کی پھر رنگت

پتہ پتہ زمرّدیں ہے آج
ہے عیاں حُسنِ جوہرِ قدرت

نخلِ امّید پھر پھلا پھولا
پھر نظر آئی عیش کی صورت

شاخ ہر گل پہ ہے بہارِ نئی
ہر شجر کو ملا نیا خلعت

برگ و بارِ چمن نمونۂ حق
رنگِ ہر گل ہے جلوۂ صنعت

لوٹ ہے دل بہارِ تازہ پر
فرح بخشِ دماغ کیفیت

نغمۂ طوطیانِ گلشنِ ہند
غلغلہ سازِ خوبیٔ فطرت

ہر سخن وقفِ زمزمہ سنجی
بانگ بانگِ ترانۂ عشرت

کوئی پڑھتا ہے کلمۂ یاہو
ہے کسی لب پہ نعرۂ وحدت

شورِ بلبل برنگِ سازِ آہنگ
نالۂ دل سے نغمۂ راحت

اب کہاں الغیاث و وا فریاد
کر سکے شور کسکی ہے طاقت

دیکھنے کو نظر ہیں کلفتِ دل
صاف روشن ہے آئینۂ صورت

مست صہبائے نظمِ عیش جہاں
لب پہ ہے ذکر ساغرِ راحت

پھر جما آج رنگِ خمخانہ
رنگ پھر لائی مستیٔ عشرت

پھر ہے شورِ نشاط رندوں میں
جشنِ شادی کی پھر بجی نوبت

رنگِ دَورِ سرورِ بادہ سے
وجد میں جھومتے ہیں مستی سے
غش ہیں حسنِ سخن پہ آج
دیکھتے ہی اُدھر سرور آیا
کر رہے ہیں طوافِ چشمِ بتاں
چھلکے پھر ساغرِ گُلِ مضمون
رنگ لائے نہ کیوں سرورِ نشاط
جسکی مشتاقِ دید تھیں نظریں
رونمائی ہے ایسے شاہد کی
یعنی وہ تذکرہ ہوا شائع
سرورق رشکِ روئے محبوبان
سطریں ہیں کاکلِ مسلسلِ یار
بانکپن کی ادا ہے لفظوں میں
دلفریبِ زمانہ ہیں اشعار
حسنِ معشوق کی ہے اِک تصویر
اِسکی اک شان میں ہیں حُسن ہزار
دائروں پر ہے ماہِ نو قرباں
مطلع مطلع ہے، مطلعِ انوار
جدولیں رشکِ کہکشانِ فلک
لوح لوح جبین حورِ بہشت
دیکھکر رنگِ حُسن کی شوخی

صوفیوں کی بدل گئی نیت
ہے نگاہوں میں حسن کیفیت
زاہدوں کی تھی یہ کہاں قسمت
ہوگئے مست بادۂ الفت
کیفِ مستی سے ہے عجب حالت
مۓ معنی کی پھر کھُلی رنگت
وے نہ دَورِ خمار حبِ فرصت
جلوہ گر وہ ہوا بصد زینت
جانِ عشاق جسکی ہے قیمت
جسکی دنیا میں ہوگئی شہرت
چشمِ بینا کو جس سے ہو حیرت
مصرع مصرع ہے غیرتِ قامت
نقطہ نقطہ ہے خال کی صورت
شوخیٔ نظم سے عیاں جدّت
نقشِ آئینہ۔ نقشۂ حیرت
رنگِ وحدت میں جلوہ گر کثرت
حسنِ تحریر پر فدا شوکت
جسپہ صدقے ہے مہر کی طلعت
گوشہ گوشہ ہے آفتاب صفت
چرخ پر جس سے ماہ کو خجلت
تڑپے خورشید برق کیصورت

رنگ ہیں اِس میں وہ عجیب و غریب　بن گیا ہے کرشمۂ حیرت
شانِ مضمونِ نو میں شانِ جمال　حسنِ معنی میں جلوۂ صنعت
لفظ بی و دلبری اِسکی　رکھتی ہے ایک رنگِ محویت
لفظ لفظ اس کا سحرِ سازِ جہاں　فقرہ فقرہ نمونۂ صنعت
رنگِ صوری پہ معنوی کو فروغ　حسنِ صورت سے ہی فزوں سیرت
ہے یہ ایک جلوۂ ہلالِ عید　اُنگلیاں اُٹھتی ہیں دمِ رویت
طالبانِ جمال کو اپنے　بخش دیتا ہے حسن کی دولت
دل میں بنکر سرور رہتا ہے　خالِ مردم میں نور کی صورت
عطر بیزِ جہاں گلِ مضموں　اِسکی ہے ہر دماغ میں نکہت
اِس میں ہے ذکرِ شاعرانِ ہند　جن پہ نازاں ہی نازشِ شہرت
ہر سخن اِن پہ فخر کرتا ہے　اِن سے ہے ہر کلام کی زینت
عہد کے اپنے عُرفی و سعدی　دل میں شوخی ہی طبع میں جودت
اِنکی ہے ہر دلیل میں منطق　ہر سخن میں ہے اک نئی حجت
دخلِ حسنِ کلام میں کسکو　ہو کوئی حرف گیر کیا طاقت
کر دکھاتے ہیں کاہ کو یہ کوہ　اللہ اللہ خیال کی رفعت

علمِ ہیئت میں، علمِ ہندسہ میں　اِک کرامت ہے طرفہ ماہیت
ہو اشارے میں طے رہِ مشکل　اک قدم ہے منازلِ وقت
دفترِ نظم دفترِ میزان　ہندسہ ہندسہ ہوا ہیئت
فلسفہ پر اگر اٹھائیں قلم　صفحہ صفحہ ہو دفترِ حکمت
ہاتھ علمِ رمل پہ گر ڈالیں　کھولدیں اک جہاں کی ماہیت
سیرِ سیارگاں سے آئینہ　ہے نجوم فلک کی سب حالت

نقشہ نقشہ جدا ہے یہ شکل جدا	خانہ خانہ کی اک نئی صورت
حسن معنی کی کھینچی تصویر	انکا ہے ایک رنگِ علیت
گل کھلاتی ہے شوخیِ مضمون	ہے فضا اسکی غیرتِ جنت
بند کرتے ہیں کوزہ میں دریا	حسنِ قلت میں جوہرِ کثرت
توڑ لاتے ہیں عرش سے تارے	لکھتے ہیں خالِ یار کی جو صفت
وہ خیالِ بلند ہے اِن کا	پست ہے جس سے چرخ کی رفعت
دمِ اوصاف ابروئے پُرخم	خامہ بن جاتا ہے ہلال صفت
ہے علوم و فنون پہ قادر	ہر ہنر میں جہاں پہ فوقیت
اِن کا نیرنگِ طبع ایک طلسم	انقلابِ زمانہ ہے حالت
دِل الگ سب سے ہے دماغ الگ	اِنکی خصلت ہے اِک جدا خصلت
رندی و پارسائی ہے شیوہ	ہوشیاری و بےخودی عادت
محفلِ عام اِنکا رنگِ خیال	خلوتِ خاص گوشۂ عزلت
انکو یکساں کنشت و کعبہ و دیر	دلنشیں ہے خیال کی صورت
ہے کبھی باغ و راغ میں مسکن	گھر کبھی اِن کا وادئی وحشت
ہیں کبھی محوِ یادِ روئے بتاں	ہے کبھی ذکرِ یار سے نفرت
ہے کبھی معرفت پہ چشمِ ادب	ہے بتوں سے کبھی انھیں رغبت
رازداں ہیں کبھی حقیقت کے	ہیں کبھی محوِ حسنِ کیفیت
ہیں کبھی فرطِ شوق میں مضطر	کبھی صبر و سکوں سے ہی خلوت
ناتوان و نحیف و زار کبھی	کبھی حاصل جہاں کی قوت
کبھی آہوں کی سرد بازاری	ہے کبھی تیز آتشِ الفت
مائلِ سیرِ آسماں ہیں کبھی	کبھی فرشِ زمیں ہیں خاک صفت

گلۂ جورِ آسماں ہے کبھی
کبھی حق سے شکایتِ قسمت

کبھی بیماریٔ فراق ہیں
شربتِ وصل سے کبھی صحبت

دل کبھی یاس وغم کا کاشانہ
آرزوؤں کا گھر کبھی راحت

دل پراگندۂ سخن ہے کبھی
چمنِ نظم سے کبھی فرحت

جلوۂ حسن ہے نظر میں کبھی
کبھی بے نور دیدۂ حسرت

ہیں کبھی نازکیٔ گل پہ فدا
ہے کبھی بوئے باغ سے نفرت

کبھی ماتم کدہ نظر میں جہاں
خانۂ عیش ہے کبھی تربت

کبھی دلدادۂ حسیناں ہیں
ہے کبھی حورِ خلد کی چاہت

ہے شریعت میں دخلِ شرک کبھی
ہے کبھی ان کو محبتِ بدعت

ننگِ ونام ونمود ہیں یہ کبھی
کبھی خواہانِ خلعتِ عزت

کبھی خودکاریوں پہ نازاں ہیں
کبھی فعلِ عبث پہ ہے لعنت

ہے کبھی خوئے انتہائے نیاز
کبھی علم وعمل پہ ہے نخوت

سخن تلخ اور لبِ شیریں
زہر میں ہے حلاوتِ شربت

انکی فکرِ رسا مطیعِ شوق
ان سے کب ہے خیال کو فرصت

نقشِ دل حسنِ نقشِ بوقلموں
ہے نظر میں جہاں کی کیفیت

ہے خودی انکی بیخودی کی مثال
ہوشیاری میں ہے نہاں غفلت

ان سے ہے بزمِ صوفیاں آباد
گرم ہے حال وقال کی صحبت

کبھی مجذوب ہیں، کبھی سالک
متغیر ہے ہر گھڑی حالت

رنگ ڈھنگ انکے سب نرالے ہیں
انکی دنیا سے ہے نئی خلقت

لے غم وزد سے غم کا لا
ایک ہے انکو عشرت وعسرت

ہوں بیاں وصف کیا مؤلف کے
ہے یہ سب آپکے فیض کی برکت

وہ سریرام منبعِ خوبی ‌ــ مخزنِ جود صاحبِ ہمت
ذی ہِمم، ذی شعور، ذی رتبہ ‌ــ ذی کرم، ذی تبار، ذی حشمت
نیک دل۔ نیک ذات، نیک نہاد ‌ــ نیک خو، پاک باز، خوش طینت
خوبی و وضع، اک غلامِ خاص ‌ــ خادمِ بابِ عام ہے شوکت
لاکھ جوہر ہیں اُنکی اِک خوبی ‌ــ لاکھ اوصاف اِنکی ایک صفت
غیر ممکن جو پاس آئے غرور ‌ــ خُلق سے اُنکے دُور ہی نخوت
ہمہ دانِ جہاں مشیر و انیس ‌ــ ماہرانِ فنون سے صحبت
اِنکا اقلیمِ نظم میں سکہ ‌ــ ہر دیارِ سخن میں ہے شہرت
جانچ لینا سخن کو نظروں میں ‌ــ ہے کرشمہ کلام کی صحبت
لِکھدیا تذکرہ وہ لاثانی ‌ــ ہر صفت اُسکی اک نئی ہی صفت
بن گیا کان جو ہر و زر کی ‌ــ اسپہ قربان کی ہے وہ دولت
ہر سخن کو طفیل سے اِنکے ‌ــ مل گیا آج تمغۂ عزت
انتخابِ کلامِ نادر سے ‌ــ شاعروں کی ہوئی فزوں عظمت
نغز گویانِ ہند کو بخشا ‌ــ شرفِ خدمتِ درِ دولت
حُسنِ ظن ہے کلام سے ظاہر ‌ــ طبعِ روشن کی آئینہ جودت
دولتِ عِلم پا گیا گویا ‌ــ مل گئی جسکو آج یہ نعمت
جو نہ پاتا تھا نام وُہ پایا ‌ــ جو نہونی تھی وہ ہوئی شہرت
ہیں یہ پیرِ مغانِ خمخانہ ‌ــ بھر دی ہر دل میں مستئ عشرت
وہ گُندھائے ہیں ساغرِ مضمون ‌ــ پائی رندی نے زہد پر سبقت
اِس میں لُطف مے سہ آتشہ ہے ‌ــ نشہ ہے اِس کا باعثِ فرحت
واعظ و شیخ و صوفی و زاہد ‌ــ کی ہے اِن سب نے آپسے بیعت

ہے یہ بنیادِ میکدہ ان سے ❊ دم قدم سے انھیں کے ہے زینت
خوبیٔ دورِ دوم و اول ❊ کر گئی سب کو محو صد حیرت
صنعتِ حق ہے رنگِ دورِ سوم ❊ جلوہ اس کا ہے جلوۂ قدرت
نقشِ آئینہ جہاں ہے یہ ❊ جامِ جم کی ہے اِس میں خاصیت
ہے یہ پیوستۂ سرور و نشاط ❊ اِس سے وابستہ ہوئے فرحت
کوششیں انکی لائق تحسیں ❊ قابلِ داد و آفریں محنت
تا قیامت جہاں میں شاد رہیں ❊ سر پہ ہر دم ہو سایۂ رحمت
خیر خواہوں کو انکے عیش مدام ❊ دشمنوں کو نصیب ہو زحمت
حسنِ خمخانہ، اور یہ تقریظ ❊ ذرہ کو آفتاب سے نسبت؟
تھا جو رونق کو پاس خاطر دوست ❊ اُسپہ فرمایشوں کی تھی کثرت
لکھدیا پہلے یہ سن ہجری ❊ یعنی عکسِ کرشمۂ حیرت ۱۳۳۴
پھر یہ نکلا قلم سے برجستہ ❊ کہ، ہے خمخانۂ مے راحت ۱۹۱۷ ب
پھر کہا اور مصرعۂ رنگیں ❊ ہے عجب دورِ ساغرِ بہجت ۱۹۱۷
پھر یہ تاریخ عیسوی لکھدی ❊ ہے یہ اک حسن غنچۂ فرحت ۱۹۱۵ء

قطعۂ دیگر

ہر بیت اسکی سلکِ دُرِ آبدار ہے ❊ کس آب تاب کا ہے یہ واللہ تذکرہ
ہے اِسکی شانِ حسن پہ چشمِ جہاں فدا ❊ آئینہ سامنے ہے کبھی۔ گاہ تذکرہ
جلوہ ہے اِس کا جلوۂ رنگِ بہارِ باغ ❊ ہے دلکشا و دلکش و دلخواہ تذکرہ
تاریخ طبع اسکی ہے سمت میں آشکار ❊ رونق کہو۔ یہ خوب چھپا واہ تذکرہ ۱۹۱۷ ب

دیگر

یہ ہے تذکرہ یا بہارِ بہشت ❊ گلِ نظم کا پُر فضا باغ ہے
سُنو اسکی تاریخ رونق سے تم ❊ سری رام کیا دلکشا باغ ہے ۱۹۱۵ء

دیگر

لکھا ہے خوب لالہ سری رام تذکرہ ❊ گلہائے شعر تر کا کھلایا چمن عجب

اس بلیغ نے ہے پیارا کہا برجستہ سال طبع	رونق سے سنئیے، لطفِ بیان سخن عجب
جب مرتب ہو چکا مرغوب دلہا تذکرہ	دیکھکر حسن کلام نغز گویانِ جہاں
بوستانہائے سخن ہیں تازگی بخشِ دماغ	دل ہوا نظارۂ ہر شعرِ تر سے شادماں
غیب سے آیا یکایک مژدۂ فرحت فزا	لکھدے تاریخ اسکی رونقِ ارمغانِ شاعراں

چون سوم تذکرہ نبوشت	گشتہ بندہ محو از حیرت
جلد سوم با حسن و خوبی	کرد تیار صاحب ہمت
مست دسرشار شد بیک ساغر	جرعہ نوشے زبادۂ وحدت
عاشقاں را پیام وصلت داد	یافت ہر دل بشارتِ عشرت
وجد در بزم صوفیان آمد	دیدہ بایدز حسنِ کیفیت
لطفِ صہبائے عیش یافتہ ام	در کلامے کہ داشت نوعیت
فکرِ تاریخ چوں شد ای رونق	داد ہاتف ندا پے رسمت
از سر ہوش ہست مصرعِ سال	واہ خمخانۂ مے راحت

نثر و قطعہ تاریخ از فخاعر ناز کخیال ناظمِ شیرین مقال منشی عبدالخالق خلیق دہلوی تلمیذ منشی چندر بہان کیفی و حضرت سائل دہلوی

یہ دعا ہے خلیق کی حق سے	تذکرہ ہو یہ زندۂ جاوید

حق تو یہ ہے کہ دوسرا ایسا تذکرہ نہیں لکھ سکتا، کُل اہلِ دہلی کو آپ پر فخر کرنا چاہیئے شعرا کے آپ مسیحا ہیں، مردوں کو زندہ کردیا، اتنا روپیہ خرچ کرنا اور اتنی عرق ریزی کرنی بڑی مشکل ہے، بلکہ غیر ممکن ہے، یہ آپ کو ہی خدا نے غیور دل عطا فرمایا ہے آپکا احسان نہ مانے کونسا نادان ہے، قطعات تاریخ ارسال کرتا ہوں، گر قبول افتد زہے عز و شرف +

بارک اللہ کیا زمانہ ہے!	رات ہے شب برات دن ہے عید

جام ملتے ہیں ہر گھڑی ہر دم
پھر چھلکتے ہیں شیشۂ عشرت
پارسائی کی روح کھنچتی ہے
میکدے پر ہے بھیڑ جوش میں ہیں
بادۂ ناب کی سبیل سے لگے
ساقیٔ مست سے ملا ہے دل
ہے خدائی کا نور آنکھوں میں
نوٹ پر نوٹ دے رہے ہیں آج
دھول دھپّے کی شیخ سے ٹھہرے
دخترِ رز ہے بغل میں رندوں کی
آج مے نوش شادماں کیوں ہیں
عشرت افزا ہے قلقلِ مینا
اور جاری ہوا ہے خمخانہ
شیشے شعر و سخن کے ڈھلتے ہیں
روح پرور کہیں شرابِ کہن
جسکے ہر رنگ میں نرالا رنگ
صفحہ صفحہ ہے روکشِ جاناں
نقطہ نقطہ ہے خالِ محبوباں
عقدِ پرویں ہے ہر سطر اسکی
تیوری میں پڑے ہوں بل جیسے
شاعروں کا ہے حالِ تاریخی

بادہ خواروں کو ہے یہ سالِ سعید
پھر لبالب ہے ساغرِ امید
بادۂ ناب ہو رہی ہے کشید
توڑ ڈالیں گے رندِ سدِ سدید
مے گساروں کی ہے یہی تاکید
ہاتھ آئی ہے میکدے کی کلید
بن گئے جام ساغرِ جمشید
پیگ پر پیگ کر رہے ہیں خرید
ایسے گستاخ ہیں مغاں کے مرید
محتسب کو نہ مل سکے گی رسید
میکدہ کیا کھلا ہے کوئی جدید
بادہ خواروں میں ہو رہی ہے عید
مے کشی کے لیئے ہوئی تاکید
علم کی ہوتی ہے شراب کشید
عشرت افزا کہیں ہے دورِ جدید
جس کی تجدید میں نئی تجدید
مصرعہ مصرعہ ہے ابرؤں کی کشید
مطلع مطلع ہے مطلعِ خورشید
دائروں میں ہے صورتِ ناہید
اسکے ہر حرف پر ہے یوں تشدید
یہ مبارک ہے ارمغانِ جدید

ہے ... سیرام ... خانہ
... [illegible] ... ملے
ایک ہیں اپنے وقت کے نقاد
تذکرہ باغِ جاں نشانی ہے
خوب اشعار انتخاب کیے
صدقے سبحان ہے فصاحت پہ
لکھنؤ تو سب شعر چھانٹ لیتے ہیں
اب اگر لکھتے گلشنِ بیخار
عاشقوں کا کہیں فسانہ ہے
جوش پر پھر بہار آئی ہے
بزمِ عرفاں کے سین کھینچے ہیں
کیوں نہو آپ خاندانی ہیں
نام مشہور تھا مدن گوپال
اونر بیل کی عزت افزائی
آپ آنکھ ہیں آنکھ کے تارے
دولت و جاہ کی ترقی ہے
شوق ہے تذکرہ نویسی کا
تذکرہ یہ خلیق ایسا ہے
پھر تاریخ صاف مصرع ہے

ذات حق کی ہے غیرت جمشید
... ظاہر ہیں جلوۂ خورشید
لوگ کرتے ہیں آپکی تائید
کہہ رہی ہے زباں سے تمہید
کر دیا ختم حسنِ تقطیع و تجرید
آپکے ہاتھ چھٹتا ہے لبید
لطف جب ہے کہیں نہو تقلید
کرتے تب بے شبہ آپکی تقلید
محفلِ یار کی کہیں ہے دید
پھر ہرے ہو رہے ہیں نخلِ شدید
نور افگن ہے جلوۂ توحید
والدِ ماجد آپکے تھے وحید
شان رائے بہادری کی پدید
کیا بیاں ہو زباں سے وصفِ حمید
جلوہ آرا ہیں صورتِ خورشید
مرتبے پر نثار بختِ سعید
نام روشن کریگا کارِ مفید
سب کریں اسکو جانِ دل سے خرید
بے خزاں گلشنِ بہارِ جدید

تذکرہ ملالہ سیرام نے لکھا ایسا
... مضمون میں چھائی ہیں بہاریں کیا کیا

کہنا زیبا ہے زمانے میں جسے جانِ سخن
سب شگفتہ ہیں گل و لالہ و ریحانِ سخن

مصرع مصرع پہ فدا اردو زباں کے شاعر
لہریں لیتا ہے سمندر کی طرح حسنِ کلام
آپ کس فکر میں بیٹھے ہیں خلیق شاداں

نکتہ نکتہ پہ ہیں قربان ہمہ دانِ سخن
معدنِ گوہرِ مضموں ہے یا کانِ سخن
اسکی تاریخ ہے۔ زیبِ چمنستانِ سخن

کیا پر بزا د سے ہے یہ خمخانہ
فکرِ تاریخ سے ہے خلیق اگر
واقعی اسے خلیق خمخانہ
ایک مصرع میں دو ہیں تاریخیں

دیگر

جلوۂ حسن پر ہیں سب شیدا
لکھ چمن ہے نظیر نا پیدا
بے خزاں گلشنِ مضامیں ہے
باغ نیرنگ، باغ رنگیں ہے

سر براہم ہیں خانداں کے چراغ
لکھو بہرِ تاریخ سمت خلیق

عجب نام روشن کیا باپ کا
رہے تا ابد تذکرہ آپ کا

یہ تیسری جلد چھپ گئی ہے
مداح ہیں سب ترے سربراہم
گاتے ہیں تری ثنا کے سب گیت
اِس نسخہ سے تو ہے زندہ جاوید
مصرع ہے کہ سلکِ دُرِ شہوار
افسوں بھی ہیں اسمیں شاعروں کے
آخر میں ہے اسکے عیسوی سن
لکھا ہے خلیق نے یہ سائلؔ

دیگر

اُس تذکرہ کی جو ہے یگانہ
کرتا ہے صفت تری زمانہ
لب پر ہے جہاں کی یہ ترانہ
خم خانہ کا ہے یہ شادیانہ
صفحہ ہے کہ گوہریں خزانہ
نیز اہل سخن کا ہے فسانہ
بہتر نہیں طولِ شاعرانہ
"ارژنگِ سخن نگار خانہ"

۱۵ ۱۹

قطعۂ تاریخ شاعر خوش بیان منشی سیّد محمد قاسم صاحب حزیںؔ سونی پتی

بل بے باد بہار کی رفتار
عطر بیز نسیم صبح سے

ہر گلی کوچہ بن گیا گلزار
دشت بر زن دکانچۂ عطار

[illegible] تاریخ جناب خلیق کا ہر ایک مصرعہ مکرمی مرزا سراج الدین احمد خان سائل نے نکالا ہے

خوب صاحب بڑھی ایسی ۔۔۔ کل سے پہلے منو دہیں اشعار
نازکی سے یہ انقلاب ہوا ۔۔۔ خار نرمی سے ہیں گلوں کے ہار
ہمرنیساں ہے ابر جود و سخا ۔۔۔ آب گوہر ہے قلزم ذخار
غلس ماہی کی طرح سے افلاس ۔۔۔ پہنے پھرتا ہے جامۂ دینار
پارۂ کاسۂ گدائی میں ۔۔۔ سیر مثل جام جم کی ہے اظہار
دیکھو آئینۂ سکندر کو ۔۔۔ کیا حیراں ہے بہشت بر دیوار
کیوں ہے پھر یہ تماشۂ حیرت ۔۔۔ کیا کسی نوعیت کا ہے اظہار
ہاں کسی مست ارغوانی نے ۔۔۔ میکشوں کے لیئے کیا تیار
ایک ایسا عجیب خمخانہ ۔۔۔ نام سے جسکے ہو ہر اک سرشار
اسے سر پیر ام ولہ کیا کہنا ۔۔۔ ایسی تلچھٹ کا اور ایسا نکھار
اسکو لکھوں نگار خانہ میں ۔۔۔ یا کہوں اسکو غیرت گلزار
از سر ہوش لکھ حزیں تاریخ ۔۔۔ ہے یہ بے مثل مخزن الاشعار
لکھ سن ہجری بٹے سر بد ہیں ۔۔۔ ہے عجائب خزینۂ اشعار

خلاصۂ تحریر و قطعہ تاریخ از نتائج افکار گہربار ناظم خوش خیال سخنور عدیم المثال منشی حب لال صاحب رعد وکیل و آنریری مجسٹریٹ بھنڈ ضلع گوالیار

خمخانۂ جاوید کی پہلی جلد میرے پاس پہنچی، اسکی ترتیب، لکھائی، چھپائی، اور عمدگی کاغذ کو دیکھکر طبیعت بہت خوش ہوئی، اور عبارت پڑھکر اور بھی حظ روحی حاصل ہوا۔ آپ کی جانفشانی اور تلاش تہ دل سے قابل داد ہے، واقعی آپنے یہ بہت بڑا کار نمایاں کیا ہے جو تا حشر یادگار رہے گا، اور پڑھنے والے تا ابد جناب کی جانفشانی اور قابلیت کی داد دیتے رہیں گے۔

خوب شعرا کا تذکرہ لکھا		خوب کی جان توڑ کر محنت	
باعث افتخار آپ کی ذات		قابل داد آپ کی محنت	
اک زمانہ ہے آپ کا مداح		ہر نظر میں ہے آپ کی عظمت	
زندہ جاوید شاعروں کو کیا		کرکے اُنکے کلام کی شہرت	
سچ تو یہ ہے کہ بعد شعرا کو		ملا اچھا ذریعۂ شہرت	
دیکھتے ہی پھڑک اُٹھے شعرا	ایضاً	تذکرہ کیا ہی لاجواب رہا	
سال تاریخ کی جو فکر ہے بعد		لکھو یہ انتخاب خوب رہا	
		۱۹۱۴	

تقریظ از نتیجۂ افکار ناثر باکمال ناظم شیریں مقال منشی چھیدا لال صاحب شفق خلف الرشید منشی بہاری لال مشتاق مرحوم تلمیذ حضرت غالب مغفور

میں نے "خمخانۂ جاوید" کی دو جلدوں کو طبیعت کے ذوق اور دل کے شوق سے پڑھا اور تیسری جلد کو بھی جستہ جستہ دیکھا۔ شعرائے ماضی و حال کے جامع حالات اور اُنکے کلام کا انتخاب بلا لحاظ مذہب و ملت کے جو کچھ لالہ سری رام صاحب نے کیا ہے صرف اپنی اعلیٰ سخن فہمی کا ثبوت ہی نہیں دیا ہے بلکہ پبلک کو دکھلا دیا ہے کہ اچھائی کے ساتھ کس طرح شعروں کا انتخاب کیا کرتے ہیں۔ "خمخانۂ جاوید" سے پہلے اور بھی کئی تذکرے اِس قسم کے میں نے پڑھے ہیں۔ اور میرے خیال میں مولانا آزاد کی کتاب "آبحیات" نے سب پر پانی پھیر دیا تھا مگر اُس کتاب میں بیچارے ہندو شاعروں کو کہیں کہیں فٹ نوٹوں یا حواشی پر جگہ دی گئی ہے اور لالہ سری رام صاحب کے تذکروں میں سب کی یکساں پوچھ کی گئی ہے۔ لالہ سری رام صاحب نے پہلے ہر شاعر کا بسیط حال لکھا ہے پھر اُسکے کلام کا ایسا انتخاب کیا ہے کہ اِس سے بہتر شاید ہی کوئی کرتا۔ آپکی نمایاں خوبی یہ ہی ہے کہ تذکرے کی کتاب میں کمال ہنر دکھلایا جاوے اور ہر شاعر مناسب

... راست مصرعہائے انشاءِ ہمایوں کا از تا بصد زبان چنیں گفتہ

... سے بہت سے زیادہ محنت پڑھنا کتاب پچیس سال سے ہندوستان کے ... کلام کے انتخاب میں مصروف ہیں اور نہایت مستقل مزاجی اور محنت سے زر کثیر صرف کر کے ابن ... کثیر ضرورت کے ساتھ انجام دے رہے ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ شعرائے اُردو اور اُردو زبان پر جو احسان ... کر رہے ہیں یہ صرف آپ ہی کا کام ہے اور سچ تذکرہ نویسوں کا نام ہی نام ہے۔

میری ایشور پرماتما کی جناب میں پرارتھنا ہے کہ وہ مؤلف صاحب کو عمر طبعی عطا فرمادے اور ... جلدوں کی ساری جلدوں کو اُنکے ہاتھ سے ختم کرائے۔

یا رب ایں آرزو سخن چہ خوش ست	تو بدیں آرزو مرا برسان

قطعہ تاریخ از نتیجہ طبع وقاد لالہ گوپال سہائے صفا ساکن گوالیار

سخن سنجو ابھی دیکھا ہی کیا ہے	چھلکنے دو جمالِ دورِ ثالث
سکئے گر نوش ابتک وہی ساغر	تو اب رکھنا خیالِ دورِ ثالث
حیاتِ جاوداں پائینگے شعرا	یہ ہی ہوگا مآلِ دورِ ثالث
ذرا سمجھے ہوئے تاریخ سن لو	یہ دیکھو ہے، کمالِ دورِ ثالث

از سرِ فکر و روئے یقین	غایت خیال وہم زیبا سراغ	بر سر راہ سالِ عیسائی	خامہ بر کرد تشکی چہ سراغ
الحمد کی سبد ہائے گل نو	خامہ گلچیں بنکے لایا	گلچیں کی نظر تھی تازہ نوپر	دلکو تازہ شگوفہ دکھایا
سال ہجری بن سبھی	سمت سے کتابی سبد ہائے گلا	ہر صنعت معنوی کو لائی	رہتا نہیں اک صدو تقابلہ
	تاریخ گلی قلم ہی لکھدی	طبع نازک نے چن پایا	

الحمد

حروف	حساب از روئے جمل	بروئے قوالی
ا		۱
ل	۳۰	۴۴۵
ح	۸	۳۶
م	۴۰	۸۲۰
د	۴	۱۰
		۱۳۳۲ھ

سبد ہائے

حروف	از روئے جمل	بروئے قوالی
س	۶۰	۳۱۳
ب	۲	۳
د	۴	۱۰
ہ	۵	۱۵
ا	۱	۱
ی	۱۰	
		۱۹۱۲

گل نو

حروف	از روئے جمل	بروئے قوالی
گ	۲۰	۲۱۰
ل	۳۰	۴۶۵
ن	۵۰	۲۷۵
و	۶	۷۱
		۱۹۲۱

تقریظ طبعزاد بلبل چمنستان خوش بیانی سخنور با مذاق منشی چند بہان کیفی دہلوی نواسہ پروفیسر رام چندر صاحب مغفور

آفریں نیک نفس لالہ سری رام ایم اے
تم جیو لاکھ برس لالہ سری رام ایم اے

جی گئے اہلِ سخن سب نے شفا پائی ہے
آپکے ہاتھ میں اعجازِ مسیحائی ہے

دب رہا تھا جو معانی کا خزینہ ابتک
یاد اشعار تھے جو سینہ بسینہ ابتک

زیبِ اوراق کیا زندۂ جاوید ہوئے
ذرۂ خاک تھے جو مطلعِ خورشید ہوئے

دھوم آفاق میں خمخانہ جاوید کی ہے
جلد ہر طاق میں خمخانہ جاوید کی ہے

"تذکرہ کھیل نہیں تھا کوئی بچہ کھیلے
عمر بھر آپنے اسکے لیئے پاپڑ بیلے"

خاک پنجاب کی چھانی کبھی بنگال گئے
باکمالوں کی ملاقات کو بھوپال گئے

میرزا داغ سے ملنے کو دکن میں پہنچے
میر محبوب علیخاں کے چمن میں پہنچے

دلّی والوں میں رہے لکھنو والوں میں رہے
لطف صحبت کے محب پاک خیالوں میں رہے

چن لیا پھول وہ جس پھول میں خوشبو دیکھی
لکھ لیا شعر وہ جس شعر میں اردو دیکھی

چارپائی نہ ملی فرشِ زمیں پر بیٹھے
جس جگہ مِل گئے ہمرنگ وہیں پر بیٹھے

آپ کی ہمتِ مردانہ کا خمخانہ ہے
میکشوں کے لئے ہر رنگ کا پیمانہ ہے

بادۂ شعر و سخن پیتے ہیں پینے والے
معرفت سیکھتے ہیں مکّے مدینے والے

مصرع مصرع میں موحد کو ہیں وحدت کے مزے
عاشقِ زار کو ملتے ہیں محبت کے مزے

جامِ جمشید کی ہے جلوہ نمائی اس میں
میکشوں کو نظر آتی ہے خدائی اِس میں

دورِ افلاک نے نیرنگ دکھائے ہیں کہیں
رنگ اڑتے ہوئے نیرنگ دکھائے ہیں کہیں

کھینچ لی روحِ سخن رہگئے دیوان خالی
کر دیئے ہیں مرے گلچین نے گلستاں خالی

کیا طلسمات ہے سب ناگ سخن ہیں اسمیں
ایک گلشن ہے مگر لاکھ چمن ہیں اس میں

دلپسند آپکے گلزار کی گلچینی ہے
سادگی ہے تو کسی شعر میں رنگینی ہے

شہرتِ عام کا دربار بنایا تم نے
بلبلوں کے لئے گلزار بنایا تم نے

مجمعِ گلرسِ کے لئے شاعرِ رنگیں ہے نے
ندرتِ گوہرِ خوش آب مضامیں لائے

دیکھا دیکھا وچمن کے مارے تو نہیں
عشق میں ہمدم و ہمراز ہمارے تو نہیں

ایسے جہاں میں بہار نظر آتا ہے
ہر ورق مصر کا بازار نظر آتا ہے

چوٹ کرتے ہیں کبھی درد کے مضمون دلمیں
ہجر کی رات وہ مرنے کے مضمون دلمیں

پڑ گئے سوزِ تپ غم سے کسی کے چھالے
تیر بن بن کے اترتے ہیں جگر میں نالے

مرہم گل میں بہرے زخم کہن ہوتے ہیں
ہائے غنچہ مرجھائے ہوئے پھول چمن ہوتے ہیں

جبہہ فرسا ہے کوئی سنگِ درِ جاناں پر
کوچۂ یار کو دیتا ہے شرف رضواں پر

روئے روشن کا تصور ہے کسی کے دلمیں
شکل لیلیٰ کی جھلکتی ہے کسی محمل میں

زلفِ پیچاں کے خیالوں میں کسی کو الجھن
گیسوئے یار کے کالوں میں کسی کو الجھن

لوٹتا ہے کوئی انداز سے بسمل ہو کر
چشمِ پُرفن نگہِ ناز سے بسمل ہو کر

ناتوانی سے کوئی ہو گیا ایسا لاغر
کہ اجل کو بھی دکھائی نہ دیا بستر پر

آتشِ رشک سے جل جل کے کوئی مرتا ہے
کوئی بدبخت رقیبوں کے گلے کرتا ہے

بعض نیچر کے مرقعوں کے تماشائی ہیں
بزمِ قدرت کے ہر اک سین کے شیدائی ہیں

دن نکلتا ہے تو سورج پہ فدا ہوتے ہیں
رات کو چاند کی سج دھج پہ فدا ہوتے ہیں

توڑ کر عرش سے مضمون کے تارے لائے
چاندنی رات کے لفظوں میں نظارے لائے

ہو گئے مست جو گھنگھور گھٹائیں دیکھیں
پردۂ ابر میں بجلی کی ادائیں دیکھیں

مینہ کی بوندوں کو سمجھتے ہیں کہ موتی برسے
باغ کی سیر کو جاتے ہیں نکل کر گھر سے

موجۂ بادِ بہاری کے مزے لیتے ہیں
شعر میں نظم نگاری کے مزے لیتے ہیں

دیکھتے ہیں کبھی اندازِ صبا کا نقشہ
کھینچتے ہیں کبھی پھولوں کی قبا کا نقشہ

لوٹ جاتے ہیں کبھی تختِ چمن کے اوپر
رشک کھاتے ہیں کبھی تختۂ چمن کے اوپر

برف کے سین پہاڑوں میں دکھاتے ہیں کہیں
آبِ منشور کے گنگا میں نہاتے ہیں کہیں

آفریں آفریں اللہ رے قدرت کی بہار
نیچرل شعر ہوئے منتِ صانع کے نثار

نشۂ علم کے سرمست بہکتے تم رہے
بلبلِ باغ کی مانند چہکتے تم رہے

ہلکے شکرے ہوئی توبہ پہ مصیبت آئی
وہ برستی ہوئی اللہ کی رحمت آئی

شور رندوں میں مچا دور چلے دور چلے
ساقیا! ہاتھ ملا اور چلے اور چلے

بادۂ ہوش رُبا تیر سی دل میں اُترے
اسقدر تیز ہو شمشیر سی دل میں اُترے

چُور ہو جائیں نگوجائیں نہ میخانے سے
عہد شیشے سے تو پیمان ہو پیمانے سے

بزمِ تہذیب جسے وسکی برانڈی دیدے
کوری کوری مٹی گلرنگ کی ہانڈی دیدے

زاہد و شیخ کو مُنہ جھوٹ پلائے ساقی
پاکبازوں کی انھیں جھوٹ پلا دے ساقی

میگساروں کو کوئی روک نہیں سکتا ہے
جسقدر چاہیں پئیں ٹوک نہیں سکتا ہے

شرخ بوتل میں سے ناب بھری رہتی ہے
کیا طلسمات ہے شیشے میں پری رہتی ہے

ہر غزل شیشۂ مینائی ہے میخواروں کی
پُوچھ جنت میں بھی ہے ایسے گنہگاروں کی

حال میں اپنے گرفتار ہیں قومی شاعر
قوم کے رنج سے بیزار ہیں قومی شاعر

نا خدا سوچ میں ہیں کسکے سہارے لائیں
کس طرح قوم کی کشتی کو کنارے لائیں

روز طیار ہیں بگڑی کو بنانے کے لئے
اپنی آواز اٹھاتے ہیں جگانے کے لئے

جاں نثارانِ وطن قوم کے ہمدرد بنو
رانا پرتاب کی مانند جوانمرد بنو

خدمتِ قوم سے بہتر نہیں خدمت کوئی
ایسی عزت کے برابر نہیں عزت کوئی

قومیت ایک ہے آپس میں رہو مل جل کے
ایکسی ایک سنو بات کرو کھل کھل کے

ہیو بانی میں سُناتے ہیں مُدرس کی بیتی
اپنی بیتی کبھی کہتے ہیں کبھی جگ بیتی

بھر دیا جوش مشاہیر کے افسانوں سے
کہدی گذری ہوئی تاریخ مسلمانوں سے

کون بانی تھا ہر اک علم کے بانی تم تھے
گر تمدن تھا گھڑی اُسکی کہانی تم تھے

الغرض اک افسانہ ہے کہ یہ تھا وہ تھا | نظم میں گذرا زمانہ ہے کہ یہ تھا وہ تھا

اور کچھ لوگ چلے آتے ہیں دیوانے سے | کام بستی سے کچھ انکو ہے نہ ویرانے سے

ہیچ ہے عالم امکان نظر میں ان کی | خاک ہیں عیش کے سامان نظر میں انکی

نقش برآب سمجھتے ہیں پرستانوں کو | منظر خواب بتاتے ہیں شبستانوں کو

نفس سرکش کیلیے آگ ہیں ملبوس وشن | خواہشیں پھونک دیں پر آگ ہے ملبوس شن

بے ثباتی کے زباں پہ ہیں برابر اشعار | دل پہ برچھی کیطرح لگتے ہیں اکثر اشعار

کہہ رہی ہیں کہ جوانی نہ رہی ہے نہ رہے | بہتے دریا میں روانی نہ رہی ہے نہ رہے

بلبل و لالہ و گلزار کوئی دن کے ہیں | نازو انداز و طرحدار کوئی دن کے ہیں

واقعی مرگ تر تشنہ[1] ہے سراب ہستی | بلبلے بن کے بگڑتے ہیں حباب ہستی

عمر ہے حضرت انساں کی تماشے کیطرح | سیر دنیا ہے فسونگر کے تماشے کیطرح

پیکر حسن جہاں نقش ہے پرچھائیں کا | کون رہتا ہے سدا نام رہے سائیں کا

خود فراموش تصوف کے قلندر آئے | ایسے دربار میں بھی گدڑی پہن کر آئے

جلوۂ حسن ازل کعبۂ دل کے اندر | ہے ہمہ اوست ہمہ وست کا نعرہ لب پر

ایسے مجذوب کہیں ہیں تو کہیں کی باتیں | عرش کی کہتی ہیں پوچھو جو زمیں کی باتیں

انکے اشعار ہیں توحید کی یکتائی ہیں | آپ ہی آپ نظر آتے ہیں تنہائی میں

رام تیرتھ کی طرح کہتے ہیں آزاد ہیں ہم | سچدانند ہیں آنند ہیں دلشاد ہیں ہم

ماسوا ذات حقیقی ہے کوئی اور نہیں | وہم کا سانپ بھی رسی ہے کوئی اور نہیں

کثرت ذات نہیں ایک ہے نور عرفاں | آپ ہی ذات احد آپ ہی ذات انساں

آپ ہی عبد ہوئے آپ ہی معبود ہوئے | آپ ہی سجدہ کیا آپ ہی مسجود ہوئے

آپ ہی پھول بنے آپ ہی گلزار بنے | آپ ہی گل کے لیئے بلبل بیمار بنے

آپ ہی آپ ہیں ہم غیر کا کچھ کام نہیں | ذات مطلق میں کہیں شکل نہیں نام نہیں

[1] سراب

درحقیقت دگرے نسبت خدا ہیم ہمہ — لیک از گردش یک نقطہ جدا ہیم ہمہ

الغرض رند ہیں ہر رنگ کے خمخانہ میں — دور ہیں مے کے کبھی بنگ کے میخانہ میں
خوب سرچشمۂ اعجاز بیانی کھولا — خوب گنجینۂ اسرار معانی کھولا
قدر ہے حسن مضامیں کے خریداروں میں — بھاؤ یوسف کا گرا مصر کے بازاروں میں
ایک سے ایک ہی خمخانہ کا دفتر بھاری — علم و تہذیب کے ہیں چار سمندر جاری
جلوۂ بزم جہاں ست کہ خمخانہ تو — آفریں باد بریں ہمت مردانہ تو
تذکرہ نور نظر جان کے پالا گھر میں — چومکھی جوت کا رہتا ہے اجالا گھر میں
آپکا نام **سری** رام کریگا روشن — جو خدا چاہے مرادوں سے بھریگا دامن
مدرسے والے سجائینگے کتب خانوں میں — مشرقی لائبریری میں کلب خانوں میں
ناز بردار بنائینگے پری زاد اسے — اپنی رکھیں گے بغل میں ستم ایجاد اسے
آپ جب گلشن امید کا پھل پائیں گے — مطرب بزم یہ کیفی کی غزل گائیں گے

تا ابد آپ کا خمخانۂ جاوید رہے — رات دن لالہ سری رام کے گھر عید رہے
دولت وجاہ کے دروازے پہ ہاتھی جھومیں — چومتی نقش قدم شوکت جمشید رہے
ناز کی بخشش ہے دہلی کی نسیم عشرت — باغ عالم میں شگفتہ گل امید رہے
حسن اخلاق سے روشن ہے زمانہ سارا — جلوہ آرا ہے جہاں جس طرح خورشید رہے
تذکرہ آپنے بے لاگ لکھا ہے ایسا — جس میں تردید نہ تائید نہ تقلید رہے
ایسے حالات کہاں گلشن بیخار میں تھے — لطف لکھنے کا اسی میں ہے کہ تجدید رہے
کون ایسا ہے سخن فہم جہاں میں نقاد — جسکی تحریر میں ہر شعر کی تنقید رہے
ہر کہ و مہ کے لئے برتی ہے یکساں نظری — آپکے علم میں حل عقدۂ توحید رہے
آرزو ہے کہ ملے قند مکرر کا مزا — کہہ دو کاتب سے کہ شعر پہ تشدید رہے
جگمگیا رنگ تو کیفی نے نکالی تاریخ — دور ہو ہند میں خمخانۂ جاوید رہے

۱۹۱۰

تقریظ و تاریخ ریختہ کلک جواہر سلک شاعر یکتا ناثر بے ہمتا محقق والا نظر سخن گستر معدن صدق و صفا طبع فہم و ذکا شفیقی منشی نراین پرشاد صاحب تلمیذ جناب داغ منصرم محکمہ تعلیمات گوالیار

سودا سلف کی خرید و فروخت کے لیئے شاہجہانی لشکر کے مختلف زبان کے لوگوں نے آپس میں بات چیت کر کے اُردو کا ایک اَن گھڑ ڈول ڈالدیا تھا، جس صورت میں تم اسے آج دیکھ رہے ہو یہ شعرار کی بدولت نصیب ہوئی ہے، جن لوگوں نے اِس زبان میں سخنگوئی اختیار کی اُنھوں نے تُقیل و کریہہ الفاظ کی کاٹ چھانٹ، نادر ترا کیب اور سریع الفہم محاورات کی بھرت سے اسکو ایسا مانجھا صاف کیا کہ اس سے بیگموں کے محلوں کی زینت، شاہی درباروں کی رونق ہوئی۔ ملک کی ساری زبانوں سے زیادہ فصیح، زیادہ مہذب بنکر یہ شرفا کی زبان کہلائی، دِلّی میں اِسکی ٹکسال قائم ہوئی اور اُردوئے معلّی اس کا نام رکھا گیا، مگر آہ زمانے کی نیرنگیاں کسی چیز کو ایک حالت پر نہیں رہنے دیتیں، عروج و زوال ہرشے کے لیئے لازمی ہے۔

دیکھو ایک وہ وقت تھا جبکہ وَلی گجراتی نے پہلا شعر کہکر ہندوستان میں اُردو شاعری کی داغ بیل ڈالی، شاہ حاتم، فغان، خانِ آرزو نے اسے بڑے نازوں سے پالا، مظہر جانجاناں، میر سوز، میر تقی، میرزا سودا، میر درد نے اسے پروان چڑھایا۔ مصحفی، انشا، جرأت نے اِسکے آتشِ رخسار سے آنکھیں سینکیں، شاہ نصیر، مؤمن، ذوق، غالب، معروف، عارف، نیر رخشان نے اسکے شباب کی بہاریں لُوٹیں اور تمام ہندوستان میں اپنی اُستادی کا ڈنکا بجایا، ایامِ غدر کی ہلچل اور مغلیہ سلطنت کے انتزاع نے اسکے چہرے پر کچھ جھائیاں سی ڈالدی تھیں کہ آزردہ، شیفتہ، مشیر، سالک، کوکب، عزیز، انور، ارشد، بشیر، صابر، رشک، شاکر، قلق، ثاقب، مبین، طالب، زکی، رشید، مجروح کی رسا فکر، مشکور سعی کے ہاتھوں نے اُبٹنا ملکر پھر وہی جوانی کی چمک پیدا کر دی، اور

آخر میں تو جہاں اُستاد فصیح الملک حضرت داغ دہلوی نے اپنی درد انگیز شاعری، سلاست زبان، صفائی بیان، معاملہ بندی، اور فصاحتِ کلامی سے اس حسن کے پُتلے کو چار چاند لگا دیئے، یہ تو اس کا عروج تھا۔ مگر ابتدا ہی سے اس گھٹنیوں چلتے ہوئے بچے کی باتیں کچھ ایسی پیاری اور محبت کی پوٹ تھیں کہ بہت جلد یہ اُمرا اور رؤسا کا کھلونا بن گیا، شعرا کی وہ پوچھ گچھ ہوئی کہ سب انھیں آنکھوں پر جگہ دیتے اور جی کھول کر انکی قدر کرتے تھے، امرا کی انجمنوں کی گرمی تھی تو انکے دم سے، سُلطانی بارگاہوں کی رونق تھی تو انکے قدم سے۔

یا ایک یہ زمانہ ہے کہ جن شاعروں نے اُردو کو خرادپر اُتار کر سڈول کیا اور سقم و اغلاط سے پاک کرکے سانچے میں ڈھالا جنکی کوششوں سے اسے معراجِ ترقی میسر ہوئی جنکے احسانوں سے اس کا حرف حرف نقطہ نقطہ گرانبار ہے اُنھیں آج کوئی نہیں پوچھتا انکی اب کوئی آؤ بھگت نہیں کرتا۔ دلی کی ٹکسال ٹوٹ گئی، نئے سکے ڈھلنے بند ہو گئے، پُرانے سکوں پر بٹا لگنے لگا، ایک طرف سے سارا کارخانہ ہی درہم برہم ہو گیا، پھر بھی لے دیکے چند دُکانیں بچ رہی تھیں جن پر یہ سکے چلتے تھے مگر اُن میں بھی بہت سی بند ہو گئیں، چند باقی ہیں۔ اب تو جناب حالی، حضرت ظہیر، جناب اشک۔ حضرت نوح ناروی، جناب بیخود دہلوی، نواب سراج الدین احمد خان سائل دہلوی، جناب وجاہت، خان بہادر اکبر حسین اکبر۔ افسر الشعرا آغا شاعر۔ اور انکے جیسے چند اولنفوس رہ گئے ہیں۔ جنکی شیوا بیانیاں لسے گرما رہی ہیں ورنہ بزم سخن تو کب کی تہ و بالا ہو چکی ہے۔

یا اللہ یہ کیسی ہوا چلی ہے کہ تقریر اور تحریر دونوں میں خود رنگی اور خود آہنگی پیدا ہو گئی ہے، نہ زبان سے واسطہ نہ روزمرہ سے غرض، نہ بندش کی پروا نہ محاورے سے مطلب، جو جسکے مُنہ میں آتا ہے کہہ ڈالتا ہے، جو جسکی قلم سے نکلتا ہے لکھ مارتا ہے اور تو اور صرف نحو کی پابندی بھی ضروری نہیں رہی۔ اِس وقت ادبی دنیا میں ایک

شور انگیز کہرام مچا پڑا ہے، قیامت کی ہما ہمی مچی ہے، غیر زبانوں کے درشت اور غیر مروجہ الفاظ کی جابجا ٹھونس ٹھاس، غلط سلط محاورات کی بھرمار، اُلٹے پلٹے فقروں کی بھرت غیر مانوس ترکیبوں کی کھپت سے ایک عجیب سنہ کھچڑی زبان بن رہی ہے جسکے کھرے کھوٹے کی کسوٹی بھی نہیں، اور پھر لطف یہ کہ ہر نا آشنائے زبان زباندانی کا دم بھرتا ہے ہر ناواقف علم لسان اُستادی کا دعویٰ کرتا ہے، ہاں اس سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا کہ علوم وفنون کی کتابوں کے ترجموں سے علمی اور فنی اصطلاحات کا ذخیرہ بڑھتا جاتا ہے مگر ساتھ ہی ان میں کتنی ہی کتابیں وہی ہیں جنکی زبان ٹکسالی اُردو نہیں ہے۔ کیا ایک فصیح زبان کی ہڈیاں پسلیاں توڑ مروڑ کر اس میں چند نئے الفاظ اور اصطلاحوں کا اضافہ کر دینا ہی زبان کی ترقی ہے؟ ناواقفوں سے بحث نہیں، اہل زبان اور زبان دان اس بات کو ضرور محسوس کر رہے ہیں کہ اب اُردو زبان اپنی اصلیت اور فصاحت سے روز بروز گرتی جاتی ہے۔

اِس پر آشوب زمانے میں جب آپس کے جھگڑوں مذہبی تعصبوں سے زبان کا اچھی طرح ستیاناس ہو رہا ہے اِس بات کی سخت ضرورت تھی کہ اُردوئے معلّی کے ٹکسال چڑھے سکے اور وہ بیش بہا جواہر جو سالہائے مدید کی بے تکان محنتوں سے ہمارے شعرائے نامدار نے بہم پہنچائے ہیں نہایت احتیاط اور دور بینی کے ساتھ محفوظ کئے جائیں تاکہ آنے والی نسلیں اُن سے فائدہ اُٹھائیں۔ خدا کا شکر ہے کہ اس ضرورت کی اہمیت کو خدا کے دو بندوں نے عین وقت پر محسوس کیا ہے، مولنا سیّد احمد دہلوی نے فرہنگ آصفیہ اُردو زبان کی مبسوط لغت لکھکر اس زبان کے تتر بتر خزف پاروں کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے، اور ہمارے معزز دوست لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے مصنف دہلوی نے شبانہ روز محنتِ شاقہ اُٹھا کر "ہزار داستان" کے نام سے اُردو شاعروں کا ایسا بڑا تذکرہ لکھ دیا ہے جس میں ولی سے لیکر آج تک کے نو مشق شاعر تک موجود ہیں۔ پھر یہ

بھی اک حسن اتفاق ہے کہ ان دونوں گرانمایہ تالیفوں کو اعلیٰ حضرت قدر قدرت نظام الدولہ نظام الملک آصف جاہ قدر دان سخن میر محبوب علیخان بہادر شاہِ دکن کا عہد معدلت مہد ملا اور آصفی قدر دانیوں کا سہرا انکے سر بندھا۔

لالہ سری رام صاحب دہلی کے ایک صاحب اقتدار رئیس، آنریبل رلئے بہادر لالہ مدن گوپال صاحب مرحوم ایم۔ اے بیرسٹرایٹ لا کے خلف الصادق اور رائے بہادر ماسٹر پیارے لال صاحب ٹنڈن کے لائق بھتیجے ہیں، سری رام صاحب کے نام نامی سے کون واقف نہیں، مگر ہمکو یہاں یہ ظاہر کرنا ہے کہ آپ یونیورسٹی کے کوئی معمولی ڈگری یافتہ یا نئے پٹتو نیچا امیر نہیں ہیں بلکہ ایک قدیمی علم دوست خاندان کے رکن اور توقیر والے رئیس ہیں۔ آپکے مورث اعلیٰ دربار اکبری کے رکن رکین مومن الدولہ عمدۃ الملک راجہ ٹوڈرمل بہادر نے جس طرح اس بے آئین ملک کی ارضی پیمایش کرکے مالی آئین باندھا تھا۔ آپ نے بھی اسی طرح ملکِ سخن کی برسوں کی جانچ پڑتال کے بعد یہ تذکرہ بنام تاریخی "خمخانۂ جاوید" لکھکر مردہ شاعروں کو زندگی جاوید اور زندہ سخنوروں کو بقائے دوام کا پٹہ لکھدیا ہے۔

اس سے پہلے ملک کے بعض شعرا اور سربرآوردہ اہلِ قلم نے اردو شاعروں کے اور بھی چند تذکرے لکھے ہیں مگر جس تحقیق انیق اور کوشش بلیغ سے "خمخانہ جاوید" کے مؤلف نے تذکرہ نویسی کا حق ادا کیا ہے اس پر نظر کرکے ہم اس تذکرہ کو اردو شعرا کے مرقع کا اولین نقش کہیں تو بیجا نہ ہوگا، موازنہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان تذکروں کے مؤلفوں نے صرف مشہور شعرا کے حالات اور کلام کے نمونے لکھے ہیں اور ہزاروں شعرا کو جو زمانے کی سرد مہریوں کے ہاتھوں کنج گمنامی میں پڑے تھے ہم سے روشناس نہیں کرایا برخلاف انکے اس تذکرے میں جواہر سخن کے مالدار جوہریوں کے سجے سجائے صندوقوں اور کم مایہ خوردہ فروشوں کی تھیلیوں پوٹلیوں کی جانچ ایک ہی جوہر شناس نظر سے کی

گئی ہے، اِس لیئے اُردو میں فصاحت، بلاغت، تحقیق، تدقیق، تلاش، جستجو۔ انتخاب و تنقید کے لحاظ سے "خمخانہ جاوید" انشاپردازی اور فنِ تذکرہ نویسی کا بہت مکمل بہت اچھا نمونہ ہے۔
اِس تذکرے کی ترتیب کے لیئے ہمارے عالیقدر مؤلف نے بدوِ شعور سے ہی سیکڑوں اساتذہ ماضی وحال کی تصنیفوں کو انگریزی تعلیم کے پہلو بہ پہلو اپنے درس میں پیشِ نظر رکھا۔ ہندوستان کے اکثر مشہور مقامات کا دورہ کیا۔ تقریباً تین ہزار پرانے اور نئے شعراء کا کلام فراہم کیا، شہرت کو خیالِ باطل سمجھنے والے دبے چھپے شاعروں کو ڈھونڈ نکالا۔ کہنہ مشقوں کو جو مشقِ سخن چھوڑ چھاڑ کر اور ہی طرف ڈھل گئے تھے اُبھارا، نومشقوں کا دل بڑھایا، اور زرِ خطیر صرف کر کے قلمی اور مطبوعہ کلیات، دیوان، مجکول، بیاض، رسالے۔ گلدستے خرید کر کے اسقدر اکھٹا کیئے کہ آج آپکے ہاں اُردو کلام کا ایک اچھا خاصہ کتبخانہ جمع ہو گیا ہے۔

پھر جس تذکرے کی ترتیب میں سترہ اور اشاعت میں بحساب اوسط بارہ سال صرف ہوں جسکی پانچ جلدوں میں سے پہلی تین ہی جلدیں اب تک نکلی ہوں جسکی اوسط ضخامت تین ہزار صفحوں سے اُوپر ہو جسکی سوانح نگاری اور اشعار کی چھانٹ چھنٹ میں دس ہزار آٹھ سو پچاسی راتیں سفید اور دن کالے ہوں، جسکی تدوین و اشاعت میں مؤلف کے ہزاروں پر پانی پھرے جسکی بزمِ سخن میں تک بند اور دو مصرعی شاعروں کا گذر نہ ہو جسکی انجمن سچّے اور اعلیٰ پایہ کے شعراء سے سجے، جسکی کلامی تنقید میں دھڑے بندی اور جانب داری سے کام نہ لیا گیا ہو، اُس تذکرے کی جامعیت اور عمدگی کا مرتبہ اور تذکروں کے مقابلے میں کیونکر بلند نہ ہوگا، ہماری رائے میں یہ تذکرہ ایک نہایت ہی اعلیٰ درجے کا تذکرہ ہے، اور اسکے مؤلف کی محنت جانفشانی، بلند خیالی، بالغ نظری، ایثار نفسی، دریا دلی صرف تحسین و آفرین اور قدردانی ہی کے لائق نہیں بلکہ اُردو ادب کی تصنیف و تالیف کی تاریخ کے صفحوں پر آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔

باایں ہمہ اس ضخیم الحجم تذکرے کی دوسری جلد کے چھپتے وقت بعض حسّاد نافہموں نے چند اخباروں میں مضامین لکھ کر بہت کچھ زہر اُگلا ہے، اور دل بغض کے جلے پھپولے پھوڑے ہیں، انکی تحریروں کا جواب مہذب پیرایہ میں منشی چندی پرشاد شیدا دہلوی اپنی تقریظ مطبوعہ جلد دوم میں خوب مُنہ توڑکے دیچکے ہیں۔ اسکے لیئے یہاں ہم صرف یہی شعر پڑھکر چپ ہو جائینگے۔

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد		عیب نماید ہنرش در نظر	

ہاں اس تقریظ کے لکھنے کے لیئے لالہ صاحب موصوف نے جو خط ہمارے پاس بھیجا ہے اُس کا یہ فقرہ "باوجود اسقدر دماغ سوزی اور صرف کے ملک نے اِس تذکرہ کی کچھ قدر نہ کی" ہمارے جسم میں ایک نہایت دردانگیز سنسنی پیدا کر رہا ہے، انگلستان جیسے علم ادب کے قدردان ملک میں جہاں آجکے دن ہزاروں معمولی درجے کے حکایت نگار اُجلی گذران زندگی بسر کرتے ہیں اگر اتنی بڑی نادر الوجود کتاب لکھی جاتی تو غالباً مؤلف کو اتنا صرف کرکے اسے کوڑیوں کے مول دینا لینے کی ضرورت نہوتی۔ ایک ادنیٰ دارالاشاعت اُسکی ترتیب و اشاعت کا بار اپنے سر لے لیتا اور کتاب کے طبع ہوتے ہی اُسکی تمام جلدیں ہاتھوں ہاتھ بک جاتیں، شاید دس پانچ اشاعتوں کی نوبت آجاتی اور پھر بھی تشنہ لبانِ سخن کی ان اوسوں پیاس نہ بجھتی۔ اسوقت جب یہ کہا جاتا ہے کہ ہمارے ملک میں ادبی تعلیم روز افزوں ترقی کررہی ہے ملکی علم ادب کی ایسی بیقدری نہایت افسوسناک ہے۔

بدقسمتی سے آجکل کے تعلیم یافتہ اصحاب اور اُردو ادب کے جہلا کو ناواقفیت فن کے باعث اُردو شاعری کی طرف سے ایک طرح کی بے اعتنائی ہی نہیں بلکہ چونک پیدا ہوگئی ہے، اُنکا خیال ہے کہ اول تو شاعری ہی فی نفسہ کوئی ضروری چیز نہیں۔ دنیا سے سارے شاعر ناپید ہوجائیں تو بھی دنیاوی کاروبار اور انسانی طرز معاشرت میں کوئی کمی

باعث نہیں ہو سکتا، اور اُردو شاعری تو محض حسن و عشق کی داستان ہونے کے باعث مخرب اخلاق ہی ہے۔

اِن دنوں مادی ترقی ہی انسانی ترقی کی معراج سمجھی جاتی ہے، سائنس مادیات کی ترقی پر بحث کرتا ہے، غالباً یہ خیال سائنس کے اُصول پر مبنی ہے، جنھیں روحانیات سے کوئی واسطہ ہی نہیں، ورنہ حقیقت میں تو مادی اور روحانی دونوں طرح کی ترقی کے بغیر انسانی ترقی کی تکمیل ہو نہیں سکتی، کیونکہ انسان میں روح اور مادہ دونوں چیزیں موجود ہیں جس طرح مادی اشیا کی ترقی سائنس کے اُصول کی واقفیت پر موقوف ہے، اسی طرح روحانی ترقی استغراق، تخیل، مناظرِ قدرت کے مشاہدے، اور فنونِ نفیسہ کی قدردانی پر منحصر ہے، موسیقی اور مصوری کی طرح شاعری بھی ایک نفیس فن ہے بلکہ اس کا مرتبہ اُن دونوں سے برتر ہے، شاعر کی طبیعت قدرتی مناظر کے جذبات و خیالات کا خزانہ ہوتی ہے، اور انکی تصویریں اپنے جادو کار قلم سے کھینچتا ہے جن کو دیکھکر دوسروں کے دلی جذبات جوش میں آتے ہیں، اور دلی جذبات کے جوش سے روح کو ترقی ہوتی ہے پس انسانی ترقی کے لیئے شاعری بھی ایک ضروری چیز ہے، عالمِ موجودات کی ہر شے میں حُسنِ قدرت جلوہ گر ہے، انسانی حُسن بھی قدرتی حُسن ہے، حسنِ قدرت کے مشاہدے سے دلی جذبات جوش میں آتے ہیں، انسان مخلوقِ اشرف ہے، اسکے حسن و عشق کے جذبات بھی برتر ہیں، برتر جذبات کے برانگیختہ ہونے سے روح کا اوجاج متصور ہے، اِس لیئے عاشقانہ شاعری انسانی ترقی کے لیئے ضروری ہے۔ مخرب اخلاق نہیں اب رہا یہ امر کہ انسانی حسن و عشق سے سفلی جذبات برانگیختہ ہوتے ہیں۔ یا علوی۔ یہ زیادہ تر سامع کی دلی تربیت اور حالت پر منحصر ہے، اُسکے خیالات ادنیٰ ہونگے تو ادنیٰ جذبات جوش میں آئیں گے اور اعلیٰ ہونگے تو اعلیٰ جذبات برانگیختہ ہونگے، اِس لیئے عاشقانہ شاعری ہر انسان کے دل پر یکساں اثر کرے مگر کسی حسن و عشق کے شاعر کا

مفہوم انسانی فطرت کا حیوانی حصہ نہیں ہو سکتا۔
بات یہ ہے کہ اس مادی ترقی کے زمانے میں لوگوں کا روحانی مذاق گر ا ہوا ہے اور حسن پرستی جو فلسفۂ حسن کے مطابق مہذب سوسائٹی کا اعلیٰ عنصر ہے مخرب اخلاق سمجھی جاتی ہے، اس وقت ملک اس تالیف کی قدر کرے یا نہ کرے مگر وہ وقت بھی ضرور آئیگا جب ان تمام شعرا کے دل سے نکلی ہوئی دعائیں جنکو اس خمخانہ جاوید کی شراب ناب کے نشے نے ہمیشہ کے لیئے سرخوش و تردماغ کر دیا ہے مستجاب ہونگی، اور طالبان ادب اس ادبی تالیف کی قدر کرکے مؤلف کو دعائے خیر سے یاد کرینگے۔

طرب و عیش کا آنکھوں میں سمایا تھا سماں
تھا غضب جلوۂ نیرنگیٔ خوبان چمن
موسم گل کی ہوا نے وہ ہوا باندھی تھی
شامل فصل بہاری جو ہوئی تھی برسات
کثرت عیش سے بدلی تھی یہ غم کی صورت
دشت پُر خار میں بھی دیکھ کے سبزے کی نمود
پھول بن بن کے نکلتے تھے شرارے دل سے
دیکھکر اسکو کلی دل کی نہ کھلتی کیونکر
شاد و بشاش تھا جی خوش تھی طبیعت میری
پھول جھڑتے تھے دہن سے مرے ہنگام کلام
مجکو حیرت تھی یہ کیا بات ہے یا رب خدا
غیب سے آئی وہیں کان میں میرے آواز
تذکرہ رائے سری رام نے جو لکھا ہے
جس کا "خمخانۂ جاوید" ہے تاریخی نام

کھبی جاتی تھی نظر میں گل و ریحاں کی بہار
تھی ستم شیوۂ بدمستیٔ مستاں کی بہار
کہ ہر اک برگ خزاں تھا چمنستاں کی بہار
تھی عجب روح فزا ابر بہاراں کی بہار
وصل کی شب سے سوا تھی شب ہجراں کی بہار
یاد آتی تھی بہت کوچۂ جاناں کی بہار
پھلجھڑی تھی کہ تھی آہ شرر افشاں کی بہار
اک نئے ڈھنگ کی تھی اک نئے عنواں کی بہار
میرے چہرہ پہ کھلی تھی دل شاداں کی بہار
قابل دید تھی میرے لب خنداں کی بہار
نظر آئی ہے جو یوں عیش فراواں کی بہار
دلکش اس وجہ سے ہے ایکے زمستاں کی بہار
جسپہ سو جان سے قربان ہے گلستاں کی بہار
جس کا ہر جام ہے میخانۂ مستاں کی بہار

جسکا ہر حرف ہے معنی و بیاں کا زیور
جس کا ہر لفظ ہے اُردو کے دبستاں کی بہا

جس کا ہر غنچہ ہے گلزارِ سخن کی رونق
جسکا ہر پھول ہے گلزارِ حسیناں کی بہا

جسکے عنواں پہ ہے مدحت آصف ہفتم
جسپہ ہے خاتم محبوب علی خاں کی بہار

تیسری جلد اسی کی یہ چھپی اب کے برس
دیکھئے اِس میں نئی طبع غزلخواں کی بہا

انتخاب سخن اِس طرح کیا ہے جس سے
نظر آتی ہے ہر اک شعر میں دیواں کی بہ

پوچھنا نظم کا کیا نثر بھی وہ لکھی ہے
جس کا ہر فقرہ ہے نظم دُرِ غلطاں کی بہ

کاغذ اچھا ہے چھپائی بھی بہت اچھی ہے
طبع رنگیں بھی ہے رنگِ رُخِ خوباں کی بہا

طبع رنگیں کا جو کہنا تھا مجھے رنگین سال
دیکھکر چہرے سے میرے دلِ جویاں کی بہ

مجھسے ہاتف نے کہا کس لیے خاموش ہو مہر
"یہ ہی جلدِ سوم گلشنِ رضواں کی بہا
۱۹۱ء

کیا سر راِم دہلوی نے یہ
تذکرہ لاجواب لکھا ہے

شاعروں کے کلام کا اِس میں
انتخاب انتخاب لکھا ہے

ہیں سوانح بھی زندگی کے درج
عمر کا بھی حساب لکھا ہے

جلدِ ثالث یہ اُس کتاب کی ہے
جسکو با آب و تاب لکھا ہے

اِس میں ہیں جلوہ گر فصیح الملک
کیا فصاحت کا باب لکھا ہے

کیا ہو اُنکے کلام کی تعریف
جو لکھا لاجواب لکھا ہے

اور بھی شاعروں کے شعروں کا
بے مثال انتخاب لکھا ہے

ہو نہ کیوں اس کا یہ شبابِ حسن
اِس میں حسن شباب لکھا ہے

سب نے جب اِس کتاب کو پڑھکر
منتخب لاجواب لکھا ہے

مہر نے اِس کا زبرو بیّن میں
سال بھی "انتخاب" لکھا ہے
۱۳۴۳ھ

دیگر

سر راِم کا وصف کیا کیا کروں میں
وہ عالم، وہ فاضل، وہ قابل، وہ لائق

سخنور نہیں تو سخن فہم ہیں وہ
سخن سے ہیں یوں بھی تو اُنکے علائق

لکھا تذکرہ وہ اُنھوں نے کہ جس کا — بڑی مدتوں سے زمانہ تھا شائق
ہے یہ تیسری جلد اُس تذکرے کی — لکھائی چھپائی ہے سب اسکی لائق
اسے دیکھ کر میں دعا دے رہا ہوں — کہ ہو یہ الٰہی پسندِ خلائق
نہ سوچو نہ سمجھو، نہ پوچھو، نہ ڈھونڈو — اگر مصرعۂ سال کے تم ہو شائق
کہو **مہر** انکار کا سر اُڑا کر — "سری رام صاحب کی تالیف فائق" ۱۳۴۳

(نوٹ) اس مادہ تاریخ میں "ر" کو "ی" مان کر حسب قاعدہ مروجہ دس عدد لیے ہیں

ہیں سری رام ایک دہلی کے رئیس — علم و بذل و خلق میں ہیں لاجواب
تذکرہ لکھا اُنھوں نے اک ضخیم — ہے وہ اُردو نظم کا نادر نصاب
کی ہے محنت سالہا سال اسقدر — کر دیا برباد ایامِ شباب
ہمتو جب جانیں کوئی اِس طرح کی — لکھ تو دے اتنی بڑی ایسی کتاب
ہے جو یہ **مہر** انتخابِ منتخب — اِسکی ہے تاریخ، عطرِ انتخاب ۱۳۴۳

بتائیدِ یزدان و فضلِ اِلٰہ — چو لالہ سری رام رنگیں رقم
رقم کرد خمخانۂ شاعران — کہ از نشۂ بادہ اش سرخوشم
بہ نادر جمل سالِ خمخانہ **مہر** — بدیہہ نوشتم "ہ سرور دلم" ۱۵ ۱۹

قطعہ تاریخ از نتائج افکار گرامی بزم آرائے گلشن سخندانی واقف رموز نکتہ دانی
شفیقی و مکرمی کنور بدری کرشن صاحب **فروغ** وکیل دہلی رئیس سکندرآباد

فروغ آج کیوں ہے تو آشفتہ حال — ہوا کیا ترا کس طرف ہے خیال
نسیمِ سحر نے یہ مژدہ دیا — کہ دامانِ صحرا گلستاں بنا
ہوا نکہتِ گل سے پھر آشکار — کہ اب آ گیا موسمِ نوبہار
ترے سامنے اک شگفتہ ہے باغ — پراگندہ پھر کیوں ہے تیرا دماغ

پھر اس باغ کی سیر بھی ہے ضرور — طبیعت کو دے اپنی شور و سرور
ہے سبزہ سے سرسبز صحنِ چمن — گلوں سے ہر اک شاخ ہے گلبدن
بہا آج رونق فزا سبزہ زار — کھلے پھول آئی ہے تازہ بہار
گلستاں میں ہر شاخ نوخاستہ — ہے پھولوں کے زیور سے آراستہ
ہے شمشاد و قمری کا باہم وصال — غزلخواں ہے طوطیٔ شیریں مقال
ترنم سرا سوسنِ دہ زباں — تحیر فزا نرگسِ بوستاں
ہیں گلہائے رنگیں کہیں خندہ زن — کہیں نغمہ خواں بلبلانِ چمن
درختانِ سرسبز و خوش الحاں پرند — چمن کی بڑھاتے ہیں رونق دوچند
زمیں پر جھکی ہے ہر اک شاخ گل — نہ ہو مجکو کیوں خواہشِ جامِ مُل
مٹا اب جہاں سے نشانِ خزاں — مگر ہے یہی باغ، باغِ جناں
تمامی شہنشاہِ ملکِ سخن — ہوئے آج رونق فزائے چمن
ہر اک کا نیا طرزِ تحریر ہے — ہر اک ماہرِ علم تسخیر ہے
ہر اک اپنی تحریر سے سحر ساز — ہر اک محو حیرت بسوز و گداز
ہر اک کا جُدا رنگ آیا نظر — ہر اک نے دکھایا ہے اپنا ہنر
غرض ہے یہاں جمع سب کا کلام — اسی تذکرہ کا ہے تحفہ نام
سریرام ایم اے کی تالیف ہے — کہ جسکی زمانے میں توصیف ہے
خردور، خردمند، عالی خیال — سخندان، سخن سنج، صاحبِ کمال
لیاقت شرافت سے ہے اسکی عیاں — ثناگو ہیں سب اُسکے اہلِ جہاں
مؤلف کی تالیف کو دیکھ کر — ہوا دل میں میرے سُرور اسقدر
کہ میں بھی اُسی کا ہوا مدح خواں — مگر میرے خامہ کو طاقت کہاں
کہ اُسکی صفت میں کرے کچھ رقم — یہاں پر شکستہ ہے میرا قلم

یہ ہے اُسکی سب کوشش و جستجو | کہ حاصل ہوئے گوہر آرزو
زمانے میں ہر ایک نے یہ کہا | سر بزم صد جام مرحبا
کہا سچ یہ دفترِ شاعراں | مضامین پنہاں ہوئے سب عیاں
یہ اوصاف ظاہر ہیں اُسکے صریح | کہ تحقیقِ حالات سب ہے صحیح
وہ رنگیں عبارت وہ شستہ کلام | وہ ترکیبِ مضموں و ترتیب نام
ہر اک کے مضامین کا ہے انتخاب | غرض انتخاب اُس کا ہے لاجواب
وہ تحریر خوشخط وہ کاغذ نفیس | عیاں جس سے ہے صنعتِ خوشنویس
ہیں جتنے سخن سنج شیریں مقال | مفصل لکھا اس میں سب کا حال
مشاہیر سے جن کا نام و نشاں | مکرر ہوئے زندہ سب بے گماں
جو موجود ہیں اُن کو آبِ بقا | اسی جامِ خمخانہ سے مل گیا
یہ تحریر کارِ مسیحائی ہے | کہ اس سے صدا قُم باذنی آئی ہے
اسی سے ہوئی خضر کی ہمسری | ہوئی آبِ حیواں کی افسونگری
زمانہ میں اسکی یہ شہرت ہے عام | کیا اسنے خضر و مسیحا کا کام
نتیجہ یہ اُسکی طبیعت کا ہے | یہ دفتر اُسی کی لیاقت کا ہے
جب اس تذکرہ کا ہوا اختتام | ہوا طبع کا اُس کے پھر انتظام
ہوئیں طبع دو جلد با آب و تاب | کہ ہیں خوبی و وصف میں لاجواب
چھپی آج یہ تیسری جلد بھی | کہ جس کی اشاعت کی اُمید تھی
ہوا مجکو بھی فکر تحریر سال | کہا دل نے کیوں ہے یہ وہم و خیال
سنِ عیسوی کے ہوں حاصل نکات | جو دیکھے حسابِ زبر بینات
تو تاریخ گوئی میں فرزانہ ہے | یہ لکھدے، سوم جلد خمخانہ ہے
اگر سالِ ہجری کا ہے خواستگار | تو ہر حرفِ منقوطہ کو کر شمار

	کرے سوہین چہلم غمخانہ کی		فروغ اس کتاب کے سالِ ہجری ہیں	

تقریظ تراوشِ خامۂ جادو طراز سحر پرداز فاضل یگانہ دہر ناثر عدیم المثال ناظم نغمی خیال پروفیسر خواجہ عبد المجید بی اے رئیس دہلی خلف الرشید خواجہ عبد الرحیم خان بسمل مرحوم

مرضِ عصبیت عام ست وچارہ ناپیدا، ہرکس بخیالِ خویش دعوی انصاف ولاف عدل میزند ہمہ سودائے خام، عدل معدوم وانصاف نایاب، اگر پاسداری نیشن (یعنی ملت) عصبیت نیست پس چیست، انسان انسان ہست چہ سفید وچہ سیاہ، چہ از روپ چہ از حبشہ سیاہی در چشم سفیدان خار ست، و سفیدی در دیدۂ سیاہاں ناخنہ وار، تعصب مبنی بر اختلاف اقالیم نیست، بلکہ ہر ملک وحصص ملک خلاف دارند، در ہند ایں قضیہ نامبارک بیشتر از بیشتر اشاعت یافتہ، از ابتدائے آفرینش اختلاف مذہب مورثِ فتنہ وفساد بود، مگر دریں زمانِ ناسود اختلاف زبان ہم در فتنہ خیزی کم مرتبہ نیست، و ایں فساد وعناد بیشتر از ہم زبانی می خیزد وکمتر از تبائن السنہ، یکے گوید کہ زبانِ دہلی درست ست و زبان لکھنو نادرست، آں ثقیل است و ایں لطیف، ندانیم در زبان چہ ثقیل وچہ لطیف، ہرچہ لطف دارد لطیف ہست، و این بحث بے لطفی افزاید۔ پس بدتر از ثقالت باشد، موازنہ دبیر وانیس را دیدیم وبر طبعِ وقادِ شبلی آفریں گفتیم۔ مگر ایں بحث انیسیاں دبیر را خوش نمی آید۔ وباعثِ رنجش خاطر شود، ایں مسئلہ ذوق شاعرانہ است وکسے بر خاطرِ دیگرے جبر نتواں کرد، اگر کسے دبیر را دوست دارد ما چرا او را دوست نداریم اگرچہ شیفتۂ انیس باشیم، ہمچنیں اگر شما دلدادہ محاورہ لکھنو ہستید چشم ما روشن دلِ ما شاد، ما زبانِ دہلی را پسند می کنیم بر ما ہم بحث وارد نیست +

ہرکہ خدمت میکند مخدوم باشد وسزاوارِ تحسیں، وخوبتریں نعمتے کہ انسان از خدائے بزرگ یافتہ کلام ست، وکلام الہی بر آن گواہ، پس بہترین خدمت خدمت کلام باشد وہرکہ دریں کارِ زیبا مشغول ست مرغوب ست وستایش را سزاوار، آن مرد کیست

کہ اکنوں از دم و قدم وے دریں کار سعی بلیغ می نماید، و در صحت و رنجوری این شغلہ را از دست ننہد، ہر چہ میگویم نفس الامر ست نہ از راہ خوش خوانی و بیہودہ سرائی، مخدوم من ہمچنین ست، اگر خلاف می گویم تجسس را راہ ست و دروغ گو را سزا، و جلد سوم خمخانۂ جاوید بر دعوی من گواہ، لالہ سری رام صاحب ایم اے۔ دریں باب وکیل من ست و ہم ممدوح من، اگر کسے دریں زماں مثل او باشد بنمایید و مرا شرمسار سازید او ہمت والا بر ایں کار گماشتہ و خود را مثال ساختہ و وا می نماید کہ ہر کہ تعصب ندارد چنیں باشد و پیش روی کار از ذات او وابستگی دارد، کلامے کسی را زندہ داشتن مانند سنت کہ او را زندہ می داریم، پس ایں مرد یک تنہ ہزاراں مردگاں را حیاتِ جاوید بخشیدہ و ہم خود را زندہ جاوید کردہ، ہرگز آں کس نمیرد کہ نام نیکوئے او در جہاں جاری باشد و ذکر جمیل او در روزگار ساری، و ایں بندۂ حقیر کہ سطورے چند بر آں کتاب نایاب می نویسد مثل خاک راہ است کہ بہ دامنِ بزرگاں می آویزد و از دستیاری دامن از پستی بہ بلندی گراید، حاشا کہ تمنائے بلندی در سر دارم چرا کہ ایں و قارِ من نا سزا را سزاوار نیست۔ اگر کسی گوید پس ایں خامہ فرسائی چیست در جواب میگویم تعمیل ارشادِ مخدوم ست و چوں امر شد مجبور شدم و امید کہ معذور دارند ختم کلام بر دعا می نمایم، مخدوم را ثناہائے بلند و دعاہائے ارجمند می خوانم، فقط

رقم زدہ ۱۴ ار فروری ۱۹۱۵ء۔ احقر اللہ عبد المجید

تقریظ از نتائج افکار دُربار کانِ فصاحت جانِ بلاغت استاد الوقت یادگارِ اساتذہ سرگروہِ اربابِ صدق و صفا عالیجناب بجلالت انتساب مخدومی و محترمی نواب سعید الدین احمد خان طالب جاگیردار لوہارو رئیس دہلی یادگار نواب ضیاء الدین احمد خان بہادر نیر رخشان مرحوم

اللہ جل شانہ کی نعمتیں لا تعد و لا تحصیٰ ہیں، منجملہ نعمائے الٰہی کے ایک نعمت علم بھی ہے، جو اس نعمت کا شائق ہو، جسکو یہ نعمت حاصل ہو واقعی وہ خوش نصیب ہے اور جو اس نعمت کے ساتھ صاحبِ تالیف و تصنیف بھی ہو اُسکو بہا خوش نصیب سمجھنا چاہیئے، چنانچہ مؤخر الذکر وصف کا موصوف اور مصداق اس مقال کا حال فرخ فال

... سری رام صاحب ایم۔اے سلمہ اللہ تعالیٰ، میرے دیرینہ دوست ... بہادر لالہ مدن گوپال صاحب بیکنٹھ باشی کے فرزندِ ارجمند ہیں ... نام اور حصولِ علم کے لحاظ سے تو وہ ایم۔اے ہیں جو آجکل کی طرزِ تعلیم کی معراج ... ہے مگر یہ تالیف وتصنیف سو یہ تذکرہ خمخانۂ جاوید کی تالیف نے انکا اتنا بڑا نقش ... ثابت کیا ہے کہ اگر وہ اول درجے کے دولتمند اور صاحبِ ثروت ہوتے، اور اس دولتِ لازوال سے محروم ہوتے، تو اہلِ علم وفن کی نگاہ میں کبھی انکی اتنی وقعت نہ ہوتی جواب ہے ؎

قاروں ہلاک شد کہ چہل خانہ گنج داشت	نوشیرواں نمرد کہ نام نکو گذاشت

مجھسے مؤلفِ مذکور متقاضی ہیں کہ تیسری جلد کے لیئے کوئی تقریظ لکھوں، امتثالِ امر ضرور ہے، تقریظ تو کیا خاک لکھونگا۔ یہ تو جن کا مرتبہ ہے اُنہی سے ہوگا، مگر ہاں چند سطریں یوں ہی برائے نام لکھدونگا، لیکن جو کچھ معرضِ تحریر میں آئیگا، پیرانہ سالی، مختلف عوارض کا ہجوم، بے مشقی، سب سے بڑھکر بے مائیگی کی وجہ سے کنایۃً یہ شعر حضرت لسان الغیب اسد اللہ خان غالب رحمۃ اللہ علیہ کا لکھکر آئیگا۔ ؎

مجھ سے غالب یہ علائی[۱] نے غزل لکھوائی	ایک بیدادِ گرِ رنج فزا اور سہی

خمخانۂ جاوید کی پہلی اور دوسری دونوں جلدیں میں نے فرداً فرداً بالاستیعاب نہیں، بلکہ جستہ جستہ دیکھی ہیں، اللہ رے مؤلف کی محنتِ شاقہ اور واہ رے اسکی سلاستِ زبان کے نمونے، دل سے حفظِ مراتب کا خیال، انتخابِ اشعار میں سلیقہ شعاری، تذکرہ کے طبع کرانے میں اسکے کاغذ، لکھائی، چھپائی، اور ترتیب کا حسنِ انتظام، یہ سب باتیں مؤلف کی دماغ سوزی کا ... کے علاوہ اسکی طبعی تہذیب اور شائستگی کی بھی خبر دیتی ہیں، سخنورانِ امصار ودیار، اور دانشمندانِ روزگار اسقدر اس تذکرہ "ہزار داستان" کے محاسنِ نظم ونثر میں تحریر فرما چکے

[۱] علائی تخلص انہی بزرگوار رفیع القدر نواب علاء الدین احمد خاں بہادر مرحوم رئیس لوہارو +

میں مشکل نہیں بلکہ سخت دشوار ہے، کہ اُن پر کچھ اضافہ کیا جائے، اور اگر پہلو بچا کر کچھ [illegible] اور از ہزار یکے، و از بسیار اندکے، پر قناعت بھی کیجائے تاہم اُنہی مضامین کی کاسہ لیسی ہوگی جو ضبطِ تحریر میں آچکے ہیں، اور تحصیل حاصل کیطرح بیوقت و بیکار، مگر ہاں ایک امر [illegible] کا اظہار ضرور ہے، جو کچھ میں عرض کرتا ہوں، یہ سوء ادبی پر محمول نہ ہو، بلکہ یہ اُصول پیش نظر رہے کہ ہر شخص اظہار رائے میں آزاد ہے، حضرت اُستادی مطاعی و مولائی جناب حالی رحمۃ اللہ علیہ نے جو اس تذکرہ کی دوسری جلد پر تقریظ تحریر فرمائی ہے، اور اُس میں ترقیم فرمایا ہے، کہ مسلمانوں پر سخت الزام لگایا جاسکتا ہے کہ اُنھوں نے باوجود ایک ہزار سال کے ہندوستان میں آباد ہونے کے سنسکرت اور برج بھاشا کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھا، یہ الزام یا اعتراض تو پختہ ہے، مگر قدرے قلیل اس میں خامی بھی ہے، وہ یہ کہ اس الزام میں ہندو صاحبانِ تصنیف و تالیف کو بھی شریک کرنا چاہیئے، صیغۂ تصنیف و تالیف نظم و نثر اُردو میں مسلمانوں سے ہندو بھی کا حصۂ متناسبہ ضرور رکھتے ہیں، مگر یہی کمی یا لغزش انکی تالیف و تصنیف میں بھی پائی جاتی ہے تاہم مسلمانوں کی جانب سے ہم کچھ پیش کرسکتے ہیں جو مسلمانوں نے سنسکرت یا بھاشا کی خدمت یا قدر و منزلت کی ہے، اکبر بادشاہ مرحوم کے زمانہ میں مہا بھارت کا ترجمہ فیضی نے کیا جسکو سنسکرت کا شاہنامہ کہنا بیجا نہ ہوگا، فرملی ازمنی نے جوگ بسشٹ کا ترجمہ کیا۔ جو ہندو دھرم کی خاص مواعظ حسنہ کی کتاب ہے، داراشکوہ کی سرِّ اعظم یہ بھی سنسکرت کا ترجمہ ہے اور اس میں از سرتا پا سنسکرت کے الفاظ بھرے پڑے ہیں ملک محمد جائسی کی پدماوت خاص بھاشا میں ہے، حضرت[1] قبلہ ام مرحوم نے حسب التماس خواجہ امان صاحب مرحوم مترجم بوستانِ خیال[2] ریاض الابصار کا دیباچہ اُردو میں خواجہ صاحب موصوف کی طرف سے لکھا، چونکہ یہ دیباچہ راؤ راجہ شیودان سنگھ سکینیٹہ باشی والی راج الور کی ستایش میں لکھا گیا تھا، حضرت

---

[1] نواب ضیاء الدین احمد خان صاحب نیر رخشاں مرحوم رئیس لوہارو +

[2] بوستانِ خیال کی تیسری چوتھی جلدوں کا ترجمہ ہے، یہ ترجمہ کی دوسری جلد ہے +

[illegible] پنڈت جی سے ...صاحب سنسکرت کے الفاظ اس میں داخل کیے ہیں تقابل
[illegible] تاریخی الفاظ سے تو دیا نہیں، بلکہ سمندر کوزہ میں بھرا ہے، ہاں اہلِ نظر نے اپنی
[illegible] کے موافق خوب حظ اٹھایا، مگر عوام وخواص ہند ومسلمانوں میں تو کیا، کسی پنڈت
صاحب سے بھی اس کا تتبع نہیں کیا، پنڈت رتن ناتھ صاحب سرشار نے فسانۂ آزاد، او
پھر کوہسار و ضخیم کتابیں لکھیں، مگر وہی مروجہ سلیس اردو میں یہی وہ فصیح وبلیغ اردو جو آجکل
ہمارے آریہ صاحبان اپنے جلسوں اور لیکچروں میں برتتے ہیں، اسکی نسبت نہایت ادب سے
عرض کرونگا کہ اس فصاحت وبلاغت سے ہماری روزمرہ کی زبان اگر محروم ہی رہے تو بہت اچھا
ہے، صغر سنی کے زمانہ میں ہمنے سنا تھا کہ شاہجہاں کے قلعہ کی زبان اردوئے معلی کہلاتی ہے
مگر جب حضرت لسان الغیب نواب اسد اللہ خان غالب مرحوم کے خطوط چھپے، اور اُن کی
نثریں، اور شاگردوں کی اصلاحیں طبع ہوئیں، جن کا نام اردوئے معلی، اور عودِ ہندی رکھا گیا
اُس وقت ہر کہ ومہ کی آنکھیں کھلیں اور زمانے نے تسلیم کیا کہ اردوئے معلی یہ ہے، چنا
یادگارِ غالب میں حضرتِ حالی مرحوم استادانِ وقت سے جہاں مقابلہ حضرت لسان الغیب
فرماتے ہیں، وہاں اردو کی نثر کی بابت لکھتے ہیں کہ یہاں غالب مرحوم کے آگے میر، سودا
ناسخ، آتش، انیس، دبیر، ذوق، مومن، سب کو صفر ہے، اِس اردوئے معلی کا تتبع
یگانہ وبیگانہ اکثر نے کیا، مگر چھ آدمی مشہور ومقبول ہوئے، سر سید احمد خان، مولوی ڈپٹی نذیر احمد
مفتی ذکاء اللہ، مولانا حالی، علامہ شبلی، مولوی محمد حسین آزاد، رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین
اور یہ ایک عجیب حسن اتفاق ہے کہ مؤخر الذکر پانچوں حضرات شمس العلماء کے خطاب سے منجا
نب گورنمنٹ مشرف ومنور ہیں، ہر چند کہ ان حضرات میں ہر ایک نے اپنے مزاج کے موافق
روش جداگانہ اختیار کی، مگر اصولاً یہ اُسی اصل کی فروع ہیں، میرے نزدیک زبانِ حال میں
جس زبان کے الفاظ کی آمیزش کیجائے، غالب مرحوم کی اردو پر فروغ پانا، ناممکن نہیں تو
محال ضرور ہے، چونکہ یہ تذکرہ نہایت خلوص اور دلسوزی سے لکھا گیا ہے اور بکارآمد

[illegible] شک و شبہہ کی گنجائش ہی نہیں، جن حضرات کو زبان کا اور شعر و سخن کا [illegible] ضرور اسکو زیرِ مطالعہ رکھیں گے، اور لطف اُٹھائیں گے، اِنکے تفننِ طبع کے لیے [illegible] سوال اور اُس کا مختصر سا جواب لکھتے ہیں، اور اُن مابہ الامتیاز حضرات سے جن کو اپنی [illegible] کی تحقیق اور توسیع کا شوق ہے عرض کرتے ہیں اور اُمید رکھتے ہیں کہ اس سوال و جواب پر غور و فکر طبع آزمائی فرمائیں گے اور جو کچھ ہماری غلطی ہو اُسکی اصلاح۔ **سوال** بوجہ کثرت حروف ہجا غیر مختلف المخارج وصوت حروف سے کونسی زبان کو وسعت اور فضیلت ہے۔

جواب۔ اِس مسئلہ میں علم اللسان کا یہ اصولی فتویٰ ہے کہ بسبب کثرت و مختلف المخارج وصوت حروف ہجا ایک زبان کو دوسری زبان پر حقیقتاً فضیلت نہیں ہوسکتی، کیونکہ ہر ایک زبان میں وہ مختلف المخارج وصوت حروف داخل کیئے گئے ہیں جو لفظ کے بار کو اُٹھا سکے مثلاً عربی میں یہ حروف داخل نہیں ہیں پ، چ، ژ، گ، اور فارسی میں ث، ح، ذ، ص، ض، ط، ظ، ع، ق، انگریزی میں ت، ش، چ، وغیرہ نہیں ہیں، یہ بحث اگر مفصل دیکھنی ہو تو کتاب لغت انجمن آرائے ناصری یا فرہنگ ناصری کا دیباچہ قابلِ ملاحظہ ہے"۔ ربی دوسری زبان اسکے لیئے دنیا کی تمام زبانوں کے حروفِ ہجا کا مجموعہ زیرِ نظر ہو تو اُس وقت حکم لگایا جاسکتا ہے، اِس سوال و جواب کو پیشِ نظر رکھ کر یہ ملحوظ خاطر ہونا چاہیئے کہ جب صرف ایک حرف کا بار جو ایک زبان سے مخصوص ہے دوسری زبان نہیں اُٹھا سکتی تو لفظ کا بار جو دو یا چند حروف کا مجموعہ ہوتا ہے کیونکر اُٹھایا جاسکتا ہے اور اسکی بدیہی دلیل یا تمثیل معرّب[1]، مفرّس[2] ہِنّد[3] الفاظ کا وجود موجود ہے، حضرت اُستادی حالی مرحوم کے اتباع میں اتنا اور عرض کرونگا کہ لالہ سریرام صاحب کو صحتِ واقعات میں جہانتک ممکن ہو سعی بلیغ کرنی چاہیئے۔

---

[1] غیر زبان کے لفظ کو کسی حرف کی تبدیلی سے عربی بنا لیا گیا ہو۔

[2] کسی عجمی زبان کے لفظ کو کسی حرف کی تبدیلی سے فارسی بنا لیا گیا ہو۔

[3] کسی غیر زبان کا لفظ کسی قدر تبدیلی کے ساتھ یعنی حرف کی تبدیلی سے ہندی بنا لیا گیا ہو۔

[illegible] محسن تخلص تھا، بڑے حکیم محمد احسن خان خلف حکیم محمد حسن خان [illegible]
[illegible] حقیقی بھائی تھے، اور شعر الکلام حکیم محمد حسن خان تھا، صد حیف کہ یہ
[illegible] ہے، نیز تخلص احسان لکھا ہے کہ حافظ نواب عبد الرحمن خان جہان
[illegible] کلام کتنی ہی میں ہے، مگر نہیں، حویلی بازار سرکی والان میں ہے،

انجام فرخ فرجام کے لیے اختتام کلام دعا پر ہونا مستحسن ہے، اللہ تعالیٰ شانہ میرے مخلص دوست لالہ سری رام کو عمر طبیعی صد و سی سال مرحمت فرمائے، اور انکی صحت و ثروت اور ہمت میں روز بروز ترقی عطا کرے تا کہ اس تذکرہ کی تکمیل کے بعد ایک دوسرا تذکرہ اردو فارسی کا بھی مرتب فرما کر شائع کریں، اور جو اہلِ زبان ہونے کے مدعی ہیں اُنکے جو مخلص ہیں ان ایسے تذکرہ کا شیوع بالکل ایک نئی بات ہوگی + ـه

	ستم آنچه کردم ز ہر زہ کلام		تو دانی دگر بعدہٗ والسلام	

احقر العباد میرزا سعید الدین احمد آف لوہارو عرف احمد سعید طالب دہلوی
۳۰ اپریل ۱۹۱۵ء روز آدینہ مبارک

نثر و قطعہ تاریخ از تصنیف لطیف شاعر بدیع نگار خوش گفتار منشی لسبنت لال صاحب عنبر وکیل گورکھپور

آپنے اپنی صحت کا حال کچھ نہیں لکھا، میں ہمیشہ جناب باری سے آپکی صحتِ مزاج کے لیے دعا کرتا رہتا ہوں کہ یہ بڑا کام ترتیب خمخانۂ جاوید کا جو آپنے اپنے ہاتھ میں لیا ہے انجام کو پہنچے، قطعہ بھیجتا ہوں صحیح فرما دیجئے + لسبنت لال عنبر وکیل گورکھپور، ۱۷ مارچ ۱۹۱۵ء

آغاز حسین کا خوب ہو انجام کیوں نہ ہو		انجام نیک اگر ہو تو پھر نام کیوں نہ ہو

سلہ کاتب کی غلطی سے بجائے محمد محسن خان کے محمد حسن خان جلد اول میں چھپ گیا مسودہ میں درست نام موجود تھا۔
سلہ لال ڈگی سے جو سیدھا بازار ٹیوک کے گرجا تک جاتا ہے اس کے ایک حصہ کا نام "سرکی والان" ہے ہ

یہاں [illegible] کہیں شعر کے بہت بہت — "غمخانہ" کتنا اگر ہی [illegible] کیوں نہ ہو
لب لباب سے لیے سب کے کلام کے — بیشک وہ آتشؔ نے کلام کیوں نہ ہو
یہ آپ ہی کا کام تھا احسنت و مرحبا — کیا تذکرہ لکھا ہے سرانجام کیوں نہ ہو
صحت خراب اور مشاغل ہیں انہماک — با ایں ہمہ یہ خوبیِ انجام کیوں نہ ہو
تھے محو ہو وہ جس اہلِ سخن پڑے — روشن کئے جناب نے سب نام کیوں نہ ہو
فیضِ نسیم آپ کا کرتا ہے نامور — اردو کا گرچہ شاعرِ گمنام کیوں نہ ہو
وہ نامراد ملتوی ہستی جنکی کہ جا کمند — دوچار ہاتھ قربِ لبِ بام کیوں نہ ہو
اِس تذکرہ سے انکو حیات ابد ملی — مشہوران کا تذکرہ مادام کیوں نہ ہو
اردو کے شاعروں کی یہ انسائیکلوپیڈیا — اردو ادب میں قابلِ اکرام کیوں نہ ہو
ہیں قدر کی نگاہ سے سب اسکو دیکھتے — یہ منعمِ حقیقی کا انعام کیوں نہ ہو
ہے اپنے آپ فرد یہ مبسوط تذکرہ — مرغوبِ خاص و منتخبِ عام کیوں نہ ہو
وہ غمخانہ" ہی کے سیر سے معدوم ہوتا ہے — جانسوز کیسا ہی غمِ ایام کیوں نہ ہو
"غمخانہ" کے اثر سے ہے زاہد بھی میگسار — مستِ الست رندِ مے آشام کیوں نہ ہو
ہند و مؤلف آپ سا قادر کلام پائے — محفوظ پھر تو طبقۂ اسلام کیوں نہ ہو
خالق نے دی ازل سے لیاقت یہ آپ کو — تقسیم خوب خالقِ قسام کیوں نہ ہو
دلکش ہے انتخاب تو پاکیزہ روئداد — پھر سیر اسکی دافعِ آلام کیوں نہ ہو
پُر حیف ہے کہ ساقیِ غمخانۂ سخن — حصہ کا میرے خم میں ترے جام کیوں نہ ہو
تاریخ اسکی لکھتا ہوں میں تذکرہ ابد — کیا مادہ ہوا ہے یہ الہام کیوں نہ ہو
عنبر کی نظم ہدیہ ہے احباب کے لیے — طرزِ بیاں یہ حملۂ تمام کیوں نہ ہو

اقتباس از تحریر لالہ پرتھوی پال سٹیشن ماسٹر لائٹ ریلوے ریاست گوالیار

میں نے آپکا "غمخانہ جاوید" ایامِ رخصت میں منشی حبلال صاحب رعد وکیل کے یہاں

... نسبت اگر میں کچھ عرض کروں تو میرے قابو سے باہر ہے مگر مختصر عرض کرتا
ہوں کہ ... فرصت کے ایام تک کی خبر نہیں کہ وہ کب ختم ہو سکے اور اس قدر شوق سے
... مطالعات وغیرہ سوائے اس مشغلہ کے کسی دوسرے کام کی فکر تک پیدا نہ ہوئی،

آپ نے جو کام کیا ہے وہ ایسا مبارک و شایستہ ہے کہ جس کا ہر اہلِ سخن کو ہزار زبان
سے شکریہ ادا کرنا چاہیئے بالخصوص ہندو بھائیوں کو جو ابھی تک گوشۂ گمنامی میں پڑے تھے
ٹیک چند بہار، چندربھان برہمن، مہاراجہ پیارے لال آشفتہ مستند فارسی کے شاعر ہوتے
ہوئے جب ایک ضعیف بہانہ سے آزادانہ صفِ شعرا میں بیٹھنے سے محروم رہے تو آپ نے انکے کلا
کلام کو ڈھونڈ نکالا اور اُن پر نہایت درجہ کا احسان کیا۔

یہ تو سچ ہے کہ آپکی محنت اور عرق ریزی کا اندازہ ہم لوگ نہیں کر سکتے مگر اس کہنے سے بھی
باز نہیں رہ سکتے کہ آپ نے اپنی محنت سے کہیں زیادہ احسان جماعتِ شعرا پر کیا ہے کہ جسکے بار سے
وہ ہزار آزادانہ روش پر بھی سبکدوش نہیں ہو سکتے، اور صرف یہی کیوں آپنے انکو زندۂ جاوید
کرنیکے ساتھ ساتھ اپنی محبت عظمت اور کریم النفسی کا نشان روزگار کے دل پر ڈالدیا جو قیامت
تک محو یا مٹ نہیں ہو سکتا ہے

	چو خواہی کہ نامت بود در جہان		مکن نام نیک بزرگاں نہاں	

بندہ پربھو دیال اسٹیشن ماسٹر لائٹ ریلوے گوالیار ۱۴ ستمبر ۱۹۴...

گوہر فشاں از نتائج افکار گوہر نثار مہر اوجِ نکتہ دانی ماہ منیر بزم سخندانی مکرمی ...
وحید الدین احمد بیخود دہلوی یادگار حضرت فصیح الملک مرزا داغ مغفور

	ادائے شکر ہے لازم تجھے زبانِ سخن		کہاں جہان میں پیدا یہ قدر دانِ سخن	

دمن سے پتے اور بات کے دھنی ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے ہمارے دیرینہ عنایت فرما عالیجناب
رسائے سرِ رام صاحب ایم۔ اے۔ مؤلف تذکرۂ خمخانۂ جاوید ہیں، خوشی ہو، غم ہو، سفر
حضر ہو، مرض ہو، صحت ہو، کسی وقت، کسی حال میں تذکرہ کے اضمام تذکرہ کے تک ...

[illegible] تذکرہ ایک سوا تیس ہیان کیا جاتا ہے، کوئی [illegible]
[illegible] پہنچکر معلوم ہوا کہ رسالے صاحب علیل [illegible]
[illegible] ایا، حال پوچھا تو کہا میں عرصے سے علیل ہوں [illegible]
[illegible] میں دیکھ کر میں نے دریافت کیا کہ یہ کاغذ کیسے ہیں جو [illegible]
[illegible] کی حالت میں بھی دیکھے جا رہے ہیں، ارشاد ہوا کہ وہی تذکرے عشق
ہیں اسکو ترتیب دے رہا ہوں، یہ سنکر مجھکو حیرت ہوگئی، اور میں سمجھا کہ جس طرح عاشقان
بس فنا فی اللہ، اور عاشقانِ نبی فنا فی الرسول، اور عشقِ مجازی کے مبتلا فنا فی المعشوق
ہو جاتے ہیں، یہ ہمارے مکرم فنا فی التذکرہ کا درجہ حاصل کر چکے ہیں، اللہ غنی اس
سرگرمی کا کیا ٹھکانا ہے، مگر یہ اسی سرگرمی کا نتیجہ ہے کہ اتنے بڑے تذکرہ کی یہ تیسری جلد اب
ناظرین ملاحظہ کر رہے ہیں، ایسا تذکرہ لکھنا اسی عالی دماغ مؤلف کا کام تھا جسنے اردو زبان
کی بنیاد کو بے انتہا مضبوط کر دیا، افسوس ہے اگر ہمارے اہل ملک ایسے سچے شیفتہ علم و ادب کی
قدر نکریں، مؤلف کا احسان صرف اردو زبان ہی پر نہیں ہے بلکہ اُن دس کروڑ اشخاص
پر بھی ہے جو اردو بولتے ہیں، ہماری رائے میں مؤلف کی دماغ سوزی اور جگر کاوی کی
داد جیسی ملنی چاہئے تھی ابھی تک نہیں ملی، خدا نے چاہا تو اب کوئی دن جاتا ہے کہ جس
طرح شمع پر پروانے گرتے ہیں اِس تذکرہ کے طالب بھی اِسی طرح اس پر گرینگے

یہ وہ ہے جنسِ گراں بار خریداروں میں		جسکا ثانی نہیں ملتا کہیں بازاروں میں	

منصف نگاہیں دیکھ رہی ہیں کہ ہمارے مکرم ہردلعزیز مؤلف نے اپنی قابل قدر عمر کا
[illegible] حصہ اس مخلوق دل نشیں کے آراستہ کرنے میں گنوا دی ہے اور اپنی اور اپنے والد کی
[illegible] دولت کا ایک بڑا حصہ اسکی تلاش و جستجو میں صرف کر دیا ہے جب کہیں جا کر
[illegible] یہ گلدستہ چمنِ معانی کے دیکھنے میں آئی ہے —
[illegible] احسانمندی کے ساتھ جناب [illegible]

دینے کے بعد اس دعا پر ان سطروں کو تمام کرتا ہے۔

تم سلامت رہو ہزاروں سال	تم سے ملتی ہے داد اہل کمال

تقریظ و تاریخ طبع از فکر رنگین خوش گوئے دکنی شیخ محمد عثمان صاحب شاد سابق اڈیٹر رسالۂ آفتاب سخن پونہ معتقد حضرت ظہیر دہلوی

تقریظ کے لکھنے میں جو سرگرم رقم تھا	سجدے میں جھکنے کو سر تسلیم قلم تھا

سبحان اللہ کیا قابل تحسین یہ ریاض پُر فضا ہے۔ اِس چمن کی تازگی تازگی کو بلبل سے پوچھا چاہئے اور اس رنگین منظر کو چشم اہل بصیرت سے دیکھا چاہیئے۔ مہر منیر اسکے آبگینوں کا ظہور ہے۔ ہر الماری اسکی تجلی سے نور علیٰ نور ہے۔ ہر کلیجہ شہید تسلیم و رضا ہے۔ ہر دل پُر حسرت و تمنا سائل حمد و ثنا ہے۔ جل جلالہٗ و عم نوالہٗ و عظم شانہ و اعظم ذکرہ ؏

للہ الحمد کہ جس چیز کی خواہش تھی کمال	پردۂ غیب سے ظاہر ہوا اب اس کا جمال

یہ مجھے آج پہلا اتفاق ہے کہ خمخانہ جاوید کی دوسری جلد دیکھنے کے بعد میرے دل میں تیسری جلد کی تقریظ نگاری کا خیال پیدا ہوا ہے۔ میں اسکی تقریظ بھی نہیں لکھ سکتا۔ اور لکھوں تو کیا لکھوں بقول شخصے کہ سورج کو چراغ تلے دکھانا۔ یہ تالیف جو اس وقت میرے سامنے ہے اور جس پر میں کچھ رائے ظاہر کرنا چاہتا ہوں۔ وہ ایک ایسے مؤلف کے دلی جذبات کا فوٹو ہے جو خاص دہلی کا رہنے والا اور اُردو زبان کا محقق۔ منصف مزاج۔ جس کے سر پر اقلیم سخن کا تاج۔ لائق۔ فائق۔ عاقل فاضل۔ شاعر نکتہ شناس۔ سخنور روشن قیاس۔ ہم آغوش عروس کمال۔ ناظم نظامی مثال جان بلاغت۔ کان فصاحت۔ سخن گستر سراپا ہومر۔ آتش زبان فصیح اللسان۔ شاعر خوش بیان شیریں بیان۔ اہل زبان۔ بلاغت عنوان۔ حاتم ہمت۔ فلاطون حکمت۔ والا جناب۔ معلی القاب عالی مقام۔ زیبا خیال۔ رنگین کلام جناب لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے ہے یہ تمام سنہری حرفوں سے لکھنے کے قابل ہے۔ میں مؤلف کو زیادہ داد کے قابل سمجھتا ہوں اس لئے

اس لیے کہ اسنے زبان اردو پر بہت بڑا احسان کیا اور ہمکو فرض ہوگیا کہ مؤلف کا شکریہ ادا کریں مگر میں حیرت میں ہوں کہ ایسے الفاظ کہاں سے لاؤں جس سے مؤلف کا شکریہ ادا کروں اور احسان سے سبکدوش ہو جاؤں۔ شعرائے ماضی وحال پر احسان کرتے ہوئے ایک یادگار قائم کر دی ہے جو ہماری آیندہ نسلوں کی نظر سے گذریگی۔ ہائے مؤلف نے اپنا کیسا عزیز وقت ضائع کیا۔ کتنی محنت ومشقت سے کلام۔ حالات شعرا کے جمع کیئے چوبیں گھڑی قلم دوات کاغذ سے کام تھا۔ اور اپنا عزیز وقت ہماری یاد میں گذارا۔ ہر شاعر کے کلام پر ایسی رائے ظاہر کی کہ کسی شاعر کو چون وچرا کرنے کا موقعہ نہ ملا۔ شعرائے جہان کے سر پر وہ احسان کا پہاڑ رکھ دیا ہے جس کا حشر تک بوجھ اترنا محال ہے۔ ہم اور شعرائے مرحوم کی روحیں مؤلف کی محنت کی داد دیتے ہیں اور صدق دل سے دعا دیتے ہیں۔ یا اللہ جبتک فلک پر شمس وقمر قائم ہیں اس مؤلف کی عمر دراز کر اور خوش وخرم رہے۔ آمین ثم آمین

اس کام کو اگر میں انجام دیتا تو مکرم جناب لالہ سریرام صاحب سے داد طلب ہوتا جن شعرائے مرحوم کا ذکر پہلی دوسری جلد میں ہوگیا ہے انکی ارواح مؤلف کو دعائے خیر سے یاد کرتی ہونگی۔ خمخانہ جاوید کی پہلی دوسری جلد باغ پربہار ہے جسکی شنا کے لیئے ایک عمر دراز درکار ہے۔ زبان کی کیا تعریف ہو اور طبیعت کی کیا توصیف ہو۔ انتخاب لاجواب۔ تقریر جوہر شمشیر۔ زباندانی۔ جادو بیانی۔ شاعر کے کلام پر ریمارک۔ اس پر دلچسپ تحریر کسی چلبلے معشوق کی تصویر بندش میں سلاست۔ مضمون میں متانت۔ کہیں درد۔ کہیں ذکر آہ سرد۔ کوئی تصویر نوجوانی۔ کوئی طاؤس کا شانی۔ کوئی یوسف کی نشانی۔ کوئی نقش ونگار مانی۔ جلوۂ قدرت باری۔ کرم ابر بہاری۔ کہیں توصیف کاکل۔ کہیں ذکر گیسوئے سنبل۔ کہیں بھولی بھالی صورت کہیں تصویر کیحالت۔ کہیں دلکی بُری گت۔ کاغذ اعلیٰ درجے کا۔ چھپائی عمدہ۔ لکھائی نفیس۔ خمخانہ جاوید کا حرف حرف ستاروں کو جگمگا رہا ہے۔ نقطہ نقطہ روپوں کی طرح چمکتا ہے۔ کاغذ کی چکنائی کسی معشوق کم سن کے رخسار۔ زبانی تعریف بے سود ہے۔ دیکھئے تیسری جلد موجود ہے

آخری التجا - ہم اخیر میں جناب لالہ سریرام صاحب سے التجا کرتے ہیں کہ تیسری جلد میں اگر ج سے جتنی تک فیصلہ ہو تو بہتر ہے - اب ہماری آنکھیں جناب لالہ سریرام کی طرف لگی ہوئی ہیں کہ کب تیسرا ایڈیشن چھپکر ہمارے ہاتھ آتا ہے - چار دن کی زندگی کا کیا بھروسہ ہے ؎

سہارا کیا لڑکپن کا بھروسہ ساز زندگانی کا	چھلک جانے کو ہے بھر کر پیالہ زندگانی کا

جب کبھی میں رات کیوقت انسان کی بے ثباتی پر غور کرتا ہوں تو گھنٹوں اس دھن میں خاموش رہتا ہوں - معمارِ قدرت انسانی عمارت کو کتنے دنوں میں تیار کرتا ہے - اور جب وہ بلندی پر آجاتی ہے تو موت کا سیلاب اُسکو نیست و نابود کر دیتا ہے -

اِس غرض سے میں جناب لالہ سریرام صاحب سے بار بار التجا کرتا ہوں کہ اس سال میں اگر تیسری جلد چھپ کر نکل جائے تو بہتر ہے تاکہ میں اُسے دیکھکر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر لوں اور مؤلف کو دعائے خیر سے یاد کروں اور ڈبل شکریہ ادا کرنے کا مستحق بن جاؤں -

تاریخ

مؤلف نے ایسا کیا انتخاب	نہیں مُنہ کسی کا کرے جو شکایت
نرالی ہے بندش نرالا ہے مضمون	ہر اک رنگ میں ہے نرالی یہ رنگت
ہر اک سطر رنگت میں ہو رشکِ سنبل	ہر اک صفحہ ہے رشکِ گلزارِ جنت
مقابل ہیں حرفوں کے آکر کے چمکے	قمر میں نہ طلعت نہ سورج میں طاقت
شگفتہ ہر اک شعر ہے صورتِ گل	فدا جسپہ سو جان سے مرغانِ جنت
مقابل میں نقطوں کے دیکھو تو صاحب	خجل ہو گئی ہے ستاروں کی طلعت
لکھائی چھپائی مضامین عمدہ	ہر اک صفحہ میں ہے نرالی یہ رنگت
کیا کام ایسا سریرام نے یہ	کہ چاروں طرف ہو گئی خوب شہرت
مطالع سے چوبیس گھنٹے تھا جھگڑا	نہیں کھانے پینے کی تھی اُنکو فرصت
مؤلف کو اشعار ہیں یاد لاکھوں	نہیں دیکھی ایسی کسیکی طبیعت
مؤلف مصنف ہیں جتنے جہان میں	سریرام ایم - اے نے لی اُنپہ سبقت

کرے لاکھ کوشش کوئی کچھ نہ ہوگا
سری رام کا ہے وہ رنگ طبیعت

مؤلف سے دہلی میں ملنا ہوا تھا
یہ میری تھی واللہ خوبی قسمت

نہ بھولونگا ہرگز۔ نہ بھولونگا ہرگز
مجھے یاد ہے آپ کی وہ عنایت

ہزاروں میں لاکھوں میں میں یہ کہونگا
ہے ان میں تو چاہت محبت مروت

ملاقات کرتے ہیں ہر ایک سے آپ
وہ ملتے ہیں ہر ایک سے با محبت

ہیں لالہ **سری رام** ایم اے مؤلف
نہیں جن کا ثانی زمانے میں حضرت

کروں کیا سراپا کی تعریف اُسکے
حسینوں میں ہیں وہ حسیں با نزاکت

گدا در پہ آتے ہیں ان کے ہمیشہ
کہ وا رات دن ہے وہ باب سخاوت

سخاوت میں بیشک وہ ابن سخی ہیں
شجاعت میں رستم سے بڑھکر لیاقت

یہ اِک بات ہے قابلِ داد اُن میں
کسی سے نہیں ہے بُرائی عداوت

لکھو **شاد** یوں مصرع سالِ طبع
ٹھکانے لگی نامی محسن کی محنت

قطعہ تاریخ از تراوش قلم جادو رقم شفیقی و کرم گستری نواب مرزا کاظم علیخان صاحب سٹر ایٹ لا متخلص بہ فہیم رئیس شیش محل لکھنو

ساقیا! لا شراب انگوری
دھوم رندوں میں ہے بہار آئی

گھر کے گھنگھور ابر آیا ہے
کوئی دم میں برستے ہیں موتی

کس غضب کا ہے سبزہ پر جوبن
اب اگر ہے کمی تو بس مے کی

تاک میں دخترِ رز کی بیٹھا ہوں
اُس پری رو کی شاق ہے دوری

عشق میں بس اُسی کے ہوں بھوت
دِل میں ہے درد لب پہ جھُرمٹ لگی

خفقاں کچھ ہوا ہے کچھ سودا
مجھ پہ سحر اُس کا چل گیا ساقی

چہرہ پر زردی آج چھائی ہے
نشہ کی ہوگئی ہرن سُرخی

ضبط کرنے کا اب نہیں یارا
کیا کہوں ایسی ہی ہے مجبوری

تشنگی سے مرا جگر ہے کباب — آتشِ تر کا جام دے جلدی
نظرِ لطف گر تری ہو جائے — سے گلگوں کے چشمے ہوں جاری
بارشِ مے وہ ہو کہ چھک جاؤں — فیض سے تیرے کشتِ دل ہو ہری
دم ترا پھر بہت غنیمت ہے — بس بجھی تک ہو لطفِ میخواری
رہے آباد تیرا میخانہ — روز ہی ہو ترقیٔ روزی
جام پر جام بھر کے مجھ کو پلا — حشر کا ڈر ہو فکر جنت کی
لا برانڈی، کلیبرٹ، ایل مزیل — وسکی، جن پورٹ، شیمپین، شیری
اب تو عادت مری خراب ہوئی — طاعتِ حق مجھے نہیں بھاتی
مے پرستی ہے اب تو دین اپنا — اور مذہب سے مجھکو کیا ساقی
حق پرستی کے نور کے بدلے — چہرہ پر ہو شراب کی سُرخی
قطعہ
آتشِ تر ہے گو حرام ضرور — اُسکے پینے سے ہونگا میں ناری
حشر میں مجھ پہ جو قیامت ہو — دے بھی دے آج بادۂ باقی
میں نے اسلام کو سلام کیا — دُختِ رز کا بنا ہوں شیدائی
ق
حشر ہوگا بُرا مگر تقدیر؟ — پیش آئے گی جو ہے پیش آنی
پر یہاں اس چھوٹنا ہے محال — خوب جی بھر کے کر لوں بادہ کشی
ق
تجھ سے تقریر کیا کروں واعظ — مجھکو لازم ہے یاں پہ خاموشی
تُو نے پی ہوتی گر کبھی بھی مے — پُوچھتا تب یہ چیز ہے کیسی؟
اِس میں لذت ہے کیا بتا واعظا — کیوں تو کرتا ہے شغلِ مینوشی
مگر افسوس تو نے پی ہی نہیں — ورنہ یہ وعظ پھر کہاں ہوتی
خواب میں بھی نہ جسنے دیکھی ہو — اُس کو کیا قدرِ مے کشی ہوگی
ساقیا تو مجھے شراب پلا! — جان واعظ کو بک رہا ہے سڑی

دے ہیر، ہاک ٹام رم اسٹوٹ
اکشا تمبرون اور برکنڈی

پھروں اٹھکیلیاں کروں مے کی
لوگ دیکھیں تو سمجھیں سودائی

تن بدن کا نہ ہوش ہو مطلق
سرسوں پھولی ہے نظر میں مری

جس سے پردے نظر کے سب اٹھ جائیں
ہو وہ جامِ جہاں نما ساقی

ساغرِ مے کو جامِ جسم جو کہا
آسماں کو زمیں سے نسبت دی

کوئی ایسا سماں نظر آئے
جس سے کھلجائے میرے دل کی کلی

جس طرف دیکھ لوں اٹھا کے نگاہ
سامنے آ کھڑی ہو میرے پری

کچھ تعجب کچھ اشتیاق کے ساتھ
اُس سے پوچھوں کہ اے گلِ خوبی

آج کیوں مجھ کو سرفراز کیا
حال پر میرے کیا عنایت تھی

تجھسا بے رحم اور یہ الطاف
تجھسا بیدرد اور یہ ہمدردی

آج تک تیری دید کو ترسا
میری صورت سے تجھکو نفرت تھی

مسکرا کے جواب دے مجھکو
وہ ہمارا تھا نازِ معشوقی

میرا معشوق ساقیا مِلجائے
بس اسی کی ہے اب تو بیتابی

نہ مجھی کو فقط محبت ہے
الفت اسکو بھی مجھسے ہے ایسی

تو نے دیرا تنی جو لگائی سُن
تھی پہاڑ اُسپہ ایک ایک گھڑی

تھا میں اسکے لئے یہاں بیتاب
شاق اُسے واں مری جدائی تھی

لاسکی اپنی [illegible] زباں پہ نہ کچھ
دل ہی دل میں وہ پیچ کھایا کی

بَن پڑی جب اُسے نہ کچھ تدبیر
خون شیشے میں ہو گئی وہ پری

مجھکو لکھنا ہے قطعہ گرماگرم
نشۂ مے کی چاہیئے گرمی

مست ہو کے دو آتشہ مے سے
کہدوں اِک ایسا قطعہ تاریخی

جس میں ہجری ہو اور الہی سال
بکرمی اور عیسوی، فصلی

شہرہ چاروں طرف اِسی کا ہے
کیا سری رام کی کروں تعریف
شاعرِ بے نظیر خوش تقریر
بامروّت خلیق و نیک و سیر
اُن کا لاہور میں بھی شہرہ ہے
درحقیقت کیا اُنھوں نے کمال
جو جو اِس میں اُٹھائی ہو تکلیف
کوئی کہدے کہ ایسا گلدستہ
شاہدِ طبع سے مخاطب ہو
لاسری رام کی کتاب ای شوخ
۱۹۱۲ء
منظرِ اہلِ علم - اختر حسن
سنہ ۱۳۲۱ الجی سنہ ۱۳۱۹ فصلی

لالہ صاحب نے کتاب لکھی
گر بہت بھی لکھوں نہ ہو کافی
صاحبِ علم اور فہیم و ذکی
کیوں نہ نازاں ہو آپ پر دہلی
چشمۂ فیض رواں بھی ہے جاری
خوب گوندھی ہے موتیوں کی لڑی
یہ وہی جانے جس پہ ہو گذری
ایسا نسخہ نہ بھی چھپا ہے کبھی
کہہ اٹھا میں یہ قطعۂ تاریخی
تشتِ پُر نور جامِ جمشیدی
سمبت ۱۹۶۹ بکرمی
پارۂ دل ذہین بیاگرنی
سنہ ۱۳۳۰ھ